فَقِيهٌ وَّاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطٰنِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ
فتاویٰ عالمگیری
اردو جدید
مترجم
مولانا سید امیر علی رحمۃ اللہ علیہ
تسہیل و عنوانات
مولانا ابو عبید اللہ
مکتبہ رحمانیہ
اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ - اردو بازار - لاہور

فَقِيهٌ وَّاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطٰنِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ

فتاویٰ عالمگیری اردو جدید

جلد ششم

مترجم

مولانا سید امیر علی رحمۃ اللہ تعالیٰ

مصنف تفسیر مواہب الرحمٰن و عین الہدایہ وغیرہ

تسہیل و عنوانات

مولانا ابو عبید اللہ

خطیب جامع مسجد رحمۃ للعالمین

ڈیفنس روڈ لاہور

- کتاب الماذون
- کتاب الغصب
- کتاب الشفعۃ
- کتاب القسمۃ
- کتاب المزارعۃ
- کتاب المعاملۃ
- کتاب الذبائح
- کتاب الاضحیۃ

مکتبہ رحمانیہ

اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ - اردو بازار - لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب ——— فتاوىٰ عالمگیری اردو جلد ۴

مترجم ——— مولانا سید امیر علی رحمۃ اللہ علیہ

تسہیل و عنوانات ——— مولانا ابو عبید اللہ

تصحیح ——— طارق اسمٰعیل صاحب ایم اے اسلامیات

مطبع ——— علی اعجاز پرنٹرز

ناشر ——— مکتبہ رحمانیہ

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔
بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرما دیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔

(ادارہ)

فہرست

بسم الله الرحمن الرحیم

کتاب الماذون

اس میں تیرہ ابواب ہیں

باب اوّل ☆

اذن کی تفسیر شرعی، رکن، شروط و حکم کے بیان میں

قال المترجم اذن اجازت ماذون جس کو اجازت دی گئی اور یہ مجور کا مقابل ہے آذن بمد اوّل و کسر ثانی اجازت دینے والا اور مترجم اجازت دہندہ استعمال کرتا ہے۔ واضح ہو کہ شرعاً اذن کے معنی فک[1] حجر اور اسقاط حق کے ہیں، پس کسی زمانہ یا مکان یا کسی قسم کی تجارت کے ساتھ خاص نہیں ہے کذا فی التبیین اور رکن اس کا یہ ہے کہ مثلاً زید[2] اپنے غلام سے کہے کہ میں نے تجھے تجارت کی اجازت دی کذا فی محیط السرخسی شرط اذن یہ ہے کہ غلام ایسا ہو کہ تصرف سمجھتا ہو اور سمجھ کر اس کا قصد کرتا ہو اور اجازت دہندہ مثل بیع و اجارہ و رہن وغیرہ تصرفات کا مالک ہو اور یہ شرط نہیں ہے کہ ماذون کی گردن کا مالک ہو حتیٰ کہ غلام ماذون و مکاتب و شریک مفاوض یا عنان یا باپ و دادا و قاضی و وصی کی اجازت جائز ہے اور اس کا حکم وہی تفسیر شرعی ہے یہ تبیین میں ہے اور اگر ایک روز یا ایک مہینہ کے واسطے اجازت دی تو جب تک منع نہ کرے تب تک برابر علی الاطلاق ماذون رہے گا۔ اسی طرح اگر قاضی و وصی نے یتیم کے غلام کو اجازت دی یا نابالغ عاقل کو اجازت دی تو بھی یہی حکم ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

ہمارے نزدیک اذن با تصرف بھی مخصوص نہیں ہوتا ہے جب کسی غلام مجور کو اجازت دی جائے اور اگر غلام ماذون کو اجازت دی جائے تو مخصوص ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر مولیٰ نے اپنے غلام کو ماذون کیا پھر اس کو سو درہم دیئے کہ اس کے گیہوں خرید ے اس نے آٹا خریدا تو اپنی ذات کے واسطے مشتری قرار دیا جائے گا امام محمدؒ نے اس کو ماذون میں صریح بیان فرمایا ہے اور اس کا ثمن غلام ماذون پر ہو گا کہ اپنے مال سے ادا کرے نہ مال مولیٰ سے اور باوجود اس کے اگر اس نے مال مولیٰ سے ادا کیا تو مولیٰ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اس کا دامن گیر ہو اگرچہ اس نے مال مولیٰ کو تلف کیا بلکہ بائع کا دامنگیر ہو کر اس سے وصول کرے گا کذا فی الذخیرہ۔

باب دوم:

جو اُمور تجارت کے واسطے اجازت قرار پاتے ہیں اور جو نہیں قرار پاتے اُن کے بیان میں

واضح ہو کہ اذن جس طرح بصراحت ثابت ہوتا ہے اس طرح بدلالت بھی ثابت ہوتا ہے مثلاً زید نے اپنے غلام کو خرید و فروخت کرتے دیکھا اور خاموش ہو رہا تو یہ غلام ماذون ہو جائے گا خواہ یہ بیع مولیٰ کے واسطے ہو یا غیر کے واسطے اس کی اجازت سے ہو یا بلا اجازت ہو اور خواہ بیع صحیح ہو یا فاسد ہو یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اگر زید نے اپنے غلام کو خرید و فروخت کرتے دیکھا اور خاموش ہو رہا

---

[1] فک حجر ممانعت تصرف کو توڑ دینا۔ اسقاط حق اپنا حق گرا دینا۔ [2] قولہ مثلاً اس واسطے کہا کہ اجازت کچھ مملوک غلام سے خاص نہیں بلکہ پسر کو اجازت دے اور اسقاط الحق سے یہ غرض کہ اگر وہ غلام مقروض ہوا تو قرض خواہ اس کو فروخت کرا سکتے ہوں کیونکہ مولیٰ اپنا حق خود اجازت سے ساقط کر چکا ہے۔

منع نہ کیا تو یہ غلام ماذون ہو جائے گا اور تصرف جس کو مولیٰ نے مشاہدہ کیا ہے جائز نہ ہوگا مگر اس صورت میں کہ مولیٰ اپنے قول سے اس کی اجازت دے دے خواہ یہ بیع مولیٰ کے واسطے ہو یا غیر کے واسطے مگر بعد اس کے جو تصرف کرے اس کے حق میں ماذون ہو جائے گا یہ سراج الوہاج میں ہے۔

اگر زید نے عمرو کے غلام کو کوئی متاع فروخت کے واسطے دی اور عمرو نے اس کو فروخت کرتے دیکھ کر منع نہ کیا تو عمرو کے سکوت سے غلام ماذون التجارۃ ہو جائے گا اور زید کے حکم سے متاع کی بیع جائز ہوگی پھر مشائخ نے اس بیع کے عہدہ میں اختلاف کیا ہے بعضوں نے فرمایا کہ اس بیع کا عہدہ زید پر ہوگا اور بعضوں نے کہا کہ غلام پر ہوگا یہ محیط میں ہے اور اگر مولیٰ نے اس کو دیکھ کر منع کیا ہو یا نہ دیکھا ہو تو اس کا عہدہ مالک متاع پر ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر زید نے عمرو کے غلام مجور کو غصب کر لیا اور عمرو کو گواہ نہ ملے کہ غلام واپس کر لے اور غاصب قسم کھا گیا پھر غلام نے تصرف کیا اور مولیٰ خاموش رہا پھر عمرو نے گواہ پیش کر کے غلام واپس پایا تو یہ غلام ماذون نہ ہوگا یہ مغنی میں ہے اور اگر غلام نے زید کا مال غصب کر کے فروخت کیا حالانکہ غلام کا مولیٰ اس کو دیکھ رہا ہے اور منع نہیں کرتا ہے تو اس سے وہ غلام ماذون التجارۃ ہو جائے گا اور یہ بیع جائز نہ ہوگی خواہ بحکم مولیٰ ہو یا بلا حکم مولیٰ ہو یہ مبسوط میں ہے۔ اگر زید نے اپنے درہم و دینار سے کوئی چیز خریدتے ہوئے اپنے غلام کو دیکھا اور منع نہ کیا تو ماذون ہو جائے گا پس اگر ثمن مال مولیٰ سے ادا کیا تو مولیٰ کو واپس کر لینے کا اختیار ہے اور جب واپس کر لیا تو یہ بیع باطل نہ ہوگی اور اگر مال مولیٰ کیلی یا وزنی چیز ہو اور مولیٰ نے واپس کر لی تو بیع باطل ہو جائے گی بشرطیکہ یہ کیل وموزون معین ہو اور اگر معین نہ ہو اور مولیٰ نے واپس کر لی تو باطل نہ ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر اپنے غلام کو نکاح کرتے دیکھا یا باندی کو خود ہی نکاح کرتے دیکھا اور خاموش رہا تو صحیح یہ ہے کہ وہ ماذون نہ ہوگا اور اگر مملوک کو اذن عام دے دیا یا اس کا تصرف تمام تجارت کے حق میں جائز ہے اور اس کی یہ صورت ہے کہ مملوک سے کہے کہ میں نے تجھے تجارت کی اجازت دے دی اور کسی نوع تجارت کے ساتھ مقید نہ کیا اسی طرح اگر تجارت کی اجازت بہ لفظ جمع بیان کی تو بھی یہی حکم ہے یہ کافی میں ہے اور اگر ایک نوع تجارت کی اجازت دی نہ غیر کی تو جمیع تجارت کے واسطے ماذون ہوگا خواہ غیر اس نوع سے صریح منع کیا ہو یا سکوت کیا پس جمیع تجارت کے واسطے ماذون ہوگا یہ نہایہ میں ہے اور اگر اپنے غلام سے کہا کہ مجھے ہر مہینہ پانچ درہم اپنی کمائی سے دیا کرے تو یہ اس کے واسطے تمام تجارتوں کی اجازت ہے اسی طرح اگر اپنے غلام سے کہا کہ جب تو مجھے ہزار درہم ادا کر دے پس تو آزاد ہے یا تو آزاد ہے تو بھی یہی حکم ہے کہ اسی طرح اگر کہا کہ میں نے تجھ پر ہر مہینہ دس درہم یا ہر جمعہ پانچ درہم مقرر کیے کہ تو مجھے ادا کرے تو بھی تجارت کے واسطے ماذون ہو جائے گا یہ مغنی میں ہے اور اگر اپنے غلام سے کہا کہ کندی گر یا درزی یا رنگریز کو کام کے واسطے بٹھال تو تمام تجارت کے واسطے ماذون ہو جائے گا اور اگر کہا کہ میں نے تجھے روئی کی تجارت کے واسطے اجازت دی تو تمام تجارت کے واسطے ماذون ہو جائے گا اور اگر اپنے غلام سے کہا کہ پہننے کے واسطے کپڑا خرید کر یا کھانے کے واسطے گوشت خرید کر یا ایسے ہی اور کسی چیز کو کہا تو استحساناً ماذون نہ ہوگا اور یہ اذن استخدام شمار ہوگا نہ اذن تجارت اور فرق یہ ہے کہ اگر ایسے طور کی اجازت دی جس سے عقود مرۃ بعد اخری متکرر ہوتے ہیں حتیٰ کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی مراد نفع ہے تو یہ اجازت اذن شمار ہوگی اور اگر ایک ہی عقد کی اجازت دی جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نفع مقصود نہیں ہے تو اذن نہ ہوگا بلکہ عرف وعادت کے موافق استخدام قرار دیا جائے گا حتیٰ کہ اگر یوں کہا کہ کپڑا خرید کر کے فروخت کر دے تو تجارت کے واسطے ماذون ہو جائے گا اور علی ہذا اگر کہا کہ میرا یہ کپڑا فروخت کر کے اس کے ثمن سے یہ چیز خرید کر تو ماذون التجارت ہو جائے گا اور اسی اصل سے ہم نے کہا ہے کہ اگر زید نے اپنے غلام سے کہا کہ فلاں شخص کے پاس جا اور اپنے تئیں لوگوں کو اجارہ پر فلاں کام کے واسطے تو دے تجارت کے واسطے ماذون ہوگا کیونکہ جو شخص اس سے معاملہ کرے وہ متعین نہیں ہے پس اس

حکم سے لوگوں سے معاملہ کرنا ثابت ہوا پس عقود مختلفہ کا حکم ثابت ہوا اور نوادر میں مسئلہ اجارہ تین طور پر قرار دیا گیا ہے۔

ایک یہ صورت کہ غلام سے کہا کہ فلاں شخص کو اپنے تئیں اجرت پر دے تا کہ اس کی خدمت کیا کرے اور اس صورت میں ماذون التجارۃ نہ ہوگا۔ دوسری یہ صورت کہ اس سے کہا کہ اپنے تئیں اس کو اجارہ پر دے تا کہ تو اس کے واسطے تجارت کیا کرے اور اس صورت میں ماذون التجارۃ ہو جائے گا اور تیسری صورت یہ ہے کہ غلام سے فقط اس قدر کہا کہ اپنے تئیں اس کو اجارہ پر دے دے اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہا تو اس صورت میں ماذون التجارۃ نہ ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے اور فتاویٰ عتابیہ میں ہے کہ اگر مولیٰ نے غلام کو کچھ مدت تک تجارت کرنے کے لئے اجارہ دیا تو یہ اذن ہے اور جو چیز مستاجر کے واسطے خریدنے میں غلام پر قرضہ آ گیا تو اس کو مستاجر سے واپس لے گا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر اپنے غلام کو ایک مشک کلان اور گدھا دیا کہ میرے اور میرے عیال اور پڑوسیوں کو بغیر ثمن پانی پلایا کرے تو یہ تجارت کی اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر طحان نے اپنے غلام کو دحمار دیا کہ اس پر لاد کر گیہوں لایا کرے تا کہ میں اس کو پیسوں تو یہ تجارت کی اجازت نہیں ہے اور اگر غلام کو مشک و گدھا دیا کہ اس پر بھر لا کر فروخت کیا کر تو یہ تجارت کی اجازت ہے اسی طرح اگر غلام کو گدھا دے کر کہا کہ لوگوں سے پیائی کا اناج قبول کر کے اجرت پر اس پر لا د لایا کر تو یہ تجارت کی اجازت ہے اسی طرح اگر لوگوں کا لفظ نہ کہا مگر کسی شخص کو معین نہ کیا تو بھی اجازت ہے یہ محیط میں ہے۔

اگر کہا کہ نقالین وخیاطین میں کام کیا کر یا نقالین وخیاطین کو اپنے تئیں اجرت پر دے دے تو یہ غلام کو تجارت کی اجازت ہے اور اگر غلام کو بھیجا کہ میرے واسطے ایک درہم کا کپڑا یا گوشت خریدے تو یہ استحساناً تجارت کی اجازت نہیں ہے یہ مبسوط میں ہے اور اگر کہا کہ کپڑا خرید کر کے میرے واسطے قمیص قطع کراوے تو ماذون نہ ہوگا بلکہ بضرورت یہ استخدام قرار دیا جائے گا کذا فی الغنی اور اجارہ کی اجازت تجارت کی اجازت ہے اور تجارت کی اجازت اجارہ کی اجازت ہے یہ سراجیہ میں ہے۔ اگر کسی شخص نے اپنے غلام کو کسی مکان کے کرایہ وصول کرنے کے واسطے حکم کیا یا لوگوں پر اپنے قرضہ کے وصول کرنے کا حکم دیا ایسے معاملہ میں خصومت کے واسطے وکیل کیا تو یہ تجارت کی اجازت نہیں ہے اسی طرح اگر اس کو اپنی کھیتی کی یا زمین کی پرداخت یا اپنی عمارت بنوانے کے مزدوروں کی نگہبانی یا اپنے قرضداروں سے حساب کرنے یا لوگوں سے اپنے قرضہ کے تقاضے اور اس میں سے اپنی زمین کے خراج ادا کرنے یا اپنے اوپر جو قرضہ ہے اس کے ادا کرنے کے واسطے مقرر کیا تو اس میں سے کسی صورت سے غلام ماذون التجارۃ نہ ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر اپنے غلام سے کہا کہ میں تجھے تجارت سے منع نہیں کرتا ہوں تو یہ اجازت ہے اسی طرح اگر اس کو لکڑیاں لا کر فروخت کرنے کی اجازت دی تو بھی یہی حکم ہے یہ سراجیہ میں ہے۔

اگر ایک شخص نے اپنے غلام کو مال دیا اور حکم کیا کہ میرے واسطے اناج خریدے تو یہ مسئلہ ماذون میں دو جگہ مذکور ہے ☆

اگر زید کے پاس ایک بڑا گاؤں ہو اور اس نے اپنے غلام سے کہا کہ اس کی زمین اجارہ پر دے اور اناج خرید کر اس میں زراعت کر اور اس کے پھل فروخت کر کے اس کا خراج ادا کر تو غلام تمام تجارتوں کے واسطے ماذون ہو جائے گا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنے غلام کو مال دیا اور حکم کیا کہ میرے واسطے اناج خریدے تو یہ مسئلہ ماذون میں دو جگہ مذکور ہے ایک جگہ یہ حکم دیا ہے کہ غلام ماذون ہو جائے گا اور دوسری جگہ لکھا ہے کہ ماذون نہ ہوگا اور ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ ماذون ہونے کی صورت میں یہ تاویل ہے کہ اس کو مال کثیر دیا کہ جس سے ایک مرتبہ خرید آسان نہیں ہے بلکہ چند مرتبہ کر کے خرید سکتا ہے پس اس صورت میں اس نے عقود متفرقہ کی اجازت دی جس سے ماذون ہو گیا اور ماذون نہ ہونے کی تاویل یہ ہے کہ قلیل دیا جس سے ایک مرتبہ خرید سکتا ہے پس ایک ہی عقد کی

اجازت دی کہ جس سے ماذون نہ ہوا اور اس معنی کی جانب امام محمدؒ نے کتاب میں اشارہ کیا ہے کہ صورت اذن میں صریح فرمایا کہ مال کثیر دیا کذافی المغنی۔ اگر زید نے اپنے غلام کو مال دیا اور کہا کہ فلاں شہر میں جا کر عمرو کو دے تا کہ وہ کپڑا خرید کر تجھے دے دے تو اس کو میرے پاس لا پس غلام نے ایسا کیا تو ماذون التجارۃ نہ ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر زید نے اپنے غلام کو زمین خالص دے کر حکم کیا کہ اناج خرید کر اس میں زراعت کرے اور مزدور کرایہ کر کے ان سے جداول تیار کرائے تا کہ کھیتی کو پانی پہنچے اور زمین کا خراج ادا کر دے تو یہ تجارت کی اجازت ہے اور امام اعظمؒ نے فرمایا کہ اگر اپنے غلام سے کہا کہ میرا یہ کپڑا نفع و بڑھتی کے واسطے یا بطور نفع و بڑھتی کے فروخت کر تو یہ تجارت کی اجازت ہے بخلاف اس کے اگر یہ کہا کہ میرا یہ کپڑا عمرو کے ہاتھ فروخت کر اور یہ نہ کہا کہ بطور نفع کے فروخت کر تو یہ حکم نہیں ہے یہ مغنی میں ہے اور اگر کہا کہ میں نے تجھے آج ایک روز کے واسطے تجارت کی اجازت دی پھر آج کے دن گزرنے پر میں اپنی رائے دوڑاؤں گا تو یہ غلام ہمیشہ کے واسطے ماذون التجارۃ ہو جائے گا یہاں تک کہ اس کو اہل بازار کے سامنے مجور کرے اور اگر کہا کہ میں نے تجھے اس دُکان میں تجارت کی اجازت دی تو جمیع مقامات میں تجارت کے واسطے ماذون ہوگا اسی طرح کسی روز یا کسی ساعت کی اجازت سے تمام ایام کے واسطے ماذون ہوگا تاوقتیکہ اس کو اہل بازار کے سامنے مجور نہ کرے اسی طرح اگر کہا کہ میں نے تجھے صرف اسی مہینہ میں تجارت کی اجازت دی پھر جب مہینہ گزر جائے تو اس کے بعد تو خرید و فروخت نہ کرنا تو یہ حجر باطل ہے کذافی المبسوط۔

اگر اپنے غلام آبق[1] کو تجارت کی اجازت دی تو صحیح نہیں ہے اگر چہ آبق کو معلوم ہو جائے اور اگر آبق کو مع اس شخص کے جس کے قبضہ میں ہے تجارت کی اجازت دی تو صحیح ہے اور اگر غلام مغصوب کو تجارت کی اجازت دی پس اگر غاصب مقر ہو یا مالک کے پاس گواہ ہوں کہ جس سے یہ اس کو غاصب وغیرہ کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہو تو اس کے واسطے اجازت دینے کا مالک ہوگا اور غاصب منکر ہو اور اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو تجارت کی اجازت صحیح نہیں ہے جیسا کہ اس کا فروخت کرنا صحیح نہیں ہے یہ فتاویٰ صغریٰ میں ہے۔ اگر اپنے غلام کو مال کثیر دے کر کسی سمت کو کپڑا خریدنے کے واسطے روانہ کیا مگر اس کے فروخت سے منع کر دیا تو یہ تجارت کی اجازت ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر دور سے اپنے غلام کو اجازت دی اور اس نے نہ سنا تو ماذون نہ ہوگا یہ سراجیہ میں ہے۔ اگر غلام فقط ایک شخص کا ہوا اور اس نے نصف غلام مکاتب کیا تو یہ جمیع غلام کو تجارت کی اجازت ہے پھر صاحبین کے نزدیک پورا غلام مکاتب ہو جائے گا اور امام اعظمؒ کے نزدیک نصف مکاتب ہوگا اور جو مال کمادے اس میں سے نصف مولیٰ کا ہوگا باعتبار اس کے کہ نصف مکاتب نہیں ہے اور نصف مکاتب کا ہوگا باعتبار اسکے نصف مکاتب ہے اور اسکے ذمہ جو کچھ قرضہ لاحق ہوا سکے ادا کے واسطے سعایت کریگا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر پورا غلام ایک شخص کا ہو اور اس نے اہل بازار سے کہا کہ جب تم میرے اس غلام کو تجارت کرتے دیکھو (فسکت ولم انہہ) تو ماذون التجارۃ نہ ہوگا پھر مولیٰ نے اس کو تجارت کرتے دیکھ کر منع نہ کیا خاموش رہا تو ماذون التجارۃ ہو جائے گا کذافی المغنی مما یتصل بھذا الباب مسائل۔

متصلات ☆

اور اس باب سے متصل چند مسائل ہیں۔ واضح ہو کہ اذن کو زمانہ مستقبل کے کسی وقت کی طرف اضافت کرنا جائز ہے اور ایسے ہی تعلیق بالشرط جائز ہے مگر حجر کی تعلیق بالشرط جائز نہیں ہے اور نہ اس کی اضافت زمانہ مستقبل کی طرف روا ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔

اگر اپنے غلام سے کہا کہ جب کل کا روز آئے تو تو ماذون التجارۃ ہے تو کل کے روز ماذون التجارۃ ہو جائے گا اور اگر غلام سے یہ کہا کہ جب کل کا روز آئے تو تو مجور ہے تو صحیح نہیں ہے اور غلام مجور نہ ہو جائے گا اور غلام ماذون نہیں ہوتا ہے تاوقتیکہ اس کو علم نہ ہو جائے حتیٰ کہ اگر مولیٰ نے کہا کہ میں نے اپنے غلام کو تجارت کی اجازت دی حالانکہ غلام نہیں جانتا ہے تو مثل وکالت کے ماذون نہ ہوگا اور اگر

---

[1] آبق بھاگا ہوا غلام اکثر لوگ اس کو پکڑ لیتے ہیں پس جس نے گواہ کر لئے کہ مالک کو واپس دینے کے لئے پکڑتا ہوں تو منزل سے لانے میں چالیس درہم پائے گا اور اگر اپنے واسطے پکڑا تو غاصب ہو گیا۔

کہا کہ میرے غلام سے تم خرید وفروخت کرو کہ میں نے اس کو تجارت کی اجازت دے دی ہے انہوں نے خرید وفروخت کی حالانکہ غلام نہیں جانتا ہے کہ مولیٰ نے مجھے ماذون کیا ہے تو کتاب الماذون کی روایت پر ماذون ہو جائے گا اور ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا کہ بلاخلاف ماذون ہو جائے گا اور غلام کا مجور کرنا بدون اس کے علم کے صحیح نہیں ہے اور مجور نہ ہو جائے گا تاوقتیکہ اس کو معلوم نہ ہو جائے اور اگر بازار[1] میں اس کو مجور کیا حالانکہ اس کو نہیں معلوم ہے پس اگر اس کو دو مردوں یا ایک مرد و دو عورتوں عادل نے خبر دی یا ایک خبر دی یا ایک مرد اور ایک عورت عادل نے خبر دی تو بالاجماع مجور ہو جائے گا خواہ ماذون نے اس خبر کی تصدیق کی ہو یا تکذیب کی ہو یہ جوہرہ نیرہ میں ہے اور اگر مولیٰ نے اپنے غلام کے پاس ایلچی بھیجا یا خط لکھا اور اس کے پاس ایلچی نے پیغام یا خط پہنچا دیا تو ماذون ہو جائے گا خواہ ایلچی کیسا ہی ہو اور اگر کسی فضولی نے اپنی طرف سے اس کو خبر دی تو کتاب الکفالت میں مذکور ہے کہ اگر مخبر وہ شخص عادل یا غیر عادل یا ایک مرد عادل ہو تو ماذون ہو جائے گا خواہ اس نے مخبر کی تصدیق کی ہو یا نہ کی ہو بشرطیکہ خبر کی صداقت ظاہر ہو جائے اور ظاہر ہو جانے ہماری مراد یہ ہے کہ اس کے بعد مولیٰ حاضر ہو کر اپنی اجازت دینے کا اقرار کرے اور اگر اس نے اذن سے انکار کیا تو ماذون نہ ہوگا اور اگر مخبر ایک مرد غیر عادل ہو پس اگر غلام نے مخبر کی تصدیق کی تو ماذون ہو جائے گا اور اگر تکذیب کی تو امام اعظمؒ کے نزدیک ماذون نہ ہوگا اگرچہ خبر کی صداقت ظاہر ہو جائے اور صاحبین کے نزدیک ماذون ہوگا اگر صداقت خبر ظاہر ہو جائے اور صدر الشہیدؒ نے فتاویٰ صغریٰ میں لکھا ہے کہ غلام ماذون ہو جائے گا۔ خواہ مخبر کیسا ہی ہو کذا فی المغنی اور امام ابوحنیفہؒ نے حجر اور اذن میں فرق کیا ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک ایک شخص کی خبر سے حجر ثابت نہیں ہوتا ہے لیکن اگر یہ شخص عادل ہو یا دو مرد مخبر ہوں تو ثابت ہوتا ہے اور ایک شخص فضولی کے کہنے سے ہر حال میں اذن ثابت ہوتا ہے اور شیخ امام خواہر زادہ نے شیخ فقیہ ابوبکر بلخی سے نقل کیا کہ اذن و حجر میں کچھ فرق نہیں ہے کہ غلام جبھی ماذون ہوتا ہے کہ جب غلام کے نزدیک مخبر صادق ہو ایسے ہی حجر بھی فضولی کی خبر سے ثابت نہیں ہوتا ہے مگر جب کہ فضول غلام کے نزدیک صادق ہو اور فتویٰ اسی قول پر ہے کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔

باب سوم:

ان چیزوں کے بیان میں جن کا غلام مالک ہوتا ہے اور جن کا مالک نہیں ہوتا ہے

ماذون کو اختیار ہے کہ مثل[2] قیمت پر خرید وفروخت کرے یا اس قدر نقصان پر جو لوگ نہیں برداشت کرتے ہیں یعنی نقصان فاحش ہو یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور نقصان قلیل پر بالاجماع جائز ہے اور نقصان فاحش پر صاحبین کے نزدیک نہیں جائز ہے اور یہی حکم نابالغ لڑکے ماذون کا ہے اور اگر غلام ماذون نے اپنے مرض الموت میں بیع میں محاباۃ کی تو جمیع مال سے معتبر ہوگی بشرطیکہ اس پر قرضہ نہ ہو اور اگر ہو تو باقی سب میں معتبر ہوگی اور اگر قرضہ اس کے تمام مقبوضہ کو محیط ہو تو مشتری سے کہا جائے گا کہ تو چاہے تو تمام محاباۃ کو پورا کر دے ورنہ ہم بیع رد کر دیں گے یہ جوہرہ نیرہ میں ہے اور ماذون کو بیع سلم و قبول سلم کا اختیار ہے کذا فی الکافی اور غلام ماذون کو اختیار ہے کہ کسی دوسرے کو نقد و ادھار خرید وفروخت کے واسطے وکیل کرے کذا فی المغنی۔

اگر غلام ماذون نے اپنے مدعی یا مدعا علیہ ہونے کی صورت میں کسی کو وکیل کیا تو مثل آزاد کے جائز ہے اسی طرح اگر وکیل یا

---

[1] ظاہر عبارت دلیل ہے کہ بازار کا حجر ایسے مقامات میں ہے جہاں ایک یا دو بازار بستی کے ہوں اور جہاں ایسا نہ ہو جیسے ہندوستان کے بڑے بڑے ... میں وہاں محل تامل ہے واللہ اعلم۔ [2] مثل یعنی جو قیمت ہے اسی کے برابر داموں کو یا فقط اس قدر خسارہ ہو کہ وہ اندازہ کرنے والوں کے اندازہ میں جائے مثلاً ایک نے دس درہم اور دوسرے نے پونے دس درہم اندازہ کئے تو بالاتفاق جائز ہے اور اگر نو درہم کو بیچا تو کوئی اندازہ نہیں کرتا ... ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں ہے محاباۃ قیمت سے کمی پر عوض بیچنا۔

اس کا مولیٰ یا بعض قرض خواہ یا اس کا بیٹا یا مدعی کا بیٹا یا اس کا مکاتب یا اس کا کوئی غلام ماذون ہو تو بھی جائز ہے کذا فی المبسوط۔ اگر ماذون نے اپنے مولیٰ کو اجنبی کے ساتھ خصومت میں وکیل کیا تو جائز ہے خواہ غلام مدعی ہو یا مدعا علیہ ہو اور اس صورت میں اور دوسری صورت میں جو بیان کرتے ہیں فرق ہے وجہ یہ ہے کہ اجنبی نے ماذون کے مولیٰ کو ماذون کے ساتھ خصومت میں وکیل کیا تو صحیح نہیں ہے حتیٰ کہ اگر وکیل نے اپنے موکل کے اوپر کچھ اقرار کر دیا تو اقرار صحیح نہ ہوگا خواہ ماذون مدعی ہو یا مدعا علیہ ہو پس مولیٰ اپنے غلام کی طرف سے بمقابلہ اجنبی وکیل ہو سکتا ہے اور اجنبی کی طرف سے بمقابلہ اپنے غلام کے وکیل نہیں ہو سکتا ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر ماذون کے وکیل نے ماذون پر قاضی کے سامنے کچھ اقرار کیا تو جائز ہے اگرچہ اس کا مولیٰ انکار کرے اور اگر سوائے قاضی کے دوسرے کے سامنے اقرار کیا اور خصم اس کو قاضی کے پاس لایا اور دعویٰ کیا کہ اس نے دوسرے کے سامنے اقرار کیا ہے تو قاضی اس سے دریافت کرے گا پس اگر وکیل نے اقرار کیا کہ میں نے غیر کے سامنے یہاں حاضر ہونے سے پہلے اقرار کیا ہے تو قاضی اس پر ڈگری کر دے گا اور اگر کہا کہ میں نے قبل اس کے کہ مجھے ماذون وکیل کرے اقرار کیا ہے اور خصم نے کہا کہ حالت وکالت میں اقرار کیا ہے تو قاضی اس پر ڈگری کر دے گا اور اگر خصم نے تصدیق کی کہ اس نے قبل وکالت کے اقرار کیا ہے تو قاضی اس کو وکالت سے خارج کر دے گا اور اس کے موکل پر بسبب اس اقرار کے کچھ ڈگری نہ کرے گا اور اگر وکیل نے اقرار سے انکار کیا تو اس سے قسم نہ لی جائے گی اور اگر خصم نے قبل وکالت کے یا قاضی[1] کی وکالت سے نکال دینے کے بعد اقرار کرنے کے گواہ دیے تو اس کا اقرار موکل پر جائز نہ ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔

مسئلہ مذکورہ طرفین کے نزدیک ☆

اگر غلام ماذون نے کسی آزاد کو اپنی متاع فروخت کرنے کا وکیل کیا اس نے ایسے شخص کے ہاتھ جس کا ماذون پر قرضہ ہے متاع فروخت کی تو طرفین[2] کے نزدیک ثمن بدلا جائے گا مگر امام ابو یوسفؒ نے اس میں اختلاف کیا ہے اور اگر دونوں پر قرضہ ہو تو بالاتفاق غلام کے قرضہ سے بدلا ہو جائے گا یہ مغنی میں ہے۔ ماذون نے اگر دوسرے کی طرف سے کسی چیز کے خریدنے کی وکالت قبول کی پس اگر ادھار خریدنے پر قبول کی تو قیاساً اور استحساناً وکالت جائز نہیں ہے اور اگر نقد خریدنے پر قبول کی تو استحساناً جائز ہے اور اگر غیر کی طرف سے بیع کرنے پر وکالت قبول کی تو یہ قیاساً و استحساناً جائز ہے خواہ نقد فروخت کرنے پر یا ادھار فروخت کرنے پر ہو یہ محیط میں ہے اور اگر ماذون نے زید کی باندی اسکے حکم سے فروخت کی پھر قبل تسلیم کے زید نے اس کو قتل کیا تو بیع باطل ہو جائے گی اور اگر ماذون نے اس کو قتل کیا تو ماذون کے مولیٰ سے کہا جائے گا کہ چاہے ماذون کو دے دے یا جنایت کا فدیہ دے چنانچہ قبل بیع کے اگر قتل کرتا تو یہی حکم تھا پھر اس کے مولیٰ نے خواہ کوئی فعل دونوں میں اختیار کیا ہو مشتری کو خیار ہوگا کہ چاہے بیع توڑ دے یا جو باندی کے قائم مقام ہوا ہے اس کو لے کر ثمن ادا کر دے اور اگر ماذون کے مولیٰ نے باندی کو قتل کیا اور ماذون پر قرضہ ہے یا نہیں ہے تو مولیٰ کی مددگار برادری پر واجب ہوگا کہ باندی کی قیمت تین سال کے اندر ادا کریں اور مشتری چاہے بیع توڑ دے اور اس کی قیمت موکل کو ملے گی اور اگر چاہے ثمن ادا کر کے تین سال میں وکیل کے مولیٰ کی مددگار برادری سے قیمت وصول کرے اور اگر ماذون نے اپنی مقبوضہ چیزوں سے زید کے ہاتھ کوئی باندی بعوض باندی کے فروخت کی پھر ماذون نے قبل تسلیم کے اس کو قتل کر ڈالا تو عقد باطل ہو جائے گا کیونکہ غلام کو اپنی کمائی میں وہی اختیار تصرف حاصل ہے جو آزاد آدمی کو اپنی ملک میں حاصل ہوتا ہے پس مبیع اسکے پاس مضمون ہوگی مگر اس چیز کے عوض جسکے مقابل فروخت ہوئی تھی اور وہ چیز زید کے پاس موجود ہے پس ضمان کچھ اور نہ دینی ہوگی اور اس صورت میں خواہ غلام پر قرضہ ہو یا نہ ہو یکساں ہے اس طرح اگر ماذون کے مولیٰ نے اس کو قتل کیا درحالیکہ ماذون مقروض نہیں ہے کیونکہ غلام اپنے مولیٰ کا تابع ہے اسکی کمائی مولیٰ کی خالص ملک ہے اور اگر ماذون مقروض ہو تو مولیٰ قیمت کا ضامن ہوگا کیونکہ اس حالت میں

(۱) یعنی قاضی نے اس کو وکالت سے خارج کر دیا۔ (۲) طرفین امام ابو حنیفہ و محمد۔

اس کی کمائی قرض خواہوں کی ہے یہ مبسوط میں ہے زید نے ایک غلام ماذون کو کوئی چیز مسمی بعوض ثمن مسمی کے خریدنے کے وکیل کیا مگر ثمن نہیں دیا تو استحساناً جائز ہے اور اگر ثمن میعادی ادھار کیا تو جو چیز ماذون وکیل نے خریدی وہ اسی کی ہوگی نہ زید کی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر مولیٰ نے اپنے غلام ماذون کو ایک باندی دی جو اس کی کمائی میں سے نہیں ہے اور حکم کیا کہ اس کو فروخت کرے اس نے فروخت کی اور ہنوز مشتری نے اس پر قبضہ نہ کیا تھا کہ مولیٰ نے اس کو قتل کیا تو بیع ٹوٹ جائے گی اور اگر ماذون نے اس کو قتل کیا پس اگر مولیٰ نے جنایت میں ماذون کو دینا اختیار کیا تو مشتری کو خیار ہوگا اور اگر فدیہ دینا اختیار کیا تو بیع ٹوٹ جائے گی یہ محیط میں ہے۔ اگر ماذون نے زید کی طرف سے ایک خاص غلام فروخت کرنے کی وکالت قبول کی اور فروخت کیا پھر ماذون کو مولیٰ نے مجبور کر دیا پھر مشتری نے غلام مبیع میں عیب پایا تو ماذون جو مجبور ہو گیا ہے اس کا خصم قرار دیا جائے گا پس اگر غلام مبیع بہ ثبوت گواہان یا بانکار قسم یا باقرار عیب درحالیکہ عیب ایسا ہو کہ اس کے مثل پیدا نہ ہو سکتا ہو ماذون مجبور کو واپس دیا گیا تو ثمن کے واسطے وہی غلام مردود فروخت کیا جائے گا ایسا ہی کتاب میں مذکور ہے اور فرمایا کہ اگر مشتری نے ماذون ہونے کی حالت میں وکیل ماذون کو واپس کیا تو مشتری اسی سے ایفاء ثمن کا مطالبہ کرے گا پھر ماذون اس غلام مبیع مردود کو اپنے موکل کو واپس دے گا اور اس سے ثمن واپس لے گا اور درصورتیکہ غلام مبیع فروخت کیا گیا اور اس میں سے مشتری کو ثمن ادا کیا گیا اور کم پڑا تو کیا غلام مجبور فروخت کیا جائے گا تو یہ حکم ہے کہ دیکھا جائے کہ اگر موکل تنگدست نہ ہو بلکہ خوش حال ہو تو فروخت نہ کیا جائے گا بلکہ مجبور سے کہا جائے گا کہ جس قدر دام کم ہوئے ہیں وہ اپنے موکل سے لے کر مشتری کو دے دے اور اگر موکل تنگدست ہو تو مجبور کو فروخت کر کے اس کا ثمن مشتری اور اس کے قرض خواہوں کے درمیان حصہ رسد تقسیم کیا جائے گا پھر بھی اگر مشتری کے کچھ دام باقی رہے تو ماذون مجبور کے موکل سے واپس لے گا اور اسی طرح مجبور کے قرض خواہ بھی جس قدر مشتری نے مجبور کی قیمت میں سے لیا ہے اس قدر موکل سے واپس لیں گے یہ مغنی میں ہے۔

اگر ماذون اور آزاد شخص کے درمیان ایک مشترک باندی ہو اور آزاد نے اس کو اس کے فروخت کرنے کا حکم کیا اور غلام نے ہزار درہم کو فروخت کی پھر اقرار کیا کہ میرے شریک نے تمام ثمن یا نصف ثمن مشتری سے وصول کیا ہے اور مشتری نے اس کی تصدیق کی مگر شریک نے تکذیب کی تو غلام کا اقرار اس امر کے واسطے صحیح ہوگا کہ مشتری نصف ثمن سے بری ہوگا پھر غلام سے شریک کے دعویٰ پر قسم لی جائے گی پس اگر قسم کھائی تو مشتری سے نصف ثمن لے لے گا کہ وہ دونوں کے درمیان برابر تقسیم ہوگا اور اگر قسم سے نکول کیا تو شریک کو آدھا ثمن تاوان دے گا اور مشتری سے نصف[1] ثمن لے گا کہ وہ اسی کو دے دیا جائے گا اور ان میں سے کسی صورت میں مشتری پر قسم نہیں آتی ہے اور اگر شریک نے اقرار کیا ہو کہ ماذون نے تمام ثمن وصول پایا ہے اور مشتری نے تصدیق اور ماذون نے تکذیب کی ہو تو بھی مشتری نصف ثمن سے بری ہوگا اور مشتری پر قسم نہیں آتی ہے اور شریک اپنے شریک ماذون سے قسم لے گا پس اگر نکول کیا تو نصف ثمن شریک کو دینا پڑے گا اور اگر قسم کھالی تو شریک کے حصہ سے بری ہو جائے گا اور مشتری سے نصف ثمن وصول کرے گا کہ اس میں شریک آزاد اس کا ساجھی نہیں ہو سکتا ہے اور اگر شریک نے اقرار کیا کہ غلام نے نصف ثمن وصول کیا ہے تو مشتری چوتھائی ثمن سے بری ہو جائے گا پس مشتری پر ساڑھے سات سو درہم باقی رہیں گے پس جب اس قدر درہم وصول ہوئے تو شریک کو اس کی ایک تہائی اور ماذون کو دو تہائی ملے گی کیونکہ اسی قدر دونوں میں سے ہر ایک کا حق بذمہ مشتری رہ گیا تھا اور ایک شریک نے اقرار کیا کہ غلام ماذون نے

[1] نصف ثمن یعنی جب غلام ماذون قسم کھا گیا تو مشتری سے فقط نصف ثمن وصول کر سکتا ہے اور وہ شریک کے ساتھ بٹوارہ کر لے ہاں اگر قسم سے انکار کر گیا تو حصہ شریک کا ضامن ہوگا اور وہ نصف ثمن ہے اور مشتری پر نصف ثمن باقی تھا وہ غلام خود وصول کر لے۔

مشتری کوثمن سے بری کر دیا یا ہبہ کر دیا ہے تو یہ اقرار باطل ہے اور سب ثمن مشتری کے ذمہ رہے گا۔

ایک غلام ماذون وزید کے عمرو پر دو ہزار درہم ہیں پس زید نے ماذون کو اپنے حصہ کے درہم وصول کرنے کا وکیل کیا تو وکالت جائز نہیں ☆

اگر غلام نے ایسا اقرار کیا اور شریک نے انکار کیا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر اس مسئلہ میں شریک ہی ماذون کی اجازت سے متولی بیع ہوا پھر اقرار کیا کہ غلام نے تمام ثمن یا اپنا حصہ وصول کر لیا ہے تو اس کا وہی حکم ہے جو درصورت ماذون کے متولی بیع ہونے اور شریک پر ایسا اقرار کرنے کے بیان ہوا ہے اور اگر بائع نے غلام کی نسبت بری کرنے یا ہبہ کر دینے کا اقرار کیا تو باطل ہے جیسا کہ اگر ابراء یا ہبہ کو غلام سے معائنہ کیا ہو تو بھی ہبہ باطل ہوتا ہے اسی طرح اگر غلام نے اقرار کیا کہ بائع نے مشتری کو ثمن سے بری یا ہبہ کیا ہے تو بھی یہی حکم ہے، مگر مشتری کا بائع پر ثمن سے بری کرنے کا دعویٰ باقی رہا پس بائع سے اس پر قسم لی جائے گی پس اگر قسم کھائی تو تمام ثمن مشتری سے لے گا اور اگر نکول کیا تو مشتری تمام ثمن سے بری ہوگا اور امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک غلام کو بائع سے نصف ثمن کی ضمان لینے کا اختیار ہو گا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایسی صورت میں مشتری فقط بائع کے حصہ ثمن سے بری ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ ایک غلام ماذون و زید کے عمرو پر دو ہزار درہم ہیں پس زید نے ماذون کو اپنے حصہ کو درہم وصول کرنے کا وکیل کیا تو وکالت جائز نہیں ہے اور جس قدر وصول کرے گا وہ دونوں میں برابر تقسیم ہوگا اور اگر تلف ہوا تو دونوں کا مال گیا اور اگر زید نے ماذون کے مولیٰ کو اس کام کے واسطے وکیل کیا تو بھی یہی حکم ہے بشرطیکہ غلام مقروض نہ ہو اور اگر مقروض ہوگا تو جائز ہے یہ مغنی میں ہے۔

اگر ماذون و اس کے شریک زید کے ہزار درہم عمرو پر قرضہ ہوں اور عمرو منکر ہو گیا پس غلام و شریک نے غلام کے مولیٰ کو اس کی خصومت میں وکیل کیا اور غلام مقروض ہے یا نہیں ہے پھر مولیٰ نے قاضی کے سامنے یوں اقرار کر دیا کہ دونوں نے مال وصول پایا ہے تو اس کا اقرار دونوں کے حق میں جائز ہوگا اگرچہ دونوں اس سے انکار کریں اور اگر شریک نے غلام پر یہ دعویٰ کیا کہ اس نے حصہ وصول کیا ہے پس اگر غلام مقروض نہ ہو تو شریک اس سے اپنا نصف حصہ لے گا جس کے واسطے وہ فروخت کیا جائے گا اور اگر غلام مقروض ہو تو شریک کو اس سے یا اس کے مولیٰ سے لینے کی کوئی راہ نہیں ہے جب تک کہ قرضہ ادا نہ کرے اور اگر غلام نے اپنا قرضہ ادا کیا اور کچھ مال بچا تو اجنبی اس میں سے بقدر اپنے حصہ کے لے لے گا اور اگر ایسا ہوا کہ مولیٰ نے جو کچھ دونوں کی نسبت اقرار کیا ہے اس کی تصدیق کی مگر ماذون نے تکذیب کی خواہ ماذون مقروض ہے یا نہیں ہے تو دونوں میں سے کوئی شخص اپنے شریک سے کچھ نہیں لے سکتا ہے اور اگر شریک نے فقط ماذون کو اپنے حصہ کی خصومت کے واسطے وکیل کیا اور ماذون نے قاضی کے سامنے یہ اقرار کیا کہ شریک کا عمرو کی جانب کچھ نہیں ہے یا یہ اقرار کیا کہ اس نے عمرو سے اپنا حصہ وصول پایا ہے مگر شریک نے اس سے انکار کیا تو عمرو حصہ شریک سے بری ہوگا مگر ماذون اپنا حصہ عمر سے وصول کرے گا کیونکہ اس نے اپنے حصہ کی نسبت کچھ اقرار نہیں کیا ہے پھر جب ماذون اس کو وصول کرے شریک اس میں سا جھی ہو جائے گا خواہ غلام مقروض ہو یا نہ ہو۔ اگر ماذون اور زید کے عمرو پر ہزار درہم ہوں اور وہ مقر ہو کر کہیں غائب ہو گیا پھر ماذون نے شریک پر دعویٰ کیا کہ اس نے اپنا حصہ وصول کیا ہے اور چاہا کہ اس میں سے نصف تقسیم کرا لے اور زید نے انکار کیا اور ماذون کے مولیٰ کو اس مقدمہ میں خصومت کے واسطے وکیل کیا خواہ غلام پر قرضہ ہے یا نہیں ہے یا ماذون کے بعض قرض خواہوں کو وکیل کیا اور وکیل نے اقرار کر دیا کہ زید نے عمر سے اپنا حصہ بھر پایا ہے تو یہ اقرار باطل اور وہ وکیل نہیں ہو سکتا ہے اور اگر زید نے ماذون پر دعویٰ کیا کہ اس نے وصول پایا ہے اور ماذون نے اس مقدمہ میں اپنے مولیٰ یا بعض قرض خواہوں کو وکیل کیا اور وکیل نے ماذون کی نسبت وصول پانے کا اقرار کر دیا تو وکیل کا اقرار اس پر جائز ہے کیونکہ اس اقرار میں وکیل کی کچھ منفعت نہیں ہے بلکہ ضرر ہے اور جب قرض دار حاضر ہوا اور اس نے دعویٰ کیا کہ جس قدر وکیل نے کہا ہے وہ ماذون نے وصول پایا ہے تو اس کی تصدیق نہ ہوگی اسی سبب سے غلام کو اختیار

ہوگا کہ عمرو سے اپنا تمام قرضہ وصول کرے لیکن اگر غلام مقروض نہ ہو اور وکیل اس کا مولیٰ ہو تو مولیٰ کے اقرار کی جو اس نے اپنے ماذون کی نسبت کیا ہے تصدیق کی جائے گی اور یعنی اس صورت میں ماذون عمرو سے نہیں لے سکتا ہے کذا فی المبسوط۔

ایک ماذون مقروض ہے اور قرض خواہ نے ماذون کے بیٹے یا باپ یا باپ کے غلام یا اس کے مکاتب کو وکیل کیا اس نے قرضہ وصول پانے کا اقرار کیا تو تصدیق کی جائے گی کذا فی المغنی۔ اگر زید و عمر کے ماذون پر ہزار درہم قرض ہوں اور غلام نے زید کی نسبت دعویٰ کہ اس نے اپنا قرضہ وصول پایا ہے اور زید نے انکار کیا اور ماذون کے مولیٰ کو اس مقدمہ میں اپنا وکیل کیا تو توکیل باطل ہے اور اگر مولیٰ نے اقرار کیا تو اقرار باطل ہے خواہ غلام مقروض ہو یا نہ ہو اور اگر دوسرا قرضخواہ یعنی عمرو آیا اور جو کچھ ماذون کے مولیٰ نے زید کی نسبت اقرار کیا تھا وہی دعویٰ کیا اور چاہا کہ اپنا حصہ نصف اس سے واپس لے تو ایسا نہیں کرسکتا ہے اور اگر دونوں شریکوں میں سے کسی نے دوسرے کو غلام کے مقدمہ میں اپنا وکیل کیا اس نے قاضی کے سامنے اپنے شریک کی نسبت اپنا حصہ وصول پانے کا اقرار کیا تو یہ اقرار اس پر اور اس کے شریک پر جائز ہوگا اور قرضہ میں سے پانچ سو درہم کم ہو جائیں گے پھر وکیل[1] شریک نے جب باقی پانچ سو درہم وصول کیے تو اس کا شریک اس میں آدھے کا ساجھی ہو جائے گا یہ مبسوط میں ہے جاننا چاہیے کہ مولیٰ اپنے غلام ماذون سے اجنبی کی طرف سے ان کا قرضہ وصول کرنے کا وکیل نہیں ہوسکتا ہے حتیٰ کہ اگر مولیٰ نے اقرار کیا کہ اس نے میرے ماذون غلام سے اپنا قرضہ وصول پایا ہے تو اقرار صحیح نہیں ہے اور غلام بری نہ ہوگا اسی طرح اگر مولیٰ نے گواہوں کے سامنے قرضہ وصول کیا تو وصول صحیح نہیں ہے یعنی غلام اس اجنبی کے قرضہ سے بری نہ ہوگا اور یہ حکم مولیٰ کے حق میں ہے بخلاف غلام کے کہ اگر اس کو کسی اجنبی نے اس کے مولیٰ سے اپنا قرضہ وصول کرنے کا وکیل کیا اور غلام نے قبول کیا تو توکیل صحیح ہے کیونکہ وہ جو کچھ وصول کرے گا اس میں اجنبی کی طرف سے عامل ہے اپنے واسطے کچھ نہیں کرتا ہے اور اپنی جان یا مال کی براءت[2] نہیں کرتا ہے۔ پھر واضح ہو کہ جب غلام کا وکیل ہونا اس معاملہ میں صحیح ٹھہرا تو ہم کہتے ہیں کہ اگر مولیٰ نے گواہوں کے سامنے اپنے ماذون وکیل کو اجنبی کا قرضہ ادا کیا تو مولیٰ بری ہو جائے گا اسی طرح اگر غلام نے اقرار کیا کہ میں نے اپنے موکل کا قرضہ وصول کیا تھا مگر میرے پاس تلف ہو گیا تو اقرار صحیح ہے یعنی اس کا مولیٰ قرضہ سے بری ہو جائے گا مگر غلام سے وصول کرنے اور تلف ہو جانے پر قسم لی جائے گی پس اگر قسم کھائی تو بری ہو گیا اور اگر نکول کیا تو یہ مال اس کی گردن پر پڑے گا جس کے واسطے فروخت ہوگا لیکن اگر مولیٰ اس کا فدیہ دے دے تو فروخت نہ ہوگا۔ یہ محیط میں ہے۔

زید کے کلو و خیرو۔ دو ماذون غلام ہیں ان میں سے ایک کلو پر عمرو کے ہزار درم قرض ہیں اس نے خیرو دوسرے کو اس مال کے وصول کرنے کا وکیل کیا تو جائز ہے اور اگر وکیل نے اس کے وصول پانے کا اقرار کیا تو قسم سے اس کے قول کی تصدیق ہوگی اس کی صورت وہی ہے جو مسئلہ سابقہ میں بیان ہے اور اگر اس نے قسم سے نکول کیا تو یہ مال اس کی گردن پر لازم ہوگا یہ مغنی میں ہے اگر زید نے اپنے دو غلام کلو و خیرو کو ماذون کیا اور ان دونوں پر قرضہ ہو گیا اور کلو کے کسی قرض خواہ نے خیرو کو اپنا قرضہ وصول کرنے کا وکیل کیا اس نے وصول پانے کا اقرار کر دیا تو جائز ہے۔ اور اگر دوسرے کے بعض قرض خواہوں نے پہلے ماذون کو یا اس کے مولیٰ کو اپنا قرضہ وصول کرنے کا وکیل کیا تو وہ وکیل نہ ہوگا اور اس کا قبضہ جائز نہ ہوگا اور اگر دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے قرضہ کے عوض کچھ رہن کیا اور اس کو دوسرے کے قبضہ میں رکھ دیا پھر دونوں مال مرہون تلف ہو گئے تو پہلے ماذون کا رہن اس کے قرضہ کے معاوضہ میں تلف ہوگا اور دوسروں کا مال اس کے مال کے عوض تلف ہوگا اور اگر ماذون مقروض نے اپنے کسی قرض خواہ کو ایک شخص خالد پر حوالہ کر دیا پس اگر ماذون کا خالد پر کچھ مال آتا تھا اس کی وجہ سے حوالہ کیا ہے تو حوالہ باطل ہے اور اگر مال نہیں آتا تھا تو حوالہ جائز ہے۔ پھر اگر طالب نے اسی ماذون محیل کو یا اس کے مولیٰ کو محتال علیہ سے یہ مال حوالہ وصول کرنے کے واسطے وکیل کیا تو قبضہ نہیں جائز ہے اور اگر مولیٰ کے کسی دوسرے غلام یا مولیٰ کے بیٹے یا اس ماذون کے جس پر اصل میں قرضہ تھا کسی غلام کو وکیل کیا اور اس نے اقرار کیا کہ میں نے محتال علیہ سے قرضہ وصول کیا ہے تو اقرار جائز ہے اور اگر مولیٰ پر قرضہ ہو اور اس نے خالد پر حوالہ کر دیا پھر قرض خواہ نے مولیٰ کے غلام کو خالد سے قرضہ وصول کرنے کا وکیل کیا اور اس نے خالد سے وصول پانے کا اقرار کیا تو جائز ہے یہ مبسوط میں ہے۔

---

[1] یہ معنی ہیں اس قول کے کہ یہ اقرار اس پر اور اس کے شریک پر جائز ہوگا۔

[2] اس قول سے اشارہ ہے کہ اگر اس نے موکل کے وصول پانے کا اقرار کیا تو یہ صحیح ہے واللہ اعلم۔

غلام مجور نے اگر خالد کی طرف سے خالد کے کسی مال معین فروخت کرنے کی وکالت قبول کی تو جائز ہے اور جب بیع کر دی تو جائز ہوگی اور اس کا ثمن خالد کو ملے گا مگر بیع کا عہدہ غلام کے ذمہ نہ ہوگا بلکہ خالد پر ہوگا پھر اگر مجور آزاد ہو گیا تو عہدۂ بیع اس کے ذمہ آ جائے گا اور اگر غلام کے آزاد ہونے سے پہلے مشتری نے مبیع میں کچھ عیب پایا تو اس کے مقابلہ میں خصم اس کا یہ غلام نہ ہوگا بلکہ مالک متاع یعنی خالد ہوگا پس اگر مشتری نے عیب کے گواہ پیش کیے تو مبیع خالد کو واپس دے کر اسی سے ثمن واپس لے گا اور گواہ نہ ہوں تو خالد سے علمی قسم لی جائے گی کہ واللہ میں نہیں جانتا ہوں کہ عمرو مخزومی کے غلام نے اس مبیع کو ایسے حال میں فروخت کیا کہ اس میں یہ عیب تھا پس اگر قسم کھا گیا تو دعویٰ سے بری ہوگا ورنہ وہ متاع اس کو واپس دے کر اس سے ثمن واپس لیا جائے گا اور اگر مشتری نے متاع میں عیب لگایا لیکن ہنوز گواہ پیش نہ کیے تھے کہ غلام آزاد ہو گیا تو مدعا علیہ یہی غلام آزاد قرار پائے گا کہ مشتری اسی کے مقابلہ میں اپنے گواہ پیش کرے گا اور اگر گواہ نہ ہوں گے تو اسی غلام سے قسم[1] لے گا۔ اگر مشتری نے غلام کے آزاد ہونے سے پہلے موکل پر گواہ پیش کیے مگر ہنوز قاضی نے ان گواہوں پر مدعی کی ڈگری نہ کی تھی کہ وہ غلام آزاد ہو گیا تو قاضی اسی گواہی سے اس غلام آزاد شدہ پر ڈگری کر دے گا بعد عتق کے مشتری کو دوبارہ غلام پر گواہ پیش کرنے کی تکلیف نہ دے گا اسی طرح اگر قبل عتق کے مشتری موکل پر ایک ہی گواہ پیش کر چکا ہو تو مجور کے عتق کے بعد مشتری دوسرا گواہ اس غلام پر پیش کرے گا اور قاضی پہلے گواہ کے اعادہ کے واسطے اس کو تکلیف نہ دے گا پھر ایسے حال میں اگر قاضی نے گواہوں پر بیع توڑ دی تو دیکھنا چاہیے کہ اگر مشتری نے خود خالد سے ثمن وصول کیا ہے تو مشتری اسی سے اپنا ثمن لے گا غلام آزاد شدہ سے کچھ مطالبہ نہ کرے گا اور اگر غلام نے خالد سے وصول کر لیا ہو تو مشتری اس سے واپس لے گا اور اگر ثمن غلام کے پاس تلف ہوا ہو اور مشتری نے اس سے واپس لیا تو غلام اپنے مؤکل سے پھر واپس لے گا یہ محیط میں ہے۔

اگر ماذون نے زید کے ہزار درہم غصب کر لیے اور اس سے عمرو نے وصول کر لیے اور اس کے پاس تلف ہو گئے پھر زید حاضر ہوا اور اس نے یہ اختیار کیا کہ عمرو سے تاوان لے تو ماذون بری ہو جائے گا پھر اگر ماذون یا اس کے مولیٰ کو عمرو سے اپنے تاوانی درہم وصول کرنے کا وکیل کیا تو وکیل کا اقرار وصول جائز ہے اسی طرح اگر مالک نے ماذون سے تاوان لینا اختیار کر کے عمرو کو وصول کرنے کا وکیل کیا تو وہ بھی جائز ہے لیکن اگر ماذون کے مولیٰ کو اس سے وصول کرنے کا وکیل کیا تو جائز نہیں ہے اگر مولیٰ نے اس صورت میں وصول پانے کا اقرار لیا تو باطل ہوگا۔
اگر مولیٰ نے غلام مقروض کو مدبر کیا اور قرض خواہوں نے یہ اختیار کیا کہ مولیٰ سے اس کی قیمت تاوان لیں پھر مدبر کو یہ تاوان مولیٰ سے وصول کرنے کا وکیل کیا تو یہ توکیل و اقرار وصول جائز نہیں ہے اسی طرح اگر مدبر سے دامنگیر ہو کر وصول کرنا اختیار کیا اور مولیٰ کو اس سے وصول کرنے کا وکیل کیا تو بھی جائز نہیں ہے پھر اگر مدبر کرنے کے بعد مولیٰ نے اس کو آزاد کر دیا تو از سر نو اس پر ضمان عود نہ کرے گی یعنی طالبوں کو یہ استحقاق حاصل نہ ہوگا کہ اس کو ضامن بنا دیں اور اگر وکالت اولیٰ میں اس نے مدبر سے کچھ وصول کیا تو یہ قبضہ قرض خواہوں کے حق میں جائز نہ ہوگا اور اگر بعد آزاد کرنے کے انہوں نے وکیل کیا تو جائز ہے یہ مبسوط میں ہے اور ماذون کو رہن دینے اور رہن رکھنے کا اختیار ہے کذا فی الکافی۔

اگر ماذون نے اپنے قرض خواہوں میں سے کسی کو اس کا قرضہ ادا کرنا یا قرضہ کے عوض رہن دینا چاہا تو دوسرے قرض خواہوں کو روکنے کا اختیار ہے۔ اور اگر قرض خواہ ایک ہی شخص ہو اور ماذون نے اس کے قرضہ کے عوض رہن دیا اور دونوں نے برضامندی مال مرہون مولیٰ کے پاس رکھایا اور اس کے پاس سے ضائع ہو گیا تو غلام کا مال گیا اور قرضہ اس پر بحالہ باقی رہے گا اور اگر دونوں نے مولیٰ کے کسی دوسرے غلام یا مکاتب یا بیٹے کے ہاتھ میں رکھا ہو اور مال رہن تلف ہو گیا تو بعوض قرضہ کے گیا اسی طرح اگر ماذون مقروض نے کسی غلام کے پاس رکھا ہو تو بھی یہی حکم ہے اسی طرح اگر اس کا تلف ہو جانا سوائے غلام کے قول کے اور کسی طرح معلوم نہ ہو تو بھی

---

[1] قولہ قسم لے گا یعنی قاضی قسم لے گا اور یہ مذکور نہیں ہے کہ قسم علمی ہے یا قطعی ہے، چاہیے ہے کہ قسم قطعی ہو واللہ اعلم۔

یہی حکم ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ ماذون کو اختیار ہے کہ زمین اجارہ پر دے یا لے یا مزارعت پر دے یا لے خواہ بیج اس کی طرف سے ٹھہرے ہوں یا کاشتکار کی طرف سے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اس کو اختیار ہے کہ گیہوں خرید کر کے اس میں زراعت کرے کذانی التبیین اور اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ گیہوں دوسرے شخص کو اس غرض سے دے کہ یہ شخص اپنی زمین میں آدھے کی بٹائی پر بودے کذانی النہایہ۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ ماذون کو کفالت بالنفس یا بالمال جائز نہیں ہے خواہ ماذون مقروض ہو یا نہ ہو اور اگر ماذون کے مولیٰ نے اس کو کفالت کی اجازت دے دی اور اس نے کفالت کی تو جائز ہے بشرطیکہ اس پر قرضہ نہ ہو اور اگر قرضہ ہو تو نہیں جائز ہے اور شمس الائمہ سرخسی فرماتے تھے کہ اگر ماذون نے کفالت بالمال کو قبول کیا خواہ باجازت مولیٰ ہو یا بلا اجازت ہو اور اس پر قرضہ تھا تو بعد آزادی کے ماخوذ نہ ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔

اگر ماذون نے اپنے مولیٰ کی اجازت سے زید کے واسطے ضمانت کر لی اور کہا کہ اگر خالد مر گیا اور تیرا حق ادا نہ کیا تو میں ضامن ہوں حالانکہ اس غلام پر بکر کے ہزار درہم قرضہ ہیں اور قرضہ ایسا ہے کہ حالہ ہے یعنی میعادی نہیں ہے پس قاضی نے اس غلام کو ہزار درہم [illegible] مضبوط کر لے گا پھر اگر خالد مر گیا اور زید کا حق ادا نہ کیا تو زید پہلے قرض خواہ بکر سے غلام کو فروخت کیا تو یہ ہزار درہم [illegible] کے ثمن میں سے بقدر حصہ مکفول بہ کے لے گا اور اگر ماذون نے معجل[1] یا موجل کفالت بالنفس باجازت مولیٰ قبول کی پھر مولیٰ نے اس کو فروخت کیا تو جائز ہے اور مکفول لہ کو بیع توڑ دینے کا اختیار نہیں ہے مگر غلام کا جہاں کہیں مشتری کے قبضہ میں پائے گا دامنگیر ہو کر اس کو کفالت میں ماخوذ کرے گا اور یہ ایک عیب ہے سو مشتری کو خیار حاصل ہوگا کہ چاہے بائع کو واپس کر دے اور اگر مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا کہ زید کے عمرو پر جو ہزار درہم آتے ہیں اس کی کفالت اس طور سے کرے کہ اگر عمرو بدون اس مال کے ادا کرنے کے مر گیا تو میں ضامن ہوں پھر اگر مولیٰ نے وہ غلام رب المال کے ہاتھ فروخت کیا تو جائز ہے اور اس کا ثمن مولیٰ کو ملے گا سو اس کو اختیار ہے جو چاہے سو کرے پھر اگر عمرو مر گیا اور قرضہ ادا نہ کیا تو زید اپنا قرضہ بائع سے اس غلام کے ثمن سے واپس لے گا پس اگر اس کا قرضہ ثمن سے زیادہ ہو تو زیادتی باطل ہو جائے گی اور اگر زید نے اس میں کوئی عیب پا کر مولیٰ کو واپس کر کے اپنا ثمن واپس کر لیا ہو تو اس صورت میں وہ غلام اس کے قرضہ کے عوض فروخت کیا جائے گا اور اگر ثمن بائع کے پاس تلف ہو گیا ہو اور مشتری نے عیب پایا تو اس کو واپس کرنے کا اختیار ہے اور بائع سے کچھ نہیں لے سکتا ہے مگر غلام اس کے ثمن کے واسطے فروخت کیا جائے گا پھر اگر ثمن سے کچھ زیادہ بکا تو زیادتی اپنے قرضہ میں لے لے گا یہ مغنی میں ہے۔

مولیٰ نے شرکت مفاوضہ کی اجازت مرحمت کی تو وہ اجازت کن تجارتوں کو شامل ہوگی ☆

ماذون کو اختیار ہے کہ دوسرے سے شرکت[2] عنان کر لے مگر شرکت مفاوضہ نہیں کر سکتا ہے اور اگر شرکت مفاوضہ کر لی تو وہ شرکت عنان ہو کر منعقد ہوگی نہ شرکت مفاوضہ یہ محیط میں ہے۔ پھر واضح ہو کہ شرکت عنان بھی جبھی صحیح ہے کہ جب دونوں نے مطلقاً شرکت اختیار کی ہو نقد و ادھار خریدنے کی قید نہ لگائی ہو اور اگر دو غلام ماذون التجارۃ نے اس طور پر شرکت عنان کر لی کہ باہم نقد و ادھار خریدیں تو اس میں سے ادھار نہیں جائز ہے اور نقد جائز ہے لیکن اگر دونوں کے مولاؤں نے نقد و ادھار خریدنے کی شرکت کی اجازت دے دی، حالانکہ دونوں ماذون مقروض نہیں ہیں تو جائز ہے جیسا کہ اگر ہر ایک کے مولیٰ نے اس کو کفالت کی یا ادھار خریدنے کی وکالت قبول کرنے کی اجازت دے دی تو جائز ہوتی ہے یہ نہایہ میں ہے اور اگر اس کو مولیٰ نے شرکت مفاوضہ کی اجازت دی تو بھی

---

[1] معجل یعنی حاضر ضامنی جس میں کوئی میعاد نہیں ہے اور موجل یہ کہ مثلاً اعلان تاریخ اس کو حاضر کروں گا۔

[2] شرکت عنان اور مفاوضہ کا بیان کتاب الشرکتہ میں دیکھو۔

مفاوضہ علیٰ سبیل العموم تمام تجارات میں جائز نہ ہوگی اور جب بعد اجازت مولیٰ کے بھی تمام تجارات میں جائز ہوئی تو کیا علیٰ سبیل الخصوص ایک بار جائز ہوگی سوامام محمدؒ نے اس مسئلہ کو کتاب میں نہیں لکھا ہے اور شیخ الاسلام نے اپنی شرح میں لکھا ہے کہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ جائز ہے اور کہنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ نہیں جائز ہے یہ محیط میں ہے اور ماذون کو یہ اختیار ہے کہ تجارت کی اجازت دے اور مکاتب کا اور شریک عنان کا ایسی چیز میں جو دونوں کی شرکت کی ہے یہی حکم ہے۔

ہمارے مشائخ نے ایک صورت میں اختلاف کیا ہے وہ یہ ہے کہ نوع[1] خاص کے مضارب نے اگر اپنی مضاربت کے غلام کو تجارت کی اجازت دی تو یہ غلام آیا جمیع تجارت کے واسطے ماذون ہوگا یا اسی نوع خاص کے واسطے اور شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ میرے نزدیک اصح یہ ہے کہ جمیع تجارت کے واسطے ماذون ہوگا کذا فی الظہیر یہ اور ماذون کو اختیار ہے کہ مال کو مضاربت کے واسطے دے اور لے اور بضاعت کے طور پر دے کذا فی المحیط اور ماذون کو اختیار ہے کہ اپنی زمین میں زراعت کرے اور ودیعت دے اور ودیعت لے اور عاریت دے اور عاریت لے کذا فی الذخیرہ اور اس کو ہمارے نزدیک اختیار ہے کہ اپنے تئیں جس کام کے واسطے چاہے اجارہ پر دے دے اور جو چیز اس نے کمائی [illegible] کذا فی البسیط اور ماذون کو اختیار ہے کہ اپنی باندی کو دودھ پلائی پر اجارہ دے اور جو باندی ماذونہ ہو تو اس کو اپنے تئیں دودھ پلائی پر اجارہ دینے کا اختیار ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اس کو یہ اختیار ہے کہ اپنے تئیں فروخت کرے یا رہن کرے کذا فی سراج الوہاج اور اپنے نکاح کرنے کا اختیار بھی نہیں ہے مگر با جازت مولیٰ جائز ہے اور اگر اس نے کسی آزاد عورت سے خود نکاح کر لیا تو دونوں میں تفریق کر دی جائے گی اور بسبب دخول کے جو کچھ مہر اس کے ذمہ لازم آیا اس کے واسطے بعد آزادی کے ماخوذ نہ ہوگا کذا فی المحیط۔

• اپنے مملوکوں کا نکاح نہیں کرا سکتا ہے پس اگر اپنے غلام کا نکاح کر دیا تو بالاجماع نہیں جائز ہے اور اگر باندی کا نکاح کر دیا تو بھی طرفینؒ کے نزدیک نہیں جائز ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور لڑکے ماذون و مضارب و شریک عنان کا بھی یہی حکم ہے یہ سراج وہاج میں ہے اور ماذون کو اختیار نہیں ہے کہ اپنے غلام کو مکاتب کرے اور اگر مکاتب کیا اور مولیٰ نے اجازت دے دی تو جائز ہے بشرطیکہ ماذون مقروض نہ ہو پھر ماذون کو بدل وصول کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے بلکہ مولیٰ کو استحقاق ہے اور اگر مکاتب نے ماذون کو دیا تو بری نہ ہوگا لیکن اگر ماذون کو مولیٰ وصول کرنے کا وکیل کرے تو یہ جائز ہے اسی طرح اگر مولیٰ کی اجازت کے بعد ماذون مقروض ہو گیا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر ماذون پر مال کثیر یا قلیل قرضہ ہو تو اس کی مکاتبت[2] باطل ہے اگر چہ مولیٰ اجازت دے دے پس اگر مکاتبت رد نہ کی یہاں تک کہ اس کے مکاتب نے بدل ادا کیا پس اگر مولیٰ نے اجازت نہیں دی تھی تو مکاتب آزاد نہ ہوگا بلکہ ماذون کا رقیق کر دیا جائے گا اور اس کے قرضہ میں فروخت کیا جائے گا اور جو مال اس نے مکاتبت میں لیا ہے وہ بھی قرضہ میں صرف کیا جائے گا اور اگر مولیٰ نے اجازت دے کر ماذون کو قبض البدل کا وکیل کیا ہو حالانکہ ماذون پر اس قدر قرضہ ہو کہ اس کی جان و مقبوضہ مال کو محیط ہے پھر اس کے مکاتب نے مال کتابت ادا کیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک یہ صورت اور صورت اولیٰ قیاساً یکساں ہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک وہ آزاد[3] ہو جائے گا اور مولیٰ اس کی قیمت قرض خواہوں کو تاوان دے گا اور اسی طرح جو مال کتابت مولیٰ نے وصول کیا ہے وہ بھی واپس لے کر قرض خواہوں کو تقسیم کر دیا جائے گا اور اگر ماذون کا قرضہ اس کی جان و مال کو محیط نہ ہو تو اس کا مکاتب بالاجماع آزاد ہو جائے گا پھر قرض خواہوں کو اس کی قیمت کی ضمان دے گا اور مال کتابت جو مولیٰ و ماذون نے وصول کیا ہے وہ بھی قرض خواہ اپنے

---

[1] نوع خاص مثلاً مضارب سے شرط تھی کہ وہ غلاموں کی تجارت کرے۔

[2] مکاتبت یعنی اگر اس نے اپنے کسی غلام کو مکاتب کیا تو باطل ہے۔

[3] آزاد ہو جائے گا اس وجہ سے کہ یہاں مولیٰ کی اجازت لاحق ہے۔

قرضہ میں لے لیں گے یہ مبسوط میں ہے اور قرض خواہوں کو اختیار ہے کہ تحقیق[1] عتق سے پہلے عقد کتابت کو باطل کر دیں اور اگر باطل نہ کرائی یہاں تک کہ مکاتب ادا کر کے آزاد ہو گیا تو مولیٰ اس کی قیمت قرض خواہوں کو تاوان دے گا یہ محیط میں ہے۔

اگر ماذون کے مکاتب نے بدل کتابت مولیٰ کو مولیٰ کی اجازت دینے سے پہلے ادا کیا تو آزاد نہ ہوگا اور جو کچھ مولیٰ نے وصول کیا ہے وہ اسی کو سپرد کر دیا جائے گا کیونکہ اس کے غلام کی کمائی ہے یہ تبیین میں ہے اور ماذون کو اختیار نہیں ہے کہ اپنی کمائی کے غلام کو بعوض مال کے آزاد کرے اور اگر اس نے باوجود عدم اختیار کے مال پر آزاد کیا اور مولیٰ نے عتق کی اجازت دے دی پس اگر ماذون مقروض نہ ہوگا تو مولیٰ کی اجازت کارآمد ہوگی اور بدل وصول کرنے کا استحقاق مولیٰ کو ہے اور اگر اس غلام پر کچھ قرضہ چڑھ گیا ہوگا تو بدل عتق میں سے کچھ اس کے قرضہ میں صرف نہ کیا جائے گا اور اگر ماذون مقروض ہو پس اگر قرضہ اس کے واسطے محیط ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک مولیٰ کی اجازت کارآمد نہ ہوگی اور صاحبین کے نزدیک کارآمد ہوگی اور اگر قرضہ محیط نہ ہو تو بالاجماع اجازت کارآمد ہوگی اور مولیٰ اس کی قیمت قرض خواہوں کو تاوان دے گا اور قرض خواہوں کو عوض عتق لینے کے کوئی راہ نہیں ہے یہ محیط میں ہے اور ماذون کو درہم یا کپڑا یا ایسی چیزوں کے ہبہ یا صدقہ کرنے کا اختیار نہیں ہے اور جو چیز اس کو بلا شرط عوض ہبہ کی گئی اس کا معاوضہ نہیں دے سکتا ہے اور قرض نہیں دے سکتا ہے۔ اگر مولیٰ نے اس کے ان تبرعات کی اجازت دے دی پس اگر اس پر قرضہ نہیں ہے تو خیر کچھ ڈر نہیں ہے اور اگر قرضہ ہو تو اس میں سے کوئی تصرف جائز نہ ہوگا یہ مبسوط میں ہے اور ماذون کو اختیار ہے کہ ایک پیسہ یا ایک گردہ روٹی یا درہم سے کم چاندی صدقہ کرے اور درہم سے کم چاندی صدقہ کرنے کے جواز پر کتاب المکاتب میں صریح حکم کیا ہے اور اصل میں لکھا ہے کہ اگر ماذون نے صدقہ کیا اور مال صدقہ سوائے گیہوں کے کوئی ایسی چیز ہے جس کی قیمت درہم یا زیادہ ہے تو جائز نہیں ہے یہ مغنی میں ہے۔

تو ماذون کو آسان بہت کم خرچ دعوت کرنے کا اختیار ہے اور یہ حکم استحساناً ہے اور اس کو بڑی ضیافت کا اختیار نہیں ہے پھر آسان و چھوٹی دعوت اور بڑی دعوت کے درمیان حد فاصل[2] ضرور ہے پس شیخ محمد بن سلمہؒ سے روایت ہے کہ یہ مقدار مال تجارت پر ہے پس اگر اس کا مال تجارت مثلاً دس ہزار درہم ہوں اور اس نے دس درہم خرچ کر کے ضیافت کی تو آسان و چھوٹی ہے اور اگر دس درہم ہوں اور اس نے ایک دانگ ضیافت میں خرچ کیا تو عرفاً یہ صرف کثیر ہے یہ تقریر تو اس کی دعوت کے باب میں ہوئی اور رہا کلام ہدیہ میں سو ہم کہتے ہیں کہ ماذون کو ماکولات یعنی خورش کی چیزیں ہدیہ کرنے کا اختیار ہے اور ان کے سوائے درہم و دینار کے ہدیہ کا اختیار نہیں ہے اور ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ ماکولات میں بھی اسی قدر ہدیہ کر سکتا ہے جس قدر دعوت میں صرف کرنے کا اختیار ہے یہ محیط میں ہے اور واضح ہو کہ غلام ماذون کی دعوت قبول کرنے اور اس کے کپڑے یا چوپایہ کو عاریت لینے میں شرعاً کچھ ڈر نہیں ہے کذافی الخلاصہ اور اگر ان چیزوں میں سے جو عاریت لی ہیں کوئی چیز مستعیر کے پاس تلف ہو گئی تو اس پر ضمان لازم نہیں آتی ہے خواہ ماذون مقروض ہو یا نہ ہو یہ مبسوط میں ہے۔ ماذون کا کپڑا پہننا مکروہ ہے یہ خلاصہ میں ہے۔

اگر ماذون نے کوئی باندی خرید کر کے قبضہ کیا پھر بائع نے ثمن ماذون کو ہبہ کر دیا تو جائز ہے ☆

امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنے غلام مجور کو ایک روز کی خوراک دی تو اس کو اختیار ہے کہ اس کھانے میں اپنے بعض رفیقوں کی دعوت کرے یعنی شرعاً کچھ ڈر نہیں ہے اور اگر ایک مہینہ کی خوراک دی تو حکم اس کے خلاف ہے اور عورت کو شرعاً کچھ نہیں ہے کہ اپنے شوہر کی بلا اطلاع اس کے گھر میں سے مثل گردہ روٹی وغیرہ کے خفیف چیز صدقہ کر دے کذافی الکافی۔ قال رضی اللہ عنہ

---

[1] تحقیق یعنی عتق کا ثبوت پورا ہونے سے پہلے۔

[2] حد فاصل یعنی کوئی حد بیان کرنا چاہیے جس سے ثابت ہو کہ اس حد تک چھوٹی دعوت ہے پھر اس سے تجاوز کرے تو بڑی دعوت ہو جائے گی۔

اور ہمارے عرف میں بیوی و باندی نقد مال صدقہ کرنے کے حق میں ماذونہ نہیں ہوتی ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر ماذون نے کوئی باندی فروخت کر کے مشتری کو دے دی پھر ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے یا بعد تمام ثمن یا کچھ مشتری کو ہبہ کر دیا یا مشتری کے ذمہ سے کم کر دیا تو یہ باطل ہے اور اگر مشتری نے مبیع میں کچھ عیب لگایا اور ماذون نے قبضہ سے پہلے یا بعد کچھ ثمن ہبہ کر دیا یا کم کر دیا تو جائز ہے لیکن اگر تمام ثمن ہبہ کیا یا کم کیا تو جائز نہیں ہے اور اگر ماذون نے کوئی باندی خرید کر کے قبضہ کیا پھر بائع نے ثمن ماذون کو ہبہ کر دیا تو جائز ہے اسی طرح اگر بائع نے اس کے مولیٰ کو ہبہ کیا اور اس نے قبول کیا تو بھی یہی حکم ہے کہ یہ صورت بمنزلۂ غلام کے ہبہ کرنے کے ہوگی خواہ غلام ہو یا نہ ہو اور اگر مولیٰ نے اس صورت میں یا غلام نے صورت اوّل میں قبول نہ کیا تو یہ باطل ہو جائے گا اور ثمن ماذون پر بحالہ باقی رہے گا۔

اگر بائع نے غلام کو یا اس کے مولیٰ کو ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے ثمن ہبہ کیا پھر غلام نے باندی میں کچھ عیب پایا تو واپس نہیں کر سکتا ہے یہ حکم استحساناً ہے اور اسی طرح جو ثمن غیر معین ہو اس میں یہی حکم ہے اور اگر ثمن کوئی اسباب معین قرار دیا گیا ہو اور ماذون نے قبل قبضہ کے ایسا ثمن مشتری کو ہبہ کیا تو ہبہ جائز ہے اور اگر مشتری نے ہبہ قبول نہ کیا تو باطل ہے اور اگر ماذون کے قبضہ سے پہلے مشتری نے باندی ماذون کو ہبہ کر دی اور ماذون نے قبول کیا تو جائز ہے خواہ غلام مقروض ہو یا نہ ہو اور یہ فعل فسخ بیع قرار دیا جائے گا اور اگر اس نے ماذون کے مولیٰ کو ہبہ کر دی پس اگر غلام مقروض نہ ہو تو یہ فسخ بیع صحیح ہے اور اگر مقروض ہو اور مولیٰ نے باندی موہوبہ کو قبول کیا اور قبضہ کر لیا تو یہ امر بیع کا نقض نہیں ہے اور اگر باہمی قبضہ کے بعد عرض معین مشتری کو ہبہ کیا اور اس نے قبول کیا تو ہبہ باطل ہے اور اگر مشتری نے باندی کو بعد باہمی قبضہ کے ماذون یا اس کے مولیٰ کو ہبہ کر دی تو ہبہ بطریق ابتدائی احسان کے جائز ہے پھر اگر ماذون نے عرض معین میں کچھ عیب پایا اور وہ مقروض نہیں ہے تو اس کو واپس کرنے کا اختیار نہ ہوگا اور اگر مقروض ہو اور صورت یہ ہوئی کہ مشتری نے ماذون کو باندی ہبہ کی ہے تو بھی یہی حکم ہے اور اگر صورت یہ ہوئی کہ مولیٰ کو ہبہ کی ہے تو ماذون کو اختیار ہے کہ بوجہ عیب کے عرض[1] معین اس کو واپس کرے اور جو کچھ قیمت قبضہ کے روز باندی کی تھی وہ مشتری سے ماذون لے یہ مبسوط میں ہے۔

اگر زید نے اپنے غلام کو تجارت کی اجازت دے اور ماذون نے اپنے مقبوضہ مال میں سے ایک باندی بعوض ایک غلام کے ایک شخص کے ہاتھ فروخت کر کے باہم قبضہ کر لیا پھر مشتری کے پاس باندی میں کوئی عیب آسمانی آفت سے یا فعل مشتری سے یا فعل اجنبی سے پیدا ہو گیا یا اس کے بچہ پیدا ہوا یا مشتری نے اس سے وطی کر لی حالانکہ وہ باکرہ تھی یا ثیبہ تھی یا کسی اجنبی نے اس سے وطی کر لی پھر مشتری نے وہ باندی ماذون یا اس کے مولیٰ کو ہبہ کر دی حالانکہ غلام مقروض ہے یا نہیں ہے پھر ماذون نے غلام میں کچھ عیب پایا تو اس کو اختیار ہے کہ عیب کی وجہ سے مشتری کو واپس کرے یہ مغنی میں ہے۔ اگر ماذون نے زید سے ایک باندی بعوض ہزار درہم و اپنے مقبوضہ ایک غلام کے جس کی قیمت ہزار درہم ہے خریدی اور باہمی قبضہ کر لیا پھر زید نے وہ ہزار درہم جن پر ماذون سے لے کر قبضہ کیا ہے اور اس کا غلام دونوں ماذون کو ہبہ کئے اور ماذون نے دونوں پر قبضہ کر لیا پھر غلام ماذون نے اپنی خریدی ہوئی باندی کو بوجہ عیب کے واپس کرنا چاہا تو واپس نہیں کر سکتا ہے اسی طرح اگر زید نے اس کے مولیٰ کو ہبہ کیا ہو درحالیکہ ماذون مقروض نہ ہو تو بھی یہی حکم ہے اور اگر ماذون مقروض ہو اور ہبہ اس کے مولیٰ کے واسطے واقع ہوا ہو تو ماذون کو عیب کی وجہ سے باندی واپس کرنے کا اختیار ہے اور واپس کر کے بائع سے اپنے ہزار درہم اور غلام کی قیمت لے سکتا ہے پس اگر اس نے واپس کر کے بائع سے یہ سب لے لیا پھر ماذون مقروض کو اس کے قرض خواہوں نے بری کیا یا قرضہ اس کو ہبہ کیا یا مولیٰ یا وارثان مولیٰ کو ہبہ کیا تو ماذون نے جو کچھ بائع سے لیا ہے اس میں سے کچھ واپس

[1] عرض یعنی اسباب و متاع۔

نہ کرے گا یہ مبسوط میں ہے۔

اگر زید نے اپنے غلام کو تجارت کی اجازت دی پھر اس ماذون کا کسی شخص آزاد یا غلام یا مکاتب پر ثمن بیع یا مال غصب واجب ہوا اور ماذون نے اس کو مہلت دے دی تو استحساناً اس کا مہلت دینا جائز ہے اور اگر ماذون نے اس سے اس طور سے صلح کی کہ ایک تہائی بالفعل وصول کرے اور ایک تہائی کے واسطے مہلت دے اور ایک تہائی چھوڑ دے تو مہلت دینا جائز ہے اور چھوڑ دینا باطل ہے اور اگر یہ مال جو واجب ہوا ہے قرض ہو یعنی ماذون نے اس کو قرض دیا ہو پھر ماذون نے اس کو مہلت دی تو پھر اس کو اختیار ہوگا کہ مہلت سے رجوع کر کے فی الحال اس سے وصول کرے کذا فی المغنی اور اگر اسی طور پر راضی رہے تو بہتر ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنے غلام کو تجارت کی اجازت دی پھر اس کے اور ایک شخص زید کے عمرو پر ہزار درہم واجب ہوئے جن میں دونوں قرض خواہ شریک ہیں پھر ماذون نے عمرو کو اپنے حصہ کی مہلت دی حالانکہ فی الحال واجب الادا تھا تو امام اعظمؒ کے نزدیک تاخیر باطل ہے اور مال ویسا ہی فی الحال واجب الادا رہے گا اور دونوں قرض خواہوں میں اگر کوئی کچھ وصول کرے گا تو وہ اس کے اور اس کے شریک کے درمیان مشترک ہوگا اور صاحبین کے نزدیک تاخیر جائز ہے اور تاخیر دہندہ کا ساتھی جس نے تاخیر نہیں دی ہے اگر اس نے کچھ وصول کیا تو خاص اسی کا ہوگا ماذون اس میں شرکت نہیں کر سکتا ہے تاوقتیکہ میعاد نہ آ جائے یہ مغنی میں ہے۔

پھر جب میعاد پوری ہو گئی تو ماذون کو خیار ہوگا چاہے اپنے شریک سے جو اس نے وصول کیا ہے اس کا آدھا لے لے پھر دونوں مل کر باقی مال قرض دار سے وصول کریں گے یا شریک کا وصول کیا ہوا اس کے پاس رہنے دے اور اپنا حصہ قرض دار سے خود وصول کرے اور اگر ماذون نے میعاد پوری ہونے سے پہلے کچھ مال قرض دار سے وصول کیا تو اس کے شریک کو اختیار ہوگا کہ اس میں سے نصف تقسیم کرا لے اسی طرح اگر تمام مال قرضہ میعادی ہو اور ایک شریک نے میعاد پوری ہونے سے پہلے کچھ وصول کیا تو دوسرے کو تقسیم کرا لینے کا اختیار ہے۔ اگر قرضہ فی الحال واجب الادا ہو پھر ماذون نے قرض دار کو ایک سال کی مہلت دے دی پھر شریک نے اپنا حصہ وصول کیا پھر سال گزرنے سے پہلے قرض دار نے خود ہی وہ میعاد مہلت جو ماذون نے برضامندی دے دی باطل کر دی تو میعاد باطل ہو جائے گی لیکن صاحبین کے نزدیک تاوقتیکہ میعاد پوری نہ ہو جائے ماذون کو اس قدر مال میں جو شریک نے وصول کیا ہے شرکت کا اختیار نہ ہوگا پھر جب میعاد گزر گئی تو اس کو اختیار ہوگا چاہے شریک کے مقبوضہ میں ساجھی ہو جائے اور اگر میعاد نہ گزری لیکن قرض دار مر گیا اور مال فی الحال واجب الادا ہو گیا تو ماذون اپنے شریک کے مقبوضہ میں شریک ہو جائے گا اور اگر قرض دار نہیں مرا بلکہ دونوں نے میعاد توڑ دی پھر شریک نے اپنا حصہ وصول کیا تو ماذون کو اپنے شریک کے مقبوضہ میں ساجھا کرنے کا اختیار ہے اور اگر مال فی الحال واجب الادا ہوا اور شریک نے اپنا حصہ وصول کیا پھر ماذون نے قرض دار کو اپنے حصہ کی مہلت دے دی خواہ شریک کے وصول کرنے کا حال جانتا ہو یا نہ جانتا ہو تو صاحبین کے نزدیک مہلت دینا جائز ہے اور جب تک میعاد نہ گذرے تب تک اس کو شریک کے مقبوضہ میں شرکت کی کوئی راہ نہیں ہے پھر جب میعاد گذر گئی تو اس کو شرکت کے مقبوضہ میں نصف کی شرکت کا اختیار ہوگا۔

اگر ادائے مال کی ایک سال میعاد ہو اور شریک نے میعاد سے پہلے وصول کر لیا پھر غلام نے قرض دار کو ایک سال آئندہ کی بھی مہلت دے دی خواہ اس کو شریک کے وصول کرنے کا حال معلوم ہے یا نہیں تو صاحبین کے نزدیک اس کا مہلت دینا جائز ہے اور جب تک پورے دونوں برس نہ گزریں تب تک شریک کے مقبوضہ میں ساجھا نہیں کر سکتا ہے اور اگر مال فی الحال واجب الادا ہو اور شریک

نے اپنا حصہ وصول کیا اور ماذون نے یہ مال[1] اسی کو سپرد کر دیا تو جائز ہے الا یہ کہ جو کچھ قرض دار پر ہے وہ ڈوب جائے پس اگر ڈوب گیا تو شریک کے مقبوضہ میں شریک ہو جائے گا اور اگر مال ایک سال کی میعاد پر ہوا اور ماذون نے قرض دار سے اپنے حصہ کے عوض ایک باندی خریدی تو شریک کو اختیار ہے کہ اپنے نصف حصہ کے واسطے ماذون کو ماخوذ کر کے درہم وصول کرے پس اگر شریک نے اپنے نصف حصہ کو ماذون سے درہموں سے وصول کیا پھر ماذون نے باندی میں عیب پایا اور بحکم قاضی اپنے بائع کو واپس کیا تو پھر مال قرض اپنی میعاد پر عود کرے گا اور غلام اپنے شریک سے جو کچھ اس نے وصول کیا ہے واپس کر لے گا اور اگر ماذون نے وہ باندی بلا حکم قاضی یا با قالہ واپس کی ہو تو شریک سے جو کچھ اس کو دیا ہے واپس نہیں لے سکتا ہے اور ماذون و شریک کے پانچ سو درہم قرض دار پر میعاد آنے پر واجب الادا ہوں گے اور پانچ سو درہم غلام کے قرض دار پر فی الحال واجب ہوں گے اسی طرح اگر ماذون نے وہ باندی قرض دار سے پورے قبضہ ہزار درہم میں خریدی ہو تو بھی یہی حکم ہے مگر فرق اس قدر ہے کہ اس صورت میں شریک اپنا حصہ پانچ سو درہم کامل ماذون سے لے لے گا پھر اگر بلا حکم قاضی یا با قالہ واپس کرنے کے وقت بائع نے ماذون سے یہ شرط کر لی کہ اس کا ثمن اپنی میعاد سابقہ پر واجب الادا ہو تو اپنی میعاد پر واجب الادا ہو گا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ماذون نے ایک غلام اس شرط سے خریدا کہ مجھے تین روز تک خیار ہے پھر مدت خیار کے اندر بائع نے اس کو ثمن سے بری کر دیا پھر ماذون نے وہ غلام بحکم خیار اس کو واپس کیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک صحیح ہے کذا فی الکافی۔

اقالہ بیع میں ماذون کا حکم مثل آزاد کے ہے پس اگر ماذون نے کوئی باندی خریدی اور وہ اس کے پاس بڑھ گئی یعنی اس میں کچھ زیادتی[2] ہو گئی یہاں تک کہ ثمن اس کی قیمت سے اس قدر گھٹ گیا جس قدر خسارہ لوگوں کو برداشت میں نہیں آتا ہے پھر ماذون نے اس کی بیع کا اقالہ کر لیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں ہے یہ مبسوط میں ہے اور اگر ماذون نے ہزار درہم کو ایک باندی خرید کر ثمن ادا کرنے سے پہلے اس پر قبضہ کر لیا اور پھر بائع نے اس کو ثمن سے بری کر دیا پھر باہم بیع کا اقالہ کیا تو امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک بیع کا اقالہ باطل ہے کذا فی الکافی اور اگر اقالہ بیع سو دینار یا دوسری باندی یا دو ہزار درہم پر کیا تو بھی امام اعظمؒ کے نزدیک اقالہ باطل ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور اگر ماذون نے باندی پر قبضہ نہ کیا یہاں تک کہ بائع نے اس کا ثمن اس کو ہبہ کر دیا پھر دونوں نے اقالہ کیا تو بالاجماع اقالہ باطل ہے اس طرح اگر ایسی حالت میں دوسرے داموں پر اقالہ کیا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر دونوں نے بیع کا اقالہ نہ کیا لیکن قبضہ سے پہلے ماذون نے اس میں عیب پایا اور راضی نہ ہوا یا باندی کو دیکھا نہ تھا پھر جب دیکھا تو راضی نہ ہوا اور بیع توڑ دی حالانکہ بائع ثمن اس کو ہبہ کر چکا ہے تو بیع توڑنا باطل ہے یہ مبسوط میں ہے۔

ابانہ میں منتقی سے منقول ہے کہ ماذون نے اپنی تجارت میں سے ایک غلام فروخت کیا پھر مولیٰ نے اس کو مجور کر دیا پھر مشتری نے اس غلام میں عیب پا کر واپس کرنا چاہا تو عیب کی وجہ سے واپس کرنے میں خصم وہی غلام ماذون جو مجور ہو گیا ہے قرار دیا جائے گا پس اگر مجور نے عیب کا اقرار کر دیا تو اس پر کچھ لازم نہ ہو گا اور اگر قسم سے انکار کیا اور قاضی نے اس پر واپس کرنے کی ڈگری کر دی تو جائز ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر ماذون نے کوئی چیز خریدی یا فروخت کی پھر مولیٰ نے اس کی بیع کا اقالہ کر دیا پس اگر ماذون اس وقت تک مقروض نہ ہو تو جو کچھ اس کے مولیٰ نے کیا ہے وہ ماذون پر جائز ہو گا اور اگر ماذون پر اس وقت قرض ہو مگر مولیٰ نے وہ قرضہ ادا کر دیا یا قرض خواہوں نے غلام کو اپنے قرضہ سے بری کر دیا قبل اس کے کہ قاضی اقالہ کو فسخ کرے تو جائز ہے اور اگر قاضی اقالہ کو فسخ کر چکا پھر قرض خواہوں نے اپنے قرضہ سے اس کو بری کیا تو فسخ کا حکم باقی رہے گا یعنی اقالہ فسخ رہے گا اور اگر کوئی عرض بعوض ثمن کے فروخت کر

---

[1] یہ مال یعنی جو شریک نے وصول کیا ہے اس کو ماذون نے شریک کو سپرد کر دیا اور خود ماذون نے کچھ نہ لیا۔

[2] یعنی اس میں ایسی خوبی بڑھ گئی جس سے قیمت بڑھ جاتی ہے بلکہ یہاں تک قیمت زائد ہے الخ۔

کے باہمی قبضہ کرلیا پھر باہم اقالہ کیا حالانکہ عرض تو باقی ہے مگر ثمن تلف ہو چکا ہے یا بعد اقالہ کے تلف ہوا تو اقالہ پورا ہو جائے گا اور اگر ثمن باقی ہو مگر عرض تلف ہو گیا ہو خواہ قبل اقالہ کے یا بعد اقالہ باطل ہے کذا فی المبسوط امام محمدؒ نے فرمایا کہ غلام ماذون نے اپنی کمائی میں سے کوئی مال عین فروخت کیا اور مشتری نے بعد قبضہ کے اس میں عیب لگایا اور عیب خواہ ایسا ہے جس کے مثل پیدا ہو سکتا ہے یا نہیں پیدا ہو سکتا ہے اور اس نے ماذون سے مخاصمہ کیا اور ماذون نے بغیر حکم قاضی بلا قسم و بلا گواہ جو عیب پر شاہد ہوں قبول کر لیا تو جائز ہے اور بیع ٹوٹ جائے گی اور اگر قبول نہ کیا یہاں تک کہ قاضی نے بگواہی گواہان یا با نکار قسم یا باقرار عیب واپس کرنے کا حکم دے دیا تو جائز ہے یہ مغنی میں ہے۔

اگر ماذون نے ہزار درہم کو ایک باندی فروخت کی اور باہمی قبضہ ہو گیا پھر مشتری نے اس کا ہاتھ کاٹا یا اس سے وطی کر لی یا بدوں کسی کے فعل کے اس کی آنکھ جاتی رہی پھر دونوں نے بیع کا اقالہ کر لیا حالانکہ اس سے ماذون کو خبر نہ تھی تو اس کو اختیار حاصل ہوگا چاہے لے لے یا مشتری کو واپس کر دے اور اگر ہاتھ کاٹنے والا یا وطی کرنے والا کوئی اجنبی ہو اور اس پر ارش یا عقر واجب ہوا پھر دونوں نے بیع کا اقالہ کر لیا حالانکہ غلام جانتا ہے یا نہیں جانتا ہے تو امام اعظمؒ کے نزدیک اقالہ باطل ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک صحیح ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر غلام ماذون نے زید کے ہاتھ ایک باندی فروخت کی اور زید نے اس پر قبضہ کر لیا پھر اس میں عیب پا کر غلام کو لے جا کر قاضی کے پاس نالش کی اور گواہ دیئے کہ یہ عیب ماذون کے پاس تھا اور قاضی نے غلام کو وہ باندی واپس کر لینے کا حکم کیا اور ثمن لے لیا پھر غلام نے اس کے بعد اس میں ایک دوسرا عیب جو مشتری کے پاس تھا دیکھا جو غلام کو وقت واپسی کے معلوم نہ ہوا تھا اور نہ قاضی کو معلوم ہوا تھا تو ماذون کو اختیار ہوگا چاہے فسخ کو توڑ دے اور باندی مشتری کو واپس کر کے اس سے سب ثمن سوائے مقدار عیب کے جو ماذون کے پاس کا ہے واپس کر لے اور اگر چاہے تو فسخ کو جائز رکھ کر باندی اپنے پاس رکھے مگر جو عیب ماذون کے پاس تھا اس کے نقصان میں کم یا زیادہ کچھ مشتری سے نہیں لے سکتا ہے یہ مغنی میں ہے۔

اگر بعد فسخ کے بائع کے پاس باندی میں زیادت منفصلہ پیدا ہو گئی تو مشتری اس کو نہیں لے سکتا ☆

اگر غلام نے اس کو واپس نہ کیا یہاں تک کہ اس کے پاس باندی میں دوسرا عیب پیدا ہو گیا تو واپس نہیں کر سکتا ہے مگر ثمن میں سے اس عیب کا نقصان جو مشتری کے پاس پیدا ہو گیا ہے وہ واپس لے گا جیسا کہ مشتری درصورت عیب قدیم پائے جانے اور اس کے پاس دوسرا عیب پیدا ہو جانے کے کر سکتا تھا پس مشتری کو اس صورت میں اختیار ہوگا کہ چاہے باندی کو مع اس عیب کے جو غلام کے پاس پیدا ہوا ہے لے لے پس اگر قبول کر لی اور ثمن دے دیا تو ماذون سے بقدر حصہ عیب قدیم کے جو ماذون کے پاس تھا ثمن میں سے واپس لے گا مگر دوسرے عیب کا نقصان واپس نہیں لے سکتا ہے اسی طرح اگر دوسرا عیب ماذون کی طرف سے کوئی جنایت یا وطی ہو تو بھی یہی حکم ہے اور اگر اجنبی نے کوئی جنایت یا وطی کی ہو اور عقر یا ارش واجب ہوا ہو تو ماذون مشتری سے نقصان عیب جو مشتری کے پاس پیدا ہوا ہے ثمن میں سے واپس لے گا اور اگر بعد فسخ کے بائع کے پاس باندی میں زیادت منفصلہ پیدا ہو گئی تو مشتری اس کو نہیں لے سکتا ہے اور جس طرح یہ زیادت مشتری کے پاس بحق[1] شرعی مانع فسخ عقد ہوتی ہے اسی طرح بائع کے پاس بعد فسخ کے پیدا ہو جانے میں بھی یہی حکم ہے پس جب واپس کرنا متعذر ہو تو بائع کا حق یہ رہا کہ بقدر حصہ عیب کے واپس لے اور اگر مشتری نے ماذون کو پہلے بسبب عیب کے باندی واپس کر دی اور ماذون نے اس پر قبضہ کیا پھر مشتری نے پایا کہ اس کا ہاتھ قطع کیا گیا ہے یا اس سے وطی کی گئی ہے اور اس عیب سے واپس نہ کیا یہاں تک کہ اس میں غلام کے پاس دوسرا عیب پیدا ہو گیا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے باندی کو لے کر ماذون کو تمام ثمن دے کر پھر ثمن میں غلام

[1] بحق شرعی یعنی یہ شرع کا حق ہے کہ عقد فسخ نہ ہو یعنی شرع نے اس کو منع فرمایا ہے۔

سے بقدر حصہ عیب اوّل کے نقصان واپس لے اور اگر چاہے تو ماذون کو بقدر نقصان اس عیب کے جو اس کے پاس پیدا ہو گیا ہے۔ ثمن سے واپس دے اور مراد اس نقصان سے یہ ہے کہ بسبب جنایت کے پیدا ہوا یا بسبب وطی کے درصورت باکرہ ہونے کے پیدا ہوا کہ اس کی مالیت میں بسبب وطی کے نقصان آ گیا اور اگر مشتری نے اس سے وطی کی مگر وہ ثیبہ تھی کہ اس میں وطی سے کچھ نقصان نہیں آیا تو ماذون مشتری کا ثمن میں سے کچھ واپس نہیں لے سکتا ہے اور وہ باندی ماذون کے ذمہ لازم ہو گی اور اگر مشتری کے پاس کسی اجنبی نے اس کا ہاتھ کاٹا یا اس سے وطی کی اور عقر[1] یا ارش واجب ہوا پھر قاضی نے ماذون کو بسبب اس عیب کے جو ماذون کے پاس تھا ماذون کو واپس کر دی اور جو کچھ اجنبی نے مشتری کے پاس اس سے کیا ہے وہ معلوم نہ ہوا پھر ماذون کے پاس باندی میں دوسرا عیب پیدا ہو گیا پھر ماذون کو وہ عیب جو مشتری کے پاس پیدا ہوا تھا معلوم ہوا تو باندی مشتری کو واپس دے جائے گی اور ماذون اس کے ساتھ اس قدر نقصان عیب بھی جو اس کے پاس پیدا ہوا ہے کہ جس سے اس کی قیمت میں نقصان آیا ہے واپس دے گا پھر ماذون مشتری سے ثمن واپس لے گا اگر اس کو دے چکا ہو پھر مشتری ماذون سے عیب اوّل کا نقصان لے لے گا اور اگر وہ عیب جو غلام کے پاس پیدا ہوا ہے کسی اجنبی کے فعل سے ہوا ہو تو مشتری کو خیار ہو گا چاہے یہ نقصان ماذون سے لے لے اور ماذون اس اجنبی سے پھر لے گا یا اجنبی سے لے اور اگر ماذون کے پاس اجنبی نے اس کو قتل کیا تو حکم یکساں ہے اور مشتری ماذون سے باندی کی قیمت لے لے گا اور اجنبی سے لینے کی کوئی راہ نہیں ہے پھر ماذون اس کی قیمت اجنبی سے پھیر لے گا بخلاف اس کے اگر جنایت تلف نفس سے کم واقع ہو کہ اس صورت میں یہ حکم نہیں ہے اور اگر ماذون نے وہ باندی بعد قبضہ مشتری کے فروخت کی تو بیع جائز ہے یہ مبسوط میں ہے۔

اگر ماذون نے زید کے ہاتھ ایک باندی بعوض ایک باندی کے فروخت کی پھر دونوں نے اقالہ کر لیا اور ہنوز قبضہ نہیں کیا تھا کہ ہر ایک باندی کے ایک بچہ پیدا ہو جس کی قیمت ایک ہزار درہم ہے اور ہر ایک باندی کی قیمت بھی ہزار درہم ہے تو ہر ایک اپنی باندی اور اس کے بچہ کو لے لے گا اور اگر بعد اقالہ کے قبضہ نہ کیا یہاں تک دونوں باندیاں مر گئیں تو ہر ایک اپنی باندی مقبوضہ کے بچہ کو مع اس کی ماں کی نصف قیمت کے دوسرے کو دے اور اگر ہر ایک باندی کی قیمت پانچ سو درہم ہوں تو ہر ایک اس بچہ کو جو دوسرے کے پاس ہے مع اس کی ماں کی تہائی قیمت کے لے اور اگر دونوں بچہ مر گئے باندیاں زندہ ہیں تو ہر ایک اپنی اپنی باندی دوسرے سے لے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں لے سکتا ہے اور اگر دونوں باندیاں اور ایک بچہ مر گیا تو جس کے پاس زندہ بچہ موجود ہے وہ دوسرے کو دے دے اور دوسرے سے تہائی قیمت اس باندی کی جو اس کے پاس مر گئی ہے لے لے یہ مغنی میں ہے۔ اگر ماذون نے زید کے ہاتھ ایک باندی کو ہزار درہم کو فروخت کر کے باہمی قبضہ کر لیا پھر باہم اقالہ کر لیا اور ہنوز ماذون نے باندی پر قبضہ نہ کیا تھا کہ عمرو نے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا یا اس سے وطی کی جس سے اس میں نقصان آیا تو غلام کو خیار حاصل ہو گا پس اگر اس نے باندی کا لینا اختیار کیا تو وطی کرنے والے یا جنایت کنندہ کا دامنگیر ہو کر عقر یا ارش وصول کر لیگا اور اگر اس نے اقالہ توڑنا اختیار کیا تو عقر یا ارش مشتری کو ملے گا اور اگر بجائے ہزار درہم کے ثمن میں کوئی عرض معین ہو تو ماذون کو اختیار ہو گا۔ چاہے مشتری سے باندی لے کر وطی کنندہ یا جنایت کنندہ سے عقر یا ارش وصول کرے یا مشتری سے اس کے قبضہ کے روز کی باندی کی قیمت لے کر باندی اس کے پاس رہنے دے اور اس کا عقر و ارش مشتری کا ہو گا اسی طرح اگر جنایت کنندہ نے اس کو قتل کیا تو بھی غلام کو اختیار ہو گا چاہے جنایت کنندہ کی مددگار برادری سے اس کی قیمت بطور دیت کے لے یا مشتری سے فی الحال اس کی قیمت لے پھر مشتری جنایت کنندہ کی مددگار برادری سے تین سال میں اس کی قیمت وصول کر لے گا اسی طرح اگر بعد اقالہ کے وہ باندی مشتری

---

[1] عقر وہ مال بطور مہر جو بے جا وطی کی وجہ سے دینا پڑا۔------

کے پاس مرگئی تو بھی غلام کو اختیار ہے کہ مشتری سے اس کی قیمت وصول کرے اور گر بعد اقالہ مشتری کے فعل سے باندی میں کچھ عیب پیدا ہو گیا تو ماذون کو اختیار ہو گا چاہے مشتری سے قبضہ کے روز کی قیمت لے یا باندی کو لے کر بقدر نقصان کے مشتری سے لے اور اگر قبل اقالہ کے مشتری نے اس میں کوئی عیب پیدا کر دیا پھر اقالہ کیا اور پھر غلام کو اس عیب کی خبر ہوئی تو اختیار ہو گا کہ چاہے مشتری سے باندی کے قبضہ کے روز کی قیمت لے لے یا باندی کو یوں ہی عیب دار لے اور اس کے سوائے کچھ نہیں ملے گا اور اگر ماذون نے چاندی کی چھاگل جس کی قیمت سو درہم ہے بعوض دس دینار کے فروخت کی اور باہمی قبضہ کے بعد اقالہ کیا اور قبل قبضہ کے دونوں جدا ہو گئے تو اقالہ ٹوٹ جائے گا یہ مبسوط میں لکھا ہے۔

باب چہارم:

ماذون پر قرضہ چڑھ جانے اور مولیٰ کا ماذون میں بطور بیع یا تدبیر و اعتاق وغیرہ کے تصرف کرنے کے مسائل کے بیان میں

واضح ہو کہ قرضہ تین طرح ہے۔ ایک وہ قرضہ جو اس کی گردن سے بالاتفاق متعلق ہوتا ہے اور وہ استہلاک یعنی مال تلف کر دینے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ دوسرا وہ قرضہ ہے جو بالاتفاق اس کی گردن سے متعلق نہیں ہوتا ہے اور وہ ہر قرضہ ہے جو ایسی چیز کے عوض واجب ہوا ہو جو تجارت کے معنی میں نہیں ہے جیسے کہ بلا اجازت مولیٰ نکاح کر کے وطی کرنے سے پھر واجب ہوا اور تیسرا وہ قرضہ ہے جس کے گردن سے متعلق ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہے اور وہ ہر قرضہ ہے جو بسبب تجارت و اس کے امثال کے واجب ہوا ہو جیسے خرید و فروخت و اجارہ و استیجار[1] و ضمان مغصوب و ودیعت و امانت درحالیکہ اس سے منکر ہو جائے اور جیسے استحقاق ثابت ہونے کے بعد خریدی ہوئی باندی سے وطی کرنے کی وجہ سے عقر واجب ہوا کیونکہ یہ بھی خرید کی جانب مستند ہے پس اسی کے ساتھ ملحق کر دیا گیا کذا فی الترصیع یہ معدن میں ہے اور اگر زید نے اپنے غلام کو تجارت کی اجازت دی اور غلام نے خرید و فروخت شروع کی اور بعد چندے اس پر بہت سے قرضے ہو گئے اور قرض خواہ لوگ اس کو قاضی کے پاس لائے حالانکہ اس کا مولیٰ حاضر ہے اور مولیٰ سے اس کے فروخت کی درخواست کی پس اگر غلام کے قبضہ میں بالفعل مال موجود ہو کہ اس کے ادائے قرض کے واسطے کافی ہے تو اس کا قرضہ اس کی کمائی سے ادا کیا جائے گا اور غلام ان کے قرضے میں فروخت نہ کیا جائے گا اور اگر بالفعل اس کے پاس موجود نہیں ہے مگر اس کا مال غائب ہے کہ اس کی درآمد[2] کی امید ہے یا اس کا کسی شخص پر ایسا قرضہ ہے جو فی الحال واجب الادا ہے اور اس کے نکل آنے کی امید ہے تو قاضی اس کے فروخت میں تعجیل نہ کرے گا بلکہ انتظار کرے گا کہ مال برآمد ہو یا قرضہ وصول ہو جائے اور اس انتظار کی کوئی مدت مقرر نہیں فرمائی۔

ہمارے مشائخ میں سے بعضوں نے فرمایا کہ اس کی مدت قاضی کی رائے پر ہے پس اگر کچھ مدت نہ گذری اور قاضی کی رائے میں انتظار کی میعاد گزر چکی تو غلام کو فروخت کر دے گا اور اگر اس کی رائے میں مدت نہیں گزری بلکہ انتظار کی گنجائش معلوم ہوئی تو فروخت نہ کرے گا اور فقیہ ابو بکر بلخی سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ انتظار کی مدت تین روز ہیں پس اگر تین روز گزرنے پر اس کو مال غائب کے برآمد ہونے یا قرضہ کے وصول ہونے کی امید ہو تو انتظار کرے، یہاں تک کہ مال غائب برآمد ہو یا قرضہ وصول ہو اور اگر ایسا نہ ہو

[1] استیجار کرایہ پر لینا ضمان مغصوب یعنی کوئی چیز غصب کر کے تلف کی جس کا تاوان لازم آیا اور جب ودیعت سے منکر ہو تو ضامن ہو جاتا ہے۔

[2] درآمد یعنی وصول ہونے کی امید ہے۔

یعنی تین روز کے گزرنے پر امید نہ ہو تو فروخت کر دے پھر اگر دونوں قولوں کے موافق انتظار کی مدت گزر گئی اور مال غائب برآمد نہ ہوا اور قرضہ وصول نہ ہوا تو قاضی غلام مقروض کو ان کے قرضہ میں فروخت کرے گا یہ سب اس صورت میں ہے کہ مولیٰ حاضر ہو اور اگر مولیٰ غائب ہو تو جب تک مولیٰ حاضر نہ ہو قاضی اس غلام کو فروخت نہ کرے گا پھر اگر مولیٰ کے حاضر ہونے پر قاضی نے اس غلام کو فروخت کیا تو ثمن لے کر دیکھے گا کہ اگر ثمن سے تمام قرضے ادا ہو سکتے ہوں تو ہر ایک قرض خواہ کو اس کا پورا حق ادا کر دے گا پھر اگر کچھ باقی رہا تو مولیٰ کو دے دے گا اور اگر ثمن میں سے تمام قرضے ادا نہ ہو سکتے ہوں تو ہر ایک قرض خواہ کو اس کے حصہ رسید ثمن میں سے ادا کر دے گا پھر جو کچھ ہر ایک کا قرضہ رہ گیا اس کو غلام سے وصول کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے تاوقتیکہ وہ آزاد نہ ہو جائے، یہ ذخیرہ میں ہے۔

پھر اگر اس غلام کو اسی مولیٰ نے خرید کیا جس کے مواجہ میں قاضی نے قرض خواہوں کے واسطے وہ غلام فروخت کیا ہے تو قرض خواہ لوگ اپنے باقی قرضے کے واسطے خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو اس کے دامنگیر نہیں ہو سکتے ہیں، اگرچہ وہ غلام اسی کی ملک میں آ گیا، جس کی ملک میں اس غلام پر قرضہ واجب ہوا تھا یہ مغنی میں ہے۔ اگر بعض قرضے فی الحال واجب الادا ہوں یعنی غیر میعادی ہوں اور بعض میعادی ہوں تو قاضی غلام کو فروخت کر کے غیر میعادی قرض خواہوں کو ان کے حصہ کے موافق دے کر باقی میعادی قرض خواہ ہونے کا حصہ رکھ چھوڑے گا کہ بروقت میعاد آنے کے ان کو ادا کر دے گا اور یہ سب اس وقت ہے کہ سب ظاہر ہوں اور اگر بعض ظاہر اور بعض غیر ظاہر ہوں لیکن سبب وجوب ظاہر ہو گیا چنانچہ غلام نے راہ میں کوئی کنواں کھودا اور اس پر قرضہ ہے تو قاضی اس کو فروخت کر کے قرض خواہ کو ثمن سے اس کے قرضہ کے موافق دے دے گا اور اگر ثمن مثل قرضہ کے ہو یعنی دونوں برابر ہوں تو پورا اس کو دے دے گا پھر اس کے بعد اگر اس کنویں میں کوئی جانور گر کر مر گیا تو جانور کا مالک قرض خواہ سے لے گا پس بقدر قیمت جانور کے مالک کا اور بقدر قرضہ کے قرض خواہ کا ثمن میں حصہ لگایا جائے گا ہکذا فی التاتارخانیہ میں ہے۔ اگر بعض قرض خواہوں نے قاضی سے اس کے فروخت کی درخواست کی حالانکہ دوسرے قرض خواہ غائب ہیں اور قاضی نے حاضرین کے واسطے اس کو فروخت کیا تو سب کے حق میں اس کی بیع جائز ہے پھر حاضرین کو قاضی ثمن میں سے بقدر ان کے حصہ کے دے دے گا اور غائبین کا حصہ رکھ چھوڑے گا۔ اگر غلام نے قبل فروخت کیے جانے کے یوں کہا کہ مجھ پر فلاں غائب کا اس قدر مال ہے اور مولیٰ نے اس کے قول کی تصدیق یا تکذیب کی مگر قرضخواہان حاضر نے کہا کہ فلاں شخص کا اس پر تھوڑا یا بہت کچھ نہیں ہے تو غلام کی اس بارہ میں تصدیق ہو گی پھر اگر فلاں غائب نے حاضر ہو کر غلام کے قول کے تصدیق کی تو اپنا حق لے لے گا اور اگر تکذیب کی تو جس قدر قاضی نے اس کے حق میں رکھ چھوڑا ہے وہ بھی حاضرین کو حصہ رسید تقسیم کر دے گا یہ مغنی میں ہے۔

اگر غلام نے بعد فروخت ہونے کے ایسا اقرار کیا اور مولیٰ نے اس کے اقرار کی تصدیق کی تو قرض خواہوں کے حق میں دونوں کے قول کی تصدیق نہ کی جائے گی اور تمام ثمن قرضخواہان معروفین کو دے دیا جائے گا، پھر اگر فلاں غائب نے حاضر ہو کر اپنے حق کے گواہ پیش کیے تو جس قدر قرض خواہوں نے ثمن وصول کیا ہے ان سے بقدر اپنے حصہ کے لے لے گا اور اگر قاضی نے چاہا کہ قرض خواہان حاضر سے غائب کے آنے سے تک مضبوطی کے واسطے کوئی کفیل لے اور قرض خواہوں نے اس سے انکار کیا تو وہ لوگ اس امر پر مجبور نہ کئے جائیں گے لیکن اگر انہوں نے بخوشی خاطر کفیل دے دیا تو جائز ہے اور اگر غائب نے حاضر ہو کر گواہ دیے کہ قبل بیع کے غلام نے میرے قرضہ کا اقرار کیا ہے تو ایسا بھی جائز ہے پھر اگر قرض خواہوں حاضر نے کفیل دیا ہو اور فلاں غائب کا حق بہ گواہی گواہان ثابت ہوا تو اس کو اختیار ہو گا کہ چاہے قرض خواہوں سے اپنا حصہ لے لے یا کفیل سے وصول کر لے پھر کفیل اسی قدر مال قرض خواہوں سے واپس لے لے گا یہ مبسوط میں ہے۔ پھر واضح ہو کہ اگر قاضی یا اس کے امین نے قرض خواہوں کے واسطے غلام کو فروخت کیا تو عہدہ بیع اس

کے ذمہ نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر مشتری نے غلام میں عیب پایا تو قاضی یا اس کے امین کو واپس نہیں کر سکتا ہے لیکن قاضی ایک وصی مقرر کرے گا جس کو مشتری واپس کردے گا اسی طرح اگر مشتری سے یا قاضی یا اس کے امین نے ثمن وصول کیا اور اس کے پاس ضائع ہو گیا پھر وہ غلام مشتری کے پاس سے استحقاق ثابت کر کے لے لیا گیا۔

مسئلہ مذکورہ میں مشائخ کے اختلاف کی وجہ ☆

تو مشتری اپنا ثمن قاضی یا اس کے امین سے واپس نہیں لے سکتا ہے بلکہ فقط قرض خواہوں سے واپس لے گا پھر اگر وہ غلام اس کے بعد آزاد ہو گیا تو قرض خواہ لوگ اس سے اپنا قرضہ وصول کریں گے اور یہ تو ظاہر ہے مگر جو کچھ انھوں نے ڈانڈ بھرا ہے وہ بھی واپس لیں گے یا نہیں تو اس کا ذکر کسی کتاب میں نہیں ہے اور ہمارے مشائخ نے اختلاف کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ تاوان غلام سے نہیں لے سکتے ہیں اور شیخ الاسلام خواہرزادہ نے شرح کتاب الماذون میں ذکر کیا کہ قاضی نے اگر اپنے امین کو ماذون مدیون کے فروخت کے واسطے بدرخواست قرضخواہان حکم کیا پس اگر یوں کہا کہ میں نے تجھے اس غلام کی فروخت کے واسطے امین مقرر کیا تو امین اس صورت میں بیع کا عہدہ دار نہ ہوگا یعنی بیع کا عہدہ اس کے ذمہ نہ ہوگا اور اگر فقط بیع کے واسطے کہا اس سے زیادہ کچھ نہ کہا تو اس میں مشائخ نے اختلاف کیا اور یہ صحیح یہ ہے کہ عہدہ بیع امین کے ذمہ لاحق نہ ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔ پھر جس صورت میں کہ مشتری نے وہ غلام بسبب عیب کے قاضی کے مقرر کئے ہوئے وصی کو واپس کیا تو قاضی اس کو حکم کرے گا کہ یہ غلام فروخت کرے اور اس کا عیب ظاہر کر دے پس اگر اس نے فروخت کیا اور ثمن وصول کیا تو پہلے مشتری کا قرضہ ادا کیا جائے گا پھر دیکھا جائے گا کہ اگر دوسرا ثمن بہ نسبت پہلے ثمن کے کم ہو تو بقدر کمی کے قرض خواہ لوگ مشتری کو تاوان دیں گے اور امین اس کی کمی کا تاوان نہ دے گا اور اگر دوسرا ثمن زیادہ ہو تو مشتری کو اس کا حق ادا کر کے باقی قرض خواہوں کو دے دیا جائے گا۔ اگرچہ بعد بیع کے قرض خواہوں کا حق غلام سے منقطع ہو گیا تھا یہ مغنی میں ہے۔

اگر وہ غلام امین کے پاس واپس آیا اور امین کے فروخت کرنے سے پہلے امین کے پاس مر گیا تو امین اس کا ثمن قرض خواہوں سے واپس لے کر مشتری کو دے دے گا یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر مولیٰ نے غلام کی کمائی میں سے کچھ لے لیا پس اگر لینے کے وقت غلام قرض دار نہ تھا پھر اس کے بعد قرض دار ہو گیا تو جو کچھ مولیٰ نے لیا ہے اس کا واپس دینا مولیٰ پر لازم نہیں ہے۔ اگرچہ وہ چیز بعینہ قائم ہو اور اگر تلف کر دی ہو تو ضمان[1] لازم نہیں آتی ہے اور اگر اس وقت غلام قرض دار ہو تو جو کچھ مولیٰ نے لیا ہے اس کا واپس دینا مولیٰ پر واجب ہے بشرطیکہ بعینہ قائم ہو اور اگر تلف کر دی ہو تو ضمان لازم آئے گی یہ مغنی میں ہے۔ اگر مولیٰ نے اس سے ہزار درہم لے کر تلف کر دئے اور اس وقت اس پر پانچ سو درہم قرضہ ہے پھر اس کے بعد اس پر اس قدر قرضہ ہو گیا کہ غلام کی قیمت اور جو کچھ مولیٰ نے لیا ہے سب کو محیط ہو گیا تو مولیٰ پورے ہزار درہم تاوان ادا کرے اور وہ قرض خواہوں کو دے دے جائیں گے اور غلام بھی قرضہ میں فروخت کیا جائے گا اور اگر غلام پر زیادہ قرضہ نہ ہو گیا ہو تو مولیٰ فقط نصف کا ضامن ہوگا۔ اور اگر ماذون پر اس قدر قرضہ ہو گیا کہ اس کے تمام مال مقبوضہ اور اس کی گردن کو محیط ہے پھر اس کے بعد مولیٰ نے اسے دس درہم ماہواری ماحصل لیا یہاں تک کہ مال کثیر وصول کیا تو جو کچھ مولیٰ نے وصول کیا وہ سب اس کو دیا جائے گا اور یہ حکم استحسان ہے اس واسطے کہ مولیٰ کے اس طور پر ماحصل لینے میں قرض خواہ ہونے کی منفعت ہے اس لیے کہ ماحصل وصول ہونے پر مولیٰ کی طرف سے غلام ماذون باقی رہے گا اور اگر اس سے ماہواری سو درہم ماحصل لیا تو باطل ہے اور

[1] ضمان لازمی پس اگر مثلی ہو یا درہم و دینار ہوں تو اس کے مثل دے اور اگر قیمتی ہو تو کیا وہ قیمت دے جو قبضہ کے روز تھی یا وہ قیمت جو حکم قاضی کے روز تھی اور دونوں وجہیں ہیں اور دوم اصح ہے کیونکہ آج معلوم ہوا کہ مولیٰ کو واپس کر دیا۔

مولیٰ پر واجب ہوگا جو ایسے غلاموں سے لیا جاتا ہے اس سے جس قدر زیادہ لیا ہے وہ سب واپس دے یہ مبسوط میں ہے۔

تجارت کا قرضہ ہر اس کمائی سے جو قرضہ سے پہلے یا اس کے بعد حاصل کی ہے اور ہر ہبہ وصدقہ سے جو اس کو قرضہ سے پہلے یا بعد حاصل ہوا ہے متعلق[1] ہوتا ہے یہ کافی میں ہے۔ اگر غلام ماذون نے پانچ سو درہم قرضہ کا اقرار کیا پھر اس کو ہزار درہم قیمت کا ایک غلام ملا اور اس کو مولیٰ نے لے لیا پھر اس کے بعد غلام پر اس قدر قرضہ ہو گیا کہ جو مولیٰ نے لے لیا ہے اس کی قیمت کو حاوی ہے تو مولیٰ سے وہ غلام لے کر فروخت کر کے اس کا ثمن سب قرضخواہوں کو تقسیم کر دیا جائے گا اور اگر مولیٰ نے پہلے قرض خواہوں کا قرضہ ادا کر دیا تو غلام اس کے سپرد کیا جائے گا مگر دوسرے قرض خواہوں کے واسطے فروخت کیا جائے گا اور مولیٰ کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ جس قدر اس نے پہلے قرض خواہ کا قرضہ ادا کیا ہے اس کے واسطے خصومت کرے اور اگر پہلے قرض خواہ کا قرضہ مولیٰ نے ادا نہ کیا ہو بلکہ اس نے ماذون کو معاف کر دیا ہو بعد ازاں کہ غلام پر دوسروں کا قرضہ چڑھ گیا ہے تو وہ غلام جو مولیٰ نے لے لیا ہے دوسروں کے قرضہ میں فروخت کیا جائے گا اور قرض خواہ اوّل نے غلام کو قبل دوسروں کا قرض دار ہونے کے اپنا قرضہ عفو کیا تو وہ غلام جو مولیٰ نے لے لیا ہے مولیٰ کو دیا جائے گا اور اگر معاف نہ کیا یہاں تک کہ غلام دوسروں کا قرضہ دار ہو گیا پھر قرض خواہ اوّل نے کہا کہ میرا ماذون پر کچھ قرضہ نہیں تھا اور ماذون نے جو کچھ میرے واسطے اقرار کیا وہ سب باطل تھا تو بھی مولیٰ کو اس کا غلام مقبوضہ دیا جائے گا اور دوسرے قرض خواہوں کو اختیار نہ ہوگا کہ مولیٰ سے اس کی بابت کچھ لیں بخلاف اس کے اگر قرض خواہ اوّل کا قرضہ ہو اور وہ معاف کر دے تو قرض خواہوں کو اختیار ہوگا کہ اس کو لے کر فروخت کرا دیں اور اگر مولیٰ نے قرض خواہ اوّل کے قرضہ کا اقرار کیا جیسا کہ غلام ماذون نے اقرار کیا ہے پھر قرض خواہ اوّل نے کہا کہ میرا کچھ نہیں آتا ہے اور میرے واسطے جو کچھ اقرار کیا ہے وہ سب باطل ہے تو دوسرے قرض خواہ ہونے کا اختیار ہے کہ جو غلام مولیٰ نے لیا ہے وہ لے لیں تا کہ ان کے قرضہ میں فروخت کیا جائے یہ مبسوط میں ہے۔

غلام ماذون جس طرح قرضہ تجارت کے واسطے فروخت کیا جاتا ہے اسی طرح جو چیز جنس[2] تجارت سے ہے اس کے واسطے بھی فروخت کیا جائے گا امام اعظم و امام ابو یوسف اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر ایک شخص نے اپنے غلام کو تجارت کے واسطے اجازت دے دی تو جو کچھ حق اس پر قرضہ تجارت کا یا غصب کا یا ودیعت کا جس سے انکار کیا ہے یا چوپایہ کی کونچیں کاٹنے کی وجہ سے یا مضاربت یا بضاعت یا عاریت کی وجہ سے جس سے انکار کیا ہے یا کپڑے کی قیمت جس کو جلا دیا ہے یا مزدور کی مزدوری یا باندی کا مہر جس کو خریدا پھر اس پر استحقاق ثابت ہوا اور ماذون نے اس سے وطی کی ہے یہ سب اس پر لازم ہوگا کہ اس میں فی الحال ماخوذ ہو کر فروخت کیا جائے گا یہ محیط میں ہے۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ چوپایہ کی کونچیں کاٹنے یا کپڑا جلا دینے کی ضمان کا حکم جو کچھ ذکر کیا ہے یہ ایسی صورت پر محمول ہے کہ ماذون نے پہلے چوپایہ یا کپڑا غصب کر کے لے لیا پھر اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں یا جلا دیا اور اگر قبضہ سے پہلے کونچیں کاٹ ڈالیں یا کپڑا جلا دیا تو امام ابو یوسفؒ کے قول کے موافق فی الحال اس سے مواخذہ نہ ہونا چاہیے اور نہ فی الحال فروخت[3] کیا جائے ہاں امام محمدؒ کے قول کے موافق فی الحال مواخذہ ہو کر فروخت کیا جائے گا یہ مغنی میں ہے۔

اگر ایک شخص نے اپنی باندی کو تجارت کی اجازت دی پھر اُس کے بچہ پیدا ہوا تو کیا اِس باندی کا قرضہ اِس کی اولاد پر بھی جاری ہوگا ☆

[1] متعلق الخ یعنی اس تمام کمائی وحاصلات سے قرضہ ادا کرنے کا حق متعلق ہو جائے گا اور یہ کل مال اس قرضہ میں لیا جائے گا چنانچہ آئندہ مسئلہ اس کی مثال ہے۔

[2] جنس تجارت مثلاً تاجروں میں دستور ہو کہ باہم کفالت کرتے ہوں تو یہ کفالت بھی جنس تجارت سے ہے پس وہ کفالت میں بھی ماخوذ ہوگا۔

[3] فروخت الخ بلکہ آئندہ آزاد ہو جانے پر اس سے مواخذہ ہوگا۔

اگر ماذون نے کسی شخص سے کسی مقام معلوم تک کے واسطے ایک جانور مستعار لیا پھر اس کو دوسری جگہ لے گیا یہاں تک کہ مخالف ضامن قرار پایا تو اس کی ضمانت میں فروخت کیا جائے گا یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر ایک عورت سے نکاح کر کے اس کے ساتھ دخول کیا پس اگر یہ نکاح باجازت مولیٰ ہو تو دین مہر کے واسطے فروخت کیا جائے گا۔ پھر قاضی کے فروخت کرنے کی صحت کے واسطے قرض خواہوں اور مولیٰ کا بیع کا اجازت دینا شرط ہے یہ مغنی میں ہے۔ اگر زید نے اپنی باندی کو تجارت کی اجازت دی اور اس پر قرضہ چڑھ گیا پھر اس کو کوئی چیز ہبہ یا صدقہ دی گئی اور اس نے کچھ مال تجارت وغیرہ سے حاصل کیا تو اس سب مال کے حقدار مولیٰ سے زیادہ اس کے قرض خواہوں کا قرضہ ادا کیا جائے گا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنی باندی کو تجارت کی اجازت دی پھر اس کے بچہ پیدا ہوا تو کیا اس باندی کا قرضہ اس کی اولاد پر بھی ساری ہوگا تا کہ مثل ماں کے اولاد فروخت کی جائے یا نہیں ساری ہوگا پس اس کی دو صورتیں ہیں یا تو قبل قرضہ چڑھ جانے کے بچہ جنی ہے پھر قرضہ دار ہوئی یا بعد قرضہ دار ہونے کے بچہ جنی پس اگر قرضہ دار ہو کر بچہ جنی ہو تو قرضہ اس کے بچہ پر بھی ساری ہوگا کہ قرضہ میں اس کے ساتھ اس کا بچہ بھی فروخت کیا جائے گا لیکن اگر مولیٰ دونوں کی طرف سے فدیہ دے دے تو ایسا نہ ہوگا یہ مغنی میں ہے۔

اگر ماذونہ باندی مقروضہ بچہ جنی پھر بعد ولادت کے اس پر دوسرے قرض خواہوں کا قرضہ ہو گیا تو سب اگلے و پچھلے قرض خواہ اس باندی کی مالیت و ثمن میں وقت فروخت کیے جانے کے مشترک ہوں گے مگر اس کے بچہ کا ثمن خاصۃً پہلے قرض خواہوں کو ملے گا اور اگر اس کے دو بچے ہوئے ایک قرضہ سے پہلے اور دوسرا قرضہ کے بعد تو قرضہ صرف دوسرے بچہ پر ساری ہوگا نہ اوّل پر کذا فی المبسوط۔ غلام کا قرضہ اس مال سے متعلق نہیں ہوتا ہے جو مولیٰ نے اس کو تجارت کے واسطے دیا ہے بخلاف اس مال کے جو اس کی کمائی کا اس کے پاس ہے اگر چہ مولیٰ کی نسبت کہہ سے کہ یہ میرا مال تیرے پاس تجارت کے واسطے ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنے غلام کو گواہوں کے سامنے کچھ مال دے کر تجارت کی اجازت دی اس نے خرید و فروخت کی اور اس پر قرضہ چڑھ گیا پھر وہ مر گیا اور اس کے پاس مال ہے مگر اس میں سے مال بعینہٖ نہیں پہچانا جاتا ہے تو جو کچھ اس کے پاس ہے سب قرض خواہوں کا ہے مولیٰ کو اس میں کچھ نہ ملے گا لیکن اگر مولیٰ اس میں سے کوئی شے بطور معین پہچانے تو لے لے گا اس کو قرض خواہ نہ پائیں گے اسی طرح اگر خاص ایسی کوئی چیز معلوم ہو جو اس نے مال مولیٰ سے خریدی ہے یا اس کے عوض مال مولیٰ فروخت کیا ہے تو بھی یہی حکم ہے کذا فی المبسوط میں ہے۔

اگر غلام نے اپنی حیات و صحت میں بعد مقروض ہو جانے کے اقرار کیا یہ میرا مقبوضہ مال میرے مولیٰ کا ہے جو اس نے مجھے دیا تھا اور گواہوں کے سامنے مال دینا ثابت و معلوم ہوا مگر گواہ لوگ مولیٰ کا مال بعینہٖ نہیں پہچانتے ہیں تو غلام کا اقرار صحیح نہ ہوگا اور اگر کسی اجنبی کے واسطے ایسا اقرار کیا تو صحیح ہے اور اگر مولیٰ نے اپنے گواہ پیش کیے کہ یہ مال وہی ہے جو میں نے غلام کو دیا تھا یا قرض خواہوں نے ایسا اقرار کیا تو وہ مال مولیٰ کو ملے گا یہ مغنی میں ہے۔ اگر غلام پر فی الحال واجب الادا قرضہ اور میعادی قرضہ ہوا اور مولیٰ نے اس کے ثمن سے فی الحال والا قرضہ ادا کیا پھر میعاد آ گئی تو ان قرض خواہوں کے قرضہ کا ضامن ہوگا اور پہلے قرض خواہوں نے جو کچھ لیا ہے وہ انہی کے سپرد کیا جائے گا اور اگر پہلے قرض خواہوں کے واسطے فروخت نہ کیا تو دوسروں کے واسطے فروخت کرے گا اور اگر فی الحال والے قرض خواہوں نے قاضی سے غلام کی بیع کی درخواست کی تو فروخت کر کے ان کو ان کا حصہ دے کر باقی مولیٰ کے پاس دے دے گا یہاں تک کہ میعاد آ جائے پس اگر میعاد آنے سے پہلے مولیٰ کے پاس تلف ہو گیا تو مولیٰ ضامن نہ ہوگا اور میعاد والے قرض خواہ پہلے قرض خواہوں کے مقبوضہ میں بقدر حصص شریک ہو جائیں گے اور اگر مولیٰ نے وہ مال خود تلف کر دیا یا اپنے قرض خواہ کو قرضہ میں دیا تو میعاد والے قرض خواہوں کے واسطے ضامن ہوگا۔ اگر مولیٰ سے وصول نہ ہوا بلکہ ڈوب گیا تو دوسرے قرض خواہ پہلے والوں کے مقبوضہ میں شریک ہو

جائیں گے پھر دونوں مل کر اس قرضہ دار سے جس کو مولیٰ نے ادا کیا ہے واپس لیں گے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

اگر قاضی نے قرض خواہ کے واسطے غلام نہیں فروخت کیا بلکہ مولیٰ نے فی الحال والے قرض خواہوں کے واسطے ان کی رضامندی سے فروخت کیا تو بیع جائز ہے پھر اس ثمن میں سے نصف ثمن فی الحال والے قرض خواہوں کو دے گا اور نصف ثمن مولیٰ کے سپرد کیا جائے گا پھر جب میعاد والوں کا وقت آئے گا تو وہ لوگ مولیٰ سے نصف قیمت لے سکتے ہیں نصف ثمن لینے کی کوئی راہ نہیں ہے اور اگر نصف قیمت مولیٰ سے وصول نہ ہوئی ڈوب گئی تو جن قرض خواہوں نے نصف ثمن وصول پایا ہے ان سے یہ قرض خواہ کچھ نہیں لے سکتے ہیں اور اگر مولیٰ نے اس کو بدون حکم قاضی و بدون رضائے قرض خواہاں فروخت کیا ہو تو بیع باطل ہے پس اگر ان لوگوں نے اجازت دے دی یا مولیٰ نے ان کا قرضہ دے دیا یا ثمن ادائے دین کے لیے کافی تھا وہ مولیٰ نے ان کو دے دیا تو بیع نافذ ہو جائے گی یہ مبسوط میں ہے۔ اگر مولیٰ نے بدون رضامندی قرض خواہوں کے اپنے غلام ماذون قرض دار کو فروخت کر کے مشتری کے سپرد کر دیا پھر قرض خواہوں نے حاضر ہو کر اپنے قرضہ کی وجہ سے غلام کا مطالبہ کر کے بیع کو فسخ کرنا چاہا حالانکہ بائع و مشتری دونوں حاضر ہیں تو قرض خواہوں کو فسخ بیع کا اختیار ہے اور ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ قرض خواہوں کو اپنا قرضہ وصول نہ ہوتا ہو اور اگر ثمن وصول ہوتا ہو اور اس سے قرضہ پورا ادا ہوتا ہو تو فسخ بیع کا اختیار نہ ہوگا پس اگر دونوں عاقدین بائع و مشتری میں سے کوئی غائب ہو پس اگر مشتری غائب ہو اور بائع مع غلام کے حاضر ہو تو بالاجماع قرض خواہوں کو بائع سے مخاصمہ کرنے اور فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے اور اگر فقط مشتری مع غلام موجود ہو تو امام ابوحنیفہؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ مشتری کے ساتھ خصومت نہیں کر سکتے ہیں یہ مغنی میں ہے۔

مسئلہ مذکورہ کی صورت میں اگر بعض قرض خواہان نے ضمان قیمت لینا اختیار کیا اور بعضوں نے ثمن لینا پسند کیا تو اُن کو یہ اختیار حاصل ہے ☆

اگر قرض خواہوں نے مشتری و غلام ماذون پر قابو نہ پایا یا فقط بائع پر قابو پایا اور اس سے غلام کی قیمت کی ضمان لینی چاہی تو ان کو ایسا اختیار ہے پھر جب بائع سے یعنی مولیٰ سے انہوں نے ضمان لے لی تو ہر ایک قرض خواہ اپنے پورے قرضہ کے حساب سے اس قیمت میں شریک قرار دیا جائے گا اور باہم موافق حصہ رسید کے تقسیم کر لیں گے اور غلام کی بیع جائز ہو جائے گی اور ثمن مولیٰ کے دے دیا جائے گا اور قرض خواہوں کو پھر اس غلام سے کچھ وصول کرنے کی راہ نہ ہوگی جب تک کہ آزاد نہ ہو جائے چنانچہ اگر غلام ان کے قرضہ میں فروخت کیا جاتا تو بھی[1] یہی حکم تھا اور اگر انہوں نے بیع کی اجازت دے دی تو ثمن ان کا ہو جائے گا اور بائع قیمت سے بری ہو جائے گا پھر اگر قرض خواہوں کو وصول ہونے سے پہلے بائع کے پاس تلف ہو گیا تو قرض خواہوں کا مال گیا اور بائع ضمان قیمت سے بری رہا پھر جب غلام آزاد ہو جائے تو ہر قرض خواہ اپنے تمام قرضہ کے واسطے اس کا دامنگیر ہو سکتا ہے اور اگر بائع کے پاس ثمن تلف ہو جانے کے بعد قرض خواہوں نے بیع کی اجازت دے دی تو اجازت صحیح ہے اور یہ قرض خواہوں کا مال گیا ایسا ہی ظاہر الروایہ میں مذکور ہے اور اگر بعض قرض خواہان نے ضمان قیمت لینا اختیار کیا اور بعضوں نے ثمن لینا پسند کیا تو ان کو یہ اختیار حاصل ہے اور ایسا کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ مثلاً قیمت اس کی بہ نسبت ثمن کے زیادہ ہو پس جنھوں نے قیمت لینی اختیار کی ہے ان کو باعتبار قیمت کے ان کا حصہ ملے گا اور جنھوں نے ثمن اختیار کیا ہے ان کو ثمن کے حساب سے حصہ ملے گا۔

چنانچہ اگر چار قرض خواہوں اور ایک نے ضمان قیمت پسند کی تو اس کو چوتھائی قیمت ملے گی اور باقیوں کو جنھوں نے ثمن لینا پسند کیا ہے ان کو تین چوتھائی ثمن ملے گا اور باقی چوتھائی ثمن مولیٰ کو ملے گا اور پورے غلام کی بیع نافذ ہو جائے گی اور یہ حکم بخلاف ایسی صورت

[1] یہی حکم تھا کہ ایک بار فروخت ہونے کے بعد دوبارہ مشتری کے پاس مواخذہ نہ ہوگا جب تک آزاد نہ ہو۔

کے ہے کہ بائع و مشتری مع غلام کے جو مشتری کے قبضہ میں ہے حاضر ہوں اور اگر بعض قرض خواہوں نے بیع کی اجازت دی اور بعضوں نے باطل کیا تو باطل کرنے کا حکم مقدم رکھا جائے گا اور غلام میں سے کسی حصہ کی بیع جائز نہ ہوگی کذا فی المحیط۔ اگر قرض خواہوں نے بائع و مشتری پر قابو پایا یا غلام پر نہ پایا تو ان کو اختیار ہے کہ بائع و مشتری میں سے جس سے چاہیں غلام کی قیمت تاوان لیں پس اگر مشتری سے قیمت تاوان لی تو مشتری اپنا ثمن بائع سے واپس[1] لے گا اور اگر بائع یعنی مولیٰ سے ضمان لی تو بائع و مشتری کے درمیان بیع جائز جائے گی اور واضح ہو کہ دونوں میں سے جس شخص سے قرض خواہوں نے تاوان لینا اختیار کیا اس کے بعد دوسرا ضمان سے ہمیشہ کے واسطے بری ہو جائے گا یعنی پھر کبھی دوسرا ضامن نہیں قرار دیا جا سکتا ہے کذا فی المغنی میں ہے۔

اگر قرض خواہوں نے بائع یا مشتری سے تاوان قیمت لے لیا پھر غلام ظاہر ہوا اور قرض خواہوں نے چاہا کہ جس سے قیمت لی اس کو واپس دے کر غلام کو لے لیں تو دیکھا جائے گا کہ اگر قرض خواہوں نے اپنے زعم کے موافق تاوان لیا ہے یعنی دعویٰ کیا کہ غلام کی قیمت اس قدر ہے اور جس کو ضامن ٹھہرایا ہے اس نے انکار کیا پس قرض خواہوں نے گواہ پیش کر کے اپنا دعویٰ ثابت کیا یا مدعا علیہ سے قسم لے کر اس کی نکول پر وہی قیمت لی جو دعویٰ کیا ہے تو ایسی صورت میں غلام کو نہیں لے سکتے ہیں اور اگر ضامن کے زعم کے موافق قیمت پائی ہے مثلاً ضامن نے کہا کہ یہ قیمت نہیں ہے جو قرض خواہ دعویٰ کرتے ہیں بلکہ قیمت اس کی اس قدر ہے اور قسم کھالی اور قرض خواہوں کے پاس ان کے دعویٰ کے گواہ نہیں ہیں پس ان کو زعم[2] ضامن کے موافق ملے تو اس صورت میں غلام کو لے سکتے ہیں پھر واضح ہو کہ اگر قرض خواہوں نے مولیٰ سے قیمت لینا پسند کر کے اس سے قیمت وصول کر لی پھر غلام ظاہر ہوا اور مشتری نے اس میں عیب پا کر بحکم قاضی بائع مولیٰ کو واپس کیا تو مولیٰ اس عیب کی وجہ سے قرض خواہوں کو یہ غلام واپس کر سکتا ہے یا نہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مولائے بائع وقت بیع کے اس عیب سے آگاہ نہ ہوا اور اس صورت میں اگر وہ عیب ایسا ہو کہ اس کے مثل پیدا نہیں ہو سکتا ہے اور ہوا یہ کہ بائع پر بگواہی گواہان یا بہ نکول بائع یا با قرار بائع واپس کیا گیا تو قرض خواہوں کو واپس کر سکتا ہے اور اگر ایسا عیب ہو کہ اس کے مثل حادث ہو سکتا ہے اور یہ ہوا کہ بائع کو بگواہی گواہان یا بہ نکول بائع واپس کیا گیا تو قرض خواہوں کو واپس دے سکتا ہے۔

اگر بائع کے اقرار عیب کی وجہ سے واپس کیا گیا ہو تو قرض خواہوں کو واپس نہیں دے سکتا ہے لیکن اگر اس امر کے گواہ پیش کر دے کہ مشتری کے خریدنے سے پہلے یہ عیب اس غلام میں موجود تھا یا اس امر پر قرض خواہوں سے قسم طلب کرے اور وہ نکول کریں تو واپس دے سکتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بائع کو مشتری کے ہاتھ فروخت کرنے کے وقت اس عیب سے آگاہی ہو اور اس وجہ میں دو صورتیں ہیں کہ اگر قاضی نے اس پر عیب دار غلام کی قیمت کی ڈگری کی ہو تو اس کو اختیار نہ ہوگا کہ قرض خواہوں کو غلام واپس کرے اور اگر قاضی نے اس پر بے عیب صحیح سالم غلام کی ڈگری کی ہو تو اس کو اختیار ہوگا کہ قرض خواہوں کو غلام واپس کرے بشرطیکہ عیب ایسا ہو کہ اس کے مثل حادث نہ ہو سکتا ہو یا حادث ہو سکتا ہو مگر یہ گواہی گواہان یا بہ نکول قسم قاضی نے اس کو واپس دیا ہو اور اس مسئلہ کے یہ معنی ہیں کہ قرض خواہوں نے جب مولیٰ سے قیمت لینے کا قصد کیا تب مولیٰ نے کہا کہ جس وقت میں نے مشتری کے ہاتھ یہ غلام فروخت کیا ہے تب اس میں عیب موجود تھا اور قرض خواہوں نے اس کے قول کی تصدیق کر کے اس سے عیب دار غلام کی قیمت کی ضمان لی یا اس کی تکذیب کر کے کہا کہ نہیں بلکہ جس وقت تو نے مشتری کے ہاتھ فروخت کیا تھا اس وقت صحیح سالم تھا اور یہ عیب فقط مشتری کے پاس پیدا ہوا ہے اور ہم کو تجھ سے صحیح سالم غلام کی قیمت کی ضمان لینے کا اختیار ہے اور اس سے صحیح سالم غلام کی قیمت تاوان لی پس اس کا حکم وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔

---

[1] یعنی در صورتیکہ ادا کرنے کے۔ [2] زعم ضامن یعنی ضامن جس قدر کا ہوتا ہے۔

اگر قرض خواہوں نے مولیٰ سے قیمت حاصل کر لی پھر وہ غلام مشتری کے پاس ظاہر ہوا اور مشتری اس کے عیب قدیم سے واقف ہوا اور ہنوز اس نے واپس نہ کیا تھا کہ اس میں دوسرا عیب مشتری کے پاس پیدا ہو گیا تو مشتری اس کو مولیٰ کو واپس نہیں دے سکتا ہے لیکن نقصان عیب قدیم واپس لے سکتا ہے اور اگر اس نے نقصان عیب مولیٰ سے واپس لیا تو مولیٰ کو اختیار نہ ہوگا کہ قرض خواہوں سے بقدر نقصان عیب کے واپس لے اور یہ مسئلہ اس کتاب میں بلا ذکر خلاف مذکور ہے اور ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہ فقط امام اعظمؒ کا قول ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک بقدر نقصان عیب کے قرض خواہوں سے واپس لے سکتا ہے اور اس کتاب کے بعضے نسخوں میں یہ اختلاف صریح مذکور ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر مولیٰ نے ماذون کا کوئی غلام رقیق آزاد کیا حالانکہ ماذون پر قرضہ ہے پس آیا یہ عتق نافذ ہوگا یا نہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو ماذون پر قرضہ مستغرق ہوگا یا غیر مستغرق[1] ہوگا پس اگر غیر مستغرق ہو یعنی اس کے تمام مال و جان کو محیط نہ ہوا تو امام اعظمؒ پہلے فرماتے تھے کہ عتق نافذ نہ ہوگا پھر رجوع کیا اور فرمایا کہ نافذ ہوگا اور اگر قرضہ مستغرق ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک عتق مولیٰ نافذ نہ ہوگا اس صورت میں ان کا ایک ہی قول ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ ہر حال میں اس کا عتق نافذ ہوگا۔

یہ اختلاف جو امام اعظمؒ اور صاحبین کے درمیان ہے یہ ایک دوسرے مسئلہ پر متفرع ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ غلام پر قرضہ ہونا آیا غلام کی کمائی میں مولیٰ کی ملکیت واقع ہونے کا مانع ہے یا نہیں سو امام اعظمؒ کے نزدیک اگر قرضہ میں فرق ہو تو مانع ہے اور ان کا اس صورت میں بھی ایک قول ہے اور اگر غیر متفرق ہو تو امام اعظمؒ سے دو قول مروی ہیں پہلا قول یہ ہے کہ مانع ہے اور دوسرا یہ قول ہے کہ مانع نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک مانع نہیں ہے اگرچہ قرضہ مستغرق ہو لیکن مولیٰ اس کی کمائی میں تصرف کرنے سے منع کیا جائے گا جب یہ ذہن نشین ہو گیا تو ہم کہتے ہیں کہ اگر مولیٰ نے غلام کی کمائی کا غلام آزاد کیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک ضامن نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک ضامن ہوگا خواہ تنگدست ہو یا خوشحال ہو لیکن اگر مولیٰ تنگدست ہو تو قرض خواہ کو غلام آزاد شدہ کا قیمت کے واسطے دامنگیر ہونے کا اختیار ہے پھر غلام آزاد شدہ یہ قیمت اپنے آزاد کنندہ یعنی مولیٰ سے واپس لے سکتا ہے بخلاف اس کے اگر ماذون نے خود آزاد کیا اور ماذون کی تنگدستی میں آزاد شدہ نے قرض خواہوں کے واسطے اپنی قیمت سعایت کر کے ادا کی تو یہ قیمت مولیٰ سے واپس نہیں لے سکتا ہے کذا فی المغنی۔ اگر مولیٰ نے اپنے ماذون مدیون غلاموں کو آزاد کیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک آزاد نہ ہوں گے اور اس سے یہ مراد ہے کہ قرض خواہوں کے حق میں آزاد نہ ہوں گے اور ان کو اختیار ہوگا کہ ان غلاموں کو فروخت کرا کے ان کے ثمن سے اپنا قرضہ وصول کریں مگر مولیٰ کے حق میں وہ لوگ بالاجماع آزاد ہو جائیں گے حتیٰ کہ اگر قرض خواہوں نے ان کو اپنے قرضہ سے بری کیا یا مولیٰ کے ہاتھ ان کو فروخت کیا یا مولیٰ نے ان کا قرضہ ادا کر دیا تو وہ آزاد ہوں گے اور صاحبین کے نزدیک مولیٰ کا عتق نافذ ہوگا اور قرض خواہوں کے واسطے مولیٰ ان کی قیمت کا ضامن ہوگا بشرطیکہ خوشحال ہو اور اگر تنگدست ہو تو یہ لوگ اپنی اپنی قیمت سعی کر کے قرض خواہوں کو ادا کریں گے پھر مولیٰ سے واپس لیں گے یہ ینابیع میں ہے۔

اگر ماذون پر بہت قرضہ ہو گیا اور مولیٰ نے اس کو آزاد کر کے جو کچھ اس کے پاس تھا وہ سب مال لے کر تلف کر دیا پھر قرض خواہوں نے غلام کا دامنگیر ہونا پسند کر کے اس سے قرضہ وصول کر لیا تو غلام اس مال کی قیمت میں سے جو اس سے مولیٰ نے لے لیا ہے بقدر اس قرضہ کے واپس لے گا اور اگر وہ مال بعینہٖ قائم ہو تو غلام دامنگیر ہو کر اس میں بقدر قرضہ کے جو اس نے ادا کیا ہے لے لے گا اور جس قدر بچ رہا وہ سب مولیٰ کا ہوگا اور اسی طرح اگر قرض خواہوں نے ماذون کو قرضہ معاف کر دیا اور ماذون کو کچھ ادا نہ کرنا پڑا تو یہ بھی سب مال مولیٰ کا ہے، غلام اس میں سے مولیٰ سے کچھ واپس نہیں لے سکتا ہے۔ اسی طرح اگر ماذونہ باندی ہو اور اس کو آزاد کر کے اس کا مال اور فرزند اور ہاتھ کٹنے کا جرمانہ یعنی دیت مولیٰ نے لے لی اور حال یہ ہے کہ قبل ولادت و جنایت کے اس پر قرضہ چڑھ گیا تھا پھر قرض

---

[1] مستغرق اس قدر قرضہ کہ جو کچھ ماذون کے پاس ہے سب پر محیط ہو۔

خواہ لوگ حاضر ہوئے تو مولیٰ اس امر پر مجبور کیا جائے گا کہ اس کا مال اس کو دے دے تا کہ اپنا قرضہ ادا کرے اور فرزند و جرمانہ واپس دینے پر مجبور نہ کیا جائے گا اگر اس کو آزاد نہیں کیا ہے مگر باندی فروخت کی جائے گی اور اس کے ثمن اور ہاتھ کی دیت میں سے قرضہ ادا کیا جائے گا اور اگر مولیٰ نے اس کو آزاد کیا ہو تو قرض خواہوں کو اختیار ہوگا کہ مولیٰ سے اس کی قیمت تاوان لے پھر اس کا بچہ بھی ان کے قرضہ میں فروخت ہو سکتا ہے۔

مولیٰ سے جرمانہ یعنی دیت بھی وصول کر سکتے ہیں پھر بھی اگر کچھ قرضہ باقی رہا تو باقی کے واسطے باندی آزاد شدہ کے دامنگیر ہوں گے اور ان کو یہ بھی اختیار ہے کہ مولیٰ کو چھوڑ کر تمام قرضہ کے واسطے باندی کے دامنگیر ہوں پس اگر انہوں نے باندی سے دامنگیر ہو کر تمام قرضہ وصول کر لیا تو اس باندی کا بچہ اور ہاتھ کی دیت سب مولیٰ کو سپرد رہے گی اور اسی کی ہوگی اور باندی کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ بچہ اور دیت مولیٰ سے واپس لے جیسے کہ اس کو اپنی ذات کی قیمت واپس لینے کا اختیار نہ تھا مگر یہ اختیار ہوگا کہ مولیٰ نے جو کچھ مال اس سے لے لیا ہے وہ واپس لے اسی طرح اگر مولیٰ نے وہ باندی قرض خواہوں کے واسطے ان کے قرضہ میں فروخت کر دی اور ثمن وصول کر لیا پھر مشتری نے وہ باندی آزاد کر دی تو قرض خواہوں کو اختیار ہے چاہیں ثمن لے کر باقی قرضہ کے واسطے باندی کے دامنگیر ہوں یا تمام قرضہ کے واسطے باندی کے دامنگیر ہوں پس اگر انہوں نے اپنا تمام قرضہ باندی سے وصول کر لیا تو مولیٰ کو اس کا ثمن جو اس نے وصول کر لیا ہے دے دیا جائے گا اسی طرح اگر قرض خواہوں کی اجازت سے مولیٰ نے وہ باندی مکاتبہ کر دی تو بھی قرض خواہوں کو اختیار ہے کہ جو کچھ مولیٰ نے مال کتابت وصول کیا ہے سب لے لیں اور جب تک وہ باندی مکاتبہ ہے تب تک ان کو اپنے کچھ قرضہ کے واسطے رجوع کا اختیار نہیں ہے۔

اگر مولیٰ و قرض خواہوں میں اختلاف ہوا کہ قرض خواہوں نے مولیٰ سے کہا کہ تو نے غلام کو آزاد کر دیا اور ہمارا تجھ پر قیمت لینے کا استحقاق ہے اور مولیٰ نے کہا کہ میں نے آزاد نہیں کیا تو مولیٰ کا قول قبول ہوگا ☆

پھر اگر مولیٰ نے تمام مال کتابت وصول پایا اور وہ باندی آزاد ہوگئی تو قرض خواہوں کو اختیار ہے چاہیں مولیٰ سے تمام مال کتابت وصول کر کے باقی قرضہ کے واسطے باندی کا پلو پکڑیں یا باندی سے تمام قرضہ وصول کریں اور اگر انھوں نے باندی سے تمام قرضہ وصول کیا تو مال کتابت جو مولیٰ نے وصول کیا ہے سب مولیٰ کو دے دیا جائے گا یہ مبسوط میں ہے۔ جامع الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ ماذون پر چار ہزار درہم قرض ہیں اور اس کے پاس اس قدر اسباب موجود ہے جس کی قیمت تین ہزار درہم ہیں پھر مولیٰ نے اس کا یہ مال تلف کر دیا اور غلام کو آزاد کر دیا تو قرض خواہوں کو اختیار ہوگا چاہیں آزاد شدہ سے اپنا قرضہ وصول کریں اور وہ اپنے مولیٰ سے تین ہزار درہم یعنی اسباب کی قیمت واپس لے گا یا مولیٰ سے چار ہزار درہم ضمان لیں اور مولیٰ اس آزاد شدہ سے کچھ نہیں لے سکتا ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر مولیٰ و قرض خواہوں میں اختلاف ہوا کہ قرض خواہوں نے مولیٰ سے کہا کہ تو نے غلام کو آزاد کر دیا اور ہمارا تجھ پر قیمت لینے کا استحقاق ہے اور مولیٰ نے کہا کہ میں نے آزاد نہیں کیا ہے تو مولیٰ کا قول قبول ہوگا اور وہ غلام قرض خواہوں کے واسطے فروخت کیا جائے گا اور قرض خواہوں کا اقرار[1] باعتاق غلام اس غلام کی بریت کو متضمن نہیں ہے اور جب بریت نہ ہوئی اور ان کا قرضہ ان کے اقرار اعتاق کے بعد غلام پر رہا تو غلام ان کے قرضہ میں فروخت کیا جائے گا اور ان کے قول کی طرف التفات نہ ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔

غلام ماذون مدیون کو اگر اس کے مولیٰ نے بلا اجازت قرض خواہان کو فروخت کیا اور مشتری نے قبل قبضہ کے اس کو آزاد کر دیا تو عتق موقوف رہے گا پھر اگر قرض خواہوں نے بیع کی اجازت دے دی یا مولیٰ نے ان کا قرضہ ادا کر دیا یا انہوں نے غلام کو قرضہ معاف کر

[1] اقرار یعنی قرض خواہوں نے جب یہ اقرار کیا تو نے یہ غلام آزاد کر دیا ہے تو اس اقرار سے لازم نہیں آتا ہے کہ غلام بری ہو گیا۔

دیا تو عتق مشتری نافذ ہوگا اور اگر قرض خواہوں نے اجازت بیع سے یا مولیٰ نے ان کے قرضہ ادا کرنے سے انکار کیا تو عتق باطل ہوگا اور وہ غلام قرض خواہوں کے قرضہ میں فروخت کیا جائے گا اور اگر مشتری نے بعد قبضہ کے آزاد کیا تو عتق نافذ ہو جائے گا اور جب بعد قبضہ کے مشتری کا آزاد کرنا نافذ ہوا تو اس کے بعد قرض خواہوں کو اختیار ہوگا چاہیں بیع کی اجازت دے کر ثمن لے لیں یا بائع سے قیمت کی ضمان لیں اور اگر قیمت غلام تاوان لی تو مولیٰ کی بیع نافذ ہو جائے گی اور ثمن اسی کو ملے گا یہ محیط میں ہے اور اگر مشتری نے اس کو آزاد نہ کیا بلکہ بیع یا ہبہ کر کے سپرد کیا پس اگر بیع اوّل بعض امور مذکورہ کے پائے جانے سے تمام ہوگئی یعنی قرض خواہوں نے اجازت دے دی یا مولیٰ نے قرضہ ادا کر دیا یا ثمن ان کے قرضہ کے ادا کے واسطے کافی تھا وہ انھوں نے لے لیا تو جو تصرف مشتری نے غلام میں کیا ہے وہ نافذ ہو جائے گا اور اگر مولیٰ نے اس کو فروخت نہ کیا بلکہ کسی شخص کو ہبہ کر کے سپرد کر دیا پھر قرض خواہوں کو تاوان قیمت ادا کر دیا تو ہبہ نافذ ہوگا۔ پھر اگر مولیٰ نے بحکم قاضی یا بلاحکم قاضی ہبہ سے رجوع کر لیا تو وہ غلام مولیٰ کو دیا جائے گا اور موہوب لہ پر اس کی کچھ قیمت واجب نہ ہوگی اور نہ قرض خواہوں کو غلام لینے کی کوئی راہ ہوگی۔

پھر اگر مولیٰ نے اس غلام میں کوئی عیب پایا جس سے قیمت میں بنسبت اس قیمت کے جو اس نے ڈانڈ بھری ہے نقصان آتا ہے تو مولیٰ کو اختیار ہوگا کہ قرض خواہوں کو غلام دے کر اپنی قیمت واپس کر لے اور اگر ہبہ سے رجوع کرنے کے بعد عیب پر واقف ہونے سے پہلے مولیٰ نے اس کو آزاد یا مدبر کر دیا یا اس میں کوئی عیب پیدا ہو گیا تو جس قدر صحیح سالم کی قیمت اور عیب دار کی قیمت میں تفاوت ہے اس قدر نقصان واپس لے سکتا ہے مگر آزاد اور مدبر کرنے کی صورت کے سوائے اور صورت میں قرض خواہوں کو یہ بھی اختیار ہوگا کہ غلام کی قیمت مولیٰ کو واپس کر کے غلام کو لے کر اپنے قرضہ میں فروخت کریں لیکن اگر مولیٰ یہ چاہے کہ قرض خواہوں سے نقصان کا مطالبہ نہ کرے اور غلام کو یوں ہی عیب دار لے لے تو کر سکتا ہے اور اگر یہ صورت باندی میں جس سے شبہ کی وجہ سے وطی کر لی گئی اور اس کا عقر[1] لازم آیا ہے واقع ہوئی ہو تو اس زیادت متصلہ کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے قرض خواہوں کو اس کے لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی۔ اگر مولیٰ نے ماذون کو فروخت کیا اور مشتری نے اس کو عیب دار کر دیا پھر قرض خواہوں نے مولیٰ سے قیمت ڈانڈ لی پھر مشتری نے غلام میں ایسا عیب پایا جس کے مثل پیدا نہیں ہو سکتا ہے اور اس میں دوسرا عیب پیدا ہو گیا اور مشتری نے بائع سے قیمت نقصان عیب قدیم واپس لی تو بائع کو اختیار نہ ہوگا کہ قرض خواہوں سے قیمت واپس لے مگر جو قیمت ضمان میں دی ہے اس میں سے بقدر حصہ عیب کے واپس لے سکتا ہے یہ مبسوط میں ہے۔

اگر غلام ماذون نے اپنے مولیٰ کے ہاتھ کوئی چیز اپنی کمائی کی چیزوں میں سے بعوض مثل قیمت کے فروخت کر دی تو جائز ہے بشرطیکہ قرض دار ہو اور اگر قرض دار نہ ہو تو جائز نہیں ہے اور صورت جواز میں اگر ثمن وصول کرنے سے پہلے ماذون مدیون نے مبیع اپنے مولیٰ کے سپرد کر دی تو مولیٰ کے ذمہ سے ثمن ساقط نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر ماذون مدیون نے کم قیمت پر اپنے مولیٰ کے ہاتھ فروخت کی تو امام اعظمؒ کے نزدیک نہیں جائز ہے خواہ تھوڑا نقصان ہو یا بہت ہو اور صاحبین کے نزدیک بیع جائز ہے خواہ نقصان قلیل ہو یا کثیر ہو مگر مولیٰ کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ یا تو اس نقصان کو پورا کر دے یا بیع توڑ دے اور یہ جو ہم نے بیان کیا یہ بعض مشائخ کا بیان ہے بعض مشائخ نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ امام اعظمؒ کا قول صاحبین کے قول کے مثل ہے اور اگر ماذون مدیون نے کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کی تو امام اعظمؒ کے نزدیک جائز ہے خواہ مثل قیمت پر فروخت کی ہو یا بنقصان قلیل یا بنقصان کثیر فروخت کی ہو اور اجنبی سے یہ نہ کہا جائے گا کہ ثمن کا نقصان اس کی قیمت تک پورا کر دے پس امام اعظمؒ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ ماذون نے اگر اجنبی کے ساتھ معاملہ کیا تو نقصان قلیل و

---

[1] عقر وہ مہر جو وطی شبہ کی وجہ سے لازم آئے زیادت متصلہ ایسی زیادتی ہے جو کہ مملوک سے متصل ہو۔

کثیر کا تحمل ہو سکتا ہے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اگر اجنبی شخص کے ہاتھ برابر قیمت پر یا فقط اس قدر نقصان ہو کہ لوگ اس کو اندازہ سے برداشت کرتے ہیں فروخت کیا تو جائز ہے اور ایسے نقصان کی صورت میں مشتری سے یہ نہ کہا جائے گا کہ ثمن کو پوری قیمت تک بڑھا دے کذا فی المغنی۔ اگر غلام ماذون نے اپنے مقبوضہ مال تجارت سے مولیٰ کے مرض الموت میں کوئی چیز خریدی یا فروخت کی پھر مولیٰ نے اس مرض میں انتقال کیا اور غلام نے اس خرید و فروخت میں محاباۃ[1] کی تھی امام اعظمؒ کے نزدیک یہ بیع محاباۃ اگر ایسے نقصان کے ساتھ ہو کہ جس قدر لوگ اپنے اندازہ سے برداشت کر لیتے ہیں تو جائز ہے بشرطیکہ محاباۃ اس قدر نہ ہو کہ مولیٰ کے تہائی مال سے تجاوز کر جائے۔

اگر مولیٰ کے تہائی مال سے تجاوز کیا تو مشتری کو خیار دیا جائے گا چاہے تہائی سے زائد جس قدر نقصان ہے وہ ادا کر دے یا بیع توڑ دے اور نہ ادا کرے بخلاف اس کے اگر مولیٰ صحیح و تندرست ہو اور غلام ماذون نے محاباۃ کے ساتھ بیع کی اور ایسا غبن اٹھایا کہ لوگ اپنے اندازہ میں برداشت کرتے ہیں یا نہیں کرتے ہیں تو امام اعظمؒ کے نزدیک ہر طرح بیع جائز ہے خواہ محاباۃ کا نقصان تہائی مال مولیٰ سے تجاوز کرے یا نہ کرے اور یہ سب امام اعظمؒ کا قول ہے اور صاحبین کے نزدیک اگر ماذون نے خرید و فروخت میں اس قدر محاباۃ کی کہ لوگ اندازہ میں ایسا خسارہ اٹھاتے ہیں تو جائز ہے اور مشتری کو مبیع دے دی جائے گی بشرطیکہ مقدار نقصان مولیٰ کے تہائی مال سے تجاوز نہ کرنے اور اگر تجاوز کرے تو مشتری مختار ہوگا چاہے پورا کر دے یا بیع توڑ دے جیسا کہ اگر مولیٰ نے خود خرید و فروخت کرنے میں ایسی محاباۃ کی ہوتی تو یہی حکم تھا اور اگر ماذون نے اس قدر نقصان اٹھایا اور محاباۃ کی کہ لوگ اپنے اندازہ میں نہیں برداشت کرتے ہیں تو صاحبین کے نزدیک بیع جائز نہ ہوگی یہاں تک کہ اگر مشتری نے یہ بھی کہا کہ میں مقدار نقصان پورا کرتا ہوں اور بیع نہ توڑ دوں گا تو اس کو یہ استحقاق نہیں ہے۔ یہ صاحبین کا قول ہے اور یہ سب جو ہم نے ذکر کیا اس وقت ہے کہ غلام پر قرضہ نہ ہو اور اگر اس پر اس قدر قرضہ ہو کہ اس کے رقبہ اور مال مقبوضہ کو محیط ہو یا نہ ہو اور اس نے خرید و فروخت میں قلیل یا کثیرہ محاباۃ کی تو صاحبین کے نزدیک[2] بالاتفاق وہی حکم ہے جو غلام کے مقروض نہ ہونے کی صورت میں ہم نے بیان کیا ہے یہ محیط میں ہے۔

اگر ماذون پر قرضہ نہ ہو بلکہ مولیٰ پر قرضہ ہو تو اس میں دو صورتیں ہیں ایک یہ ہے کہ قرضہ مولیٰ کے تمام مال کو محیط ہو دوسرے یہ کہ محیط نہ ہو پس اگر مولیٰ کے تمام مال کو محیط ہو اور ماذون نے خرید و فروخت میں محاباۃ کی تو محاباۃ مشتری کو سپرد نہ کی جائے گی خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو مگر قلیل محاباۃ کی صورت میں بالا جماع مشتری مختار کیا جائے گا کہ چاہے مقدار نقصان کو پورا کر دے یا بیع توڑ دے چنانچہ خود مولیٰ کی خرید و فروخت میں یہی حکم ہے اور اگر محاباۃ کثیر ہو تو مسئلہ میں اختلاف ہے امام اعظمؒ کے نزدیک مشتری کو اختیار دیا جائے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک نہ دیا جائے گا قلت۔ یعنی بیع باطل ہوگی اور اگر قرضہ تمام مال مولیٰ کو محیط نہ ہو تو ماذون کی بیع جائز ہوگی خواہ محاباۃ قلیل ہو یا کثیر ہو اور مبیع مشتری کے سپرد کی جائے گی بشرطیکہ بعد ادائے قرضہ کے باقی مال مولیٰ کی تہائی سے زائد محاباۃ نہ ہو اور اگر بعد قرضہ کے تہائی مال مولیٰ سے محاباۃ تجاوز کرے تو مشتری مختار کیا جائے گا اور ماذون کی بیع مثل مولیٰ کے خود بیع کرنے کے قرار دی جائے گی اور یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور صاحبین کے نزدیک اگر محاباۃ قلیل ہو تو خرید فروخت جائز ہے اور محاباۃ مشتری کے سپرد کی جائے گی بشرطیکہ بعد قرضہ کے باقی مال مولیٰ کی تہائی سے محابات تجاوز[3] نہ کرے اور اگر تجاوز کرے تو محابات مشتری کے سپرد نہ کی جائے گی، مگر مشتری کو اختیار دیا جائے گا اور اگر محابات کثیر ہو تو صاحبین کے نزدیک مشتری کو اختیار نہ دیا جائے گا اور اگر مولیٰ پر اس قدر قرضہ ہو کہ

---

[1] محاباۃ قیمت سے کم داموں پر مشتری کو نفع پہنچانے کے لیے فروخت کرنا۔ [2] کتاب میں عندھما جمیعاً مذکور ہے اور صحیح یہ کہ صاحبین اور امام سب کے نزدیک بالاتفاق ہے۔ [3] تجاوز یعنی قرضہ ادا کر کے باقی کی تہائی اسی قدر رہو جس قدر محابات ہے یا زیادہ ہو۔

غلام کے رقبہ اور اس کے پاس کے مقبوضہ مال کو محیط ہو تو محابات مشتری کے سپرد نہ[1] کی جائے گی خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو مگر قلیل محابات کی صورت میں مشتری کو اختیار دیا جائے گا یہ بالاجماع ہے۔

اگر کثیر ہو تو بھی امام اعظمؒ کے نزدیک یہی حکم ہے کہ مشتری مختار کیا جائے گا اور صاحبین کے نزدیک مختار نہیں کیا جائے گا اور یہ سب جو ہم نے ذکر کیا ہے اس وقت ہے کہ ماذون نے اجنبی کے واسطے محابات کی ہو اور اگر مولیٰ کے بعض وارثوں کے ساتھ معاملہ میں ایسی محابت کی ہو اور مولیٰ اسی مرض میں مر گیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک بیع باطل ہو گی اور وارث کو اختیار نہ دیا جائے گا اور صاحبین کے نزدیک بیع جائز ہو گی اور وارث کو اختیار دیا جائے گا کہ چاہے بیع توڑ دے یا پوری قیمت تک ثمن پورا کر دے اور محابات میں سے کچھ بھی وارث کو سپرد نہ کیا جائے گا اگرچہ مولیٰ کے تہائی مال میں برآمد ہوتی ہو لیکن اگر باقی وارث لوگ اجازت دے دیں تو ہو سکتا ہے اور یہی حکم ہو گا خواہ مولیٰ پر قرضہ ہو یا نہ ہو غلام پر قرضہ ہو یا نہ ہو یہ مغنی میں لکھا ہے اور اگر مولیٰ نے ماذون کے ہاتھ کوئی چیز اس کے مثل قیمت پر فروخت کی یا مثل سے کم پر فروخت کی تو جائز ہے پھر اگر ثمن وصول کرنے سے پہلے مبیع اس کے سپرد کر دی تو ثمن باطل ہو جائے گا اور جب ثمن باطل ہوا تو ایسا ہو گیا کہ گویا اس نے بغیر ثمن فروخت کر دی پس بیع جائز نہ ہو گی اور بطلان ثمن سے یہ مراد ہے کہ تسلیم ثمن و اس کا مطالبہ باطل ہو گا اور مولیٰ کو اختیار ہے کہ بیع کو واپس کرے یہ جوہرہ نیرہ میں ہے اور اگر مولیٰ نے مبیع کو استیفا ی[2] ثمن کے واسطے روک لیا تو جائز ہے جیسے اپنے مکاتب کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے کذا فی الکافی۔

اگر ثمن میں کوئی اسباب ٹھہرا ہو تو مولیٰ کو اختیار ہو گا کہ جو اسباب غلام سے خریدا ہے اس کا مطالبہ کرے یہ مغنی میں ہے اور اگر مولیٰ نے اپنی متاع اپنے ماذون کے ہاتھ فروخت کی اور اس کی قیمت سے زیادہ داموں پر خواہ زیادتی قلیل ہو یا کثیر ہو فروخت کی تو زیادتی مولیٰ کے سپرد نہ کی جائے گی اور مولیٰ کو خیار ہو گا کہ چاہے بیع توڑ دے یا قیمت میں سے زیادتی کو کم کر دے یہ کافی میں ہے۔ اگر ایک غلام ماذون قرض دار ہو اور اس کے ہاتھ اس کے مولیٰ نے اپنے مقبوضہ مال سے ایک کپڑا فروخت کیا تو اس کپڑے میں مولیٰ کا غلام پر ثمن بطور قرضہ کے رہے گا کہ کپڑا فروخت ہو کر اس کے ثمن میں سے مولیٰ اپنا قرضہ وصول کر لے گا پھر باقی قرض خواہوں کا حصہ ہو گا اور اگر اس میں نقصان رہا تو بقدر نقصان کے قرضہ باطل ہو جائے گا یہ تاتارخانیہ میں ابانہ سے منقول ہے۔ اگر ماذون پر دو شریکوں کا قرضہ ہو بعض قرضہ فی الحال واجب الادا ہو اور بعض میعادی ہو مولیٰ نے وہ غلام ایک شریک کو ہبہ کر کے سپرد کر دیا تو دوسرے شریک کو ہبہ توڑ دینے کا اختیار ہے اور اگر اس نے توڑ دیا تو غلام فروخت کیا جائے گا اور اس کے ثمن سے یہ شریک جس نے ہبہ توڑا ہے اپنا قرضہ سب وصول کر لے گا اور جو باقی رہا وہ مولیٰ کا ہو گا اور موہوب لہ کا شریک یا مولیٰ و غلام پر کچھ حق نہ ہو گا اور اگر مولیٰ نے وہ غلام ایک شریک کے ہاتھ ہزار درہم کو فروخت کیا حالانکہ قیمت اس کی دو ہزار درہم تھی اور دوسرے شریک نے بیع توڑ دی خواہ قبضہ سے پہلے یا بعد تو وہ غلام دونوں کے واسطے فروخت کیا جائے گا اور دونوں اس کے ثمن کو باہم تقسیم کر لیں گے اور مشتری کا کچھ قرضہ باطل نہ ہو گا اور اگر ماذون پر میعادی قرضہ ہو اور مولیٰ نے ماذون کو قرض خواہ کے ہاتھ کی قیمت یا زیادتی پر فروخت کیا تو ثمن کا مولیٰ مستحق ہے یہاں تک کہ ادائے قرض کی میعاد آ جائے تب وہ ثمن مولیٰ اس کے قرض خواہ کے سپرد کر دے گا اور اگر مولیٰ کے پاس وہ ثمن تلف ہو گیا تو قرض خواہ کو مولیٰ سے لینے کی کوئی راہ نہیں ہے۔

---

[1] سپرد نہ الخ یعنی کسی کے نزدیک نہ دی جائے گی لیکن قلیل و کثیر میں امامؒ کے نزدیک مشتری سے کہا جائے گا کہ چاہے کمی پوری کر دے اور صاحبین نے کثیر میں اختلاف کیا ہے۔ [2] استیفاء پورا وصول کرنا مولیٰ نے مقروض غلام سے جو ثمن میں بڑھالیا وہ قرض خواہوں کا حق ہے۔

اعتاق کی ایک پیچیدہ صورت کی وضاحت ☆

اگر اس غلام ماذون پر کسی دوسرے کا بھی قرضہ مثل قرضہ مشتری کے ہو اور اس کی میعاد آ گئی تو اس کے واسطے مولیٰ نصف قیمت کا ضامن ہوگا اور اس کے سپرد کرے گا اور وہ قیمت اسی کی ہوگی اس میں مشتری ساجھی نہیں ہو سکتا ہے خواہ مشتری قرضہ میں شریک ہو یا نہ ہو اور اگر اس قیمت میں جو اس نے وصول کی ہے شریک ساجھی نہیں ہو گیا تو اس کے سپرد نہ کی جائے گی بلکہ مولیٰ اس سے لے لے گا پھر دوسرا شریک جس نے نہیں خریدا ہے آکر مولیٰ سے لے لے گا یہ مبسوط میں ہے۔ مولیٰ کو ماذون مقروض کے فروخت کا اختیار نہیں ہے لیکن اگر قرض خواہ اس کو فروخت کی اجازت دیں یا مولیٰ ان کا قرضہ ادا کر دے یا قاضی خود اس کی بیع کا حکم کرے تو بیع جائز ہے یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اگر ماذون پر میعادی قرضہ ہو اور مولیٰ نے اس کو میعاد سے پہلے فروخت کیا تو بیع جائز ہے کیونکہ قرضہ میعادی مولیٰ کو بیع سے مانع نہیں ہوتا ہے پھر جب میعاد آ جائے تو قرض خواہ کو بیع توڑنے کا اختیار نہ ہوگا لیکن مولیٰ سے قیمت کی ضمان لے سکتا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر مولیٰ نے غلام ماذون کو جس پر بہت قرضے ہیں آزاد کیا تو اعتاق جائز ہے اور قرض خواہوں کو مولیٰ اس کی قیمت ڈانڈ دے گا پس اگر قیمت اور قرض مساوی ہے تو ادا ہو گیا اور اگر قیمت کم ہو تو باقی قرض کے واسطے ماذون بعد آزادی کے ماخوذ ہوگا یعنی قرض خواہ اس سے طلب کریں گے اور اگر قیمت قرضہ سے کم ہو تو فقط بقدر قرضہ کے مولیٰ ضامن ہوگا یہ کافی میں ہے۔

اگر ماذون پر قرضہ نہ ہو بلکہ اس نے آزاد یا غلام کو خطا سے قتل کیا ہو اور مولیٰ نے اس کو آزاد کر دیا پس اگر مولیٰ کو اس جنایت کا حال معلوم تھا تو اس فعل سے اس نے یہ اختیار کیا کہ میں فدیہ دوں گا پس اگر مقتول کوئی آزاد ہو تو اس کی دیت ادا کرے گا اور اگر مملوک ہو تو اس کی قیمت ادا کرے گا لیکن اگر قیمت دس ہزار درہم سے زائد ہو تو اس سے دس درہم کم کر دیے جائیں گے اور اگر اس کو اس جنایت کا حال معلوم نہ تھا تو اس غلام کی قیمت تاوان دے گا لیکن اگر قیمت دس ہزار درہم تک پہنچ جائے تو اس میں سے دس درہم کم کر دیے جائیں گے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر اس پر قرضہ محیط ہو اور جنایات[1] بھی محیط ہوں یعنی اس کے رقبہ کو محیط ہوں اور مولیٰ نے اس کو آزاد کر دیا حالانکہ وہ جانتا نہ تھا تو قرض خواہوں کو اس کی پوری قیمت ڈانڈ دے گا اور والیان جنایت کو بھی پوری قیمت ڈانڈ دے گا لیکن اگر دس ہزار درہم سے زائد ہو تو دس درہم کم کیے جائیں گے یہ تہذیب میں ہے۔ اگر مولیٰ نے مدبر یا ام ولد کو تجارت کی اجازت دے دی اور دونوں میں سے ہر ایک پر قرضہ چڑھ گیا پھر مولیٰ نے اس کو آزاد کر دیا تو مولیٰ پر ضمان دے یا مدبر و ام ولد کی ضمان قیمت لازم نہ آئے گی کذا فی الکافی۔ اگر ماذون پر اس قدر قرضہ ہو کہ اس کے رقبہ و مال مقبوضہ کو محیط ہو اور اس حالت میں مولیٰ نے اس کی مقبوضہ باندی آزاد کر دی پھر قرض خواہوں کو قرضہ ادا کر دیا یا قرض خواہوں نے ماذون کو قرضہ سے بری کر دیا یا بعض قرض خواہوں نے معاف کیا یہاں تک کہ ایسا ہو گیا کہ اس کی قیمت سے باقی قرضہ ادا ہو سکتا ہے اور جو اس کے پاس مال ہے وہ قرضہ سے بڑھ تارہا تو مولیٰ کا باندی آزاد کرنا جائز ہے اور اگر مولیٰ نے ماذون کی باندی آزاد کر دی حالانکہ قبل عتق سے ماذون پر قرضہ محیط ہے پھر مولیٰ نے اس کے بعد اس باندی سے وطی کی اور اس سے ایک بچہ پیدا ہوا اور مولیٰ نے اس کے نسب کا دعویٰ کیا تو اس کی دعوت جائز ہے اور مولیٰ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا کہ قرض خواہوں کو تاوان ادا کرے گا پھر باندی آزاد ہو جائے گی کیونکہ قرض خواہوں کا حق اس سے ساقط[2] ہو گیا اور وہ ام ولد ہوئی اور مولیٰ پر واجب ہوگا کہ باندی کو اس کا عقر ادا کرے یہ مبسوط میں ہے۔

اگر مولیٰ نے اپنے ماذون مدیون کو مدبر کیا تو تدبیر جائز ہے اور قرض خواہوں کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اس کی تدبیر کو توڑ دیں اور جب تدبیر نہیں توڑ سکتے ہیں تو ان کو خیار ہوگا کہ چاہیں مولیٰ سے قیمت غلام تاوان لیں یا غلام سے اپنے قرضہ کے واسطے سعایت کرا دیں اور ان دونوں باتوں میں سے جس بات کو اختیار کر لیا پھر دوسری بات کا ان کو استحقاق نہ رہے گا باطل ہو جائے گا پس اگر مولیٰ سے قیمت

---

[1] جنایات جمع جنایہ بمعنی جرم جس کی سزا میں جرمانہ لازم آئے اور وہ اس قدر جرم ہو گئے کہ اس کے رقبہ کو محیط ہیں۔ [2] یعنی استیلاء صورت آزادی ہے۔

کی ضمان حاصل کی تو جب تک غلام آزاد نہ ہو تب تک غلام سے مطالبہ وغیرہ کی کوئی راہ ان کو حاصل نہ ہوگی اور وہ غلام بحالہ ماذون باقی رہے گا اور اگر غلام سے سعی کرانا اختیار کیا تو اس کی سعایت سے تمام وکمال اپنا قرضہ وصول کرلیں گے پھر غلام بحالہ ماذون باقی رہے گا پھر جب ماذون رہا اور اس نے اس کے بعد خرید وفروخت کی اور اس پر پھر بہت قرضہ چڑھ گیا تو قرض خواہوں کو بھی اختیار ہوگا کہ غلام کو ماخوذ کر کے اس سے اپنے قرضہ کے واسطے سعی کرا دیں مگر ان لوگوں کو مولیٰ سے مواخذہ و مطالبہ قیمت کا کچھ اختیار نہ ہوگا ہاں غلام سے سعایت کرا سکتے ہیں بخلاف پہلے قرض خواہوں کے جن کا قرضہ مدبر کرنے سے پہلے غلام پر عائد ہو چکا ہے کہ ان کے واسطے مولیٰ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا پس اگر دوسرے قرض خواہوں نے غلام سے سعایت کرائی اور مال سعایت سے اپنا قرضہ وصول کیا تو پہلے قرض خواہوں کو جنہوں نے مولیٰ سے مدبر کی قیمت ضمان میں وصول کرلی ہے اس سعایت میں سے تھوڑا یا بہت کچھ استحقاق نہ ہوگا اور جو کچھ مال سعایت باقی رہے گا وہ مولیٰ کو ملے گا قرض خواہوں کو جنھوں نے قیمت تاوان لی ہے تھوڑا یا بہت کچھ نہ ملے گا اور اگر وہ مدبر قتل کیا گیا یہاں تک کہ اس کی قیمت قاتل کے ذمہ واجب ہوئی تو اس قیمت میں سے پہلے قرض خواہوں کو جنھوں نے مولیٰ سے ضمان قیمت حاصل کرلی ہے کچھ نہ ملے گا بلکہ دوسرے قرض خواہ اس قیمت میں سے اپنا قرضہ وصول کریں گے مغنی میں ہے۔

اگر غلام ماذون پر تین ہزار درہم تین شخصوں کے قرض ہوں اور ماذون کی قیمت ایک ہزار درہم ہو پھر مولیٰ نے اس کو مدبر کر دیا پس بعض قرض خواہوں نے مولیٰ سے قیمت لینا اختیار کیا اور بعض نے غلام سے سعایت کرانا پسند کیا تو ان کو ایسا اختیار ہوگا پس اگر دو قرض خواہوں نے ضمان قیمت اختیار کی تو مولیٰ سے دو تہائی قیمت لے سکتے ہیں اور ایک تہائی قیمت مولیٰ کو مسلم رہے گی پھر جس نے سعایت غلام پسند کی ہے اگر دوسرے دونوں قرض خواہوں کی قیمت وصول کرنے سے پہلے اس نے اپنا حصہ سعایت غلام سے لے لیا تو اس کے مقبوضہ میں دونوں کو مشارکت کا اختیار ہوگا اور اگر سعایت سے وصول کرنا اختیار کرنے والے نے مولیٰ سے اپنا حصہ ضمان لینا چاہا یا دوسرے دونوں قرض خواہوں کی مقبوضہ قیمت میں شرکت چاہی تو اس کو بھی ایسا اختیار نہ ہوگا اور اسی طرح باقی دونوں قرض خواہوں کو بھی بعد ضمان قیمت اختیار کرنے کے ایسا اختیار نہ ہوگا یعنی سعایت سے وصول کرنا اختیار کرنے والے سے مشارکت یا سعایت غلام سے وصول کرنا اختیار[1] نہیں کر سکتے ہیں اور اگر دونوں نے مولیٰ سے ضمان قیمت لینا اختیار کرنے کے بعد یہ چاہا کہ مدبر کو اپنے قرضہ میں فروخت کریں تو ایسا نہیں کر سکتے ہیں اگرچہ مولیٰ ان کو یہ استحقاق دے دے پھر اس کے بعد اگر مدبر نے خرید فروخت کی اور اس پر کئی حصوں کا قرضہ چڑھ گیا تو مدبر کی سب کمائی پہلے قرض خواہ کے جس نے سعایت سے وصول کرنا اختیار کیا ہے اور پچھلے قرض خواہوں کے درمیان مشترک ہوگی اور ان سب قرض خواہوں میں سے کسی کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اوران کے سوائے خود کچھ وصول کرلے اور اگر پہلے قرض خواہ نے جس نے سعایت سے وصول کرنا اختیار کیا ہے مدبر کی کمائی میں سے پچھلے قرض خواہوں کے قرضہ چڑھنے سے پہلے کچھ لے لیا تو یہ اسی کو دیا جائے گا یہ مبسوط میں ہے۔

اگر قرض خواہ اس سے واقف نہ ہوئے کہ مولیٰ نے اپنے ماذون مقروض کو مکاتب کر دیا ہے یہاں تک کہ مکاتب نے سب بدل کتابت ادا کر دیا اور آزاد ہو گیا تو مولیٰ پر اس کی قیمت واجب ہوگی جیسے کہ فی الحال آزاد کرنے میں واجب ہوتی تھی پھر اس کے بعد قرض خواہوں کو یہ اختیار رہے گا کہ چاہیں مولیٰ سے غلام کی قیمت تاوان لیں اور جو کچھ اس نے مکاتب سے لے لیا ہے وہ[2] لے کر اپنے درمیان حصہ رسید تقسیم کرلیں گے اور اگر کچھ قرضہ باقی رہا تو فی الحال مکاتب آزاد شدہ سے باقی قرضہ کے واسطے مطالبہ کریں گے یا اگر چاہیں تو اپنے پورے قرضہ کے واسطے غلام سے مواخذہ اختیار کریں پس اگر انہوں نے غلام سے مواخذہ اختیار کر کے اپنا تمام قرضہ وصول کیا تو مولیٰ کو

---

[1] نہیں اور ﷺ یعنی ان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ کہیں کہ ہم غلام سے وصول کریں گے۔

[2] وہ یعنی مال کتابت اس لئے کہ مولیٰ نے صرف ماذون کی کمائی اور اس کا رقبہ بر باد کر کے قرضخواہوں کا نقصان کیا ہے تو اسی قدر ضامن ہوگا۔

غلام کی قیمت اور مال کتابت بھی سپرد رہے گا اور غلام کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اس میں سے تھوڑا یا بہت اپنے مولیٰ سے واپس لے یہ مغنی میں ہے۔ اگر غلام نے کچھ مال کتابت ادا کیا اور کچھ باقی رہا کہ اتنے میں قرض خواہ آکر موجود ہوئے یعنی ان کو آگاہی ہوئی تو ان کو اختیار ہوگا کہ چاہیں کتابت کو باطل کریں اور وہ غلام ان کے قرضہ میں فروخت کیا جائے گا اور اگر انہوں نے کتابت باطل نہ کی بلکہ اجازت دے دی تو کتابت جائز ہے اور جو کچھ مال مولیٰ نے اجازت کتابت سے پہلے وصول کیا ہے اور جو کچھ باقی رہا سب قرض خواہوں میں حصہ رسید تقسیم ہوگا اور اگر وہ مال کتابت جو مولیٰ نے قبل اجازت کے وصول کیا ہے اس کے پاس تلف ہوگیا پھر قرض خواہوں نے اجازت دے دی تو کتابت جائز ہے اور مولیٰ اس مال مقبوضہ کی کتابت کا ضامن نہ ہوگا۔ اگر بعض نے کتابت کی اجازت دی اور بعض نے اجازت نہ دی تو جب تک سب قرض خواہ اجازت نہ دیں تب تک کتابت جائز نہ ہوگی اور اگر انہوں نے کتابت توڑ دینے کا قصد کیا اور اتنے میں مولیٰ نے ان کا قرضہ یا خود غلام نے ادا کر دیا تو پھر اس کے بعد ان کو کتابت باطل کرنے کا اختیار نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔

اگر ماذون کا قرضہ میعادی ہو تو مولیٰ کو اس سے خدمت لینے کا اختیار ہے اور اگر فی الحال واجب الادا ہو تو قرض خواہوں کو اس سے ممانعت کرنے کا اختیار ہے اسی طرح اگر مولیٰ نے ماذون کو سفر میں ساتھ لے جانے کا قصد کیا تو درصورت میعادی قرضہ ہونے کے قرض خواہوں کو ممانعت کا اختیار نہ ہوگا اور اگر فی الحال واجب الادا ہو تو منع کر سکتے ہیں اسی طرح مولیٰ اس کو رہن کر سکتا ہے اور اجارہ دے سکتا ہے بشرطیکہ قرضہ میعادی ہو پھر اگر مدت اجارہ گذرنے سے پہلے قرضہ کی میعاد آگئی تو یہ عذر[1] ہوگا اور قرض خواہ لوگ اجارہ توڑ سکتے ہیں مگر رہن راہن کی طرف سے لازم ہوگا اور میعاد آجانے پر قرض خواہوں کو رہن کے توڑنے کا اختیار نہ ہوگا جیسے کہ ان کو اس بیع کے توڑنے کا اختیار نہیں ہوتا ہے جو مولیٰ کی طرف سے نافذ ہوگئی لیکن مولیٰ سے اس کی قیمت کی ضمان لے سکتے ہیں پھر اگر ایسا ہوا کہ جب قرض خواہوں نے اس سے ضمان لینے کا قصد کیا تب اس نے فک رہن کر کے قرض خواہوں کے سپرد کر دیا تو ضمان سے بری ہو جائے گا اور اگر قاضی نے اس پر ضمان قیمت کی ڈگری کر دی اس کے بعد اس نے فک رہن کیا تو اس پر قیمت واجب ہوگی اور غلام اسی کا ہوگا اور قرض خواہ لوگوں کو غلام لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی اور اگر مولیٰ نے فک رہن سے انکار کیا اور قرض خواہوں کے نام غلام کی ڈگری ہوئی کہ اس کو اپنے قرضہ میں فروخت کریں تو ان کو ایسا اختیار ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ غلام ماذون قرض دار کو اس کے مولیٰ نے ایک شخص کے ہاتھ فروخت کیا اور اس کو[2] قرضہ سے آگاہ کیا تو قرض خواہوں کو بیع رد کر دینے کا اختیار ہوگا اور اس کی تاویل یہ ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ قرض خواہ اس کے ثمن کو وصول پا سکتے ہوں اور بیع میں محابات نہ ہو تو ان کو رد بیع کا اختیار نہ ہوگا مگر صحیح یہ ہے کہ اگر ثمن ان کے قرضہ کے ادا کے واسطے کافی نہ ہو تو ان کو بیع رد کرنے کا اختیار ہوگا یہ جامع صغیر میں ہے۔

محل حق سے معدوم کرنے کی ایک صورت کا بیان ☆

اگر اپنے قرض دار غلام کو فروخت کیا اور مشتری نے اس پر قبضہ کر لیا پھر بائع غائب ہوگیا تو مشتری قرض خواہوں کا خصم نہ ٹھہرایا جائے گا بشرطیکہ قرضہ سے انکار کرے یہ امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے اور اگر مشتری نے ان کے قرضہ کی تصدیق کی تو بالاجماع قرض خواہوں کو رد بیع کا اختیار ہوگا اور اگر بائع حاضر اور مشتری غائب ہو تو بالاجماع قرض خواہوں اور بائع میں خصومت نہ ہوگی تاوقتیکہ مشتری حاضر نہ ہو لیکن قرض خواہوں کو بائع سے ضمان قیمت لینے کا اختیار ہوگا اور جب ضمان قیمت لے لی تو بیع جائز ہو جائے گی اور ثمن بائع کا ہوگا اور اگر انہوں نے اجازت بیع دے دی تو ثمن لے سکتے ہیں یہ تبیین میں ہے۔ اگر ماذون پر قرضہ ہو اور مولیٰ نے اس کو حکم دیا

[1] عذر ہوگا یعنی اجارہ فسخ ہونے کے لیے یہ عذر شرعی مقبول ہے۔

[2] قول اور اسکو اصل میں (واعلمہ بالدین) اور شاید صحیح یہ کہ اعلمہ بالدین اور مفاد یہ ہے کہ مشتری بعد آگاہی کے رد نہیں کر سکتا ہے لیکن قرضخواہ رد کرا سکتے ہیں۔

کہ زید کی طرف سے ہزار درہم کی کفالت کرے پس ماذون نے مکفول لہ سے کہا کہ اگر زید تجھ کو تیرے ہزار درہم جو اس پر آتے ہیں نہ دے گا تو یہ مال مجھ پر ہے تو ضمان جائز ہے اور اسی طرح اگر یوں کہا کہ اگر زید مر گیا اور جو کچھ تیرا مال اس پر آتا ہے تجھے ادا نہ کیا تو وہی مجھ پر ہوگا تو یہ بھی اس کے قول کے موافق جائز ہے پھر اگر مولیٰ نے اس ماذون کو اپنی ملک سے بطریق بیع یا ہبہ کے نکال دیا پھر مکفول عنہ یعنی زید قبل ادائے حق مکفول لہ کے مر گیا تو مکفول لہ کو اختیار ہوگا کہ مولیٰ سے ماذون کی قیمت اور قرضہ سے جو مقدار کم ہو ضمان لے اور مولیٰ کی بیع و ہبہ باطل نہ ہوگی اسی طرح اگر ضمان درک کے واسطے ضامن ہونے کا حکم کیا تو بھی یہی حکم ہے۔ اگر مولیٰ نے ایک مکان فروخت کیا اور ماذون کو حکم دیا کہ مشتری کے واسطے ضمان درک کا ضامن ہو جائے پھر مولیٰ نے وہ ماذون فروخت کر دیا پھر وہ مکان استحقاق میں لے لیا گیا تو مشتری کو اختیار ہوگا کہ مولیٰ سے ماذون کی قیمت اور ثمن میں سے جو کم ہو اس کی ضمان لے لے باعتبار اس کے کہ اس نے مشتری کا محل[1] حق معدوم کر دیا ہے اور اگر مولیٰ نے اس کو اپنی ملک سے خارج نہ کیا یہاں تک کہ ماذون پر اس قدر قرضہ چڑھ گیا کہ اس کے رقبہ کو محیط ہو گیا پھر مشتری کے ہاتھ سے وہ مکان استحقاق میں لے لیا گیا تو غلام کے ذمہ وہ مال جو اس کی گردن پر ہے مع مال ضمان سب لازم ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔

اگر مولیٰ نے ماذون کے ہاتھ اپنا کوئی گھر فروخت کیا پس اگر غلام مقروض نہ ہو تو یہ بیع نہ ہوگی اور اگر مقروض ہو تو بیع جائز ہے پس اگر اس کا ثمن اس کی قیمت کے برابر یا کم ہو تو شفیع کو شفعہ پہنچتا ہے اور اگر زیادہ ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک بیع باطل ہوگی اور اس میں شفعہ کچھ نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ زیادت باطل ہوگی اور شفیع اس کو شفعہ میں برابر لے لے گا بشرطیکہ مولیٰ اس قدر پر راضی ہو یہ ینابیع میں ہے۔ اگر ماذون نے کچھ خرید و فروخت کیا تو اس میں مولیٰ کا استحقاق شفعہ نہ ہوگا بشرطیکہ ماذون پر قرضہ نہ ہو اسی طرح اگر مولیٰ نے خرید و فروخت کیا تو اس میں ماذون کو استحقاق شفعہ نہ ہوگا اگر ماذون قرض دار نہ ہو اگر قرض دار ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کو سب صورتوں میں استحقاق شفعہ حاصل ہوگا مگر ہاں ایک صورت میں اور وہ یہ ہے کہ اگر غلام نے ایک گھر اس کی قیمت سے اس قدر کمی پر جو لوگ اپنے اندازہ سے اٹھاتے ہیں یا نہیں اٹھاتے ہیں فروخت کیا تو مولیٰ کو اس میں شفعہ کا استحقاق نہ ہوگا اور اگر غلام نے اپنے مولیٰ کے ہاتھ ایک گھر فروخت کیا حالانکہ اس پر قرضہ نہیں ہے اور ایک اجنبی اس کا شفیع ہے تو اجنبی کو شفعہ نہ ملے گا اور اگر اس پر قرضہ ہو اور بیع اس کے مثل قیمت یا زیادہ پر واقع ہوئی تو اجنبی کو شفعہ کا استحقاق ہوگا اور اگر قیمت سے کم ثمن پر واقع ہوئی تو امام اعظمؒ کے نزدیک شفیع کو شفعہ نہ ملے گا اور صاحبین کے نزدیک شفیع اس کو برابر قیمت پر لے سکتا ہے ورنہ چھوڑ دے پس اگر شفیع نے چھوڑ دیا تو مولیٰ کو اختیار ہوگا کہ چاہے پوری قیمت میں خرید لے یہ مبسوط میں ہے۔ مولیٰ نے اگر اپنے ماذون کا نکاح کر وا دیا تو جائز ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

ایک غلام ماذون التجارۃ نے ایک باندی خریدی اور وہ قرض دار نہیں ہے پس مولیٰ نے اسی کے ساتھ باندی کا نکاح کر دیا تو جائز ہے وہ باندی تجارت سے باہر ہو گئی کہ ماذون اس کو فروخت نہیں کر سکتا ہے اور اس کے بعد اگر ماذون پر قرضہ چڑھ گیا تو قرض خواہوں کے واسطے وہ باندی فروخت نہ کی جائے گی اور اگر ماذون نے قرض داری کی حالت میں باندی خریدی ہو اور مولیٰ نے اسی کے ساتھ نکاح کر دیا تو قرضہ کی وجہ سے نکاح جائز نہ ہوگا اور ماذون کو اختیار ہوگا کہ اس باندی کو اور اس باندی سے جو بچہ ماذون کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے فروخت کر لے اور اگر بعد تزویج کے مولیٰ نے اس کا قرضہ ادا کر دیا تو جائز ہے جیسا کہ قرضہ نہ ہونے کی صورت میں جائز تھا پس یہ بھی بمنزلہ اسی کے ہے یہ مغنی میں ہے اور اگر ماذون نے مولیٰ کے حکم سے زید کی طرف سے ہزار درہم کی کفالت کر لی حالانکہ اس پر

---

[1] محل حق یعنی جس محل سے اس کا حق متعلق تھا وہ معدوم کر دیا۔

قرضہ نہیں ہے پھر مولی نے اس کو فروخت کیا تو مکفول لہ کو اس کی بیع توڑ دینے کا اختیار ہوگا اور اگر بجائے کفالت مال کے زید کی طرف سے کفالت بالنفس قبول کی ہو تو مکفول لہ کو بیع توڑنے کا اختیار نہ ہوگا لیکن غلام سے جہاں کہیں ہوگا کفالت کا مواخذہ کر سکتا ہے اور یہ امر غلام میں عیب شمار ہوگا اور مشتری کو خیار حاصل ہوگا کہ چاہے اس عیب کی وجہ سے واپس کر دے اور اگر اس طور پر کفالت ہو کہ اگر مطلوب تجھ کو اس مدت تک تیرا حق جو اس پر ہے ادا نہ کرے تو میں اس کے نفس کا کفیل ہوں تو ایسی کفالت کے عیب[1] کی وجہ سے مشتری واپس نہیں کر سکتا ہے تاوقتیکہ شرط کا وجود تحقق نہ ہو پھر جب شرط پائی جانے سے غلام پر کفالت واجب ہو جائے تو مشتری اس کو واپس کر سکے گا بشرطیکہ وقت خرید کے اس کو اس عیب سے آگاہی نہ ہوئی ہو اور اگر اس کو وقت خرید کے معلوم ہو گیا ہو تو پھر اس عیب کی وجہ سے کبھی واپس نہیں کر سکتا ہے یہ مبسوط میں ہے۔

مولی نے اگر قرض خواہوں کی اجازت سے ماذون کو فروخت کیا تو صحیح ہے اور قرض خواہوں کا حق ثمن کی طرف متحول ہو جائے گا اور مولی بمنزلہ وکیل کے ہو جائے گا حتیٰ کہ اگر مشتری سے وصول نہ ہوا ڈوب گیا تو یہ قرض خواہوں کا مال گیا اور اگر مولی نے وصول کیا اور اس کے پاس تلف ہو گیا تو بھی قرض خواہوں کا مال گیا لیکن قرض خواہوں کا قرضہ ساقط نہ ہوگا بلکہ جب غلام آزاد ہو جائے گا تو اس سے مواخذہ کریں گے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر مولی نے اپنے غلام ماذون کو حکم دیا اس نے زید کی طرف سے عمرو کے واسطے ہزار درہم کی کفالت اس طور سے کی کہ اگر زید بدون عمرو کا مال ہزار درہم ادا کیے ہوئے مر گیا تو ماذون اس مال کا ضامن ہے تو یہ جائز ہے پھر اگر مولی نے عمرو کے ہاتھ یہ غلام ہزار درہم کو یا کم کو فروخت کیا تو بیع جائز ہے اور ثمن اس کا مولی وصول کر کے جو چاہے کرے پھر اگر مکفول عنہ یعنی زید بدوں ادائے مال عمرو کے مر گیا تو خریدار یعنی عمرو کو مولی سے ثمن لینے کا اختیار ہوگا کہ اس کو اپنے ادائے قرض میں شمار کرے گا اور اگر مولی کے پاس وہ ثمن تلف[2] ہو گیا تو مولی کچھ ضامن نہ ہوگا اور اگر تھوڑا تلف ہو گیا ہو تو خریدار باقی کو اپنے ادائے قرض میں لے لے گا اور جو تلف ہو گیا وہ نابود شمار ہوگا اور اگر مولی کے پاس ثمن تلف ہو گیا پھر مشتری نے غلام میں کچھ عیب پا کر واپس کرنا چاہا تو واپس کر سکتا ہے اور مولی پر ثمن کی بابت اس کا کچھ حق نہ ہوگا لیکن وہ غلام اس کے ثمن میں فروخت کیا جائے گا پس اس کے ثمن سے اپنا ثمن جو اس نے مولی کو دیا تھا وصول کر لے گا پھر اگر کچھ باقی رہا تو اس کو اپنے پہلے قرضہ میں لے لے گا اور اگر دوسرا ثمن بنسبت اول کے کم ہو تو مولی پر اس کی کمی میں کچھ واجب نہ ہوگا کذا فی المبسوط میں ہے۔

باب پنجم:

جس سے ماذون مجحور ہو جاتا ہے اور جس سے مجحور نہیں ہوتا ہے

جس سے ماذون مجحور ہو جاتا ہے اور جس سے مجحور نہیں ہوتا ہے اس کے اور جو اقرار مجحور سے متعلق ہے اس کے بیان میں جاننا چاہیے کہ حجر سے اذن باطل ہو جاتا ہے لیکن یہ شرط ہے کہ حجر مثل اذن کے ہو حتیٰ کہ اگر اذن عام ہو بایں طور کہ اس کو اہل بازار جانتے ہوں تو حجر جب کارآمد ہوگا کہ جب حجر بھی عام ہو یعنی اکثر اہل بازار اس سے واقف ہو جائیں اور اگر اس سے کم ہو تو کارآمد نہ ہوگا بایں طور کہ ایک شخص یا دو شخصوں کے سامنے یا تین آدمیوں کے سامنے یا اپنے گھر میں مجحور کیا خواہ غلام اس سے واقف ہو جائے یا واقف نہ ہو یہ حجر کارآمد نہ ہوگا اگر اذن خاص ہو بایں طور پر اس کی اہل بازار میں یہ خبر منتشر نہ ہوئی ہو مثلاً ایک یا دو یا تین شخصوں کے سامنے غلام کو

[1] عیب الخ یعنی یہ کفالت جو ایک طرح کا عیب ہے ایسا عیب نہیں کہ بالفعل اس سے واپس کر سکے۔
[2] یعنی اگر مولی نے خود کسی کام میں تلف کیا ہو تو ضامن ہوگا اور اگر تلف ہو گیا ہو تو کچھ ضامن نہ ہوگا۔

ماذون کیا ہو تو اگر انہی لوگوں کے سامنے غلام کو مجور کیا اور غلام واقف ہو گیا تو یہ حجر کارآمد ہو گا یعنی غلام مجور ہو جائے گا یہ مغنی میں ہے۔ اگر اذن فقط غلام کے سامنے ہو تو اسی کے سامنے اس کو مجور کر دینا کارآمد ہو گا۔

قال المترجم ☆

اور حاضر و سامنے ہونے میں آگاہ ہونا کافی ہے علی ما اصطلح القوم اور اگر غلام اس سے واقف نہ ہوا تو حجر کارآمد نہ ہو گا اور اگر غلام کو اجازت دے دی اور وہ آگاہ ہو گیا پھر اس کو مجور کیا اور وہ آگاہ نہ ہوا تو حجر کارآمد نہ ہو گا اور اگر اس کو اذن دیا اور وہ آگاہ نہ ہوا پھر مجور کیا اور وہ آگاہ نہ ہوا تو حجر کارآمد ہو گا کذا فی الذخیرہ اور اگر ماذون کو اپنے گھر میں اکثر اہل بازار کے سامنے مجور کیا تو مجور ہو جائے گا یہ کافی میں ہے۔

قال المترجم ☆

حاصل یہ ہے کہ اذن و حجر میں باعتبار عموم و خصوص و علم ماذون و عدم علم کے عرفاً مقابلہ و مساوات ہونی چاہیے اور اگر ماذون کسی شہر کو تجارت کے واسطے گیا پھر اکثر اہل بازار مولیٰ کے مکان پر آئے اور ان کے سامنے شہادت کے ساتھ مولیٰ نے ماذون کو مجور کیا حالانکہ غلام اس سے واقف نہیں ہے تو وہ مجور نہ ہو گا اور یہ امر اس کے حق میں حجر نہ ہو گا اسی طرح اگر غلام اس شہر میں موجود ہو مگر وہ حجر سے واقف نہ ہوا تو یہ امر اس کے حق میں حجر نہ ہو گا اور جو کچھ اس نے قبل حجر سے واقف ہونے کے اپنے اہل بازار وغیرہ کے ساتھ تصرف کیا وہ سب نافذ ہو گا اور جب ایک یا دو روز کے بعد غلام اس سے واقف ہوا تو واقف ہونے کے وقت سے وہ مجور قرار دیا جائے گا اور قبل وقوف کے جو خرید و فروخت اس سے صادر ہوئی وہ سب جائز ہو گی یہ مبسوط میں ہے اور اگر ماذون کے مجور کرنے کے بعد غلام کے آگاہ ہونے سے پہلے مولیٰ نے اس کو خرید و فروخت کرتے دیکھا اور منع نہ کیا پھر غلام کو مجور ہونا معلوم ہوا تو استحساناً ماذون باقی رہے گا یہ مغنی میں ہے اور اگر مولیٰ نے ماذون کو فروخت کیا پس اگر اس پر قرضہ نہ ہو تو مجور ہو جائے گا خواہ اہل بازار واقف ہو جائیں یا نہ ہوں اور اگر اس پر قرضہ ہو تو مشتری کے قبضہ کرنے سے پہلے مجور نہ ہو گا بخلاف صورت اوّل کے کہ اس میں نفس بیع سے مجور ہو جاتا ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ قرضہ فی الحال واجب الادا ہو اور اگر غلام کا قرضہ میعادی ہو تو مولیٰ کو اس کی بیع سے ممانعت نہ کی جائے گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر مولیٰ نے ماذون کسی شخص کو ہبہ کر دیا اور موہوب لہ نے قبضہ کر لیا تو مجور ہو جائے گا پھر اگر ہبہ سے رجوع کیا تو اجازت عود نہ کرے گی اور یہی حکم بیع کی صورت میں ہے کہ اگر مشتری نے ماذون میں کوئی عیب پا کر بحکم قاضی اس کو واپس کیا تو اجازت عود نہ کرے گی اگرچہ مولیٰ کی قدیم ملک پھر عود کر آئی ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر مولیٰ نے ماذون کو بطور بیع فاسد کے بعوض شراب یا سور کے فروخت کر کے مشتری کے سپرد کیا اس نے مشتری کے قبضہ میں خرید و فروخت کی پھر بائع کو واپس دیا گیا تو وہ مجور رہے گا اسی طرح اگر اس پر مشتری نے بائع کے حکم سے بائع کے حضور یا عدم حضور میں قبضہ کیا یا بائع کے حضور میں بغیر اس کے حکم کے قبضہ کیا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر بعد افتراق کے بلا حکم بائع کے اس پر قبضہ کیا تو مجور نہ ہو گا اور اگر مردار یا خون کے عوض فروخت کیا ہو تو بسبب بطلان بیع کے ان سب صورتوں میں مجور نہ ہو گا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر مولیٰ نے بطور بیع صحیح کے تین روز کی اپنی خیار شرط پر فروخت کیا تو جب تک بیع نافذ نہ ہو جائے تب تک وہ غلام ماذون رہے گا کیونکہ مولیٰ کی ملک سے خارج نہیں ہوا اور اگر مشتری کے واسطے خیار کی شرط ٹھہری ہو تو مجور ہو جائے گا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اگر مولیٰ نے اہل بازار کے حضور میں اپنے ماذون کو مجور کیا حالانکہ غلام غائب ہے اور مولیٰ نے اس کے پاس حجر سے آگاہ کرنے کے واسطے ایک ایلچی بھیج دیا اس نے غلام کو آگاہ کر دیا تو غلام مجور ہو جائے گا خواہ وہ ایلچی آزاد ہو یا مملوک ہو خواہ عورت ہو یا مرد ہو خواہ عادل ہو یا فاسق ہو اسی طرح اگر اس کو خط لکھ کر بھیجا اور خط پہنچ گیا تو مجور ہو جائے گا خواہ نامہ بر[1] آزاد ہو یا

[1] نامہ بر یعنی جو شخص خط لایا ہے اس میں بھی مثل پیغام کے عدد و عدالت و آزادی وغیرہ شرط نہیں ہے۔

مملوک ہو خواہ مرد ہو یا لڑکا یا عورت ہو خواہ عادل ہو یا فاسق ہو یہ مغنی میں ہے۔

مسئلہ مذکورہ میں اگر غلام دارالحرب میں جا ملنے اور مشرکوں کے ہاتھ گرفتار ہونے کے بعد قید ہو کر آیا تو اُس کا مولیٰ اِس کا حقدار ہوگا اور جو قرضہ اس پر تھا وہ بحالہ باقی رہے گا یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے☆

اگر ماذون کو مجور ہو جانے کی خبر کسی ایسے شخص نے دی جس کو مولیٰ نے نہیں بھیجا تھا تو امام اعظمؒ کے قیاس میں مجور نہ ہوگا تاوقتیکہ اس کو دو شخص خبر نہ دیں یا ایک شخص عادل جس کو غلام پہچانتا ہو خبر نہ دے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ جس شخص عورت یا مرد یا لڑکا اس کو یہ خبر دے دے تو مجور ہو جائے گا بعد ازانکہ خبر پہنچی ہو کذا فی المبسوط۔ قولہ بعد ازآنکہ خبر پہنچی ہو اس قول کے یہ معنی ہیں کہ اس کے بعد مولیٰ آکر اقرار کرے کہ میں نے مجور کیا ہے اور اگر اس نے انکار کیا تو مجور نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر ماذون پر جنون[1] مطبق طاری ہو گیا کہ جس سے افاقہ نہیں ہوتا ہے تو مجور ہو جائے گا پھر اگر اس کے بعد اس کو افاقہ ہو گیا تو اذن عود نہ کرے گا یہ سراج الوہاج میں ہے اور اگر جنون مطبق نہ ہو یعنی جنون سے مجنون ہو جاتا ہو پھر افاقہ ہو جاتا ہو تو مجور نہ ہوگا۔ پھر جنون مطبق کی حد میں اختلاف کیا ہے امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر ایک مہینہ سے کم ہو تو جنون مطبق نہیں ہے اور اگر ایک مہینہ یا زیادہ ہو تو مطبق ہے پھر اس قول سے رجوع کیا اور کہا کہ ایک سال سے کم مطبق نہیں ہے اور ایک سال یا زیادہ تک مطبق ہے یہ مغنی میں ہے اور قدوری میں ہے کہ اگر ماذون مرتد ہو گیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک مجور ہو جائے گا اور صاحبین کے نزدیک نہ ہوگا پھر جب دارالحرب میں جا ملا تو وقت لحوق سے صاحبین کے نزدیک اور وقت ارتداد سے امام اعظمؒ کے نزدیک مجور ہوگا اور اگر اس پر بے ہوشی طاری ہوئی یعنی بدون نشہ پیے ہوئے اغماء طاری ہوا تو مجور نہ ہوگا یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اگر دارالحرب میں جا ملنے اور مشرکوں کے ہاتھ گرفتار ہونے کے بعد قید ہو کر آیا تو اس کا مولیٰ اس کا حقدار ہوگا اور جو قرضہ اس پر تھا وہ بحالہ باقی رہے گا یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ قرضہ باطل ہو جائے گا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

اگر ماذون بھاگ گیا تو ہمارے علمائے ثلثہ کے نزدیک مجور ہو جائے گا پھر اگر اباق سے واپس آیا تو کیا اذن عود کرے گا یا نہیں، سو اس صورت کو امام محمدؒ نے کتاب میں ذکر نہیں کیا اور مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ عود نہ کرے گا یہ محیط میں ہے۔ اگر غلام نے حالت اباق میں خرید و فروخت کی تو اس میں سے اس پر کوئی عقد لازم نہ ہوگا پھر اگر غلام کے ساتھ معاملہ بیع کرنے والے نے یہ کہا کہ غلام بھاگا ہوا نہ تھا بلکہ مولیٰ نے اس کو بھیجا تھا اور مولیٰ نے کہا کہ بھاگا ہوا تھا تو قول اسی کا لیا جائے گا جس نے غلام سے بیع کا معاملہ کیا ہے اور مولیٰ پر گواہ لانا واجب ہوگا کہ میرا غلام بھاگا ہوا تھا اور اس نے حالت اباق میں اس کے ساتھ خرید و فروخت کا معاملہ کیا تھا اور اگر دونوں نے اپنے دعوے کے گواہ پیش کیے تو جس نے غلام سے معاملہ بیع کیا ہے اسی کے گواہ مقبول ہوں گے اور اگر مولیٰ اور معاملہ کرنے والے نے غلام کے اباق پر اتفاق کیا مگر معاملہ کرنے والے نے یہ کہا کہ میں نے اباق سے پہلے اس کے ساتھ معاملہ کیا تھا اور مولیٰ نے کہا نہیں بلکہ بعد اباق کے معاملہ کیا ہے تو بھی معاملہ کرنے والے کا قول لیا جائے گا اور اگر دونوں نے گواہ پیش کیے تو بھی بائع کے گواہ مقبول ہوں گے یہ مغنی میں ہے۔ اگر غلام مدبر کو ماذون کیا ہو اور وہ بھاگ گیا مجور نہ ہوگا اور اگر غلام ماذون کو کسی شخص نے غصب کیا تو کتاب میں اس کا حکم مذکور نہیں ہے اور مشائخ نے فرمایا کہ صحیح ہے کہ مجور نہ ہوگا اگر ماذون کو حربی دشمن نے قید کر لیا تو دارالحرب میں محفوظ کر لینے سے پہلے مجور نہ ہوگا اور جب دارالحرب میں محفوظ کر لیا تو مجور ہو جائے گا پھر اگر اس کے بعد وہ غلام اس کے مولیٰ کے ہاتھ آیا تو ماذون نہ ہو جائے گا یعنی اذن عود نہ کرے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

غلام ماذون نے ایک غلام خرید کر اس کو تجارت کے واسطے اجازت دی حتیٰ کہ اجازت صحیح ہوئی پھر مولیٰ نے دونوں میں سے

[1] جنون مطبق کہا گیا کہ ایک ماہ تک برابر مجنون رہے اور اسی پر فتویٰ ہے لیکن اس مقام پر شاید ایک سال ہو لحوق جاننا۔

ایک کو مجور کیا پس اگر دوسرے کو مجور کیا تو اس کا مجور کرنا صحیح نہیں ہے خواہ اوّل پر قرض ہو یا نہ ہو اور اگر اوّل کو مجور کیا تو ہو جائے گا پھر آیا دوسرا بھی مجور ہو جائے گا یا نہیں سو اگر اوّل پر قرض ہو تو مجور ہو جائے گا اور اگر اوّل پر قرض نہ ہو تو دوسرا مجور نہ ہو جائے گا۔

قال المترجم[1] ☆

هکذافی النسخته الموجوۃ اور اگر اس میں سے کوئی بات نہ ہوئی بلکہ غلام اول مر گیا تو اس کا حکم وہی ہے جو غلام اوّل کے مجور کرنے میں مذکورہ ہوا ہے۔ اگر غلام اوّل نہیں مرا بلکہ مولی مر گیا تو دونوں غلام مجور ہو جائیں گے خواہ غلام اوّل مقروض ہو یا نہ ہو یہ مغنی میں ہے۔ اور اگر اپنے مکاتب کے ماذون کو مولی نے مجور کیا تو نہیں جائز ہے جیسے ماذون کے ماذون کو مجور کرنا نہیں جائز ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اگر مکاتب نے اپنے غلام کو تجارت کے واسطے اجازت دی پھر خود عاجز ہو گیا خواہ اس پر قرضہ ہے یا نہیں ہے تو اس کا ماذون بھی مجور ہو جائے گا اسی طرح اگر مکاتب ادائے کتابت کے لائق کافی مال یا غیر کافی مال یا کتابت کے اندر جنا ہوا لڑکا چھوڑ کر مر گیا تو بھی یہی حکم ہے پھر اگر فرزند مکاتب نے بعد موت مکاتب کے غلام کو تجارت کی اجازت دی تو اس کی اجازت جائز نہ ہوگی اسی طرح اگر آزاد مر گیا اور اس پر قرضہ ہے اور اس کا ایک غلام ہے کہ اس کو وارث نے تجارت کے واسطے اجازت دی تو اجازت باطل ہے پھر اگر وارث نے مال میت سے قرضہ ادا کیا بعض کتابوں کی اجازت نافذ نہ ہوگی اور اگر وہ مال جو اس نے میت کی طرف سے ادا کیا ہے اس کو طالب نے معاف کر دیا لے سکتا ہے اور فرمایا تجارت کی اجازت دے چکا ہے تو اجازت نافذ ہو جائے گی اور اگر میت پر قرضہ نہ ہو بلکہ غلام اور ہمارے مشائخ نے فرمایا میت کے واسطے غلام کو اجازت دینا جائز ہوگا اسی طرح اگر مکاتب کے بیٹے نے اس غلام کو جس کو اس کے باپ نے بعد موت کے چھوڑا ہے اجازت دی پھر کس شخص سے مال قرض لے کر کتابت ادا کی تو اس کی اجازت صحیح نہ ہوگی اور اگر کسی شخص نے مکاتب کے بیٹے کو کچھ مال ہبہ کیا پھر اس نے مال کتابت ادا کر دیا تو غلام کو اس کا اجازت دینا صحیح ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔

اگر وصی نے یتیم یا اس کے غلام کو تجارت کی اجازت دی پھر خود مر گیا اور کسی دوسرے کو وصی مقرر کر گیا تو اس کی موت سے یتیم و اس کا غلام مجور ہو جائے گا اور اگر قاضی نے اس کو اجازت دی پھر قاضی معزول ہو گیا یا مر گیا تو یتیم و اس کا غلام ماذون رہے گا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ فتاویٰ عتابیہ میں لکھا ہے کہ اگر باپ نے اپنے بیٹے کے غلام کو اذن تجارت دیا پھر باپ نے اس کو خرید ا یا وارث ہوا تو اذن باطل ہو جائے گا اور نابالغ کے غلام کا اذن اس کے بالغ ہونے سے باطل نہ ہوگا اور ایسے ہی اس کے بالغ ہونے کے بعد باپ کے مرنے سے بھی باطل نہ ہوگا اور اگر باپ نے نابالغ بیٹے کے غلام کو تصرف کرتے دیکھا اور خاموش رہا تو یہ اذن ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر مولیٰ مرتد ہو گیا پھر غلام نے خرید و فروخت کی پس اگر مولیٰ قتل کیا گیا یا مر گیا یا دارالحرب میں جا ملا اور قاضی نے اس کے لحاق[2] کا حکم جاری کر دیا تو جو تصرف غلام نے اسکے مرتد ہونے کے بعد کیا ہے سب باطل ہے اور اگر دارالحرب میں جا ملنے سے پہلے یا جا ملنے کے بعد حکم قاضی جاری ہونے سے پہلے مسلمان ہو کر واپس آیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک سب تصرفات جائز ہوں گے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ سب تصرفات جائز ہیں سوائے اس تصرف کے جو مولیٰ کے دارالحرب میں جا ملنے کے بعد اس سے صادر ہوا ہے وہ باطل ہوگا بشرطیکہ واپس نہ آیا ہو یہاں تک کہ قاضی نے اس کے لحاق کا حکم جاری کر دیا ہو اور اگر اس سے پہلے واپس آیا ہو تو جائز ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر عورت مرتد ہوئی ہو تو اس کا ماذون اس کے اذن پر رہے گا اور اگر وہ عورت دارالحرب میں جا ملی اور قاضی نے اس کے لحاق کا حکم دے دیا تو اس کا ماذون مجور ہو جائے گا اور اگر حکم قاضی سے پہلے واپس آئی تو ماذون اپنے اذن پر رہے گا یہ

[1] یعنی مترجم کہتا ہے کہ نسخہ موجودہ میں اسی طرح لکھا ہے اور ظاہر یہ کہ حکم برعکس ہے یعنی اوّل مقروض نہ ہو تو دوسرا مجور ہوگا ورنہ نہیں۔

[2] لحاق یعنی قاضی نے حکم دیا کہ فلاں مرتد جا کر کافروں میں مل گیا ہے۔

خزانۃ المفتین میں ہے۔

اگر مضارب نے مال مضاربت کے کسی غلام کو تجارت کی اجازت دی تو یہ اجازت رب المال پر جائز ہوگی اور اگر رب المال نے اس کو مجور کیا تو حجر باطل ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ماذونہ باندی اپنے مولیٰ سے بچہ جنی تو مجور ہو جائے گی اور اگر اس پر قرضہ چڑھ گیا ہو تو مولیٰ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر مولیٰ کے سوائے کسی دوسرے سے بچہ جنی ہو تو مجور نہ ہوگی پھر دیکھا جائے گا کہ اگر لڑکے کے دودھ چھوٹنے تک اس پر قرضہ نہیں ہوا ہے تو لڑکا مولیٰ کا ہوگا حتیٰ کہ اگر اس کے بعد اس پر قرضہ ہو گیا تو قرض خواہوں کو بچہ کی گردن میں کچھ حق نہ ہوگا اور اگر ثبوت[1] قرضہ کے بعد اس کے بچہ ہوا تو وہ بچہ بھی ان قرض خواہوں کے واسطے جن کا حق قبل ولادت کے ثابت ہو چکا ہے فروخت ہوگا نہ ان کے واسطے جن کا حق بعد ولادت کے ثابت ہوا کذا فی الجوہرۃ النیرۃ۔ ایک باندی کو اس کے مولیٰ نے اجازت دی اور اس نے اپنی قیمت سے زیادہ قرض کر لیا پھر مولیٰ نے اس کو مدبرہ کر دیا تو یہ باندی بحالہا ماذونہ رہے گی اور مولیٰ قرض خواہوں کے واسطے ان کی قیمت کا ضامن ہوگا یہ جامع صغیر میں ہے اور جب مولیٰ نے ماذون کو مجور کیا تو جو مال اس کے قبضہ میں ہے اس کی بابت اس کا اقرار امام اعظمؒ کے نزدیک جائز ہوگا اور اس کے یہ معنی ہیں کہ اس نے اپنے مقبوضہ مال میں یہ اقرار کیا کہ یہ فلاں شخص کی امانت ہے اور یہ فلاں شخص کی غصب کی ہوئی ہے یا اپنے اوپر کچھ قرضہ کا اقرار کرے کہ اس کے مقبوضہ میں سے ادا کیا جائے اور صاحبین نے فرمایا کہ اس کا اقرار صحیح نہیں ہے اور بعد عتق کے اس سے مواخذہ کیا جائے گا اور جو کچھ اس کے پاس ہے وہ اس کے مولیٰ کا ہوگا یہ کافی میں ہے۔

اگر کسی نے اپنے غلام ماذون کو جس کو تجارت کی اجازت دی تھی مجور کر دیا پھر غلام نے اپنی ذات پر اقرار کیا تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر اس کے ہاتھ میں زمانہ اجازت کی کمائی نہ ہو تو فی الحال کے واسطے اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا یعنی فی الحال اس سے مواخذہ نہیں ہو سکتا ہے خواہ اس پر زمانہ اجازت کا قرضہ ہو یا نہ ہو اور اس مسئلہ میں سب اماموں کا اتفاق ہے۔ اگر اس کے پاس زمانہ اجازت کی کمائی موجود ہو تو اس میں تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ زمانہ اجازت کے قرضہ سے یہ سب مال فارغ ہو دوم یہ کہ سب مال اسی قرضہ میں مشغول ہو تیسرے یہ کہ کچھ فارغ ہو اور کچھ اس قرضہ میں مشغول ہو پس اگر سب مال قرضہ اجازت میں مشغول ہو تو اس کا اقرار اس مال میں جو اس کے قبضہ میں موجود ہے صحیح نہیں ہے بعد مجور ہونے کے مقرلہ کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ قرض خواہوں کے ساتھ زمانہ اجازت کی کمائی میں شرکت کرے بلکہ سب مال قرض خواہوں کو زمانہ اجازت کے قرضہ میں دیا جائے گا اور اگر بعض مال مشغول اور بعض فارغ ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک اس قدر مال میں جو قرضہ اجازت سے فارغ ہے اس کا اقرار صحیح ہوگا اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ وہ غلام اپنے اجازت دینے والے کی ملک میں باقی ہو اور اگر اجازت دہندہ کی ملک سے کسی وجہ سے مثل بیع و ہبہ وغیرہ کے خارج ہو گیا ہو پھر اس نے اقرار کیا تو بالاتفاق اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا خواہ اس کے پاس کچھ کمائی موجود ہو یا نہ ہو کذا فی المحیط۔ اگر اس کے پاس اس قسم کا مال ہو کہ اس نے لکڑیاں وغیرہ جنگل سے لا کر فروخت کی ہوں یا اس کے مثل کی محنت سے جمع کیا ہو پھر اس نے اس مال کی نسبت دوسرے کے واسطے اقرار کیا تو بالاتفاق اس کے اقرار کی تصدیق نہ ہوگی یہ نہایہ میں ہے۔

اگر مولیٰ نے ماذون کو مجور کیا اور اس کے پاس ہزار درم تھے ان کو مولیٰ نے لے لیا پھر ماذون نے یہ اقرار کیا کہ یہ مال فلاں شخص کا میرے پاس ودیعت تھا اور مولیٰ نے اس کی تکذیب کی تو اقرار میں سچا نہ ٹھہرایا جائے گا پھر اگر آزاد کیا گیا تو اس اقرار کی وجہ سے اس کے ذمہ کچھ لاحق نہ ہوگا اور اگر غصب کا اقرار کیا ہو تو بعد عتق کے ماخوذ ہوگا اور اگر مجور کیا گیا اور اس کے پاس ہزار درہم تھے اور اس پر ہزار درہم قرضہ تھے پس اس نے اقرار کیا کہ یہ ہزار درہم فلاں شخص کی ودیعت یا مضاربت یا قرض یا

[1] ثبوت قرضہ یعنی تحقیق قرضہ چڑھ جانے کے بعد جنی۔

غصب کے میرے پاس ہیں اور اس کی تصدیق[1] نہ کی گئی اور صاحب قرض نے یہ درہم اپنے قرضہ میں لے لئے پھر غلام آزاد کیا گیا تو اس پر ہزار درہم قرضہ رہیں گے کہ ان کے واسطے ماخوذ ہوگا۔ اگر ماذون کو مجور کیا اور اس کے پاس ہزار درہم ہیں اس نے اپنے اوپر ہزار درہم قرضہ کا اقرار کیا کہ یہ ہزار درہم فلاں شخص کے ودیعت ہیں تو امام اعظمؒ کے قیاس میں یہ ہزار درہم صاحب قرضہ کے ہوں گے اور جب صاحب قرض کو جس کے واسطے اقرار کیا ہے یہ درہم دے دیے گئے پھر آزاد کیا گیا تو بعد آزاد صاحب ودیعت اس کا دامنگیر ہوگا۔ اگر پہلے صاحب ودیعت کے واسطے اقرار کیا ہو تو یہ درہم صاحب ودیعت کو دیے جائیں گے اور صاحب قرض اس سے بعد آزادی کے اپنے قرض کے واسطے مواخذہ کرے گا اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے قول پر اقرار ودیعت باطل ہوگا اور یہ ہزار درہم مولی لے لے گا اور جب آزاد ہو جائے تو صاحب ودیعت اس سے مواخذہ نہ کرے گا مگر جس کے واسطے قرضہ کا اقرار کیا ہے وہ بعد عتق کے قرضہ کے واسطے دامنگیر ہوگا اور اگر متصل کلام میں یوں اقرار کیا کہ فلاں شخص کے مجھ پر ہزار درہم قرضہ ہیں اور یہ ہزار درہم فلاں شخص کی ودیعت ہیں تو امام اعظمؒ کے نزدیک یہ ہزار درہم دونوں مقرلہ میں نصفا نصف تقسیم ہوں گے اور جب آزاد ہو جائے گا تو باقی کے واسطے دونوں اس سے مواخذہ کریں گے اور اگر اس اقرار متصل میں پہلے ودیعت سے شروع کیا یعنی یہ ہزار درہم فلاں شخص کی ودیعت ہیں اور مجھ پر فلاں شخص کے ہزار درہم قرض ہیں تو یہ ہزار درہم صاحب ودیعت کو دیے جائیں گے اور اگر دونوں نے دعویٰ کیا اور ماذون نے کہا کہ تم دونوں سچے ہو تو یہ ہزار درہم دونوں میں برابر تقسیم ہوں گے یہ مبسوط میں ہے۔

اگر اپنے غلام ماذون کو مجور کیا پھر اس کو دوبارہ اجازت دی پس ماذون نے دوبارہ اذن کے زمانہ میں یہ اقرار کیا کہ میں نے بعد مجور ہونے کے یہ اقرار کیا کہ میں نے اس شخص سے ہزار درہم زمانہ اذن اوّل میں غصب کر لیے یا قرض لیے تھے پس اگر مقرلہ نے اس کی اس بات میں تصدیق کی تو غلام سے فی الحال اس کا مواخذہ نہ کیا جائے گا بلکہ بعد آزادی کے مواخذہ کیا جائے گا اور اگر مقرلہ نے اس کی تکذیب کی اور یہ کہا کہ نہیں تو نے دوبارہ اجازت پانے کے بعد ایسا اقرار کیا ہے تو قول اسی مقرلہ کا لیا جائے گا اور فی الحال غلام سے مواخذہ کیا جائے گا اور یہ حکم بخلاف اس صورت کے ہے کہ اگر ماذون نے یہ اقرار کیا کہ میں نے اس شخص سے حالت حجر میں ہزار درہم غصب کر لیے ہیں یہ حکم ہے کہ ماذون سے فی الحال مواخذہ کیا جائے گا خواہ مقرلہ اس کی تکذیب کرے یا تصدیق کرے یہ مغنی میں ہے۔ اگر اپنے غلام کو مجور کیا اور اس کے پاس ہزار درہم ہیں پھر اس نے ایک شخص کے واسطے ہزار درہم قرض یا معین ہزار درہم ودیعت کا اقرار کیا پھر مال ضائع ہو گیا تو جب تک غلام آزاد نہ ہو تب تک اس کے ذمہ کچھ لازم نہ ہوگا پھر جب آزاد ہو گیا تو قرضہ لازم ہوگا نہ ودیعت اور اگر مجور کیا اور اس کے پاس ہزار درہم ہیں اور اس پر ہزار درہم قرضہ ہے پھر اس کو اجازت دوبارہ حاصل ہوئی پس اس نے ایک دوسرے شخص کے واسطے ہزار درہم قرضہ کا اقرار کیا یا گواہوں سے ثابت کیا گیا تو جو ہزار درہم اس کے پاس موجود ہیں وہ پہلے قرض خواہ کو بالخصوص دیئے جائیں گے اسی طرح اگر ماذون نے اقرار کیا کہ یہ قرضہ حالت اذن سابق کا ہے تو بھی یہی حکم ہے اور اسی طرح اگر یہ اقرار کیا کہ یہ مال فلاں شخص کی ودیعت ہے کہ اس نے میرے پاس زمانہ اذن سابق میں ودیعت رکھا تھا تو بھی قرض خواہ اوّل[2] اس کا مستحق ہوگا اور صاحب ودیعت اپنے مال کو اس کے رقبہ سے وصول کرے گا اور صاحبین کے نزدیک یہ ہزار درہم اس کے مولی کے ہوں گے اور قرض خواہ اپنا مال اس کے رقبہ سے وصول کرے گا پس غلام اس کے قرضہ میں فروخت کیا جائے گا لیکن اگر اس کا مولی ثمن ادا کر دے تو فروخت نہ ہوگا۔

---

[1] تصدیق یعنی مولی نے اس کی تصدیق نہ کی تو بالفعل ماخوذ نہیں ہو سکتا۔

[2] اوّل اس سے کہ اقرار کی وجہ سے اس کا استحقاق باطل نہ ہوگا بلکہ مقر کی گردن پر لازم آئے گا۔

اگر غلام کو مجور کیا اور اس کے پاس ہزار درہم ہیں اور اس پر بائع سے کپڑا لے کر بقدر پس بعد حجر کے اس نے ہزار درہم قرض کا اقرار کیا پھر اس کو مولیٰ نے دوبارہ ماذون کیا پس اسے عیب فاحش پیدا ہو گیا ہزار درہم موجودہ میرے پاس اس شخص کی ودیعت ہیں تو ودیعت ہونے پر اس کے قول کی تصدیق نہ کی جائے گی اور ان ہزار درہم موجودہ میں سے پانچ سو درہم قرض خواہ اوّل کے دیے جائیں اور باقی پانچ سو درہم دوسرے قرض خواہ کو جس کے واسطے حجر کی حالت میں اقرار کیا تھا دیے جائیں اور پھر بھی اس پر پانچ سو درہم قرضہ رہ گیا سو اس کے واسطے بعد آزادی کے ماخوذ ہوگا اور صاحب ودیعت اپنی پوری ودیعت کے واسطے دامنگیر ہوگا پس غلام اس کے واسطے فروخت کیا جائے گا لیکن اگر مولیٰ اس کو ادا کر دے تو فروخت نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک ہزار درہم میں سے پانچ سو درہم قرض خواہ اوّل کو دیے جائیں گے اور باقی پانچ سو درہم مولیٰ لے لے گا اور صاحب ودیعت اپنی ودیعت میں سے پانچ سو درہم کے واسطے دامنگیر ہوگا جو پانچ سو درہم مولیٰ نے لئے ہیں اس قدر ودیعت میں سے باطل ہو جائیں گے اور اگر ہزار درہم موجودہ میں سے غلام کے پاس پانچ سو درہم تلف ہو گئے تو باقی پانچ سو درہم قرض خواہ اوّل کو خاصۃً ملیں گے اور صاحب ودیعت غلام کے رقبہ سے پانچ سو درہم وصول کرے گا صرف اس قدر اس پر لازم ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر غلام کو اجازت دی پھر مجور کیا پھر اجازت دی پھر اس نے اقرار کیا کہ میں نے زید سے زمانہ اذن اوّل میں ہزار درہم قرض لے کر قبضہ کر لیا تھا یا یہ اقرار کیا کہ زید نے مجھے حالت اذن اوّل میں ودیعت دی تھی اور میں نے تلف کر دی اور رب المال نے اس کے قول کی تصدیق کی تو غلام فی الحال اس کے واسطے ماخوذ ہوگا بخلاف اس اگر حالت حجر میں یہ اقرار کیا کہ میں نے حالت اذن میں قرض لیا تھا یا ودیعت تلف کر دی تھی کہ اس صورت میں فی الحال[1] اس سے مواخذہ کیا جائے گا یہ مغنی میں ہے۔

اگر غلام مجور شدہ نے کسی شخص کے ہزار درہم تلف کر دینے کا اقرار کیا تو جب تک آزاد نہ ہو تب تک اس سے مواخذہ نہ کیا جائے گا اور بعد آزاد ماخوذ ہوگا اور اگر اس کی طرف سے کسی شخص نے قبل اس کی آزادی کے اس قرضہ کی کفالت کر لی تو کفیل فی الحال ماخوذ ہوگا اور اس کو صاحب قرض نے خرید کر کے آزاد کیا یا اپنے پاس رکھا تو غلام سے اس کا قرضہ باطل ہو جائے گا لیکن کفیل سے مواخذہ کر کے جس قدر مال کی اس نے ضمانت کی ہے اس سے اور ثمن میں سے جو مقدار کم ہو وہ وصول کرے گا اور اگر خریدا نہ ہو بلکہ مالک نے قرض خواہ کو غلام ہبہ کر کے سپرد کر دیا ہو تو غلام سے قرضہ باطل ہوگا اور کفیل سے بھی باطل ہوگا پھر اگر مالک نے ہبہ سے رجوع کیا تو امام محمدؒ کے قول پر قرضہ کبھی عود نہ کرے گا اور امام ابو یوسف کے قول پر بعد رجوع کے قرضہ عود کرے گا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنے غلام کو تجارت کی اجازت دی پھر مجور کیا پھر اجازت دی اور اس کے پاس ہزار درہم ہیں اور یہ معلوم ہے کہ درہم پہلے اذن کی کمائی ہے پس غلام نے اقرار کیا کہ یہ مال فلاں شخص کی ودیعت ہے یا میں نے فلاں شخص سے غصب کیا ہے اور مولیٰ نے اس کے قول کی تکذیب کی تو امام اعظمؒ کے نزدیک اس کا اقرار صحیح ہے اور صاحبین کے نزدیک نہیں صحیح ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر اپنے غلام کو تجارت کی اجازت دی پھر مجور کیا پھر اجازت دی اور اس کے پاس ہزار درہم ہیں کہ یہ معلوم ہے کہ درہم حالت اذن اوّل میں اس کے پاس تھے پس اس نے اقرار کیا کہ یہ درہم فلاں شخص کی ودیعت ہیں تو امام اعظمؒ کے نزدیک اس کے اقرار کی تصدیق ہوگی اسی طرح اگر یہ اقرار کیا کہ یہ درہم فلاں شخص سے میں نے حالت اذن اوّل میں غصب کیے تھے تو بھی تصدیق کی جائے گی یہ امام اعظمؒ کا قول ہے اور صاحبین کے ایک ہزار درہم میں اس کے قول کی تصدیق نہ ہوگی بلکہ یہ مولیٰ کے ہوں گے اور مقر لہ اپنا اقراری مال اس کے رقبہ سے وصول کرے گا اور غلام فروخت[2] کیا جائے گا اسی طرح اگر غلام نے اس مال کی نسبت یہ اقرار اس وقت کیا کہ جب اس پر دوسری اجازت کی حالت میں

[1] فی الحال الخ بلکہ بعد آزاد ہونے کے اپنے اقرار پر ماخوذ ہوگا۔

[2] فروخت الخ کیونکہ اب ماذون ہے اور اگر اقرار کے وقت مجور ہوتا تو ابھی مواخذہ نہ ہوتا جب تک آزاد نہ ہوتا۔

قرضہ چڑھ گیا ہے تو بھی امام اعظمؒ کے نزدیک یہ مال مقرلہ کو دیا جائے گا اور صاحبین کے نزدیک یہ مال مولیٰ کا ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔

باب ہفتم:

غلام ماذون اور اس کے مولیٰ کے اقرار کے بیان میں

اگر غلام نے قرضہ کا اقرار کیا تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر اس نے قرضہ تجارت کا اقرار کیا تو اقرار حق مولیٰ میں صحیح ہوگا یعنی غلام فی الحال ماخوذ ہوگا خواہ مولیٰ اس کی تصدیق کرے یا تکذیب کرے۔ اگر تجارت کے سوائے کسی دوسری وجہ سے قرضہ کا اقرار کیا تو فی الحال ماخوذ نہ ہوگا بلکہ بعد آزادی کے مواخذہ کیا جائے گا کتاب الاصل میں امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر ماذون غصب کا یا ودیعت کا جس سے انکار[1] کر گیا تھا یا مضاربت کا بضاعت کا یا عاریت کا جس سے منکر ہو گیا تھا یا کسی چوپایہ کی کونچیں کاٹنے کا یا کسی کپڑے کے جلا ڈالنے کا اقرار کیا یا کسی اجیر کو اجرت پر مقرر کرنے کا یا کسی باندی کے مہر کا جس کو خرید کر اس سے وطی کی تھی پھر وہ استحقاق[2] میں لے لی گئی اقرار کیا تو یہ سب ایسا قرضہ اس کے ذمہ ہوگا جس کے واسطے فی الحال ماخوذ ہوگا اور مشائخ نے فرمایا کہ کونچیں کاٹنے اور کپڑا جلانے کا جو حکم مذکور ہے وہ ایسی صورت پر محمول ہے کہ جب اس نے ان دونوں چیزوں پر قبضہ کر کے کونچیں کاٹنے اور جلانے کا اقرار کیا ہوتا کہ قبضہ سے غاصب قرار پائے اور وقت قبضہ سے ضمان واجب ہو جائے اور اس صورت میں مال مضمون ہوگا ورنہ اگر قبضہ سے پہلے چوپایہ کی کونچیں کاٹ ڈالیں یا کپڑا جلا دیا ہو تو اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا حتیٰ کہ اس سے مواخذہ نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔

اگر اس نے یہ اقرار کیا کہ میں نے آزاد عورت یا باندی کی فرج کو حالانکہ دونوں باکرہ ہیں اپنی انگلی سے چیر دیا یہاں تک کہ پاخانہ اور پیشاب کا ایک سوراخ ہو گیا تو طرفین کے نزدیک فی الحال اس پر کچھ لازم نہ ہوگا مگر مولیٰ[3] کی تصدیق کرنے سے اور یہ جنایت کا اقرار ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ یہ اقرار مال ہے اور فی الحال ماخوذ ہوگا اور اگر اس نے ایک باکرہ باندی غصب کر کے انگلی سے اس کی فرج چیر کر پاخانہ کے سوراخ سے ملا دی پس اگر باندی کے مولیٰ نے قبل اس کے اقرار کے اس سے غصب کی وجہ سے ضمان لینی چاہی تو اس کو اختیار ہوگا کیونکہ ضمان غصب وجوہ تجارت میں سے ہے اور اگر افتضاض یعنی چیرنے کے جرم کی وجہ سے ضمان چاہی تو اس کو اختیار نہ ہوگا کیونکہ یہ جنایت ہے اس کے اقرار سے ثابت نہ ہوگی اور اگر کوئی باکرہ باندی غصب کر کے لے گیا اور اس سے وطی کی پس اگر باندی کے مولیٰ نے غصب کی وجہ سے نقصان بکارت کی ضمان چاہی تو فی الحال ضمان لے سکتا ہے اگر وطی چاہی تو اس پر فی الحال لازم نہ ہوگی یہاں تک کہ آزاد ہو جائے یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اگر ماذون نے اقرار کیا کہ میں نے اس شخص کی باندی باکرہ خرید کر اس سے افتضاض کیا ہے تو مثل اور قرضوں کے اس پر اس کا عقر لازم ہوگا جب کہ وہ باندی استحقاق میں لے لی جائے اور فی الحال ماخوذ ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اسی طرح اگر اس نے باکرہ باندی غصب کر لی اور اس کے پاس کسی شخص نے اس باندی سے افتضاض کیا پھر بھاگ گیا تو باندی کے مولیٰ کو اختیار ہوگا کہ اس کے عقر کے واسطے ماذون کو گرفتار کرا دے یہ مبسوط میں ہے۔

اگر یوں اقرار کیا کہ میں نے اس باکرہ سے بدوں اجازت اپنے مولیٰ کے نکاح کر کے افتضاض کیا ہے تو اس پر کچھ لازم نہ ہوگا اور اگر مولیٰ[4] نے بنکاح فاسد اس کے افتضاض کے اقرار کی تصدیق کی ہو تو پہلے قرض خواہوں کا قرضہ ادا کیا جائے گا پھر اگر کچھ مال

---

[1] انکار کیونکہ ودیعت امانت بعد انکار کے ضمانت ہو جاتی ہے وعلیٰ ہذا عاریت وغیرہ میں انکار شرط ہے۔ [2] استحقاق یعنی اس صورت میں عقر لازم ہوگا۔

[3] یعنی مولیٰ کی تصدیق سے فی الحال جرم واجب المواخذہ ہو۔ [4] مولیٰ الخ یعنی غلام نے بغیر اجازت مولیٰ کے باکرہ سے نکاح کر کے افتضاض کا اقرار کیا تو مولیٰ نے کہا کہ یہ سچا ہے۔

باقی رہا تو باندی کا مولیٰ اس کے عقر میں لے لے گا اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ یوں چاہیئے کہ باندی کا مولیٰ قرض خواہوں کے ساتھ شریک کیا جائے خواہ مولیٰ نے اس کی تصدیق کی ہو یا تکذیب کی ہو یہ مغنی میں ہے اور اگر ماذون نے اقرار کیا کہ میں نے اس سے نکاح سے وطی کی ہے اور مولیٰ نے اجازت نکاح دینے سے انکار کیا تو فی الحال مہر کے واسطے ماخوذ نہ ہوگا جب تک کہ آزاد نہ ہو جائے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ماذون نے اپنے مقبوضہ غلام کی نسبت یہ اقرار کیا کہ یہ شخص فلاں بن فلاں کا بیٹا ہے وہ میرے پاس ودیعت چھوڑ گیا ہے یا کہا کہ یہ آزاد ہے کبھی مملوک نہیں ہوا ہے تو قول اسی کا لیا جائے گا اور اس جنس کے مسائل میں اصل یہ ٹھہری ہے کہ ماذون نے اگر اپنے مقبوضہ مملوک کے واسطے حریت طاریہ کا اقرار کیا یعنی حریت وآزادی طاری[1] ہوگئی ہے تو اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا اور اگر اصلی آزادی کا جو بظاہر ثابت ہے اقرار کیا تو صحیح ہوگا اور ماذون کے اقرار کو حریت طاریہ کا اقرار جب ہی کہا جائے گا کہ جب مقربہ[2] مملوکیت کی نشانیاں اور علامات ظاہر ہوں اور یہ مثلاً اس طرح کہ ماذون نے یوں اقرار کیا کہ یہ شخص مملوک ورقیق ہے اور مملوک نے اس کے قول کی تصدیق کی بشرطیکہ مملوک اپنی ذات کو تعبیر کر سکتا ہو اور اگر نہیں تعبیر کر سکتا ہے حتیٰ کہ اس کے مملوک ہونے کے بارہ میں ماذون ہی کا قول لازم القبول ٹھہرا پھر ماذون نے بعد اقرار رقیت کے اس کی نسبت یہ اقرار کیا کہ یہ حرالاصل ہے تو اس کا یہ اقرار حریت طاریہ کا قرار دیا جائے گا پس صحیح نہ ہوگا۔ اگر اس شخص میں رقیت کے علامات ونشانات ظاہر نہ ہوں اور ماذون نے یوں اقرار کیا کہ یہ حرالاصل ہے تو یہ حریت اصلی کا قرار دیا جائے گا نہ حریت طاریہ کا پس ماذون کا یہ اقرار صحیح ہوگا۔

جس صورت میں اس نے کہا کہ یہ فلاں شخص کا بیٹا ہے اس نے مجھے ودیعت دیا ہے اور اس شخص میں رقیت کی علامات ظاہر نہیں ہیں پس جب غلام نے کہا کہ یہ فلاں بن فلاں کا بیٹا ہے یا کہا کہ یہ حرالاصل ہے تو یہ حریت اصلی کا اقرار ہے پس صحیح ہوگا یہ محیط میں ہے اور اگر ماذون نے زید سے ایک غلام خریدا حالانکہ غلام موجود وحاضر ہے اور ساکت ہے پھر اقرار کیا کہ فلاں شخص کا بیٹا ہے یا حرالاصل ہے کبھی مملوک نہیں ہوا ہے تو ماذون کا اقرار صحیح نہ ہوگا اور نہ اس کی تصدیق ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے اگر ماذون نے اپنی مقبوضہ چیزوں میں سے کسی خاص چیز کی نسبت یہ اقرار کیا کہ یہ چیز فلاں شخص کی ہے میں نے اس سے غصب کر لی یا اس نے مجھے ودیعت دی تھی حالانکہ ماذون پر بہت قرضہ ہے تو پہلے مقرلہ کو اس کی اقراری چیز دے دی جائے گی یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ماذون نے بہت سے قرضوں کا اقرار کیا تو اس کے قرض خواہ اس کی مقبوضہ کمائی میں اور اس کے ثمن میں جب فروخت کیا جائے یکساں شریک ہوں گے یہ نہ ہوگا کہ سابق کا قرض خواہ پچھلے قرض خواہ پر مقدم ہو یہ ذخیرہ میں ہے اور اگر ماذون نے کسی شخص سے ایک غلام خریدا اور اس کو ثمن ادا کر دیا خواہ اس پر قرضہ ہے یا نہیں ہے پھر اقرار کیا کہ میرے ہاتھ فروخت کرنے سے پہلے بائع نے اس کو آزاد کر دیا تھا یہ اصلی آزاد ہے اور بائع نے اس سے انکار کیا تو وہ غلام بحالہ مملوک رہے گا اسی طرح اگر بائع کی طرف سے مدبر کرنے کا اقرار کیا یا باندی تھی کہ جس کی نسبت یہ اقرار کیا کہ بائع سے بچہ جنی ہے تو بھی یہی حکم ہے لیکن اگر بائع نے اس کے اقرار کی تصدیق کی تو دونوں میں بیع ٹوٹ جائے گی اور ثمن اس سے واپس لے گا یہ مبسوط میں ہے۔

اگر ماذون نے کسی شخص سے ایک غلام خریدا اور اس کو ثمن ادا کر دیا خواہ اس پر قرضہ ہے یا نہیں ...... ☆

اگر ماذون نے ان میں سے کسی بات کا اقرار نہ کیا لیکن یہ اقرار کیا کہ بائع نے میرے ہاتھ فروخت کرنے سے پہلے یہ غلام فلاں شخص کے ہاتھ فروخت کیا ہے اور فلاں شخص نے اس کے اقرار کی تصدیق کی مگر بائع نے تکذیب کی تو ماذون اس اقرار میں بائع کے حق میں صادق قرار نہ دیا جائے گا تاکہ بائع سے اپنا ثمن واپس کر لے مگر اپنے حق میں سچا شمار ہوگا اور اس کو حکم دیا جائے گا کہ فلاں شخص

[1] طاری یعنی پہلے یہ مملوک تھا پھر آزاد کیا گیا ہے خواہ باندی ہو یا غلام ہو۔ [2] مقربہ جس مملوک کے حق میں اقرار کیا ہے۔

یعنی مقرلہ کو غلام دے دے اور اگر بائع نے ماذون کے اقرار کی تصدیق کی تو ماذون اس سے اپنا ثمن واپس لے گا اسی طرح اگر ماذون نے اپنے دعویٰ پر جو بائع پر کیا ہے گواہ پیش کیے یا بائع سے اپنے دعویٰ پر قسم طلب کی اور اس نے قسم سے نکول کیا تو بھی اپنا ثمن واپس لے گا یہ محیط میں ہے۔ اگر ماذون پر قرضہ ہو اور اس نے اپنی مقبوضہ کسی چیز کی نسبت یہ اقرار کیا کہ یہ چیز مولیٰ کی یا اس کے بیٹے یا باپ یا اس کے غلام تاجر مقروض یا غیر مقروض کی یا اس کے مکاتب یا ام ولد کی ہے تو اس کا اقرار اپنے مولیٰ اور اس کے مکاتب و ماذون وام ولد کے واسطے باطل ہوگا مگر مولیٰ کے بیٹے یا باپ کے واسطے جائز ہوگا اور اگر غلام پر قرضہ نہ ہوگا تو اس کا اقرار ان سب صورتوں میں جائز ہوگا پھر اگر اس کے بعد اس غلام پر قرضہ ہو گیا تو اس اقرار کا حکم باطل نہ ہوگا اور اگر ان لوگوں میں سے کسی کے قرضہ کا اقرار کیا پھر اس کے بعد اس پر قرضہ چڑھ گیا تو مولیٰ یا اس کی ام ولد و غلام غیر مقروض کو کچھ نہ ملے گا اور اس کے غلام مقروض اور مکاتب اور باپ کے واسطے ایسے اقرار میں بعد قرضہ چڑھ جانے کے یہ حکم ہے کہ یہ لوگ قرض خواہوں کے ساتھ شریک ہو جائیں گے اور اگر ماذون مقروض یا غیر مقروض نے اپنے فرزند آزاد یا باپ یا اپنی آزاد جورو کے واسطے یا اپنے فرزند آزاد کے مکاتب یا غلام مقروض یا غیر مقروض کے واسطے اقرار کیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک ان لوگوں کے واسطے اس کا اقرار باطل ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور لوگ اس کی کمائی میں قرض خواہوں کے ساتھ شریک ہو جائیں گے۔

اگر ماذون مقروض نے اپنی باندی کو تجارت کی اجازت دی پھر باندی پر قرضہ چڑھ گیا اور ماذون نے کسی چیز کی نسبت اقرار کیا کہ یہ چیز اس ماذونہ کی میرے پاس ودیعت ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی خواہ ماذون مقروض ہو یا نہ ہو پس وہ باندی بنسبت قرض خواہوں کے اس چیز کی مستحق ہو گی اسی طرح اگر ماذون نے اس باندی کے لیے قرضہ کا اقرار کیا تو بھی صحیح ہے مگر قرضہ کی صورت میں یہ باندی اس کے قرض خواہوں کے ساتھ اس کی کمائی میں شریک ہو گی اور شے معین کے اقرار میں اس کی چیز کی مستحق خاصۃً باندی ہو گی ماذون کے قرض خواہ نہ پائیں گے یہ مبسوط میں ہے اور اگر اس ماذونہ باندی نے مقروض ہونے کی حالت میں اپنی کسی چیز معین یا قرضہ کا ماذون کے واسطے اقرار کیا تو جائز نہیں ہے اور اگر قرضہ نہ ہو تو چیز معین کا اقرار جائز اور قرضہ کا اقرار ناجائز ہوگا اور اگر باندی کے قرض خواہوں میں مولیٰ کا مکاتب یا اس کا غلام ہو اور ماذون پر قرضہ ہے تو ماذون کا اقرار اس باندی کی نسبت جائز نہیں ہے اور اگر قرضہ نہ ہو تو ماذون کا اقرار باندی کے قرض خواہوں کے واسطے جائز ہوگا یہ مغنی میں ہے۔ اگر باندی کے بعض قرض خواہوں میں مولیٰ کا باپ یا بیٹا ہو اور ماذون نے باندی کے واسطے ودیعت یا قرضہ کا اقرار کیا حالانکہ غلام مقروض ہے تو اقرار جائز ہوگا اور اگر باندی کے بعض قرض خواہوں میں سے ماذون کا باپ یا بیٹا ہو اور ماذون خود قرض دار ہے یا نہیں ہے تو امام اعظمؒ کے قیاس پر اس کا اقرار باطل ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے اسی طرح اگر باندی کے بعض قرض خواہوں سے ماذون کے باپ یا بیٹے کا مکاتب ہو تو بھی یہی اختلاف ہے اور اگر باندی کے بعض قرض خواہوں میں سے ماذون کا بھائی ہو تو باندی کے واسطے اس کا اقرار[1] جائز ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔

اگر قاضی سے قرض خواہوں ماذون نے ماذون کی بیع کی درخواست کی پس قبل فروخت کیے جانے کے ماذون نے اقرار کیا کہ فلاں غائب کا مجھ پر اس قدر قرضہ ہے اور مولیٰ اور قرض خواہوں نے اس کی تصدیق یا تکذیب کی تو غلام کی اس اقرار میں تصدیق کی جائے گی اور غلام فروخت کر کے غائب کا حصہ رکھ لیا جائے گا اور اگر غلام نے اقرار نہ کیا یہاں تک کہ قاضی نے اس فروخت کر دیا پھر اس کے بعد اس نے ایسا اقرار کیا تو تصدیق نہ کی جائے گی اور اگر مولیٰ نے اس کے اقرار کی تصدیق کی پس اگر اس پر دوسرا قرضہ ہوا تو اقرار صحیح نہ ہوگا اور اگر دوسرا قرضہ نہ ہو تو صحیح ہوگا پھر اگر ہمارے اس مسئلہ کی صورت

[1] یعنی بالاتفاق جائز ہوگا۔

میں وہ غائب آیا اور اس نے اپنے حق کے گواہ قائم کیے تو قرض خواہوں کا دامنگیر ہو کر اپنا حصہ ثمن ان سے لے لے گا ورنہ اس کو کچھ نہ ملے گا یہ مغنی میں ہے۔ اگر ماذون پر بہت قرضہ ہوں اور اس نے ایک دوسرے قرض کا اقرار کیا تو یہ بھی اس پر لازم ہوگا اور سب قرض خواہ[1] باہم حصہ رسید تقسیم کر لیں گے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ماذون نے اپنے اوپر حالت حجر کے بہت سے قرضوں کا اقرار کیا یعنی میں نے زید سے قرض لیا اور فلاں کا مال غصب کیا اور فلاں کی ودیعت تلف کر دی یا عاریت یا مضاربت تلف کر دی تو آیا فی الحال ماخوذ ہوگا یہ تفصیل ہے کہ غصب میں فی الحال ماخوذ ہوگا خواہ مقرلہ حالت حجر میں اقرار غصب کی تصدیق کرے یا کہے کہ نہیں بلکہ تو نے حالت اذن میں غصب کیا ہے بہر صورت ماخوذ ہو کر فروخت کیا جائے گا لیکن اگر مولیٰ اس کا فدیہ دے دے تو فروخت نہ ہوگا اور قرض یا ودیعت و عاریت و بضاعت میں اگر مقرلہ نے حالت حجر میں ایسا کرنے کی تصدیق کی کہ حالت حجر میں وہ مستودع و مستعیر ہوا تھا تو بقول ابوحنیفہ و محمدؒ وہ فی الحال نہیں بلکہ بعد آزادی کے ماخوذ ہوگا اور گر مقرلہ نے اس کی تکذیب کی تو فی الحال ماخوذ ہوگا یہ محیط میں ہے۔

اسی طرح اگر نابالغ یا معتوہ سمجھ دار ماذون نے اس قسم کا اقرار کیا تو اس کا بھی یہی حکم ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ماذون نے کفالت بالمال کا اقرار کیا تو صحیح نہیں ہے یہ سراجیہ میں ہے۔ غلام ماذون نے اگر ایسے آزاد کے واسطے اقرار کیا کہ اگر غلام کو آزاد فرض کریں تو غلام کی گواہی اس کے لیے مقبول نہ ہو جیسے بیوی تو اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور ایضاح میں ہے کہ اگر ماذون نے کسی غلام یا آزاد پر جنایت یا ایسے مہر کا جو بنکاح صحیح یا فاسد یا بطور وطی شبہ کے اس پر واجب ہوا ہے اقرار کیا تو اقرار باطل[2] ہے جب تک آزاد نہ ہو ماخوذ نہ ہوگا اور اگر ایسے امر کا اقرار کیا جس سے قصاص لازم آتا ہے تو صحیح ہے اور مقرلہ کو اس سے قصاص لینے کا اختیار ہوگا یہ نہایہ میں ہے۔ (ولو کان[3] العبد صغیر او کان صغیر لحرا او معتوھا فاقروا لعبد الاذن انھم قد اقرانه بذلك قبل الاذن یکان القول قولھم کذا فی المبسوط) اور اگر ماذون نے مولیٰ کے مرض الموت میں غصب یا بیع یا قرض یا ودیعت موجود بعینہا[4] یا مستہلکہ یا مضاربت قائمہ بعینہا یا مستہلکہ وغیرہ اقسام تجارات کی وجہ سے اپنے اوپر قرضہ کا اقرار کیا تو اس کی دو صورتیں ہیں کہ اگر مولیٰ پر قرضہ ہو جو اس کی صحت میں واجب ہوا ہے اور وہ مولیٰ کے مال اور غلام کے رقبہ اور مال مقبوضہ کو محیط ہے تو غلام کا اقرار قرضہ اپنے اوپر مولیٰ کے مرض الموت میں درحالیکہ مولیٰ پر قرضہ صحت موجود ہے یہ صحیح نہیں ہے بشرطیکہ مولیٰ کے مال اور ماذون کے رقبہ و مال مقبوضہ میں مولیٰ کے قرضہ سے زیادتی نہ ہو۔ اگر مولیٰ پر ایسا قرضہ ہو جس کا اس نے مرض الموت میں اقرار کیا ہے تو غلام کا اپنے اوپر قرضہ کا اقرار مولیٰ کے مرض الموت میں یہ صحیح ہے۔

اگر مولیٰ کے ترکہ اور رقبہ غلام و اس کے مقبوضہ مال میں قرضہ مولیٰ سے زیادتی ہو تو غلام کا اقرار صحیح ہوگا اور پہلے مولیٰ کا قرضہ ادا کیا جائے گا اور جو کچھ باقی رہے گا وہ غلام کے قرض خواہوں کو ملے گا اور اگر مولیٰ کا مال غائب ہو اور غلام اور اس کا مقبوضہ اسباب فروخت کر کے مولیٰ کا قرضہ ادا کیا گیا پھر مولیٰ کا مال ہاتھ آیا حالانکہ مولیٰ کے قرضہ میں سے کچھ باقی رہ گیا ہے تو اس مال مولیٰ سے جو ہاتھ آیا ہے پہلے مولیٰ کا باقی قرضہ ادا کیا جائے گا پھر جو کچھ اس میں سے باقی رہا اس میں قاضی غور کر کے بقدر غلام کے ثمن اور اس کے اسباب مقبوضہ کے ثمن کے نکال کر اس سے غلام کا قرضہ اس کے قرض خواہوں کو ادا کرے گا یہ محیط میں ہے۔ اگر غلام کا قرضہ اس سے بھی زیادہ ہو تو اس مال میں سے بقدر غلام و اس کے اسباب کے ثمن کے نکالنے کے بعد جو کچھ باقی رہا وہ وارثان مولیٰ کو میراث ملے گا اور اس میں سے غلام کے قرض خواہوں کا کچھ حق نہ ہوگا کذا فی المبسوط اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ جب مولیٰ پر صحت کا

---

[1] یعنی مقرلہ بھی ان قرض خواہوں کے ساتھ حصہ رسد شریک ہوگا۔ [2] باطل سے مراد یہ ہے کہ فی الحال ماخوذ نہ ہوگا۔ [3] یوں ہی اصل میں ہے اور شاید صحیح ترجمہ یہ کہ اگر غلام صغیر ہو یا آزاد ہو یا معتوہ ہو پھر بعد ماذون ہونے کے انہوں نے اقرار کیا کہ غلام نے ماذون ہونے سے پہلے ایسے تاوان کا اقرار کیا تھا تو انہی کا قول قبول ہوگا المبسوط یعنی فی الحال مواخذہ نہیں ہو سکتا کیونکہ معتوہ کا اقرار موثر نہیں ہے۔ [4] بعینہا یعنی وہ ودیعت معین بذات خود موجود ہے اور یہی مضاربت میں ہے لیکن اس کی وجہ سے قرضہ کی یہ صورت ہے کہ غلام اس سے منکر ہو جائے۔

قرضہ ہو اور غلام پر قرضہ نہ ہو مگر اس نے مولیٰ کے مرض الموت میں اپنے اوپر قرضہ کا اقرار کیا ہو اور اگر دونوں میں سے ہر ایک پر ایسا قرضہ ہو جو مولیٰ کی صحت میں واجب ہوا ہے اور غلام نے اپنے اوپر مولیٰ کے مرض الموت میں قرضہ کا اقرار کیا تو اس مسئلہ میں چند صورتیں ہیں۔ایک یہ کہ غلام کے رقبہ واس کے مقبوضہ مال میں غلام کے قرضہ سے جو مولیٰ کی صحت میں واجب ہوا ہے زیادتی ہو مگر قرضہ مولیٰ سے زیادتی نہ ہو اور اس صورت میں غلام کا اقرار صحیح نہ ہوگا اور غلام کے رقبہ واس کی کمائی سے پہلے غلام کا وہ قرضہ جو مولیٰ کی صحت میں واجب ہوا ہے ادا کیا جائے گا پھر جو کچھ زیادہ بچ رہا ہے اس سے مولیٰ کا قرضہ ادا کیا جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ غلام کے رقبہ واس کی کمائی میں غلام کے قرضہ اور مولیٰ کے قرضہ دونوں کی بہ نسبت جو دونوں پر حالت صحت مولیٰ میں واجب ہوا ہے زیادتی ہو تو اس صورت میں غلام کا اقرار اس قدر مال میں جو دونوں کے قرضہ سے زائد ہے صحیح ہوگا پس پہلے مولیٰ کا قرضہ ادا کیا جائے گا پھر غلام کا وہ قرضہ جو مولیٰ کی حالت صحت میں واجب ہوا ہے ادا کیا جائے گا پھر جو کچھ باقی رہا وہ غلام کے اقراری[1] قرضہ میں دیا جائے گا تیسری صورت یہ ہے کہ غلام کے مال ورقبہ میں بہ نسبت قرضہ غلام کے بھی زیادتی نہ ہو تو اس صوت میں غلام کا اقرار صحیح نہ ہوگا ایسا ہی امام محمدؒ نے اس مسئلہ کی کتاب میں ذکر کیا ہے۔اگر مولیٰ پر قرضہ نہ ہو مگر غلام پر ایسا قرضہ ہو جو مولیٰ کی صحت میں واجب ہوا ہے اور وہ غلام کے رقبہ و مال مقبوضہ کو محیط ہے پھر غلام نے مولیٰ کے مرض الموت میں قرض یا بیع وغصب وغیرہ اقسام تجارات کے قرضہ کا اقرار کیا پھر مولیٰ اس مرض میں مر گیا تو غلام کا اقرار صحیح ہوگا اور قاضی اس غلام واس کے مقبوضہ مال کی فروخت کر کے سب ثمن اس کے سب قرض خواہوں کو حصہ رسید تقسیم کر دے گا کسی کو کسی پر مقدم نہ کرے گا۔اسی طرح اگر مولیٰ کے مرض الموت میں درحالیکہ مولیٰ پر قرضہ نہیں ہے اپنے مقبوضہ میں سے کسی خاص چیز کا کسی شخص کے واسطے اقرار کیا تو اقرار صحیح ہے اور مقرلہ کو پہلے وہ چیز دے دی جائے گی پس ظاہر ہوا کہ مولیٰ کے مرض میں غلام جب بھی مجور ہوتا ہے یعنی اقرار عین ودین سے جب ہی مجور ہوتا ہے کہ جب مولیٰ پر صحت کا قرضہ موجود ہو اور اگر مولیٰ پر صحت کا قرضہ نہ ہو تو مرض مولیٰ میں ایسے اقرار سے مجور نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔

اگر مولیٰ پر زمانہ صحت کا اس قدر قرضہ ہو کہ اس کے مال اور اس کے ماذون کے رقبہ ومقبوضہ مال کو محیط ہو پھر ماذون نے مولیٰ کے مرض میں ایک شخص سے ہزار درہم قرض لیے اور گواہوں کے سامنے ان پر قبضہ کیا یا کسی شخص سے کوئی چیز خریدی اور گواہوں کے سامنے ان پر قبضہ کیا پھر مولیٰ مر گیا تو قاضی غلام کو اور اس کے مقبوضہ مال کو فروخت کر کے اس سے غلام کا قرضہ ادا کرے گا پھر اگر کچھ باقی رہا تو وہ مولیٰ کے قرضہ میں دے دے گا یہ مغنی میں ہے۔اگر اپنے غلام کو جس کی قیمت ہزار درہم ہے تجارت کی اجازت دی اور سوائے اس غلام کے اس کا کچھ مال نہیں ہے پھر مولیٰ مریض ہوا اور اپنے اوپر ہزار درہم قرضہ کا اقرار کیا پھر غلام نے بھی اپنے اوپر ہزار درہم قرضہ کا اقرار کیا پھر مولیٰ مر گیا تو قاضی اس غلام کو فروخت کر کے اس کا ثمن دونوں مقرلہ قرض خواہوں کو برابر تقسیم کر دے گا اور اگر غلام نے پہلے اقرار کیا پھر مولیٰ نے اپنے اوپر قرضہ کا اقرار کیا اور دونوں اقرار مولیٰ کے مرض میں واقع ہوئے پھر مولیٰ مر گیا تو قاضی پہلے غلام کا قرضہ ادا کرے گا پھر جو کچھ باقی رہا وہ مولیٰ کے قرض خواہ کو دے گا یہ مغنی میں ہے۔اگر مولیٰ نے پہلے ہزار درہم قرضہ کا اقرار کیا پھر اسی اقرار سے متصل[2] یا منقطع کر کے دوسرے ہزار درہم کا اقرار کیا پھر غلام نے ہزار درہم قرض کا اپنے اوپر اقرار کیا پھر مولیٰ مر گیا تو تینوں قرض خواہ غلام کے ثمن میں برابر حصہ دار ہوں گے اور تینوں کو تین تہائی ثمن تقسیم کر دیا جائے گا اسی طرح اگر غلام نے ہزار درہم کا اقرار کیا پھر اسی اقرار سے متصل یا منقطع کر کے دوسرے ہزار درہم کا اقرار کیا تو اس کے دونوں قرض خواہ اقراری مولیٰ کے قرض خواہ کے ساتھ برابر شریک کر

---

[1] اقراری یعنی جو اس نے مرض الموت میں اقرار کیا۔ [2] متصل الخ جیسے مجھ پر زید کے ہزار درہم ہیں اور مجھ پر بکر کے ہزار درہم ہیں اور منقطع جیسے اول اقرار کے بعد خاموش رہا پھر کسی وقت دوسرا اقرار کیا۔

دیے جائیں گے یہ مبسوط میں ہے اور اگر مولی نے ہزار درہم کا اقرار کیا پھر ہزار درہم کا اقرار کیا پھر ہزار درہم کا اقرار کیا اور سب اقرار اپنے مرض میں کیے پھر غلام نے اپنے اوپر ہزار درہم کا اقرار کیا تو قاضی غلام کو فروخت کر کے اس کا ثمن مولی کے قرض خواہوں اور غلام کے قرض خواہوں میں چار حصے کر کے تقسیم کر دے گا اور اگر مولی نے اپنے مرض میں ہزار درہم کا اقرار کیا پھر غلام نے اپنے اوپر ہزار درہم کا اقرار کیا پھر مولی نے اپنے اوپر ہزار درہم کا اقرار کیا پھر مولی مر گیا تو قاضی غلام کا ثمن دونوں قرض خواہ مولی اور تیسرے قرض خواہ غلام کے درمیان تین حصے کر کے تقسیم کر دے گا یہ مغنی میں ہے۔

اگر غلام کی قیمت دو ہزار درہم ہوں پھر اس نے مولی کے مرض میں ہزار درہم قرض کا اقرار کیا پھر مولی نے ہزار درہم قرضہ کا اقرار کیا پھر زید سے ہزار درہم قیمت کا غلام ہزار درہم میں خرید کر گواہوں کے سامنے اس پر قبضہ کر لیا اور وہ غلام ماذون کے پاس مر گیا پھر ماذون کا مولی مر گیا اور سوائے غلام کے کچھ مال نہ چھوڑا اور وہ دو ہزار درہم کو بیچا گیا تو ماذون کے قرض خواہ ثمن باہم تقسیم کر لیں گے اور اس میں سے مولی کے قرض خواہ کو کچھ نہ ملے گا اور اگر غلام نے غلام نہ خریدا ہو بلکہ مولی نے اپنے مرض میں ہزار درہم کا غلام خریدا ہو اور گواہوں کے سامنے اس پر قبضہ کیا اور وہ مولی کے پاس مر گیا پھر مولی اپنے اس مرض میں مر گیا اور باقی مسئلہ بحالہ رہا اور وہ ماذون دو ہزار درہم کو فروخت کیا گیا تو پہلے بائع کا قرضہ ادا کیا جائے گا جو کچھ باقی رہا وہ غلام کے قرض خواہوں میں تقسیم ہوگا اور اس مسئلہ میں خواہ اجازت مولی کی صحت میں واقع ہوئی یا مرض میں واقع ہوئی ہو کچھ حکم میں فرق نہیں ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ماذون کی قیمت دو ہزار درہم ہوں پس اس نے اپنے اوپر ہزار درہم قرض کا اقرار کیا پھر مولی نے اپنے اوپر ہزار درہم قرض کا اقرار کیا پھر مولی مر گیا تو قاضی غلام کو فروخت کر دے گا اور غلام کے قرض خواہ کو ہزار درہم دے دے گا۔ پھر باقی ہزار درہم مولی کے قرض خواہ کو دے دے گا۔ اگر غلام کا نرخ گھٹ گیا اور ڈیڑھ ہزار درہم رہ گیا اور قاضی نے غلام کو فروخت کیا تو ہزار درہم غلام کے قرض خواہ کو دے دے گا اور باقی مولی کے قرض خواہ کو دے دے گا اور اگر اس کا نرخ گھٹ کر ہزار درم رہ گیا تو سب ثمن غلام کے قرض خواہ کو دے دے گا اور اگر غلام نے ہزار درہم قرض کا اقرار کیا پھر مولی نے غلام پر ہزار درہم قرضہ کا اقرار کیا اور غلام کی قیمت دونوں اقراروں کے وقت دو ہزار درہم ہے پھر اس کا نرخ گھٹ گیا پھر غلام فروخت کیا گیا تو اس کا ثمن دونوں قرض خواہوں میں برابر تقسیم کیا جائے گا یہ محیط میں ہے۔

اگر غلام نے ہزار درہم قرضہ کا اقرار کیا پھر مولی نے ہزار درہم قرضہ کا اقرار کیا پھر غلام نے ہزار درہم کا اقرار کیا اور غلام کی قیمت ہزار درہم ہے پس وہ ہزار درہم کو فروخت کیا گیا بعد ازآنکہ مولی مر چکا ہے تو مولی کے قرض خواہ کو کچھ نہ ملے گا اور قرض خواہان غلام باہم حصہ رسد تقسیم کریں گے اور غلام نے جس کی قیمت دو ہزار درہم ہے ہزار درہم قرضہ کا اقرار کیا پھر مولی نے ہزار درہم قرضہ کا اقرار کیا پھر غلام نے ہزار درہم کا اقرار کیا پھر غلام دو ہزار درہم کو فروخت کیا گیا تو تینوں قرض خواہ برابر تین حصہ کر کے تقسیم کر لیں گے اور اگر قاضی نے اس کو ڈیڑھ ہزار درہم کو فروخت کیا تو قرض خواہوں میں پانچ حصے ہو کر تقسیم ہوگا اس میں سے ایک حصہ مولی کے قرض خواہ کو ملے گا اور اگر ایک ہزار کو فروخت ہوا تو مولی کے قرض خواہ کو کچھ نہ ملے گا یہ مغنی میں ہے۔ اگر پہلے غلام نے ایک ہزار درہم کا اقرار کیا پھر مولی نے ایک ہزار درہم کا اقرار کیا پھر ایک ہزار درہم کا اقرار کیا اور دونوں اقرار متصل واقع ہوئے یا منفصل پھر غلام نے ایک ہزار درہم کا اقرار کیا پھر مولی مر گیا اور غلام دو ہزار درہم کو فروخت کیا گیا تو غلام کے دونوں قرض خواہ اپنے پورے قرضے اور مولی کے قرض خواہ فقط ایک ہزار درہم کے حساب سے شریک کیے جائیں گے اور اگر غلام ڈیڑھ ہزار کو فروخت ہوا تو قرض خواہان غلام پورے قرضے اور قرض خواہان مولی پانچ سو درہم کے حساب سے شریک کیے جائیں گے پس اس کا ثمن تمام قرض خواہوں میں پانچ حصہ ہو کر تقسیم ہوگا جس میں سے غلام کے ہر قرض خواہ کو دو پانچویں حصے جس کے چھ سو درہم ہوئے اور مولی کے قرض خواہ کو ایک پانچواں جس

کے تین سو درہم ہوئے دیا جائے گا پس اگر اس حساب سے تقسیم کر لیا پھر مولیٰ کا لوگوں پر کچھ قرضہ ظاہر ہوا اور اس میں ایک ہزار یا دو ہزار اور پانچ سو درہم برآمد ہوئے تو اس میں فقط مولیٰ کے قرض خواہوں کا حق ہوگا غلام کے قرض خواہوں کا کچھ حق نہ ہوگا اور وہ لوگ قرض خواہان غلام کے ساتھ اس کے ثمن میں بقدر دو ہزار پانچ سو کے حصہ کے شریک نہیں کیے گئے تھے اسی واسطے وہ لوگ اس سب کے جو برآمد ہوا ہے مستحق ہوئے اور اگر تین ہزار قرضہ برآمد ہوا تو قرض خواہان مولیٰ اس میں سے دو ہزار سات سو لے لیں گے اور قرض خواہان غلام اس میں سے تین سو درہم لے لیں گے اور گر دو ہزار چھ سو درہم برآمد ہوئے تو قرض خواہان مولیٰ اس میں سے دو ہزار ساڑھے پانچ سو درہم لے لیں گے اور باقی پچاس درہم قرض خواہان غلام کو ملیں گے اور اگر غلام نے قرضہ اوّل کا اقرار نہ کیا ہو اور باقی مسئلہ بحالہا رہے تو مولیٰ کے قرض خواہ تمام مولیٰ کا قرضہ جو نکلا ہے لے لیں گے یعنی دو ہزار چھ سو درہم پھر غلام فروخت کیا جائے گا پس اگر ہزار درہم کو فروخت ہوا تو قرض خواہان مولیٰ اس میں سے اپنے باقی قرضے اور قرض خواہان غلام اپنے پورے قرضہ کے حساب سے یعنی ہزار درہم کے حساب سے شریک کیے جائیں گے پس ثمن کے ساتھ حصہ ہو کر دو حصہ مولیٰ کے قرض خواہوں کو اور پانچ حصہ غلام کے قرض خواہوں کو ملیں گے یہ مبسوط میں ہے۔

مسئلہ کی ایک صورت جس میں اگر مولیٰ نے غلام کو فروخت نہ کیا بلکہ مدبر کر دیا تو قرض خواہوں کو اختیار ہوگا ☆

امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر ایک شخص نے اپنے غلام کو تجارت کی اجازت دی پھر اس نے اپنے غلام پر قیمت غلام سے زیادہ قرضہ کا اقرار کیا اور اس وقت تک غلام مقروض نہیں ہے اور غلام نے اس کے اس اقرار کی تکذیب کی تو تمام قرضہ اقراری اس پر لازم ہوگا اور جب کہ مولیٰ کا اقرار قرضہ غلام پر صحیح ہوا تو قرض خواہوں کو اختیار ہوگا چاہیں اپنے قرضے کے واسطے غلام کو فروخت کرا دیں یا اس سے سعایت کرا دیں اسی طرح اگر مولیٰ نے اس پر کفالت مال کا اقرار کیا یعنی مثلاً یوں کہا کہ تو نے میری طرف سے فلاں شخص کے واسطے اس قدر مال کی کفالت کی ہے اور غلام نے اس سے انکار کیا تو یہ مال غلام پر لازم ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر مولیٰ نے غلام پر دس ہزار درہم قرضہ کا اقرار کیا اور غلام نے انکار کیا پھر غلام اس قرضہ میں فروخت کیا گیا اور ثمن قرض خواہوں نے باہم تقسیم کر لیا تو مشتری کے پاس قرض خواہوں کو غلام سے مواخذہ کرانے کی کوئی راہ نہ ہوگی پھر اگر مشتری نے اس کو آزاد کر دیا تو قرض خواہ لوگ اس سے اس کی قیمت وصول کریں گے۔ اگر مولیٰ نے اس کو فروخت نہ کیا بلکہ مدبر کر دیا تو قرض خواہوں کو اختیار ہوگا کہ چاہیں مولیٰ سے اس کی قیمت کی ضمان لیں یا مدبر سے اپنے تمام قرضہ کے واسطے سعایت کرا دیں پھر اگر مولیٰ نے بعد مدبر کرنے کے اس کو آزاد کر دیا تو اس صورت میں اس سے فقط اس کی قیمت کا مواخذہ کریں گے۔ اگر ماذون نے پانچ ہزار درہم سعایت سے ادا کیے تھے کہ اتنے میں مولیٰ نے اس کو آزاد کر دیا تو بھی قرض خواہ اس سے اس کی قیمت کا مواخذہ[1] کریں گے اور جو اس سے زیادہ ہو وہ باطل ہو جائے گا۔ اگر اس کو مدبر نہ کیا یہاں تک کہ مولیٰ مریض ہو گیا پس اس کو آزاد کر دیا پھر مر گیا اور سوائے اس کے اس کا کچھ مال نہ تھا تو اس پر اپنی قیمت کے واسطے سعی کرنی واجب ہوگی اور اس کو وارث نہیں بلکہ قرض خواہ لے لیں گے۔ پھر اس کے بعد یہی قرض خواہ لوگ غلام کو ماخوذ کر کے بقدر اس کی قیمت کے لے لیں گے اور اس میں سے وارثوں کو اور قرض خواہان مولیٰ کو کچھ نہ ملے گا۔

اگر اپنے مرض میں غلام پر قرضہ کا اقرار کیا اور باقی مسئلہ بحالہ رہا تو پہلی قیمت خاصۃً قرض خواہان مولیٰ کو ملے گی پھر غلام اپنی قیمت کے واسطے سعی کر کے خاصۃً اپنے قرض خواہوں کو ادا کرے گا اور اگر مولیٰ نے اس پر قرضہ کا اقرار نہ کیا بلکہ خطا سے کسی جنایت کا

---

[1] میں کہتا ہوں کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ باقی پانچ ہزار سے اس کی قیمت کم ہو بدلیل اس قول کے کہ جس قدر اس سے زائد نہ ہو وہ باطل ہوگا چنانچہ اوپر گذرا۔ فافہم

اقرار کیا تو مولی کو اختیار ہوگا چاہے اس کو دے دے یا اس کا فدیہ دے دے۔ اسی طرح اگر ماذون کی مقبوضہ باندی یا غلام کی نسبت قرضہ یا جنایت کا اقرار کیا تو ایسا ہی حکم ہے جیسے اس نے اپنے ماذون پر ایسا اقرار کیا پھر اگر ان دونوں کو اس کے بعد آزاد کر دیا تو یہ بھی بمنزلہ ماذون کے آزاد کرنے کے ہے یعنی وہی حکم ہوگا جو ماذون کے آزاد کرنے[1] میں اس صورت میں مذکور ہوا ہے یہ مبسوط میں ہے اور اگر اپنے ماذون پر دس ہزار درہم کا اقرار کیا اور اس کی قیمت ایک ہزار درہم ہے اور غلام نے تکذیب کی پھر مولی نے اس کو آزاد کر دیا تو مولی قرض خواہوں کے واسطے ضامن ہوگا مگر ضمان میں مولی صرف اس کی قیمت یعنی ایک ہزار درہم کا ضامن ہوگا اور اس سے زیادہ ضامن نہ ہوگا اگر چہ جس قدر قرضہ کا غلام پر اقرار کیا ہے وہ اس کی قیمت سے زیادہ ہے پھر جب مولی نے ایک ہزار درہم ضمانت دے دی تو کتاب میں مذکور ہے کہ قرض خواہ لوگ دوبارہ[2] اس سے ایک ہزار درہم وصول کریں گے یہ محیط میں ہے۔ اگر غلام نے بھی اس قدر قرضہ کا اقرار کیا تو اس پر پورا قرضہ واجب ہوگا چنانچہ اگر مولی سے یہ اقرار بالکل نہ پایا جاتا تو بھی یہی حکم تھا یہ مبسوط میں ہے۔

اگر ماذون نے مولی کے مرض الموت میں اپنی مقبوضہ چیزوں میں سے کوئی چیز فروخت کی اور مولی کی صحت کا مولی یا غلام پر کچھ قرضہ نہیں ہے اور غلام نے اقرار کیا کہ میں نے ثمن وصول پایا ہے مگر یہ امر سوائے اقرار کے اور طرح ثابت نہیں ہے تو اس کا اقرار صحیح ہوگا اسی طرح اگر غلام پر قرضہ مستغرق یا غیر مستغرق موجود ہو تو بھی یہی حکم ہے۔ اگر مولی پر اس قدر قرضہ ہو جو غلام کے رقبہ واس کے مقبوضہ مال کو محیط ہو تو غلام کا ثمن وصول پانے کا اقرار بالکل صحیح نہ ہوگا تاوقتیکہ گواہ قائم نہ ہوں بشرطیکہ قرضہ مولیٰ قرضہ صحت ہو اور اگر مولی پر مرض کا قرضہ ہو تو غلام کا اقرار ثمن وصول پانے کا مشتری کے حق میں صحیح نہیں ہے یہاں تک کہ مشتری کو ثمن دینا پڑے گا مگر اس کے حق میں یہ اقرار صحیح ہوگا یہاں تک کہ مشتری بھی اس کے قرض خواہوں کے ساتھ یکساں شریک کر دیا جائے گا جیسا کہ اگر مولی نے ایسا اقرار کیا ہو تو یہ حکم ہے لیکن اگر استیفاء[3] ثمن کے گواہ قائم ہوں تو اقرار صحیح ہے اور ایسا نہ ہوگا جیسا کہ حق مولی میں صحیح ہوگا۔ اگر اس صورت میں غلام سے خریدنے والا مولی کا کوئی وارث ہو اور اس قدر قرضہ ہو کہ اس کے رقبہ وتمام مقبوضہ کو محیط ہو اور مولیٰ پر کچھ قرضہ نہیں ہے تو مولی کے وارثوں سے اس کا ثمن وصول پانے کا اقرار جائز نہ ہوگا اسی طرح اگر مولی پر بھی مع غلام کے قرضہ ہو تو بھی ثمن وصول پانے کا اقرار صحیح نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر ماذون نے اپنے مرض الموت میں قرضہ یا ودیعت معین یا عاریت ومضاربت واجارہ معین یا غصب معین وغیرہ تجارات کا اقرار کیا پھر اس مرض میں مر گیا تو اس سب کا اقرار صحیح ہے بشرطیکہ اس پر صحت کا قرضہ نہ ہو اور اگر صحت کا قرضہ ہوگا تو یہ اقرارات صحیح نہ ہوں گے مگر اس قدر مال میں جو قرضہ صحت سے زائد ہو پس اس کا مقبوضہ مال فروخت کر کے پہلے صحت کا قرضہ ادا کیا جائے گا۔

اگر وہ مال غصب جس کا اپنے مرض میں اقرار کیا ہے گواہوں نے معائنہ کیا ہو یا عاریت وودیعت وغیرہ کا معائنہ کیا ہو پس اگر گواہ لوگ وہ مال غصب یا ودیعت وعاریت کو بعینہٖ پہچانتے ہوں تو مقرلہ اس مال کا مستحق ہوگا یعنی اسی کو دیا جائے گا اور اگر وہ لوگ مال غصب وعاریت و[4] ودیعت کو بعینہٖ نہ پہچانتے ہوں صرف انہوں نے غصب کرنا وعاریت دینا وودیعت دینا دیکھا ہو تو مقرلہ اس کے صحت کے قرض خواہوں کے ساتھ شریک کر دیا جائے گا اسی طرح ہر قرضہ جو حالت مرض میں اس پر گواہوں کے سامنے ثابت ہو کر لازم آئے تو مرض کا قرض خواہ بھی صحت کے قرض خواہوں کے ساتھ یکساں کر دیا جائے گا یہ مغنی میں ہے۔ اگر اس پر صحت کا قرضہ نہ ہو اور مرض میں اس نے اپنے اوپر ہزار درہم کا اقرار کیا اور یہ اقرار کیا کہ میں نے ہزار درہم ثمن مبیع کے جو اس کے مرض میں فلاں مشتری پر

[1] یعنی اس پر قرضہ کے اقرار کے بعد اس کو آزاد کیا۔ [2] یعنی اور ایک ہزار درہم لیں گے۔ [3] استیفا بتمام وکمال وصول کرنا۔

[4] قولہ عاریت کو بعینہٖ پہچانتے ہوں یعنی وہ مال عین ہو جو گواہوں کی شناخت میں موجود ہے۔

واجب ہوئے تھے وصول پائے ہیں تو اس کے وصول پانے پر تصدیق نہ کی جائے گی لیکن جو اس پر آتا ہے وہ اس کے اور دوسرے قرض خواہ کے درمیان برابر تقسیم ہوگا۔ اگر ماذون بیمار ہوگیا اور اس پر صحت کے قرضہ موجود ہیں پس اس نے بعض قرض خواہوں کو ادا کیا بعض کو نہ دیا تو یہ جائز[1] ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ماذون نے اپنے مرض میں ہزار درہم قرضہ کا اقرار کیا پھر دوسرے شخص کے واسطے ہزار درہم ودیعت کا اقرار کیا پھر مر گیا اور اس کے پاس سوائے اس ہزار درہم کے جس کی نسبت یہ اقرار کیا ہے کہ یہ بعینہٖ فلاں شخص کی ودیعت ہے اور کچھ موجود نہیں ہے تو یہ ہزار درہم ودیعت کے صاحب ودیعت اور قرض خواہ کے درمیان برابر تقسیم ہوں گے جیسے آزاد شخص کے ایسے اقرار میں حکم ہے اور اگر ماذون مریض ہوا اور اس پر صحت کا قرضہ ہے اور اس کا کسی دوسرے شخص پر صحت کا قرضہ تھا اور اس نے اقرار کیا کہ میں نے اپنا قرضہ وصول پایا ہے تو اس کا اقرار صحیح ہوگا حتیٰ کہ اس کا قرض دار بری ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر اس نے اپنے اس قرضہ وصول پانے کا اقرار کیا جو اس کا حالت صحت میں واجب ہوا تھا اور اس پر مرض کا قرضہ موجود ہے تو بھی اقرار وصول صحیح ہوگا۔ یہ حکم تو حالت صحت کے قرضہ وصول پانے کا ہے اور اگر ایسے قرضہ کے وصول پانے کا اقرار کیا جو حالت مرض میں اس کا دوسرے پر واجب ہوا تھا پس اگر اس پر صحت کا قرضہ موجود ہو تو اس کا اقرار وصول صحیح نہ ہوگا نہ اس کے قرض دار کی براءت کے واسطے صحیح ہوگا اور نہ اس کے حق میں یہ اقرار[2] ہو جائے گا حتیٰ کہ اس کا اقراری اس کے قرض خواہوں کے ساتھ یکساں نہ ہو جائے گا اور اگر ماذون پر مرض کا قرضہ ہو تو اس کا اقرار وصول صحیح نہ ہوگا یعنی اس کے قرض دار کی براءت کے واسطے صحیح نہ ہوگا مگر اس کے حق میں صحیح ہوگا حتیٰ کہ مقرلہ اس کے قرض خواہوں کے ساتھ یکساں کر دیا جائے گا جو کچھ اس پر آتا ہے اس میں سے اس قدر حصہ جو اس کے حصہ میں واقع ہوگا وہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اور جو کچھ اس پر باقی رہے گا وہ ماذون کے قرض خواہوں کو ادا کر دے گا یہ مغنی میں ہے۔ اگر ماذون مریض ہو پس اس نے اقرار کیا کہ میرا جو قرضہ ہزار درہم کا ثمن مبیع وغیرہ کا زید پر مرض میں واجب ہوا ہے وہ میں نے زید سے وصول پایا اور ماذون پر کچھ قرضہ نہیں ہے اور سوائے اس مال قرض کے اس کا کچھ اور مال نہیں ہے پھر اس کے بعد اس نے اپنے اوپر ہزار درہم قرض کا اقرار کیا پھر مر گیا تو ماذون کا اقرار وصول باطل ہوگا۔ اگر اس نے قرضہ کا اقرار نہ کیا لیکن گواہوں کے سامنے اس پر قرضہ لاحق ہوا تو اس کا اقرار وصول جائز ہوگا کیونکہ جو قرضہ گواہوں کے معائنہ سے واجب ہوا وہ اقرار وصول کے وقت بمنزلۂ قرض ظاہر کے شمار ہوگا اس واسطے کہ گواہوں کی گواہی میں کچھ تہمت نہیں ہے اس لیے اقرار وصول باطل ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔

اگر مولیٰ نے اپنے ماذون کی باندی فروخت کرنے کا حکم دیا تھا تو مولیٰ اس کی قیمت کا ضامن نہ ہوگا اور اگر وہ انکار کر جائے تو مولیٰ ضامن ہوگا اور یہ حکم اس وقت ہے کہ باندی موجود ہو یا اس کا حال معلوم نہ ہو اور اگر مر گئی ہو تو صحیح یہ ہے کہ اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اور اگر غلام نے اس کی تکذیب کی تو مولیٰ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا پس اگر ماذون نے کہا کہ میں نے اس کو حکم نہیں دیا تھا مگر میں نے بیع کی اجازت دے دی پس اگر باندی موجود ہو تو جائز ہے اور مولیٰ ضامن نہ ہوگا ورنہ جائز نہیں اور مولیٰ ضامن ہوگا اگر مولیٰ نے اس کو مجبور کر دیا پھر ماذون نے کہا کہ میں نے اس کو بیع کا حکم دیا تھا تو قول قبول نہ ہوگا اور مولیٰ ضامن رہے گا اسی طرح اگر اس نے قرض خواہوں کے فروخت کرانے کے بعد ایسا اقرار کیا تو بھی اقرار صحیح نہ ہوگا یہ مغنی میں ہے۔ اگر ماذون پر قرضہ کثیر ہو اور اس نے اپنی ایک باندی اپنے مولیٰ کے بیٹے یا باپ یا مکاتب یا غلام ماذون التجارت مقروض یا غیر مقروض کے ہاتھ باندی کی قیمت سے زیادہ داموں

---

[1] یعنی لے کر یہ برابر تقسیم کیا جائے گا۔ [2] فی الاصل ولا فی حق اللا قرار لہ حتی یصیر اسوۃ الغرماء الصحۃ یعنی اس اقرار وصول سے دو طرح کا فائدہ متصور ہوا کرتا ہے اول اصلی معنی یعنی قرضدار بری ہو جائے دوم مجازی معنی یعنی تو یا اس کے حق میں اس قدر مال کا اقرار کیا تو وہ مستحق ہو کر اس کے تحقیقی قرض خواہوں کا سا بھی ہو جاتا ہے لیکن یہاں ماذون کے اقرار سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔

کو فروخت کر کے مشتری کو دے دی پھر اس سے ثمن وصول پانے کا اقرار کیا تو ایسا اقرار جائز ہے مگر مولیٰ کے ماذون و مکاتب کے ہاتھ فروخت کرنے کی صورت میں جائز نہیں ہے۔ اگر ماذون کے وکیل نے ایسا امر کیا تو اس کا اقرار بمنزلہ اقرار ماذون کے ہے۔ اگر ماذون کا بیٹا آزاد ہو اور اس نے اپنے باپ یا باپ کے مکاتب یا بیوی یا اس کے ماذون مقروض یا غیر مقروض کا مال لے کر تلف کر دیا پھر ماذون نے اقرار کیا کہ میں نے یہ مال اس تلف کنندہ سے وصول پایا ہے تو امام اعظمؒ کے نزدیک اس کے قول کی تصدیق نہ ہوگی خواہ ماذون مقروض ہو یا نہ ہو اور صاحبینؒ کے نزدیک تصدیق کی جائے گی اور اگر تلف کرنے والا ماذون کا بھائی ہو تو اس سے وصول پانے کا اقرار جائز ہوگا اور اس کے اقرار وصول کے بعد اس کے بھائی پر قسم عائد نہ ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔

اگر ماذون نے اپنے مولیٰ کو اپنی تجارت کا غلام فروخت کرنے کا حکم دیا اس نے فروخت کیا پھر اس نے اقرار کیا کہ ماذون نے مشتری سے ثمن وصول پایا ہے تو مولیٰ سے اس کے قول پر قسم لی جائے گی کہ سچ کہتا ہے یا جھوٹ پس اگر مولیٰ نے قسم کھالی تو ضامن نہ ہوگا اور اگر نکول کیا تو اپنے ماذون کے واسطے ثمن کا ضامن ہوگا یہ مغنی میں ہے۔ اگر زید نے اپنے غلام کو جس کی قیمت ہزار درہم ہے تجارت کی اجازت دی اور اس نے بعد اجازت کے ہزار درہم قرض کر لیے پھر مولیٰ نے اس پر ہزار درہم قرضہ کا اقرار کیا حالانکہ وہ منکر ہے پھر مولیٰ نے اس کو آزاد کر دیا تو جس قرض خواہ نے غلام کو قرضہ دیا ہے اس کو اختیار ہوگا چاہے مولیٰ سے اس کی قیمت کی ضمان لے یا غلام آزاد سے اپنا قرضہ وصول کرے پس اگر مولیٰ نے اس کو ضمان دے دی تو دوسرے قرض خواہ یعنی مقرلہ کا مولیٰ یا غلام پر کچھ حق نہ ہوگا اور اگر اس نے غلام سے اپنا قرضہ لینا اختیار کیا تو دوسرے مقرلہ کو اختیار ہوگا کہ مولیٰ سے غلام کی قیمت لے۔ اگر مولیٰ نے غلام پر دو ہزار درہم کا اقرار کیا ہو اور غلام پر اس کے سوائے کوئی قرضہ نہیں ہے اور غلام نے اقرار مولیٰ سے انکار کیا پھر غلام پر اقراری یا بثبوت گواہان ہزار درہم لازم ہوئے تو غلام فروخت کیا جائے گا اور ہر ایک قرض خواہ اس کے ثمن میں بحساب اپنے پورے قرضہ کے شریک کیا جائے گا اور اگر اوّل غلام نے اقرار کیا ہو تو پہلے اسی کا اقراری قرضہ ادا کیا جائے گا اسی طرح اگر غلام دو ہزار کو فروخت ہوا مگر اس میں سے ایک ہزار وصول ہوئے اور ایک ہزار ڈوب گئے تو بھی جس قدر وصول ہوا ہے وہ غلام کے مقرلہ قرض خواہ کو ملے گا۔ اگر غلام نے ہزار درہم قرضہ کا اقرار کیا پھر مولیٰ نے اس پر ہزار درہم قرضہ کا اقرار کیا پھر غلام نے ہزار درہم قرضہ کا اقرار کیا تو فروخت کیا جائے گا اور اس کے ثمن میں سے وہ دونوں قرض خواہ جن کے واسطے غلام نے اقرار کیا ہے حصہ رسد تقسیم کر لیں گے پھر اگر ثمن میں سے کچھ باقی رہا تو اس کو ملے گا جس کے واسطے مولیٰ نے اقرار کیا ہے اور اگر غلام نے کچھ اقرار نہ کیا مگر مولیٰ نے اس پر ہزار درہم قرضہ کا اقرار کیا پھر اس پر دوسرے شخص کے ہزار درہم قرضہ کا جدا اقرار کیا تو غلام فروخت کیا جائے گا اور اولاً پہلے قرض خواہ کا قرضہ دے کر اگر کچھ باقی رہا تو دوسرے کو دیا جائے گا اور اگر جدا نہ کیا بلکہ متصل دونوں اقرار کیے مثلاً یوں کہا کہ زید کے میرے اس غلام پر ہزار درہم اور عمرو کے ہزار درہم قرضہ ہیں تو دونوں قرض خواہ اس کے ثمن میں حصہ رسد شریک ہو جائیں گے اور اگر غلام نے مولیٰ کے اقراری دوسرے قرض خواہ کے قرضہ کی تصدیق کی خواہ کلام اقرار متصل ہو یا منقطع تو دونوں اس کے ثمن میں حصہ دار ہوں گے اور اگر اوّل کی تصدیق کی تو پہلے اس کا قرضہ دیا جائے گا مگر یہ حکم اس صورت میں ہے کہ مولیٰ کے دونوں اقرار بکلام منقطع واقع ہوئے ہوں اور اگر بکلام متصل ہوں تو دونوں اس کے ثمن میں حصہ دار ہوں گے یہ مبسوط میں ہے۔

اگر اپنے غلام پر قرضہ کا اقرار کیا تو صحیح ہے اگرچہ غلام تکذیب کرے اور غلام پر قرضہ نہ ہو یہاں تک کہ قرض خواہوں کو غلام کی قیمت سے وصول کرنے کا استحقاق ہوگا اور اگر غلام آزاد ہو گیا تو فقط کمتر مال کا اپنی قیمت و قرضہ سے ضامن ہوگا یعنی اگر قرضہ کم ہو تو اس کا اور اگر قیمت کم ہو تو اس کا ضامن ہوگا یہ فتاویٰ صغریٰ میں ہے۔ اگر ماذون کی قیمت ڈیڑھ ہزار درہم ہوں اور غلام نے ہزار درہم قرضہ کا اقرا

کیا پھر مولیٰ نے اس پر ہزار درہم قرضہ کا اقرار کیا پھر ماذون نے ہزار درہم کا اقرار کیا پھر غلام دو ہزار کو فروخت کیا گیا تو غلام کے دونوں قرض خواہوں میں سے ہر ایک اپنے پورے قرضہ اور جس کے واسطے مولیٰ نے اقرار کیا ہے پانچ سو درہم کے حساب سے اس کے ثمن میں شریک ہوگا پس تمام ثمن ان کے درمیان پانچ حصہ ہو کر تقسیم ہوگا۔ اگر فروخت نہ کیا گیا بلکہ مولیٰ نے اس کو آزاد کر دیا اور اس کی قیمت ڈیڑھ ہزار درہم ہے تو مولیٰ ان قرض خواہوں کے واسطے اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور یہ قیمت جو بدل مالیت رقبہ ہے مثل ثمن بیع کے ہے پس ان کے درمیان پانچ ہو کر تقسیم ہوگی اور غلام کے قرض خواہ کو دو پانچویں حصہ یعنی چھ سو[1] درہم ملیں گے اور ہر ایک اپنے باقی چار سو درہم کے واسطے غلام کا دامنگیر ہوگا مگر جس کے واسطے مولیٰ نے اقرار کیا ہے وہ صرف دو سو درہم کے واسطے دامنگیر ہو سکتا ہے۔ قرض خواہوں کو یہ بھی اختیار ہے کہ چاہیں مولیٰ کا پیچھا چھوڑ کر اپنے قرضہ ثابت کے واسطے غلام آزاد شدہ کے دامنگیر ہوں پس اگر اس کے دامنگیر ہوئے تو اس کے اقراری دونوں قرض خواہ پورا قرضہ دو ہزار درہم لے لیں گے اور مولیٰ کا اقراری قرض خواہ پانچ سو درہم لے لے گا پھر مولیٰ سے بھی پانچ سو درہم لے گا۔

اگر غلام کی قیمت ایک ہزار درہم ہو اور غلام نے ہزار درہم قرضہ کا اقرار کیا پھر مولیٰ نے اس پر ہزار درہم کا اقرار کیا پھر غلام کی قیمت بڑھ گئی یہاں تک کہ دو ہزار درہم ہو گئے پھر غلام نے ہزار درہم قرضہ کا اقرار کیا پھر دو ہزار درہم کو فروخت کیا گیا تو تمام ثمن انہی دونوں کو دیا جائے گا جن کے واسطے غلام نے اقرار کیا ہے اور اگر مولیٰ نے اس کو آزاد کیا تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر ان دونوں نے جن کے واسطے غلام نے اقرار کیا ہے غلام کا دامنگیر ہونا اختیار کیا ہے اور مولیٰ کو قیمت سے بری کر دیا تو اس قرض خواہ کو جس کے واسطے مولیٰ نے اقرار کیا ہے یہ اختیار ہوگا کہ مولیٰ سے اپنا پورا قرضہ وصول کرے اور اگر غلام کی قیمت ڈیڑھ ہزار درہم ہو اور مولیٰ نے اس پر ایک ہزار درہم کا اقرار کیا پھر دوسرے ہزار درہم کا اقرار کیا اور دونوں اقرار جدا جدا واقع ہوئے پھر غلام ایک ہزار[2] درہم کو فروخت کیا تو یہ ثمن پہلے دونوں قرض خواہوں میں تین تہائی ہو کر تقسیم ہوگا پس اس میں سے پہلا بحساب ہزار درہم کے اور دوسرا بحساب پانچ سو درہم کے شریک کیا جائے گا اور اگر مولیٰ نے اس کو آزاد کیا در حالیکہ اس کی قیمت ہزار درہم تھی تو اس کے ہزار درہم قیمت کا ضامن ہوگا اور ہر دو قرض خواہ اوّل اس قیمت کو تین حصہ کر کے بقدر اپنے اپنے قرضہ ثابتہ کے باہم تقسیم کر لیں گے پھر پانچ سو غلام سے بھی لے کر تین حصہ کر کے تقسیم کر لیں گے اور اگر انہوں نے اوّلاً غلام سے لینا اختیار کیا تو بقدر اس کی قیمت کے ہزار درم لے لیں گے اور تین حصہ کر کے بقدر اپنے اپنے فرقہ ثابتہ کے باہم تقسیم کر لیں گے پھر مولیٰ سے بھی اس کی پوری قیمت لے لیں گے اور اگر مولیٰ نے غلام پر یہ دونوں اقرار ایک ہی کلام متصل میں کئے ہوں تو قرض خواہ غلام کے ثمن میں برابر شریک ہوں گے اور اگر مولیٰ نے اس کو آزاد کر دیا تو مولیٰ سے اس کی قیمت تاوان لیں گے پھر باقی قرضہ کے واسطے غلام کی طرف رجوع کر کے بقدر اس کی قیمت کے لیں گے اور جس قدر قرضہ اس سے زیادہ رہ گیا وہ ڈوب گیا اس کو کسی سے نہیں لے سکتے ہیں اور اگر غلام کی قیمت ہزار درہم ہو اور مولیٰ نے اس پر ہزار درہم قرضہ کا اقرار کیا پھر اس کے بعد ہزار درہم کا اقرار کیا پھر غلام کی قیمت بڑھ کر دو ہزار درہم ہو گئی پھر اس پر ہزار درہم کا اقرار کیا پھر غلام دو ہزار کو فروخت ہوا تو یہ ثمن پہلے اور تیسرے کے درمیان نصفا نصف تقسیم ہوگا اور درمیانی کو اس میں سے کچھ نہ ملے گا۔ اگر دو ہزار پانچ سو درہم کو فروخت کیا گیا تو پہلا اور تیسرا اپنا اپنا قرضہ وصول کر لیں گے اور باقی دوسرے کو ملے گا اور اگر مولیٰ نے اس کو آزاد کر دیا اور اس کی قیمت دو ہزار درہم ہے تو اوّل و سوئم اس سے اپنی قیمت کی ضمان لیں گے اور درمیان والے کو کچھ نہ ملے گا اور اگر آزاد کیا حالانکہ اس کی قیمت دو ہزار پانچ سو درہم تھی تو اوّل و سوئم مولیٰ سے دو ہزار درہم لے لیں گے اور باقی پانچ سو درہم دوسرے کو ملیں گے اس وجہ سے کہ مولیٰ نے اس کے قرض خواہ ہونے کا اقرار کیا ہے اور اس کا ماذون پر کچھ حق نہ ہوگا اور اگر کچھ قیمت مولیٰ پر ڈوب گئی تو یہ مقدار خاصۃً دوسرے کے حصہ میں شمار ہوگی۔

اگر قیمت غلام ڈیڑھ ہزار درہم ہو اور مولیٰ نے اس پر ہزار درہم قرضہ کا پھر ہزار درہم قرضہ کا پھر دو ہزار درہم قرضہ کا اقرار کیا پھر غلام تین ہزار کو فروخت ہوا تو اوّل اپنا پورا قرضہ ہزار درہم وصول کر لے گا اور ایسے ہی دوسرا بھی اور باقی ہزار درہم سو تیسرے کو ملیں گے اور اگر ثمن میں سے فقط ہزار درہم وصول ہوئے اور باقی دو ہزار درہم ڈوب گئے تو ہزار کی دو تہائی اوّل کو اور ایک تہائی دوسرے کو ملے

---

[1] اور مولیٰ کا مقر لہ تین سو درہم پائے گا۔ [2] ھکذا وجدناہ فی النسخۃ الموجودۃ واللہ اعلم۔

کی پس جس قدر ثمن وصول ہو اس میں سے بقدر اپنے اپنے قرضہ ثابتہ کے حصہ رسد تقسیم کریں گے پس جو برآمد ہوتا جائے تو ان میں تین تہائی تقسیم ہوگا یہاں تک کہ اوّل اپنا قرضہ ہزار درہم پورا کرلے پھر جو کچھ برآمد ہو وہ دوسرے کو ملے گا یہاں تک کہ وہ بھی اپنا قرضہ پورا کرلے پھر اگر اس کے پورا کر لینے کے بعد بھی کچھ برآمد ہوا تو تیسرے کو ملے گا اور اگر یہ سب اقرارات بکلام متصل واقع ہوں تو جس قدر برآمد ہوتا جائے وہ ان سب میں بقدر ہر ایک کے قرضہ کے حصہ رسد تقسیم ہوگا اور جس قدر ڈوب جائے وہ سب کے حصہ میں قرار دیا جائے گا بمنزلہ اس صورت کے کہ اقرار ان سب قرض خواہوں کے واسطے ایک ہی کلام میں واقع ہو۔ اگر اقرار منقطع ہوں پھر غلام نے اس کے بعد اپنے اوپر ہزار درہم کا اقرار کیا پھر تین ہزار درہم کو فروخت کیا گیا تو پہلا قرض خواہ اور وہ قرض خواہ جس کے واسطے غلام نے اقرار کیا ہے ہر ایک اپنا قرضہ پورا وصول کرلیں گے پھر باقی ثمن سے دوسرا قرض خواہ مولیٰ کا اقراری بھی اپنا قرضہ پورا لے لے گا اور تیسرے کو کچھ نہ ملے گا۔

اگر ثمن میں سے ایک ہزار ڈوب گئے اور دو ہزار برآمد ہوئے تو اوّل وثانی وغلام کے اقراری قرض خواہ کے درمیان پانچ حصہ ہو کر تقسیم ہوگا جس میں سے مولیٰ کے اوّل اقراری وغلام کے اقراری ہر ایک کو دو پانچویں اور دوسرے مولیٰ کے اقراری کو ایک پانچواں حصہ ملے گا۔ اگر ایک شخص نے اپنے غلام کو تجارت کی اجازت دی حالانکہ اس کی قیمت ہزار درہم ہے اس نے خرید و فروخت کی یہاں تک کہ اس کے پاس ہزار درہم ہو گئے پھر غلام نے ہزار درہم قرضہ کا اقرار کیا اور مولیٰ نے اس پر ہزار درہم کا اقرار کیا تو ہزار درہم جو اس کے پاس ہیں وہ دونوں قرض خواہوں میں نصفا نصف تقسیم ہوں گے اور اگر مولیٰ نے اس پر دو ہزار درہم کا معاً اقرار کیا تو غلام کا ثمن و مال دونوں میں نصفا نصف تقسیم ہوگا اور اگر غلام کے پاس پانچ سو درہم ہوں اور غلام نے ہزار درہم کا اقرار کیا اور مولیٰ نے اس پر دو ہزار درہم کا اقرار کیا پھر غلام نے ہزار درہم کا اقرار کیا تو مولیٰ کا اقراری غلام کے ثمن و کمائی میں فقط پانچ سو درم کا شریک کیا جائے گا اور اگر مولیٰ کا اقرار غلام کے پہلے قرضہ کے اقرار سے پہلے واقع ہو تو غلام کا ثمن و مال سب قرض خواہوں میں چار حصہ ہو کر تقسیم ہوگا جس میں سے مولیٰ کے اقراری قرض خواہ کو دو حصہ اور غلام کے ہر ایک قرض خواہ اقراری کو ایک ایک حصہ ملے گا یہ مبسوط میں ہے۔

باب ہفتم:

دو شخصوں کے مشترک غلام میں اور غلام کو ایک یا دونوں کی تجارت کی اجازت دینے کے بیان میں

قال المترجم اس باب میں مترجم اجازت دہندہ کو بلفظ مجیز اور غیر اجازت دہندہ کو بلفظ ساکت تعبیر کرتا ہے اصل یہ ہے کہ دو مولاؤں میں ایک غلام کو اجازت دینا اس کے حصہ میں صحیح ہے دوسرے کے حصہ میں نہیں صحیح ہے اور جب مجیز کے حصہ میں سوائے ساکت کے حصہ کے اجازت صحیح ہوئی اور ساکت نے چاہا کہ اس کے حصہ کی اجازت فسخ کر دے تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا پھر امام نے ذکر فرمایا کہ اس کی سب خرید و فروخت جائز ہوں گی ایسا ہی کتاب میں مذکور ہے اور جب کل میں اس کی خرید و فروخت جائز ہوئیں پھر اس پر بہت قرضے ہو گئے اور اس کے پاس کمائی موجود ہے۔ پس اگر یہ قرضے اسی کمائی کی وجہ سے جو اس کے پاس موجود ہے لاحق ہوئے ہوں بایں طور کہ یہ تجارت کی کمائی ہو اور قرضہ بسبب تجارت کے لاحق ہوا ہو اور یہ بات معلوم ہو جائے تو قیاساً یہ حکم ہے کہ قرضہ کے ادا کرنے میں کمائی میں سے مجیز کا حصہ صرف کیا جائے گا اور ساکت کا نصف حصہ اس کو دے دیا جائے مگر استحساناً یہ حکم ہے کہ کل کمائی مجیز و ساکت دونوں کا حصہ قرض خواہوں کو دیا جائے اور یہی قیاس و استحسان اس صوت میں بھی جاری ہے کہ جب پورا غلام مجور ہو اور اس نے خرید و

فروخت کر کے تجارت سے مال کمایا اور وہ اس کے پاس موجود ہے اور تجارت کی وجہ سے اس پر قرضہ ہو گیا تو جس کمائی کی جہت سے اس پر قرضہ ہو گیا ہے وہ استحساناً اس کے ادائے قرضہ میں صرف کی جائے اور قیاساً صرف نہ کی جائے بلکہ پوری کمائی اس کے مولیٰ کو دی جائے رہا قرض خواہوں کا مطالبہ سو وہ لوگ اس کے آزاد ہو جانے تک انتظار کریں اور اگر یہ کمائی اس سبب سے حاصل نہ ہوئی ہو جس وجہ سے قرضہ ہو گیا ہے تو ادائے قرض میں مجیز کا حصہ صرف کیا جائے گا نہ ساکت کا اور اگر کمائی کا حال کچھ معلوم نہ ہو کہ اسی جہت سے حاصل ہوئی ہے جس وجہ سے قرضہ ہو گیا ہے یا اس کے سوائے دوسرے سبب سے حاصل ہوئی ہے اور دونوں مولاؤں نے اختلاف کیا پس ساکت نے کہا کہ کمائی اس وجہ سے حاصل نہیں ہوئی ہے جس وجہ سے قرضہ ہوا ہے مثلاً یوں کہا کہ یہ بطور ہبہ کے حاصل ہوئی ہے نہ بطور تجارت کے اور یہ کمائی ہم دونوں میں نصفا نصف تقسیم ہونی چاہیے اور مجیز نے مع غلام کے یہ کہا کہ نہیں بلکہ اسی وجہ سے حاصل ہوئی ہے جو قرضہ کا سبب ہے یعنی کہا کہ تجارت سے حاصل ہوئی ہے وہی قرضہ کا سبب ہے اور سب کمائی ادائے قرضہ میں صرف ہونی چاہیے تو قیاساً مولائے ساکت کا قول قبول ہوگا مگر استحساناً غلام کا قول قبول ہوگا یہ مغنی میں ہے۔

اگر ماذون کے پاس اس کے کسی دوست وغیرہ کا مال اس کی تجارت میں ہو پس ساکت نے کہا کہ میں اس میں سے نصف لے لوں گا تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا لیکن اس میں سے تمام قرضہ قرض خواہوں کو ادا کیا جائے گا پھر اگر باقی رہا تو دونوں مولاؤں میں سے ہر ایک کو اس کا نصف حصہ ملے گا اور اگر اس کے مقبوضہ مال سے قرضہ زیادہ نکلا تو یہ زیادتی غلام کے رقبہ سے خاصۃً مجیز کے حصہ سے ادا کی جائے گی۔ اسی طرح اگر غلام نے غصب یا مال تلف کر دینے وغیرہ کا اقرار کیا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر مال تلف کرنا گواہوں سے ثابت ہوتا ہے تو غلام کے پورے رقبہ سے وصول کیا جائے گا جیسے کہ ایک کی اجازت دینے سے پہلے غلام کے مال تلف کر دینے اور گواہی سے ثابت ہو جانے کی صورت میں حکم تھا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ایک غلام دو شخصوں میں مشترک ہو اور ایک نے اس کو اجازت دی اور غلام نے خرید و فروخت کرنا شروع کیا اور ساکت نے اس کو دیکھ کر منع نہ کیا تو اس کی طرف سے بھی تجارت کی اجازت ہو جائے گا اور اگر مولیٰ سے ساکت اہل بازار کے پاس آیا اور کہا کہ غلام سے خرید و فروخت نہ کرنا اور تم لوگ اس سے ایسا معاملہ کرو گے تو فقط میرے شریک کے حصہ میں پڑے گا پھر مولائے ساکت نے اس غلام کو خرید و فروخت کرتے دیکھ کر منع نہ کیا تو قیاساً اس کا حصہ بھی ماذون ہوگا مگر استحساناً ماذون نہ ہوگا اور یہ حکم استحسان اس صورت کے ہے کہ جب پورا غلام مجور ہو اور مولیٰ نے اہل بازار کو اس کے ساتھ خرید و فروخت کرنے سے منع کر دیا پھر اس کو تجارت کرتے دیکھ کر سکوت کیا تو ماذون ہو جائے گا اگرچہ اس سکوت سے پہلے تجارت سے ممانعت کر چکا ہے یہ محیط میں ہے۔

اگر دو مولاؤں میں سے ایک نے اس کو تجارت کی اجازت دے دی اور دوسرا اہل بازار کے پاس آیا اور ان کو اس کے ساتھ معاملہ خرید و فروخت سے منع کر دیا پھر ساکت نے مجیز کا حصہ خرید لیا تو پورا غلام مجور ہو گیا پھر اگر مشتری نے اس کو خرید و فروخت کرتے دیکھ کر منع نہ کیا تو یہ تجارت کی اجازت ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔ اگر دونوں میں سے ایک نے اپنے شریک سے کہا کہ غلام کو اپنے حصہ میں یا کہا کہ میرے حصہ میں تجارت کی اجازت دے دے اس نے قبول کیا تو پورے غلام کو اجازت ہو جائے گی یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر غلام دو شخصوں میں مشترک ہو اور ایک نے دوسرے کو اجازت دی کہ تو میرا حصہ غلام مکاتب کر دے تو دونوں کی طرف سے غلام کو تجارت کی اجازت ہوگی مگر کتابت فقط حصہ مکاتب کنندہ کے ساتھ مقصود ہوگی یہ امام اعظمؒ کا قول ہے کہ یہاں تک کہ اس کی آدھی کمائی اس کو ملے گی جس نے اس کو مکاتب نہیں کیا ہے اس طرح اگر ایک نے دوسرے کو اپنا حصہ مکاتب کرنے کے واسطے وکیل کیا تو اس کے بعد غلام کی کمائی میں نصف مکاتب کنندہ کو اور نصف وکیل کو ملے گی۔ اگر دونوں میں سے ایک غلام کو اجازت دی اور اس پر قرضہ ہو گیا پھر اس

نے شریک کا حصہ شریک سے خرید لیا پھر غلام نے اس کے بعد خرید و فروخت کی اور مولیٰ کو معلوم نہ ہوا اور اس پر قرضہ ہو گیا تو پہلا اور دوسرا قرضہ دونوں پہلے نصف میں شمار ہوں گے اور اگر مولیٰ کو بعد خریدنے کے اس کی خرید و فروخت کا حال معلوم ہو تو نصف خریدی ہوئی میں بھی یہ تجارت کی اجازت ہو گی پس پہلا قرضہ پہلے نصف میں دوسرا قرضہ پورے غلام میں قرار دیا جائے گا یہ مبسوط میں ہے۔

اگر دو مولاؤں میں سے ایک نے غلام کو اجازت دی اور اس پر قرضہ ہو گیا تو مجیز سے کہا جائے گا کہ اس کا قرضہ ادا کر دے ورنہ ہم غلام میں سے تیرا حصہ فروخت کر دیں گے یہ سراجیہ میں ہے۔ اگر ایک غلام دو شخصوں میں مشترک ہو اور ایک نے اس میں سے اپنا حصہ مکاتب کر دیا تو یہ فعل اس کی طرف سے اس کو تجارت کی اجازت ہے اور دوسرے کو اختیار ہو گا کہ کتابت کو باطل کر دے اور اگر اس پر قرضہ ہو گیا پھر دوسرے نے کتابت کو باطل کیا تو یہ حصہ خاصۃً مکاتب کرنے والے کے حصہ میں قرار دیا جائے گا۔ اگر اس نے کتابت کو باطل نہ کیا یہاں تک کہ غلام کو خرید و فروخت کرتے دیکھا اور اس کو منع نہ کیا تو اس سے اس کی طرف سے اجازت کتابت ثابت نہ ہو گی بلکہ اس کو کتابت باطل کرنے کا اختیار ہے گا مگر اس سے اس کی طرف سے تجارت کی اجازت ثابت ہو گی پس اگر اس نے کتابت کو باطل کر دیا حالانکہ غلام مقروض ہو گیا ہے تو سب غلام قرضہ میں فروخت کیا جائے گا لیکن اگر اس کا مولیٰ اس کا فدیہ دے دے تو ایسا نہ ہو گا یہ مبسوط میں ہے۔ یا غلام کے دو مالک شریکوں نے اس کو تجارت کی اجازت دی اور ہر ایک نے اس کو سو درہم قرضہ دیا اور ایک اجنبی نے بھی اس کو سو درہم قرضہ دیا یعنی ہر ایک نے اس کے ہاتھ کوئی اسباب معین سو درہم کو ادھار فروخت کیا پھر وہ غلام سو درہم کو فروخت کیا گیا یا سو درہم چھوڑ کر مر گیا تو اس میں سے نصف اجنبی کو اور باقی نصف دونوں مولاؤں میں برابر تقسیم ہو گا یہ مغنی میں ہے۔

اگر اس کو فقط ایک ہی مولیٰ نے سو درہم قرض دیے ہوں یعنی قرض معاملہ کیا ہو اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو غلام کے سو درہم اس کے اور اجنبی کے درمیان تین حصہ ہو کر اس طرح تقسیم ہوں گے کہ دو تہائی مولیٰ کو اور ایک تہائی اجنبی[1] کو ملے گی اور یہ امام اعظمؒ کا قول ہے کہ ہے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس کی چوتھائی مولیٰ کو اور تین چوتھائی اجنبی کو ملے گی یہ سراج الوہاج میں ہے اور اگر دو شخص باہم بطور مفاوضہ یا عنان کے شریک ہوں اور دونوں میں ایک شریک غلام ہو کہ وہ اس مال شرکت میں سے نہ ہو پس ایک نے اس کو مال شرکت سے سو درہم کا اسباب قرض دیا اور کسی اجنبی نے بھی سو درہم کا قرض دیا پھر غلام مر گیا اور سو درہم چھوڑے یا سو درہم کو فروخت کیا گیا تو اس میں سے اجنبی کو دو تہائی اور دونوں شریک کو ایک تہائی ملے گا اور اگر دونوں میں بطور عنان شرکت ہو اور یہ غلام مال شرکت سے ہو اور ایک نے سو درہم کا مال شرکت سے اسباب قرض دیا اور اجنبی نے بھی سو درہم کا قرضہ دیا تو سو درہم کی دو تہائی مال اجنبی کو اور سو درہم کی تہائی دونوں شریکوں کو نصفا نصف ملے گی اور اگر غلام دونوں میں مشترک ہو اور دونوں نے یا ایک نے اس کو سو درہم کا قرضہ مال شرکت سے دیا اور اجنبی نے سو درہم کا قرضہ دیا اور باقی مسئلہ بحالہا رہے تو سو درہم سب اجنبی کو دیے جائیں گے اور اس صورت میں دونوں میں سے کسی شریک کو کچھ نہ ملے گا یہ مبسوط میں ہے۔ جامع الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ دو شخصوں کے مشترک غلام ماذون پر ہزار درہم کا قرضہ ہو گیا اور دونوں میں سے ایک غائب ہو گیا پس قرض خواہ نے حاضر ہو کر گرفتار کر کے اس کا حصہ سات سو درہم کو فروخت کر کے اپنے قرضہ میں لے لیا پھر دوسرا حاضر ہوا اور اپنا حصہ پانچ سو درہم کو فروخت کیا تو صاحب قرض کو تین سو درہم دے دے گا کہ اس کا قرضہ پورا ہو جائے یعنی پورے قرضہ تک اس کو دے دے گا پھر دو سو باقی رہے وہ اس حصہ دار کو جس کا حصہ سات سو کو فروخت کیا گیا تھا دے دے گا تاکہ دونوں تاوان دینے میں برابر ہیں یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

اگر دو شخصوں نے اپنے مشترک غلام کو تجارت کی اجازت دی پھر ایک نے اس کو سو درہم کا اسباب قرض دیا اور ایک اجنبی نے

---

[1] ھکذا وجدناہ فی النسخۃ الموجوۃ عند الرجمۃ واللہ اعلم الصواب۔

سو درہم کا قرضہ دیا پھر جس نے قرضہ نہیں دیا ہے وہ مولیٰ غائب ہوا اور اجنبی حاضر رہا اور اس نے قصد کیا کہ جس مولیٰ نے اس کو قرضہ دیا ہے اسکا حصہ فروخت کرادے اور اپنا قرضہ وصول کر لے تو فروخت کیا جائے گا پس اگر پچاس درہم کو فروخت کیا جائے تو سب اجنبی لے لے گا اور اگر دوسرا مولیٰ حاضر ہوا تو اس کا حصہ اس اجنبی کے واسطے اور اس مولیٰ کے واسطے جس نے قرضہ دیا ہے فروخت کیا جائے گا اور دونوں باہم نصفا نصف تقسیم کرلیں گے۔

اگر قرضہ دینے والے مولیٰ کے حصہ کا ثمن مشتری پر ڈوب گیا اور اس مولیٰ کا حصہ جس نے قرضہ نہیں دیا ہے پچاس درہم یا کم زیادہ کو فروخت کیا گیا تو یہ ثمن دونوں میں تین تین تہائی تقسیم ہوگا اس میں سے دو حصہ اجنبی کو اور ایک حصہ قرضہ دینے والے مولیٰ کو ملے گا پس اگر انہوں نے اس طور سے بانٹ لیا پھر پہلے پچاس درہم برآمد ہوئے تو سب اجنبی لے لے گا اسی طرح اگر پچاس سے زیادہ ہو حتیٰ کہ سوکی دو تہائی سے بڑھ جائے پس جس قدر زیادہ ہو تو وہ قرضہ دینے والے مولیٰ کو ملے گی اور دونوں مولاؤں میں سے کوئی دوسرے سے کچھ واپس نہیں لے سکتا ہے۔ اگر ایک غلام دو شخصوں میں مشترک ہو اور دونوں نے اس کو تجارت کی اجازت دی پھر ہر ایک نے اس کو کسی دوسرے شخص کے سو درہم اس کے حکم سے قرضہ میں دیے اور سو درہم کسی اجنبی نے اس کو قرضہ میں دیے پھر وہ غلام سو درہم کو فروخت ہوا تو یہ سو درہم اجنبی اور دونوں مولاؤں کے درمیان تین حصہ ہو کر مساوی تقسیم ہوں گے اور اگر وہ مال جو ہر ایک مولیٰ نے اس کو قرضہ میں دیا ہے وہ اس مولیٰ اور اجنبی کے درمیان مشترک ہو کہ اجنبی نے اس کو قرضہ میں دے دینے کی اجازت دی ہو اور باقی مسئلہ یوں ہی رہے تو یہ سو درہم دس حصہ ہو کر تقسیم ہوں گے کہ جس میں سے چار حصہ فقط اجنبی کو ملیں گے اور چار حصہ ان دونوں اجنبیوں کو ملیں گے جو دو سو درہم میں دونوں مولاؤں کے شریک تھے یعنی ہر ایک کو دو حصہ ملیں گے۔

ہر ایک مولیٰ کو ایک ایک حصہ ملے گا اور اگر ایک غلام دو سو درہم قیمت کا دو شخصوں میں مشترک ہوا اور اس کو اجنبی نے سو درہم قرضہ دیے پھر قرض خواہ آیا اور اپنا قرضہ طلب کیا اور دونوں مولاؤں میں سے ایک غائب ہوا تو غائب کے حصہ میں کچھ ڈگری نہ ہوگی جب تک کہ حاضر نہ ہو پس اگر حاضر کا حصہ سو درہم کو فروخت ہوا تو سب قرض خواہ لے لے گا پھر جب غائب حاضر ہو تو جس کا حصہ فروخت ہوا ہے وہ پچاس درہم کے واسطے اس کے حصہ غلام میں مواخذہ کرے گا پس یا تو وہ فروخت کیا جائے گا یا غائب اس قدر درہم ادا کرے گا اسی طرح اگر غلام قتل کیا گیا اور حاضر نے اس کی قیمت میں نصف یعنی سو درہم پائے تو قرض خواہ سب لے سکتا ہے پھر جب غائب حاضر ہو کر اپنے حصہ کی قیمت وصول کرے تو جس کے حصہ سے قرض خواہ نے لے لیا ہے وہ شریک سے نصف قیمت لے لے گا یہ مبسوط میں ہے۔

باب ہفتم:

ماذون کے مجور ہونے کے بعد جو اختلاف خصومت ماذون و اس کے مولیٰ کے درمیان غلام یا کسی غیر کے مقبوضہ مال میں واقع ہو اُس کے بیان میں

اگر غلام ماذون کے پاس مال ہو اور مولیٰ نے کہا کہ یہ میرا مال ہے اور ماذون نے کہا کہ میری کمائی ہے پس اگر غلام مقروض ہو تو اسی کا قول قبول ہوگا اور اگر نہ ہو تو مولیٰ کا قول قبول ہوگا کذا فی الذخیرہ۔ اگر مال غلام و مولیٰ دونوں کے قبضہ میں ہو پس اگر وہ غلام مقروض نہ ہو تو دونوں کا قبضہ معتبر ہو کر دونوں کے واسطے شرکت کی ڈگری ہوگی۔ اگر قرضہ نہ ہو تو مولیٰ کا قبضہ معتبر ہو کر اسی کے نام ڈگری ہوگی اور اگر یہ مال غلام و مولیٰ و اجنبی سب کے قبضہ میں ہو اور ہر ایک دعویٰ کرتا ہو کہ میرا ہے پس اگر غلام مقروض نہ ہو تو وہ مال مولیٰ و

اجنبی کے درمیان للذ؛ انصف تقسیم ہوگا اور اگر متعرض ہو تو تین تہائی تقسیم ہوگا یہ مغنی میں ہے۔ اگر ایک کپڑا ایک ماذون و ایک آزاد کے قبضہ میں ہو اور ہر ایک دعویٰ کرتا ہو کہ میرا ہے اور اکثر کپڑا ایک کے قبضہ میں ہے اور دوسرا اس کا کنارہ پکڑے ہوئے ہے تو وہ دونوں میں برابر تقسیم ہوگا۔ اگر ایک اس کو ازار کے طور پر یعنی لنگی باندھے ہوئے ہو یا چادر کے طور پر اوڑھے ہوئے یا پہنے ہوئے اور دو اس کو پکڑے ہوئے ہوں یا بجائے کپڑے کے چوپایہ ہو کہ ایک اس پر سوار ہو اور دوسرا اس کی لگام پکڑے ہوئے ہو تو یہ چیز سوار یا پہننے والے کو ملے گی۔ اگر ایک شخص سوار نہ ہو مگر دوسرا اس کو پکڑے ہوئے ہو تو صرف تعلق سے یعنی پکڑے ہوئے ہونے سے ترجیح کا مستحق نہ ہوگا اور اگر ایک سوار ہو اور دوسرا متعلق بھی نہ ہو تو سوار مستحق ہوگا پس اگر ایسا امر ہو کہ جس سے وقت انفراد کے ایک مستحق ہو اور دوسرے کو وہ امر یا اس کے قبل حاصل نہ ہو تو پہلا مستحق ہوگا یعنی اسی کے نام ڈگری ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔

اگر کسی غلام ماذون یا مکاتب یا آزاد نے اپنے تئیں کسی درزی کو اس کے ساتھ کام کرنے یا اس کے واسطے خرید و فروخت کرنے کے لیے اجرت پر دیا پس اگر اجیر کے ہاتھ میں ایک کپڑا ہو اور اجیر نے کہا کہ یہ میرا ہے اور مستاجر نے کہا کہ یہ میرا ہے پس اگر یہ اجیر اپنے مستاجر کی دکان یا گھر میں موجود ہو تو مستاجر کا قول قبول ہوگا اور اگر اجیر کسی گلی میں یا اپنے گھر میں ہو تو اجیر کا قول قبول ہوگا اور اگر اجیر یہ کپڑا پہنے ہوئے ہو اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو اجیر ہی کا قول قبول ہوگا خواہ مستاجر کے گھر میں ہو یا گلی میں اور نقل ہے کہ شیخ امام جلیل ابوبکر محمد بن الفضل رحمۃ اللہ فرماتے تھے کہ اگر جھگڑے کی چیز کاریگری کے آلات میں سے ہو تو اجیر کا قول قبول ہوگا خواہ اجیر مستاجر کے گھر میں ہو یا کوچہ گلی میں ہو یہ مغنی میں ہے۔ اگر غلام مجور کو اس کے مولیٰ نے کسی کام کے واسطے اجرت پر دے دیا اور اس کے پاس ایک کپڑا ہے پس مستاجر نے کہا کہ یہ میرا ہے اور مولیٰ نے کہا کہ یہ میرا کپڑا اس کے پاس ہے تو مستاجر کا قول قبول ہوگا اگرچہ گلی میں ہو اور اس مسئلہ کے معنی یہ ہیں کہ مولیٰ نے اس کو سوائے خرید و فروخت تجارتی کے اور کسی کام کے واسطے اجارہ دیا ہو تاکہ وہ غلام مجور رہے ورنہ اس کو خرید فروخت تجارتی کے واسطے کسی کو اجارے پر دے دے تو ماذون ہو جائے گا۔ ایسا ہی شیخ الاسلام نے ذکر فرمایا ہے کہ اگر یہ غلام اس کپڑے کو پہنے ہوئے ہو تو مولیٰ کا قول قبول ہوگا اور کپڑے کی صورت میں یہ حکم بخلاف چوپایہ سواری کے ہے کہ اگر غلام مجور جانور پر سوار ہو اور مستاجر و مولیٰ میں اختلاف واقع ہو پس اس صورت میں مستاجر ہی کا قول قبول ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر غلام مجور مولیٰ کے گھر میں موجود ہو اور اس کے پاس کپڑا ہو اور مستاجر و مولیٰ میں اختلاف واقع ہو یعنی مستاجر نے کہا کہ میرا ہے اور مولیٰ نے کہا کہ میرا ہے تو مولیٰ کا ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔

اگر غلام تجارت کے واسطے ماذون ہو اور غلام کے پاس یہ متاع غلام کی سوداگری کی ہو تو وہ غلام کی ہوگی یعنی جن چیزوں کی غلام سوداگری کرتا ہے اسی قسم کی چیز ہو۔ اگر غلام کی سوداگری کی نہ ہو تو مولیٰ کی ہوگی۔ امام محمدؒ نے ایک صورت ذکر نہیں فرمائی یعنی جبکہ وہ چیز دونوں کی تجارت کی ہو اور فقیہ ابوبکر بلخی سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ مولیٰ کے واسطے حکم ہونا چاہیے اور اگر ماذون کپڑا پہنے ہوئے ہو یا جانور پر سوار ہو اور ماذون و اس کے مولیٰ میں اس چیز کی ملک میں اختلاف ہوا تو غلام کے نام ڈگری ہوگی خواہ اس کی تجارت کی قسم سے ہو یا نہ ہو یہ محیط میں ہے۔ جامع میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے زید کے غلام کو کچھ ہبہ دیا پھر ہبہ سے رجوع کرنا چاہا پس غلام نے کہا کہ میں مجور ہوں جب تک میرا مولیٰ حاضر نہ ہو تب تک تجھے ہبہ واپس لینے کا اختیار نہیں ہے اور واہب نے کہا کہ نہیں بلکہ تو ماذون ہے پس غلام نے اپنے مجور ہونے کے اقرار واہب کے گواہ دیے یعنی گواہوں نے یہ گواہی دی کہ واہب نے اس کے مجور ہونے کا اقرار کیا ہے تو غلام کے گواہ مقبول ہوں گے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ غلام نے اگر خرید فروخت کی اور وقت خرید و فروخت کے یہ نہ کہا کہ میں ماذون ہوں یا مجور ہوں پھر اس پر قرضے چڑھ گئے پھر کہا کہ میں مجور ہوں میرے مولیٰ نے مجھے اجازت نہیں دی ہے

اور قرض خواہوں نے کہا کہ نہیں بلکہ تو ماذون ہے تو استحساناً قرض خواہوں کا قول قبول ہو کر غلام ماذون قرار دیا جائے گا اور جب وہ ماذون قرار پایا اور اس نے خود ہی صریحاً ماذون ہونے کا اقرار کر دیا تو قیاساً اس کی کمائی قرضہ میں تاوقتیکہ مولیٰ حاضر نہ ہو فروخت نہ کی جائے مگر استحساناً اس کے ادائے قرضہ کے واسطے فروخت کی جائے گی۔ پھر اگر اس کی کمائی فروخت کر کے ادائے قرض کے باوجود بھی کچھ قرضہ باقی رہ گیا تو قیاساً واستحساناً جب تک مولیٰ حاضر نہ ہو خود غلام فروخت نہ کیا جائے گا۔

اگر قرض خواہوں نے گواہ دیے کہ یہ غلام ماذون ہے اور غلام انکار کرتا ہے اور مولیٰ غائب ہے تو ان کے گواہ مقبول نہ ہوں گے یہاں تک کہ ان کے قرضہ میں غلام فروخت نہ ہوگا۔ اگر غلام نے اجازت کا اقرار کیا اور قاضی نے اس کی کمائی کا اسباب فروخت کر کے قرض خواہوں کا قرضہ ادا کیا پھر مولیٰ نے اگر اجازت سے انکار کیا تو قاضی قرض خواہوں سے گواہ طلب کرے گا کہ اس کی اجازت کے گواہ پیش کریں پس اگر انہوں نے گواہ پیش کیے تو جو کچھ گذرا سب جائز ہے ورنہ جس قدر غلام کی چیزوں کا ثمن انھوں نے وصول کیا سب مولیٰ کو واپس دیں گے مگر قاضی سے جس قدر بیوع واقع ہوئی ہیں وہ نہیں ٹوٹ سکتی ہیں اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ غلام نے اپنے مجور ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور اگر بائع نے غلام کے مجور ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں اس کو مبیع نہیں دوں گا کیونکہ مجھے میرا حق جب تک کہ یہ آزاد نہ ہوگا وصول نہ ہوگا اور غلام نے کہا کہ میں ماذون ہوں تو اس باب میں غلام کا قول قبول ہوگا اور غلام پر قسم عائد نہ ہوگی۔ بائع پر جبر کیا جائے گا کہ جو چیز تو نے اس کے ہاتھ فروخت کی ہے اس کو دے اور بائع اس سے اپنا ثمن لے لے گا پھر اگر بائع نے کہا کہ میں اس امر کے گواہ دیتا ہوں کہ یہ مجور ہے تو قبول نہ ہوں گے ایسا ہی کتاب میں مذکور ہے اور مشائخ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں یعنی حکم مختلف دو روایتوں کی راہ سے ہے یا از راہ قیاس و استحسان حکم مختلف ہے یہ مغنی میں ہے۔ اگر غلام نے قاضی کے سامنے اپنے مجور ہونے کا اقرار کیا کہ میں وقت بیع کے مجور تھا تو بیع کو قاضی رد کر دے گا پھر اگر اس کے بعد مولیٰ حاضر ہوا اور غلام کے قول کی تکذیب کی اور کہا کہ میں نے غلام کو خرید فروخت کی اجازت دی تھی تو نقض بیع جو غلام و مشتری کے درمیان ہو چکا وہ جائز رہے گا پھر اس کے بعد اگر مولیٰ نے اس کے بیع کی اجازت دی تو باطل ہوگی اور اگر قاضی نے غلام کے مجور ہونے کے اقرار پر بیع نہ توڑی یہاں تک کہ مولیٰ حاضر ہوا اور بیع کی اجازت دی تو جائز ہوگی یہ محیط میں ہے۔

اگر غلام ہی مشتری ہو اور بائع نے کہا کہ میں تجھ کو کچھ نہ دوں گا کیونکہ تو مجور ہے اور اس نے کہا کہ میں ماذون ہوں تو غلام کا قول قبول ہوگا پھر اگر بائع نے گواہ دیے کہ بعد خرید کے قاضی کے پاس پیش ہونے سے پہلے غلام نے اپنے مجور ہونے کا اقرار کیا ہے تو گواہ قبول نہ ہوں گے۔ اگر ایک شخص خرید فروخت کرتا ہو اور اس پر قرضے چڑھ گئے اور اس کا حال معلوم نہ ہوا کہ یہ غلام ہے یا آزاد ہے پھر اس کے بعد کہا کہ میں فلاں شخص کا غلام ہوں اور اس شخص نے تصدیق کی اور کہا کہ میرا غلام ہے اور مجور ہے اور قرض خواہوں نے کہا کہ یہ آزاد ہے تو یہ غلام اپنے اقرار میں مصدق ہوگا حتیٰ کہ فلاں شخص کا غلام قرار دیا جائے گا مگر قرض خواہوں کے حق میں مصدق نہ ہوگا کہ ان کا قرضہ توقف میں پڑا رہے کہ بعد اس کی آزادی کے وصول ہو یا نہ ہوگا۔ پھر امام نے فرمایا کہ یہ غلام فروخت کیا جائے گا اور قرض خواہ لوگ اس کے ثمن سے اپنا قرضہ وصول کریں گے یہ مغنی میں ہے۔ اگر کسی شخص پر غلام کا قرضہ بیع یا اجارہ یا قرض یا استہلاک[1] مال کی وجہ سے واجب ہوا یا اس نے کسی کے پاس مال ودیعت رکھا تھا پھر مولیٰ نے اس کو مجور کر دیا تو ان سب میں خصم وہی غلام ہوگا پس اگر قرض داروں نے غلام کو یہ قرضہ ادا کر دیا تو ہر ایک بری ہو جائے گا خواہ غلام مقروض ہو یا نہ ہو۔ اگر مولیٰ کو دیا پس اگر غلام مقروض نہ ہو

[1] استہلاک یعنی اس نے کسی شخص کا مال کسی وجہ سے تلف کر دیا۔

تو مشتری ثمن سے بری ہو جائے گا اور اگر ہو تو ثمن سے بری نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر غلام بعد مجور ہونے کے مر گیا تو مولیٰ کو اس کے قرض داروں سے بابت قرضہ کے خصومت کا استحقاق ہے خواہ غلام مقروض ہو یا نہ ہو۔ اور آیا مولیٰ کو اس کے قرضہ وصول کرنے کا اختیار ہے پس اگر غلام پر قرضہ نہ ہو تو اس کے قرضہ پر قبضہ کر سکتا ہے اور اگر قرضہ ہو تو قبضہ نہیں کر سکتا ہے یوں ہی یہ مسئلہ ماذون الاصل میں مذکور ہے اور وکالت الاصل میں لکھا ہے کہ قبضہ کر سکتا ہے اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں دو روایت مختلف نہیں ہیں بلکہ بات یہ ہے کہ جو حکم کتاب الماذون میں لکھا ہے وہ ایسی صورت میں ہے کہ مولیٰ پر وثاقت نہ ہو یعنی ثقہ نہ ہو مگر تقاضا کر سکتا ہے اور جو حکم کتاب الوکالت میں ہے وہ ایسی صورت میں محمول ہے کہ مولیٰ ثقہ ہو اور اگر بعد مجور ہونے کے غلام نہیں مرا لیکن مولیٰ نے اس کو اپنی ملک سے نکال دیا تو اس قرضہ کے وصول میں مولیٰ خصم ہوگا مگر کیا قبضہ کر سکتا ہے یا نہیں تو اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو ہم نے ذکر کی ہے پھر اگر مشتری نے وہ غلام آزاد کر دیا تو غلام بھی خصم قرار دے گا یہ مغنی میں ہے۔

اگر ایک شخص نے اپنے غلام کو تجارت کی اجازت دی پس اس نے ایک شخص کے ہاتھ ایک غلام فروخت کیا اور اس شخص مشتری نے اس پر قبضہ کر لیا اور ثمن اس کو دے دیا پھر مولیٰ نے اس کو مجور کر دیا پھر مشتری نے غلام میں عیب پایا تو خصم اس معاملہ میں وہی غلام مجور ہوگا پھر اگر مشتری نے غلام پر گواہ قائم کیے تو غلام خرید کردہ اس کو واپس کر سکتا ہے اور مشتری کو اختیار ہوگا کہ اپنے ثمن وصول کرنے تک مبیع کو روک رکھے اور اگر غلام مجور کے پاس مال نہ ہو اور اس پر قرضہ ہو تو پہلے واپس کیا ہوا غلام فروخت کر کے اس کا ثمن مشتری کو دیا جائے گا پھر اگر اس کے ثمن میں سے کچھ بچا تو مجور کے قرض خواہوں کو دیا جائے گا اور اگر ثمن اس کا قرضہ مشتری سے کم پڑا تو غلام مجور کے رقبہ میں یہ مشتری اس کے قرض خواہوں کے ساتھ شریک کر دیا جائے گا پس ان سب کے واسطے مجور فروخت کیا جائے گا اور مشتری نے اپنے ثمن کے واسطے غلام کو نہ روکا بلکہ مجور کو دے دیا پھر اپنا ثمن طلب کرنے کے واسطے آیا تو مشتری قرض خواہوں کے ساتھ غلام واپس کردہ اور غلام مجور کے رقبہ میں شریک کیا جائے گا اور اگر مشتری کے پاس گواہ نہ ہوں اس نے مجور سے قسم طلب کی تو قاضی اس سے قطعی قسم لے گا کہ واللہ میں نے یہ غلام بحکم اس بیع کے اس مشتری کو سپرد کیا درحالیکہ اس میں یہ عیب نہ تھا یہ محیط میں ہے۔ اگر مجور نے عیب سے انکار نہ کیا بلکہ قاضی کے سامنے اقرار کر دیا پس اگر وہ عیب ایسا ہو کہ ویسا عیب حادث نہیں ہوتا ہے تو قاضی مبیع اس کے بائع مجور کو واپس کر دے گا اور اگر اس کے مثل حادث ہو سکتا ہو تو قاضی مجور کے اقرار سے اس کو واپس نہ دے گا مگر غلام مجور اپنے اقرار کے بعد مشتری کا خصم[1] باقی نہ رہے گا پھر مشتری اس کے مولیٰ سے مخاصمہ کر کے مولیٰ پر گواہ قائم کر کے اس کو واپس دے گا یہ مغنی میں ہے۔

اگر مشتری کے پاس اس وقت میں گواہ نہ ہوں اور اس نے مولیٰ سے قسم لینی چاہی تو قاضی اس علم پر قسم لے گا پس اگر مولیٰ نے قسم سے نکول کیا یا عیب کا اقرار کر دیا تو مولیٰ کو وہ غلام واپس دیا جائے گا پھر اس کے بعد دیکھا جائے گا کہ یہ عیب اگر ایسا ہے کہ حادث نہیں ہو سکتا ہے تو مجور کے قرض خواہوں کے حق میں یہ واپسی جائز ہے اور اگر ایسا عیب ہو کہ اس کے مثل حادث ہو سکتا ہے اور مجور کے قرض خواہوں اور مولیٰ نے غلام کے اقرار عیب کی تکذیب کی ہو تو یہ واپسی سوائے قرض خواہوں کے غلام و مولیٰ کے حق میں صحیح ہوگی اور وہ غلام واپس شدہ فروخت کر کے اس کا ثمن مشتری کو دیا جائے گا اور اگر دوسرا ثمن بنسبت ثمن سابق کے زیادہ ہوا تو جس قدر زیادہ ہو وہ قرض خواہوں کو دیا جائے گا یہ محیط میں ہے۔ اگر کم ہوا تو کمی مجور کے رقبہ میں پڑے گی پھر جب مجور فروخت کیا گیا تو پہلے اس کے ثمن سے قرض خواہوں کا قرضہ ادا کیا جائے گا پھر بعد ادائے قرض کے اگر کچھ باقی رہا تو وہ مشتری کو دیا جائے گا اور اگر کچھ نہ بچا تو مشتری کو کچھ نہ

[1] خصم واضح ہو کہ خصم کا اطلاق مطلقاً ایک فریق مقدمہ پر ہے خواہ مدعی ہو یا مدعا علیہ ہو۔

ملے گا اور اگر مجور پر قرضہ نہ ہو تو مشتری کا قرضہ اس غلام واپس شدہ و مجور دونوں کی گردن پر ہوگا کہ دونوں اس کے ثمن کے واسطے فروخت کیے جا سکتے ہیں اور اگر فیصلہ مقدمہ میں مولی نے قسم کھالی ہو تو پھر غلام مبیع اس کو واپس نہ دیا جائے گا مگر جب غلام مجور آزاد ہو جائے تب اس کا غلام مبیع بوجہ اقرار عیب کے اس کو واپس دیا جائے گا کذا فی المغنی۔

باب نہم:

غلام ماذون و مجور و نابالغ و معتوہ پر گواہی واقع ہونے کے بیان میں

واضح ہو کہ جو چیز از قسم تجارت ہے اس میں ماذون خصم قرار دیا جائے گا اور اس پر گواہی مقبول ہوگی اور مولی کا موجود ہونا معتبر نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر دو گواہوں نے ماذون پر گواہی دی کہ اس نے یہ چیز غصب کر لی یا یہ ودیعت تلف کر دی یا منکر ہو گیا ہے یا یوں گواہی دی کہ اس نے ایسے افعال کا اقرار کیا ہے جو اس پر خرید یا فروخت یا اجارہ کی گواہی دی حالانکہ غلام منکر ہے اور مولی غائب ہے تو ماذون پر ایسی گواہی مقبول ہوگی اور قاضی اس پر ڈگری کرے گا اور اگر ایسی صورت میں بجائے ماذون کے غلام مجور ہو اور مولی کے غائب ہونے کی حالت میں دو گواہوں نے اس پر استہلاک مال یا غصب کی گواہی دی تو گواہی قبول نہ ہوگی اور غلام مجور پر ڈگری نہ ہوگی اور مشائخ نے اس کے معنی یہ بیان فرمائے ہیں کہ ایسے حکم کے واسطے گواہی قبول نہ ہوگی جو متعلق بحق مولی ہو یعنی غلام فروخت نہ کیا جائے گا مگر ایسے حق کے واسطے جو غلام ہی کی طرف راجع ہو قبول ہوگی پس بعد عتق کے اس سے مواخذہ کیا جائے گا اور جیسا کہ مولی کا حاضر ہونا یہاں شرط ہے ایسے ہی غلام کا حاضر ہونا بھی شرط ہے یہ مغنی میں ہے۔ اگر گواہوں نے کسی غلام مجور پر غصب یا اتلاف ودیعت کی گواہی دی پس اگر گواہوں نے معائنہ کی گواہی دی اس مجور کے ایسے فعل کے اقرار کی گواہی نہ دی تو اس پر گواہی مقبول ہوگی مگر غصب کی ڈگری اس وقت ہوگی جب مولی حاضر ہو اور اتلاف ودیعت و مضاربت کی ضمان کی ڈگری نہ ہوگی جب تک کہ آزاد نہ ہو جائے یہ امام اعظمؒ و امام محمدؒ کا قول ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر دونوں گواہوں نے یوں گواہی دی کہ مجور نے ایسے فعل کا اقرار کیا ہے اور مولی حاضر ہے یا غائب ہے تو ان میں سے کسی کی ڈگری نہ ہوگی تاوقتیکہ غلام آزاد نہ ہو جائے پھر جس وقت آزاد ہوا اس وقت اس پر وہ مال لازم ہوگا جس کی گواہی دی تھی۔ گواہوں نے اس پر قتل عمد یا قذف[1] محصن یا زنا یا شراب خمر کی گواہی دی حالانکہ غلام انکار کرتا ہے تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک مولی کی غیبت میں اس پر ایسی گواہی قبول نہ ہوگی۔ اگر یوں گواہی دی کہ غلام نے ایسے افعال کا اقرار کیا ہے مگر مولی غائب ہے تو جن افعال میں اقرار سے رجوع کرنا کارآمد ہوتا ہے ان میں یہ گواہی مقبول نہ ہوگی اور جن میں اقرار سے رجوع کرنا کارآمد نہیں ہے جیسے قصاص و حد القذف تو ان میں یہ گواہی مقبول ہوگی یہ مغنی میں ہے۔ جو نابالغ لڑکا کہ اس کو اس کے باپ یا باپ کے وصی نے تجارت کی اجازت دی وہ بمنزلہ غلام ماذون کے ہے کہ اس پر ضمان تجارت کی گواہی مقبول ہوگی اگرچہ اجازت دہندہ غائب ہو اور معتوہ ماذون میں بھی یہی حکم ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر گواہوں نے نابالغ ماذون یا معتوہ ماذون پر قتل عمد یا قذف یا شراب خواری یا زنا کی گواہی دی پس قذف و شراب خواری و زنا میں ان کی گواہی قبول نہ ہوگی اگرچہ اجازت دہندہ حاضر ہو اور قتل میں اگر اجازت دہندہ حاضر ہو تو گواہی قبول ہو کر اس کی مددگار برادری پر ڈگری ہوگی اور اگر غائب ہو تو گواہی قبول نہ ہوگی اور اگر گواہوں نے یہ گواہی دی کہ اس ماذون غلام یا معتوہ یا ماذون لڑکے نے ان میں سے کسی فعل کا اقرار کیا ہے تو گواہی قبول نہ ہوگی خواہ اجازت دہندہ حاضر ہو یا غائب ہو کذا فی الذخیرہ۔ اگر گواہوں نے ماذون پر دس

[1] قذف محصن یعنی بیاہے تو زنا کی تہمت دینا شراب خمر شراب پینا مال مسروق چوری کا مال۔

درہم یا زیادہ کی چوری کی گواہی دی اور وہ منکر ہے پس اگر اس کا مولیٰ حاضر ہو تو بالاتفاق سب ائمہ کے نزدیک اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر غائب ہو تو مال مسروق کا ضامن ہوگا اور امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا کذا فی المغنی۔ اگر دس درہم سے کم کی چوری پر گواہی دی ہو تو گواہی قبول ہوگی خواہ مولیٰ حاضر ہو یا غائب ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

مال کی ڈگری نہ کرنے سے مراد☆

اگر گواہوں نے یوں گواہی دی کہ اس نے دس درہم یا زیادہ کی چوری کا اقرار کیا ہے اور ماذون انکار کرتا ہے تو قاضی اس پر اس قدر مال ضمان کی ڈگری کرے گا ہاتھ نہ کاٹے گا اگر چہ مولیٰ حاضر ہو یہ مغنی میں ہے۔ اگر غلام مجور پر دس درہم کی چوری کی گواہی دی حالانکہ وہ منکر ہے تو قاضی اس پر کچھ ڈگری نہ کرے گا جب تک کہ اس کا مولیٰ حاضر نہ ہو پھر مولیٰ کے سامنے ہاتھ کاٹنے اور مال عین واپس کرنے کی ڈگری کرے گا بشرطیکہ مال مسروق بعینہٖ قائم ہو اور تاوان کی ڈگری نہ کرے گا اور اگر گواہوں نے مجور کے دس درہم یا زیادہ کی چوری کا اقرار کرنے پر گواہی دی تو قاضی ایسی گواہی قبول نہ کرے گا اور اس پر ہاتھ کاٹنے کی یا مال کی ڈگری نہ کرے گا اگر چہ مولیٰ حاضر ہو۔ مال کی ڈگری نہ کرنے سے یہ مراد ہے کہ حق مولیٰ میں ڈگری نہ کرے گا حتیٰ کہ وہ اس مال کے واسطے فروخت نہ کیا جائے گا مگر بعد آزادی کے اس سے اس مال کا مواخذہ کیا جائے گا یہ محیط میں ہے۔ نابالغ ماذون و معتوہ پر دس درہم چوری کی گواہی مقبول ہوگی اگر چہ اجازت دہندہ غائب ہو۔ اگر ان دونوں کے اقرار سرقہ پر گواہی دی ہو تو اصلاً مقبول نہ ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر مسلمان نے اپنے غلام کو تجارت کی اجازت دی اس نے شراب یا سور خریدے تو جائز ہے خواہ اس پر قرضہ ہو یا نہ ہو اگر مردار یا خون خریدا یا کسی کافر کے ساتھ ربوا کا معاملہ کیا تو باطل ہے اور اس پر دو کافروں نے غصب یا ودیعت مستہلکہ یا بیع یا اجارہ کی گواہی دی یا یوں گواہی دی کہ اس نے ایسے افعال کا اقرار کیا ہے حالانکہ وہ اور اس کا مولیٰ اس سے منکر ہیں تو دونوں کی گواہی استحساناً جائز ہے۔

اسی طرح اگر نابالغ کافر کو اس کے وصی مسلم یا سگے دادا نے تجارت کی اجازت دی ہو تو ایسی صورت میں یہی حکم ہے۔ اگر غلام ماذون مسلمان ہو اور اس کا مولیٰ کافر ہو تو کافروں کی گواہی اس پر کسی فعل پر ان افعال میں سے جائز نہ ہوگی اگر چہ اس پر قرضہ ہو اور اگر دو کافروں نے مجور کافر پر غصب کی گواہی دی اور اس کا مولیٰ مسلمان ہے تو گواہی باطل ہوگی اور اگر مولیٰ کافر ہو تو گواہی جائز ہوگی۔ اگر مسلمان نے اپنے غلام کافر کو تجارت کی اجازت دی اور اس پر دو کافروں نے خطا سے یا عمداً قتل کی یا شراب خمر یا قذف کی گواہی دی یا چار کافروں نے اس پر زنا کی گواہی دی حالانکہ وہ اور اس کا مولیٰ اس سے منکر ہیں تو گواہی باطل ہوگی۔ اسی طرح اگر غلام مسلمان اور مولیٰ کافر ہو تو بھی یہی حکم ہے۔ اگر مسلمان نے اپنے غلام کافر کو تجارت کی اجازت دی اور اس پر دو کافروں نے دس درم یا کم کی چوری کی گواہی دی تو اس پر تاوان مال مسروق کی ڈگری ہوگی ہاتھ کاٹنے کی نہ ہوگی خواہ مولیٰ حاضر ہو یا غائب ہو اور اگر غلام مسلمان اور مولیٰ کافر ہو تو گواہوں کی گواہی باطل ہوگی اور اگر مسلمان نے اپنے غلام کافر کو تجارت کی اجازت دی پھر اس پر دو کافروں نے کسی کافر یا مسلمان کی طرف سے ہزار درہم کی گواہی دی اور ماذون اس سے منکر ہے اور اس پر کسی مسلمان یا کافر کا ہزار درہم قرضہ بھی ہے تو گواہی جائز ہوگی اگر چہ پہلا قرض خواہ مسلمان ہو (فان کان[1] صاحب الدین الاول کافرا فی الدینین) اور اگر مسلمان ہو تو ماذون اور جو کچھ اس کے پاس ہے پہلے قرضہ میں فروخت کیا جائے گا اور وہ قرض خواہ اپنا قرضہ تمام و کمال وصول کرے گا پھر اگر کچھ باقی رہا تو دوسرے قرض خواہ کو جس کے واسطے دو کافروں نے گواہی دی دیا جائے گا۔ اگر اس پر دو مسلمانوں نے ہر ایک نے ہزار درہم کا دعویٰ کیا پس ایک کے واسطے دو مسلمانوں نے اور دوسرے کے واسطے دو کافروں نے گواہی دی تو قاضی دونوں کی ڈگری کرے گا مگر پہلے اس کا قرضہ دیا جائے گا جس کے واسطے دو مسلمانوں نے گواہی دی ہے پھر اگر کچھ باقی رہا تو اس کو ملے گا

[1] قولہ فان کان اصل میں یہ عبارت اسی طرح یہاں مذکور ہے اور کاتب سے کچھ عبارت ساقط ہوگئی یا محرف ہوگئی اور غایت یہ کہا اگر پہلا قرض خواہ کافر ہو تو دونوں قرضوں کا حکم ہوگا۔ وفیہ مافیہ تامل۔

جس کے واسطے دو کافروں نے گواہی دی ہے۔ غلام نے اس کے قرضہ کی جس کے واسطے دو کافروں نے گواہی دی ہے تصدیق کی تو دونوں قرض خواہ اس کی کمائی وثمن رقبہ میں شریک ہوں جائیں گے یہ مبسوط میں ہے۔

اگر مسلمان کے واسطے دو کافروں نے اور کافر کے واسطے دو مسلمانوں نے گواہی دی تو دونوں قرض خواہ شریک ہو کر وصول پائیں گے۔ اگر قرض خواہ تین آدمی ہوں، دو مسلمان اور ایک کافر پس کافر کے واسطے دو مسلمانوں اور ایک مسلمان کے واسطے دو کافروں نے اور دوسرے کے واسطے دو مسلمانوں نے گواہی دی پھر غلام فروخت کیا گیا تو پہلے ان دونوں کا قرضہ دیا جائے گا جن کے واسطے مسلمانوں نے گواہی دی ہے اور باہم برابر تقسیم کر لیں گے پھر جو کچھ کافر قرض خواہ نے لیا ہے وہ اس مسلمان کے ساتھ جس کے گواہ کافر ہیں ملا کر نصفا نصف دونوں تقسیم کر لیں گے یہ مغنی میں ہے۔ پھر مسلمان کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ جس کے واسطے کافروں نے گواہی دی ہے اس سے لے لیں اور اگر ایک شخص قرض خواہوں میں سے مسلمان ہو جس کے واسطے دو کافروں نے گواہی دی اور باقی دو کافر ہوں کہ ہر ایک کے واسطے دو کافروں نے گواہی دی تو پہلے مسلمانوں کا قرضہ ادا کیا جائے گا پھر اس کے قرضہ کے بعد اگر کچھ باقی رہا تو دونوں کافروں میں نصفا نصف ہو جائے گا۔ اگر غلام مسلمان ہو اور مولیٰ کافر ہو اور دو قرض خواہ میں سے ایک مسلمان ہو جس کے واسطے دو کافروں نے گواہی دی اور ایک کافر ہو جس کے واسطے دو مسلمانوں نے گواہی دی اور غلام اس سے منکر ہے تو قاضی اس مسلمان کا دعویٰ جس کے گواہ کافر ہیں باطل کر دے گا اور دوسرے کے واسطے وہ غلام فروخت کیا جائے گا اور وہ ثمن سے اپنا قرضہ پورا وصول کرے گا پھر اگر کچھ ثمن باقی رہا تو اس کے مولیٰ کو ملے گا اس طرح اگر اس صورت میں غلام مجور ہو تو بھی یہی حکم ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر مولیٰ مسلم ہو اور غلام کافر مجور ہو اور اس پر دو کافر گواہوں نے کسی مسلمان کے واسطے ہزار درہم غصب کرنے کی گواہی دی اور کافر کے واسطے دو مسلمانوں نے ہزار درہم غصب کرنے کی گواہی دی تو کافر کے واسطے ہزار درہم کی ڈگری ہوگی اور پھر اس میں مسلمان اس کا شریک ہو جائے گا اور باقی مسلمان کا قرضہ غلام پر رہا کہ اس کو بعد آزاد ہونے کے اس سے لے گا یہ مغنی میں ہے۔

اگر مسلمان نے اپنے غلام کافر کو اجازت دی پھر دو کافروں نے کسی مسلمان یا کافر کے واسطے ہزار درہم قرضہ کا بوجہ اقرار یا غصب کے گواہی دی اور قاضی نے ڈگری کر کے ہزار درہم کو غلام فروخت کیا اور قرض خواہ کو ادا کر دیے پھر ایک مدعی قرض خواہ نے اس پر دعویٰ کیا کہ اس کے فروخت کیے جانے سے پہلے کے ہزار درہم میرے اس پر قرض ہیں پس اگر مدعی نے اس پر دو مسلمان گواہ قائم کیے تو قاضی قرض خواہ اوّل سے جس کے واسطے دو کافروں نے گواہی دی تھی ہزار درہم واپس لے کر اس دوسرے قرض خواہ کو جس کے گواہ مسلمان ہیں دے دے گا اور اگر دوسرا قرض خواہ کافر ہو تو اس کے واسطے پہلے نے جو کچھ لیا ہے اس کا آدھا لے لے گا اور اگر اوّل کافر مگر اس کے گواہ مسلمان ہوں اور دوسرا مسلمان یا کافر اس کے گواہ کافر ہوں تو اوّل سے اس کا لیا ہوا آدھا لے لے گا۔ اگر کسی شخص نے اپنے غلام کافر کو تجارت کی اجازت دے دی اس نے خرید و فروخت کی پھر مسلمان ہو گیا پھر اس پر دو شخصوں نے قرضہ کا دعویٰ کیا اور دونوں مسلمان ہیں یا دونوں کافر ہیں اور مولیٰ مسلمان ہے یا کافر ہے پس ایک مدعی دو کافر گواہ لایا کہ اس پر حالت کفر کا ہزار درہم قرضہ ہے اور دوسرا مسلمان گواہ اسی مضمون کے لایا تو مسلمان گواہوں کی گواہی جائز ہے اور جس کے گواہ کافر ہیں اس کو کچھ نہ ملے گا۔ اگر ایک شخص نے اپنے غلام کافر کو تجارت کی اجازت دی اور وہ شخص مسلمان یا ذمی ہے پھر ماذون پر دو مسلمانوں نے ایک مسلمان کے قرضہ کی اور دو ذمیوں نے ایک مسلمان کے قرضہ کی اور دو مستامنوں نے ایک مسلمان کے قرضہ کی گواہی دی تو قاضی دو مستامنوں کی یعنی دو شخص حربی جو امان لے کر دارالاسلام میں آئے تھے اور انھوں نے ایک مسلمان کے واسطے گواہی دی تھی باطل کر دے گا اور دو ذمیوں اور دو مسلمانوں کی گواہی پر ڈگری کر دے گا پھر غلام فروخت کر کے پہلے اس قرض خواہ کا قرضہ ادا کیا جائے گا جس کے واسطے دو مسلمانوں نے گواہی دی ہے پھر اگر اس کے ادائے قرضہ کے بعد کچھ باقی رہا تو اس کو دیا جائے گا۔

جس کے واسطے دو ذمیوں نے گواہی دی ہے پھر اگر اس کے بعد بھی کچھ ثمن باقی رہا تو مولیٰ کو ملے گا اسی طرح اگر مولیٰ حربی ہو تو بھی یہی حکم ہے اور اگر مولیٰ و غلام دونوں حربی ہوں اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو سب قرضہ کی ڈگری ہوگی اور پہلے اس کا قرضہ ادا کیا جائے گا جس کے گواہ مسلمان ہیں پھر اس کا جس کے گواہ ذمی ہیں پھر اگر کچھ رہا تو اس کو دیا جائے گا جس کے گواہ حربی ہیں۔ اگر سب قرض خواہ ذمی ہوں اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو دو قرض خواہ ایک وہ کہ جس کے واسطے مسلمانوں نے گواہی دی اور دوئم وہ جس کے واسطے ذمیوں نے گواہی دی ہے، ماذون کے ثمن میں حصہ رسد تقسیم کر کے اپنا قرضہ پورا کریں گے پھر اگر کچھ باقی رہا تو اس کو ملے گا جس کے گواہ حربی ہیں۔ اگر سب قرض خواہ حربی مستامن ہوں تو سب قرض خواہ اس کے ثمن میں حصہ رسد تقسیم کر لیں گے اور اگر مولیٰ مسلمان یا ذمی ہو اور غلام حربی ہو کر امان لے کر دار الاسلام میں آیا ہو اور اس کو مولیٰ نے اس کے حربی مولیٰ سے خرید لیا ہو اور تجارت کی اجازت دی ہو اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو حربیوں کی گواہی اس پر جائز نہ ہوگی۔ اگر حربی ہمارے ملک میں امان لے کر آیا اور اس کے ساتھ اس کا غلام ہے اور مولیٰ نے اس کو تجارت کی اجازت دی تو دو مستامنوں کی گواہی اس پر جائز ہوگی جیسے کہ اس کے مولیٰ پر جائز ہوتی ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ایک مسلمان کے واسطے دو حربیوں نے ہزار درہم کی گواہی ایک حربی غلام ماذون پر جو ہمارے ملک میں باامان داخل ہوا ہے ادا کی اور ایک ذمی کے واسطے دو ذمیوں نے اس پر ہزار درہم قرضہ کی اور ایک حربی کے واسطے دو مسلمانوں نے اس پر ہزار درہم قرضہ کی گواہی دی اور وہ ہزار درہم کو فروخت کیا گیا تو حربی و ذمی کے درمیان برابر تقسیم ہوگا پھر حربی قرض خواہ سے مسلمان قرض خواہ اس مال سے جو اس نے پایا ہے نصف لے لے گا یہ مغنی میں ہے اور اگر ذمی کے گواہ دو حربی ہوں اور مسلمان کے دو ذمی ہوں اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو تمام ثمن مسلمان و حربی کے درمیان نصفا نصف تقسیم ہوگا پھر جو کچھ حربی کو ملا ہے اس کا آدھا اس سے ذمی لے لے گا یہ مبسوط میں ہے۔

اگر ذمی کے دو مسلمان گواہ اور حربی کے دو ذمی اور مسلمانوں کے دو حربی ہوں تو ذمی اور حربی کے درمیان مال نصفا نصف تقسیم ہو کر پھر حربی کے حصہ سے مسلمان نصف لے لے گا یہ مغنی میں ہے۔ اگر غلام پر قرضہ ہو گیا اور مولیٰ نے کہا یہ مجور ہے اور قرض خواہوں نے کہا کہ ماذون ہے تو مولیٰ کا قول قبول ہوگا پھر اگر قرض خواہ اجازت کے دو گواہ لائے ایک نے گواہی دی کہ اس کے مولیٰ نے کپڑا خریدنے کی اجازت دی تھی اور دوسرے نے کہا کہ گیہوں خریدنے کی اجازت دی تھی تو دونوں کی گواہی جائز ہوگی اگرچہ قرضہ دونوں اقسام تجارت سے علاوہ کسی قسم کی تجارت میں واقع ہوا ہو اور اگر ایک نے اس کو کپڑا خریدتے دیکھ کر منع نہیں کیا تو گواہی باطل ہوگی اور اگر ایک نے یوں گواہی دی کہ مولیٰ نے اس کو اناج خریدتے دیکھ کر منع نہیں کیا تو دونوں گواہی باطل[1] ہوں گی اور اگر دونوں نے یوں گواہی دی کہ مولیٰ نے اس کو کپڑا خریدتے دیکھ کر منع نہیں کیا ہے تو خرید جائز اور وہ غلام ماذون التجارۃ ہوگا یہ مبسوط میں لکھا ہے۔

باب دہم:

غلام ماذون کی بیع فاسد اور ماذون کے غرور و طفل کے غرور کے بیان میں

امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر ایک شخص نے اپنے غلام کو تجارت کی اجازت دی اس نے کوئی باندی یا غلام یا کوئی اسباب وغیرہ بطور بیع فاسد فروخت کیا اور مشتری نے باندی یا غلام پر قرضہ کر کے آزاد کیا یا مبیع کو ان میں سے کچھ[2] ہی ہو دوسرے کے ہاتھ فروخت کیا تو مشتری کا یہ سب تصرف جائز اور اس پر اس مبیع کی قیمت خواہ ان میں سے کوئی چیز ہو واجب ہوگی۔ اسی

[1] باطل ہوگی اس واسطے کہ ایک نے صریح اجازت کی گواہی دی اور دوسرے نے دلالتی اجازت بیان کی۔ [2] کچھ ہی ہو یعنی مبیع کو غیر کے ہاتھ فروخت کیا خواہ مبیع غلام یا باندی یا اسباب کچھ ہو۔

طرح اگر ماذون نے کوئی باندی یا غلام یا اسباب بطور بیع فاسد خرید کر کے دوسرے کے ہاتھ فروخت کیا تو بھی جائز ہے اور اگر ماذون نے باندی بطور بیع فاسد کے خرید کیا اور اس پر قبضہ کر لیا پھر باندی یا غلام کو کچھ حاصلات ماذون کے پاس حاصل ہوئی مثلاً غلام نے اپنے تئیں کسی کو اجرت پر دیا اس نے اس کو مزدوری دی یا کسی نے اس کو کچھ ہبہ کیا اور اس نے قبول کیا پس آیا یہ مال ماذون کو دیا جائے گا یا نہیں تو فرمایا کہ اگر باندی یا غلام میں ماذون کی ملک متقرر ہو گئی مثلاً اس نے دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیا یا اس کے پاس مر گیا اور اس نے بائع کو قیمت تاوان دے دی تو ایسی صورت میں یہ حاصلات ماذون کو دی جائے گی۔ اگر باندی وغلام کی ملک متقرر نہ ہوئی بایں طور کہ اس نے بائع کو واپس کی تو مذکور ہے کہ بائع کو یہ حاصلات بھی واپس دے گا اور ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا کہ کتاب میں یہ حکم جو مذکور ہے کہ اگر ماذون نے بائع کو باندی وغلام واپس کی تو حاصلات بھی بائع کو واپس دے گا تو یہ امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے قول پر ہے ورنہ امام اعظمؒ کے نزدیک یہ حاصلات ماذون کو دی جائے گی اور وہ بائع کو واپس نہ دے گا پھر جب اصل مبیع واپس کی اور اس کے ساتھ حاصلات بھی واپس کی پس آیا بائع اس حاصلات کو صدقہ کر دے گا تو اگر بائع آزاد ہو تو بالاجماع اس حاصلات کو صدقہ کر دے گا اور گر ماذون ہو تو صدقہ نہ کرے گا اور جب ماذون ہونے کی صورت میں صدقہ نہ کیا تو مذکور ہے کہ اگر وہ قرض دار ہو اور اس نے اس سے قرض خواہوں کا قرضہ ادا کیا تو قرض خواہوں کو یہ مال حلال ہوگا اور اگر قرض دار نہ ہو اور مولیٰ لے یہ مال لے لیا تو فرمایا کہ میرے نزدیک مستحب یہ ہے کہ اس کو صدقہ کر دے لیکن اگر مولیٰ ہی بائع ہو تو اس پر واجب ہوگا کہ صدقہ کر دے ہاں اگر ماذون ہی بائع ہو تو فرمایا کہ مولیٰ پر صدقہ کرنا مستحب ہوگا اور یہ سب جو ذکر کیا گیا ایسی صورت میں ہے کہ غلام خرید کردہ شدہ نے خود ہی اپنے تئیں اجرت پر دیا ہو یا اس کو کچھ ہبہ کیا گیا تا کہ یہ مال اس کی کمائی شمار ہو اور اگر ماذون نے اس کو اجرت پر دیا ہو تو ہر حال[1] میں یہ کمائی ماذون کو دی جائے گی یہ مغنی میں ہے۔

اگر ایک شخص نے غلام کو تجارت کی اجازت دی پھر ماذون نے زید کے ہاتھ ایک باندی بعوض ایک باندی کے بطور بیع فاسد کے فروخت کر کے مشتری کو دے دی اور اس نے قبضہ کر کے عمرو کے ہاتھ فروخت کر کے اس کو سپرد کر دی تو بیع ثانی جائز ہوگی اور اس سے بیع اوّل کا نقض نہ ہوگا حتیٰ کہ زید کا عمرو پر ثمن واجب ہوگا اور ماذون کی زید پر مبیع کی قیمت واجب ہوگی خواہ ماذون مقروض ہو یا نہ ہو۔ اگر زید نے وہ باندی ماذون ہی کے ہاتھ جس سے خریدی تھی فروخت کر کے دے دی تو اس سے بیع اوّل ٹوٹ جائے گی حتیٰ کہ زید کا ماذون پر ثمن واجب نہ ہوگا اور زید بھی ضمان قیمت سے بری ہو جائے گا خواہ ماذون مقروض ہو یا نہ ہو۔ اگر مشتری نے مولائے ماذون کے ہاتھ فروخت کر کے دے دی ہو پس اگر ماذون مقروض نہ ہو تو پہلی بیع ٹوٹ جائے گی اور اگر مقروض ہو تو دوسری بیع جائز ہوگی حتیٰ کہ زید کا مولیٰ پر ثمن واجب ہوگا اور وہ ماذون کو باندی کی قیمت کی ضمان ادا کرے گا اور اگر مشتری نے ماذون کے مولیٰ کے دوسرے ماذون کے ہاتھ فروخت کی ہو اور سپرد کر دی تو پس اگر دونوں پر قرضہ ہو تو بیع جائز ہوگی اور پہلی بیع کا نقض نہ ہوگا اور اگر دونوں میں سے کسی ایک پر قرضہ ہو تو بھی اس سے بیع اوّل نہ ٹوٹے گی اور اگر دونوں پر قرضہ نہ ہو تو جب ہی اس نے دوسرے ماذون کو دی اسی وقت بیع اوّل ٹوٹ جائے گی مگر واضح رہے کہ جس وقت مشتری نے دوسرے ماذون کو باندی سپرد کی ہے اس وقت ضمان سے بری نہ ہوگا جب تک کہ دوسرا ماذون یہ باندی ماذون اوّل یا مولیٰ کے سپرد نہ کرے اور اگر دوسرے ماذون نے ماذون اوّل یا مولیٰ کو سپرد نہ کی تو مشتری ویسا ہی ضامن باقی رہے گا حتیٰ کہ اگر ماذون ثانی کے پاس وہ باندی مر گئی تو مشتری ماذون اوّل کے واسطے اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ اگر اس نے ماذون کے ہاتھ بطور بیع صحیح فروخت کی مگر اس کے سپرد نہ کی تو ضامن باقی رہے گا یہ محیط میں ہے۔

---

[1] قولہ ہر حال یعنی خواہ ملک ماذون متقرر ہو جائے یا واپس کرنا پڑے۔

اگر اس نے ماذون کے مضارب کے ہاتھ فروخت کی تو جائز ہے جیسے کہ اگر مولیٰ کے مضارب کے ہاتھ فروخت کی تو بھی جائز ہے خواہ غلام پر قرضہ ہو یا نہ ہو اور اگر اس نے مولیٰ کے بیٹے یا باپ یا مکاتب کے ہاتھ یا مولیٰ کے ہاتھ اس کے نابالغ بیٹے کے واسطے جو باپ کی عیال میں ہے فروخت کی تو یہ سب یکساں ہیں یعنی بیع جائز ہے اور اسی طرح اگر کسی اجنبی نے مولیٰ کو اس کی خرید کے واسطے وکیل کیا اور مولیٰ نے خرید دی یا اس نے خود ماذون کو اس کی خرید کے واسطے وکیل کیا اور ماذون نے خرید دی تو یہ باندی اس بیع سے اجنبی کے واسطے ہوگی اور مشتری کا ثمن وکیل پر یعنی ماذون[1] پر واجب ہوگا اور پھر ماذون اس کو مؤکل سے وصول کر لے گا اور ماذون کے مشتری پر ضمان قیمت واجب ہوگی پس اگر قیمت اور ثمن میں باہم بدلا[2] ہو جائے گا پھر غلام نے جو کچھ ثمن موکل کی طرف سے ادا کیا ہے وہ مؤکل سے واپس لے گا۔ اگر خود ماذون بائع نے کسی شخص کو اس کی باندی کے خریدنے کا وکیل کیا اور وکیل نے مشتری سے موکل کے واسطے خریدی اور قبضہ کر لیا تو اس سے بیع اوّل یعنی بیع فاسد ٹوٹ جائے گی گویا ماذون نے خود ہی خرید کی ہے اور اگر مولیٰ نے کسی شخص کو اپنے واسطے خریدنے کا وکیل کیا تو یہ صورت اور مولیٰ کے خود خرید کرنے کی صورت میں یکساں ہے یعنی غلام ماذون کے مقروض ہونے میں اور نہ ہونے میں حکم مختلف ہو جائے گا اور اگر ماذون نے مشتری کے پاس اس باندی کو قتل کیا تو بیع ٹوٹ گئی اسی طرح اگر ماذون نے سر راہ ایک کنواں کھودا خواہ قبل بیع کے یا بعد بیع کے اور اس میں یہی باندی گر پڑی یا گرنے سے اس میں کوئی عیب پیدا ہو گیا اور مشتری[3] نے اس سے باندی کو منع نہ کیا یہاں تک کہ اسی فعل سے مر گئی تو اس سے بیع اوّل ٹوٹ جائے گی اور اگر مولیٰ نے یہ فعل کیا ہو اور غلام مقروض نہ ہو تو بھی یہی حکم ہے اور اگر مقروض ہو تو مولیٰ باندی کے واپس لینے پر ایسی حالت میں قادر نہیں ہے تو اپنے فعل میں مثل اجنبی کے ہوگا اور اس کی مددگار برادری پر مشتری کے واسطے تین سال میں باندی کی قیمت ادا کرنی واجب ہوگی بشرطیکہ باندی اسی فعل سے مری ہو اور اگر اس فعل سے اس میں عیب آیا مگر کسی اور فعل سے مری تو مشتری بسبب قبضہ کرنے کے باندی کی قیمت کا ضامن ہوگا واپس کرنے سے معذور رہے گا مگر مولیٰ سے نقصان عیب فی الحال مال مولیٰ سے واپس لے گا اور اگر ایسے کنویں میں جس کو ماذون نے اپنے تجارتی مال کے مکان میں یا مولیٰ نے اپنی ملک میں کھودا ہے گر کر مر گئی تو اس سے بیع اوّل نہ ٹوٹ جائے گی یہ مبسوط میں ہے۔

دھوکے کا حکم جاری ہونے کے حق میں کچھ فرق نہیں ☆

اگر زید نے لوگوں سے کہا کہ یہ میرا غلام ہے میں نے اس کو تجارت کی اجازت دی ہے تم لوگ اس سے خرید و فروخت کرو پھر اس پر بہت قرضہ ہو گیا پھر ایک شخص نے استحقاق ثابت کر کے اس کو لیا پس اگر مستحق نے اقرار کیا کہ میں نے اس کو تجارت کی اجازت دی تھی تو غلام ماذون باقی رہے گا اور قرضہ میں فروخت کیا جائے گا اور اگر اجازت سے انکار کیا تو فی الحال غلام کے رقبہ سے کچھ قرضہ متعلق نہ ہوگا مگر چونکہ زید نے قرض خواہوں کو دھوکا دیا کہ میرا غلام ہے اور تم اس سے خرید و فروخت کرو اس وجہ سے زید پر واجب ہوگا کہ قرض خواہوں کو قرضہ و قیمت میں سے جو کم مقدار ہو تاوان ادا کرے اور اگر اس مسئلہ میں زید نے یہ لفظ نہ کہا ہو کہ یہ میرا غلام ہے یا نہ کہا کہ تم لوگ اس سے خرید و فروخت کرو تو ان کے واسطے ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس نے ان کو دھوکا نہیں دیا ہکذا فی شرح الطحاوی۔ دھوکے کا حکم جاری ہونے کے حق میں کچھ فرق نہیں اس میں کہ جس نے یہ کلام نہ سنا ہے اور جس نے نہیں سنا و نہ جانا ہے یعنی سامع وغیرہ سامع کے واسطے دعویٰ کی وجہ سے ضامن ہونے میں کچھ فرق نہیں ہے دونوں کے واسطے ضامن ہوگا بشرطیکہ زید نے عامہ اہل بازار کے سامنے یہ لفظ

---

[1] قولہ ماذون پر یعنی ایک صورت میں جبکہ ماذون کو وکیل کیا ہے۔ [2] قولہ بدلا ہو جائے گا یعنی جس قدر بدلا ہو سکتا ہے پھر جس کا کچھ زائد حق رہ جائے گا وہ دوسرے سے وصول کر لے گا۔ [3] قولہ اور مشتری الخ مطبوعہ کلکتہ اصل میں یوں ہی موجود اور شائد ساقط عبارت کاتب کی غلطی ہے یعنی باندی نے کنواں کھودنا شروع کیا اور مشتری الخ فافہم۔

کہا ہو۔ اگر زید نے جب اہل بازار پاس آیا تو ان سے نے کہا کہ یہ میرا غلام ہے تم لوگ اس سے کپڑے کی تجارت کرو کہ میں نے اس کو کپڑے کی تجارت کی اجازت دی ہے پھر اہل بازار نے اس سے کپڑے کے سوائے اور چیزوں کی خرید فروخت کی تھی پھر معلوم ہوا کہ یہ غلام نہیں ہے آزاد ہے یا اس کا مستحق عمرو ہے تو جس نے سوائے کپڑے کے دوسری چیز کی خرید فروخت کی ہے اور اس کا اس غلام تاجر پر قرضہ ہے وہ زید سے قرضہ و قیمت سے کم مقدار کی ضمان لے اور زید کا یہ کلام کہ میں نے کپڑے کی تجارت کی اجازت دی ہے لغو[1] قرار دیا جائے گا یہ محیط میں ہے۔

اگر اپنے غلام کو تجارت کے واسطے اجازت دی مگر اس کے ساتھ معاملہ کرنے کی اجازت کسی کو نہیں دی پھر مولیٰ نے کسی شخص خاص یا کسی قوم خاص کو اس کے ساتھ معاملہ کرنے کی اجازت دی پس ان لوگوں نے اور ایک دوسری قوم نے اس کے ساتھ معاملہ کیا اور مولیٰ کے حکم پر کارروائی ہوئی پھر اس پر قرضہ چڑھ گیا پھر وہ استحقاق میں لے لیا گیا یا مدبر نکلا تو جن لوگوں نے مولیٰ کے حکم کے موافق اس سے معاملہ کیا ہے ان کے واسطے مولیٰ پر بقدر ان کے حصہ قرض اور قیمت سے جو کم ہو اس کی ضمان واجب ہو گی اور دوسروں کے واسطے کچھ ضمان واجب نہ ہو گی اور اگر اس نے کسی خاص قوم کو اس کے ساتھ کپڑے کی تجارت میں معاملہ کی اجازت دی ہو اور انہوں نے سوائے کپڑے کے دوسری قسم کی تجارت میں بھی اس سے معاملہ کیا تو کچھ فرق نہ ہو گا بلکہ ان کے واسطے مولیٰ پر یعنی جس نے ان کو دھوکا دیا ہے اس پر ضمان واجب ہو گی اگر زید اس کو اہل بازار کے پاس لایا اور کہا کہ تم لوگ اس سے معاملہ خرید و فروخت کیا کرو اور نہ کہا کہ یہ میرا غلام ہے اور اہل بازار نے اس سے خرید و فروخت کی اور اس پر قرضہ ہو گیا پھر وہ استحقاق میں لے لیا گیا یا آزاد نکلا یا مدبر نکلا تو زید پر کچھ واجب نہ ہو گا اور اہل بازار کے پاس لایا اور کہا کہ یہ میرا غلام ہے تم لوگ اس سے مبایعت کرو پھر اس کو مدبر کر دیا پھر اس پر قرضہ ہو گیا تو زید ان کے واسطے کچھ ضامن نہ ہو گا مگر غلام قرضہ کے واسطے سعایت کرے گا۔ اسی طرح اگر بعد اجازت کے اس کو آزاد کر دیا پھر اس پر قرضہ ہو گیا تو بھی یہی حکم ہے۔ اگر بعد اجازت کے اس کو فروخت کیا پھر اہل بازار نے اس سے مبایعت کی اور وہ ان کا قرض دار ہو گیا تو زید پر کچھ واجب نہ ہو گا۔

اگر ایک شخص اس کو اہل بازار کے پاس لایا اور کہا کہ یہ میرا غلام ہے تم لوگ اس سے مبایعت کرو کہ میں نے اس کو تجارت کی اجازت دی ہے پس انہوں نے مبایعت کی پھر وہ غلام استحقاق میں لیا گیا یا آزاد نکلا اور جس شخص نے اہل بازار کو اس کے ساتھ معاملہ کرنے کا حکم دیا تھا وہ غلام ماذون یا مکاتب یا نابالغ التجارت نکلا تو حکم کرنے والے پر اہل بازار کی کچھ ضمان[2] واجب نہ ہو گی خواہ وہ لوگ جنہوں نے اس سے مبایعت کی ہے حکم دہندہ کے حال سے واقف ہوں یا نہ ہوں۔ اگر حکم دہندہ مکاتب ہو اور وہ ایک باندی بازار میں لایا اور کہا کہ میری باندی ہے اس کو میں نے تجارت کی اجازت دی ہے تم لوگ اس سے خرید و فروخت کرو پھر اس پر قرضہ ہو گیا پھر معلوم ہوا کہ قبل اجازت کے اس باندی کے مکاتب سے کتابت میں بچہ پیدا ہو چکا ہے تو قرض خواہوں کو اختیار ہو گا کہ مکاتب سے اس ام ولد کی قیمت بحساب[3] باندی کے اور اپنے قرضہ سے جو مقدار دونوں میں سے کم ہو اس قدر ضمان لیں یہ مبسوط میں ہے۔ اگر زید نے اہل بازار

---

[1] قولہ لغو یعنی خصوصیت لغو قرار دی جائے گی یعنی اس اجازت میں کپڑے کی خصوصیت لغو ہو گی اور غلام تمام تجارت کے واسطے ماذون ہو جائے گا اور یہ مراد نہیں ہے کہ یہ کلام سب لغو ہو گا کیونکہ یہی کلام منشا باذن ہے لغو کیونکر ہو سکتا ہے فتامل۔ [2] ضمان یعنی قیمت و قرضہ میں سے کم مقدار کا ضامن ہو گا۔

[3] قولہ بحساب باندی کے یعنی اب وہ ام ولد ہو گئی ہے اور پہلے بھی تھی مگر چونکہ اس نے باندی کہہ کر دھوکا دیا اس سے باندی قرار دے کر اس کی قیمت لگا کر دیکھیں کہ مثلاً سو درہم ہے اور قرض ڈیڑھ سو درہم ہے پس دونوں میں سے کم مقدار کی ضمان لیں گے۔

سے کہا کہ یہ میرا غلام ہے تم لوگ اس سے خرید فروخت کرو کہ میں نے اس کو تجارت کی اجازت دی ہے اور انہوں نے مبایعت کی پھر اس پر قرضہ ہو گیا پھر اس غلام کو عمرو نے باثبات استحقاق خود لے لیا اور حال یہ تھا کہ زید کے قبضہ میں آنے سے پہلے عمرو اس غلام کو تجارت کی اجازت دے چکا تھا تو غلام اس قرضہ میں فروخت کیا جائے گا لیکن اگر عمرو اس کے عوض فدیہ دے دے تو فروخت نہ ہو گا اور زید پر جس نے بازاریوں کو مبایعت کا حکم دیا ہے کچھ ضمان لازم نہ ہو گی اور اگر یہ معلوم ہوا کہ یہ غلام عمرو کا مدبر ماذون التجارۃ تھا تو قرض خواہوں کو اختیار ہو گا کہ زید سے اس کی قیمت بحساب قن یعنی محض مملوک ہونے کے اعتبار سے اور قرضہ میں سے جو کم ہو اس قدر ضمان لیں یہ محیط میں ہے۔

اور اگر عمرو کا غلام مجور ہو اس کو زید اہل بازار کے پاس لایا اور کہا کہ یہ میرا غلام ہے تم لوگ اس سے مبایعت کرو پھر مولیٰ نے اس کو تجارت کی اجازت دے دی پھر اس کے بعد اس پر قرضہ چڑھ گیا تو زید پر اس معاملہ میں کچھ ضمان واجب نہ ہو گی۔

اگر عمرو کی اجازت دینے سے پہلے اس پر ہزار درہم قرض ہو گئے پھر عمرو کے اجازت دینے کے بعد اس پر ہزار درہم قرض ہو گئے تو قرض خواہوں کے زید پر پہلے قرضہ یعنی ہزار درہم قرضہ قبل اجازت میں سے اور غلام کی نصف قیمت میں سے کم مقدار کی ضمان واجب ہو گی اور اگر زید ایک غلام کو اہل بازار کے پاس لایا اور کہا کہ یہ عمرو کا غلام ہے اس نے مجھے وکیل کیا ہے کہ میں اس کو تجارت کی اجازت دے دوں اور تم لوگوں کو اس کے ساتھ معاملہ کرنے کا حکم دوں اور میں نے اس کو تجارت کی اجازت دے دی پس تم لوگ اس سے مبایعت کرو پس انہوں نے معاملہ کیا اور غلام پر خرید و فروخت میں قرضہ چڑھ گیا پھر عمرو آیا اور اس نے توکیل سے انکار کیا تو وکیل یعنی زید قرض خواہوں کے واسطے قیمت اور قرضہ میں سے کم مقدار کا ضامن ہو گا اور اگر وہ غلام خالد نے استحقاق میں لے لیا اور اپنے مولیٰ کا مدبر نکلا یا محض آزاد تھا تو بھی وکیل ضامن ہو گا اور جس قدر ماذون ادا کرے گا اس قدر موکل یعنی عمرو سے واپس لے گا بشرطیکہ عمرو توکیل کا اقرار کرے اور اگر انکار کیا تو کچھ واپس نہیں لے سکتا ہے لیکن اگر وکالت کو گواہوں سے ثابت کرے تو لے سکتا ہے اور اگر زید نے کہا کہ یہ میرے بیٹے نابالغ کا جو میرے عیال میں ہے غلام ہے تم لوگ اس سے مبایعت کرو پھر وہ غلام استحقاق ثابت کر کے لے لیا گیا یا محض آزاد نکلا تو زید غلام کی قیمت اور قرضہ میں سے کم مقدار کا ضامن ہو گا اور باپ و دادا کے وصی کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر ماں یا بھائی وغیرہ ایسے قرابت کے لوگوں نے یہ فعل کیا تو دھوکا شمار نہ ہو گا اور نہ ان لوگوں پر ضمان واجب ہو گی یہ مبسوط میں ہے۔

اگر ایک شخص ایک لڑکے کو اہل بازار کے پاس لایا اور کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے میں نے اس کو تجارت کی اجازت دی ہے تم لوگ اس سے مبایعت کرو اور وہ نابالغ خرید و فروخت کو سمجھتا ہے پس ان لوگوں نے اس سے معاملہ کیا اور اس پر قرضہ ہو گیا پھر ایک شخص نے گواہ قائم کیے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور اس مستحق نے اس کو تجارت کی اجازت نہیں دی تھی تو نابالغ پر فی الحال یا بعد بلوغ کے کبھی کچھ لازم نہ ہو گا لیکن قرض خواہ لوگ اس شخص سے جس نے ان لوگوں کو اس سے مبایعت کرنے کا حکم کیا تھا اپنا قرضہ بھر لیں گے بخلاف غلام مجور کے کہ ایسی صورت میں غلام مجور بعد آزادی کے ماخوذ[1] ہوتا ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر زید ایک غلام کو اہل بازار کے پاس لایا اور کہا کہ یہ میرا غلام ہے اور مدبر ہے تم لوگ اس سے مبایعت کرو پس ان لوگوں نے اس سے مبایعت کی اور وہ قرض دار ہو گیا پھر عمرو نے گواہ دیے کہ یہ میرا مدبر ہے تو جب تک مدبر آزاد نہ ہو جائے تب تک اس کے ذمہ سے قرضہ کا مطالبہ باطل ہو گا اور زید پر اس کے رقبہ کی قیمت یا کمائی کی ضمان واجب نہ ہو گی۔ اگر وہ مدبر عمرو کے پاس مقتول ہوا تو زید مدبر ہونے کے حساب سے اس کی قیمت قرض خواہوں کو تاوان دے گا۔ اگر ایک باندی کو اہل بازار کے پاس لایا اور کہا کہ یہ میری باندی ہے تم لوگ اس سے مبایعت کرو پھر اس پر اس قدر قرضہ چڑھ گیا جو اس کے رقبہ کو محیط ہے پھر اس کے بچہ پیدا ہوا اور پھر عمرو نے استحقاق ثابت کر کے باندی مع بچہ کے لے لی تو زید اس کے اور اس کے بچہ کی قیمت کا ضامن ہو گا اور اگر یہ حال ہو کہ جس دن لوگوں کو اس سے مبایعت کا حکم کیا ہے اس دن باندی کی قیمت یوم استحقاق کی بنسبت زیادہ یا کم ہو تو زید اس دن کی قیمت کا ضامن ہو گا جس دن استحقاق میں لی گئی ہے۔ اگر زید نے اس امر کے گواہ پیش کیے کہ میرے دھوکا دینے سے پہلے یا دھوکا دینے کے بعد باندی کے قرض دار ہونے سے پہلے عمرو اس کو تجارت کی اجازت دے چکا

---

[1] ماخوذ اقول اگر وہ بھی نابالغ ہو تو چاہیے کہ ماخوذ نہ ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہے تو زید ضمان سے بری ہو جائے گا کذافی المبسوط۔

باب گیارہ:

ماذون یا ماذون کی غلام کی جنایت کرنے یا اس پر کسی شخص کی جنایت کرنے کے بیان میں

اگر ماذون نے کسی شخص آزاد یا مملوک پر خطا سے جنایت کی یعنی قتل کیا اور اس پر قرضہ ہے تو اس کے مولیٰ سے کہا جائے گا کہ یا تو اس کو دے دے یا اس کا فدیہ دے دے پس اگر اس نے فدیہ دینا قبول کیا تو ماذون جرم جنایت سے بری ہو گیا پس اس پر قرض خواہوں کا حق باقی رہ گیا سوان کے قرضہ میں فروخت کیا جائے گا۔ اگر اس نے ماذون[1] کو دے دیا تو قرض خواہ لوگ اولیاء جنایت کے پاس ماذون کے دامنگیر ہو کر اس کو اپنے قرضہ میں فروخت کروائیں گے۔لیکن اگر والیان مقتول اس ماذون قاتل کا فدیہ ادا کریں تو ایسا نہ ہو گا یہ مبسوط میں ہے۔

پھر جب وہ غلام قرض خواہوں کے واسطے والیان جنایت کے پاس فروخت کیا گیا تو اولیاء مقتول کو اس کے بعد مولیٰ سے کچھ واپس لینے کا اختیار نہ ہوگا بخلاف اس کے اگر قرضہ میں چڑھ جانے سے پہلے ماذون سے جنایت صادر ہوئی اور مولیٰ نے ماذون کو اولیاء جنایت کے حوالہ کیا اور وہ قرض خواہوں کے قرضہ میں فروخت کیا گیا پس اس صورت میں والیان مقتول کو اختیار ہوگا کہ مولیٰ سے ماذون کی قیمت واپس لیں یہ محیط میں ہے اور اگر ماذون کے غلاموں میں سے کسی غلام نے جنایت کی اور کسی آزاد یا غلام کو خطا سے قتل کیا تو اس کو دینے یا اس کا فدیہ دینے کے واسطے ماذون سے کہا جائے گا نہ مولا سے ماذون سے یہ مغنی میں ہے۔ اگر ماذون کے پاس تجارت کی باندی ہو اور اس نے کسی کو خطا سے قتل کیا تو ماذون کو اختیار ہوگا کہ چاہے اس کو دے دے یا اس کا فدیہ دے دے خواہ ماذون مقروض ہو یا نہ ہو پس اگر باندی کا جرم یہ ہو کہ اس نے کسی نفس کو مار ڈالا اور باندی کی قیمت ہزار درہم ہو اور ماذون نے دس ہزار درہم فدیہ میں دیے تو امام اعظمؒ کے قیاس پر جائز ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک نہیں جائز ہے اور اگر باندی نے عمداً قتل کیا اور اس پر قصاص واجب ہوا پھر ماذون نے اس سے ولی مقتول سے صلح کر لی تو جائز ہے اور اگر خود ماذون قاتل ہو اور اس نے اپنی جان سے صلح کر لی خواہ اس پر قرضہ ہے یا نہیں ہے تو صلح جائز نہیں ہے یہ مبسوط میں ہے۔ جب قاضی نے ماذون کا اپنی ذات کے واسطے صلح کر لینا باطل کر دیا تو ولی مقتول کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ ماذون کو قتل کرا دے یا اس سے بدل الصلح میں سے کچھ لے تاوقتیکہ وہ آزاد نہ ہو جائے یہ محیط میں ہے۔ اگر ماذون نے عمداً کسی کو قتل کیا اور اس پر قرضہ ہے پس مولیٰ نے والیان مقتول سے اس طور پر صلح کی کہ ان کے حق میں غلام ان کو دے دے تو جائز نہیں ہے اور ان لوگوں کو اس کا قتل کرنا یعنی قصاصاً جائز نہ رہے گا اور قصاص ساقط[2] ہو گیا اور وہ غلام قرضہ میں فروخت کیا جائے گا اور قرض خواہوں کا قرضہ ادا کیا جائے گا پھر اگر کچھ بچ رہا تو والیان مقتول کو دیا جائے گا ورنہ ان کو کچھ نہیں ملے گا یہ مغنی میں ہے۔

اگر ماذون کے پاس اس کی تجارت کا کوئی مکان ہو اور اس میں ایک شخص مقتول پایا گیا اور ماذون مقروض ہے یا نہیں ہے تو

[1] ماذون یعنی قاتل غلام ماذون کو اس کے مولیٰ مقتول کے والیوں کے حوالہ کیا مقتول کے والی وہ لوگ ہیں جو اس کے خون کے دعویدار ہوں اور انہی کو اولیائے مقتول کہتے ہیں اور واضح ہو کہ غلام جب خطا سے قاتل ہو تو حکم یہ ہے کہ خون کے دعویداروں کو یا تو یہی مجرم غلام قرار دیا جائے یا اس کا فدیہ یعنی اس کی قیمت خواہ پوری یا جس قدر پر باہمی رضامندی ہو دے دی جائے۔ [2] ساقط کیونکہ وہ لوگ خون معاف کر کے مال صلح لینے پر راضی ہوئے تھے تو خون کا قصاص ساقط ہو کر عود نہ کرے گا اگرچہ صلح کی صورت ناجائز تھی۔

امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک اس کی دیت مولیٰ کی مددگار برادری پر ہوگی۔امام اعظمؒ کے نزدیک اگر غلام پر قرضہ محیط نہ ہو تو یہی حکم ہے اور اگر قرضہ محیط ہو تو قیاساً مولیٰ کو مددگار برادری پر کچھ واجب نہ ہوگا لیکن اس سے یوں کہا جائے گا کہ یا غلام کو دے یا اس کا فدیہ دے مگر امام اعظمؒ نے استحساناً دیت مولیٰ کی مددگار برادری پر ڈالی ہے۔اس طرح اگر اس کی گھر کی کوئی دیوار جھکی ہوئی ہو اور ماذون پر گواہ کر دیے گئے مگر اس نے اس دیوار کو نہیں گروایا یہاں تک کہ وہ خود ایک شخص پر گر پڑی اور وہ مر گیا تو اس کی دیت مولیٰ کی مددگار برادری پر ہوگی اور صاحبین نے فرمایا کہ یہ صورت بمنزلہ صورت اولیٰ کے ہے کہ اس گھر میں کوئی شخص مقتول پایا گیا۔اس مسئلہ میں امام اعظمؒ کا قول مذکور نہیں ہے۔بعض مشائخ نے فرمایا کہ امام اعظمؒ کے نزدیک بجواب الاستحسان یہی حکم ہے۔یہ حکم بخلاف ایسی صورت کے حکم ہے کہ یہ دیوار کسی جانور پر گر پڑی اور وہ مر گیا کہ اس صورت میں جانور کی قیمت ماذون کی گردن پر ہوگی کہ اس کے واسطے یا تو غلام فروخت کیا جائے گا یا مولیٰ اس کا فدیہ دے گا یہ مبسوط میں ہے۔ہمارے علماء ثلثہ یعنی امام اعظمؒ وامام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر ماذون پر قرضہ ہو اور اس کی جنایت کی اور مولیٰ نے اس کو قرض خواہوں کے ہاتھ ان کے قرضہ میں فروخت کیا پس اگر اس کو جنایت کا حال معلوم تھا تو اس فعل سے فدیہ دینے کو اختیار کرنے والا قرار[1] دیا جائے گا اور اگر جنایت کو نہیں جانتا تھا تو اس پر غلام کی قیمت واجب ہوگی لیکن اگر جرمانہ قیمت سے کم ہو تو یہ حکم نہ ہوگا۔فرمایا کہ اگر مولیٰ نے ماذون کو قرض خواہوں کے ہاتھ فروخت کیا یہاں تک کہ اولیاء جنایت اس کے پاس آئے اور مولیٰ نے بلاحکم قاضی وہ غلام ان کو دے دیا تو قیاساً یہ حکم ہے کہ قرض خواہوں کے واسطے قیمت کا ضامن ہو مگر استحساناً کچھ ضامن نہ ہوگا پھر جب استحساناً کچھ ضامن نہ ہوا اور دے دینا جائز ٹھہرا تو قرض خواہوں کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ اس کو اپنے قرضہ میں فروخت کرا دیں لیکن اگر اولیاء جنایت اس کا یہ فدیہ ادا کریں تو یہ نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔امام ابو حنیفہؒ وامام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر قرض خواہ لوگ حاضر ہوئے اور ماذون کے قرضہ کے واسطے فروخت کی درخواست کی اور وہ اپنے مولیٰ کے پاس موجود ہے اور اس نے ہنوز جنایت میں نہیں دیا ہے اور اصحاب جنایت اپنے حق طلب کرنے کے واسطے حاضر نہیں ہوئے اور مولیٰ اور قرض خواہوں نے جنایت کا اقرار کر لیا ہے اور قاضی کو بھی خبر کر دی ہے تو جب تک اصحاب جنایت حاضر نہ ہوں تب تک قاضی اس کو قرض خواہوں کے واسطے نہ فروخت کرے گا پھر اس اصحاب جنایت کی حاضری پر ان کو دے دے گا مگر مولیٰ اس کا فدیہ اگر ادا کر دے تو ایسا نہ کرے گا پھر اس کے بعد قرض خواہوں کے واسطے فروخت کیا جائے گا تاکہ وہ لوگ اپنا قرضہ پورا وصول کریں اور اگر اصحاب جنایت کی غیبت میں قاضی کی رائے میں آیا کہ ماذون کو قرض خواہوں کے واسطے ان کے قرضہ میں فروخت کرے تو بیع جائز ہے اور اصحاب جنایت کا مولیٰ یا غلام پر کچھ نہ ہوگا اور ان کی جنایت باطل ہو گئی یہ مغنی میں ہے۔

اگر قاضی نے اس کو قرض خواہوں کے ہاتھ یا غیر کے ہاتھ قرضہ سے زیادہ داموں کو فروخت کیا تو اس میں سے قرض خواہوں کو ان کا قرضہ دے دیا جائے گا پھر جو اس میں سے کچھ بچا وہ بقدر جرمانہ جنایت کے اصحاب جنایت کو دیا جائے گا اگرچہ جنایت کا جرمانہ غلام کی قیمت سے زیادہ ہو پھر اگر جرمانہ جنایت دے کر کچھ باقی رہا تو وہ مولیٰ کو دیا جائے گا۔بخلاف اس کے اگر مولیٰ نے خود بدون حکم قاضی کے غلام کی قیمت سے زیادہ داموں کے فروخت کیا اور وہ جنایت سے واقف نہ تھا مثلاً اس نے پانچ ہزار درہم کو غلام فروخت کیا حالانکہ اس کی قیمت ہزار درہم تھی اور قرضہ کے ہزار درہم تھے پھر جب قرضہ کے ہزار درہم دے دیئے گئے اور مولیٰ کے پاس چار ہزار درہم رہے تو اس میں سے اصحاب جنایت کو غلام کی قیمت کے برابر یعنی ہزار درہم دے دیئے جائیں گے اگرچہ جنایت کا جرمانہ ہزار درہم سے زیادہ ہو پس باقی تین ہزار درہم مولیٰ کو ملیں گے۔بخلاف اس کے اگر ولی جنایت حاضر ہوا اور مولیٰ جنایت کو دے دیا پھر قاضی نے دے دینے کے بعد ولی جنایت کے پاس سے قرض خواہوں کے قرضہ میں فروخت کیا اور اس کا ثمن قرضہ سے زیادہ آیا پس اس میں سے

---

[1] قرار دیا جائے کیونکہ اس پر مجرم غلام دینا یا اس کا فدیہ دینا لازم تھا تو جب اس نے غلام روک لیا تو دلیل ہے کہ فدیہ دینا منظور ہے کیونکہ حق خون مقدم ہے۔

قرضہ ادا کیا گیا تو باقی سب اولیاء جنایت کو دیا جائے گا اگر چہ جرمانہ[1] جنایت سے زیادہ باقی رہا ہو اور مولیٰ کو اس میں سے کچھ نہ ملے گا یہ محیط میں ہے۔ امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر غلام ماذون کو کسی شخص نے عمداً قتل کیا تو قاتل پر مولیٰ کے واسطے قصاص واجب ہوگا اور قرض خواہ ہونے کا کچھ حق واجب نہ ہوگا خواہ غلام مقروض ہو یا نہ ہو پس اگر قاتل نے قصاص سے کچھ درہم یا دینار عروض قلیل یا کثیر دے کر صلح کی تو صلح جائز ہے پس اس میں سے قرض خواہ لوگ اپنا قرضہ پورا وصول کر لیں گے اور قصاص منقلب[2] بمال ہو گیا اور مال سے قرض خواہوں کا حق متعلق ہو گیا پس اگر بدل صلح میں درہم یا دینار آئے تو ان میں سے وہ لوگ اپنا قرضہ لے لیں گے کیونکہ یہ ان کے حق کی جنس ہے اور اگر بدل الصلح میں عروض یا غلام ہو تو ان کے قرضہ میں کیا جائے گا لیکن اگر مولیٰ اس کا فدیہ پورے قرضہ کے ساتھ دے دے تو ایسا نہ ہوگا اور یہ سب اس وقت ہے کہ ماذون کو عمداً قتل کیا ہو اور وہ قرض دار ہو یا نہ ہو اگر ماذون کو نہیں بلکہ اس کی کمائی کے کسی غلام کو قتل کیا ہو پس اگر ماذون پر قرضہ نہ ہو تو مولیٰ کو اختیار ہوگا کہ قاتل سے قصاص لے مگر ماذون کو استیفاء قصاص کا اختیار نہ ہوگا کذا فی المغنی۔

مسئلہ کی ایک صورت جس میں ماذون کی صلح جائز قرار نہیں پاتی ☆

پس اگر ماذون نے قاتل کے ساتھ کچھ مال پر صلح کی تو ظاہر الروایت میں امام محمدؒ نے اس کے جواز یا عدم جواز کو نہیں ذکر فرمایا ہے مگر فقیہ ابو بکر بلخی سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ یہ مسئلہ دو روایتوں پر ہونا چاہیے یعنی مسئلہ وصی پر قیاس کیا جائے کہ اگر اس نے ایسے قصاص سے جو یتیم کے واسطے قاتل پر واجب ہوا تھا صلح کر لی تو ایک روایت میں ہے کہ وصی کی صلح جائز نہیں ہے پس اس روایت پر قیاس کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ماذون کی صلح ناجائز ہوگی اور دوسری روایت میں ہے کہ وصی کی صلح جائز ہوگی پس اس روایت پر قیاس کرنے سے معلوم ہوا کہ ماذون کی صلح بھی جائز ہے یہ مبسوط میں ہے۔ لیکن اگر ماذون پر قرضہ ہو خواہ تھوڑا ہو یا بہت تو مولیٰ یا قرض خواہوں یا ماذون کو قصاص کا استحقاق نہ ہوگا علیحدہ علیحدہ نہ علی الاجتماع[3] کذا فی المغنی اور قاتل پر واجب ہوگا کہ اپنے مال سے تین برس میں مقتول کی قیمت ادا کرے لیکن اگر قیمت دس ہزار تک پہنچ جائے تو اس میں سے دس درہم کم کر دیے جائیں گے اور یہ سب ماذون کے قرض خواہوں کو ملیں گے یہ مبسوط میں ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر زید کے غلام نے جنایت کر کے عمرو کو خطا سے قتل کیا پھر زید نے اس کو تجارت کی اجازت دے دی خواہ زید کو اس کی جنایت کا حال معلوم ہے یا نہیں ہے پھر ماذون نے اس کے بعد خرید فروخت کی اور اس پر قرضہ چڑھ گیا تو یہ فعل زید کا فدیہ اختیار کرنا شمار نہ ہوگا اور زید سے اس کے بعد کہا جائے گا کہ یا تو غلام کو دے دے یا اس کا فدیہ دے پس اگر زید نے اولیائے جنایت کو جرمانہ ادا کیا تو ماذون اپنے قرض خواہوں کے واسطے فروخت کیا جائے گا اور کسی کو مولیٰ سے مواخذہ کرنے کی کوئی راہ نہ ہوگی۔ اگر زید نے جرمانہ دیا بلکہ اولیاء جنایت کو غلام دے دیا تو قرض خواہوں کو اختیار ہوگا کہ غلام کا پیچھا کریں اور اپنے قرضہ میں فروخت کروائیں لیکن اگر اصحاب جنایت قرض خواہوں کو ان کا قرضہ ادا کر دیں تو ایسا نہ ہوگا پھر اگر انہوں نے غلام کا قرضہ ادا کر دیا یا نہ ادا کیا اور غلام ان کے قرضہ میں فروخت کیا گیا تو ان کو اختیار ہوگا کہ زید سے غلام کی قیمت اور قرضہ سے کم مقدار واپس لیں بخلاف اس کے اگر مولیٰ نے ماذون سے کوئی ایسی خدمت لی جس سے وہ مر گیا تو اس صورت میں اولیائے جنایت کے واسطے مولیٰ کچھ ضامن نہ ہوگا یہ محیط میں ہے اور اگر بعد جنایت کے مولیٰ نے اس کو خرید و فروخت کرتے دیکھ کر منع نہ کیا تو یہ سکوت بمنزلۂ صریح اجازت تجارت کے قرار دیا جائے گا یہ مبسوط میں ہے۔

فرمایا کہ اگر مولیٰ نے غلام کو تجارت کی اجازت دی اور اس کی قیمت ہزار درہم ہے پھر اس پر ہزار درہم قرضہ ہو گئے پھر اس نے

---

[1] جرمانہ جنایت مثلاً ہزار درہم ہو اور جو باقی رہا وہ چار ہزار درہم ہو۔ [2] منقلب یعنی قصاص کا حق بدل کر مال ہو گیا پس یہی مال ملے گا خواہ وہ ادھار ہے لیکن درہم و دینار میں حق کہ اگر غلام کا ثمن کچھ متاع و اسباب یا لونڈی غلام ہو تو اولیائے خون کے واسطے یہ چیزیں فروخت کی جائیں۔ [3] علی الاجتماع سب لوگ قصاص پر متفق ہوں یا علیحدہ علیحدہ کسی صورت میں قصاص نہیں ہے۔

جنایت کی تو مولیٰ اس غلام کو اولیائے جنایت کو دے سکتا ہے پس اگر اس نے دے دیا اور وہاں سے قرض خواہوں نے اپنے قرضہ میں فروخت کرالیا تو اولیائے جنایت کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ مولیٰ سے غلام کی قیمت واپس لیں بخلاف اس کے اگر جنایت قرضہ سے پہلے واقع ہوئی ہو تو ایسی صورت میں غلام کی قیمت مولیٰ سے لے سکتے ہیں یہ محیط میں ہے۔ اگر جنایت سے پہلے ماذون پر ہزار درہم قرضہ ہو گئے ہوں پھر جنایت کے بعد ہزار درہم قرضہ ہو گئے اور اس کی قیمت ہزار درہم ہے پھر مولیٰ نے اس کو جنایت میں دے دیا تو غلام دونوں قرضوں کے واسطے فروخت کیا جائے گا پس اگر فروخت کیا گیا یا اولیاء جنایت نے دونوں قرضے ادا کر دیئے تو اولیاء جنایت مولیٰ سے غلام کی نصف قیمت یعنی پچھے قرضہ کے حساب سے جو حصہ ہوتا ہے لے لیں گے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ماذون یا مجور نے کسی شخص کو خطا سے قتل کیا پھر مولیٰ نے اس پر قرضہ کا اقرار کیا تو یہ اقرار یوں قرار نہ دیا جائے گا کہ اس نے فدیہ دینا اختیار کیا ہے اگر چہ وقت اقرار کے جنایت سے آگاہ ہو بلکہ مولیٰ سے کہا جائے گا کہ یا تو یہ غلام دے دے یا اس کا فدیہ دے پس اگر اس نے فدیہ دینا اختیار کیا تو غلام قرض خواہوں کے قرضہ میں فروخت کیا جائے گا کہ اور کسی کو مولیٰ سے مطالبہ کا کچھ استحقاق باقی نہ رہے گا اور اگر فدیہ نہ دیا بلکہ غلام اولیاء جنایت کو دے دیا تو قرض خواہ لوگ اس کو اپنے قرضہ میں فروخت کرا دیں گے لیکن اگر اولیاء جنایت ان کا فدیہ دے دیں تو ایسا نہ ہوگا کذا فی المغنی۔ پھر ولی جنایت مولیٰ سے اس کی قیمت لے لے گا یہ مبسوط میں ہے۔

اگر مولیٰ نے اس پر کسی شخص کو خطا سے قتل کرنے کا اقرار کیا پھر دوسرے شخص کو خطا سے قتل کرنے کا اقرار کیا مگر اول اولیاء جنایت نے مولیٰ کے دوسرے اقرار جنایت کی تکذیب کی تو مولیٰ سے کہا جائے گا کہ یا تو دونوں جنایتوں کے والیوں کو غلام دے دے یا دونوں کا فدیہ ادا کر پس اگر اس نے دونوں کو غلام دے دیا تو اول اولیاء جنایت مولیٰ سے غلام کی نصف قیمت لے لیں گے اور اس مسئلہ میں اور ایک دوسرے مسئلہ میں فرق ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر غلام پر معروف قرضہ یا مولیٰ کے اقرار سے ثابت ہوا ہو کہ اس کے تمام رقبہ کو محیط ہو پھر مولیٰ نے اس پر جنایت کا یا دوسرے قرضہ کا اقرار کیا تو مولیٰ کا اقرار صحیح نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر ماذون نے کسی کو عمداً قتل کیا اور اس پر قرضہ ہے پھر مولیٰ نے جنایت سے غلام کے دینے پر اولیاء جنایت سے صلح کی تو یہ صلح قرض خواہوں کے حق میں نافذ نہ ہوگی مگر ولی جنایت کو اس صلح کے بعد یہ اختیار نہ رہے گا کہ غلام کو قصاص میں قتل کرا دے پھر وہ غلام اپنے قرضہ کے واسطے فروخت کیا جائے گا پس اگر بعد ادائے قرضہ کے اس کے ثمن میں سے کچھ باقی رہا تو اولیاء جنایت کو ملے گا اور اگر کچھ نہ رہا تو صاحب جنایت کا مولیٰ پر یا غلام پر اس کی حالت رقیت میں یا بعد عتق کے کچھ حق واجب نہ ہوگا۔ اگر اصحاب قصاص نے صلح نہ کی مگر ایک ولی نے خون عفو کیا تو مولیٰ آدھا[1] غلام دوسرے کو دے دے گا یا اس کا فدیہ دے گا پھر پورا غلام قرضہ میں فروخت کیا جائے گا اور اگر غلام نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں[2] شخص کو عمداً قتل کیا ہے اور اس پر قرضہ ہے تو اس کے قول کی تصدیق کی جائے گی خواہ مولیٰ تصدیق کرے یا تکذیب کرے اور اگر اولیاء جنایت میں سے ایک شخص نے عفو کیا تو پورا خون معاف ہو جائے گا یعنی قصاص نہ لیا جائے گا پس غلام قرضہ میں فروخت کیا جائے گا لیکن اگر مولیٰ پورا قرضہ فدیہ میں ادا کر دے تو ایسا نہ ہوگا پس اگر مولیٰ نے فدیہ دے دیا اور جنایت میں غلام کے قول کی تصدیق کی تو اس سے کہا جائے گا کہ آدھا غلام اس ولی کو دے دے جس نے خون معاف نہیں کیا ہے اور اگر مولیٰ نے اقرار جنایت کی تکذیب کی ہو تو پورا غلام مولیٰ کا ہوگا درحالیکہ اس نے قرضہ فدیہ میں ادا کر دیا ہے یہ مبسوط میں ہے۔

اگر غلام ماذون نے کسی شخص کو قتل کیا اور اس پر قرضہ ہے پس اگر قرض خواہ لوگ اور مقتول کے وارث دونوں حاضر ہوئے تو

---

[1] آدھا یا اس صورت میں کہ قصاص کے مستحق دو شخص ہوں۔ [2] قولہ فلاں شخص اقول اصل میں ہے کہ ایک مرد کو قتل کیا اور مترجم نے اس کو اس واسطے معین کر دیا کہ مجہول نکرہ کے اقرار قتل سے یہ حکم متعلق نہیں ہے پس مراد مرد معین ہے۔

قاضی اس غلام کو مقتول کے وارثوں کو دے دے گا پھر وہاں سے قرض خواہ لوگ اس کا پیچھا کر کے اپنے قرضہ میں فروخت کرا دیں گے اور ثمن میں سے بقدر قرضہ کے لے لیں گے پھر جو باقی رہا وہ مقتول کے وارثوں کو ملے گا یہ حکم اس وقت ہے کہ دونوں فریق حاضر ہوئے ہوں۔ اگر پہلے مقتول کے وارث حاضر ہوئے تو بھی یہی حکم ہے کہ غلام ان کو دے دے گا اور قرض خواہوں کے حاضر ہونے کا انتظار نہ کرے گا اور اگر قرض خواہ لوگ پہلے حاضر ہوئے پس اگر قاضی کو معلوم ہوا کہ اس پر جنایت ہے تو ان کے قرضہ میں اس کو فروخت نہ کرے گا اور اگر معلوم نہ ہوا اور قاضی نے فروخت کر دیا تو وارثان مقتول کا حق باطل ہو گیا اور مولیٰ کچھ ضامن نہ ہو گا یہ شرح طحاوی میں ہے۔ اگر ماذون اپنے مولیٰ کے گھر میں مقتول پایا گیا اور اس پر قرضہ نہیں ہے تو اس کا خون ہدر ہے یعنی باطل ہے اور اگر اس پر قرضہ ہو تو فی الحال مولیٰ کے مال سے اس کی قیمت اور قرضہ سے جو کم مقدار ہو لی جائے گی جیسا کہ مولیٰ کے خود قتل کرنے کی صورت میں حکم ہے۔ اگر ماذون کے تجارتی غلاموں میں سے کوئی غلام مولیٰ کے احاطہ میں مقتول پایا گیا اور ماذون مقروض نہیں ہے تو اس کا خون ہدر ہے اور اگر ماذون پر قرضہ ہو کہ اس کی قیمت اور کمائی کو محیط ہو تو مولیٰ پر اس مقتول کی قیمت مولیٰ کے مال سے تین برس میں ادا کرنی واجب ہو گی یہ قیاس قول امام اعظمؒ ہے اور صاحبین کے نزدیک فی الحال اس کی قیمت واجب ہو گی اور اگر قرضہ اس سب کو محیط نہ ہو تو بالاجماع مولیٰ پر فی الحال اس کی قیمت واجب ہو گی جیسا کہ مولیٰ کے خود قتل کرنے کی صورت میں حکم ہے یہ مبسوط میں ہے۔ کافر دشمنوں نے ماذون کو قید کر کے اپنے احراز میں کر لیا یعنی اپنے ملک میں محفوظ کر لیا پھر مسلمان لوگ ان پر غالب ہوئے اور غلام کے مولیٰ نے اپنا غلام لے لیا حالانکہ غلام پر پہلی جنایت یا قرضہ ہے تو دونوں عود کریں گے اسی طرح اگر اس کو کسی شخص نے خریدا اور مولیٰ نے دام دے کر لے لیا ہو تو بھی یہی حکم ہے اور اگر مولیٰ نے دام دے کر نہ لیا ہو تو قرضہ عود کرے گا جنایت عود نہ کرے گی اور جب قرضہ میں وہ غلام فروخت کیا جائے تو بعض نے فرمایا کہ جس کے حصہ غنیمت میں وہ غلام پڑا تھا اس کو بیت المال سے عوض دیا جائے جیسا کہ غلام کے مدبر یا مکاتب ہونے کی صورت میں یہی حکم ہے اور بعض نے فرمایا کہ عوض نہ دیا جائے گا جیسا کہ مقروض غلام جنایت میں دیا گیا پھر وہ قرضہ میں فروخت ہوا تو عوض نہیں دیا جاتا ہے اور اگر وہ سب کافر مسلمان ہو گئے تو یہ غلام انہی کا ہو گا اور جنایت باطل ہو جائے گی قرضہ باطل نہ ہو گا اسی طرح اگر کافر اس غلام کو ہمارے ملک میں امان لے کر لایا تو بھی قرضہ عود کرے گا اور مولیٰ کو اس کے لینے کی کوئی راہ نہ ہو گی اور اگر اس کافر سے اس کے مولیٰ نے خرید لیا تو قرضہ عود کرے گا نہ جنایت یہ مغنی میں ہے۔

اگر ماذون کے دار میں مولیٰ مقتول پایا گیا تو اس کی دیت اس کی مددگار برادری پر تین برس میں واجب ہو گی کہ اس کے وارثوں کو ادا کریں یہ قیاس قول امام اعظمؒ ہے اور صاحبین کے نزدیک اس کا خون ہدر ہو گا۔ اگر غلام ماذون اپنے تجارتی گھر میں مقتول پایا گیا اور اس پر قرضہ نہیں ہے تو اس کا خون ہدر ہو گا اور اگر اس پر قرضہ ہو تو مولیٰ پر اس کی قیمت اور قرضہ میں سے کم مقدار واجب ہو گی کہ فی الحال اپنے مال سے ادا کرے جیسا کہ مولیٰ کے دوسرے گھر میں ماذون مقتول پائے جانے کی صورت میں حکم ہے اور ماذون صغیر[1] میں مذکور ہے کہ یہ حکم باستحسان ہے خواہ اس پر قرضہ ہو یا نہ ہو اور اگر ماذون کا قرض خواہ ماذون کے تجارتی گھر میں مقتول پایا گیا تو اس کی دیت ماذون کے مولیٰ کی مددگار برادری پر تین سال میں ادا کرنی واجب ہو گی۔ اسی طرح اگر غلام کے قرض خواہ کا غلام مقتول پایا جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اس کی دیت مولیٰ کی مددگار برادری پر تین سال میں واجب ہو گی اس کا غلام اور غیر کا غلام اس حکم میں یکساں ہیں اور اگر مکاتب نے اپنے غلام کو تجارت کی اجازت دی پھر ماذون کے گھر میں ایک شخص مقتول پایا گیا اور ماذون مقروض ہے یا نہیں ہے تو مکاتب پر واجب ہو گا کہ ماذون کے رقبہ کی قیمت اپنے مال سے فی الحال وارثان کو ادا کرے جیسے کہ مکاتب کی کمائی کے دوسرے گھر میں اگر کوئی مقتول پایا جائے تو اس میں یہی حکم ہوتا ہے۔ اگر مکاتب کے ماذون کے گھر میں مکاتب ہی مقتول پایا گیا تو اس کا خون ہدر ہو گا

[1] ماذون صغیر و ماذون کبیر نام دو کتابوں کا ہے جس میں مسائل ماذون مذکور ہیں۔

جیسے کہ اپنے دوسرے گھر میں خود مقتول پایا جائے تو یہی حکم ہوتا ہے اور او روا ضح ہو کہ امام اعظمؒ ایسی صورت میں مکاتب اور آزاد میں فرق کرتے ہیں۔ اگر مکاتب کے مکان میں اس کا ماذون مقتول پایا گیا تو مکاتب پر واجب ہوگا کہ اپنے مال سے فی الحال اس کی قیمت اور اپنی قیمت میں سے کم مقدار اپنے ماذون کے قرض خواہوں کو ادا کرے کذافی المبسوط۔

باب بارہ:

نابالغ و معتوہ یا ان دونوں کے غلام کو ان کے باپ یا وصی یا قاضی کی تجارت کی اجازت دینے اور قبل اجازت کے ان دونوں کے تصرفات کے بیان میں

اگر نابالغ کو جو خرید و فروخت کو سمجھتا ہے تجارت کے واسطے اجازت دی تو جائز ہے اور اس سے یہ مراد ہے کہ یہ سمجھتا ہو کہ بیع سے ملک جاتی رہتی ہے اور خرید سے آجاتی ہے اور قلیل نقصان اور کثیر نقصان کو جانتا ہو اور یہ مراد نہیں ہے کہ خرید و فروخت کی مثلاً عبارت کو جانتا ہو یعنی نفس خرید و فروخت کو الفاظ سے سمجھتا ہو یہ فتاویٰ صغریٰ میں ہے۔ اگر نابالغ کو اس کے ولی نے تجارت کی اجازت دی تو وہ خرید و فروخت میں مثل ماذون کے ہوگا جب کہ خرید و فروخت کو سمجھتا ہو یہاں تک کہ اس کا تصرف نافذ ہوگا اور تصرفات تین قسم کے ہیں ایک وہ کہ جس میں محض ضرر ہے جیسے طلاق عتاق و ہبہ و صدقہ پس ایسے تصرف کا نابالغ مالک نہیں ہوتا ہے اگرچہ ولی اس کو اجازت دے دے دوسرے وہ کہ محض نافع ہیں جیسے ہبہ و صدقہ قبول کرنا پس ایسے تصرف کا بلا اجازت مالک ہوتا ہے تیسرے وہ کہ نفع و ضرر میں دائر[1] ہیں جیسے خرید فروخت و اجارہ و نکاح وغیرہ پس ایسے تصرف کا با اجازت مالک ہوتا ہے بلا اجازت مالک نہیں ہوتا ہے۔ نابالغ کا ولی اوّل اس کا باپ ہے پھر باپ کا وصی سگا دادا پھر دادا کا وصی ہے پھر والی ملک اور قاضی اور قاضی کا وصی ہے اور ماں اور ماں کے وصی کا اس کو تجارت کے واسطے اجازت دینا صحیح نہیں ہے یہ کافی میں ہے۔ چچا و بھائی و والی شرط و والی غیر مولی القضاء کی اجازت[2] ناجائز ہے یہ مغنی میں ہے۔

نابالغ کی بہن و پھوپھی و خالہ کی اجازت ناجائز ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور جب کہ نابالغ کے واسطے اجازت صحیح ہوگئی تو جو چیز اس کی اجازت کے تحت میں داخل ہوئی اس میں نابالغ مثل آزاد بالغ کے قرار دیا جائے گا پس اس کو اختیار ہوگا کہ اپنے تئیں اجرت پر دے یا اپنے واسطے اجیر مقرر کرے اور جو چیز اس کو ورثہ میں ملی ہے خواہ منقول ہو یا غیر منقول اس کو فروخت کرے جیسا کہ بالغ آزاد کو ایسا تصرف جائز ہوتا ہے اور اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اپنے کسی مملوک کو مکاتب کرے یہ محیط میں ہے۔ جامع الفتاویٰ میں ہے کہ اگر باپ نے اپنے دو نابالغ لڑکوں کو تجارت کی اجازت دی پس ایک نے دوسرے سے خرید فروخت کی تو جائز ہے اور وصی کی اجازت دینے میں یہ ناجائز ہے اور ابن سماعہؒ سے روایت ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنے دو نابالغوں کو تجارت کی اجازت دی پھر ایک شخص کو حکم کیا کہ ان دونوں میں سے ایک سے دوسرے کے واسطے کوئی چیز خریدے پس اگر وہی شخص دونوں کی طرف سے معبر (کلام کرنے والا ۱۲) ہو تو صحیح نہیں ہے اور اگر اس نے ایک کی طرف سے تعبیر کی اور دوسرے نے خود ہی ایجاب یا قبول کیا تو جائز ہے۔ یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر نابالغ ماذون نے کوئی غلام خریدا اور اس کو تجارت کی اجازت دی تو جائز ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر نابالغ نے اپنے مال سے کوئی چیز فروخت کی یا اپنے واسطے کوئی چیز خریدی مگر ہنوز اس کو اجازت حاصل نہیں ہوئی ہے حالانکہ وہ خرید فروخت کو سمجھتا ہے تو ہمارے نزدیک اس کا تصرف منعقد

---

[1] دائر اس بیع میں ہیں کہ نفع ہوگا یا ضرر ہوگا۔ [2] قولہ ناجائز ہے اس واسطے کہ والی شرط تو وہ کوتوال ہے جو اپنے کاموں کا ذمہ دار ہے اس کی ولایت ایسے امور میں نہیں ہے اور رہا والی غیر مولی القضا یعنی ایسے والی جس کی ولایت میں قضا کا کام سلطان نے نہیں دیا تو اس کی ولایت بھی ناقص ہے۔

ہوگا مگر نافذ جب ہوگا کہ جب ولی اجازت دے دے اسی طرح جو نابالغ خرید فروخت کو سمجھتا ہے اگر اس نے دوسرے شخص کی طرف سے خرید فروخت کی وکالت قبول کی اور خرید یا فروخت کی تو ہمارے علماء کے نزدیک جائز ہے یہ محیط میں ہے۔

ماذون لڑکے کو یہ اختیار ہے کہ اپنی باندی کو بیاہ دے یہ امام محمدؒ اور امام اعظمؒ کا قول ہے اگر چہ اس کے باپ اور اس کے وصی کو اختیار ہے اور غلام کا نکاح کر دینا سو اس کا اختیار نہ اس ماذون کو ہے اور نہ اس کے باپ یا وصی کو ہے اس طرح اگر نابالغ نے بعد بلوغ کے اس کی اجازت دے دی تو بھی جائز نہ ہوگا اسی طرح اگر کسی اجنبی نے ایسا کیا تو بھی یہی حکم ہے بخلاف اس کے اگر اجنبی نے اس کی باندی کا نکاح کر دیا تو ایسا نہیں ہے اور اگر اجنبی نے اس کے غلام کو مکاتب کیا اور بعد بلوغ کے اس نے اجازت دی تو کتابت جائز ہو گی۔ اصل اس باب میں یہ ہے کہ نابالغ کے مال میں جو فعل اس کا باپ اور وصی نہیں کر سکتا ہے، اگر اس کو کسی اجنبی نے کیا اور نابالغ نے اجازت دی تو اجازت باطل ہے اور جو فعل اس کا باپ وصی کر سکتا ہے اور وہ جائز ہوتا ہے اگر اس کو اجنبی نے کیا اور نابالغ نے بعد بلوغ کے اس کی اجازت دے دی تو جائز ہے کیونکہ انتہاء میں اپنی اجازت دہندہ کی اجازت مثل ابتداء میں واقع ہونے کے ہے اور ایسے تصرفات اجازت سے ابتداء میں ایسے شخص کے فعل سے نافذ ہوتے ہیں، جس کی رائے اس نابالغ کی رائے کے قائم مقام کی گئی ہے پس انتہاء میں اسی اجازت دہندہ کی اجازت سے نافذ ہوں گے یا بعد بلوغ کے لڑکے کی اجازت سے نافذ ہوں گے کیونکہ لڑکا خود اپنے معاملات میں لحاظ کرنے کے واسطے اصل ہے یہ مبسوط میں ہے اور نابالغ کو جو چیز اپنی ماں کے ورثہ میں ملی ہے اس میں ماں کے وصی کو تجارت کی ولایت حاصل نہ ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر نابالغ ماذون نے اپنے غلام کا نکاح اپنی باندی سے کر دیا یا اس کے باپ یا باپ کے وصی نے ایسا کیا تو ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے خواہ لڑکے پر قرضہ ہو یا نہ ہو اس حکم میں کچھ فرق نہ ہوگا۔ اگر نابالغ کی بیوی ہو اور اس کے باپ یا اجنبی نے اس عورت سے خلع کر دیا یا طلاق دے دی یا اس کا غلام آزاد کر دیا پھر بعد بلوغ کے اس نے اجازت دی تو باطل ہے اور اگر اس نے بعد بلوغ کے یوں کہا کہ میں نے اس عورت پر وہ طلاق جو فلاں شخص نے دی تھی واقع کی یا غلام پر وہ عتاق جو فلاں شخص نے کیا تھا واقع کیا تو طلاق و عتاق واقع[1] ہو جائے گا یہ مبسوط میں ہے۔

منفعت ظاہرہ کے بیان میں ☆

مغنی میں لکھا ہے کہ باپ کے وصی و باپ کو نابالغ کے مال میں اس قدر اختیار ہے جس قدر ماذون غلام کو ہوتا ہے یعنی خفیف صدقہ و ضیافت یہ نہایہ میں ہے۔ اگر ایک نابالغ نے جو بیع کو سمجھتا ہے ایک غلام کسی شخص کے ہاتھ ہزار درہم کو فروخت کر کے ثمن وصول کر لیا اور غلام دے دیا پھر زید نے مشتری کے واسطے ضمان درک کر لی پھر وہ غلام مشتری کے پاس سے استحقاق میں لے لیا گیا پس اگر نابالغ ماذون ہو تو مشتری کو اختیار ہوگا کہ اپنا ثمن چاہے نابالغ ماذون سے اور چاہے کفیل سے واپس لے پس اگر کفیل سے لیا تو کفیل اس ماذون نابالغ سے واپس لے گا بشرطیکہ نابالغ کی اجازت سے کفالت کی ہو اور اگر نابالغ مجور ہوگا تو اس کی طرف سے ضمان باطل ہے اگر ثمن تلف ہو گیا یا مجور نے تلف کر دیا ہو اور اگر بعینہٖ قائم ہو تو مشتری اس کو لے لے گا۔ اگر زید نے اصل خرید میں ضمانت کر لی ہو یا تحمل اس کے مشتری ثمن ادا کرے زید نے ضمانت کی ہو پھر کفیل کی ضمان پر مشتری نے ثمن ادا کیا ہو پھر وہ غلام مشتری سے استحقاق میں لیا گیا تو ضمانت جائز ہے اور مشتری کفیل سے اپنا ثمن لے گا یہ مبسوط میں ہے اگر نابالغ ماذون نے اپنے باپ کے ہاتھ ایک غلام فروخت کیا تو اس کی چند صورتیں ہیں یا تو اس نے لوگوں کی طرح برابر قیمت پر فروخت کیا یا قیمت سے زیادہ اس قدر کہ لوگ اتنا خسارہ اندازہ میں اٹھاتے ہیں یا نہیں اٹھاتے ہیں فروخت کیا یا کم قیمت پر فروخت کیا مگر اس قدر کمی کہ لوگ اندازہ میں اٹھاتے ہیں پس ان سب صورتوں میں

[1] واقع اس واسطے کہ انشاء جدید کے لیے اس قدر کافی ہے گویا اب خود طلاق دی یا آزاد کیا۔

بالاجماع بیع جائز ہے یا اس نے اس قدر کمی پر فروخت کیا کہ لوگ اپنے اندازہ میں ایسی کمی نہیں اٹھاتے ہیں پس اس صورت میں امام اعظمؒ سے روایات مختلف آئی ہیں اور ماذون کے بعض نسخوں میں لکھا ہے کہ ایسی بیع امام اعظمؒ وامام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک نہیں جائز ہے اور اگر اس نے اپنے وصی کے ہاتھ برابر قیمت یا زیادہ قیمت یا کم پر مگر اس قدر کم کہ لوگ اپنے اندازہ میں برداشت کرتے ہیں فروخت کیا تو مذکور ہے کہ بیع جائز ہے اور مشائخ نے فرمایا کہ اس میں حکم بتفصیل ہونا واجب ہے اور باختلاف ہونا چاہیے یعنی اگر نابالغ کے حق میں منفعت ظاہرہ ہو مثلاً اس نے قیمت سے زیادہ کو مگر اس قدر زیادتی کہ لوگ اپنے اندازہ میں برداشت کرتے ہیں فروخت کیا تو امام اعظمؒ وامام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور اگر منفعت ظاہرہ نہ ہو مثلاً اس نے برابر قیمت پر یا اس قدر کمی پر کہ لوگ برداشت کرتے ہیں فروخت کیا تو امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک نہیں جائز ہے جیسا کہ اگر وصی نے نابالغ کا مال اپنے ہاتھ فروخت کیا تو ایسی صورت میں یہی حکم ہے مگر امام اعظمؒ کے قول پر اس مسئلہ میں دو روایتیں ہونی چاہیے ہیں ایسا ہی شیخ الاسلام نے اپنی شرح میں ذکر فرمایا ہے۔ یہ مغنی میں ہے۔

اگر اجنبی کے ہاتھ قیمت سے کم پر مگر اس قدر کمی کہ لوگ اپنے اندازہ میں اٹھاتے ہیں فروخت کیا تو باتفاق الروایات امام اعظمؒ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ اگر نابالغ نے اپنا ثمن جو اس کے باپ یا وصی پر واجب ہوا تھا وصول پانے کا اقرار کیا تو اس صورت میں روایات مختلف وارد ہیں بعض میں مذکور ہے کہ اقرار جائز ہے اور بعض میں ہے کہ اقرار نہیں جائز ہے اور شیخ الاسلام خواہرزادہؒ نے اپنی شرح میں ذکر فرمایا کہ اقرار میں یہ اختلاف روایات امام اعظمؒ کے قول پر ہونا چاہیے ورنہ صاحبین کے نزدیک باپ یا وصی کے واسطے اس کا اقرار جائز نہیں ہے۔ یہ ذخیرہ میں ہے۔ ظاہر الروایت میں مذکور ہے کہ جیسے اس کا اقرار اپنی کمائی میں جائز ہے ویسے ہی جو چیز اپنے باپ سے میراث پائی ہے اس میں بھی جائز ہے کذا فی المبسوط۔ اگر اس نے اپنے وصی سے اپنا مال وصول پانے کا اقرار کیا تو جائز نہیں ہے اور اگر وصی نے بعد اجازت کے اس کو اس کا مال دیا تو جائز ہے یہ محیط میں ہے۔ متفرقات میں بیان کیا کہ اگر اس نے قرضہ تجارت کا اقرار کیا تو صحیح ہے یہ ذخیرہ میں ہے اور غیاثیہ میں ہے کہ اگر وصی نے اس کو اجازت دی پھر اس نے اپنے پدر متوفی پر قرضہ کا یا قبل حصول اجازت کے غصب کا اقرار کیا تو جائز ہے اسی طرح اگر اس نے باپ کے ترکہ میں تصرف کیا تو جائز ہے مگر ایک روایت میں ناجائز ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ نابالغ ماذون یا معتوہ ماذون نے اگر غصب یا مال تلف کر دینے کا اقرار کیا مگر اس فعل کو حالت حجر[1] کی طرف منسوب کیا تو فی الحال اس سے مواخذہ کیا جائے گا خواہ مقرلہ اس کی تصدیق کرے یا تکذیب کرے جیسا کہ غلام ماذون کے مسئلہ میں حکم ہے۔ اگر اس نے اقرار کیا کہ میں نے حالت حجر میں قرض لیا یا ودیعت تلف کر دی ہے تو بھی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہی حکم ہے اور امام اعظمؒ وامام محمدؒ کے نزدیک اگر مقرلہ نے اس کی حالت حجر کی طرف منسوب کرنے کی تصدیق کی تو اس سے نہ فی الحال اور نہ بعد بلوغ کے کبھی مواخذہ نہ کیا جائے گا اور اگر تکذیب کی ہو تو فی الحال ماخوذ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

جو معتوہ کہ خرید فروخت کو سمجھتا ہے وہ بمنزلہ نابالغ کے ہے کہ فقط باپ و وصی و دادا کی اجازت سے ماذون ہو جاتا ہے مگر ان کے سوائے اور لوگوں کی اجازت سے ماذون نہیں ہوتا ہے پھر اس کا حکم وہی ہے جو نابالغ کا ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اگر معتوہ خرید وفروخت کو نہ سمجھتا ہو اور اس کو باپ یا باپ کے وصی نے تجارت کی اجازت دی تو صحیح نہیں ہے۔ اگر معتوہ کو جو خرید فروخت کو سمجھتا ہے اس کے پسر نے اجازت دی تو باطل ہے اور اسی طرح اگر سوائے باپ و دادا کے کسی اہل قرابت نے مثل بھائی یا چچا وغیرہ کے اجازت دی تو بھی اجازت باطل ہے یہ مبسوط میں ہے اور اگر اپنے بالغ فرزند معتوہ کو تجارت کی اجازت دی تو اس کا حکم مثل نابالغ کے ہے یعنی اگر خرید

---

[1] حالت حجر یعنی میں نے غصب یا تلف اس وقت کیا جب میں مجور تھا واضح ہو کہ مقرلہ کی تصدیق و تکذیب کے یہ معنی نہیں ہیں کہ نفس اقرار کی تکذیب کی بلکہ اضافۃ بحالت حجر کی تکذیب کی ہو یعنی یہ کہا ہو کہ نہیں بلکہ حالت اذن میں ایسا کیا ہے۔

دفروخت کو سمجھتا ہو تو اجازت صحیح ہے اور اگر خرید فروخت کو نہ سمجھتا ہو تو اجازت صحیح نہیں ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ یہ اس وقت ہے کہ وہ معتوہ ہی بالغ ہوا ہو اور اگر بالغ ہونے کے وقت عاقل ہو پھر معتوہ ہو گیا اور باپ نے اس کو تجارت کی اجازت دی تو فقیہ ابو بکر بلخی رحمتہ اللہ فرماتے تھے کہ استحساناً اجازت صحیح ہے اور یہ امام محمدؒ کا قول ہے اور فقیہ ابو بکر محمد بن ابراہیم المیدانی فرماتے تھے کہ استحساناً صحیح ہے اور یہ ہمارے علمائے ثلثہ کا قول ہے۔ اسی طرح اگر بالغ ہونے پر عاقل تھا پھر مجنون ہو گیا تو بھی یہی حکم ہے۔ اگر باپ خود معتوہ یا مجنون ہو گیا تو بیٹے کو تصرف کی ولایت حاصل نہ ہوگی فقط اس کو تزویج کی ولایت حاصل ہوگی نہ غیر ہکذا فی الذخیرہ اور جس شخص کو نابالغ کے مال میں ولایت تجارت و تصرف حاصل ہے اس کو یہ ولایت بھی حاصل ہے کہ نابالغ کو تجارت کی اجازت دے اسی طرح نابالغ کے غلام کو بھی اجازت دیتا ہے اور جب یہ بات معلوم ہوگئی تو ہم بیان کرتے ہیں کہ اگر باپ نے نابالغ کے غلام کو اجازت تجارت دی تو جائز ہے اسی طرح باپ کے وصی نے باپ کے مرنے کے بعد اگر ایسا کیا تو جائز ہے اور باپ کے مرنے کے بعد اگر دادا نے ایسا کیا اور باپ کی طرف سے کوئی وصی نہیں ہے تو صحیح اجازت صحیح ہوگی اور اگر باپ زندہ موجود ہو تو باپ کے باپ یعنی دادا کی اجازت صحیح نہ ہوگی اور اگر باپ کا وصی موجود ہو تو بھی دادا کی اجازت صحیح نہ ہوگی اور یہ ہمارے مذہب میں ہے یہ مغنی میں ہے۔

اگر قاضی نے یتیم کے غلام کو اجازت تجارت دی اور یتیم کا کوئی وصی اس کے باپ کی طرف سے موجود نہیں ہے تو قاضی کی اجازت صحیح ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ جس صورت میں باپ یا اس کے وصی یا قاضی کی اجازت صحیح ہوگئی اور غلام پر قرضہ چڑھ گیا تو ہمارے نزدیک وہ غلام قرضہ تجارت میں فروخت کیا جائے گا۔ اگر ایک عورت مرگئی اور کسی شخص کو وصیت کر گئی یعنی وصی بنا گئی اور ایک لڑکا نابالغ چھوڑا کہ اس کا باپ یا باپ کا وصی یا دادا موجود نہیں ہے اور عورت اس فرزند نابالغ کے واسطے بہت سا مال میراث چھوڑ کر مری پھر اس شخص وصی نے ان غلاموں میں سے جن کو نابالغ نے اپنی ماں کی میراث میں پایا ہے کسی غلام کو تجارت کی اجازت دی تو صحیح نہیں ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر قاضی نے غلام سے کہا کہ فقط اناج یا گیہوں کی تجارت کر اور غلام نے دوسری چیزوں کی تجارت کی تو جائز ہے کیونکہ قاضی اس اجازت دہی ہے نابالغ کا غائب ہے اور ظاہر ہے کہ اگر مولیٰ بالغ ہوا اور اس نے غلام سے کہا کہ فقط گیہوں کی تجارت کر تو غلام کو تمام تجارتوں کا اختیار ہوتا ہے پس اس طرح اگر قاضی نے اس کو فقط گیہوں کی تجارت کی اجازت دی تو بھی اس کو تمام تجارات کا اختیار حاصل ہوگا اسی طرح اگر قاضی نے اس غلام سے کہا کہ تو فقط گیہوں کی تجارت کر دوسری چیز کی تجارت نہ کرنا کہ میں نے تجھے مجور کیا اگر تو اس کے سوائے دوسری تجارت کرے تو یہ غلام تمام چیزوں کی تجارت کا مجاز ہوگا اور قاضی کا یہ قول[1] باطل قرار دیا جائے گا یہ مبسوط میں ہے۔

اگر ایسے غلام نے تصرف کیا اور اس پر بہت قرضے ہو گئے بعض ان تجارتوں کی وجہ سے جن کی قاضی نے اجازت دی ہے اور بعض بوجہ ان تجارتوں کے جن کی اجازت نہیں دی اور قرض خواہوں نے قاضی کے پاس نالش کی اور قاضی نے اس تجارت کے قرضے جس کی اجازت نہیں دی تھی باطل کر دیے تو اس کے بعد اس غلام کے تصرفات اس قسم کی تجارت میں نافذ نہ ہوں گے اور اگر اس کے بعد اس قاضی کے فیصلہ کا مرافعہ دوسرے قاضی کے پاس کیا گیا تو دوسرے کو اختیار نہ ہوگا کہ قاضی اوّل کے فیصلہ کو منسوخ کرے جیسا کہ امور مجتہد فیہا میں حکم ہے اسی طرح اگر قاضی نے اس غلام کو تمام تجارتوں کے جواز تصرفات کا حکم دیا اور تمام قرض خواہوں کا قرضہ ثابت رکھا تو اس کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا اور اس کے بعد کسی دوسرے قاضی کو اس فیصلہ کے منسوخ کرنے کا اختیار نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر قاضی نے کسی نابالغ یا معتوہ کو تجارت کی اجازت دی پھر قاضی معزول ہوا تو نابالغ و معتوہ اپنی اجازت پر رہیں گے یہ مبسوط میں ہے۔

اگر نابالغ کا یا معتوہ کا باپ یا وصی یا سگا دادا موجود ہو اور قاضی کی رائے میں آیا کہ اس نابالغ یا معتوہ کو تجارت کی اجازت دے پس اس نے اجازت دے دی مگر باپ نے انکار کیا تو قاضی کی طرف سے اجازت جائز ہوگی اگرچہ قاضی کی ولایت باپ و وصی کی

---

[1] یہ قول کہ اگر سوائے اس کے کسی چیز کی تجارت کرے گا تو مجور ہے۔

ولایت سے موخر ہے کذافی المحیط۔اس قاضی کی زندگی[1] میں اگر باپ یا وصی نے اس کو مجور کیا تو صحیح نہیں ہے کذافی المغنی۔اگر یہ قاضی مرگیا یا معزول ہوگیا پھر ان میں سے کسی ولی نے اس کو مجور کیا تو حجر باطل ہے اس طرح اگر اس قاضی نے بعد اپنی معزولی کے اس کو مجور کیا تو بھی باطل ہے ہاں اس کو مجور وہ قاضی کر سکتا ہے جو اس قاضی کی موت یا معزول ہونے کے بعد اس کی جگہ مقرر ہو یہ مبسوط میں ہے اور نوادر ابراہیمؒ میں امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اگر قاضی نے نابالغ کے غلام کو تجارت کی اجازت دی حالانکہ اس کا وصی راضی نہیں ہے تو اجازت جائز ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے اور اگر قاضی نے نابالغ کے غلام کو تجارت کی اجازت دی حالانکہ اس کا باپ زندہ موجود ہے اور راضی نہیں ہے تو جائز ہے یہ مغنی میں ہے اور ماذون شیخ الاسلام میں ہے کہ اگر قاضی نے نابالغ یا معتوہ نابالغ کے غلام کو خرید فروخت کرتے دیکھ کر سکوت کیا تو یہ امر اس کے حق میں تجارت کی اجازت نہ ہوگا اور فرمایا کہ اگر نابالغ مجور نے جو خرید فروخت کو سمجھتا ہے کچھ خریدا یا فروخت کیا یا اجارہ لیا تو یہ تصرف اس کے ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا پس اگر ولی نے اجازت میں نفع دیکھ کر اجازت دی تو جائز ہے اور اگر نقصان دیکھ کر توڑ دیا تو ٹوٹ جائے گا یہ محیط میں ہے۔اگر باپ نے اپنے نابالغ یا معتوہ فرزند کو جو خرید فروخت کو سمجھتا ہے تجارت کی اجازت دی یا باپ کے وصی نے اجازت دی پھر باپ یا وصی نے اس پر قرضہ یا بیع یا خرید یا اجارہ کا یا ودیعت کا جو اس کے پاس موجود ہے یا مضاربت کا جو اس کے پاس موجود ہے یا رہن وغیرہ کا جو اس کے پاس[2] ہے یا جنایت کا اقرار کیا تو باپ یا وصی کے ایسے کسی اقرار کی تصدیق نہ کی جائے گی بشرطیکہ نابالغ یا معتوہ اس کے قول کی تکذیب کرے بخلاف اس کے اگر اپنے غلام ماذون پر قرضہ یا جنایت کا اقرار کیا تو یہ حکم نہیں ہے یہ مغنی میں ہے۔

اگر باپ یا وصی نے اس نابالغ کے غلام ماذون پر قرضہ یا جنایت کا اقرار کیا تو اقرار باطل ہوگا اور اگر نابالغ یا معتوہ نے اپنے غلام ماذون پر قرضہ یا جنایت کا یا اس کے مقبوضہ معین چیز کی نسبت ودیعت وغیرہ کا اقرار کیا تو جائز ہوگا یہ محیط میں ہے۔قال المترجم[3] والجواز لایستلزم النفاذ فی الحال واللہ تعالٰی اعلم۔اگر ایک شخص نے اپنے فرزند کو تجارت کی اجازت دی پھر اس کو مجور کیا تو حجر صحیح ہے بشرطیکہ حجر مثل اذن[4] کے ہو اسی طرح اگر وصی نے اس کو اجازت دی پھر مجور کیا تو بھی صحیح ہے اسی طرح اگر قاضی نے نابالغ یا معتوہ یا ان میں سے کسی کے غلام کو تجارت کی اجازت دی پھر اس کو مجور کیا تو صحیح ہے بشرطیکہ حجر مثل اذن کے ہو اور اگر باپ نے اپنے فرزند نابالغ یا اس کے غلام کو تجارت کی اجازت دی پھر مر گیا اور ہنوز فرزند نابالغ ہے تو مجور نہ ہو جائے گا کذافی الذخیرہ۔اگر وصی نے یتیم یا اس کے غلام کو اجازت دی پھر مر گیا اور دوسرے کو وصی مقرر کر گیا تو اس کی موت سے وہ مجور ہو جائے گا اور اگر قاضی نے اجازت دی پھر معزول ہوا یا مر گیا یا مجنون ہو گیا تو ماذون اپنے اذن پر رہے گا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔اگر ایک شخص نے اپنے نابالغ فرزند کے غلام کو تجارت کی اجازت دی پھر نابالغ مر گیا اور باپ نے وہ غلام میراث میں پایا تو اس سے وہ غلام مجور ہو جائے گا اس طرح اگر باپ نے اس کو بیٹے سے خرید لیا تو بھی مجور ہو جائے گا یہ مبسوط میں ہے۔اگر باپ نے اپنے نابالغ فرزند کے غلام کو تجارت کی اجازت دی پھر وہ لڑکا بالغ ہوا تو غلام اپنی اجازت پر رہے گا اسی طرح اگر معتوہ اچھا ہو گیا تو بھی یہی حکم ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔اگر نابالغ کے بالغ ہونے یا معتوہ کے اچھے ہونے کے بعد باپ مر گیا تو غلام اپنی اجازت پر رہے گا۔

اگر ایک شخص نابالغ فرزند کو تجارت کی اجازت دینے کے بعد مرتد ہو گیا پھر اس کو مجور کر دیا پھر دوبارہ مسلمان ہو گیا تو حجر جائز ہوگا اور اگر حالت ارتداد میں مقتول ہوا تو بھی مجور ہو جائے گا جیسا کہ فرزند ماذون کے بلوغ سے پہلے باپ کے مرجانے کی صورت میں

---

[1] زندگی میں یعنی جب تک یہ قاضی اپنے عہدہ پر مقرر موجود ہے۔ [2] قولہ اس کے پاس موجود ہے اس لفظ سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ ودیعت ہے جو اس کے پاس موجود ہے بلکہ یہ غرض ہے کہ اس کے مقبوضہ مال کی نسبت کہا کہ ودیعت ہے یا مضاربت ہے یا رہن وغیرہ الخ۔ [3] مترجم کہتا ہے کہ جواز سے یہ لازم نہیں آتا کہ فی الحال نافذ ہوگا۔ [4] مثل اذن اس کا بیان باب اول میں گذر چکا ہے۔

حکم ہے بمنزلہ اسی صورت کے یہاں بھی حکم ہے۔ اگر مرتد ہونے کے بعد اپنے فرزند کو اجازت دی اس نے خرید فروخت کی اور قرض دار ہو گیا پھر اس کو مجور کر دیا پھر وہ مسلمان ہوا تو فرزند نابالغ نے جو کچھ تصرف کیا ہے سب جائز ہوگا اور اگر حالت ردت میں قتل کیا گیا یا مر گیا تو جو کچھ فرزند ماذون نے کیا ہے سب باطل ہوگا اور اس میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔ اگر ذمی نے اپنے نابالغ فرزند کو جو اس کے دین پر یا معتوہ کو جو اس کے دین پر ہے تجارت کی اجازت دی تو سب باتوں میں جو ہم نے بیان کی ہیں اس کا حکم بمنزلہٗ مسلمانوں کے ہے کہ اگر اس کا لڑکا بوجہ اپنی ماں کے یا بذات خود مسلمان ہو یعنی مثلاً عاقل ہو کر مسلمان ہو گیا ہو تو ذمی باپ کی اجازت اس کے حق میں باطل ہوگی اور اگر اجازت دے کر ذمی باپ مسلمان ہو گیا تو یہ اجازت جائز[1] نہ ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔

<u>باب نمبر۹:</u>

متفرقات

اگر ایک شخص شہر میں آیا اور کہا کہ میں فلاں شخص کا غلام ہوں اور اس نے خرید فروخت کی تو تجارت کی ہر چیز اس پر لازم ہوگی اور اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ غلام یہ خبر دے کہ میرے مولیٰ نے مجھے تجارت کی اجازت دی پس استحساناً اس کے قول کی تصدیق کی جائے گی خواہ عادل ہو یا غیر عادل ہو اور دوسری یہ کہ غلام نے کچھ خبر نہیں دی اور خرید فروخت کرتا رہا پس اس صورت میں قیاساً اس کے حق میں اجازت ثابت نہ ہوگی مگر استحساناً ثابت ہوگی پھر جب اس کا ماذون ہونا ثابت ہوا تو اس کے سب تصرفات صحیح ہوں گے اور اس پر جس قدر قرضہ ہو جائے سب اس کے ذمہ لازم ہوگا اور اس کی کمائی سے وصول کیا جائے گا اور اگر سب قرضہ اس کی کمائی سے ادا نہ ہو سکے تو وہ غلام فروخت نہ کیا جائے گا تاوقتیکہ اس کا مولیٰ حاضر نہ ہو پھر اگر مولیٰ نے حاضر ہو کر اجازت کا اقرار کیا تو قرضہ کے واسطے فروخت کیا جائے گا اور اگر کہا کہ یہ مجور ہے تو مولیٰ کا قول قبول ہوگا کذا فی الکافی۔

اگر زید نے کوئی غلام کار تجارت کے واسطے اجیر لیا تو زید کے حق میں وہ غلام مثل وکیل کے قرار دیا جائے گا اور غلام و مستاجر کے درمیان تمام احکام وکالت کے مرعی ہوں گے نہ احکام ماذون التجارۃ کے یہاں تک کہ عہدہ مستاجر کے ذمہ لاحق ہوگا اور غلام کو اختیار ہوگا کہ مثلاً ثمن مبیع کا مستاجر سے مطالبہ کرے قبل اس کے کہ بائع اس سے ثمن کا مطالبہ کرے یا ایسے ہی اور احکام بھی مثل وکیل کے مرعی ہوں گے اور وہ غلام اپنے مولیٰ کے حق میں مثل ماذون کے قرار دیا جائے گا اور اس کے و مولیٰ کے درمیان ماذون کے احکام مرعی ہوں گے یہ مغنی میں ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ زید نے عمر سے ایک غلام دس درہم ماہواری پر اپنی رائے کے موافق خرید فروخت کے کام کے واسطے اجارہ پر لیا کہ میرے واسطے خرید فروخت کرے تو جائز ہے پس اگر غلام نے زید کے واسطے اس کے حکم کے موافق خرید فروخت کی اور اس پر بہت قرضہ ہو گیا تو قرض خواہ لوگ مستاجر سے اپنے قرضہ کا مطالبہ نہیں کر سکتے ہیں بلکہ فقط اس غلام سے مطالبہ کر سکتے ہیں پھر غلام کو اختیار ہے کہ مستاجر سے اپنے ادا کرنے سے پہلے اور اس کے بعد اس قدر مال کا مطالبہ کرے اور اگر مستاجر تنگدست ہو کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو اور غلام کے پاس بھی کچھ کمائی نہ ہو تو وہ غلام قرض خواہوں کے قرضہ میں فروخت کیا جائے گا لیکن اگر مولیٰ اس کا فدیہ دے دے تو ایسا نہیں ہو سکتا ہے پس اگر مولیٰ نے اس کا فدیہ دے دیا تو جس قدر اس نے دیا ہے اس کو مستاجر سے واپس لے گا اور واپس لینے کا استحقاق خود مولیٰ کو حاصل ہوگا اور غلام کو یہ استحقاق نہ ہوگا اور اگر مولیٰ نے فدیہ دینے سے انکار کیا اور غلام ایک ہزار درہم کو فروخت کیا گیا اور قرض خواہوں کا قرضہ مثلاً دس ہزار درہم ہے تو یہ ہزار درہم اس کے قرض خواہوں میں حصہ رسد تقسیم ہوں گے اور پھر قرض خواہوں کو

---

[1] نہ ہوگی یعنی بدل کر اب جائز نہ ہو جائے گی۔

اپنے باقی قرضہ کے واسطے غلام سے لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ غلام آزاد ہو جائے پھر آزاد ہو جانے کے بعد اپنے باقی قرضہ کے واسطے اس کے دامنگیر ہوں گے یہ محیط میں ہے۔

فرمایا کہ مولیٰ کو یہ اختیار ہوگا کہ مستاجر سے غلام کا ثمن یعنی ہزار درہم واپس لے اور یہ سب مولیٰ کو دیے جائیں گے اور قرض خواہوں کو اس سے لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی اور قرض خواہوں کے واسطے قاضی ایک وکیل مقرر کرے گا جو مستاجر سے قرض خواہوں کے باقی قرضہ کا مطالبہ کرے۔ کتاب الماذون میں مذکور ہے کہ مولیٰ خود مستاجر سے مخاصمہ کرے گا اور اس قدر راس سے وصول کر کے قرض خواہوں کو دے گا اور شیخ حاکم عبدالرحمٰن نے فرمایا کہ اختلاف الروایت نہیں ہے بلکہ مولیٰ ہی مستاجر سے مخاصمہ کرے گا جیسا کہ ماذون میں مذکور ہے پس اگر اس نے انکار کیا تو قاضی ایک وکیل مقرر کرے گا جیسا کہ یہاں مذکور ہے یہ مغنی میں ہے۔ اگر مستاجر نے ہنوز کچھ نہ ادا کیا تھا کہ مر گیا اور پانچ ہزار درہم چھوڑے تو یہ مال مولیٰ اور قرض خواہوں کے درمیان دس حصہ ہو کر تقسیم ہوگا جس میں سے ایک حصہ مولیٰ کو اور نو حصے قرض خواہوں کو دیے جائیں گے۔ اگر غلام قرضہ میں فروخت نہ کیا گیا یہاں تک کہ اس کو ایک غلام ہزار درہم قیمت کا ہبہ کیا گیا اور مولیٰ نے فدیہ سے انکار کیا تو دونوں غلام قرضہ میں فروخت کیے جائیں گے اور کتاب میں مذکور ہے کہ اگر ماذون پر قرضہ ہو جانے کے بعد اس کو غلام ہبہ کیا گیا یا لحوق قرضہ سے پہلے ہبہ کیا گیا دونوں صورتیں یکساں ہیں پھر جب یہ حکم واجب ہوا کہ ماذون و موہوب دونوں غلام فروخت کیے جائیں اور دونوں مثلاً دو ہزار درہم میں فروخت کیے گئے تو یہ سب مال قرض خواہوں کے درمیان حصہ رسد تقسیم ہوگا اور مولیٰ مستاجر سے ماذون کا ثمن بھر لے گا مگر موہوب کا ثمن نہیں لے سکتا ہے قاضی ایک وکیل کھڑا کرے گا جو مستاجر سے نو ہزار درہم کا مطالبہ کرے گا یعنی آٹھ ہزار درہم قرض خواہوں کا باقی قرضہ اور ہزار درہم موہوب غلام کا ثمن اور وکیل یہ سب وصول کر کے مولیٰ کو سپرد کرے گا یعنی مولیٰ کو دیا جائے گا۔ اگر مستاجر نے موہوب غلام کا ثمن اور قرض خواہوں کا باقی قرضہ کچھ ادا نہ کیا یہاں تک کہ مر گیا اور پانچ ہزار درہم چھوڑے تو اس کے دس حصے کیے جائیں گے اس حساب سے ہزار درہم غلام موہوب کا ثمن اور ہزار درہم ماذون کا ثمن اور آٹھ ہزار درہم قرض خواہوں کا باقی قرضہ پس مستاجر کے ترکہ میں سے جس قدر آٹھ ہزار درہم کے پرتے میں پڑے وہ قرض خواہوں کو ملے گا اور بھی جس قدر موہوب غلام کے ثمن کے پرتے میں پڑے وہ بھی قرض خواہوں کو ملے گا اور جس قدر ماذون کے ثمن کے پرتے میں پڑے وہ مولیٰ کو ملے گا اور جس قدر غلام موہوب کے ثمن کے پرتے میں آیا ہے اس کے لینے کی مولیٰ کو کوئی راہ نہیں ہے کذا فی المحیط۔

مبیع کے ''عرض'' ہونے کے بیان میں ☆

اگر قرض خواہوں نے اپنے قرضہ سے کچھ وصول نہ کیا یہاں تک کہ آخر کار انہوں نے ماذون کو اپنا قرضہ ہبہ کر دیا یا ماذون کو بری کر دیا خواہ غلام ماذون کے فروخت کیے جانے سے پہلے یا اس کے بعد خواہ مستاجر کے مرنے سے پہلے یا اس کے بعد جو حق مستاجر کے ذمہ واجب ہوا ہے اس میں سے کچھ ساقط نہ ہوگا پس اگر غلام ماذون فروخت نہ ہوا ہو تو یہ حق وہی مستاجر سے وصول کر لے گا اور اگر فروخت ہو گیا ہو تو یہ حق اس کا مولیٰ مستاجر سے وصول کرے گا کذا فی المغنی۔ اگر مستاجر نے اس غلام کو جس وقت اجارہ پر لیا ہے اس وقت اس غرض سے اجارہ پر لیا ہو کہ میرے واسطے خاصۂ سوتی[1] کپڑے کی خرید فروخت کرے پس اس غلام نے کپڑا خرید فروخت کر کے نفع اٹھایا تو نفع مستاجر کا ہوگا اور اگر کچھ گھٹی پڑی تو مستاجر کے ذمہ ہوگی اور اگر اس نے ریشمی کپڑا خرید فروخت کر کے نفع حاصل کیا تو یہ نفع مولیٰ کو ملے گا اس میں مستاجر کا کچھ نہیں ہے اور اگر کچھ گھٹی پڑے تو غلام کی گردن پر ہوگی کہ اس کے واسطے فروخت کیا جائے گا اور اس میں سے مولیٰ پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر ماذون نے زید سے سو درہم قیمت کے ایک کر گیہوں اسی درہم کو خریدے اور قبل

(۱) پارچہ پنبہ۔

قبضہ کے اس میں پانی ڈال دیا جس سے وہ فاسد ہو کر اسی درہم کے رہ گئے پھر اس کے بعد بائع نے اس میں پانی ڈال دیا جس سے وہ بگڑ کر ساٹھ درہم کے رہ گئے تو ماذون کو خیار ہوگا پس اگر اس نے لینا اختیار کیا تو چونسٹھ درہم میں لے سکتا ہے اور اگر چھوڑ دیا تو اس پر جو کچھ بگاڑا ہے اس کی ضمان نہ ہوگی۔ اگر اولاً بائع نے اس میں پانی ڈال دیا ہو پھر مشتری نے پانی ملایا تو مشتری مجبور کیا جائے گا کہ چونسٹھ درہم دے کر اس پر قبضہ کرے اور یہی حکم ہر کیل وموزون میں ہے۔ اگر مبیع کوئی عرض ہو کہ اس کو پہلے مشتری نے بگاڑا پھر بائع نے بگاڑا پس اگر مشتری نے لینا اختیار کیا تو اس کے ذمہ سے ثمن سے جس قدر بائع نے بگاڑا ہے ساقط ہو جائے گا اور اگر چاہے تو بیع توڑ دے اور جس قدر نقصان کیا ہے اس قدر ثمن ادا کرے اور اگر مشتری نے بعد بائع کے اس کو بگاڑا تو مبیع کا لینا اس کے ذمہ لازم ہوگا مگر ثمن سے جس قدر بائع نے بگاڑا ہے اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا یہ مبسوط میں ہے۔

فرمایا کہ اگر کسی اجنبی کا کچھ مال مولیٰ پر آتا ہو اور مولیٰ نے بنظر وثاقت اس کے عوض کچھ چیز رہن کر کے اپنے ماذون کے پاس رکھی اور وہ ضائع ہوگئی تو جس کے عوض رہن تھی اس کے عوض گئی اور مولیٰ قرضہ سے بری ہوگیا یہ مغنی میں ہے۔ اگر ماذون نے ایک کُر چھوہارے جید بعوض ایک کُر چھوہارے ردی کے جو معین ہیں خرید کیے پھر جس کو خریدا ہے اس میں ماذون نے پانی ڈال دیا اور وہ خراب ہوگئے پھر بائع نے اس میں پانی ڈال دیا اور وہ خراب ہوگئے تو اس کو خیار ہوگا چاہے خرید کردہ کُر لے کر اس کے معاوضہ کا کُر دے دے یا بیع توڑ دے اور دونوں صورتوں میں کسی کو دوسرے سے نقصان لینے کا اختیار نہ ہوگا اور اگر مشتری نے بعد بائع کے اس میں پانی ڈالا ہو تو اس پر لازم ہوگا کہ جو کُر اس نے جس کُر کے عوض خریدا ہے پورا عوض دے کر لے اور اس کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اس کو عیب کی وجہ سے واپس کرے خواہ قبضہ سے پہلے پائے یا اس کے بعد بوجہ اس کے کہ اس نے پانی ڈال کر اس کو خراب کر دیا ہے یہ مبسوط میں ہے۔[1] اگر باپ یا وصی نے نابالغ یا معتوہ کے واسطے ایک باندی جو نابالغ یا معتوہ کی ذات رحم محرم[2] ہے خرید کر دی تو یہ عقد ان دونوں پر نافذ نہ ہوگا بلکہ باپ یا وصی پر نافذ ہوگا یہ کافی میں ہے۔ اگر ماذون نے زید کے ہاتھ دس قفیز گیہوں اور دس قفیز جو یہ کہہ کر فروخت کیے کہ میں نے یہ دس قفیز گیہوں اور یہ دس قفیز جو تیرے ہاتھ ایک درہم کے حساب سے فروخت کیے تو بیع جائز ہے پس اگر اس صورت میں کہ ہر قفیز ایک درہم کے حساب سے فروخت کیا ہے دونوں نے باہم قبضہ کر لیا پھر زید نے گیہوں میں عیب پایا تو ان کو آدھے ثمن پر بحساب ہر قفیز ایک درہم کے واپس کرے اور اگر اس نے یہ کہا ہو کہ دونوں میں سے ہر قفیز ایک درہم کو ہے اور باہمی قبضہ ہوگیا پھر گیہوں میں عیب پایا ہو تو زید ان کو ہر دونوں کے ایک قفیز ایک درہم کے حساب سے یعنی آدھے گیہوں اور آدھے جو ایک درہم کے حساب سے واپس کر سکتا ہے اور اس کی یہ صورت ہوگی کہ تمام ثمن یعنی بیس درہم گیہوں اور جو کی قیمت پر پھیلایا جائے پس اگر گیہوں کی قیمت مثلاً بیس درہم ہے اور جو کی قیمت دس درہم ہو تو سب گیہوں جن میں عیب پایا ہے بعوض دو تہائی کے واپس کرے گا۔

اسی طرح اگر یہ کہا ہو کہ دونوں کے ایک قفیز ایک درہم کے حساب سے ہے تو یہ قول اور پہلا قول یعنی دونوں میں سے ہر قفیز ایک درہم کو ہے یکساں ہے۔ اگر اس نے یوں کہا کہ میں نے یہ گیہوں اور یہ جو تیرے ہاتھ فروخت کیے اور دونوں کا ہر ایک قفیز کا ایک درہم کا حساب بتلایا مگر دونوں کی تمام مقدار نہ بیان کی تو امام اعظمؒ کے نزدیک تاوقتیکہ سب کیل وپیمانہ معلوم نہ ہو بیع فاسد ہے پھر اگر اس کو سب پیمانہ بتلا دیا تو مشتری مختار ہوگا چاہے ہر قفیز گیہوں ایک درہم کے حساب سے گیہوں اور جو ہر قفیز ایک درہم کے حساب سے خرید لے یا بیع ترک کر دے اور صاحبینؒ کے نزدیک بیع جائز ہے گیہوں ہر قفیز ایک درہم کے حساب سے اور جو ہر قفیز ایک درہم کے حساب

[1] میں کہتا ہوں کہ یہاں مذکور نہیں کہ کیا اس کو اختیار ہے کہ بائع سے وہ نقصان عیب جو پیدا ہوا ہے لے سکتا ہے یا نہیں کیونکہ نقصان بائع کے فعل سے پیدا ہوا ہے۔ [2] ذات رحم جس سے قرابت نسبی ہو محرم وہ نسبت میں اس پر دائمی حرام ہو جیسے خالہ پھوپھی وغیرہ میں۔

سے خرید لے گا۔ اگر یوں کہا کہ دونوں میں سے ہر قفیز ایک درہم کو ہے امام اعظمؒ کے نزدیک ایک قفیز پر جس میں آدھے گیہوں اور آدھے جو ہوں گے ایک درہم پر بیع واقع ہوگی اور جس قدر ایک قفیز سے زیادہ رہے ان میں اگر تمام پیمانہ معلوم ہو گیا تو مشتری مختار ہوگا چاہے ہر قفیز دونوں میں سے ایک درہم کے حساب سے خرید لے یا بیع ترک کردے اور امام ابو یوسف و امام محمدؒ کے نزدیک کل کی بیع جائز ہوگی دونوں میں سے ہر قفیز آدھے گیہوں اور آدھے جو بحساب ایک درہم کے لے لے گا۔ اگر یوں کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ یہ گیہوں اس شرط سے کہ یہ ایک کر سے زائد ہیں فروخت کیے اور مشتری نے اسی شرط سے خریدے پھر ان کو کر سے کم پایا تو بیع جائز ہے اور اگر اس کو ایک کر یا زیادہ پایا تو بیع فاسد ہے اور اگر یوں کہا کہ اس شرط سے کہ یہ ایک کر یا اس سے کم ہیں پس اگر مشتری نے ایک کر یا اس سے کم پائے تو بیع جائز ہے اور اگر کر سے زیادہ پائے تو اس میں سے مشتری کو ایک کر لینے لازم ہوں گے اور بائع کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ ایک کر سے بھی کم کرے اور جو زائد رہے وہ بائع کے ہوں گے اور اگر اس شرط سے فروخت کیے کہ یہ ایک کر یا اس سے زیادہ ہیں پس اگر مشتری نے موافق شرط کے پائے تو بیع جائز ہے اور اگر کم پائے تو مشتری کو خیار ہوگا کہ چاہے مقدار موجودہ کو اس کے حصہ ثمن کے عوض لے[1] لے یا ترک کردے۔ کذا فی المبسوط۔

ایک شخص نے صغیر ماذون پر کسی چیز کا دعویٰ کیا تو مشائخ نے اختلاف کیا ہے کہ آیا اس سے قسم لی جائے گی یا نہیں اور کتاب الاقرار میں لکھا ہے کہ ماذون سے قسم لی جائے گی اور اسی پر فتویٰ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر ماذون نے زید سے دس رطل زیت ایک درہم کو خریدا اور اس کو حکم کیا کہ اس شیشے میں جس کو ماذون لایا تھا ناپ دے پس بائع نے اس میں ناپنا شروع کیا پھر جب دو رطل ناپ چکا تو شیشہ ٹوٹ گیا حالانکہ بائع و مشتری دونوں اس سے لاعلم ہیں پھر بائع نے اس کے بعد اس میں سب تیل جس قدر فروخت کیا تھا ناپ دیا اور سب بہہ گیا تو ماذون کے ذمہ اس میں سے سوائے ثمن رطل اوّل کے کچھ لازم نہ ہوگا۔ اگر رطل اوّل سب نہ بہا ہو جس وقت بائع نے دوسرا رطل اس میں ڈالا ہے تو شیشہ میں جس قدر رطل اوّل میں سے رہا ہے اس کا بائع ضامن ہوگا اور اگر شیشہ پہلے ٹوٹا ہوا ہو جس وقت ماذون نے اس کو دیا ہے اور ماذون نے حکم دیا کہ اس میں ناپ دے اور دونوں اس کے ٹوٹے ہونے سے بے خبر ہیں اور بائع نے اس میں دس رطل ناپ دیا اور سب بہہ گیا تو ماذون کے ذمہ کل ثمن لازم ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ زید نے اپنے مدبر کو تجارت کی اجازت دی پھر اس کو عمرو نے حکم دیا کہ میرے واسطے ایک باندی پانچ ہزار درہم کو خریدے اس نے موافق عمرو کے حکم کے باندی خرید کر کے اس کو دے دی پھر عمرو کے پاس مر گئی یا عمرو نے اس کو آزاد کر دیا یا ام ولد بنا لیا یا مدبر کے پاس قبل سپردگی عمرو کے مر گئی تو ان سب صورتوں میں یکساں حکم ہے یعنی وہ عمرو کا مال گیا اور بائع کو اختیار ہوگا کہ ثمن کے واسطے مدبر کا دامنگیر ہو لیکن اگر اس نے عمرو سے مطالبہ کا قصد کیا تو ایسا نہیں کر سکتا ہے اور جب بائع ثمن کے واسطے مدبر کا دامنگیر ہوا تو اس کو اختیار ہوگا کہ ثمن کے واسطے مدبر سے سعایت کرا دے اور مدبر کو اپنے ادا کرنے سے پہلے اور اس کے بعد یہ اختیار ہوگا کہ اپنے موکل سے ثمن کا مطالبہ کرے اور اگر مدبر و موکل کے پاس کچھ نہ ہو پھر ایک غلام نے مدبر کا ہاتھ کاٹ ڈالا اور وہ غلام ارش و جنایت میں مدبر کو دیا گیا اور مدبر نے بطور تجارت یا ہبہ کے ایک باندی حاصل کی تو وہ غلام جو جنایت میں ملا ہے اور یہ باندی دونوں مدبر کے قرضہ میں فروخت کی جائیں گی لیکن مولیٰ دونوں کا فدیہ دے دے تو فروخت نہ ہوں گے پس اگر مولیٰ نے دونوں کا فدیہ دے دیا تو پورا فدیہ مدبر کے موکل سے واپس لے گا اور واپس لینے والا متولی خود مولیٰ ہوگا نہ مدبر اور اگر مولیٰ نے فدیہ دینے سے انکار کیا اور دونوں دو ہزار درہم کو یعنی غلام ہزار درہم کو اور باندی ہزار درہم کو فروخت کی گئی تو بائع یہ سب اپنے قرضہ میں لے لے گا اور مولیٰ خود موکل سے اس غلام کا ثمن جو جنایت میں ملا تھا لے لے گا اور باندی کا خود ثمن نہیں لے سکتا ہے مگر مدبر اس کا ثمن واپس لے گا اور جس قدر بائع کا قرضہ رہ گیا وہ بھی واپس لے گا اور

---

[1] حصہ ثمن یعنی ثمن کو کر کے مقابلہ میں لگا کر اس کے حساب سے مقدار موجودہ کو لے لے۔

یہ چار ہزار درہم ہوئے جس میں سے تین ہزار درہم بائع کو دیے جائیں گے جبکہ اس کا قرضہ پانچ ہزار درہم ہو اور دو ہزار درہم اس کو مل چکے پس باقی ایک ہزار درہم مولیٰ کو ملیں گے۔

اگر مدبر دو مولیٰ نے موکل سے کچھ واپس نہ کیا یہاں تک کہ موکل دو ہزار درہم چھوڑ کر مر گیا تو اُس کے پانچ حصہ کیے جائیں گے جس میں سے ایک حصہ مولیٰ کو دیا جائے گا اور چار حصہ مدبر کو دیے جائیں گے تا کہ بائع کو ادا کر دے اور اگر مدبر کا ہاتھ نہ کاٹا گیا بلکہ خطا سے قتل کیا گیا اور قاتل نے اس کی قیمت ادا کر دی تو یہ قیمت اس کے بائع کو دی جائے گی اور مولیٰ اُس کی قیمت اُس کے موکل سے واپس لے گا بخلاف ثمن غلام موہوب کے یہ مغنی میں لکھا ہے۔ اگر ماذون نے ایک باندی خرید کر قبل ادائے ثمن کے بلا اجازت یا بائع اس پر قبضہ کر لیا اور وہ اس کے پاس مر گئی یا اس کے مولیٰ نے اس کو قتل کیا حالانکہ ماذون مقروض نہیں ہے یا اس کو آزاد کر دیا تو بائع کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ ماذون یا اس کے مولیٰ سے باندی کی قیمت کی ضمان حاصل کرے مگر ماذون سے اس کے ثمن کا مطالبہ کرے گا اور ماذون اس ثمن کے واسطے فروخت کیا جائے گا پس اگر ماذون کے ثمن میں بائع کے حق سے کمی ہو تو مولیٰ پر واجب ہوگا کہ جس باندی کو اس نے تلف کیا ہے اس کی قیمت سے اس کمی کو پورا کرے اور اگر ماذون نے کسی کو اس باندی پر قبضہ کرنے کے واسطے وکیل کیا اور وکیل نے قبضہ کیا اور وہ وکیل کے پاس مر گئی تو وکیل بائع کو اس کی قیمت کی ضمان دے پھر بقدر ضمان اپنے موکل یعنی ماذون سے واپس لے گا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ماذون نے اپنے مولیٰ کی بلا اجازت احرام باندھ لیا تو مولیٰ کو اختیار ہوگا کہ اس کو حلال کرا دے یعنی احرام سے باہر کرا دے[1] اور اگر ماذون نے باجازت مولیٰ احرام باندھا اور اس کے بعد مولیٰ نے اس کو فروخت کیا تو مشتری کو اختیار ہوگا کہ اس کو احرام سے باہر کرا دے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر زید کا غلام ماذون سالم نام اور عمرو کا غلام افلح نام ہو اور ہر ایک نے دوسرے کو اس کے مولیٰ سے خرید کیا پس اگر یہ معلوم ہو جائے کہ پہلے مثلاً سالم نے افلح کو عمرو سے خریدا ہے اور اس پر قرضہ نہیں ہے پھر افلح نے سالم کو زید سے خریدا ہے تو سالم کا افلح کو خریدنا جائز ہوگا اور افلح اپنے خریدار سالم کے مولیٰ کی ملک ہو جائے گا اور مجور ہو جائے گا پھر افلح کا سالم کو خریدنا باطل ہوگا اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ اوّل کون سی بیع واقع ہوئی ہے تو دونوں بیع رد ہو جائیں گی گویا کہ دونوں ایک بارگی واقع ہوئی ہیں پس معاً واقع ہونے میں جس طرح دونوں رد ہوتی ہیں ایسے ہی نہ معلوم ہونے کی صورت میں بھی رد ہوں گی اور اگر دونوں ماذون قرض دار ہوں تو اوّل کی بیع بھی ناجائز ہوگی لیکن اگر اس کے قرض خواہ اجازت دے دیں تو جائز ہو جائے گی یہ مبسوط میں ہے۔

منتقی میں لکھا ہے کہ معلیؒ نے امام ابو یوسفؒ سے روایت کی ہے کہ اگر ماذون نے کسی کو اپنا قرض ادا کرنے یا قرض وصول کرنے کے واسطے وکیل کیا پھر مولیٰ نے اس کو مجور کر دیا پھر وکیل نے قرضہ ادا کیا یا وصول کیا اور اس کو ماذون کے مجور ہونے کی خبر نہیں ہے تو جائز ہے اور معلیؒ نے کہا کہ میں نے امام محمدؒ سے سنا ہے کہ وہ یوں فرماتے تھے کہ وکیل کا یہ تصرف جائز ہے خواہ اس کو ماذون کے مجور ہونے کا علم ہو یا نہ ہو اور کہتے تھے کہ یہ امام ابو یوسف کا قول ہے اور بھی منتقی میں ہے کہ اگر غلام مجور نے ایک کپڑا خریدا اور مولیٰ کو معلوم نہیں ہے یہاں تک کہ اس نے غلام کو فروخت کیا پھر اس خریداری کی اجازت دے دی تو خرید جائز نہ ہوگی اور اگر غلام نے ایک کپڑا کسی شخص کے ہاتھ فروخت کیا اور مولیٰ کو معلوم نہیں ہے یہاں تک کہ اس نے غلام کو فروخت کیا پھر بیع کی اجازت دی تو جائز ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر زید کے غلام ماذون کا عمرو پر ہزار درہم قرضہ ہو پھر زید نے عمرو کو وہ غلام ہبہ کر کے قبضہ کرا دیا تو ہبہ جائز اور زید کا عمرو پر ہزار درہم قرضہ بحالہ رہے گا اگر ماذون پر پانچ سو درہم کا قرضہ ہو اور اس کی قیمت ایک ہزار درہم ہو پھر اس نے ایک شخص کی طرف سے دوسرے کے واسطے ہزار درہم کی کفالت مولیٰ کی اجازت سے قبول کر لی پھر اس نے ایک ہزار درہم قرضہ کر لیے پھر اس نے دوسرے شخص کی طرف سے ہزار درہم کی کفالت قبول کی پھر وہ غلام ہزار درہم کو فروخت کیا گیا تو ہم کہتے ہیں کہ پہلی کفالت میں سے نصف باطل

---

[1] کرا دے یعنی احرام کے مخالف افعال سے بالقصد کیونکہ طواف کعبہ کے بعد سر منڈانے سے خود حلال ہو جاتا ہے باندی کو مولیٰ خود وطی سے حلال کر سکتا ہے اگرچہ مکروہ ہے۔

ہوگی اور باقی نصف کے واسطے مکفول لہ اس کے ثمن میں شریک قرار دیا جائے گا اور دوسری کفالت باطل ہوگی پس پہلا قرض خواہ پانچ سو درہم کے حساب سے اس کے ثمن میں شریک ہوگا پس غلام کا ثمن ہزار درہم ان لوگوں میں چار حصہ ہوکر تقسیم ہوگا اور ہر پانچ سو درہم ایک سہم قرار دیا جائے گا پس اس حساب سے دو سو پچاس درہم پہلے قرض خواہ کے اور اس قدر پہلے مکفول لہ کے اور پانچ سو درہم دوسرے قرض خواہ کے حصہ میں آئیں گے اور دیے جائیں گے یہ مبسوط میں ہے۔

منتقی کے باب الحجر میں مذکورہ ایک مسئلہ ☆

اگر ماذون نے کہا کہ میں تیرے ہاتھ یہ گھر اس شرط سے فروخت کرتا ہوں کہ ہزار گز سے رقبہ کم ہے اور مشتری نے اس کو کم یا ہزار گز یا زیادہ پایا تو بیع جائز ہے اور اگر کہا کہ اس شرط سے کہ ہزار گز سے زیادہ ہے پس اس کو ہزار گز سے تھوڑا بہت زیادہ پایا تو بیع لازم ہوگی اور اگر اس کو ہزار گز یا کم پایا تو مشتری کو خیار ہوگا چاہے اس کو پورے ثمن میں خرید لے یا ترک کر دے پس اگر اس نے لینا اختیار کیا تو اس پر پورا ثمن لازم ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر غلام نے کسی شخص کو کوئی چیز ودیعت دی تو مولیٰ کو ودیعت لے لینے کا اختیار نہ ہوگا خواہ غلام ماذون ہو یا مجور ہو اور اگر مودع نے ودیعت اس کے مولیٰ کو دے دی پس اگر غلام پر قرضہ نہ ہو تو جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر ایک شخص سے ایک کپڑا دس درہم کو اس شرط سے کہ دس گز ہے خریدا اور اس کو آٹھ گز پایا پس بائع نے کہا کہ میں نے اس شرط سے کہ آٹھ گز ہے فروخت کیا ہے تو قسم سے قول بائع کا قبول ہوگا اور مشتری پر واجب ہوگا کہ اپنی شرط کے دعویٰ پر گواہ لادے جیسا کہ اس صورت میں کہ ایک غلام اس شرط سے خرید کیا کہ یہ کاتب یا خباز[1] ہے حکم ہے یعنی بائع کا قول قبول اور مشتری پر گواہ لانا واجب ہوتے ہیں اور اگر مشتری نے کہا کہ میں نے دس درہم کو اس شرط سے خریدا ہے کہ دس گز ہے ہر گز ایک درہم کو اور پھر میں نے اس کو آٹھ گز پایا ہے اور بائع نے کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ اس شرط سے دس درہم کو فروخت کیا ہے کہ آٹھ گز ہے اور میں نے فی گز ایک درہم کی شرط نہیں لگائی تو دونوں باہم قسم کھا کر بیع واپس کر دیں گے یہ مبسوط میں ہے۔ منتقی کے باب الحجر میں لکھا ہے کہ اگر مولیٰ نے ماذون کو مجور کیا اور اس پر میعادی قرضہ ہے تو قرضہ میعادی رہے گا۔ کذا فی المغنی۔

منتقی میں ہے کہ ایک ماذون کو اس کے مولیٰ نے مجور کیا اور اس کے قرض داروں کو منع کیا کہ اس کو قرضہ کچھ نہ دیں تو فرمایا کہ اگر اس کے قرض داروں نے اس کو قرضہ دے دیا تو بری ہو جائیں گے اسی طرح اگر مولیٰ نے اس غلام کو فروخت کر دیا اور قرض داروں نے بعد فروخت کے اس کو دیا تو بھی بری ہو جائیں گے یہ ذخیرہ میں ہے۔ زید نے اپنے ماذون مقروض کو عمرو کے پاس رہن کیا اور وہ مرتہن کے پاس بھاگ گیا تو قرض خواہوں کو عمرو سے ضمان لینے کا اختیار ہوگا یہ قنیہ میں ہے۔ غلام مرہون کو اس کے مولیٰ نے خرید فروخت کی اجازت دی اس نے خرید فروخت کی اور اس پر قرضہ ہو گیا تو فرمایا کہ رہن بحالہ باقی رہے گا لیکن قرض خواہوں کو غلام پر جب تک رہن ہے کوئی راہ نہ ہوگی یہ مغنی میں ہے۔ غلام ماذون نے اگر کوئی لقیط اٹھایا اور یہ امر صرف اسی قول سے ثابت ہوتا ہے اور مولیٰ نے کہا کہ تو جھوٹا ہے یہ تو میرا غلام ہے تو قول ماذون کا قبول ہوگا پھر اس کے بعد باعتبار اصل کے اس لقیط کی آزادی ثابت ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر ماذون نے ایک باندی ہزار درہم کو اس شرط سے خریدی کہ اگر میں تین روز تک ثمن ادا کروں تو ہم دونوں میں بیع نہیں ہے تو یہ جائز ہے بمنزلہ تین روز تک خیار شرط کے قرار دیا جائے گا جو کہ مرد آزاد سے جائز ہے۔ اسی طرح اگر اس کو خرید کر ثمن ادا کر کے قبضہ کر لیا اس شرط سے کہ اگر بائع نے تین روز میں مشتری کو ثمن واپس کیا تو دونوں میں بیع نہیں ہے تو یہ بھی موافق شرط ... ہے اور یہ بمنزلہ بائع کے واسطے شرط خیار ہونے کے قرار دیا جائے گا اور اگر اس شرط سے خرید کی کہ اگر میں نے تین روز ... ادا نہ کیا تو ہم دونوں میں بیع نہیں ہے پس اس پر قبضہ کر کے فروخت کر دی تو بیع نافذ ہو جائے گی پھر اگر تین روز ...

[1] خباز: باورچی یعنی روٹی پکانے والا۔

نے ثمن ادا نہ کیا تو بائع کو اس باندی کے لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی لیکن مشتری ثمن کے واسطے دامنگیر ہوگا۔ اسی طرح اگر مشتری نے اس کو قتل کیا یا اس کے پاس مرگئی یا کسی اجنبی نے اس کو قتل کر کے اس کی قیمت تین روز کے درمیان تاوان ادا کی تو بھی یہی حکم ہے۔

اگر مشتری نے اس سے تین روز کے درمیان وطی کی خواہ وہ باکرہ تھی یا ثیبہ تھی یا اس پر کوئی جنایت کی یا بدون کسی شخص کے فعل کے اس میں کوئی عیب پیدا ہو گیا پھر ثمن ادا کرنے سے پہلے تین روز گذر گئے تو بائع کو خیار ہوگا کہ چاہے اس کو لے لے مگر اور کچھ اس کو نہ ملے گا یا مشتری کے سپرد کرے اور اگر وطی کرنے والا یا جنایت کرنے والا کوئی اجنبی ہو اور عقر یا ارش واجب ہوا تو بائع کو باندی لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی اور اگر تین روز گزرنے کے بعد کسی اجنبی کے فعل سے اس میں کوئی عیب پیدا ہو گیا تو بائع کو اختیار ہوگا چاہے باندی کو لے کر اجنبی سے بموجب حکم اس کے فعل کے خواہ وطی ہو یا جنایت ہو مواخذہ کر کے عقر یا ارش وصول کرے یا مشتری کو بعوض ثمن کے سپرد کرے پس اگر اس نے مشتری کے سپرد کر دی تو مشتری اجنبی کا دامنگیر ہو کر عقر یا ارش وصول کرنے کا مختار ہوگا اور یہ خیار بائع کو اس وقت حاصل ہوگا کہ وہ باندی باکرہ ہو کہ جس سے اجنبی کے وطی کرنے سے اس کی مالیت میں نقصان آ گیا ہو اور اگر ثیبہ ہو کہ اس سے وطی کرنے سے نقصان نہ آیا ہو تو بائع اس کو لے کر اجنبی سے اس کا عقر وصول کرے گا اور اس کو باندی ترک کرنے کا کچھ اختیار نہ ہوگا۔ اگر خود مشتری نے تین روز گزرنے کے بعد باندی کا ہاتھ کاٹ ڈالا یا باکرہ تھی اور اس سے اقتصاص کیا تو بائع کو خیار ہوگا چاہے ثمن کے عوض وہ باندی مشتری کے سپرد کرے یا ہاتھ کاٹنے کی صورت میں نصف ثمن مع باندی کے واپس لے اور در صورت اقتصاص کے اس کے عقر پر لحاظ نہ کیا جائے گا بلکہ دیکھا جائے گا کہ وطی سے اس کی قیمت میں کس قدر نقصان آیا ہے پس اس قدر[1] حصہ اس کے ثمن میں سے مشتری پر واجب ہوگا اور یہ امام اعظمؒ کا قول ہے اور صاحبین کے نزدیک اس کے عقر اور نقصان قیمت دونوں میں سے دیکھا جائے گا کہ کون زیادہ ہے اس کے حساب سے مشتری پر اس کے ثمن میں سے حصہ واجب ہوگا۔

اگر وطی سے باندی میں کچھ نقصان نہ آیا ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک بائع اس باندی کو لے لے گا اور مشتری پر کچھ واجب نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک ثمن اس کی قیمت اور اس کے عقر[2] پر تقسیم کیا جائے گا پس بائع وہ باندی مع حصہ عقر کے اس کے ثمن سے مشتری سے واپس لے گا اور اگر تین روز کے اندر اس کے بچہ پیدا ہوا پھر تین روز گزر گئے اور وہ دونوں زندہ موجود ہیں اور مشتری نے ہنوز نہیں ادا کیا ہے تو باندی مع بچہ کے ثمن کے عوض مشتری کو ملے گی اور بائع کو کچھ اختیار نہ ہوگا اور اگر بعد تین روز گزرنے کے بچہ پیدا ہوا اور ولادت سے باندی میں نقصان آیا تو بائع کو خیار حاصل ہوگا اور اگر بعد تین روز گزرنے کے مرگئی اور بچہ نہیں پیدا ہوا تو مشتری پر ثمن واجب ہوگا۔ اگر تین روز گزرنے کے بعد اس کے بچہ ہوا پھر وہ مرگئی اور بچہ باقی رہا تو بائع کو خیار ہوگا چاہے اس کا بچہ مشتری کو دے کر اس سے سب ثمن وصول کرلے یا بچہ مع اس کی ماں کے حصہ ثمن کے مشتری سے واپس کرلے یہ مبسوط میں ہے۔ ایک غلام مجور نے زید کو قرضہ دیا پھر اس کے مولیٰ نے زید کو منع کر دیا کہ مال قرضہ اس کو نہ دینا پھر زید نے اسی کو دیا پس اگر بعینہٖ وہی درہم دے دیے جو اس سے لیے تھے تو قرض دار بری ہو جائے گا اور اگر دوسرے درہم دیے تو بری نہ ہوگا اور یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے امام اعظمؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں بری نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر کوئی باندی کسی عرض معین کے عوض اس شرط سے خریدی کہ اگر میں یہ عرض تین روز میں نہ دے دوں تو میرے اور بائع کے درمیان بیع نہیں ہے تو بمنزلہ شرط خیار کے یہ جائز ہے پس اگر مشتری کے پاس باندی میں عیب آ گیا یا اس نے باندی کی آنکھ پھوڑ دی یا اس سے وطی کی اور وہ باکرہ یا ثیبہ تھی یا کسی اجنبی نے ایسا فعل کیا پھر وہ عرض معین دینے سے پہلے تین روز گزر گئے تو یہ صورت اور درہموں سے خریدنے کی صورت جو ہم نے بیان کی ہے دونوں یکساں ہیں اور اگر مشتری نے بائع کو مال مشروط نہ دیا اور تین روز گزر

[1] قولہ اس قدر مثلاً نصف قیمت کا نقصان آیا تو نصف ثمن واجب ہوگا۔ [2] جرمانہ وطی بطور مہر المثل۔

گئے پھر مشتری کے پاس وہ باندی مرگئی یا مشتری نے اس کو قتل کیا تو بائع کی قیمت مشتری پر واجب ہوگی مگر ثمن کسی راہ سے نہیں لے سکتا ہے۔

اگر باندی کی آنکھ جاتی رہی یا مشتری نے پھوڑ دی تو بائع باندی کو مع نصف قیمت واپس لے گا اور ثمن لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی۔ اگر کسی اجنبی نے اس کی آنکھ پھوڑ دی یا قتل کیا تو بائع کو خیار ہوگا چاہے قتل کی صورت میں مشتری کے مال سے فی الحال اس کی قیمت لے لے یا قاتل کی مددگار برادری سے تین سال میں وصول کرے۔ پس اگر مشتری سے لے لے تو وہ قاتل کی مددگار برادری سے وصول کر لے گا اور آنکھ پھوڑنے کی صورت میں باندی کو واپس لے گا۔ ان صورتوں میں سے کسی صورت میں بائع کو ثمن لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔ ایک ماذون پر پانچ سو درہم قرضہ ہے اور مولیٰ نے ماذون اس کے قرض خواہ کے ہاتھ ہزار درہم کو بیچا تو بیع جائز ہے اور وہ پانچ سو درہم اپنے قرضہ کے نکال کر باقی پانچ سو درہم مولیٰ کو دے دے گا پس اس مقام پر قرض خواہ کے قرضہ ساقط ہونے کا حکم نہ کیا حتیٰ کہ کہا کہ پانچ سو درہم اپنے قرضہ کے نکالے گا حالانکہ وہ ماذون کا مالک ہوگیا ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر ماذون نے یا آزاد مرد نے ہزار درہم کو ایک باندی فروخت کی اور باہمی قبضہ ہوگیا اس شرط سے کہ اگر تین روز میں بائع نے مشتری کو دام واپس کیے تو دونوں میں بیع نہیں ہے پھر مشتری نے تین روز کے اندر باندی سے وطی کی یا آنکھ پھوڑ دی پھر اگر بائع نے تین روز میں مشتری کو ثمن واپس دیا تو اپنی باندی لے سکتا ہے اور وطی میں عقر اور آنکھ پھوڑنے میں نصف قیمت لے سکتا ہے۔ اگر تین روز پورے ہوگئے اور ہنوز ثمن واپس نہ کیا تو بیع تمام ہو جائے گی اور مشتری پر ارش[1] یا عقر کچھ واجب نہ ہوگا۔ اگر کسی اجنبی نے ایسا کیا پھر بائع نے تین روز میں ثمن واپس دیا تو اپنی باندی واپس لے سکتا ہے اور اس کے ساتھ آنکھ پھوڑنے کی صورت میں نصف قیمت خواہ مشتری سے پھر مشتری اس اجنبی سے لے لے گا یا آنکھ پھوڑنے والے سے واپس لے سکتا ہے اور وطی کی صورت میں اگر باکرہ ہو تو یہی حکم ہے اور اگر ثیبہ ہو کہ جس کو وطی سے کچھ نقصان نہیں پہنچا تو باندی واپس لے گا اور اجنبی وطی کنندہ سے اس کا عقر لے گا اور مشتری سے لینے کی کوئی راہ نہیں ہے اور اگر بائع نے تین روز میں ثمن واپس نہ کیا تو بیع پوری ہوگئی اور مشتری وطی کنندہ یا آنکھ پھوڑنے والے سے عقر یا ارش لے لے گا اور اگر خود بائع نے اس سے وطی کی یا آنکھ پھوڑی تو بیع ٹوٹ گئی خواہ اس کے بعد ثمن واپس کرے یا نہ کرے اور اپنی باندی لے لے گا اور اگر تین روز بعد بائع نے ایسا کیا اور ثمن واپس نہیں کیا ہے تو مشتری کا اس پر عقر یا ارش واجب ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔

جامع میں ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنے غلام کو جس نے جنایت کی ہے تجارت کی اجازت دی اور اس پر قرضہ ہوگیا یا رہن یا اجرت پر دیا تو یہ نہ ہوگا کہ اس فعل سے مولیٰ اس کا فدیہ[2] دینا اختیار کرنے والا قرار دیا جائے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر ماذون نے زید کے ہاتھ ایک باندی فروخت کی اور زید نے باندی کے سامنے اس پر قبضہ کیا اور اس باندی کا حال معلوم نہ ہوا پھر عمرو نے دعویٰ کیا کہ یہ میری بیٹی ہے اور اس کے دعویٰ کی مشتری اور غلام نے تصدیق کی تو وہ باندی عمرو کی بیٹی قرار پا کر اس کو دے دی جائے گی اور ان دونوں میں بیع نہ ٹوٹے گی[3]۔ اگر ماذون نے اس کو بکر سے خرید کر قبضہ کیا ہو اور بائع نے ایسا اقرار کر دیا تو سب بیوع ٹوٹ جائے گی اور باہم ثمن واپس کر لیں گے اور اگر ماذون نے اس کو بکر سے باندی کے حضور میں خرید کر باندی پر قبضہ کیا ہو اور وہ ساکت رہی کچھ منکر نہ ہوئی پھر عمرو کے ہاتھ فروخت کیا اور ثمن وصول کر لیا پھر زید نے دعویٰ کیا کہ یہ میری بیٹی ہے اور ماذون اور باندی اور مشتری نے اس کے قول کی تصدیق کی

---

[1] ارش جرمانہ عقر وطی شبہ کا عوض۔ [2] فدیہ یعنی مولیٰ پر جرم مذکور میں غلام دینا یا اس کا فدیہ دینا لازم ہے جو چاہے اختیار کرے پھر تجارت کی اجازت وغیرہ سے وہ فدیہ کا اختیار کرنے والا نہیں ٹھہرے گا۔ [3] کیونکہ اقرار مذکور ملک مولیٰ میں صحیح نہ ہوا اور نفس اقرار سے مشتری کو بیٹی پڑی مگر ان کے اقرار کا اثر مولیٰ پر نہ ہوگا۔

مگر بکر نے انکار کیا تو باندی بسبب اقرار مشتری کے آزاد اور زید کی بیٹی قرار پائے گی، مگر جو بیع ماذون اور عمرو کے درمیان تھی وہ منتقض نہ ہوگی (لان اقرار العبد باطل) اس طرح اگر عمرو نے دعویٰ کیا کہ بکر نے ماذون کے ہاتھ فروخت کرنے سے پہلے اس کو آزاد یا مدبرہ کر دیا تھا اس سے بچہ جنی تھی اور ماذون نے جس نے عمرو کے ہاتھ بیچی ہے اس کی تصدیق کی تو عمرو کا اقرار صحیح ہوگا مگر ماذون کا اقرار باطل ہوگا پس اگر باندی کی حریت کا اقرار کیا ہو تو وہ باندی آزاد ہو جائے گی مگر اس کی ولاء موقوف رہے گی اور اگر اس کے مدبرہ یا ام ولد ہونے کا اقرار کیا تو عمرو پر متوقف ہوگی پھر اگر بائع اوّل مر گیا تو آزاد ہو جائے گی اور عمرو اپنا ثمن ماذون سے تاوقتیکہ آزاد نہ ہو واپس نہیں لے سکتا ہے ہاں بروقت آزاد ہو جانے کے واپس لے گا اور یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب ماذون اس سب اقرار مشتری سے منکر ہو لیکن فرق یہ ہے کہ اس صورت میں ماذون کے آزاد ہو جانے کے بعد بھی اپنا ثمن اس سے واپس نہیں لے سکتا ہے اور اگر مشتری یعنی عمرو نے یوں دعویٰ کیا کہ بکر نے ماذون کے ہاتھ بیچنے سے پہلے اس کو مکاتب کیا تھا اور ماذون نے تصدیق کی یا تکذیب کی اور باندی نے بھی یہی دعویٰ کیا تو وہ باندی مشتری یعنی عمرو کی مملوکہ رہے گی چاہے اس کو فروخت کرے۔ کذا فی المبسوط۔

کتاب الغصب

اس میں چودہ ابواب ہیں

باب اوّل:

غصب کی تفسیر و شروط و حکم، ملحقات یعنی مثلیات وغیرہ کے بیان میں

شرح میں کسی شخص کے مال متقوم[1] محترم کو بلا اجازت اس کے مالک کے اس طرح لے لینا کہ اگر اس کے ہاتھ میں ہوتو اس کے ہاتھ سے زائل ہو جائے اور اگر ہاتھ میں نہ ہوتو اس چیز تک اس کا ہاتھ نہ پہنچ سکے غصب کہتے ہیں یہ محیط میں ہے۔ اگر کسی شخص اور اس کی ملک کے درمیان کوئی شخص حائل ہو جائے تو وہ شخص ضامن نہ ہوگا کیونکہ یہ غصب نہیں ہے اور اگر کسی نے مالک کو اس کے مال کی حفاظت سے روک دیا یہاں تک کہ وہ مال تلف ہو گیا تو ضامن نہ ہوگا یہ ینابیع میں ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک غصب کی شرط یہ ہے کہ جو چیز لے لی وہ مال منقول ہو اور یہی آخر قول امام ابو یوسف کا ہے پس اگر کسی شخص نے مال غیر منقول یعنی عقار لے لیا تو ان دونوں اماموں کے نزدیک ضمان واجب نہ ہوگی یہ نہایہ میں ہے حکم غصب کا یہ ہے کہ اگر جان بوجھ کر ایسا کیا تو گنہگار ہوا اور تاوان دے اور بدون علم ایسا کیا تو مثلاً جو چیز لے لی اس کو اس گمان سے لیا کہ یہ میرا مال ہے یا کوئی مال خریدا پھر معلوم ہوا کہ سوائے بائع کے اس کا کوئی شخص غیر مستحق ہے تو اس صورت میں واجب ہے کہ تاوان دے اور گنہگار نہ ہوگا۔ غاصب پر واجب ہے کہ مالک کو اس کا مال بعینہٖ اگر موجود ہو تو واپس کرے اور اگر اس کے واپس کرنے سے عاجز ہو مثلاً اس کے پاس اس کے فعل سے تلف ہو گیا یا بدون اس کے فعل کے تلف ہو گیا پس اگر وہ مال مثلی ہو تو اس کا مثل واپس دے جیسے کیلی و وزنی چیزیں اور اگر مثل اس وجہ سے نہ واپس کر سکے کہ وہ چیز ان دنوں بازار میں نہیں ملتی ہے تو امام اعظمؒ کے نزدیک جس روز نالش ہوئی ہے اس دن کے حساب سے اس کی قیمت دے دے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غصب کے روز کی قیمت اور امام محمدؒ کے نزدیک جس دن سے بازار سے منقطع ہوئی اس دن کی قیمت واپس دے کذا فی الکافی۔

اگر ایسی چیز غصب کی جس کا مثل نہیں ہوتا ہے تو بالاجماع جس روز غصب کی ہے اس روز کی قیمت دینی واجب ہے یہ سراج الوہاج میں ہے اور منقطع ہو جانے میں یہی اعتبار ہے کہ بازار میں وہ چیز نہ ملتی ہو اگرچہ لوگوں کے پاس گھروں میں موجود ہو کذا فی التبیین اور اکثر مشائخ نے امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ دیا اور برہان الائمہ صدر الکبیر برہان الدین اور صدر شہید حسام الدین نے بھی اسی قول پر فتویٰ دیا ہے اور ہمارے بعض مشائخ نے امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے یہ کفایہ کی آخر کتاب الصرف میں لکھا ہے اور صدر الاسلام ابو الیسر نے شرح کتاب الغصب میں لکھا ہے کہ ہر کیلی چیز یا وزنی چیز مثلی نہیں ہوتی ہے بلکہ کیلی و وزنی چیزوں میں فقط وہی مثلی ہوتی ہیں جو باہم متقارب ہوں اور جو متفاوت ہوں (جیسے تر بوز اور بکریاں) وہ مثلی نہیں ہیں اور صاحب المحیط نے شرح جامع صغیر میں لکھا ہے کہ کیل و وزن و عدد کے اعتبار سے تمام عددیات متفاوتہ سب مثلی ہیں اور متقاربہ سب ذوات القیم ہیں یعنی ان کی قیمت دینا چاہیے۔ جس چیز کے احاد میں باعتبار قیمت کے تفاوت ہو وہ عددی متفاوت ہے جیسے بکریاں اور جس کے احاد میں تفاوت قیمت نہ ہو ہاں اس کے انواع میں تفاوت ہو جیسے

[1] متقوم یعنی نہ مانند مردار وغیرہ کے محترم جس پر دوسرے کی دست اندازی حرام ہے۔

بادنجان تو مثلی متقارب ہے پس اس پر قیاس کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیاز ولہسن دونوں مثلی ہیں اور اگر انڈے ایک جنس کے ہوں تو اس میں بڑا و چھوٹا یکساں حکم میں ہے۔ اور شیخ الاسلام علی اسبیجابی نے شرح الصحیح میں لکھا ہے کہ نحاس وصفر دونوں مثلی ہیں اور کشمس واخروٹ سب مثلی ہیں کیونکہ یہ عددی متقارب ہیں یہ فصول عمادیہ میں ہے۔ انگور ایک جنس ہے اگر چہ اس کے انواع و اسماء مختلف ہیں اور یہی حکم زبیب (خشک انگور) کا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

سیر کبیر میں مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کا جبن تلف کیا تو اس پر قیمت واجب ہوگی پس باوجود اس کے کہ جبن موزونات میں سے ہے اس کو مثلی نہیں قرار دیا کیونکہ اس میں فی نفسہ کھلا ہوا تفاوت ہوتا ہے اگر چہ بیع سلم میں جواز کے واسطے اس کو مثلی اعتبار کیا ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ شحم مثلی ہے اور لحم یعنی گوشت مثلی ہے اور تراب یعنی مٹی ذوات القیم ہے اور سوت مثلی ہے اور جو چیز سوت سے تیار ہوتی ہے وہ بھی مثلی ہے یہ قنیہ میں ہے۔ فتاویٰ میں ہے کہ سرکہ اور عصیر (شیرہ انگور) دونوں مثلی ہیں اسی طرح آٹا اور چوکر اور گچ اور چونا اور روئی اور اس کا سوت اور صوف اور اس کا سوت اور سب طرح کا تبن (بھوسہ) اور کتان وابریشم ورصاص وحدید شبیہ وحنا ووسمہ اور جس قدر خشک ریاحین ہیں سب مثلی ہیں اور برف مثلی ہے اور فتاویٰ رشید الدین میں دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ برف قیمی ہے اور فوائد صاحب الحیلہ میں ہے کہ امام اعظمؒ وامام ابو یوسفؒ کے نزدیک پانی ذوات القیم میں سے ہے اور کاغذ مثلی ہے اور انار وسیب وکھیرا وککڑی و خربوزہ سب کے احاد متفاوت ہوتے ہیں پس سب ذوات القیم ہیں اور صابون وسکنجبین وگلقند ذوات القیم میں سے ہیں اور فتاویٰ رشید الدین میں لکھا ہے کہ ہر دو وزنی چیزیں جو باہم اسی طرح مخلوط کی جائیں کہ ان میں تمیز نہ ہو سکے تو مثلی نہ رہے گی اور ذوات القیم میں سے ہو جائے گی اور یہ حکم اس واسطے ہے کہ مثلاً ایک صابون میں روغن کم اور دوسرے میں زیادہ ہوتا ہو ایک سکنجبین میں سرکہ زیادہ اور دوسری میں سرکہ کم ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر دونوں صابون مثلاً ایک ہی روغن سے بنائے گئے ہوں تو مثلی رہیں گے اور جس قدر صابون تلف کیا ہے اسی قدر یعنی اس کے مثل ضمان دے گا اور گوبر ذوات القیم میں سے ہے اور ہیزم (ایندھن) اور درختوں کے پتے سب قیمتی ہیں اور بساط وحصیر و بوریہ واس کے امثال سب ذوات القیم ہیں اور اُدم وحرم وجلود سب مثل کپڑے کے ذوات القیم ہیں اور سوئی ذوات القیم میں سے ہوتی ہے اور ریاحین تازہ بقول (ساگ) وقصب وحسب یعنی لکڑیاں ذوات القیم ہیں اور دودھ مثلی ہے اور جغرات (دہی) ذوات القیم میں سے ہونا چاہیے کیونکہ اس میں باعتبار پختگی وترشی کے تفاوت ہوتا ہے فتاویٰ قاضی ظہیر الدین کی بیوع میں لکھا ہے کہ اگر گوشت پختہ ہو تو بالاجماع بعدی تلف کرنے سے باعتبار قیمت کے اس کی ضمان واجب ہوتی ہے اور اگر خام ہو تو بھی یہی حکم ہے اور یہی صحیح ہے کذا فی الفصول العمادیہ اور گوشت وچربی وچکنی ذوات القیم ہیں کذا فی القنیہ اور اگر گیہوں جو کے ساتھ مخلوط کر دیے تو قیمت واجب ہوگی کیونکہ اس کا مثل نہیں ہے کذا فی الہدایہ قال المترجم اور ہندوستان میں گیہوں اور جو مخلوط جو گوجئی کے نام سے معروف ہے میرے نزدیک اس کا مثل نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

فتاویٰ قاضی خان کی اوّل کتاب المبیوع میں ہے کہ ظاہر الروایہ کے موافق روئی ذوات القیم میں سے ہے کذا فی الفصول العمادیہ۔ قال رضی اللہ عنہ کرم پیلہ یعنی ابریشم کے ساتھ اگر خوب دھوپ دیا گیا تو مثلی ہے اور اگر خوب نہ سوکھا ہو تو قیمتی ہے یہ قنیہ میں ہے اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ روئین ذات القیم میں سے ہے اور قاضی خان نے فرمایا کہ مثلی ہے یہ فصول عمادیہ میں ہے۔ خشت خام وپختہ کے مثلی ہونے میں امام اعظمؒ سے دو روایتیں ہیں کذا فی القنیہ اور واضح ہو کہ مغصوب مال ضرور ہے کہ یا تو غیر منقول ہوگا جیسے دار وارض وکرم یعنی باغ انگور وطاحونہ وغیرہ یا منقول ہوگا اور منقول میں ضرور ہے کہ یا تو مثلی ہوگا جیسے کیلی چیزیں اور وزنی چیزیں کہ جن کی تبعیض یعنی ٹکڑے کرنے میں ضرر نہیں ہے یعنی غیر مصوغ ہوں اور عددی متقارب جیسے اخروٹ اور فلوس وغیرہ عددیات جن کے آحاد

متفاوت نہیں ہیں یا غیر مثلی ہوگا جیسے حیوانات وذرعیات یعنی گزوں سے ناپنے کی چیزیں اور عددیات غیر متقارب یعنی عددی متفاوت جیسے خربوزہ وانار وغیرہ اور وزنی چیزیں جن کے ٹکڑے کرنے میں ضرر ہے مصوغ پس اگر مال مغصوب غیر منقول ہو جیسے دار وعقار وحانوت وغیرہ اور وہ آسمانی کسی آفت سے منہدم ہوگیا یا پانی کی بہیا آئی اور عمارت و درخت وغیرہ بہالے گئی یا کسی زمین پر سیل چڑھ گئی جس سے زمین ناقص ہوگئی اور پانی کے نیچے برباد ہوگئی تو قول امام اعظمؒ و آخر قول امام ابو یوسفؒ کے موافق غاصب پر ضمان واجب نہ ہوگی کذافی شرح الطحاوی اور یہی صحیح ہے کذافی جواہر الاخلاطی اور اگر یہ چیزیں کسی شخص کے فعل سے حادث ہوئی ہوں تو اس تلف کرنے والے پر ضمان واجب ہوگی یہ امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کا قول ہے پس اس میں اختلاف ہے اور اگر یہ چیزیں خود غاصب کے فعل اور اس کی سکونت سے حادث ہوئی ہوں تو بالا جماع اسی پر ضمان واجب ہوگی اور زاد میں لکھا ہے کہ صحیح قول امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کا ہے یہ مضمرات میں ہے۔

اگر غاصب کی سکونت وزراعت سے کچھ نقصان آیا تو مثل مال منقول کے بالا جماع بقدر نقصان کے ضامن ہوگا اور نقصان کی تفسیر میں اختلاف ہے شیخ نصیر بن یحییٰؒ نے فرمایا کہ نقصان یوں دریافت کیا جائے کہ یہ زمین قبل استعمال کے کتنے پر اجارہ ہوتی تھی اور بعد استعمال کے کتنے پر اجارہ ہوئی ہے پس جس قدر تفاوت ہو وہی نقصان ہے اس کا ضامن ہوگا کذافی التبیین اور یہی الیق[1] ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ کبریٰ میں ہے۔ پھر غاصب پیداوار زراعت میں سے بقدر اپنے راس المال یعنی بیج اور ضمان نقصان وخرچہ وزراعت کے لے کر باقی کو امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صدقہ کر دے گا پس اگر اس نے ایک زمین غصب کی اور اس میں دو گز گیہوں بوئے اور آٹھ گز پیدا ہوئے اور بقدر ایک گز کے اس پر خرچہ پڑا اور اس نے ایک گز ضمان نقصان دیا تو آٹھ گز میں سے چار گز لے کر باقی صدقہ کر دے گا یہ تبیین میں ہے۔ ایک شخص دوسرے کے بچھونے پر سویا دوسرے کے فرش پر بیٹھا تو غاصب نہ ہوگا کیونکہ امام اعظمؒ کے نزدیک مال منقول کا غصب بدون نقل وتحویل کے متحقق نہیں ہوتا ہے پس جب تک اپنے فعل سے اس کو تلف نہ کرے تب تک ضامن نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ زید کے غلام کو عمرو نے اپنے کام میں لگایا تو یہ غصب ہے حتیٰ کہ اگر اس فعل سے مر گیا تو عمرو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا خواہ یہ جانتا ہو کہ یہ شخص غیر کا غلام ہے یا نہ جانتا ہو مثلاً غلام نے اگر کہا کہ میں آزاد ہوں مجھے مزدور کر لے اور عمرو نے مزدور کر لیا اور یہ حکم اس وقت ہے کہ اپنے کاموں میں سے کسی کام میں لگایا ہو اور اگر اپنے کسی کام میں نہ لگایا ہو تو غاصب نہ ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر زید نے عمرو کے غلام سے کہا کہ تو اس درخت پر چڑھ کر اس میں سے کشمش جھاڑ تا کہ تو کھائے اور وہ درخت سے گر کر مر گیا تو زید ضامن نہ ہوگا اور اگر کہا کہ میرے کھانے کے واسطے جھاڑ اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو ضامن ہوگا کذافی المحیط وہکذافی فتاویٰ قاضی خان اور اگر نابالغ سے کہا کہ یہ دیوار توڑ دے اس نے ایسا ہی کیا اور اس کام میں مر گیا تو ضامن نہ ہوگا اور اگر کہا ہو کہ میرے واسطے اس دیوار کو توڑ دے تو بالا جماع ضامن ہوگا اور اگر لڑکے سے کہا کہ اس درخت پر چڑھ کر میرے واسطے پھل توڑ دے وہ چڑھ گیا اور وہاں اس نے ایک پھل کھایا جو اس کے حلق میں اٹک رہا اور وہ مر گیا تو حکم دہندہ ضامن نہ ہوگا کیونکہ فعل نابالغ اس کے قول کا معارض ہوگیا یہ اس اسولہ واجوبہ محمد بن محمود بن الحسن الاشتروشنی میں ہے۔ اگر کسی چوپایہ کی نکیل تھام کر لے چلایا ہانکا یا سوار ہوا اور اس پر کچھ لادا اور یہ سب مالک کی بلا اجازت کیا تو ضامن ہوگا خواہ وہ چوپایہ اس خدمت سے مرا ہو یا دوسری طرح مرا ہو یہ ینابیع وفصول عمادیہ میں ہے۔

باب دوم:

غاصب یا غیر کے فعل سے مال مغصوب متغیر ہو جانے کے بیان میں

اگر عین مغصوبہ بفعل غاصب متغیر ہوگئی حتیٰ کہ اس نے اس کا نام اور پوری منفعت بدل دی تو اس سے مغصوب منہ کی ملک

[1] الیق زیادہ لائق ومناسب ہے۔

جاتی رہے گی اور غاصب اس کا مالک ہوگا اور اس کا ضامن ہوگا مگر اس سے انتفاع حلال نہیں ہے تاوقتیکہ اس کا بدلہ بضمان ادا نہ کرے یہ ہدایہ میں ہے اور اگر مال مغصوب غاصب کے ہاتھ میں ناقص ہو گیا تو غاصب بقدر نقصان ضامن ہوگا پس مال کو مع نقصان مغصوب منہ کو واپس دے گا لیکن اگر نقصان سوائے غاصب کے دوسرے کے فعل سے پیدا ہو گیا ہو تو مغصوب منہ کو اختیار ہوگا چاہے غاصب سے نقصان لے اور غاصب اس کو غیر سے واپس لے گا یا غیر سے ضمان لے اور غیر اس کو غاصب سے واپس نہیں لے سکتا ہے اور اگر مغصوب چیز غاصب کے پاس بڑھ گئی تو مغصوب منہ کو اختیار ہوگا کہ مع زیادتی واپس کر لے یہ خلاصہ میں ہے۔ اگر کوئی کپڑا غاصب کا ہوگا یا اپنا کپڑا لے کر غاصب کو اس قدر درہم دے دے جس قدر رنگ سے زیادتی ہوئی ہے یا اس کے کپڑے کو فروخت کر دے پس اس کے ثمن میں مالک اس کی قیمت میں سپید ہونے کے حساب شریک ہوگا اور جس قدر رنگ سے زیادتی ہوئی اس کے حساب سے غاصب شریک ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔

اگر ایک شخص کا کپڑا دوسرے شخص کے رنگ میں گر پڑا پس اگر رنگ گیا تو مالک کو اختیار ہوگا کہ اس کو اس کے رنگ کے دام دے دے یا کپڑا فروخت کرے اس کے ثمن میں دونوں بقدر اپنے اپنے حق کے شریک ہو جائیں گے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر غاصب نے غصب کیے ہوئے کپڑے کو سیاہ رنگا تو امام اعظمؒ نے فرمایا کہ سیاہ رنگ کے کپڑے کے حق میں نقصان ہوتا ہے پس مالک کو اختیار ہوگا چاہے غاصب کے پاس چھوڑ کر اس سے اپنے سپید کپڑے کی قیمت تاوان لے یا کپڑا لے کر اس سے نقصان لے لے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ سیاہ رنگ بھی زیادتی ہے پس اس کا حکم وہی ہے جو عصفر میں حکم ہے کذا فی شرح الطحاوی اور صحیح یہ ہے کہ باہم کچھ اختلاف درحقیقت نہیں [1] ہے اس واسطے کہ امام اعظمؒ کا فتویٰ ایسے وقت میں ہوا جس وقت کہ سیاہ رنگ نقصان قرار دیا جاتا تھا یا عیب شمار کیا جاتا تھا اور صاحبینؒ کا فتویٰ ایسے وقت میں ہوا کہ جب سیاہ رنگ زیادتی شمار کیا جاتا تھا پس رنگ میں عرف و عادت کی رعایت رکھنی واجب ہوگی یہ مضمرات میں ہے اور اگر کپڑا اس قسم کا ہو کہ جس میں رنگ سے نقصان ہوتا ہو مثلاً تیس درہم قیمت ہو اور رنگ کے بعد بیس درہم رہ جائے تو امام محمدؒ سے روایت ہے کہ ایسے کپڑے کی طرف لحاظ کیا جائے جس میں سے رنگ سے زیادتی قیمت ہو جاتی ہے پس اگر پانچ درہم مثلاً زیادہ ہوتے ہوں تو مالک اپنا کپڑا اور پانچ درہم لے لے گا یہ تبیین میں ہے۔ اگر کپڑے کے مالک نے عصفر غصب کر کے اس سے اپنا کپڑا رنگا تو عصفر کے مثل تاوان دے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ زید نے عمرو سے کپڑا غصب کیا اور بکر سے عصفر غصب کیا اور اس سے وہ کپڑا رنگا پھر دونوں نے حاضر ہو کر دعویٰ کیا تو عصفر والا وہ کپڑا لے لے گا یہاں تک کہ اس کو اس کے عصفر کے مثل ادا کرے اور اگر مثل نہ ملتا ہو تو قیمت ادا کرے اور اس صورت میں بالاجماع سیاہ رنگ کا حکم مثل اور رنگوں کے ہے اور اگر زید نے عمرو سے کپڑا اور بکر سے رنگ غصب کیا پھر اس پر قدرت حاصل نہ ہوئی تو استحساناً یہ حکم ہے کہ اگر کپڑے کے مالک نے کپڑا لیا تو رنگ کے مالک کو بقدر اس کے رنگ کی زیادتی کے ضمان دے گا یا اس کو اختیار ہوگا کہ کپڑے کو فروخت کرے پس اس کے ثمن میں مالک بحساب سپید کپڑے کی قیمت کے اور مالک رنگ بحساب قیمت رنگ کے شریک کیے جائیں گے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر کپڑا اور عصفر ایک ہی شخص کا غصب کیا اور رنگا تو مالک کو اختیار ہوگا کہ رنگا ہوا کپڑا لے لے اور غاصب ضمان سے بری ہو گیا یا اس سے سپید کپڑے کی قیمت لے لے اور اپنے عصفر کے مثل عصفر لے لے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر عصفر زید کا اور کپڑا عمرو کا ہو اور دونوں راضی ہوئے کہ رنگا ہوا کپڑا لے لیں تو دونوں کو یہ اختیار حاصل نہ ہوگا مگر کپڑے

---

[1] نہیں ہے اقول یوں ہی توفیق دی گئی لیکن صواب یہ کہ اجتہاد میں اختلاف ہے اور مذہب یہ کہ اس میں عرف و عادت کا اعتبار ہے۔

کے مالک کو یہ اختیار ہوگا کہ اپنا کپڑا رنگا ہوا لے کر رنگ والے کو جس قدر رنگ سے زیادتی ہوگئی ہے تاوان دے پھر عصفر والا غاصب کا دامنگیر ہو کر اپنے عصفر کے مثل لے لےگا یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اگر عمرو کا کپڑا زید کے پاس رہن ہو اور عمرو نے عصفر سے اس کو رنگ دیا تو وہ رہن سے نکل گیا اور عمرو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر کپڑا اور عصفر دونوں رہن ہوں تو مرتہن کو اختیار ہوگا کہ کہ اس سے کپڑے کی قیمت کی ضمان اور عصفر کے مثل عصفر لے لے یا رنگے ہوئے کپڑے پر راضی ہو جائے پس وہ رنگا ہوا اس کے پاس رہن رہے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر کپڑے کے مالک نے عصفر غصب کر کے اس سے کپڑا رنگ کر فروخت کیا تو عصفر کے مالک کا مشتری پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر اپنے ذاتی عصفر سے ایک کپڑا غصب کر کے رنگا اور اس کو فروخت کر کے غائب ہو گیا اور مالک ثوب نے حاضر ہو کر نالش کی تو اس کے نام کپڑے کی مشتری پر ڈگری ہو جائے گی مگر اس سے عصفر کے مالک کے واسطے کفیل لے لیا جائے گا اور بائع و مشتری کے درمیان بیع ٹوٹ جائے گی یہ سراج الوہاج میں ہے۔ کپڑے پر نشاستہ و سریش سے کندی کرنا مثل رنگنے کے ہے اور پاک چیز سے اس پر نقش کرنا مثل رنگنے کے ہے مگر نجس سے چھاپنا تنقیص ہے یعنی ناقص کرنا ہے یہ قنیہ میں ہے اور اگر کپڑا غصب کر کے اس کو بل دیا یا دھویا تو مالک کو اختیار ہوگا کہ اس کو لے لے اور غاصب کو کچھ نہ ملے گا کیونکہ کپڑے کے چناؤ میں کوئی شے زیادہ نہیں ہو جاتی ہے بلکہ چناؤ میں صرف اس کی صفت اجزاء کا تغیر ہوتا ہے اور غسل دینے میں اس کا میل صاف ہو جاتا ہے اور صابون یا اشنان جس سے میل چھانٹتا ہے وہ کچھ کپڑے میں نہیں رہ جاتا ہے بلکہ وہ تو پانی کے ساتھ دھل جاتا ہے اور واضح ہو کہ چناؤ سے مراد یہ ہے کہ بغیر حریر کے ہو جیسے اس کے کونے بل دے کر ایک دوسرے کے ساتھ چن دے اور اگر حریر کے ساتھ اس کا چناؤ کیا ہو تو زیادتی ہوگی جیسے رنگ سے زیادتی ہوتی ہے یہ سراج الوہاج میں ہے۔

اگر کسی شخص نے ستو غصب کر کے مسکہ میں لت کر دیے تو مالک کو اختیار ہوگا چاہے یہ ستو غاصب کے پاس چھوڑ کر اس کے مثل غاصب سے تاوان لے یا انہی کو لے کر جس قدر مسکہ سے زیادتی ہوئی ہے اس کو تاوان دے دے اور اصل میں فرمایا کہ ستو کی قیمت کا ضامن ہوگا اس واسطے کہ ستوؤں میں باعتبار بھوسی کے تفاوت ہوتا ہے پس مثلی نہ رہے اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ قیمت سے امام محمدؒ کی مراد مثل ہے اسی کو قیمت کہا ہے مثل کے قائم مقام قیمت ہوتی ہے کذا فی الہدایہ اور شہد و مسکہ دونوں اصل ہیں جبکہ دونوں مخلوط ہوں۔ اگر تیل کے ساتھ مشک مخلوط ہو جائے پس اگر تیل کی قیمت بڑھ جائے اور اچھا ہو جائے تو مشک بمنزلہ رنگ کے کپڑے کے حق میں ہوگا اور اگر تیل سے اچھا نہ ہوا اور قیمت نہ بڑھی مثلاً تیل بدبودار تیلوں میں سے ہے تو مشک کا تلف کر دینا قرار دیا جائے گا یہ فتاویٰ کرخی میں ہے۔

اگر زید نے عمرو کا کپڑا غصب کر کے قطع کرایا مگر ہنوز نہیں سلایا تو دیکھا جائے گا کہ اگر قطع کرنے سے کھلا ہوا عیب نہیں پیدا ہو گیا تو مالک کو یہ اختیار ہوگا کہ اس سے کپڑا لے کر بقدر نقصان قطع کے ضمان لے اور یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ کپڑا اسی کے ذمہ ڈالے اور اگر قطع سے ایسا عیب فاحش پیدا ہو گیا کہ بمنزلہ اُس کے تلف کے ہے تو مالک کو اختیار ہوگا کہ چاہے اُس سے کپڑا لے کر بقدر نقصان کے ضمان لے یا کپڑا اُسی کے پاس چھوڑ دے اور اپنے صحیح سالم کپڑے کی قیمت لے لے اور اگر غاصب نے قطع کر کے سلایا تو مالک کا حق اس سے منقطع ہو گیا پس غصب کے وقت کی قیمت اُس سے ضمان لے گا یہ شرح طحاوی میں ہے۔ اگر کسی شخص نے دوسرے کا کپڑا پھاڑ دیا اور بہت پھٹ گیا تو مالک کو اختیار ہوگا چاہے اس سے کپڑے کی پوری قیمت تاوان لے اور وہ کپڑا غاصب کا ہو جائے گا کیوں کہ وہ کپڑا ایک وجہ سے گویا تلف ہو گیا کیونکہ جن کاموں کے لائق پہلے تھا اُن کے لائق اب نہ رہا کپڑا لے کر اُس سے نقصان کی ضمان لے ایک وجہ سے وہ عیب دار ہو گیا ہے اسی لیے درحقیقت تو وہ کپڑا باقی موجود ہے اور ایسے ہی بعض منافع بھی اُس سے حاصل ہو سکتے ہیں اور اگر تھوڑا پھٹا ہو تو غاصب بقدر نقصان کے ضامن ہوگا اور مالک اپنا کپڑا واپس لے گا اس لیے کہ وہ کپڑا ہر وجہ سے قائم موجود ہے اب رہا کہ بہت پھٹا ہوا

اور تھوڑا اچٹا ہوا کس کو کہتے ہیں پس صحیح یہ ہے کہ خرق فاحش اُس کو کہتے ہیں جس سے کسی قدر وہ شے عین اور جنس منفعت زائل ہو جائے اور بعض وہ شے اور بعض منفعت باقی رہ جائے اور خرق یسیر یعنی قلیل وہ ہے کہ جس سے کچھ منفعت زائل نہ ہو جائے فقط اُس میں کچھ نقصان آ جائے اور یہ تفسیر خرق کثیر کی ہم نے اس واسطے صحیح بیان کی کہ امام محمدؒ نے کتاب الاصل میں کپڑا قطع کرنے کو نقصان فاحش قرار دیا ہے حالانکہ بعض منفعت اُس سے زائل ہوتی ہے یہ کافی میں ہے۔

شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ جو حکم کپڑے کی خرق میں مذکور ہوا یعنی اگر خرق فاحش ہو تو مالک مختار ہے چاہے کپڑا لے کر نقصان لے لے یا بالکل قیمت لے لے اور اگر کپڑا دے دے اور اگر قلیل ہو تو کپڑا لے کر نقصان لے لے یہی حکم ہر مال عین میں ہے۔ مگر ہاں اموال ربویہ یعنی جن میں ربا جاری ہوتا ہے یہ حکم نہیں ہے کیوں کہ اموال ربویہ کے عیب دار کرنے میں خواہ خرق فاحش کثیر ہو یا قلیل ہو مالک کو یہ اختیار ہوگا کہ چاہے وہ مال معیب واپس کر لے اور غاصب سے کچھ نہ لے یا وہ مال اس کو دے کر اُس کے مثل یا اُس کی قیمت لے لے کیونکہ نقصان کی ضمان لینا ایسے مالوں میں اس وجہ سے متعذر ہے کہ ربو تک پہنچ جائے گا یہ نہایہ میں ہے اگر ایک کپڑا غصب کیا اور غاصب کے پاس متعفن ہو گیا یا زرد پڑ گیا تو مالک اُس کو مع ضمان نقصان واپس لے گا اور یہ اُس وقت ہے کہ نقصان یسیر ہو اور اگر نقصان کثیر ہو تو مختار ہوگا چاہے کپڑا اُسی کے پاس چھوڑ کر قیمت لے یا لیا اُس کے ساتھ نقصان لے اور اگر مال مغصوب کیلی یا وزنی چیز ہو مثلاً گندم ہو اور وہ غاصب کے پاس متعفن ہو گئے تو اُس پر اُس کے مثل واجب ہوں گے اور یہ فاسد گیہوں اُسی کے ہو جائیں گے یا مالک چاہے تو متعفن گیہوں لے لے اور غاصب پر کچھ واجب نہ ہوگا کذا فی المحیط قلت[1] لانہ لو اخذ ضمان النقصان لادی الربوا واللہ اعلم۔

اور اگر مال مغصوب باندی یا غلام ہو اور غاصب نے اُس کا ہاتھ یا پاؤں کاٹ ڈالا تو مالک کو اختیار ہوگا کہ چاہے مغصوب اس کو دے کر پوری قیمت غاصب سے ضمان لے یا اس مغصوب کو لے کر اُس کے ساتھ ضمان نقصان لے یہ ظہیریہ میں ہے۔

اگر کسی شخص نے زید کی بکری ذبح کر ڈالی تو زید کو اختیار ہے چاہے مذبوحہ اس کو دے کر اُس سے قیمت واپس لے یا بقدر نقصان مذبوحہ کے ساتھ ضمان لے اور یہی حکم اونٹ وغیرہ کا ہے اسی طرح اگر بکری یا اونٹ وغیرہ کا ہاتھ کاٹ ڈالا تو بھی یہی حکم ہے یہ ظاہر الروایہ کا حکم ہے اور اگر چوپایہ غیر ماکول اللحم ہو یعنی اُس کا گوشت حلال نہ ہو اور غاصب نے اُس کا ہاتھ یا پاؤں کاٹ ڈالا تو مالک کو یہ اختیار ہوگا کہ غاصب سے اُس کی پوری قیمت کی ضمان لے کیونکہ اس صورت میں ہر وجہ سے تلف کرنا ثابت ہوا بخلاف مملوک کے ہاتھ یا پاؤں کاٹنے کے کہ اس صورت میں اُس مملوک کو مع ارش بھی واپس لے سکتا ہے (اس وجہ سے کہ ہر وجہ سے استہلاک نہیں ہے) کیونکہ ہاتھ یا پاؤں کٹ جانے کے بعد بھی آدمی سے نفع حاصل ہو سکتا ہے کذا فی الہدایہ والکبریٰ نوادر میں ہے کہ اگر چوپایہ کا کان یا تھوڑا کاٹ ڈالا تو نقصان کا ضامن ہوگا پس چوپایہ کے کان کاٹنے کو نقصان خفیف قرار دیا ہے اسی طرح اگر چوپایہ کی دُم کاٹ ڈالی تو نقصان کا ضامن ہوگا اور شریحؒ سے منقول ہے کہ اگر قاضی کے خچر کی دم کاٹی تو پوری قیمت کا ضامن ہوگا یہ اور اگر دوسرے کے خچر کی دم کاٹی تو فقط نقصان کا ضامن ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے قلت[2] کانہ اراد التعزیر بضمان جمیع القیمۃ والا فلا وجہ لا ولعلہ تعریض اور اگر کسی نے خچر کا ہاتھ یا پاؤں کاٹ ڈالا پھر مالک نے اُس کو ذبح کیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک مالک کا کاٹنے والے پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں

---

[1] میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ نقصان تاوان لے تو یہ بیاج کے حکم میں ہوگا۔

[2] میں کہتا ہوں کہ شاید یہ حکم تعزیری ہے کہ پوری قیمت کا ضامن ہوگا ورنہ کوئی وجہ نہیں اور شاید تعریض ہو۔

ہے۔زید نے عمرو کے بیل کو اس قدر مارا کہ اُس کی پسلیاں ٹوٹ گئیں تو امام اعظمؒ کے نزدیک اُس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور صاحبین کے نزدیک نقصان کا ضامن ہوگا یہ قنیہ میں ہے۔اگر حمار کی دونوں آنکھیں پھوڑ ڈالیں تو امام اعظمؒ نے فرمایا کہ مالک کو اختیار ہے کہ آنکھیں پھوڑنے والے کو اُس کا جثہ دے دے اور پوری قیمت تاوان لے اور یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ اندھا گدھا رکھ لے اور اُس سے نقصان کی ضمان لے اور یہی جثۃ العمیاء کا مسئلہ ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔

بعد ذبح کیے جانے کے بکری کی کھال کھینچ کر اُس کا عضو الگ الگ کردیا تو مالک کو اختیار ہے چاہے مذبوحہ چھوڑ کر اُس سے قیمت کی ضمان لے یا مذبوحہ کو لے کر نقصان کی ضمان لے اور فقیہ ابوجعفر سے مروی ہے کہ اگر مالک نے مذبوحہ کو لے لیا تو ضمان نقصان نہیں لے سکتا ہے مگر فتویٰ ظاہر الروایۃ پر ہے یہ جواہر اخلاطی میں ہے اگر زید نے عمرو کا خچر ذبح کردیا تو عمرو کو ضمان نقصان لینے کا اختیار نہیں ہے ہاں پوری قیمت تاوان لینے کا اختیار ہے یہ امام اعظمؒ کا قول ہے اور امام محمدؒ کے قول پر کہ مالک کو اختیار ہے کہ مذبوحہ کو رکھ لے اور ضمان نقصان لے لے یا مذبوحہ کو دے کر پوری قیمت تاوان لے اور اگر زید نے اُس کو فقط قتل کر ڈالا ہو تو مالک کو ضمان[1] نقصان لینے کا اختیار نہ ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے۔ ہر ڈھالا ہوا برتن کہ اگر اس کو کسی شخص نے توڑ ڈالا پس اگر چاندی کا ہو تو اُس پر واجب ہوگا کہ اس برتن کی قیمت ڈھلے ہوئے کے حساب سے سونے سے ادا کرے یعنی دینار یا اشرفی وغیرہ سے ادا کرے اور اگر وہ ظرف سونے کا ہو تو اس کی قیمت ڈھلے ہوئے کے حساب سے چاندی سے ادا کرے یہ مبسوط میں ہے اگر کسی شخص نے زبردستی زید کا کنگن توڑ ڈالا اور کنگن چاندی کا تھا تو زید کو اختیار ہوگا چاہے ٹوٹا ہوا کنگن لے لے اور زیادہ کچھ نہیں لے سکتا ہے یا کنگن چھوڑ دے اور صحیح سالم ڈھلے ہوئے کی قیمت سونے سے لے لے اور اگر زید نے یہ چاہا کہ ٹوٹا ہوا کنگن لے کر ضمان نقصان لے تو ایسا نہیں ہوسکتا ہے اور جب توڑنے والے پر خلاف جنس سے قیمت ادا کرنے کی ڈگری قاضی نے کردی اور جانبین سے باہمی قبضہ ہونے سے پہلے دونوں جدا ہوگئے تو حکم قضا باطل نہ ہوگا کیونکہ قیمت قائم مقام عین مال کی ہوگئی (یعنی بیع صرف نہیں ہوئی تاکہ تقابض شرط ہوتا) پھر واضح ہو کہ سونا و چاندی دونوں ڈھالنے سے وزنی ہونے سے خارج نہیں ہوتے ہیں اور ان کے سوائے لوہا پیتل و تانبا وغیرہ ڈھالنے سے کبھی وزنی رہتے ہیں اور کبھی وزنی نہیں رہتے ہیں یعنی مثلاً عددی ہوجاتے ہیں پس اگر ان چیزوں سے بنی ہوئی کوئی چیز ہو اور وزنی ہونے سے خارج نہ ہوئی ہو مثلاً ایسی جگہ ہو جہاں یہ چیزیں ساختہ ہو کر وزن سے فروخت ہوتی ہیں عدد سے شمار نہیں ہوتی ہیں اور اُس کو کسی شخص نے توڑ ڈالا اور اُس میں خفیف یا کثیر نقصان پیدا ہوگیا تو اُس کا حکم سونے و چاندی کی ڈھلی ہوئی چیز کے مثل ہے یعنی مالک کو اختیار ہوگا چاہے شکستہ لے لے اور زیادہ کچھ نہیں لے سکتا ہے یا شکستہ اُس شخص توڑنے والے کو دے دے اور اُسکی قیمت میں درہم و دینار لے لے اور باہمی قبضہ ہونا بالاجماع شرط نہیں ہے اور اگر ڈھالنے سے وہ چیز وزنی نہ رہی بلکہ عددی ہوگئی پس اگر ٹوٹنے سے اُس میں کوئی عیب فاحش نہیں آیا تو اُس کے مالک کو چھوڑ دینے کا اختیار نہ ہوگا بلکہ اُس کے ساتھ قیمت کی راہ سے اُس میں جس قدر نقصان آگیا ہو اُس کی ضمان لے اور اگر ٹوٹنے سے اُس میں عیب فاحش پیدا ہوگیا ہو تو مالک کو اختیار ہوگا چاہے شکستہ کو لے کر اُس کے ساتھ نقصان کی ضمان لے یا شکستہ کو سپرد کر کے اُس کے ساتھ صحیح سالم کی قیمت کی ضمان لے یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے۔

اگر کسی شخص نے شکستہ تلوار تلف کردی تو اُس پر اُس کے مثل لوہا دینا لازم ہوگا یہ خزانۃ المفتیین میں ہے اگر درہم یا دینار توڑ ڈالا تو اُس کے مثل دینا واجب ہوگا اور ٹوٹا ہوا توڑنے والے کا ہوجائے گا اور شیخ الاسلام نے فرمایا کہ ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ یہ حکم اُس وقت ہے کہ ٹوٹنے سے اُس کے چلنے میں نقصان آگیا ہو اور اگر نقصان نہ آیا ہو تو مالک کو فقط ٹوٹا ہوا ملے گا اور یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ ہم نے

(۱) قیمت لے سکتا ہے اور بس۔

بیان کیا کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کی گردا روٹی توڑ ڈالی تو مالک کو فقط وہی ٹوٹی ہوئی روٹی ملے گی اور امام شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ درہم یا دینار توڑنے والے پر اُس کے مثل واجب ہوں گے اور مالک کو یہ بھی اختیار ہے کہ اُس کو لے لے اور زیادہ کچھ نہیں لے سکتا ہے خواہ ٹوٹنے سے اُس کی مالیت میں نقصان آ گیا ہو یا نہ آیا ہو اور اگر زید نے عمرو کی باندی غصب کی اور زید کے پاس رہی یہاں تک کہ بڑھیا ہوگئی تو عمرو کو یہ اختیار ہوگا کہ اُس کو مع نقصان کی ضمان کے لے لے اسی طرح اگر جوان غلام غصب کیا اور اس کے پاس رہا یہاں تک کہ بوڑھا ہوگیا تو مالک اُس کو مع ضمان نقصان لے لے گا اور یہ حکم اس وقت ہے کہ نقصان خفیف ہوا ہو اور اگر نقصان فاحش ہو تو مالک کو اختیار ہوگا چاہے مع ضمان نقصان لے یا چھوڑ دے اور قیمت لے لے اور یہی اکثر مشائخ کا قول ہے اور اگر لڑکا غصب کیا اور اُس کے پاس رہا یہاں تک کہ بالغ ہوگیا یا ڈاڑھی نکل آئی تو مالک اُس کو لے لے گا اور کچھ ضمان نہیں لے سکتا ہے اور اگر باندی جس کی کونچیں چھاتیوں کے اُبھار تھی غصب کی اور غاصب کے پاس اُس کی چھاتی یعنی پستان منکسر[1] ہوگئیں تو مع نقصان واپس لے گا اور اگر کوئی حرفہ جانتا ہوا غلام غصب کیا اور وہ غاصب کے پاس رہ کر یہ حرفہ بھول گیا تو غاصب بقدر نقصان ضامن ہوگا یہ محیط میں ہے۔

ایک شخص نے غلام خوش آواز غصب کیا اور اُس کے پاس اُس کی آواز متغیر ہوگئی تو مالک کو نقصان ملے گا اور اگر غلام گویا تھا اور غاصب کے پاس یہ فعل بھول گیا تو غاصب ضامن نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر زید نے عمر کے غلام کی زلفیں منڈوا دیں پھر جم آئیں لیکن جیسی تھیں ویسی نہ جمیں تو زید کچھ ضامن نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر زید نے عمرو کا سونا و چاندی غصب کر کے دینار و درہم یا برتن بنائے تو امام اعظمؒ کے نزدیک اُس کی ملک اُس سے زائل نہ ہوگی پس مالک اُس کو لے لے گا اور غاصب کو اُس میں سے کچھ نہ ملے گا اور نہ اُس کے کام کو عوض مالک کچھ دے گا اور امام ابو یوسف و امام محمدؒ نے فرمایا کہ مالک کو درہم و دینار مضروب لینے کی کوئی راہ نہیں ہے اور غاصب پر واجب ہوگا کہ اُس کے مثل ادا کرے اور بعد ادا کے مغصوب کا مالک ہو جائے گا اور شیخ خجندی نے فرمایا کہ اگر چاندی یا سونا غصب کر کے اُس کا زیور ڈھال کر بنایا تو مالک اُس کو واپس لے سکتا ہے اور غاصب کو اُس کی ڈھلوائی کچھ نہ دے گا لیکن اگر اُس چاندی و سونے کو اُس نے اپنے کسی مال میں اس طرح جڑ دیا کہ اُس کے اکھاڑنے میں مضرت ہے مثلاً اپنی مشک کا دہانہ بنایا یا چھت میں پتھر جڑ دیئے یا مثل اُس کے کوئی فعل کیا تو ایسے فعل سے مالک کا حق منقطع ہو جائے گا اور غاصب پر اُس کے مثل ضمان دینا واجب ہو گا اور وقت غصب کے حساب سے ضمان دے گا اور اگر اُس نے سونے چاندی کو فقط گلایا مگر ڈھال کر کوئی چیز یا درہم و دینار مضروب نہ کیے بلکہ فقط اُس کو مربع یا مدور یا مستطیل پتھر بنایا تو بالا جماع اُس سے مالک کا حق منقطع نہ ہوگا یہ سراج الوہاج میں ہے اور اگر درہم غصب کر کے اُس کو گلا کر کوئی چیز نہیں بنائی تو اُس سے مالک کا حق منقطع نہ ہوگا اس میں کچھ اختلاف نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔

اگر فلوس غصب کر کے برتن بنائے تو فلوس کا ضامن ہوگا کیونکہ اُس نے فلوس کو ثمن ہونے سے خارج کر دیا یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر پیتل غصب کر کے اُس سے کوزہ بنایا تو مالک کا حق منقطع ہو جائے گا اور شیخ کرخیؒ فرماتے تھے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ بعد ساخت کے وہ برتن وزن کر کے فروخت نہ ہوتا ہو اور اگر وزن سے فروخت ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک مثل چاندی کے اُس میں بھی حق مالک منقطع نہ ہونا چاہے اور شیخ شمس الائمہ سرخسی فرماتے تھے کہ صحیح یہ ہے کہ اس صورت میں بخلاف چاندی کے امام اعظمؒ کے نزدیک مطلقاً[2] حق مالک منقطع ہو جاتا ہے اور اگر پیتل کے مالک نے بعد ازاں کہ غاصب اُس کو اُس کے پیتل کی قیمت ادا کر چکا ہے یا قبل

[1] منکسر یعنی مضمحل ہو کر لٹک گئیں کڑی نہیں رہیں اور قولہ حرفہ یعنی ہنر مثلاً سینا لیکن گانا عیب ہے۔

[2] مطلقاً خواہ وزن سے فروخت ہو یا نہ ہو کچھ فرق نہیں۔

ازاں کہ اس پر چنتل کی قیمت کی ڈگری ہو وہ کوزہ توڑ ڈالا[1] تو فرمایا کہ مالک پر صحیح کوزہ کی قیمت کی ڈگری کی جائے گی توڑ شکستہ مالک کو دیا جائے گا اور شمس الائمہ نے فرمایا کہ دونوں میں باہم قیمت کا اولا بدلہ نہ ہو جائے گا بلکہ مالک پر کوزہ کی قیمت واجب ہو گی اور دو تاوان میں مقاصہ یعنی اولاً بدلہ نہیں ہوتا ہے اور کتاب میں فرمایا کہ لیکن اگر غصب اُس حق سے جو اُس پر ہے باہم مالک کے ساتھ حساب کرے اور ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس قول سے یہ مراد ہے کہ دونوں باہم صلح کریں تو ایسی صورت میں استبدال ہو جائے گا اور جائز ہو گا مگر بدون اس کے تو ناجائز ہے اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ تاویل یہ ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ غصب کیا ہوا چنتل ایسا چنتل ہو کہ اُس کا مثل موجود نہ ہوتا کہ اُس کی قیمت غاصب پر واجب ہو پس مقاصہ یعنی باہم بدلا ہو جائے گا یہ محیط میں ہے۔

اگر زید نے کوئی حیوان غصب کیا اور اُس کے پاس بڑا ہو گیا اور اُس کی قیمت زیادہ ہو گئی تو مالک کو اختیار ہو گا کہ اس کو لے لے اور غاصب کو کچھ نہیں ملے گا اسی طرح اگر زخمی یا مریض غصب کیا اور دوا کی یہاں تک کہ وہ اچھا ہو گیا تو بھی یہی حکم ہے اسی طرح اگر ایسی زمین جس میں زراعت موجود ہے یا نخل غصب کیا اور کھیتی کو سینچا یا نخل کو گوڑ کر اُس میں نر مادی لگائی اور اصلاح میں مستعد رہا تو بھی یہ سب مالک کو ملے گا اور غاصب کو اُس کا خرچ نہیں ملے گا اور اگر غاصب نے کھیتی کاٹ لی یا پھل جھاڑ لیے اور تلف کر دیے تو ضامن ہو گا یہ تاتارخانیہ میں ہے اور اگر خرما کے پتے غصب کر کے اُس سے زنبیل بنائی تو مالک کو اُس کے لینے کی کوئی راہ نہیں رہی اور اگر نخل کو غصب کر کے اُس سے چروا کر دھنیاں بنوائیں تو مالک کو اُس کے لینے کا اختیار ہے کیونکہ نام ابھی تک زائل نہیں ہوا صرف اُس کے اجزا متفرق ہو گئے ہیں پس ایسا ہو گیا کہ جیسے کپڑا غصب کر کے اُس کو قطع کرایا یہ سراج الوہاج میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کا مصحف غصب کر کے اُس میں نقطہ لگائے تو یہ زیادتی ہے اور مالک کو اختیار ہو گا چاہے مصحف لے کر غاصب کی زیادتی کرنے کا حق اُس کو دے دے اور چاہے غیر منقوط مصحف کی قیمت اُس سے ضمان لے اور یہ امام محمدؒ کا قول ہے اور معلی نے امام ابو یوسف سے روایت کی کہ مالک اُس کو بدون کچھ دیے ہوئے لے لے گا جیسا کہ اس صورت میں حکم ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کا غلام غصب کر کے اُس کو لکھنا سکھلایا اور اگر ایک شخص نے دوسرے کا کاغذ غصب کر کے اُس پر لکھا تو شیخ الاسلام نے ذکر کیا کہ مالک کا حق اُس سے منقطع ہو جائے گا اور قاضی رکن الاسلام علی سغدیؒ نے ذکر کیا کہ اس میں مشائخ کا اختلاف ہے مگر صحیح یہ ہے کہ مالک کا حق منقطع نہ ہو گا یہ محیط میں ہے اگر ایک شخص نے دوسرے کی کتان غصب کر کے اُس کو کاتا اور کپڑا بنوایا تو اُس پر اس کے مثل واجب ہو گا اور اگر مثل نہ پایا جائے تو قیمت واجب ہو گی اور مالک کو اُس کپڑے کے لینے کی کوئی راہ نہیں ہے یہ مبسوط میں ہے۔

اگر گیہوں کو غصب کر کے پیسا تو اُس کی صورت کیا ہو گی؟

زید نے عمر کی سوئی غصب کر کے اُس کو کات کر بنوایا یا سوت غصب کر کے اُس کو بنوایا تو مالک کا حق منقطع ہو جائے گا اور اگر روئی غصب کر کے اُس کو کاتا اور نہ بُنا تو اُس میں مشائخ کا اختلاف ہے مگر صحیح یہ ہے کہ مالک کا حق منقطع ہو جائے گا یہ ذخیرہ میں ہے اور اگر غصب کے گیہوں پیسے تو ہمارے نزدیک آٹا اُس کا ہو گا مگر اُس کے مثل گیہوں ضمان ادا کر دے یہ مبسوط میں ہے اگر غاصب نے آٹے کو گوندھ ڈالا تو مالک کا حق منقطع ہو جائے گا یہ قنیہ میں ہے۔ آٹا غصب کر کے روٹی پکائی یا گوشت کو بھون ڈالا یا تلوں کا تیل نکالا تو ہمارے اصحاب سے ظاہر الروایہ کے موافق مالک کا حق منقطع ہو جائے گا اسی طرح اگر ساکھو غصب کر کے اُس کے کواڑ بنائے یا لوہا غصب کر کے اُس کی تلوار بنائی تو بھی مالک کا حق منقطع ہو گا اور ساکھو اور لوہے کی قیمت ادا کرنے پر یہ چیزیں غاصب کی ہو جائیں گی یہ

---

[1] توڑ ڈالا یعنی مالک نے توڑا قبل از آنکہ غاصب پر تاوان کا حکم ہو یا بعد حکم کے اور قول استبدال باہم بدلا کر لینا مقاصہ ہر ایک کا جو کچھ دوسرے پر قصاص یعنی برابری کا سمجھوتہ کرے۔

محیط میں ہے اور اگر ساکھو یا لکڑی غصب کر کے اُس کو اپنی عمارت میں داخل کیا یا پختہ اینٹ غصب کر کے عمارت میں داخل کی یا گچ کو لے کر اُس سے عمارت بنائی تو ہمارے نزدیک ان سب صورتوں میں اُس پر قیمت واجب ہوگی اور مالک کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ غاصب کی عمارت توڑ دے اور یہی صحیح ہے یہ مبسوط میں ہے اور اگر میدان غصب کر کے اُس میں عمارت بنائی تو مالک کو حق منقطع نہ ہوگا اور اُس کو لینے کا اختیار ہوگا اور قاضی امام ابو علی نسفیؒ شیخ کرخی سے نقل کرتے تھے کہ انہوں نے اپنی بعض کتابوں میں یوں تفصیل کی ہے کہ اگر میدان کی قیمت قیمت عمارت سے کم ہو تو نہیں لے سکتا ہے اور زیادہ ہو تو لے سکتا ہے اور فرمایا کہ جو حکم کتاب میں مذکور ہے اُس سے یہی مراد ہے جو ہم نے بیان کی ہے اور زعم کیا ہے کہ یہی مذہب ہے اور ہمارے مشائخ نے فرمایا کی یہ قول ان اقوال سے قریب ہے جو چند مسائل میں امام محمدؒ سے محفوظ ہیں کہ اگر ایک شخص کے ہاتھ میں ایک موتی ہو اور وہ گر پڑا اور اُس کو کسی شخص کی مرغی نگل گئی تو مرغی اور موتی کی قیمت پر لحاظ کیا جائے گا پس اگر مرغی کی قیمت کم ہو تو موتی کے مالک کو اختیار ہوگا چاہے مرغی کو لے کر اُس کی قیمت اُس کے مالک کو دے دے یا چھوڑ کر اپنا موتی لے لے یعنی مرغی کا مالک موتی کی قیمت کا ضامن ہوگا اسی طرح اگر زید نے عمرو کے پاس اونٹ کا بچہ مثلاً ودیعت رکھا اور عمرو نے اپنے گھر میں پالا پھر وہ بچہ پورا اونٹ ہو گیا اور گھر سے اُس کا نکالنا بدون دیوار توڑے ممکن نہ ہو تو دیوار و اونٹ کی قیمت پر غور کیا جائے گا پس جس چیز کی قیمت زیادہ ہو اُس کے مالک کو خیار دیا جائے گا انتہی۔ پھر واضح ہو کہ امام محمدؒ نے اصل میں یہ ذکر نہ کیا کہ اگر غاصب نے چاہا کہ عمارت توڑ کر میدان یعنی جس میں عمارت بنائی تھی واپس کر دے پس آیا اُس کو یہ حلال ہے یا نہیں اور اس کی دو صورتیں ہیں اگر قاضی نے غاصب پر میدان کی قیمت کی ڈگری کر دی تو اُس کو عمارت توڑنا حلال نہیں ہے اور اگر توڑ ڈالی تو میدان واپس نہیں کر سکتا ہے اور اگر قاضی نے اُس پر ڈگری نہ کی ہو تو مشائخ نے اختلاف کیا ہے بعض نے کہا کہ عمارت توڑنا حلال ہے اور بعض نے کہا کہ نہیں حلال ہے یہ محیط میں ہے اور اگر بڑھئی نے لکڑی غصب کر کے غیر کی عمارت میں مالک کی بلا اجازت داخل کر دی تو بڑھئی اور صاحب عمارت کوئی اس کا مالک نہ ہو جائے گا یہ قنیہ میں ہے اگر تختہ غصب کر کے کشتی میں لگایا یا ابریشم غصب کر کے اپنا یا اپنے غلام کا پیٹ اُس سے ٹانکا تو مالک کا حق منقطع ہو جائے گا یہ وجیز کردری میں ہے۔

اگر زید نے عمرو کی زمین غصب کر کے اُس میں درخت لگائے یا عمارت بنائی تو اُس سے کہا جائے گا کہ درخت و عمارت دور کر کے مالک کو واپس دے اور اگر درخت وغیرہ اُکھاڑنے سے زمین ناقص ہو جاتی ہو تو عمرو کو اختیار ہوگا کہ اس کو عمارت شکستہ کی اور اُکھیڑے ہوئے درختوں کی قیمت دے دے اور عمارت و درخت کا خود مالک ہو جائے گا اور مراد یہ ہے کہ جس دن اُکھاڑنے کا حکم ہوا ہے اس دن کے حساب سے دے دے کیونکہ حق اُس کا اُسی دن ہے پس بدون درخت و عمارت کے زمین کی قیمت اندازہ کی جائے اور وہی زمین مع عمارت و درخت جن کے دور کرنے کا حکم دیا گیا ہے اندازہ کی جائے پس دونوں کے درمیان جو فرق ہو وہی عمارت شکستہ و درخت برکندہ کی قیمت قرار دی جائے گی پس اُسی قدر غاصب کو ضمان دے یہ کافی میں ہے۔ ایک شخص نے غصب کی زمین میں اُسی زمین کی مٹی سے چار دیواری بنائی تو فقیہ ابو بکر بلخیؒ نے فرمایا کہ وہ چار دیواری مالک زمین کی ہوگی بنانے والے کا کچھ استحقاق نہ ہوگا کیونکہ اگر اُس کے توڑ دینے کا حکم دیا جائے تو جیسی مٹی تھی ویسے ہی ہو جائے گی اور ایسا ہی شیخ ابو القاسم نے فرمایا ہے اور ان دونوں کے سوائے مشائخ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے باغ انگور میں اس کی بلا اجازت چار دیواری بنائی پس اگر مٹی کی کچھ قیمت نہ ہو تو چار دیواری باغ کے مالک کی ہوگی اور بنانے والا اس فعل میں احسان کرنے والا شمار ہوگا اور مٹی کی قیمت ہو تو چار دیواری بنانے والے کی ہو گی اور اُس پر مٹی کی قیمت واجب ہوگی کذا فی فتاویٰ قاضی خان والکبریٰ ایک شخص نے دوسرے سے زمین غصب کر کے اُس میں عمارت بنائی یا کھیتی بوئی پس مالک نے عمارت ڈھا دی یا کھیتی اُکھاڑ ڈالی تو ضامن نہ ہوگا بشرطیکہ غاصب کی لکڑی و اینٹیں وغیرہ نہ ٹوٹی ہوں یہ

حاوی میں ہے۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے کا عصا توڑ ڈالا تو نقصان کا ضامن ہوگا اور اگر بہت شکستہ کر دی کہ ایندھن یا میخ کے لائق ہو گیا عصا کا فائدہ اُس سے جاتا رہا تو مالک کو ضمان لینے کا اختیار حاصل ہوگا انتہی اور ترک لوگ جو دھنیاں وعوارض اور لکڑیاں غصب کرکے نہایت شکستہ کر ڈالتے ہیں تو اُن سے مالک کا حق منقطع نہیں ہوتا ہے اگر چہ اُن کی قیمت شکستگی کے سبب زیادہ ہو جائے یہ قنیہ میں ہے اور اگر کسی شخص نے ایک دار غصب کرکے اُس پر گچ کرائی تو مالک سے کہا جائے گا کہ اس میں بسبب گچ کے جو کچھ زیادتی ہوگئی ہے غاصب کو دے دے لیکن اگر مالک راضی ہو جائے کہ غاصب اسی میں سے کچھ حصہ لے لے تو ہو سکتا ہے اسی طرح اگر غاصب نے اُس پر رنگ کرایا تو مالک کو اختیار ہوگا چاہے مکان کو لے کر رنگ سے جس قدر زیادتی ہوگئی ہے غاصب کو دے دے اور اگر انکار کیا تو وہ دار غاصب کو بقیمت دلایا جائے گا اور قیمت مالک لے لے گا بشرطیکہ رنگ کرائی کا خرچہ کثیر ہو اور ہشام نے امام ابو یوسف سے روایت کی ہے کہ اگر مالک نے غاصب کو جس قدر رنگ سے زیادتی ہوئی ہے دینے سے انکار کیا تو میں اس کو رنگ دور کرنے کا حکم دوں گا اور اس دور کرنے اور رنگ جدا کرنے میں جو کچھ نقصان پہنچے گا اُس کی ضمان کی ڈگری کروں گا اسی طرح اگر دروازہ کے کواڑ غصب کرکے رنگ سے نقش کرائے تو اس میں بھی یہی حکم ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر دروازہ کے کواڑ پر بعد غصب کے رنگ سے نقش نہ کرائے بلکہ کھدوا کر نقش کرائے تو اس میں کواڑ کا تلف کرنا ہے پس غاصب پر اس کی قیمت واجب ہوگی اور کواڑ اُس کے ہو جائیں گے۔ اسی طرح اگر چاندی کے برتن پر کھدوائی[۲] کے نقش کرے تو بھی یہی حکم ہے یہ محیط میں ہے۔

ایک مسلمان نے دوسرے کی شراب غصب کر کے سرکہ بنائی تو مالک کو واپس لینے کا اختیار ہوگا یا نہیں؟

اگر غاصب سے کسی شخص نے دار مغصوب خریدا اور اُس کی عمارت منہدم کر کے اپنی عمارت میں داخل کر لی پھر مالک حاضر ہوا پس اگر اُس کی عمارت قلیل ہو کہ جس کے دہرانے میں مشکل نہ ہو تو دہرا کر مالک کو واپس دے اور اگر بہت ہو کہ جس کے دُہرانے میں مشکل پڑے اور اُس کے واسطے ایک زمانہ درکار ہو تو مالک کو اختیار ہے کہ چاہے نہ دُہرائے بلکہ چھوڑ دے اور مشتری سے زمین اور عمارت سابق کی ضمان لے اور فقیہ ابو جعفر نے فرمایا کہ یہ بالاتفاق ائمہ کا قول ہے اور البتہ ابو جعفر کے سوائے مشائخ نے فرمایا کہ یہ فقط امام محمدؒ کا قول ہے یہ تاتارخانیہ میں ذخیرہ سے منقول ہے۔ ایک مسلمان نے دوسرے کی شراب غصب کر کے سرکہ بنائی تو کتاب میں لکھا ہے کہ مالک اُس کو لے سکتا ہے اور مشائخ نے اختلاف کیا ہے بعض نے کہا کہ اس سے یہ مراد ہے کہ غاصب نے اُس کو ایسی چیز کے ساتھ سرکہ بنایا کہ جس کی کچھ قیمت نہیں ہے مثلاً سایہ سے دھوپ میں یا دھوپ سے سایہ میں رکھ دیا یا اُس میں بہت قلیل نمک یا سرکہ کہ جس کی قیمت کچھ نہیں ہے ڈالا اور اگر اُس میں نمک یا سرکہ اس قدر ڈالا کہ جس کی قیمت ہے تو امام اعظمؒ کے نزدیک سب سرکہ غاصب ہو جائے گا اور اُس پر کچھ واجب نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک اگر اُس میں نمک ڈالا ہے تو مالک اُس کو لے گا اور جو کچھ نمک سے اس میں زیادتی ہوئی ہے وہ غاصب کو دے دے گا اور اگر سرکہ ڈالا ہے تو تمام سرکہ دونوں میں ہر ایک کی ناپ کے موافق تقسیم ہوگا خواہ اُسی وقت سرکہ ہو کر

---

[۱] میں کہتا ہوں کہ یہ مراد نہیں ہے کہ اسی مسئلہ میں دیگر مشائخ سے روایت ہے اگر چہ بظاہر وہم ہوتا ہے اس لئے کہ اول میں جو مذکور ہے وہ ذیل کی روایت میں نہیں ہے کیونکہ اول میں غصب کی زمین سے مٹی تھی اور ذیل میں ایسا نہیں ہے تو فرق بعید ہو گیا لیکن مابعد میں قول بنانے والا اس فصل میں انتخ مشعر ہے کہ مٹی اسی باغ کی غصب سے تھی فتامل فیہ۔

[۲] کھدوائی سے یہ غرض ہے کہ اس میں زائد مال نہ لگایا جائے کیونکہ ابھرے نقوش میں مال زائد صرف ہوگا۔

تیار ہو جائے یا کچھ دیر بعد تیار ہو اور ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ اگر اُس نے شراب میں بہت سرکہ ڈال دیا یہاں تک کہ اُسی وقت وہ سب سرکہ ہوگئی تو سب غاصب کو ملے گی اور اگر تھوڑا سا سرکہ ڈالا کہ جس سے دیر بعد سرکہ ہوئی تو دونوں میں اپنی اپنی ناپ کے موافق تقسیم ہوگی یہ محیط میں ہے۔

اگر مسلمانوں کی شراب کسی ذمی نے غصب کر لی اور وہ اُس کے پاس سرکہ ہوگئی یا اُس نے[1] سرکہ بنائی تو مسلمان کو اُس کے واپس لینے کا اختیار ہوگا اور اگر سرکہ ہو جانے کے بعد ذمی کے پاس تلف ہوگئی تو اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی اور اگر خود ذمی غاصب نے تلف کر ڈالا تو مسلمان کو اُس کے مثل سرکہ تاوان دے گا یہ سراج الوہاج میں ہے اگر ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان سے شراب غصب کی پس آیا غاصب پر واجب ہے کہ اُس کو واپس دے حتیٰ کے اگر نہ دے گا تو قیامت میں ماخوذ ہوگا یا نہیں تو اگر جانتا ہے یعنی قطعاً جانتا ہے کہ یہ شخص سرکہ بنانے کے واسطے واپس لیتا ہے تو اُس پر واپس کرنا واجب ہے ورنہ قیامت میں ماخوذ ہوگا اور اگر قاضی کے پاس یہ مقدمہ پیش ہوا تو تامل کرے پس اگر قاضی کو یہ یقین معلوم ہوا کہ یہ شخص سرکہ بنانے کے واسطے واپس مانگتا ہے تو واپس کرنے کی ڈگری کرے اور اگر یہ معلوم ہوا کہ یہ شخص شراب خواری کے واسطے واپس مانگتا ہے تو غاصب کو حکم دے کہ وہ بہادے اور یہ مسئلہ ویسا ہی ہے کہ ایک شخص کے پاس دوسرے کی تلوار ہے اور مالک اُس سے لینے کو آیا پس اگر قابض نے یہ معلوم کیا کہ اس واسطے مانگتا ہے کہ کسی مسلمان کو قتل کرے جیسا کہ سابق میں اُس کی رائے تھی تو اُس کو نہ دے بلکہ اپنے پاس رکھے اور اگر قابض نے معلوم کیا کہ اس نے رائے سابق کو ترک کیا ہے اور اب اس واسطے مانگتا ہے کہ بطور مباح اُس سے فائدہ اُٹھائے تو اُس پر واپس کرنا واجب ہے۔ ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کی شراب غصب کر کے اُس کو پی لیا تو اُس پر دنیا میں کچھ دعویٰ اُس کا نہیں ہے مگر آخرت میں اگر وہ شراب سرکہ سازوں کی تھی اور اُس نے انگور یا عصیر سرکہ کے واسطے خریدے تھے تو گنہگار ہوگا اور اگر اُس نے انگور و عصیر واسطے شراب خواری کے لیے تھے تو آخرت میں بھی اُس کا غاصب پر کچھ حق نہ ہوگا فقط شراب خوار پر شراب خواری کا گناہ کبیرہ ہوگا یہ جواہر الفتاویٰ میں ہے۔ زید نے عمرہ کے گھر میں شراب پائی اس میں نمک ڈال دیا اور وہ سرکہ ہوگئی تو اُسی کی ہو جائے گی اگرچہ مٹکے کو اپنی جگہ سے منتقل نہ کیا ہو قال الشیخ رضی اللہ عنہ اس روایت سے ظاہر ہوا کہ فقط نمک ملا دینے سے سرکہ کا مالک ہو جاتا ہے کذا فی القنیہ۔ اگر عصیر کو غصب کیا اور وہ اُس کے پاس شراب ہو گیا تو مالک اُس سے عصیر کے مثل ضمان لے سکتا ہے اگر زمانہ عصیر باقی ہو یعنی اُس وقت عصیر مل سکتا ہو اور اگر بے وقت ہو تو اُس کی قیمت تاوان لے اور اگر اُس نے چاہا کہ شراب لے لے اور غاصب سے ضمان نہ لے تو اس میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے اور شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ اس کو یہ اختیار نہیں ہے قال المترجم و ھو الحق الا حق بالا تباع فافھم۔ اگر دودھ غصب کیا پس وہ خشک ہو گیا یا انگور غصب کیے اور وہ خشک ہو کر زبیب ہو گئے تو مالک کو اُس کے مثل ضمان لینے کا اختیار ہے اور اگر چاہے تو اُسی کو جو موجود ہے لے لے اور کچھ نقصان نہیں لے سکتا ہے اور یہی حکم تمام مثلیات میں ہے کذا فی التہذیب اور اگر اُس نے رطب غصب کیے اور وہ پک کر تمر ہو گئے تو مالک کو اختیار ہے چاہے ان کو بعینہٖ لے لے اور کچھ نہ ملے گا یا ان کے مثل ضمان لے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

اور اگر مردار کی کھال غصب کر کے اُس کو بے قیمت چیز سے مدبوغ کیا تو مالک اُس کو مفت لے لے گا اور اگر قیمت دار چیز سے مدبوغ کیا تو مالک اُس کو لے کر جو کچھ دباغت سے زیادتی ہوگئی ہے غاصب کو دے دے کذا فی المحیط اور زیادتی کی مقدار پہچاننے کا

---

[1] سرکہ کے واسطے یعنی سرکہ بنانے کے واسطے اور کچھ شک نہیں کہ اس سے بنانا جائز ہے لیکن عصیر جب گرمی پا کر شراب ہو گیا تو اب سوال یہ ہے کہ اس نجس سے عمداً سرکہ بنانا جائز ہے یا نہیں تو صاحبین و جمہور نے اس کو مکروہ جانا اور ایک روایت میں صاحبین و امام ابو حنیفہؒ سے بلا کراہت جواز ہے لیکن کہا گیا کہ جہاں پڑی ہو وہیں نمک ڈال دے تاکہ شراب اٹھانے والا نہ ہو اور بحث طویل ہے۔ قولہ مثلیات یعنی جن چیزوں کا مثل دیا جاتا ہے اور مدبوغ جو چمڑا دھوپ یا مصالحہ سے دباغت کیا گیا ہو۔

یہ طریقہ ہے کہ یوں دیکھا جائے کہ اگر یہ کھال ذبح کی ہوئی غیر مدبوغ ہوتی تو کتنے کو خریدی جاتی اور اب کتنے کی ہے پس جس قدر دونوں میں تفاوت[1] معلوم ہو وہی مقدار زیادتی کی اُسی قدر غاصب کو دے دے کذافی الذخیرہ اور امام قدوری نے اپنی کتاب میں لکھا کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ غاصب نے وہ مردار جس کی کھال نکالی ہے مالک کے مکان کے اندر سے لے کر اُس کی کھال کو مدبوغ کیا ہو اور اگر مالک[2] نے وہ مردار راہ میں پھینک دیا اور کسی شخص نے اُس کو اُٹھا کر اُس کی کھال بے قیمت چیز سے مدبوغ کی تو مالک کو اختیار نہ ہوگا کہ اُس کو لے لے اور غاصب کو یہ اختیار ہوگا کہ جب تک اُس کو کھال کی قیمت نہ پہنچ جائے تب تک کھال کو روک رکھے اور اگر مالک نے چاہا کہ وہ کھال غاصب کے پاس چھوڑ کر غاصب سے اُس کی قیمت کی ضمان لے تو اُس کو یہ اختیار نہ ہوگا لیکن اگر مغصوب کھال ذبح کیے ہوئے جانور کی ہو تو مالک کو اختیار ہوگا اور ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ مردار اور ذبح کیے ہوئے کی کھال میں یہ جو فرق بیان کیا گیا ہے اس طرف حاکم شہیدؒ گئے ہیں یعنی یہ فرق اُن کا مذہب ہے ورنہ ایسی[ل] صورت میں میں مردار اور ذبح کیے ہوئے کی کھال کا یکساں حکم ہے کذافی المحیط اور اگر غاصب کے پاس بدون کسی شخص کے فعل کے وہ کھال تلف ہوگئی تو غاصب پر ضمان واجب نہ ہوگی خواہ قیمت دار چیز سے اُس کو مدبوغ کیا ہو یا بے قیمت چیز سے مدبوغ کیا ہو کذافی الذخیرہ۔

اور اگر بعد دباغت کے غاصب نے اُس کو تلف کر دیا پس اگر اُس کو بے قیمت چیز سے مدبوغ کیا ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک اُس پر کچھ ضمان واجب نہ ہوگی کذافی شرح الطحاوی اور اگر غاصب نے اس کھال کو ادیم یا مشک یا دفتر یا جراب یا فردہ بنالیا تو مغصوب منہ کو اُس کے لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی پھر اگر ذبح کیے ہوئے جانور کی کھال ہو تو غصب کے روز کی قیمت مالک کو ضمان دے گا اور اگر مردار کی کھال ہوگی تو مالک کو کچھ نہ ملے گا یہ نہایہ میں ہے اور اگر غیر کی مٹی سے ایک کوزہ بنالیا تو بنانے والے کا ہوگا اور اگر مٹی کے مالک نے کہا کہ میں نے اس کو ایسا حکم دیا تھا تو مٹی کے مالک کو ملے گا اور اگر مٹی غصب کر کے اُس کی کچی اینٹیں بنوائیں یا برتن بنوائے پس اگر مٹی کی قیمت ہو تو اُس کا وہی حکم ہے جو گیہوں کو غصب کر کے پیس ڈالنے میں ہے اور اگر کچھ قیمت نہ ہو تو یہ چیزیں غاصب کی ہوں گی اور اُس پر کچھ ضمان واجب نہ ہوگی اور واضح ہو کہ جن صورتوں میں شئے مغصوب سے مغصوب منہ کا حق منقطع ہو جاتا ہے اُن صورتوں میں اگر غاصب کے قرض خواہ ہوں تو سب قرض خواہوں میں سے مغصوب منہ اُس شے مغصوب کا زیادہ حقدار قرار دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اپنا حق پورا کرے اور اگر یہ چیز ضائع ہوگئی تو غاصب کا مال گیا اور اس حکم بمنزلۂ رہن کے نہ ہوگا ایسا ہی منتقی میں مذکور ہے اور قدوری میں ہے کہ مغصوب منہ بھی اور قرض خواہوں کے مانند ثمن میں شریک ہوگا اور کسی شے کے ساتھ اُس کے بنسبت دوسروں کی زیادہ خصوصیت نہ ہوگی یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے ایک غلام غصب کیا اور اُس کی قیمت پانچ سو درہم ہے پس اُس کو خصی کر ڈالا پھر وہ اچھا ہوگا اور اُس کی قیمت ہزار درہم ہوگئی تو فرمایا کہ مالک کو اختیار ہے چاہے پانچ سو درہم خصی کرنے کے روز کی قیمت لے کر غلام غاصب کو دے دے یا غلام لے لے اور زیادہ اس کو نہ ملے گا اور نہ اُس پر کچھ واجب ہوگا یہ فتاویٰ قاضی میں ہے۔

زید نے کوفہ میں عمرو کے جانور غصب کیے اور خراسان میں اُس کو واپس دیئے پس اگر خراسان میں ان کی قیمت کوفہ کے برابر ہو تو عمرو کو حکم دیا جائے گا کہ ان کو لے لے اور اگر خراسان میں ان کی قیمت کوفہ کے بنسبت کم ہو تو عمرو کو خیار ہوگا چاہے جانوروں کو لے

ل ایسی صورت یعنی غصب میں اور فرق سے ظاہر ہوا کہ مردار کی کھال بدون دباغت کے بے قیمت ہے اور واضح ہو کہ فی زمانہ ہر قسم کی کھالیں مشرکین بہت قیمت سے لیتے ہیں تو اس صورت میں مفتی کو جواز کا قول لینا چاہیے اور علی ہذا اس کی خرید میں وکیل ہونا بھی جائز ہے فردہ پوستین جو پہنی جاتی ہے خادم ہر مملوک جو خدمت کرتا ہے خواہ غلام ہو یا لونڈی ہو خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔

(۱) موجودہ کے داموں اور اس میں۔ (۲) یعنی حالت زندگی میں جس کا جانور تھا۔

لے اُن کی کوفہ کی قیمت لے لے۔ اسی طرح خادم اور ہر چیز کا جس کی دوسری جگہ تک بار برداری وخرچہ ہو یہی حکم ہے اور فرمایا کہ ہر وزنی وکیلی چیز کا یہی حکم ہے یہ محیط میں ہے اور اگر درہم ودینار غصب کیے تو مالک اُن کو جہاں پائے گا لے گا اور مالک کو قیمت کے مطالبہ کا اختیار نہ ہوگا اگرچہ نرخ میں دونوں نقد مختلف ہوں اور اگر کسی مال عین کو غصب کیا پھر مالک سے دوسرے شہر میں ملا اور وہ مال بعینہ اُس کے پاس موجود ہے پس اگر اُس کی قیمت یہاں اُسی قدر ہو جس قدر مقام غصب میں تھی یا اُس سے زیادہ ہو تو مالک اُس مال کو لے سکتا ہے مگر اس کی قیمت کا مطالبہ نہیں کر سکتا ہے اور اگر مقام غصب سے یہاں اُس کی قیمت کم ہو تو مالک کو اختیار ہوگا چاہے مقام غصب کے حساب سے قیمت لے لے یا انتظار کرے اور اگر مال مغصوب مثلی ہو اور وہ تلف ہو گیا ہو پس اگر ان دونوں جگہ اس کی قیمت یکساں ہو یا مطالبہ کی جگہ زائد ہو تو غاصب قیمت مثل یا واپس دے گا اور اگر مطالبہ کی جگہ نرخ کم ہو تو مالک کو اختیار ہوگا چاہے اُس کے مثل یہاں لے لے یا مقام غصب کی قیمت لے لے یا انتظار کرے یہاں تک کہ غاصب اسی شہر میں واپس جائے پھر وہاں اُس سے اُس کے مثل لے لے اور اگر مطالبہ کی جگہ اُس کی قیمت زائد ہو تو غاصب کو اختیار ہوگا چاہے مقام مطالبہ میں اُس کے مثل مالک کو دے دے یا جہاں غصب کیا ہے اُس کے حساب سے قیمت دے دے لیکن اگر مغصوب منہ اس بات پر راضی ہو کہ میں تاخیر دیتا ہوں اور انتظار کرتا ہوں تو اُس کو اختیار ہے اور اگر دونوں جگہ قیمت یکساں ہو تو مالک اس سے مثل کا مطالبہ کر سکتا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر مالک نے غاصب کو مقام غصب میں پایا مگر مغصوب کا نرخ ارزاں ہو چکا ہے تو مالک اپنا مال مغصوب لے لے گا اور اُس کو یہ اختیار[1] نہ ہوگا کہ مال کو چھوڑ کر غاصب سے روز غصب کی قیمت کا مطالبہ کرے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ منتقی میں ہے کہ زید نے عمرو کے ایک کر گیہوں سو درہم قیمت کے غصب کیے پھر نرخ گراں ہو کر ایک سو پچاس درہم کی قیمت ہو گئی پھر نایاب ہو گئے اور بازار میں ملنا موقوف ہو گیا اور نرخ گراں ہو گیا اور مثل اُس کا دستیاب نہیں ہو سکتا ہے اور قیمت بڑھ کر دو سو درہم ہو گئی پھر غاصب نے اُن کو تلف کر دیا تو عمرو کو اختیار ہوگا کہ زید سے تلف کرنے کے روز کی قیمت دو سو درہم ضمان لے اور اگر زید نے عمرو کا ایک کر گیہوں دو سو درہم کا غصب کیا پھر نرخ گھٹ کر ڈیڑھ سو درہم قیمت رہ گئی پھر لوگوں کے ہاتھ سے منقطع ہو گئے پھر اُس کی قیمت ایک سو درہم رہ گئی پھر غاصب نے اُن کو تلف کر دیا تو عمرو کو اختیار ہوگا کہ اُس سے ڈیڑھ سو درہم قیمت کا مطالبہ کرے یعنی آخر وقت موجودگی تک جو قیمت تھی وہ ضمان لے اور اُس سے زیادہ ضمان نہیں لے سکتا ہے یہ ذخیرہ میں ہے اور مغصوبہ چیز کے زوائد[2] خواہ متصلہ ہوں یا منفصلہ از قسم اولاد وصوف وشیر وجمال وغیرہ کے مغصوبہ نہیں قرار دیے جاتے ہیں بلکہ غاصب کے پاس بطور امانت پیدا ہو کر رہتے ہیں اور اُس پر ضمان بھی واجب نہیں ہوتی ہے مگر اس صورت میں غاصب نے اُن کو تلف کر دیا یا مالک کو منع کیا حتیٰ کہ اگر مالک نے آ کر غاصب سے درخواست کی کہ زوائد واپس دے اور غاصب نے انکار کیا اور نہ دیے تو بالاجماع ضامن ہوگا اور اگر زوائد کو فروخت کر کے مشتری کے سپرد کیا تو زوائد منفصلہ کی صورت میں مالک کو خیار ہوگا چاہے روز فروخت وسپردگی کی قیمت غاصب سے تاوان لے یا مشتری سے اور اگر آدمی کے سوائے اور چیز کے زوائد متصلہ کو تلف کر دیا تو امام کے نزدیک ضامن نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک ضامن ہوگا اور یہی صحیح ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

---

[1] نہ ہوگا اس واسطے کہ اصل اس میں عین المال ہے اور جب وہ تلف ہو یا نہ پایا گیا ہو تو ناچاری سے قیمت یا مثل دلائی جاتی ہے تو یہ فقط بعد ضرورت تک ہوگا ۱۲

[2] زوائد جو چیزیں کہ مغصوب کے ذریعہ سے مغصوب کے ساتھ زائد ہو گئیں جیسے غصبی گائے یا بکری کے بچہ ہوا یا اون اتاری یا غلام یا بیل کی مزدوری ملی یا باندی موٹی ہو گئی یا بدن زائد ہو گیا ۱۲

اگر غاصب کے پاس مغصوب میں زیادتی ہوگئی تو مالک اس کو مع زیادتی کے واپس کر سکتا ہے اگرچہ زیادتی نرخ میں یا بدن میں ہو اور اگر نقصان آ گیا پھر غاصب کے پاس وہ شے تلف ہوگئی تو سب کے نزدیک روز غصب کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر وہ چیز قائم ہو تو مالک کو واپس دے گا پس اگر بدن میں نقصان آیا ہو تو بقدر نقصان ضامن ہوگا اور اگر نرخ میں نقصان ہوا تو نہیں اور اگر بعد نقصان آ جانے کے غاصب نے تلف کر دی تو وقت غصب کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر بعد زیادتی کے تلف کی مثلاً فروخت کر کے مشتری کو دے دی اور مشتری کے پاس تلف ہوگئی تو مالک کو اختیار ہوگا چاہے غاصب سے روز غصب کی قیمت کی ضمان لے لے اور بیع جائز ہو جائے گی اور ثمن غاصب کو ملے گا یا مشتری سے قبضہ کے روز کی قیمت لے لے اور بیع باطل ہو جائے گی اور مشتری اپنا ثمن غاصب سے واپس لے گا اور غاصب سے سپرد کرنے کے روز کی قیمت امام اعظمؒ کے نزدیک تاوان نہیں لے سکتا یہ وجیز کردری میں ہے اور اگر ایک غلام ہزار درہم قیمت کا غصب کیا پھر اُس کی قیمت بڑھ کر بعد غصب کے دو ہزار درہم ہوگئے پھر اُس کو کسی شخص نے قتل کیا تو مولیٰ کو اختیار ہوگا چاہے غاصب سے روز غصب کی ہزار درہم قیمت لے لے یا قاتل سے روز قتل کے دو ہزار لینا اختیار کرے کہ جس کو قاتل کی مددگار برادری سے وصول پائے گا پس اگر اُس نے غاصب سے لینا منظور کیا تو غاصب دو ہزار درہم قاتل کی مددگار برادری سے وصول کر کے ہزار درہم سے زائد سب صدقہ کر دے گا اور اگر غاصب کے پاس خود غلام نے اپنے تئیں قتل کر ڈالا تو غاصب روز غصب کے ہزار درہم قیمت کا ضامن ہوگا۔ اور روز خودکشی کی قیمت کا ضامن نہ ہوگا یہ سراج الوہاج میں ہے اگر زید نے عمرو کا گیہوں کا کھلیان پھونک دیا تو عمرو اُس سے بھوسے کی قیمت تاوان لے لے گا پھر اگر بالیوں کے گیہوں کی بنسبت نکالے ہوئے کی زیادہ قیمت ہو تو اُس پر قیمت واجب ہوگی اور اگر نکلے ہوئے زیادہ قیمت کے ہوں تو اُس پر اس کے مثل گیہوں اور بھوسے میں قیمت واجب ہوگی۔ ایک شخص نے کھلیان غصب کر کے اُس کو روندوایا تو اُس پر بھوسے کی قیمت واجب ہوگی اور گیہوں کے مثل گیہوں واجب ہوں گے یہ وجیز کردری میں ہے۔

امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اگر زید نے عمرو کا ایک دانہ گیہوں غصب کر لیا تو غاصب پر کچھ واجب نہ ہوگا اس لیے کہ اس کی قیمت کچھ نہیں ہے یہ ذخیرہ میں ہے اور اگر بہت آدمیوں نے زید کا ایک ایک دانہ گیہوں غصب کیا یہاں تک کہ سب دانے مل کر ایک قفیز گیہوں ہوگئے تو امام[1] ابو یوسفؒ نے فرمایا ہے کہ اگر ایک قوم نے ایک شخص کی کچھ چیز جس کی کچھ قیمت ہے غصب کی تو اُن سب سے ضمان لے گا اور اگر ایک نے بعد دوسرے کے آ کر غصب کی ہو تو میں اُس کو کچھ تاوان نہیں دلاؤں گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی شخص سے ایک انڈا غصب کر کے اُس کو تلف کر دیا تو اُس پر اُس کے مثل واجب ہوگا اور یہ امام ابو یوسفؒ کا دوسرا قول ہے اور پہلا قول اُن کا یہ تھا کہ اُس پر قیمت واجب ہوگی یہ محیط میں ہے غاصب نے اگر مال مغصوب کو تلف کر دیا حالانکہ وہ ذوات القیم[(۱)] میں سے تھا حتیٰ کہ اُس پر ضمان قیمت واجب ہوئی تو دیکھا جائے گا کہ اگر بازار میں یہ چیز درہموں سے فروخت ہوئی تو درہموں سے اندازہ کی جائے گی اور اگر دینار سے فروخت ہوتی ہے تو دینار سے اندازہ کی جائے گی اور اگر دونوں سے فروخت ہوتی ہے تو قاضی کی رائے ہے پس اُس کو[2] چاہیے کہ جس نقد سے قیمت لگانے میں مغصوب منہ کا نفع ہو اُس سے اندازہ کر کے ضمان کی ڈگری کرے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اگر ایک شخص نے دوسرے کی بکری غصب کر کے اُس کا دودھ دوھ لیا تو دودھ کی قیمت کا ضمان ہوگا اور اگر باندی غصب کی جس نے غاصب کے بچہ کو دودھ پلایا تو اس کے دودھ کی قیمت کا ضامن نہ ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے اگر گوشت غصب کر کے اُس کو بھونا یا پکایا تو امام اعظمؒ نے فرمایا کہ مالک کو اس کے لینے کی کوئی راہ نہیں ہے یہ سراج الوہاج میں ہے اگر کسی مسلمان کا زیتون کا تیل یا چربی پگھلائی ہوئی جس میں چوہا گر گیا تھا بہا دی تو اُس کی قیمت کا

---

[1] امام اقول یعنی اس مسئلہ پر قیاس کر کے حکم نکل سکتا ہے۔ [2] پس یعنی اولیٰ یہ کہ مغصوب منہ کے نفع کا لحاظ کرے نہ غاصب کا اگرچہ وہ مختار ہے۔

(۱) قیمت والا۔

ضامن ہوگا اور اگر مسلمان کا سکھلایا ہوا چیتا یا باز کسی مسلمان نے تلف کر دیا تو ہمارے نزدیک اُس کی قیمت کا ضامن ہوگا مسلمان نے اگر اپنی زمین میں کھاد ڈالی اور اُس کو کسی شخص نے تلف کر دیا تو قیمت کا ضامن ہوگا یہ وجیز کردری میں ہے۔

اگر کسی شخص کے دار میں جس میں کوئی نہیں ہے مالک کی بلا اجازت داخل ہوا تو امام اعظم و امام ابو یوسف کے نزدیک دار کا غاصب نہیں قرار دیا جائے گا اسی طرح اگر اس میں رہا تو بھی یہی حکم ہے سراج الوہاج میں ہے اگر کسی شخص نے دوسرے کی جوڑی کو اڑایا جوڑی موزہ یا مکعب[۱] میں سے ایک تلف کر دیا تو مالک کو اختیار ہوگا کہ دوسرا بھی اُس کو دے کر اُس سے دونوں کی قیمت تاوان لے یہ فتاویٰ قاضی خان و خلاصہ و جامع کبیر میں ہے اور اگر کسی شخص نے دوسرے کی انگوٹھی کا حلقہ تلف کر دیا تو فقط حلقہ کا ضامن ہوگا نگینہ کا ضامن نہ ہوگا یہ وجیز کردری میں ہے اور اگر زین کے دونوں طرف کے پلے تلف کر دیئے یعنی جو اُس میں جڑے ہوئے ہیں تو ان کا ضامن ہوگا زین کا ضامن نہ ہوگا اور فرمایا کہ ہر دو چیز جو علیحدہ علیحدہ ہوں یا ایک ہی شئے ہو مگر اُس کے ٹکڑے بلا ضرر کے الگ ہو جاتے ہوں جیسے زین کے دونوں پلے و اندر کی بھرت وغیرہ تو ایسی صورت میں جو چیز غاصب کی زیادتی سے تلف ہوئی ہے فقط اُسی کا ضامن ہوگا سب کا ضامن نہ ہوگا کذا فی الذخیرہ وکذا فی الوجیز الکردری۔

باب سوم:

ان صورتوں کے بیان میں جن میں تلف کرنے سے ضمان واجب نہیں ہوتی ہے

کسی شخص کا انڈا یا اخروٹ توڑ ڈالا پھر جو کچھ اُس میں سے نکلا وہ فاسد تھا تو اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی کیونکہ یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اس نے مال تلف نہیں کیا ہے یہ محیط میں ہے اور اگر ایک شخص کا درہم توڑ ڈالا پھر ظاہر ہوا کہ ستوق[۲] یا رصاص تھا حالانکہ ٹوٹنے سے پہلے چلتا تھا تو توڑنے والے پر کچھ ضمان واجب نہ ہوگی کیونکہ اُس کا رواج غش و خیانت تھا یہ شرح طحاوی میں ہے اگر ایک شخص نے دوسرے کے بوریہ کی تالیف یعنی بندش کا جوڑ نکال کر بوریہ خراب کر دیا یا دروازہ کے کواڑ اپنی جگہ سے اُکھاڑ دیئے یا زین کے اجزا کھول ڈالے یا اور کوئی چیز مؤلف تھی اُس کی تالیف توڑ دی تو دیکھا جائے گا کہ اگر ایسا ممکن ہے کہ جیسی تھی ویسی ہی ہو جائے تو توڑنے والے سے کہا جائے گا کہ اس کو ویسا ہی کر دے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو مالک اُس سے صحیح سالم مولف کی قیمت تاوان لے لے گا اور ٹوٹی ہوئی یعنی غیر مؤلف اُس کو دے دے گا یہ محیط سرخسی میں ہے اگر کسی شخص کے جوتے کا تسمہ کھول ڈالا پس اگر ویسی جوتی ہو جیسے عام لوگ پہنتے ہیں تو اُس پر کچھ ضمان واجب نہ ہوگی کیونکہ اُس کے تسمہ کو پھر دُہرا کر لگا لیتے ہیں اور کچھ مؤنت[(۱)] نہیں ہے اور اگر عربی جوتی ہو پس اگر اعادہ کرنے سے اُس کا دوال ناقص نہ ہوتا ہو اور نہ عیب پیدا ہوتا ہو تو حکم دیا جائے گا کہ اس کو دہرا کر لگا دے اور کچھ ضامن نہ ہوگا اور اگر اُس کے دوال میں شکست و نقصان آتا ہو اور اُس میں عیب پیدا ہو جاتا ہو تو بقدر نقصان کے ضامن ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے اور اگر سونے کی زنجیر کی کڑیاں کھول ڈالیں تو چاندی[۳] سے اُس کی قیمت کا ضامن ہوگا اسی طرح اگر کسی شخص نے غلام کے دانت سونے سے باندھے تھے اور اُن کو کسی شخص نے کھول پھینکا تو بھی یہی حکم ہے اگر ایک شخص نے جولاہے کا تانا کھول کر پریشان کر دیا تو فرمایا کہ تانا ہونے کی

---

[۱] مکعب لخت دار ایک قسم کا موزہ ہوتا ہے جس میں اسی مقام کا ہر او لیے لینا پیچ میں معتبر ہے کما فی رویہ البیوع۔

[۲] ستوق اقول لغات یہ ہیں ستوق جس درہم میں میل بہت ہو کہ تاجر قبول نہ کرے غش کھوٹ یعنی کر خیانت لوگوں سے بے ایمانی کا معاملہ کرنا مولف ترکیب سے ملائی ہوئی دوال تسمہ۔

[۳] چاندی سے تاکہ بیاج کا شبہ نہ ہے اور شبہہ یہاں بمنزلہ اصل ہے۔

(۱) خرچ و مشقت۔

صورت میں اُس کی قیمت اور پریشان ہونے کے بعد اُس کی قیمت اندازہ کی جائے جس قدر دونوں قیمتوں میں فرق ہو اُس کا ضامن ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اگر ایک شخص نے اپنے پڑوسی کی دیوار گرادی تو ہمسایہ کو اختیار ہے چاہے اُس سے دیوار کی قیمت لے لے اور شکستہ اُس کی ہوگی یا ٹوٹی ہوئی دیوار لے کر اُس سے نقصان لے لے اور ہمسایہ کا یہ اختیار نہ ہوگا کہ اُس کو جیسی تھی ویسی بنانے پر مجبور کرے پھر واضح ہو کہ دیوار کی قیمت پہچاننے کا یہ طریقہ ہے کہ اس دار (گھر) کو مع دیواروں کے اندازہ کرایا جائے اور بدون اُس کے اندازہ کرایا جائے جس قدر دونوں میں فرق ہو وہی دیوار کی قیمت ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے۔

اگر زید نے عمرو کی مٹی کی دیوار گرادی پھر اُس کو جیسی تھی ویسی ہی بنوادیا تو ضمان سے بری ہو گیا اور اگر لکڑی کی تھی اور اُس کو اُسی لکڑی سے بنوادیا تو بھی بری ہو گیا اور اگر دوسری لکڑی سے بنوایا تو بری نہ ہوگا کیونکہ لکڑی میں فرق ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ دوسری لکڑی پہلی سے بہتر ہے تو بری ہو جائے گا یہ وجیز کردری میں ہے اگر کسی شخص نے مسجد کی دیوار گرادی تو حکم دیا جائے گا کہ اس کو برابر کر کے درست (بنوادے) کردے یہ قنیہ میں ہے درزی نے ایک شخص کا کپڑا بگاڑ دیا اور مالک نے باوجود جاننے کے اُس کو پہن لیا تو پھر تاوان نہیں لے سکتا ہے یہ وجیز کردری میں ہے اگر غیر کی زمین سے مٹی اُٹھائی پس اگر وہاں مٹی کی کچھ قیمت نہ ہو لیکن مٹی اُٹھانے سے زمین ناقص ہو گئی تو نقصان کا ضامن ہوگا اور اگر ناقص نہ ہوئی تو کچھ ضامن نہ ہوگا اور اس کو یہ حکم نہ دیا جائے گا کہ گڈھا پاٹ دے اگر چہ بعض علمانے یہ حکم دیا ہے اور اگر وہاں مٹی کی قیمت ہو تو اُس کی قیمت کا ضامن ہوگا خواہ زمین میں نقصان آ گیا ہو یا نہ آیا ہو اگر کسی شخص نے دوسرے کی زمین میں گڈھا کھودا جس سے اُس کی زمین میں نقصان آ گیا تو نقصان کا ضامن ہوگا اور واضح ہو کہ اس قول سے جس سے اُس کی زمین میں نقصان آ گیا یہ اشارہ نکلتا ہے کہ اگر اُس کی زمین میں نقصان نہ آیا تو کچھ ضامن نہ ہوگا کذا فی الذخیرہ۔

اگر صراف نے مالک کی اجازت سے درہموں کو پرکھا اور کسی درہم کو دبایا جس سے وہ ٹوٹ گیا تو اُس پر ضمان نہیں ہے مگر فتویٰ کے واسطے یہ مختار ہے کہ اگر مالک نے اُس کو درہم کے دبا کر دیکھنے کا حکم کیا ہو تو اُس پر ضمان نہیں ہے اور اگر حکم نہ کیا ہو مگر لوگ درہموں کو اسی طرح دبا کر پرکھتے ہوں تو بھی اُس پر ضمان نہیں ہے ورنہ اگر دبا کر نہیں پرکھتے ہوں تو ضامن ہوگا یہ سراج الوہاج میں ہے اگر غیر شخص کا گوشت اُس کی بلا اجازت پکایا تو ضامن ہوگا اور اگر مالک نے گوشت دیگچی میں کر کے چولہے پر چڑھادیا اور اُس کے نیچے لکڑیاں لگا دیں پھر ایک شخص نے آ کر آگ جلا کر گوشت پکا دیا تو استحساناً ضامن نہ ہوگا اور اس جنس کے پانچ مسئلہ ہیں ایک اُن میں سے یہی مسئلہ ہے جو مذکور ہوا دوسرا یہ ہے کہ اگر غیر شخص کے گیہوں اُس کی بلا اجازت پیس ڈالے تو ضامن ہوگا اور اگر مالک نے بیل چکی یا گدھے چلانے کی چکی میں گیہوں بھر دیئے اور بیل کو چکی میں باندھ دیا ہو پھر ایک شخص نے آ کر بیل ہانک دے اور گیہوں پس گئے تو ضامن نہ ہوگا۔ تیسرا یہ ہے کہ اگر غیر شخص کا بدھنا اُس کی بلا اجازت اٹھادیا اور وہ ٹوٹ گیا تو ضامن ہوگا اور اگر مالک نے خود اُس کو اُٹھا کر اپنی طرف جھکایا اور ایک شخص نے اُٹھانے میں اُس کی مدد کی اور اس بیچ میں وہ ٹوٹ گیا تو ضامن نہ ہوگا۔ چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے مالک کی بلا اجازت اُس کے خچر پر بوجھ لادا اور وہ مر گیا تو ضامن ہوگا اور اگر خود مالک نے لادا پھر راہ میں بوجھ گر پڑا اور غیر شخص نے اس کی بلا اجازت آ کر لاد دیا اور جانور مر گیا تو ضامن نہ ہوگا پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے کی قربانی کا جانور اُس کی بلا اجازت ذبح کر دیا پس اگر غیر ایام قربانی میں ذبح کر دیا تو جائز نہیں ہے اور ضامن ہوگا اور اگر ایام قربانی میں ذبح کیا تو جائز ہے اور وہ ضامن نہ ہوگا کیوں کہ ایسے مسائل میں اجازت بدلالت ثابت ہوتی ہے اور حکم دلالت کا اس وقت تک اعتبار ہے جس وقت تک صریح اُس کے برخلاف نہ پایا جائے یہ ذخیرہ میں ہے۔

معاملہ شرط کرنا ☆

اور اسی جنس کے مسائل سے وہ مسئلہ بھی ہے جس کو امام محمدؒ نے مزارعت میں باب[1] المزارعة التی یشترط فیها المعاملة سے پہلے ذکر کیا ہے کہ اگر ایک شخص نے چند لوگوں کو اپنے وار کے منہدم کرنے کے واسطے بلایا پھر ایک شخص نے آکر مالک کی بلا اجازت گرانا شروع کیا تو استحساناً ضامن نہ ہوگا پس اس جنس کے مسائل میں یہ اصل قرار پائی کہ جس کام کے کرنے میں لوگوں کا فعل باہم متفاوت نہیں ہوتا ہے اُس میں ہر شخص کو استعانت بدلالت ثابت ہوتی ہے اور اگر ایسا کام ہو جس میں لوگوں کا فعل متفاوت ہوتا ہے تو اس میں ہر شخص کو اجازت ثابت نہ ہوگی چنانچہ اگر بکری ذبح کرنے کے بعد کھال کھینچنے کے واسطے لٹکائی اور ایک شخص نے آکر بلا اجازت مالک اُس کی کھال کھینچ دی تو ضامن ہوگا یہ محیط میں ہے ایک قصاب[2] نے ایک بکری خریدی پس ایک شخص نے آکر اُس کو ذبح کر دیا پس اگر قصاب نے اُس کو پکڑ کر ذبح کرنے کے واسطے اُس کے پاؤں باندھ دیئے ہوں تو ذبح کرنے والا ضامن نہ ہوگا اور اگر پاؤں نہ باندھے ہوں تو ضامن ہوگا کذا فی الصغریٰ۔ قلت هذا انما یعرف فی موضع یتعارف فیه شد رجل الشاة للذبح و فیما لا فلاوانت تعلم ان المرادان یعقل بها فعلا یعلم منه قصد الذبح فی الحال فافهم واللّٰه تعالٰی اعلم۔ اگر کسی شخص نے اپنے باغ انگور یا زراعت میں کوئی چوپایہ پیلا ہوا پایا کہ اُس نے نقصان کر دیا تھا پس اُس کو باندھ رکھا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو ضامن ہوگا اور اُس کو نکال دیا تو مختار یہ ہے کہ اگر اُس کو نکال کر ہانکا اور وہ مر گیا تو ضامن ہوگا اور نہ ہانکا فقط نکال دیا تو ضامن نہ ہوگا اسی طرح اگر کسی اجنبی کی زراعت سے کسی اجنبی کا چوپایہ نکالا تو بھی اسی تفصیل سے حکم ہے اور اگر اُس چوپایہ کو صرف اتنی دور تک ہانکا کہ وہاں سے اپنی زراعت سے بخوف ہوگیا تو ایسا حکم ہے کہ جیسے اُس نے اپنی زراعت سے فقط باہر نکال دیا یعنی ضامن نہ ہوگا اور ہمارے اکثر مشائخ کے نزدیک ضامن ہوگا اور اسی پر فتویٰ ہے اگر زراعت میں کوئی چوپایہ پایا اور اُس پر لاوا اور اُس نے تیز روی کی تو جو مصیبت اس کو پہنچے گی اُس کا ضامن ہوگا اور اگر اُس کو نکال دینے کے بعد بہت دور تک اُس کا پیچھا کیا اور وہ کہیں چلا گیا تو بھی ضامن ہوگا اور اگر اُس کو کسی اجنبی نے نکال دیا ہو تو خود ضامن نہ ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

چرواہے نے اگر گاؤ خانہ یا شتر خانہ میں دوسرے شخص کی گائے دیکھ کر ہانک دی کہ وہ گاؤ خانہ سے باہر ہوگئی تو ضامن نہ ہوگا اور اگر گاؤ خانہ سے باہر ہونے کے بعد بھی اُس کو ہانکا تو ضامن ہوگا یہ محیط و فتاویٰ کبریٰ میں ہے اگر کسی شخص نے اپنی زراعت میں دوسرے کا جانور دیکھ کر اُس کو باہر نکال کر اس غرض سے ہانکا کہ اس کے مالک تک پہنچائے اور وہ راستہ میں مر گیا یا اُس کا پاؤں ٹوٹ گیا تو ضامن ہوگا اور فقیہ ابواللیثؒ نے فرمایا کہ ہم ایسے نہیں ہیں کہ اس روایت کو اختیار کریں ہم تو وہی روایت لیتے ہیں جو امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اُنھوں نے فرمایا کہ ضامن نہ ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے اگر زید نے عمرو کا چوپایہ اپنی کھیتی میں پیلا ہوا دیکھ کر عمرو کو اس حال کی خبر دی اور اتنے میں چوپایہ نے کھیتی کو خراب کر دیا پس اگر زید نے اُس کو یہ حکم دیا کہ اپنا جانور کھیت سے باہر کر دے تو عمرو کچھ ضامن نہ ہوگا یہ محیط میں ہے ایک شخص نے غیر کی خچری کو اُس کی بلا اجازت ہانکا اور اُس کے نوجوان بچے کو بھیڑیا کھا گیا کہ وہ ضائع ہوگیا اور خچری اپنے مالک کے پاس واپس پہنچی پس اگر اُس نے خچری کو مع نوجوان بچے کے ہانکا ہو تو ضامن ہوگا اور اگر بچہ بدون اُس کے ہانکنے کے خود گیا ہو تو ضائع ہونے سے ضامن نہ ہوگا یہ وجیز کردری میں ہے اگر چرواہا گلہ کو زراعت سے اتنا قریب قریب لے کر چلا کہ جانور چاہے تو کھیت میں منہ ڈال کر کھالے تو ایسی صورت میں اگر زراعت میں نقصان پہنچا تو چرواہا ضامن ہوگا یہ فصول عمادیہ میں ہے اگر زید کا چوپایہ رات یا دن میں بدون زید کے چھوڑے ہوئے چھوٹ کر چلا گیا اور اُس نے کسی شخص کے کھیت میں نقصان پہنچا دیا تو ہمارے نزدیک

---

[1] ایسی مزارعت کے بیان میں جس میں معاملہ شرط کیا گیا ہو۔ [2] قصاب اس واسطے شرط ہوا کہ ذبح کرنا اس کی شان سے ظاہر ہوتا ہے قولہ قلت اقول یعنی یہ شناخت وہاں ہو سکتا ہے جہاں بکری کی ٹانگ باندھنا متعارف ہو وہاں یہ مراد لی جائے کہ قصاب ایسا فعل کرے جس سے فی الحال قصد ذبح معلوم ہو۔

مالک پر ضمان نہیں آتی ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

زید نے عمرو کو مزارعت یعنی بٹائی پر زمین دی اور بیج اور بیل دیئے اور عمرو نے بیل کسی چرواہے کو دیئے اور وہ ضائع ہو گئے تو عمرو یا چرواہا کوئی ضامن نہ ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ زید اپنی کھیتی کو سینچنا چاہتا تھا کہ عمرو نے اُس کو زبردستی روکا یہاں تک کہ زراعت خراب ہو گئی تو ضامن[1] نہ ہوگا یہ خلاصہ میں ہے اگر مربط میں گائے کو دیکھ کر کسی شخص غیر نے باہر نکال دیا اور وہ تلف ہو گئی تو ضامن ہوگا اور اگر زید نے عمرو کا مربط غصب کر کے اس میں اپنے جانور باندھے پھر اُن کو عمرو نے باہر نکال دیا تو ضامن ہوگا یہ فصول عمادیہ میں ہے زید عمرو کا مقروض تھا سو روپیہ لے کر عمرو کے پاس اُس کا قرضہ ادا کرنے آیا اور عمرو کو روپیہ پرکھنے کے واسطے دیا کہ اتنے میں عمرو کے ہاتھ سے وہ سب روپیہ تلف ہو گیا تو زید کا مال گیا اور قرضہ بحالہ باقی رہا کیونکہ پرکھنے میں عمرو زید کی طرف سے وکیل ہے پس اس صورت میں عمرو کا ہاتھ مثل زید کے ہاتھ کے ہے اور اگر زید نے زر قرضہ عمرو کو دے دیا اور پھر تہ کیا پھر عمرو نے زید کو پرکھنے کے واسطے دیا اور زید کے ہاتھ میں تلف ہو گیا تو عمرو کا مال گیا کیونکہ اپنا حق پا چکا تھا پھر جو اُس نے پرکھنے کو دیا تو زید اُس کا وکیل ہو گیا پھر اس کے بعد اگر زید کے پاس سے تلف ہوا تو گویا عمرو کے پاس سے تلف ہوا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اگر غیر کی باندی سے جماع کیا کہ جس سے وہ مر گئی تو اُس کی قیمت کا ضامن ہوگا یہ تاتارخانیہ میں غیاثیہ سے منقول ہے۔ زید کی بلی نے عمرو کا کبوتر مار ڈالا تو زید ضامن نہ ہوگا یہ مضمرات میں ہے زید نے ایک بلی پکڑ کر عمرو کی مرغی یا کبوتر کی طرف پھینکی اور اُس نے کبوتر مرغی یا کبوتر کو داب کر مار ڈالا پس اگر زید کے پھینکنے پر اس نے پکڑا ہو تو ضامن ہوگا اور اگر بعد پھینکنے کے اُس نے پکڑ کر مارا ہے تو ضامن نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے زید نے عمرو کا شیر یا بھیڑیا قتل کر دیا تو ضامن نہ ہوگا اور اگر بندر قتل کیا تو ضامن ہوگا کیونکہ بندر گھر میں خدمت کرتا ہے اُس کی قیمت ہوتی ہے پس بمنزلہ سگ (کتا[2]) کے ہو گیا یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اور اگر شراب یا سور تلف کر دی پس اگر کسی مسلمان کی تھی تو تلف کرنے والے پر کچھ ضمان نہ ہوگی خواہ تلف کرنے والا مسلمان ہو یا ذمی ہو اور اگر ذمی کی تھی تو تلف کرنے والا ضامن ہوگا خواہ مسلمان ہو یا ذمی ہو فرق صرف اس قدر ہے کہ اگر ذمی ہوگا تو اُس پر مثل شراب کے شراب واجب ہوگی اور اگر مسلمان ہوگا تو شراب کی قیمت تاوان دے گا اور سور کے اتلاف میں دونوں کو قیمت دینی پڑے گی اور اگر مسلمان یا ذمی نے ذمی کی سور تلف کر دی پھر طالب یا مطلوب یا دونوں مسلمان ہو گئے تو مطلوب تلف کنندہ اُس ضمان سے جو اُس پر لازم ہو چکی تھی بری نہ ہوگا اور اگر ذمی نے دوسرے ذمی کی شراب تلف کر دی اور متلف پر شراب کے مثل شراب تاوان واجب ہوئی پھر طالب یا دونوں مسلمان ہو گئے تو بالاجماع مطلوب کے ذمہ سے تاوان ساقط ہو کر بری ہو جائے گا اور اگر پہلے مطلوب مسلمان ہوا پھر اس کے بعد طالب مسلمان ہوا یا نہ ہوا تو امام ابو یوسف کے قول کے موافق اور یہی امام اعظم سے بھی ایک روایت ہے کہ مطلوب شراب کی ضمان سے بری ہو جائے گا اور مثل کی تحویل بجانب قیمت نہ ہوگی اسی طرح اگر بعد قبضہ کے مسلمان ہوا تو بھی یہی حکم ہے یہ شرح طحاوی میں ہے اگر ایسی مذبوحہ بکری جس کے ذابح نے عمداً بسم اللہ اللہ اکبر کہنا ترک☆ کیا تھا تلف کر دی تو ضامن نہ ہوگا کذا فی التاتارخانیہ۔

باب چہارم:

کیفیت ضمان کے بیان میں

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ زید نے عمرو کی طیلسان[1] پھاڑ کر پھر اُس کو رفو کیا تو میں رفو کی ہوئی اور صحیح سالم دونوں طرح

---

[1] ضامن نہ ہوگا اگرچہ اپنی بدکرداری واذیت دینے کی سزا پائے اور اذیت کا اندازہ ایسے نقصان سمیت کیا جائے گا۔ (۱) چادر کنارہ دار۔

☆ یعنی جانتے بوجھتے کہ یہ سنت نبویہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اس کو در خور اعتناء نہ سمجھتا ہو نہ کہ محض سستی و کاہلی کے باعث ہو۔

طیلسان کی قیمت اندازہ کرا کے جس قدر دونوں میں فرق ہوا اُس قدر زید سے عمرو کو مع طیلسان دلواؤں گا۔ زید نے اپنی ملک میں کنواں کھودا اور عمرو نے نکلی ہوئی مٹی سے اُس کو پاٹ دیا تو فرمایا کہ میں کھودے ہوئے اور بے کھودے ہوئے دونوں کا خرچہ اندازہ لگا کر دونوں کا فرق دلواؤں گا اور اگر اُس نے اپنی مٹی اُس میں ڈالی ہو تو اُس کو مجبور کروں گا کہ نکال لے اور اگر اُس نے جنگل میں کھودا ہو پس اگر ہنوز پانی نہ نکلا ہو تو پاٹ دینے سے کچھ ضمان لازم نہ ہوگی اور پانی نکل آیا ہو تو زید اُس کا مستحق ہو جائے گا کیونکہ وہ شبر عطن ہے یعنی اُس سے پانی پلا کر اونٹ بکری وغیرہ اُس کے گرد آرام پائیں گے پس اُس کا پاٹ دینے والا اُسی حساب سے اندازہ کو لگا کر ضامن ہوگا جو پہلے مذکور ہوا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے کسی شخص نے دوسرے کی دستاویز یا دفتر حساب پھاڑ ڈالا تو مشائخ نے گفتگو کی ہے کہ اُس پر کیا واجب ہوگا اور اصح قول یہ ہے کہ لکھی ہوئی دستاویز کی قیمت کا ضامن ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اگر کسی نے دوسرے کا بربط یا طنبورہ یا دف وغیر آلات لھو کو توڑ ڈالا تو صاحبین کے نزدیک کچھ ضامن نہ ہوگا مگر امام اعظمؒ کے نزدیک ضمان واجب ہوتی ہے اور جامع صغیر میں مذکور ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک ضمان واجب ہوگی لیکن اگر امام وقت کے حکم سے توڑا ہو تو کچھ ضمان نہیں ہے اور امام قاضی صدر الاسلام نے فرمایا کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے کیونکہ لوگوں میں کثرت سے فساد پھیلا ہوا ہے اور امام فخر الاسلام شرح جامع صغیر میں ذکر کیا کہ امام اعظمؒ کا قول یہ قیاس ہے اور صاحبین کا قول باستحسان ہے اور امام صدر الاسلام نے فرمایا کہ جب امام اعظمؒ کے نزدیک ضمان واجب ٹھہری تو آلات لھو میں ایسی وجہ کے اعتبار سے ضمان واجب ہوگی کہ جس وجہ پر ان آلات سے بطور صلاح[1] انتفاع ممکن ہو اور ایسا ہی اختلاف نرد و شطرنج میں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ان چیزوں سے ترازو کا باٹ بنایا جائے اور قدوری میں مسئلہ طنبور و بربط میں مذکور ہے کہ کھدی ہوئی لکڑی کی قیمت کا ضامن ہوگا اور منتقی میں ہے کہ لکڑی کی لوح کے اعتبار سے قیمت کا ضامن ہوگا یہ محیط و ذخیرہ میں ہے۔

طبل جو لڑکوں کے بہلانے کو بجایا جاتا ہے اس کے تلف کرنے سے بلا خلاف ضامن ہوگا یہ تاتارخانیہ میں ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ ایک مسلمان نے پکی اینٹیں نقشی تلف کر ڈالیں پس اگر نقش میں جاندار کی صورتیں بنی ہوں تو غیر منقوش اینٹوں کا ضامن ہوگا اور اگر سر کٹی ہوئی تصویریں ہوں تو نقشی اینٹوں کا ضامن ہوگا کیونکہ ایسی تصویریں بمنزلہ درختوں کے نقش کے حرام نہیں ہیں اور اگر ایسا فرش جس میں آدمیوں کی صورتیں بنی ہوئی تھیں جلا دیا تو نقشی بساط کا ضامن ہوگا اسی لیے کہ فرش میں تمثال حرام نہیں ہے اس لیے کہ فرش روندا جاتا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے ہشام کہتے ہیں کہ میں نے امام محمدؒ سے دریافت کیا کہ اگر کسی نے دوسرے کا دروازہ جس پر جاندار کی تصویریں کھدی ہوئی تھیں جلا دیا تو فرمایا کہ میرے قول کے موافق بے نقش دروازہ کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر دروازہ کے مالک نے تصویروں کے سر کاٹ ڈالے ہوں تو بمنزلہ تصویر درخت کے نقشی دروازے کی قیمت کا ضامن ہوگا یہ محیط میں ہے اگر کسی نے ایسا گھر جس میں رنگ سے جاندار کی تصویریں بنی ہوئی تھیں ڈھا دیا تو گھر کی قیمت اور فقط رنگ کی قیمت کا ضامن ہوگا تصویر کا اعتبار نہ کیا جائے گا اس واسطے کہ گھر میں ایسی تصویروں کا رکھنا شرع میں حرام ہے یہ سراج الوہاج میں ہے اور اگر چاندی کا ایسا برتن جس پر جاندار کی پوری تصویریں ہوں تلف کر دیا تو اُس پر بے تصویر برتن کی قیمت واجب ہوگی اور اگر تصویریں جاندار کی بے سر ہوں تو با تصویر برتن کی قیمت کا ضامن ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اگر مغنیہ (گانے والی ۱۲) باندی کو قتل کیا تو غیر مغنیہ باندی کی قیمت کا ضامن ہوگا لیکن اگر باعث مغنیہ ہونے کے قیمت میں نقصان آتا ہو تو یہ عیب قرار دیا جائے گا اور حق غاصب میں اس کا اعتبار کیا جائے گا یہ سراج الوہاج میں ہے۔ **قال[2] الحر جم المراد تقتيل الجاني بعد قبضها**

---

[1] صلاح یعنی شرعی طریقہ سے وہ ان چیزوں کو صندوق وغیرہ بنانے کے کام میں لا سکے [2] قال یعنی باندی قتل کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس پر قبضہ کر کے تب قتل کیا گیا تا کہ قبضہ ثابت ہو۔

ثم قتلها معا تحقق الغصب فتامل اور اگر باندی خوش آواز ہو مگر مغنیہ نہ ہو تو اُس کے تاوان قیمت میں خوش آوازی معتبر ہوگی اور اگر کبوتر یا قمری خوش آوازی سے بولتی ہو تو اُس کی قیمت اُس کے اعتبار سے اندازہ کی جائے گی اور اگر کبوتر دور سے چلا آتا ہو تو قیمت لگانے میں اُس کا اعتبار نہ کیا جائے گا اور اگر ایسا گھوڑا جس پر گھوڑ دوڑ آدمی سبقت لے جاتا ہو تو سبقت پر اُس کی قیمت لگائی جائے گی اور اگر کبوتر خوب اُڑتا ہو تو اڑان پر اُس کی قیمت نہیں لگائی جائے گی اور اسی طرح جو چیز بلاتعلیم ہو اُس کا یہی حکم ہے یہ محیط میں ہے اور اگر لڑائی کا مینڈھا یا لڑائی کا مرغ تلف کر دیا تو اُس صفت کے ساتھ اُس کی قیمت نہیں لگائی جائے گی اس واسطے کہ یہ صفت دونوں میں حرام ہے اُس کے مقابلہ میں کچھ قیمت نہیں ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اگر اخروٹ کے درخت میں چھوٹے چھوٹے تر و تازہ اخروٹ پھلے اور کسی شخص نے اُن پھلوں کو تلف کر دیا تو درخت کے نقصان کا ضامن ہوگا اس واسطے کہ یہ پھل اگرچہ کچھ قیمت نہیں رکھتے اور نہ مال ہیں حتیٰ کہ درخت میں نقصان بیٹھ جاتا ہے پس لحاظ کیا جائے گا کہ ان پھلوں سمیت اس درخت کی کیا قیمت اُٹھتی تھی اور بدون ان کے کیا قیمت اُٹھتی ہے پس جس قدر دونوں قیمتوں میں فرق ہو اس قدر ضامن ہوگا اسی طرح اگر موسم بہار میں درخت پر کلیاں آئیں اور کسی شخص نے اُس میں ایسا نقصان کر دیا کہ اُس کی کلیاں جھڑ گئیں تو اُس کا بھی یہی حکم ہے یہ ظہیریہ میں ہے اور اگر کسی درخت کی شاخ توڑ ڈالی اور شاخ کی قیمت قلیل ہے تو مالک کو اختیار ہوگا چاہے پورے درخت کے نقصان کی ضمان لے لے اور وہ شاخ شکستہ توڑنے والے کو دے دے یا بدون شاخ کے درخت کے نقصان کی ضمان لے کر شاخ شکستہ خود لے لے یہ ملتقط میں ہے زید نے عمرو کے باغ انگور کے درخت کاٹ ڈالے تو قیمت کا ضامن ہوگا اسی لیے کہ اُس نے غیر مثلی تلف کیا ہے پھر قیمت پہچاننے کا یہ طریقہ ہے کہ باغ انگور مع جمے ہوئے درختوں کے اندازہ کیا جائے اور وہی باغ انگور درخت کٹا ہوا یعنی بدون درخت کے اندازہ کیا جائے پس جس قدر دونوں قیمتوں میں فرق ہو وہی درختوں کی قیمت ہوگی پھر اس کے بعد مالک کو اختیار ہوگا چاہے کٹے ہوئے درخت زید کو دے کر اُس سے یہ قیمت لے لے یا کٹے ہوئے درخت خود لے لے پس قیمت میں سے ان درختوں کی قیمت منہا کر کے باقی قیمت لے لے گا۔ ایک شخص نے دوسرے کے گھر کا درخت بدون اُس کی اجازت کے قطع کر دیا تو مالک کو اختیار ہوگا چاہے قطع کرنے والے کو وہ درخت دے کر اُس سے لگے ہوئے درخت کی قیمت تاوان لے اور اُس کی قیمت پہچاننے کا یہ طریقہ ہے کہ گھر کی مع لگے ہوئے درخت کی قیمت اندازہ کی جائے اور گھر کی بدون درخت کے قیمت اندازہ کی جائے پس جس قدر دونوں قیمتوں میں فرق ہو وہی درخت قائم کی قیمت قرار پائی ہے یا درخت اپنے پاس رکھے اور اُس شخص سے بقدر نقصان درخت کے یعنی درخت قائم کو قطع کر دیا ہے اس قدر نقصان کی قیمت لے لے اس واسطے کہ اُس نے قیام درخت کو ضائع کر کے نقصان کیا ہے اور اس نقصان کے دریافت کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ جب تھہ کو طریقہ مذکورہ سابقہ سے درخت قائم کی قیمت دریافت ہوگئی تو پھر درخت مقطوعہ کی قیمت دریافت کر کے جس قدر دونوں میں فرق ہو وہی مقدار نقصان قیام ہے اور اگر غیر مقطوعہ یعنی قائمہ اور مقطوعہ کی قیمت برابر ہو تو وہ شخص کچھ ضامن نہ ہوگا یہ کبریٰ میں ہے۔

اگر کسی شخص نے دوسرے کی زمین سے خشک درخت کاٹ کر تلف کر دیا تو اُس پر حطب کی قیمت واجب ہوگی یہ فصول عمادیہ میں ہے ایک شخص ایک تنور پر آیا اور وہ تنور قصب سے گرم کیا گیا تھا پس اُس میں پانی ڈال دیا تو اُس تنور کے مسجور (روشن کردہ ۱۲) و غیر مسجور دونوں اعتبار سے قیمت دریافت کر کے جس قدر دونوں میں فرق ہو اُس قدر ضامن ہوگا اور واقعات ناطفی میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے تنور کا منہ کھول دیا یہاں تک کہ تنور سرد ہو گیا تو اُس پر اس قدر لکڑیوں کی قیمت واجب ہوگی جس قدر سے تنور گرم کیا گیا تھا اور ممکن ہے کہ یوں کہا جائے کہ تنور مسجور ایسا کہ بدون دوبارہ گرم کرنے کے اُس سے انتفاع حاصل کیا جائے کتنے کو اجارہ لیا جائے گا پس

اسی قدر کا ضامن ہوگا یا دیکھا جائے گا کہ اُس کی اُجرت مسجور ہونے کی اور غیر مسجور ہونے کی حالت میں کس کس قدر ہے پس جس قدر دونوں میں فرق ہو وہ مقدار ضمان ہوگی کذا فی المحیط۔ایک شخص نے دوسرے کے تنور کا منہ کھول دیا یہاں تک کہ وہ سرد ہوگیا تو اُس پر اس قدر لکڑیوں کی جس سے تنور گرم کیا گیا قیمت واجب ہوگی اور امام فخر الدین قاضی خان نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ تنور مسجور انتفاع حاصل کرنے کے واسطے قبل از آنکہ دوبارہ گرم کیا جائے جتنے کو اجارہ لیا جائے اتنے مقدار کا ضامن ہوگا یا اس کی اجرت حالت مسجود ہونے کی اور اجرت حالت غیر مسجود ہونے کی دیکھ کر جس قدر دونوں اجرتوں میں فرق ہو اس قدر مقدار کا ضامن ہوگا کذا فی الملم۔اگر کسی شخص نے دوسرے کی قمیص اُدھیڑ ڈالی تو اُس قمیص کی سلی ہوئی اور بے سلی ہوئے کے اعتبار سے قیمت لگا کر بقدر فرق کے ضامن ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اگر کوئی کنواں خاص ہو یعنی کسی خاص شخص یا قوم کا ہو اور اس میں نجاست ڈال دی تو کنواں تمام اُلچوانے کا ضامن نہ ہوگا مگر بقدر نقصان کے ضامن ہوگا اور اگر عام کنواں ہو تو حکم دیا جائے گا کہ اس کو بالکل اُلچوا دے کذا فی القنیہ قال المترجم نزح البئر یعنی کنواں تمام اُلچوانے سے یہ مراد ہے کہ موافق مسئلہ مفتی بہا کے پاکی کا حکم دیا جائے واللہ اعلم۔

باب پنجم:

دو شخصوں کے مال کو یا غیر کے مال کو اپنے مال کے ساتھ خلط کرنے یا بدون خلط کیے مخلط ہو جانے کے بیان میں

غاصب نے اگر مال مغصوب کو اپنے مال یا غیر کے مال کے ساتھ خلط کر دیا تو اُس کی دو قسمیں ہیں خلط ممازجت اور خلط مجاورت پھر خلط ممازجت کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ تقسیم سے دونوں میں تمیز ممکن نہ ہو اور دوسرے یہ کہ اس طور سے تمیز ممکن ہو پس اگر ایسا خلط ہو کہ تقسیم سے تمیز ممکن نہ ہو جیسے روغن (تیل) بادام کو روغن سمسم (تلی) کے ساتھ خلط کیا یا آرد گندم کو آرد جو میں ملا دیا تو ملانے والا ضامن ہوگا اور بالا جماع موجود مخلوط سے مالک کا حق منقطع ہو جائے گا اور اگر تقسیم سے تمیز ممکن ہو جیسے ایک جنس کو اُسی جنس میں ملایا مثلاً گیہوں کو گیہوں میں یا دودھ کو دودھ میں ملایا تو بھی امام اعظمؒ کے نزدیک یہی حکم ہے اور صاحبین کے نزدیک مالک کو اختیار ہوگا چاہے غاصب سے اپنے حق کے مثل ضمان لے یا اس مخلوط میں شریک ہو جائے پس موافق اپنے حق کے باہم تقسیم کر لیں گے اور خلط مجاورت کی بھی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ بلا کلفت و مشقت جدا کرنا ممکن ہو اور دوسرے یہ کہ مشقت و کلفت کے ساتھ علیحدہ کرنا ممکن ہو پس اگر ایسی صورت ہو کہ بلا کلفت و مشقت جدا کرنا ممکن ہو جیسے درہم و دینار کا خلط کیا یا درہم اسپید کو سیاہ کے ساتھ مخلوط کیا تو ملانے والا ضامن نہ ہوگا اور مالک کو جدا کر کے دیا جائے گا اور اگر تکلیف و مشقت سے تمیز ممکن ہو جیسے گیہوں و جو کے خلط میں ہے تو کتاب میں مذکور ہے کہ غاصب سے ضمان لے گا اور مالک کو خیار حاصل ہونا صریح مذکور نہیں ہے مگر مشائخ نے اختلاف کیا ہے بعض نے فرمایا کہ مالک کو خیار حاصل ہوگا چاہے شرکت کرنے جیسا صاحبین کا قول ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک تاوان ہی لے گا شریک نہ ہو جائے گا اس واسطے کہ گیہوں دانہ ہائے جو سے خالی نہیں ہوتے ہیں پس گویا اُس نے جنس کو جنس میں خلط کیا ہے پس امام کے نزدیک مالک کا حق منقطع ہوگا اور غاصب اُس کا مالک ہو جائے گا اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ بالاتفاق سب کے نزدیک مالک کو خیار حاصل ہوگا اور بعض نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ بالاتفاق سب کے نزدیک اُس کے ساتھ مخلوط میں شریک نہ ہوگا اور اگر غاصب ایک شخص زید کے گیہوں و عمرو کے جو باہم خلط کر کے غائب ہو گیا پس اگر زید و عمرو نے باہم صلح کر لی کہ اس مخلوط کو ایک شخص ہم دونوں میں سے لے کر دوسرے کو اُس کی ناپ کے مثل جنس یا اس کی قیمت ضمان دے دے تو جائز ہے اس واسطے کہ مخلوط موجود دونوں میں مشترک ہے اور مخلوط مشترک میں سے اگر ایک شریک اپنا

حصہ دوسرے شریک کے ہاتھ فروخت کرے تو جائز ہے اور اگر دونوں نے صلح نہ کی تو دونوں اُس کو فروخت کریں اور ثمن کو باہم اس طرح تقسیم کریں کہ زید جو ملے ہوئے گیہوں کی قیمت کے حساب سے شریک کیا جائے گا اور عمرو گیہوں ملے ہوئے جو کی قیمت کے حساب سے شریک نہ کیا جائے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔

منتقی میں بہ روایت ہشامؒ اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اگر زید کے پاس ستو اور عمرو کے پاس روغن یا زیتون کا تیل ہے اور بکر نے دونوں آدمیوں کو مضبوط باندھ کر عمرو کا روغن یا تیل زید کے ستوؤں میں ملایا تو زید مثل روغن یا روغن زیتون کے عمرو کا تاوان دے گا یعنی اُس کے روغن یا تیل کے برابر ناپ کر تاوان دے گا یہ محیط میں ہے اگر بدون کسی شخص کے ملانے کے ایک شخص کا نورہ[1] دوسرے کے آردگندم میں مل گیا تو مخلوط فروخت کر کے اُس کے ثمن میں ہر ایک اپنے مال کی قیمت ملی ہوئی کے حساب سے شریک کیا جائے گا کیونکہ یہ نقصان کسی شخص کے فعل سے نہیں ہوا ہے پس کوئی شخص بنسبت دوسرے کے ضامن ہونے میں مرجح نہیں ہو سکتا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اگر ردی چیز کو کھری چیز میں ملا دیا تو کھری کے مثل ضامن ہوگا اور اگر ردی قلیل ہو تو جس قدر ملائی ہے اُس کے حساب سے دونوں شریک ہوں گے اور قدوری میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کے اناج میں پانی ڈال کر اُس کو بگاڑ دیا تو اُس کا اندازہ بڑھ گیا یعنی کیل میں زیادتی ہو گئی تو اناج والے کو اختیار ہوگا کہ قبل پانی ملانے کے جو کچھ اُس کی قیمت تھی اُس قدر تاوان لے اور یہ اختیار نہ ہوگا کہ اپنے اناج کے مثل تاوان لے اسی طرح اگر روغن یا روغن زیتون میں پانی ڈال دیا تو بھی یہی حکم ہے اس واسطے کہ بھیگے ہوئے اناج کا یا جس تیل میں ملا دیا ہے اُس کا کچھ مثل نہیں ہے پس قیمت کا ضامن ہوگا اور یہ نہیں جائز ہو سکتا ہے کہ پانی ملانے سے پہلے جو کچھ مقدار پیمانہ کے حساب سے اناج یا روغن کی تھی اس قدر ضمان لے اس واسطے کہ غاصب کی طرف سے قبل اُس کے غصب محقق نہیں ہوا تھا ہاں اگر اُس نے پہلے غصب کر کے پھر پانی ڈال دیا ہو تو اس پر اُس کے مثل واجب ہوگا یہ محیط میں ہے۔

اگر کسی شخص نے کھرے درہم اور زیوف درہم ایک میں ملا دیئے پس اگر یہ امر معلوم ہو جائے کہ کھروں میں کھوٹے اور کھوٹوں میں کھرے درہم تھے تو ملانے والا ضامن ہوگا اس واسطے کہ درحقیقت تمیز کرنا متعذر ہے اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کھروں میں کوئی کھوٹا نہ تھا اور نہ کھوٹوں میں کھرا تھا تو ضامن نہ ہوگا اس واسطے کہ کھرے و کھوٹے کو الگ کر لینا ممکن ہے پس خلط سے استہلاک نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے ایک شخص کے ہاتھ میں کچھ درہم تھے وہ اُن کو دیکھ رہا تھا کہ اس میں سے کچھ درہم غیر شخص کے درہموں میں گر کر مخلوط ہو گئے تو جس کے ہاتھ سے درہم گرے ہیں وہ غاصب و ضامن ہوگا اور یہ فعل اُس کی طرف سے جرم قرار دیا جائے گا اگرچہ اُس نے عمداً نہیں کیا ہے یہ ظہیریہ میں ہے اور اگر کسی شخص کا ترنج دوسرے کے شیشے میں گھس گیا تو دیکھا جائے گا کہ کس کی زیادہ قیمت ہے پس زیادہ قیمت والے کو حکم دیا جائے گا کہ دوسرے کو اس کے مال کی قیمت ادا کرے اور اگر کسی شخص نے ایک شخص کا ترنج دوسرے کے شیشے میں داخل کر دیا تو ہر ایک مالک کو اُس کے مال کی قیمت ادا کرے گا اور کسی مالک کو کچھ اختیار نہ ہوگا کیونکہ اُس نے دونوں کا مال تلف کر دیا ہے پھر وہ ترنج مع قارورہ اُس کا ہو جائے گا یہ محیط سرخسی میں ہے اگر اونٹ کسی شخص کا موتی نگل گیا اور موتی بیش قیمت ہے یعنی اونٹ سے زیادہ قیمت کا ہے تو موتی کے مالک کو اختیار ہوگا کہ اونٹ والے کو اونٹ کی قیمت دے دے اور اگر موتی کی قیمت یوں ہی خفیف ہو (یعنی ایک درہم یا اُس سے کم ہو) تو اونٹ کے مالک پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ ایک شخص دوسرے کا موتی نگل گیا اور مر گیا تو موتی کی ضمان اُس کے ترکہ میں سے دی جائے گی اگر اُس نے ترکہ چھوڑا ہو اور اگر مال نہ چھوڑا تو موتی کے واسطے اُس کا پیٹ چاک نہ کیا جائے گا اور اگر موتی نگل جانے کے بعد زندہ موجود ہو تو اُس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اس قدر انتظار نہ کیا جائے گا کہ اُس کے پیٹ سے باہر نکلے اور اگر زید کی ملک میں ایک کدو کا درخت اُگا اور اُس کا پھل عمرو کے مٹکے میں لٹکا اور مٹکے کے اندر بڑا ہو گیا حتیٰ کہ بدون مٹکا توڑے نکل

---

[1] نورا بنوں جو تا پیسا ہوا آردگندم میں مخلوط ہو کر جدا کرنے کے قابل نہ رہا اور شاید وہ کسی کام کے واسطے مانند جلد سازوں کے خرید کیا جائے۔

نہیں سکتا ہے تو یہ صورت بمنزلہ ایسی صورت کے ہے کہ کسی کی مرغی دوسرے کا موتی نگل گئی پس دیکھا جائے گا کہ دونوں مالوں میں سے کس مال کی زیادہ قیمت ہے پس زیادہ قیمت والے سے کہا جائے گا کہ تیرا جی چاہے دوسرے کو اُس کے مال کی قیمت دے دے اور وہ مال تیرا ہو جائے گا اور اگر اس نے انکار کیا تو وہ مٹکا یوں ہی فروخت کیا جائے گا اور اُس کی بیع دونوں پر نافذ[1] (خود فروخت نہ کریں اور حاکم ان دونوں کے لیے فروخت کرے تو بیع دونوں پر نافذ ہوئی ۱۲) ہو گی پھر اُس کے ثمن میں دونوں اپنے حق کے موافق حصہ دار ہو جائیں گے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر کرایہ کے مکان میں کرایہ دار کا کوئی مٹکا ایسا ہو کہ بدون کسی قدر دیوار توڑے اُس کا نکالنا ممکن نہ ہو تو دونوں چیزوں پر لحاظ کیا جائے گا کہ جس قدر دیوار ٹوٹتی ہے اور زیادہ قیمت کی ہے یا مٹکا کذا فی المحیط اور اگر درہم یا موتی کسی شخص کی دوات میں گھس گیا اور اب بدوں دوات توڑے وہ نہیں نکلتا ہے پس اگر موتی یا درہم بنسبت دوات کے زیادہ قیمت کا ہے اور دوات کے مالک کی حرکت سے اس میں گھس گیا ہے تو دوات توڑی جائے گی اور جس کا موتی یا درہم ہے اُس پر کچھ تاوان لازم نہ ہوگا اور اگر موتی یا درہم کے مالک کے فعل سے یا بدون اُس کے فعل کے گھس گیا ہے تو بھی دوات توڑی جائے گی اور موتی یا درہم کا مالک دوات کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر وہ چاہے تو صبر کرے یہاں تک کہ دوات خود ہی ٹوٹے یہ جوہرہ نیرہ میں ہے اور اگر کسی شخص کے چوپایہ نے دوسرے کی ہانڈی میں سر ڈال دیا اور اب بدون ہانڈی توڑے اُس کا سر نہیں نکلتا ہے تو چوپایہ کا مالک مختار ہے کہ دوسرے کو اُس کی ہانڈی کی قیمت ادا کر کے ہانڈی کا مالک ہو جائے اور اُس کے نظائر بہت ہیں کہ زیادہ قیمت کے مال والے کو اختیار ہے کہ کم قیمت کے مال والے کو قیمت ادا کر کے اُس کا مالک ہو جائے اور اگر دونوں کی قیمت برابر ہو تو دونوں چیزیں فروخت کی جائیں گی اور بیع اُن دونوں پر نافذ ہو گی اور دونوں اُس کا ثمن باہم تقسیم کر لیں گے۔ امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ زید کا موتی عمرو کے آٹے کے ڈھیر میں گر پڑا تو فرمایا کہ اگر آٹے کے لوٹ پوٹ کرنے میں ضرر ہو تو میں اُس کو لوٹ پوٹ کرنے کا حکم نہ دوں گا اور موتی کا مالک منتظر رہے گا یہاں تک کہ ایک سرے سے آٹا ایک بار بعد دوسری بار کے فروخت ہوتا جائے اور اگر لوٹ پوٹ کرنے میں ضرر نہ ہو تو حکم دوں گا کہ لوٹ پوٹ کر کے تلاش کر لے اور شیخ بشرؒ نے (جو امام ابو یوسف کے شاگرد و راوی ہیں) فرمایا کہ وہی لوٹ پوٹ کرے گا جو موتی تلاش[2] کرتا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

ایک شخص نے دوسرے کے پاس ایک اونٹ کا بچہ ودیعت رکھا اور مستودع نے اُس کو اپنے گھر میں داخل کر لیا یہاں تک کہ وہ رہتے رہتے بڑا ہو گیا پھر یہ نوبت پہنچی کہ بدون دروازہ اکھاڑے وہ نکل نہیں سکتا ہے تو مودع کو اختیار ہوگا چاہے اپنی ذات سے ضرر دور کرنے کی غرض سے مودع کو اُس کی قیمت اُس روز کی قیمت کے حساب سے جس دن وہ ایسا ہو گیا تھا کہ نکل نہیں سکتا تھا دے دے یا اپنا دروازہ اکھاڑ کر مودع کو اُس کا اونٹ کا بچہ واپس کرے اور شیخ صدر الشہیدؒ نے اپنے واقعات میں فرمایا کہ اس مسئلہ میں جو حکم مذکور ہے اس کی اس طرح تاویل کرنی واجب ہے کہ یہ حکم اُس وقت ہے کہ جب گھر میں سے جس قدر منہدم کرنا پڑتا ہے اُس کی قیمت اونٹ کے بچہ کی قیمت سے زائد ہو اور اگر اونٹ کے بچہ کی قیمت اُس سے زائد ہو اور مستودع نے اونٹ کا بچہ نکالنے کے واسطے دروازہ اکھاڑنے سے انکار کیا تو واجب ہے کہ شتر بچہ کے مالک کو حکم دیا جائے کہ گھر سے جس قدر منہدم ہوتا ہے اُس کی قیمت مستودع کو دے کر شتر بچہ کو باہر نکال لے اور کتاب الحیطان میں ہے کہ یہ حکم اُس وقت ہے کہ مستودع نے اپنے گھر میں ودیعت کا شتر بچہ داخل کر لیا ہو اور اگر کوئی گھر مستعار لے کر اُس میں شتر بچہ داخل کیا ہو یہاں تک کہ وہ بڑا ہو گیا اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو شتر بچہ کے مالک سے کہا جائے گا کہ اگر تو اپنے شتر بچہ کو نکال سکے تو نکال لے ورنہ اُس کو ذبح کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نکال لے اور اگر ودیعت میں خچر یا گدھا ہو پس اگر دروازہ گرانے کا ضرر نقصان

---

[1] جو نسبت چوپایہ کے کم قیمت ہے۔ [2] تلاش یعنی خواہ مالک یا اُس کا وکیل۔

فاحش ہو تو بھی یہی حکم ہوگا اور اگر یسیر و قلیل ہو تو مالک کو اختیار ہوگا کہ دروازہ سے نکال لے اور جو کچھ نقصان دروازہ میں آئے اُس کا تاوان دے دے اور یہ ایک طرح کا استحسان ہے یہ محیط میں ہے اور واقعات ناطفی میں ہے کہ دو شخصوں میں سے ہر ایک کے پاس مَنکجہ☆ ہے ان میں سے ایک شخص نے دوسرے کے منکجہ میں سے کچھ برف لے کر اپنے منکجہ میں ڈال لیا تو اُس کی دو صورتیں ہیں تو جس منکجہ سے برف لیا ہو اُس نے کوئی ایسی جگہ بنائی تھی جس میں بدون جمع کیے ہوئے برف جمع ہو جاتا تھا یا ایسی جگہ تھی جس میں اُس کو برف جمع کرنے کی حاجت پڑتی تھی پس اوّل صورت میں اُس شخص کو جس کے منکجہ سے برف لیا ہے اختیار ہوگا کہ لینے والے کے منکجہ سے اپنا برف اگر جدا ہو تو لے لے اور اگر دوسرے برف سے مخلوط کر دیا ہو تو جس دن مخلوط کیا ہے اُس دن کے حساب سے اُس کی قیمت[1] لے لے اور دوسری صورت میں مسئلہ دو قسم پر ہے ایک یہ کہ لینے والے نے اُس شخص کے منکجہ میں سے نہیں لیا بلکہ اُس کی حد میں سے لے لیا اور دوسرے یہ کہ اُس کے منکجہ میں سے لے لیا پس پہلی قسم میں وہ برف اُسی کا ہے جس نے اُس کو لے لیا اور دوسری قسم میں حکم صورت اوّل کے مانند ہوگا یہ تاتارخانیہ میں ہے اور اگر کسی شخص نے اپنا مال دوسرے کے مال میں مخلوط کر دیا تو ضامن ہوگا مگر غلام ماذون قرض دار نے جس کو اُس کے مولیٰ نے ہزار درہم اپنے واسطے اسباب خریدنے کے لیے دیے تھے اور اُس نے اپنے درہموں میں خلط کر کے سب درہموں سے کوئی اسباب خریدا تو یہ اسباب اُس کے و اُس کے مولیٰ کے درمیان مشترک ہوگا اس کو ابن سماعہ نے امام محمدؒ سے ذکر کیا ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر زید نے عمرو کو دو درہم دیے اور بکر نے اُس کو ایک درہم دیا اور دونوں نے اُس کو خلط کرنے کے واسطے حکم دے دیا اور اُس نے تینوں درہم خلط کر دیے پھر اُن میں ایک درہم ستوق پایا تو اس باب میں کہ یہ درہم زید کا ہے یا بکر کا ہے عمرو امین کا قول قبول ہوگا اور اگر عمرو امین نے کہا کہ میں نہیں جانتا ہوں کہ یہ کس کا ہے تو میں امین سے اس کی ضمان لوں گا اگرچہ امین نے اُس کو دونوں کی اجازت سے خلط کیا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

<u>باب نہم:</u>

غاصب سے مال مغصوب کے استرداد کے و جن صورتوں میں غاصب ضمان سے بری ہوتا ہے اور جن میں نہیں بری ہوتا ہے اُن کے بیان میں

شیخ کرخیؒ نے فرمایا کہ اگر مغصوب منہ نے مال مغصوب میں ایسی بات کی جس سے غاصب قرار دیا جاتا ہے پس اگر یہ بات ملک غیر میں واقع ہوئی تو غصب کا پھیر لینے والا قرار دیا جائے گا اور اُس سے غاصب ضمان سے بری ہو جائے گا اور اُس کی یہ صورت ہے کہ مثلاً مغصوب سے خدمت لی (دلیل سقوط ضمان) اس واسطے کہ محل پر اپنا قبضہ مقرر کرنا غصب ہے پس جب اُس نے ایسی بات کی کہ جس سے غاصب ہو جاتا ہے تو مملوک پر اُس نے اپنا قبضہ قائم کیا اور مالک کا قبضہ قائم ہونا غاصب سے ضمان ساقط ہونے کا موجب ہے خواہ مالک اس کو پہچانے یا نہ پہچانے اس لیے کہ حکم تو سبب پر مبنی ہوتا ہے نہ علم پر اور ایسی حالت میں غاصب پہلے غصب کی وجہ سے غاصب نہ رہے گا ہاں اگر پھر از سر نو کوئی غصب کا فعل کرے تو غاصب ہوگا اسی طرح اگر غاصب نے غصب کیا ہوا کپڑا مالک کو پہنایا اور اُس نے پہن لیا حتیٰ کہ پھٹ گیا تو بھی یہی حکم ہے خواہ مالک اُس کو پہچانے یا نہ پہچانے اور اسی طرح اگر مالک نے وہ کپڑا فروخت کیا

---

[1] قیمت اوّل اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ برف بیچی ہے نہ مثلی اور یہاں بالفعل ساختہ برف مثلی ہونا چاہیے۔

☆ منکجہ : برف خانہ

یا اُس کو ہبہ کر دیا یہاں تک کہ اُس نے پکن[1] لیا اور پھٹ گیا تو بھی یہی حکم ہے اسی طرح اگر غاصب نے اناج غصب کر کے مالک کو کھانے کو دیا اور اس نے کھایا خواہ مالک نے اُس کو جانا ہو یا نہ جانا ہو اسی طرح اگر مالک خود غاصب کے گھر میں آیا اور وہی اناج جو غاصب نے غصب کیا تھا خود کھالیا خواہ پہچانا ہو یا نہ پہچانا ہو تو بھی یہی حکم ہے غاصب ضمان سے بری ہو جائے گا اور اگر غاصب نے آٹے[(۱)] کی روٹیاں پکا کر یا گوشت کو بھون کر پھر مالک کو کھلا دیا تو ضمان سے بری نہ ہوگا اس واسطے کہ مالک نے مال مغصوب پر اس صورت میں اپنا قبضہ ثابت نہیں کیا اور اگر مغصوبہ باندی غاصب کے پاس ایک آنکھ سے معذور[2] ہو گئی یا اُس کا دانت گر گیا پھر غاصب نے مالک کو واپس کر دی پھر مالک کے پاس اُس کی آنکھ کا عذر زائل ہو گیا یا دانت جم آیا تو اُس کی ضمان سے غاصب بری ہو جائے گا یہ ذخیرہ میں ہے۔

اگر کوئی غلام غصب کیا پھر اُس کی آنکھ میں پھلی پڑ گئی پھر غاصب نے مالک کو واپس دیا اور مالک نے اس نقصان کا جرمانہ لے لیا پھر مالک نے اُس کو فروخت کیا اور مشتری کے پاس اُس کی آنکھ صاف ہو گئی تو جس قدر مالک نے آنکھ کے نقصان کا جرمانہ غاصب سے لیا ہے اُس کو غاصب واپس لے گا اس واسطے کہ جرم کا اثر زائل ہو گیا یہ ظہیریہ میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کا دار غصب کیا پھر مالک سے اُس کو کرایہ پر لیا حالانکہ وہ دار دونوں کے حضور میں نہیں ہے تو ضمان سے بری نہ ہوگا اور اگر غاصب اس میں رہتا ہو یا اس میں رہنے پر قادر ہو تو ضمان سے بری ہو جائے گا کیونکہ اُس پر کرایہ واجب ہو گیا یہ وجیز کردری میں ہے اور اگر زید نے عمرو کے غصب کیے ہوئے غلام کو عمرو سے اپنی کوئی دیوار معلوم بنانے کے واسطے اجارہ پر لیا تو جب تک وہ غلام دیوار کا کام شروع نہ کرے تب تک اُس کی ضمان میں رہے گا پھر جب دیوار کا کام شروع کرے گا تب سے غاصب ضمان سے بری ہو جائے گا اسی طرح اگر مالک سے خدمت کے واسطے اجارہ لیا ہو تو بھی یہی حکم ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ امام محمدؒ نے جامع میں فرمایا کہ اگر ایک شخص نے دوسرے کا غلام غصب کیا پھر مالک سے اس کو اجارہ پر لیا تو صحیح ہے اور مستاجر فقط عقد ہی سے اُس پر قابض قرار دیا جائے گا اور ضمان غصب سے بری ہو جائے گا اس واسطے کہ قبضہ غصب قبضہ اجارہ کا نائب ہوگا اس لیے کہ جب قبضہ غصب قبضہ خرید کا نائب ہوتا ہے تو بدرجہ اولیٰ قبضہ اجارہ کا نائب ہوگا پس جب فقط عقد ہی سے بطریق اجارہ قابض قرار دیا گیا تو وہ غاصب نہ رہے گا بلکہ امین ہو جائے گا اور ضمان مرتفع ہو جائے گی اور پھر ضمان عود نہ کرے گی مگر جب کہ دوبارہ کوئی تعدی کرے[(۱)] پس اگر مدت اجارہ میں غلام مر گیا تو امانت میں مرا اور جس قدر مدت گذری ہو اُس کی اجرت غاصب پر واجب ہوگی اور باقی ساقط ہو جائے گی پھر اگر اجارہ کی مدت گزر گئی اور غلام زندہ موجود ہے تو ضمان عود نہ کرے گی یعنی مال مضمون نہ ہو جائے گا اور منتقی میں ہے کہ اگر کسی شخص سے غلام غصب کر کے پھر اُس سے کسی کام کے واسطے اجارہ لیا تو جس وقت غلام اُس کام کو شروع کرے گا اُس وقت غاصب ضمان سے بری ہو جائے گا اس واسطے کہ غاصب پر اجرت واجب ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے۔

اگر مال مغصوب کو مالک نے غاصب کو عاریت دیا تو غاصب فقط اتنے سے بری نہ ہو جائے گا حتیٰ کہ اگر قبل استعمال کے وہ مال تلف ہو گیا تو غاصب پر اُس کی ضمان واجب ہوگی اور اگر مالک نے غاصب سے کہا کہ میں نے مال مغصوب تیری ودیعت میں دیا پھر وہ مال غاصب کے پاس تلف ہو گیا تو غاصب ضامن ہوگا اس واسطے کہ ضمان سے بری کرنا صریحاً نہیں پایا گیا اور عقد ودیعت و حکم بحفاظت دونوں ضمان غصب کے منافی نہیں ہیں یہ فصول عمادیہ میں ہے واضح ہو کہ مغصوب منہ نے اگر مغصوبہ باندی کا نکاح کر دیا تو امام ابو یوسف کے قیاس پر غاصب فی الحال ضمان سے بری ہو جائے گا اور امام اعظمؒ کے نزدیک نہیں بری ہوگا اور یہ اختلاف فرع اختلاف بیع

---

[1] غنیمہ کسی خاص شخص کی طرف نہیں بلکہ جس شخص کو وہ دینا پہنچ جائے۔ (۱) یعنی منصوب آٹا ہو۔ (۲) پھر کوئی فعل موجب ضمان صادر ہو۔

ہے آیا نکاح کرنے سے مالک قابض ہو جائے گا یا نہیں اور اگر اُس کے شوہر نے اُس سے وطی کر لی تو بالاجماع غاصب بری ہو جائے گا یہ سراج الوہاج میں ہے اور مغصوب منہ نے مغصوب کو کوئی کام سکھلانے کے واسطے غاصب کو اجیر مقرر کیا تو جائز ہے مگر وہ غاصب کے پاس اسی طرح مضمون رہے گا کہ اگر یہ کام سیکھنا شروع کرنے سے پہلے یا بعد مر گیا تو غاصب ضامن ہو گا اسی طرح اگر غاصب کو مغصوب نے کپڑے کے دھونے کے واسطے اجیر مقرر کیا تو بھی یہی حکم ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر زید نے عمرو کے گیہوں غصب کر کے پھر عمرو کو دیئے کہ میرے واسطے ان کو پیس دے اُس نے پیسے پھر اُس کو معلوم ہوا کہ یہ وہی میرے گیہوں ہیں تو اُس کو اختیار ہو گا کہ آٹا سب داب رکھے اسی طرح اگر عمرو کا سوت غصب کر کے پھر عمرو کو دے کر کہا کہ میرے واسطے اس کا کپڑا بُن دے پھر عمرو کو معلوم ہوا کہ میرا سوت ہے تو بھی یہی حکم ہے اسی طرح اگر زید نے عمرو کا جانور غصب کیا اور عمرو مر گیا اور اُس کا وارث زید کے پاس آیا اور وہ جانور عاریت مانگا اور زید نے دے دیا اور وہ وارث کے پاس مر گیا تو زید اُس کے تاوان سے بری ہو جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

غاصب نے اگر مال مغصوب کو بحکم قاضی فروخت کیا تو ضمان سے بری ہو جائے گا جیسے بحکم مالک فروخت کرنے میں بری ہوتا ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے اگر مالک نے غاصب کو حکم دیا کہ غلام مغصوب فروخت کرے تو صحیح ہے اور غاصب وکیل قرار دیا جائے گا مگر فقط حکم دینے سے غاصب ضمان سے بری نہ ہو گا اور نہ فقط بیع کر دینے سے بری ہو گا حتیٰ کہ اگر بعد بیع کے مشتری کو سپرد کرنے سے پہلے وہ غلام مر گیا تو بیع ٹوٹ جائے گی اور غاصب اُس کی قیمت کا ضامن ہو گا اسی طرح اگر مغصوب منہ نے مال مغصوب خود ہی فروخت کیا تو مشتری کو سپرد کرنے سے پہلے غاصب اُس کی ضمان سے بری نہ ہو گا۔ پھر واضح ہو کہ اگر غاصب نے مغصوب منہ کے حکم سے مال مغصوب فروخت کر دیا پھر مشتری نے بسبب عیب کے غاصب کو واپس کیا پس اگر قبضہ سے پہلے واپس کیا ہو تو بحالہ غاصب کے پاس مضمون رہے گا اور اگر بعد قبضہ کے واپس کیا تو غاصب کے ہاتھ میں مضمون ہو کر نہ رہے گا یہ ذخیرہ میں ہے اور اگر مالک نے غاصب کو حکم دیا کہ غصب کی ہوئی بکری کی قربانی کر دے تو قربانی کر دینے سے پہلے غاصب اُس کی ضمان سے بری نہ ہو گا یہ فصول عمادیہ میں ہے۔ اگر غاصب نے مغصوب منہ کو مال مغصوب واپس کیا تو کتاب میں حکم مطلق مذکور ہے کہ ضمان سے بری ہو جائے گا اور امام خواہرزادہ نے کتاب الاقرار میں فرمایا کہ حاصل مسئلہ کی چند صورتیں ہیں اگر مغصوب منہ بالغ ہو تو وہی حکم ہے جو کتاب میں مذکور ہے اور اگر نابالغ ہو پس اگر ماذون التجارۃ ہو تو بھی وہی حکم ہے اور اگر مجور ہو پس اگر قبضہ و حفاظت کو نہ سمجھتا ہو اور غاصب نے وہ مال اُس سے غصب کرنے اور اپنی جگہ سے تحویل[1] کرنے کے بعد اُس کو واپس کیا تو بری نہ ہو گا اور اگر اپنی جگہ سے تحویل کرنے سے پہلے اُس کو واپس کیا تو استحساناً بری ہو جائے گا اور اگر نابالغ مجور ایسا ہو کہ قبضہ ٔ حفاظت کو سمجھتا ہو تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور فتاویٰ فضلی میں لکھا ہے کہ اگر نابالغ لینا دینا سمجھتا ہو تو غاصب ضمان سے بری ہو جائے گا اور کچھ اختلاف ذکر نہیں کیا اور اگر نہ سمجھتا ہو تو بری نہ ہو گا اور کچھ تفصیل ذکر نہیں فرمائی اور بھی فتاویٰ فضلی میں لکھا ہے کہ اگر مال مغصوب درہم ہوں اور غاصب نے ان کو تلف کر دیا پھر اُن کے مثل نابالغ کو واپس دیئے اور وہ نابالغ عاقل ہے پس اگر وہ نابالغ عاقل ماذون ہو تو غاصب بری ہو جائے گا اور اگر مجور ہو تو بری نہ ہو گا یہ محیط میں ہے اگر جانور کی پیٹھ پر سے زین غصب کر کے پھر اس کی پیٹھ پر لوٹا دی تو ضمان سے بری نہ ہو گا یہ وجیز کردری میں ہے ایک شخص نے ایندھن کی لکڑی غصب کر کے پھر مغصوب منہ کو اپنی ہانڈیاں پکانے کے واسطے مزدور کیا اور اُس نے ہانڈیوں کے نیچے وہی لکڑیاں جلائیں اور یہ نہ جانا کہ یہ وہی لکڑیاں ہیں تو مشائخ نے فرمایا کہ اُس کی کوئی روایت نہیں ہے اور صحیح یہ حکم ہے کہ غاصب ضمان سے بری ہو جائے گا یہ جواہر اخلاطی میں ہے۔

---

[1] تحویل ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا اور یہ اس واسطے کہ غصب متحقق ہو اور قیمت میں فرق ہو۔

زید کا عمرو پر قرضہ آتا ہے زید نے عمرو کے مال سے بقدر اپنے حق کے لے لیا تو صدر الشہیدؒ نے فرمایا کہ مختار یہ ہے کہ زید غاصب نہ ہوگا اس لیے کہ اس نے با اجازت شرع لیا ہے لیکن اُس سے مضمون علیہ ہو جائے گا اور یہ اس واسطے کہ یہ ادائے قرض کا طریقہ ہے یہ محیط میں ہے ایک شخص کا دوسرے پر قرضہ آتا ہے پھر ایک شخص غیر نے مقروض کے مال سے لے کر قرض خواہ کو دے دیا تو مشائخ نے اختلاف کیا ہے شیخ نصیر بن یحییٰ نے فرمایا کہ یہ مال قرضہ کا قصاص ہو جائے گا یعنی ادلا بدلا جائے گا اس واسطے کہ جس نے لے کر دیا ہے وہ بمنزلہ قرض خواہ کے وصول کرنے کے مددگار کے ہو گیا اور فتویٰ اسی قول پر ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے ایک شخص نے سوتے ہوئے آدمی کی انگوٹھی اُتار لی اور پھر سوتے ہی میں اُس کو پہنا دی تو بری ہو جائے گا اور اگر وہ جاگا پھر سو گیا پھر دوسری نیند میں اس نے اس کو پہنا دی تو بری نہ ہوگا کیونکہ پہلی صورت میں سوتے کو واپس دینا واجب ہوا تھا اور وہ پایا گیا اور دوسری صورت میں جاگتے کو واپس دینا واجب ہوا تھا اور یہ نہ پایا گیا اور حاصل یہ ہے کہ سوتے آدمی کی اُنگلی میں انگوٹھی یا پاؤں میں موزہ یا سر پر ٹوپی واپس کرنے میں امام ابو یوسف ضمان سے بری ہونے کے واسطے اتحاد نوم یعنی نیند کا متحد ہونا اعتبار کرتے ہیں جیسا کہ اس مقام پر مذکور ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک مجلس کا متحد ہونا معتبر ہے حتیٰ کہ اگر اُس نے اُسی مجلس میں جہاں سے چیز اُتاری تھی وہیں پہنا دی تو تاوان سے بری ہو جائے گا اگرچہ نیند میں واپس دی ہو پس اگر اُس کی جگہ سے تحویل نہ پائی گئی اور اُس کی اُنگلی چاہے کوئی اُنگلی ہو یا پاؤں میں دوبارہ پہنا دی تو ضمان ساقط ہو جائے گی اور اگر اپنی جگہ سے تحویل پائی گئی پھر اُسی نیند میں یا دوسری نیند میں دوبارہ پہنا دی تو بری نہ ہوگا جب تک کہ اُس کو جاگنے میں واپس نہ کرے یہ وجیز کردری میں ہے۔

اگر دوسرے شخص کا کپڑا اُس کی غیبت میں بدوں اُس کی اجازت کے پہن لیا پھر اُتار کر اُس کی جگہ پر رکھ دیا تو ضمان سے بری نہ ہوگا اور ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ وہ کپڑا اس طرح پہنا ہو جس طرح اُس کے پہننے کی عادت جاری ہو اور اگر قمیص تھی اور اُس کو اپنے کاندھے پر ڈال لیا پھر اُتار کر اُس کی جگہ پر رکھ دیا تو بالاتفاق ضامن نہ ہوگا اور منتقیٰ میں ابن سماعہ کی روایت سے امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے کے گھر سے اُس کا کپڑا بدون اُس کی اجازت کے لے لیا اور پہنا پھر اُس کو اُس کے گھر میں جہاں سے لیا تھا رکھ دیا اور وہ تلف ہو گیا تو استحساناً اُس شخص پر ضمان نہیں ہے اسی طرح اگر دوسرے کا جانور اُس کے تھان پر سے جہاں چارہ پاتا ہے بدون مالک کی اجازت کے لے لیا پھر اُس کو اُس کی جگہ پر واپس پہنچا دیا تو استحساناً ضامن نہ ہوگا اور اگر کسی شخص کے ہاتھ سے اس کا جانور براہ غصب لے لیا پھر اُس کو واپس کرنے کو لایا مگر مالک یا خادم کو نہ پایا اور جانور کو اُس کے تھان پر باندھ دیا تو وہ شخص ضامن ہوگا اس کو شمس الائمہ سرخسی نے شرح کتاب العاریہ میں صریح بیان فرمایا ہے یہ ذخیرہ میں ہے اگر ایک شخص کی تھیلی میں ہزار درہم ہوں اور ایک شخص نے اُس تھیلی میں سے آدھے درہم نکال لیے پھر چند روز بعد جس قدر نکالے تھے واپس لا کر اُس تھیلی میں رکھ دیے تو یہ شخص فقط اُسی قدر درہموں کا ضامن ہوگا جتنے اُس نے نکال کر واپس لا کر تھیلی میں رکھے ہیں دوسرے درہموں کا ضامن نہ ہوگا اور تھیلی میں واپس لا کر رکھنے سے ضمان سے بری نہ ہوگا یہ وجیز کردری میں ہے اگر غاصب مال مغصوب کو لایا اور مالک کی گود میں رکھ دیا حالانکہ مالک کو معلوم نہ ہوا کہ یہ میری ملک ہے پھر ایک شخص نے آ کر اُس کو اُٹھا لیا تو صحیح یہ ہے کہ غاصب بری ہو جائے گا کذا فی المحیط السرخسی اور اگر مال مغصوب کو تلف کر کے بلا حکم قاضی مالک کو قیمت دینی چاہی اور مالک نے قبول نہ کی اور غاصب اُس کے سامنے رکھ گیا تو ضمان سے بری نہ ہوگا لیکن اگر مالک کے ہاتھ یا گود میں رکھ جائے تو بری ہو جائے گا یہ وجیز کردری میں ہے اور اگر غاصب نے مغصوب مال کسی ایک وارث مغصوب منہ کو واپس دیا تو دوسرے وارثوں کے حصہ سے بری نہ ہوگا بشرطیکہ یہ واپس کرنا بدون حکم قاضی ہو یہ سراجیہ میں ہے غاصب نے مال مغصوب مالک کو واپس دیا مگر اُس نے قبول نہ کیا اور غاصب اُس کو اپنے گھر واپس لے گیا پس اگر اُس

نے مالک کے پاس رکھانہ تھااور وہ غاصب کے پاس تلف ہو گیا تو ضامن نہ ہوگا اور اپنے گھر واپس لے جانے سے غصب جدید ثابت نہ ہوگا جب کہ اُس نے مالک کے پاس نہ رکھ دیا ہو اور اگر مالک کے پاس اس طرح رکھ دیا ہو کہ مالک کا قبضہ اُس چیز تک پہنچتا ہو پھر غاصب اُس کو دوبارہ اپنے گھر اٹھا لے گیا اور وہ چیز غاصب کے پاس ضائع ہو گئی تو ضامن ہوگا لیکن جب کہ وہ چیز غاصب کے ہاتھ ہی میں رہی اور اُس نے مالک کے پاس نہ رکھی مگر مالک سے کہا کہ اس کو لے لے اور مالک نے قبول نہ کیا تو وہ چیز غاصب کے ہاتھ میں امانت ہو گئی (یعنی ضائع ہونے سے ضامن نہ ہوگا) یہ وجیز کردری میں ہے یتیمیہ میں لکھا ہے کہ شیخ ابو عصمہؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص دوسرے کی تھیلی سے درہم غصب کر کے اپنے خرچ میں لایا پھر جس قدر لیے تھے اُس کے مثل اُس شخص کی تھیلی میں ڈال کر اُس کے درہموں میں مخلوط کر دیئے بدون اس کے کہ اُس کے مالک کو آگاہ کرے تو شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابھی حکم موقوف رہے گا یہاں تک کہ یہ دریافت ہو کہ اُس کے مالک نے جو کچھ تھیلی میں درہم تھے سب خرچ کر دیئے یا تھیلی جہاں رکھی تھی وہاں سے اٹھالی تو اُس وقت غاصب کے ذمہ سے ضمان ساقط ہو جائے گی اور شیخ نصیرؒ سے مروی ہے کہ اگر راستہ میں ایک چوپایہ کھڑا دیکھ کر اس کو ایک طرف ہٹا دیا تو ضامن ہوگا اور شیخ ابن سلمہؒ سے مروی ہے کہ اگر ہٹانے کے بعد وہ کھڑا ہو گیا پھر چلا گیا تو ضامن نہ ہوگا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

ایک شخص کے پاس دو کُر گیہوں تھے اس میں سے ایک شخص نے ایک کُر غصب کر لیا پھر مالک نے دوسرا کُر اُس غاصب کے پاس ودیعت رکھا پھر غاصب نے اُس کو غصب کیے ہوئے کُر میں ملا دیا پھر یہ سب گیہوں ضائع ہو گئے تو غصب کیے ہوئے کُر کا ضامن ہوگا اور کُر ودیعت کا ضامن نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے اگر ایک شخص کی کشتی غصب کر کے اُس پر سوار ہوا جب بیچ دریا میں پہنچا تو کشتی کا مالک اُس سے جاملا تو مالک کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ وہیں اُس سے اپنی کشتی واپس لے لیکن وہاں سے کنارہ تک اس کو اجارہ پر دے دے اور یہ حکم بنظر مراعات طرفین ہے اسی طرح اگر کسی شخص نے چوپایہ دوسرے کا غصب کر لیا اور بیچ جنگل میں مہلکہ کے مقام پر اُس کا مالک غاصب سے جاملا تو وہیں اُس سے واپس نہیں لے سکتا ہے مگر وہاں سے اس کو اجارہ پر دے دے یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص کو غصب کیے ہوئے کپڑے کا کفن دے کر دفن کر کے اُس پر مٹی ڈال دی گئی اور تین روز گذر گئے یا نہ گذرے پھر کفن کا مالک آیا پس اگر میت کا ترکہ موجود ہو یا نہ ہو مگر کسی نے اُس کی قیمت دے دے تو مالک پر واجب ہوگا کہ اُس کو لے لے اور قبر کو نہ کھودے اور یہ استحسان ہے اور اگر مالک کو قیمت نہ پہنچی تو اس کو اختیار ہوگا چاہے اپنی آخرت کے ثواب کے واسطے چھوڑ دے یا قبر کھود کر اپنا کفن لے لے مگر پہلی بات افضل ہے کہ اُس میں اُس کی دین و دنیا کی بہتری ہے اور اگر اُس نے قبر کھود کر کفن لے لیا اور وہ کفن ناقص ہو گیا ہے تو اُس کو اختیار رہے گا کہ جنھوں نے میت کو کفنا کر دفنایا ہے ان سے ضمان لے یہ کبریٰ میں ہے اگر کسی شخص نے کپڑا یا دراہم یا چوپایہ غصب کیا اور وہ بعینہٖ موجود ہے اور مالک نے غاصب کو اُس سے بری کر دیا (جرم غصب سے) تو صحیح ہے اور غصب (مال) اُس کے پاس امانت ہو جائے گا اسی طرح اگر مالک نے اُس کو اس سے حلال کر دیا[1] تو غاصب ضمان سے بری ہو جائے گا خواہ وہ مال قائم ہو یا تلف ہو گیا ہو پس اگر تلف ہو گیا ہو گا تو یہ قول قرضہ سے ابراء[2] ہے اور اگر قائم ہو گا تو ضمان غصب سے ابراء ہے اور وہ چیز غصب جو اُس کے پاس[3] موجود ہے وہ اُس کے پاس امانت ہو جائے گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر کسی شخص نے دوسرے کے درخت کی شاخ کاٹ ڈالی اور اُس کی جگہ دوسری شاخ پھوٹ نکلی تو ضمان سے بری نہ ہوگا اسی طرح اگر کھیتی یا ساگ کاٹ ڈالا اور بجائے اُس کے دوسرا اُگا تو کاٹی ہوئی کھیتی یا ساگ کے ضمان سے بری نہ ہوگا یہ فصول عمادیہ میں ہے۔ فتاویٰ نسفی میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کا میدان غصب کر کے اپنی عمارت میں داخل کر لیا یا دوسرے کا پودا غصب کر کے اپنی زمین میں جما دیا اور وہ بڑا ہو گیا یہاں تک کہ مالک کا حق اُس سے منقطع ہو گیا پھر مالک نے غاصب سے کہا کہ میں نے تجھے میدان و پودا ہبہ کر دیا تو صحیح ہے اور یہ قول ضمان سے ابراء ہے یہ محیط میں ہے اور نوازل میں لکھا ہے کہ کسی شخص نے دوسرے کی ابریق

---

(۱) یوں کہہ دیا کہ انت فی حل من دلک یا حللتک۔ (۲) تاوان اور قیمت سے بری ہو جائے گا۔ (۳) مالک کے پاس امانت ہوگی۔

چاندی کی (چھاگل) توڑ دی پھر دوسرے شخص نے آ کر اور زیادہ توڑ دی تو پہلا شخص ضمان سے بری ہو گیا اور دوسرا اُس کے مثل ضمان دے گا اسی طرح اگر کسی شخص نے گیہوں میں پانی ڈال دیا پھر دوسرے نے آ کر پانی ڈال دیا اور نقصان زیادہ ہو گیا تو پہلا شخص ضمان سے بری ہو گیا اور دوسرا شخص اپنے پانی ڈالنے کے روز کی گیہوں کی قیمت کا ضامن ہوگا یہ فصول عمادیہ میں ہے اگر ایک شخص نے دوسرے شخص کا چاندی کا برتن توڑ ڈالا پھر مالک نے اس کو برباد کر دیا قبل اس کے کہ توڑنے والے کو دے دے تو توڑنے والے پر کچھ واجب نہ ہوگا اس لیے کہ تضمین کی شرط یہ ہے کہ کسور اس کا سر (تڑوانے) کے سپرد کرے مگر اُس نے خود ہی ناپید کر کے یہ شرط کھو دی یہ محیط میں ہے ایک شخص نے دوسرے کی چیز غصب کر کے حفاظت کے واسطے اُس پر قبضہ کیا اور مالک نے اُس کو حفاظت کے واسطے حکم دیا جس طرح اُس نے لی تھی تو غاصب ضمان سے بری ہو گیا اور اگر غاصب نے اُس سے کچھ نفع حاصل کیا پھر مالک نے اس کو حفاظت کا حکم دیا تو ضمان سے بری نہ ہوگا اور علیٰ ہذا اگر کسی شخص نے دوسرے کا مال کسی غیر شخص کو ودیعت دیا پھر مالک نے اجازت دے دی تو دینے والا ضمان سے بری ہو جائے گا یہ خلاصہ میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کی چیز غصب کی پھر مغصوب منہ غائب ہو گیا اور غاصب قاضی کے پاس حاضر ہوا اور قاضی سے درخواست کی کہ یا تو مجھ سے یہ چیز لے لے یا اُس کا خرچہ مقرر کر دے تو قاضی نہ اُس چیز کو لے گا اور نہ اُس کا نفقہ مقرر کرے گا اور اگر وہ شخص غاصب ایسا ہو کہ چیزوں کو تلف کر ڈالتا ہو اُس کی ذات سے ایسے امر کا خوف ہو اور قاضی کی رائے میں آیا کہ اس سے لے کر فروخت کر دے تو کچھ ڈر نہیں ہے[1] اس واسطے کہ اس صورت میں بھی ایک طرح کی نظر شفقت تھی اور اس صورت میں بھی ایک طرح کی نظر مصلحت ہے پس اس باب میں قاضی کی رائے جائز ہوگی کذا فی الظہیر یہ۔

باب نہم:

غصب میں دعویٰ واقع ہونے اور غاصب و مغصوب منہ میں اختلاف واقع ہونے اور اُس میں گواہی ادا ہونے کے بیان میں

امام محمدؒ نے فرمایا کہ ایک شخص نے دوسرے پر اس دعویٰ کے گواہ قائم کیے کہ اس نے میری ایک باندی غصب کر لی ہے تو میں اُس کو قید کروں گا یہاں تک کہ باندی لائے وہ مدعی کو واپس دی جائے گی شیخ ابوالیسیر و امام سرخسی نے ذکر کیا کہ یہ جو امام محمدؒ نے ذکر فرمایا کہ ایسا دعویٰ و گواہی مسموع ہے یہی اصح ہے اس واسطے کہ غصب کبھی اچانک واقع ہو جاتا ہے تو گواہوں سے باندی کی صفت و قیمت کی شناخت نہیں ہو سکتی ہے پس تعذر کی وجہ سے گواہوں سے علم اوصاف کا اعتبار ساقط ہو جائے گا اور اُن کی گواہی سے فعل غصب ثابت ہوگا اور بکرؒ نے ذکر کیا کہ اگر حق قضا میں یہ گواہی مثبت نہ ہو تو حق ایجاب حبس میں مثبت ہوگی جیسا کہ سرقہ میں حکم ہے اور اقضیہ میں لکھا ہے کہ یہ سب اُس صورت میں ہے کہ مدعی نے باندی کے موجود ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور اگر یہ دعویٰ کیا کہ وہ مر گئی تو بالاتفاق صحت دعویٰ کے واسطے بیان قیمت شرط ہے اور امام محمدؒ نے جو فرمایا کہ یہاں تک کہ باندی لائے وہ مدعی کو واپس دی جائے گی اس سے یہ غرض ہے کہ جب اُس کے عین پر دوبارہ گواہ قائم کرے[2] اور غرض یہ ہے کہ باندی کے حاضر کرنے کے بعد اگر دونوں نے اُس کے عین میں اختلاف کیا تو دوبارہ گواہی کی ضرورت ہے اور اگر غاصب نے کہا کہ وہ باندی بھاگ گئی یا مر گئی یا میں نے اُس کو فروخت کر کے مشتری کے سپرد کر دیا اور اب میں اُس پر قادر نہیں ہوں پس اگر مدعی نے اُس کے قول کی تصدیق کی تو غاصب پر قیمت کی ڈگری کی جائے گی اگر

(۱) لے کر فروخت کر دے جائز ہے۔ (۲) یعنی یہ وہی باندی ہے۔

مدعی نے اس کی درخواست کی اور اگر مدعی نے اُس کے قول کی تکذیب کی تو قاضی اُس کو قید کرے گا یہاں تک کہ قاضی کی رائے اس طرف غالب ہو جائے کہ اگر غاصب اُس پر قادر ہوتا تو اُس کو ظاہر کرتا پھر اس کو قید سے باہر نکالے گا اور مدعی سے کہے گا کہ تو اس باندی کے ظاہر ہونے تک انتظار کرنا چاہتا ہے یا تاوان قیمت چاہتا ہے پس اگر اُس نے قیمت چاہی اور دونوں نے کسی قدر قیمت پر اتفاق کیا تو اس قدر قیمت کی ڈگری کر دے گا اور اگر مقدار قیمت میں اختلاف کیا تو مدعی کے ذمہ گواہ لانا ہے اور قسم کے ساتھ غاصب کا قول قبول ہوگا اور اگر غاصب نے قسم سے انکار کیا تو یہ مثل اقرار کے ہے پس اُس پر نکول سے ڈگری کر دی جائے گی اور اگر قسم کھا گیا تو جس قدر غاصب نے اقرار کیا ہے اسی قدر قیمت مدعی لے لے گا پھر اگر وہ باندی ظاہر ہوئی پس اگر مدعی نے اُس کی قیمت ثبوت گواہان لی یا غاصب نے اُس کے دعویٰ قیمت کی تصدیق کی تھی وہی قیمت لی یا غاصب کے نکول پر اپنے دعویٰ کی قیمت لی ہو تو مالک کو اُس باندی کی طرف کوئی راہ نہیں ہے اور اگر غاصب کے قول پر اُس کی قیمت لی ہو حالانکہ اس قدر پر راضی نہ تھا تو مختار ہوگا چاہے قیمت واپس کر کے باندی لے لے یا قیمت پر راضی رہے تو باندی غاصب کی ہو جائے گی اور شیخ کرخی نے فرمایا کہ یہ حکم اُس وقت ہے کہ جب یہ ظاہر ہے کہ اس باندی کی قیمت غاصب کے بیان سے زائد ہے اور اگر اُسی قدر نکلی کہ جس قدر غاصب نے بیان کی ہے تو مالک کو اُس کے لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی ہکذا فی التمر تاشی اور ظاہر الروایت میں جو حکم مذکور ہے وہ مطلق ہے[1] اور وہی صحیح ہے یہ مبسوط میں ہے۔

اگر مغصوب منہ نے آکر غاصب کے قبضہ کی باندی کا خود دعویٰ کیا حالانکہ غاصب انکار کرتا ہے پس مدعی نے دو گواہ قائم کیے ایک نے یہ گواہی دی کہ یہ باندی مدعی کی ہے مدعی نے اس کو فلاں شخص سے خریدا ہے اور دوسرے نے یہ گواہی دی کہ یہ باندی مدعی کی ہے اُس نے اُس کو اپنے باپ سے میراث پایا ہے تو گواہی جائز نہ ہوگی اور اگر ایک گواہ نے فلاں شخص سے خریدنے کی گواہی دی یا دوسرے نے کسی اور دوسرے شخص سے خریدنے کی یا بطور ہبہ یا صدقہ پانے کی گواہی دی تو گواہی جائز نہ ہوگی اور اگر دونوں نے یہ گواہی دی کہ یہ باندی اس مدعی کی ہے اس سے اس غاصب نے غصب کر لی ہے اور غاصب اُس کو فروخت کر کے مشتری کے سپرد کر چکا ہے پھر اس کے بعد مالک نے بیع کی اجازت دے دی تو فرمایا کہ جائز ہے پس اگر غاصب ثمن وصول کر چکا ہو اور وہ اُس کے پاس تلف ہو گیا ہو تو مالک کنیز کا مال گیا اور جو کچھ باندی سے مشتری کے پاس از قسم اولاد یا کمائی یا ارش جنایت یا اُس کے مانند پیدا ہوئی وہ سب مشتری کی ہوگی اور اگر مالک نے بیع کی اجازت نہ دی اور اپنی باندی کو لے لیا تو اُس کے ساتھ یہ سب بھی لے لے گا اور اگر مشتری نے اُس کو آزاد کر دیا تو ہمارے نزدیک مالک کی اجازت بیع سے پہلے عتق نافذ نہ ہوگا اور اگر مشتری کے آزاد کرنے کے بعد مالک نے بیع کی جازت دی تو بیع جائز ہو جائے گی اور استحساناً عتق نافذ ہو جائے گا یہ امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کا قول ہے ایسا ہی امام محمدؒ ان دونوں اماموں سے روایت فرماتے ہیں یہ مبسوط میں ہے اگر زید و عمرو نے بکر پر ایک باندی کا دعویٰ کیا پس زید نے گواہ دیئے کہ بکر نے مجھ سے یہ باندی فلاں وقت میں غصب کر لی اور عمرو نے گواہ دیئے کہ بکر نے مجھ سے یہ باندی فلاں وقت متاخر میں غصب کر لی ہے یعنی ایسا وقت بیان کیا جو پہلے مدعی کے وقت کے بعد ہے تو فرمایا کہ امام اعظمؒ کے قیاس پر وہ باندی دوسرے مدعی کو ملے گی اور پہلے مدعی کی قیمت غاصب پر واجب ہوگی اور امام ابو یوسفؒ کے قیاس پر وہ باندی پہلے مدعی کو ملے گی اور دوسرے مدعی کا کچھ حق ضمان غاصب پر واجب نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر زید نے عمرو پر دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ سے میری مملوکہ باندی غصب کر لی ہے اور عمرو نے کہا کہ جس باندی کا یہ شخص دعویٰ

---

(۱) یعنی اس میں یہ تفصیل نہیں ہے جو شیخ کرخی نے بیان کی ہے۔

کرتا ہے میں نے اُس کو سو درہم میں خریدا ہے اور دونوں نے اپنے اپنے گواہ قائم کیے تو عمرو کے گواہ قبول ہوں گے یہ جواہر اخلاطی میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کی مقبوضہ باندی کا دعویٰ کیا کہ یہ باندی میری ہے اس قابض نے مجھ سے غصب کر لی ہے مگر مدعی کے گواہوں نے غصب کی گواہی نہ دی صرف مدعی کی ملک ہونے کی گواہی دی اور قاضی نے چاہا کہ مدعی گواہ قائم کرنے والے کے نام ڈگری کر دے تو کیا مدعی سے یوں قسم لے گا کہ واللہ میں نے یہ باندی اس کے ہاتھ فروخت نہیں کی اور نہ اُس کو اس میں تصرف کرنے کی اجازت دی ہے یا نہیں تو فرمایا کہ نہیں لیکن اگر قابض ان باتوں میں سے کسی بات کا دعویٰ کرے تو البتہ قسم لے گا اور امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ قاضی اُس سے قسم لے گا اگرچہ قابض درخواست دعویٰ نہ کرے تاکہ حکم قضا محکم ابرم ہو اور اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کے ترکہ میں اپنے قرضہ کا دعویٰ کیا تو باوجود گواہ قائم کرنے کے قاضی اُس سے قسم لے گا کہ واللہ میں نے یہ قرضہ وصول نہیں پایا اور نہ میں نے قرض دار کو بری کیا ہے اگرچہ مدعا علیہ اُس کا دعویٰ نہ کرے اور یہ مسئلہ اجماعی امام ابو یوسف کے قول کا شاہد ہے یہ محیط میں ہے۔ قال المترجم[1] المیت غیر ناظرنی فی حقوقه فجعل القاضی مقامه فی النظر بطلب الحلف لعموم ولایته بخلاف الحی حیث لم یدع ما فیه نظره فلفتنا فلایتم الاشهاد۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کا کپڑا غصب کر لیا اور غاصب کی طرف سے مغصوب منہ کے واسطے ایک شخص کپڑے کی قیمت کا ضامن وکفیل ہوا پھر باہم سب نے قیمت میں اختلاف کیا کفیل نے کہا کہ دس درہم ہے اور غاصب نے کہا کہ بیس درہم ہے اور مالک نے کہا کہ تیس درہم ہے تو کفیل پر مکفول عنہ ومکفول لہ کسی کے قول کی تصدیق نہ ہوگی کیونکہ مکفول لہ کفیل پر زیادتی کا دعویٰ کرتا ہے اور وہ انکار کرتا ہے اور غاصب دس درہم زیادتی کا اقرار کرتا ہے اور ہر مقر کا اقرار اُسی کے حق میں صحیح ہوتا ہے دوسرے کے حق میں صحیح نہیں ہوتا ہے پس غاصب پر دوسرے دس درہم واجب ہوں گے کفیل پر واجب نہ ہوں گے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر غاصب ومغصوب منہ نے مغصوبہ چیز میں یا اُس کی صفت یا قیمت میں اختلاف کیا تو قسم سے غاصب کا قول قبول ہوگا اور اگر ایسا ہوا کہ مغصوب منہ نے جو کچھ ان وجوہوں میں دعویٰ کیا اُس کا غاصب نے اقرار کر لیا پھر کہا کہ میں نے یہ سب تجھے دے دیا جو کچھ مجھ پر ضمان واجب ہوئی تھی میں نے تجھے دے دی اور تو نے مجھ سے لے کر قبضہ کر لیا تو اُس کے اس قول کی تصدیق نہ کی جائے گی اور قسم کے ساتھ مغصوب منہ کا قول قبول ہوگا کہ میں نے اس سے وصول نہیں پائی اور نہ اس نے مجھے دی ہے لیکن اگر غاصب اپنے قول کے گواہ قائم کرے تو اُس کے موافق حکم ہوگا اور اگر غاصب نے اقرار کیا کہ میں نے یہ کپڑا یا یہ غلام صحیح سالم غصب کر لیا تھا اور مغصوب منہ نے یہ جرم ونقصان غلام یا کپڑے میں اپنے فعل سے پیدا کیا ہے تو اس کے قول کی تصدیق نہ ہوگی اور جو کچھ غلام یا کپڑے میں نقصان آیا ہو اُس کا ضامن ہوگا مگر پہلے مغصوب منہ سے قسم لی جائے گی کہ اُس نے یہ نقصان خود نہیں کیا ہے یہ سراج الوہاج میں ہے۔

مالک نے گواہ دیئے کہ مغصوب کی قیمت اس قدر تھی اور غاصب نے گواہ دیے کہ اُس کی قیمت اتنی تھی تو مالک کے گواہ قبول ہوں گے اور اگر مالک کے پاس گواہ نہ ہوں اور غاصب نے گواہ پیش کرنے چاہے تو اُس کو اختیار ہوگا کہ پیش کرے مالک نے گواہ دیئے پس ایک نے گواہی دی کہ مغصوب کی قیمت اس قدر تھی اور دوسرے نے گواہی دی کہ غاصب نے اقرار کیا ہے کہ مغصوب کی قیمت اس قدر تھی تو گواہی قبول نہ ہوگی یہ وجیز کردری میں ہے۔ اگر غاصب نے کہا کہ میں نے مال مغصوب تجھے واپس دیا اور مالک نے کہا کہ نہیں بلکہ تیرے پاس تلف ہوا ہے تو مالک کا قول قبول ہوگا جیسا کہ اس صورت میں ہے کہ اگر غاصب نے کہا کہ میں نے تیری اجازت سے یہ

---

[1] مترجم کہتا ہے کہ میت اپنے حقوق میں نیک نظر نہیں کر سکتا بخلاف زندہ کے کہ اس نے اپنے مفید امر کا دعویٰ نہ کیا تو دونوں میں فرق ہو گیا تو اس سے شہادت لانا ٹھیک نہ رہا غور کرو۔

مال لیا ہے اور مالک نے انکار کیا تو مالک کا قول قبول ہوتا ہے اور اگر غاصب نے گواہ دیئے کہ میں نے مغصوبہ جانور مالک کو واپس دیا ہے اور مالک نے گواہ دیئے کہ وہ جانور غاصب کی سواری سے مر گیا یا غاصب نے اُس کو تلف کر دیا ہے تو غاصب ضامن ہوگا اس واسطے کہ دونوں کے گواہوں کی گواہی میں تناقض ومنافات نہیں ہے کیونکہ جائز ہے کہ غاصب نے وہ جانور واپس دیا ہو پھر بعد واپس دینے کے اس پر سوار[1] ہو گیا ہو اور وہ اُس کی سواری سے مر گیا ہو اور اگر غاصب نے گواہ دیئے کہ غاصب نے اس کو واپس دیا اور وہ مالک کے پاس مر گیا اور مالک نے گواہ دیئے کہ وہ غاصب کے پس مرا ہے اور مالک کے گواہوں نے یہ گواہی نہ دی کہ وہ غاصب کی سواری سے مرا ہے تو غاصب ضامن نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر مال مغصوب کوئی دار ہو اور اُس کے مالک نے گواہ دیئے کہ غاصب نے اس کو منہدم کر دیا ہے اور غاصب نے گواہ دیئے کہ میں نے اُس کو واپس کیا اس کے بعد منہدم ہوا ہو تو مالک کے گواہ قبول ہوں گے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر غاصب غصب کیے ہوئے کپڑے کو تلف کر چکا ہے پھر مالک و غاصب میں اُس کپڑے کی مقدار یا قیمت میں اختلاف ہوا تو مالک کے گواہ قبول ہوں گے کیونکہ اُس کے گواہوں کی گواہی میں زیادتی کا اثبات ہے اور اگر مالک کے پاس گواہ نہ ہوں تو قسم سے غاصب کا قول قبول ہوگا کیونکہ وہ زیادت سے منکر ہے اور اگر غاصب نے گواہ پیش کیے کہ اس کے کپڑے کی قیمت اس قدر تھی تو اُس کو گواہوں کی طرف التفات نہ کیا جائے گا اور اس فعل سے اُس کے ذمہ سے قسم ساقط نہ ہوگی اور اگر دونوں میں سے کسی کے پاس گواہ نہ ہوں اور مالک نے چاہا کہ غاصب سے اپنے دعویٰ پر قسم لے پس غاصب نے کہا کہ میں قسم کو مالک مدعی پر لوٹا دیتا ہوں اور جس مقدار پر مالک قسم کھا لے گا اس قدر میں اس کو دے دوں گا تو غاصب کو یہ اختیار نہ ہوگا اور اسی طرح اگر مالک اس امر پر راضی ہو جائے اور کہے کہ میں قسم کھاؤں گا تو بھی یہی حکم ہے پس ان دونوں کی رضامندی ایسے امر پر جو مخالف شرع ہے لغو ہوگی اور اگر غاصب ایک زطی کپڑا لایا اور کہا کہ یہی وہ کپڑا ہے جو میں نے تجھ سے غصب کیا تھا اور مالک نے کہا کہ تو جھوٹا ہے یہ وہ نہیں ہے بلکہ وہ تو ہروی یا مروی تھا تو قسم سے غاصب کا قول قبول ہوگا اور یوں قسم لی جائے گی کہ واللہ یہی اُس شخص کا کپڑا ہے جو میں نے اُس سے غصب کیا تھا اور میں نے اُس سے ہروی یا مروی کپڑا غصب نہیں کیا ہے پھر اگر وہ قسم کھا گیا تو مالک کے نام اُس کپڑے کی ڈگری کی جائے گی اور غاصب اس کے دعویٰ سے بری کر دیا جائے گا اور اگر قسم سے نکول کیا تو اُس پر مدعی کے دعویٰ کی ڈگری کی جائے گی پھر اگر مالک چاہے تو اُس کو لے لے اور چاہے چھوڑ دے اور اگر غاصب ہروی کپڑا پرانا لایا اور کہا کہ یہی میں نے تجھ سے غصب کیا ہے اور ویسا ہی موجود ہے اور مالک نے کہا کہ نہیں بلکہ میرا کپڑا نیا تھا جب تو نے اُس کو غصب کیا ہے تو قسم سے غاصب کا قول قبول ہوگا اور اگر دونوں نے گواہ قائم کیے تو مالک کے گواہ قبول ہوں گے کہ وہ کپڑا نیا تھا اور اگر دونوں میں سے کسی نے گواہ قائم نہ کیے اور غاصب قسم کھا گیا اور مالک نے وہ کپڑا لے لیا پھر گواہ قائم کیے کہ غاصب نے مدعی سے کپڑا نیا غصب کیا تھا تو غاصب اُس پرانے اور نئے کے درمیان۔ جس قدر فرق ہو اُس کا ضامن ہوگا ایسا ہی اصل میں مذکور ہے اور شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ یہ حکم اُس وقت ہے کہ مقدار نقصان خفیف ہو اور اگر کثیر ہو تو مالک کو اختیار ہوگا چاہے یہ کپڑا لے کر اُس سے تاوان نقصان لے لے یا کپڑا اُس کے ذمہ چھوڑ کر اُس سے اپنے کپڑے کی قیمت لے لے یہ محیط میں ہے اگر زید کے پاس ایک کپڑا ہو اور عمرو نے اس پر گواہ قائم کیے کہ یہ کپڑا عمرو کا ہے اس سے زید نے غصب کر لیا ہے اور زید نے گواہ دے کر عمرو نے زید کو ہبہ کپڑا ہبہ کر دیا ہے تو فرمایا کہ میں قاضی کے نام ڈگری کروں گا اسی طرح اگر قاضی نے اس امر کے گواہ دیئے کہ مدعی نے اُس کے ہاتھ بعوض اس قدر ثمن مسمی کے فروخت کیا ہے یا مدعی نے یہ اقرار کیا کہ یہ کپڑا اس قابض کا ہے تو بھی یہی حکم ہے اور اگر وہ کپڑا دونوں کے قبضہ میں ہو اور ہر ایک نے دوسرے پر اس دعویٰ کے گواہ قائم کیے کہ مجھ سے اُس نے غصب کیا ہے تو دونوں

---

[1] قولہ سوار ہو گیا اور اب وہ جدید غاصب ہو کر ضامن قرار پایا۔

کے نام نصفا نصف کی ڈگری کروں گا اور اگر ایک نے اس دعویٰ کے گواہ دیئے کہ یہ کپڑا میرا ہے میں نے اُس میت[1] کے پاس ودیعت رکھا تھا جس کا یہ شخص وارث ہے اور دوسرے نے اس دعویٰ کے گواہ دیئے کہ یہ کپڑا میرا ہے مجھ سے اس میت نے غصب کر لیا تھا تو میں دونوں کے نام نصفا نصف کی ڈگری کروں گا اور اگر ایک شخص گواہ لایا کہ یہ درا ہم معینہ جو اس میت کے ترکہ میں موجود ہیں یہ میرے ہیں مجھ سے اس میت نے غصب کر لیے تھے تو میت کے قرض خواہوں کی بنسبت یہ شخص ان درہموں کا حقدار ہوگا[1] یہ مبسوط میں ہے۔

دوسرے شخص کے قبضہ کی گئی چیز پر دعویٰ کیا کہ وہ میری ملکیتی ہے اور فریقین نے گواہ پیش کر دیئے ☆

اگر ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ یہ کپڑا جو اس شخص کے قبضہ میں ہے میرا ہے اور اُس نے مجھ سے غصب کر لیا ہے اور اس دعویٰ کے گواہ قائم کر دیئے اور ایک دوسرے مدعی نے قابض پر اس دعویٰ کے گواہ دیئے کہ قابض نے اقرار کیا ہے کہ یہ کپڑا اس کا ہے تو اُس مدعی کے نام ڈگری ہوگی جس کے گواہوں نے یہ گواہی دی ہے کہ یہ کپڑا اس مدعی کا ہے۔ یہ محیط میں ہے اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ تو نے یہ جبہ بھرا بھرایا مجھ سے غصب کر لیا ہے اور غاصب نے کہا کہ میں نے یہ جبہ غصب نہیں کیا مگر اس کا ابرہ تجھ سے غصب کر لیا ہے تو قسم سے غاصب کا قول قبول ہوگا پھر اگر وہ قسم کھا گیا تو ابرہ کی قیمت کا ضامن ہوگا کذا فی المبسوط اور اگر اقرار کیا کہ میں نے تجھ سے یہ جبہ غصب کیا ہے پھر کہا کہ جو کچھ اس میں بھرا ہے وہ اس کا استر میرا ہے یا یوں اقرار کیا کہ میں نے یہ انگوٹھی تجھ سے غصب کی ہے اور اس کا نگینہ میرا ہے یا یہ دار میں نے تجھ سے غصب کیا ہے اور اس کی عمارت میری ہے یا یہ زمین میں نے تجھ سے غصب کی ہے اور اُس کے درخت میرے ہیں تو سب صورتوں میں غاصب کی بات کی تصدیق نہ ہوگی یہ وجیز کردری میں ہے قال المترجم عدم تصدیق سے یہ مراد ہے کہ جو چیز اُس نے اپنی بیان کی ہے اُس میں اس کے بیان کی تصدیق نہ ہوگی فافہم اور اگر غاصب نے کہا کہ میں نے یہ گائے فلاں شخص سے غصب کر لی ہے اور اُس کا بچہ میرا ہے تو اُس کا قول قبول ہوگا یہ محیط میں ہے اور اگر مالک نے اس امر کے گواہ قائم کیے کہ غاصب کے پاس مغصوب مر گیا ہے اور غاصب نے گواہ دیئے کہ مغصوب مالک کے پاس مرا ہے تو مالک کے گواہ قبول ہوں گے اور اگر مالک کے گواہوں نے یوں گواہی دی کہ اس مدعا علیہ نے وہ غلام غصب کیا اور اُس کے پاس مر گیا اور غاصب کے گواہوں نے یوں گواہی دی کہ وہ غلام غصب سے پہلے مالک کے پاس مر گیا ہے تو غاصب کے گواہوں کی ایسی گواہی قبول نہ ہوگی اس واسطے کہ مولیٰ کے پاس غصب سے پہلے غلام کے مر جانے سے کوئی حکم متعلق نہیں ہوتا کیونکہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ واپس دیا ہے ہاں فقط اس سے نفی غصب ثابت ہوتی ہے اور مولیٰ کے گواہوں سے غصب و ضمان ثابت ہوتی ہے پس اُس کے گواہ مقبول ہوں گے اور اگر مالک نے گواہ قائم کیے کہ اس شخص نے مالک مدعی سے قربانی کے روز[2] اُس کا غلام کوفہ میں غصب کیا ہے اور غاصب نے گواہ دیئے کہ غاصب خود یا وہ غلام قربانی کے روز مکہ معظمہ میں موجود تھا تو غاصب پر ضمان واجب ہوگی یہ محیط سرخسی میں ہے۔

مالک نے اپنا غلام قابو پا کر غاصب سے لے لیا حالانکہ غلام کے پاس مال تھا پھر غاصب نے کہا کہ میرا مال ہے اور مالک نے کہا نہیں بلکہ میرا ہے پس اگر غلام اُس وقت غاصب کی حویلی میں ہو اور اُس کے پاس مال نکلا تو وہ غاصب کا ہوگا اور اگر اُس کی حویلی میں نہ ہو تو وہ مال مالک غلام کا ہوگا یہ وجیز کردری میں ہے بشرؒ نے امام ابو یوسف سے روایت کی ہے کہ اگر غاصب الثوب (کپڑا) نے کہا کہ

[1] قولہ میت یعنی اس شخص کے پاس جس کا یہ وارث ہے اس کی حین حیات میں ودیعت رکھا تھا پھر وہ مر اور یہ قابض اس کا وارث ہوا اور بلفظ میت تعبیر کرنا مسامحہ بطریق عرف ہے۔

(۱) یعنی اُسی کو دے جائیں گے۔ (۲) دسویں ذی الحجہ۔

اُس کپڑے کو میں نے رنگا ہے اور مغصوب منہ نے کہا کہ تو نے رنگا ہوا غصب کیا ہے تو مغصوب منہ کا قول قبول ہوگا اسی طرح اگر دونوں نے دار مغصوب کی عمارت یا تلوار کے حلیہ میں اختلاف کیا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر دونوں نے گواہ قائم کیے تو غاصب کے گواہ قبول ہوں گے اور اگر دونوں نے دار مغصوبہ کے اندر رکھی ہوئی متاع یا خشت ہائے پختہ یا جوڑی کواڑ میں ایسا اختلاف کیا تو غاصب کا قول اور مغصوب منہ کے گواہ قبول ہوں گے اگر ایک شخص نے دوسرے کا غلام غصب کر کے اُس کو فروخت کر کے مشتری کے سپرد کر دیا اور ثمن وصول کر لیا اور وہ غلام مشتری کے پاس مر گیا پھر مغصوب منہ نے کہا کہ میں نے اس شخص کو بیع کے واسطے حکم دیا تھا تو اسی کا قول قبول ہوگا[1] اور اگر کہا کہ میں نے اُس کو بیع کا حکم نہیں دیا تھا مگر جس وقت مجھے بیع کی خبر پہنچی اُس وقت میں نے بیع کی اجازت دے دی ہے تو اُس کے قول پر التفات نہ ہوگا اور اُس کو ثمن لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی لیکن اگر اس امر کے گواہ پیش کرے کہ میں نے غلام کے مرنے سے پہلے بیع کی اجازت دی ہے تو ثمن لے سکتا ہے ہشامؒ نے اپنی نوادر میں ذکر کیا ہے کہ میں نے امام محمدؒ سے پوچھا کہ ایک شخص بازار میں آیا اور کسی شخص کا زیتون کا تیل یا روغن یا اور کوئی چیز سرکہ یا روغن کی قسم سے بہا دی اور گواہوں نے اس فعل کو معائنہ کیا اور اس پر گواہی دی اور اُس شخص نے جس نے یہ جرم کیا تھا یہ جواب دیا کہ وہ نجس تھا اُس میں ایک چوہا مر گیا تھا میں نے اُس کو بہا دیا تو اُسی کا قول قبول ہوگا میں نے امام محمدؒ سے کہا کہ اگر وہ شخص قصابوں کے بازار میں آیا اور قصد کر کے اُس نے گوشت کے طباق☆ پھینک کر تمام گوشت تلف کر دیا اور گواہوں نے اُس کا معائنہ کیا اور اُس پر گواہی دی پس اُس نے جواب دیا کہ یہ مردار کا گوشت تھا تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ میں اس قول میں اُس کی تصدیق نہ کروں گا اور گواہوں[2] (گواہوں کو صرف عادت کے علم پر گواہی کی اجازت دی) کو گنجائش ہے کہ یوں گواہی دیں کہ وہ ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت تھا اس واسطے کہ بازار میں مردار کا گوشت فروخت نہیں ہوتا ہے بخلاف روغن کے کہ ایسا روغن زیتون یا تیل جس میں چوہا مر گیا ہو بازار میں فروخت کیا جاتا ہے اور ابراہیم نے امام محمدؒ سے روایت کی کہ اگر ایک شخص نے دوسرے کی مٹی سے کچی اینٹیں یا دیوار بنائی تو اُسی کی ہوگی اور اُس پر مٹی کی قیمت واجب ہوگی اور اگر مٹی کے مالک نے کہا کہ میں نے اُس کو اُس کے بنانے کا حکم کیا تھا تو فرمایا کہ وہ اینٹیں یا دیوار مٹی کے مالک کی ہوگی یہ محیط میں ہے ایک شخص نے ایک باندی غصب کی پھر اُس کو آزاد کر دیا یا مدبر کر دیا یا ام ولد بنایا پھر اقرار کیا کہ میں نے فلاں شخص سے غصب کی ہے اور مدعی کے پاس گواہ نہیں ہیں تو اُس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور جو کچھ اُس نے کیا ہے وہ باطل نہ ہوگا اور بچہ کی قیمت کا ضامن نہ ہوگا پھر اگر مدعی نے گواہ قائم کیے تو اُس کے نام باندی اور باندی کے بچہ کی ڈگری ہو جائے گی یہ محیط سرخسی میں ہے ایک شخص نے یوں اقرار کیا کہ ہم نے فلاں شخص سے ہزار درہم غصب کر لیے درحالیکہ ہم دس آدمی تھے تو اُس پر پورے ہزار درہم کی ڈگری کی جائے گی کذا فی التاتارخانیہ۔

باب بشتم:

غاصب کے مال مغصوب کے مالک ہو جانے اور اُس سے نفع حاصل کرنے کا بیان

اگر ایک شخص نے دوسرے کا گوشت غصب کر کے اُس کو پکایا یا اُس کے گیہوں غصب کر کے ان کو پیسا یا اور ملک اُس کی ہو گئی اور اُس پر قیمت واجب ہوئی تو امام اعظمؒ کے نزدیک اُس چیز کا کھانا اُس کو حلال ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک اُس کا کھانا حرام ہے

[1] قول قبول جب مالک کے پاس گواہ یا اس کے قول کا معارض مثبت نہ ہو فافہم۔

☆ طباق کئی معنی میں مستعمل ہے جیسا کہ: بڑی رکابی۔ تھالی۔ کاسہ سر۔ کھوپڑی۔ نجم۔

تاوقتیکہ مغصوب منہ کو راضی نہ کرے۔ فتاویٰ اہل سمرقند میں لکھا ہے کہ کسی نے دوسرے کا اناج غصب کر کے اس کو چبایا حتیٰ کہ چبا ڈالنے سے وہ مخص تلف کنندہ ہو گیا پھر جب اُس کو نگل گیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک حلال نگلا بخلاف[1] قول امام ابو یوسف و امام محمدؒ کے[(1)] بناء براینکہ امام اعظمؒ کے نزدیک شرط حلت[2] حصول الملک بدل ہے اور صاحبین کے نزدیک باداے بدل ہے کذانی المحیط اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے کذانی الخلاصہ۔ اور اگر گیہوں غصب کر کے اُن کی زراعت کی پھر اُن کا مالک آیا در حالیکہ زراعت پختہ ہو گئی تھی یا ہنوز خام تھی تو غاصب پر اُس کے گیہوں کے مثل گیہوں واجب ہوں گے اور ہمارے نزدیک مالک کو زراعت لینے کی کوئی راہ نہیں ہے مگر غاصب نے جس قدر گیہوں تاوان دیئے ہیں ان سے زیادہ زراعت میں سے لینا حلال نہیں ہے اور علی ہذا اگر اُس نے گٹھلی غصب کر کے اُس کو اُگایا یا پودا غصب کر کے اُس کو جمایا تو بھی یہی حکم ہے اور امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ انہوں نے پودے کی صورت میں فرمایا کہ جب تک ضمان ادا نہ کرے تب تک اُس سے نفع حاصل کرنا غاصب کو حلال نہیں ہے اور زراعت اور گٹھلی کی صورت میں فرمایا کہ قبل ضمان کے اُس کو نفع حاصل کرنا حلال ہے مگر ظاہر الروایت میں دونوں صورتوں میں ایک ہی حکم ہے کچھ فرق نہیں ہے اور علی ہذا اگر اُس نے مرغی کا انڈا غصب کر کے کسی مرغی کے نیچے بٹھلایا اور اُس سے بچہ نکلا تو اُس کا اور مسئلہ زراعت کا ایک حکم ہے یہ مبسوط میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کی زمین سے پودا اُکھاڑ کر اُسی زمین میں ایک طرف جما دیا اور وہ بڑھ کر درخت ہو گیا تو یہ درخت اُس شخص کا ہو گا جس نے لگایا ہے (یعنی غاصب کا) اور غاصب پر واجب ہو گا کہ مالک کو اُس کا پودا اُکھاڑنے کے روز کی قیمت ادا کرے اور غاصب کو حکم دیا جائے گا کہ اس درخت کو اُکھاڑ لے اور اگر اُس درخت کے اُکھاڑنے میں زمین کو نقصان پہنچا ہو تو زمین کا مالک اُس کو اس درخت کی قیمت دے دے گا مگر اُکھڑے ہوئے درخت کی قیمت دے گا یہ کبریٰ میں ہے۔

اگر زید نے عمرو کی زمین سے ایک پودا اُکھاڑ کر بکر کی زمین میں جما دیا اور وہ بڑا ہو کر پھل لایا تو یہ سب زید کا ہو گا مگر اس کو حلال نہ ہو گا اس واسطے کہ اُس نے حرام طور سے حاصل کیا ہے اور بکر کو اختیار ہو گا کہ اس کو یہ درخت اُکھاڑ لینے کا حکم دے اور اگر زید نے موسم ربیع تک مہلت مانگی تا کہ ایام ربیع میں اُس کو اُکھاڑ کر دوسری جگہ جما دے تو مہلت نہ دی جائے گی لیکن اگر زمین کا مالک راضی ہو جائے تو ہو سکتا ہے اور اگر دونوں آدمی اُس درخت کی خرید فروخت پر راضی ہوئے اور بکر نے اُس کو زید سے خرید لیا تو بیع جائز ہے اور زید پر واجب ہو گا کہ عمرو کو اُس کے پودے کے اُکھاڑنے کے روز کی قیمت دے یہ جواہر الفتاویٰ میں ہے۔ قال المترجم[3] ینبغی ان یکون ہذالوضع للمسئلۃعلی قیاس قول الامام ابی حنیفۃ فانہ قدذکران صاحب الارض الثانیہ لواشتری الشجرۃ من الغاصب فانہ یجوزالبیع لاتر اضیہا فا نما یصح لاالتملک لغاصب الانتفاع بالشجرۃ و ذلک انما یکون فی الحال عند الاعظم فانہ لم یود الضمان الی صاحب التا لۃ بعد اللعم الا ان یقال ان المراد بالجواز متوقفا نفاذہ الی اداء فالضمان ان الجواز لا یستلزم النفاذولکن الشی لاکان محر ماً علی البائع لایجوز للمشتری مع علمہ شراہ ویمکن ان یقال انہ لذا انقطع حق المالک صار محلا بجواز البیع لانہ ملک الغاصب بالاتفاق وانما الخلاف فی انہ ہل یجوز الانتفاع قبل اداء الضمان ام الا و ذلک لا ینافی جواز البیع ویرد علیہ ما اور د علی الاول و یمکن ان یجاب عنہ بان التورع لا ینافی الا حکام و لو قیل ان المراد بالبیع ہو

---

[1] صاحبین نے اس کے خلاف کہا ہے۔ [2] قول حصول الملک بدل یعنی ضمان واجب ہونے سے ملکیت حاصل ہوئی تو حلال ہوا۔

[3] قال المترجم یعنی یہ صورت موافق قول ابوحنیفہؒ ہے کیونکہ جب غاصب کو نفع حلال ہو تب بیع جائز ہے اور یہی قول امام ہے اور ہنوز اس نے پودے کی ضمان نہیں دی اور اگر مراد بعد ادائے ضمان ہے تو وضع بیان میں قصور ہے اگرچہ سب کے نزدیک جواز ہو فتامل۔

(1) صاحبین کے نزدیک بھی حلت کا حکم نہیں ہے۔

بعد اداء الضمان للاول لم يحتج الى ذلك وصح بالاتفاق ولكن يا لو ضع مسامحه حينئذوالله تعالٰی اعلم۔اگر کسی شخص نے دوسرے کی بکری بدون اُس کی اجازت کے لے کر ذبح کر کے پکائی یا بھونی تو اُس کے مالک کو غاصب سے تاوان قیمت لینے کا اختیار ہوگا اور اگر اس کا مالک غائب ہو یا حاضر ہو مگر غاصب سے تاوان قیمت لینے پر راضی نہ ہوا تو جس نے اُس کو ذبح کیا اور پکایا یا بھونا ہے اُس کو یہ گنجائش نہ ہوگی کہ اُس کا گوشت خود کھائے اور نہ کوئی دوسرا کھا سکتا نہ کسی اور شخص کو وہ شخص اس میں سے کھلا سکتا ہے جب تک کہ غاصب جس نے بکری کو اس طرح ذبح کیا ہے اُس کے مالک کو اس کی قیمت ادا نہ کرے پھر اگر اس کے مالک نے غاصب سے بحکم قاضی یا بلاحکم قاضی بکری کی قیمت ضمان کر لی تو پھر غاصب کو گنجائش ہوگی کہ خود اُس میں سے کھائے اور جس کو چاہے کھلائے جب کہ ضمان قیمت ادا کر دے یا اُس پر قرضہ ہو جائے اور اگر اُس کے مالک نے ضمان قیمت لینے سے انکار کیا تو غاصب کو چاہیے کہ مذبوحہ کو صدقہ کر دے اور اگر مالک نے ضمان قیمت لینے سے انکار کر کے چاہا کہ پکایا ہوا یا بھنا ہوا گوشت لے لے تو اُس کو یہ اختیار نہ ہوگا یہ سراج الوہاج میں ہے۔اگر کسی شخص نے دوسرے کا عصفر غصب کر کے اُس سے کپڑا رنگا یا روغن غصب کر کے ستووں میں لتھ کیا تو اس کو اُس سے نفع اُٹھانے کی گنجائش نہ ہوگی جب تک کہ مغصوب من کو راضی نہ کرے یہ محیط میں ہے امام محمدؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے دس دینار غصب کر کے اُس میں اپنا ایک دینار ڈال دیا پھر کسی شخص کو اُس میں سے ایک دینار نکال کر دیا تو جائز ہے پھر اگر دوسرا نکال کر دینا چاہا تو جائز نہیں ہے یہ تاتارخانیہ میں جامع الجوامع سے منقول ہے ایک شخص نے دوسرے کی باندی غصب کر کے اُس کو عیب دار کر دیا پھر مالک و غاصب نے مقدار قیمت میں اس طرح اختلاف کیا کہ مالک نے کہا کہ اس کی قیمت دو ہزار درہم تھی اور غاصب نے کہا کہ اُس کی قیمت ایک ہزار درہم تھی اور اس پر قسم کھا گیا پس قاضی نے غاصب پر ہزار درہم کی ڈگری کی تو غاصب کو یہ روا نہ ہوگا کہ اس باندی سے خدمت لے یا وطی کرے یا فروخت کرے تاوقتیکہ مالک کو اُس کی اصلی پوری قیمت ادا نہ کرے اور اگر کم قیمت پر ڈگری ہونے کے بعد اُس باندی کو آزاد کر دیا تو عتق جائز ہوگا اور غاصب پر پوری قیمت واجب ہوگی جیسے بیع فاسد میں اگر بطور فاسد خرید کر کے آزاد کر دیا ہو تو قیمت کاملہ واجب ہوتی ہے اور عتق نافذ ہوتا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ اگر پانی کے بہانے کسی شخص کے گیہوں بہا کر دوسرے کی زمین میں ڈالے اور وہ اُس زمین میں اُگے تو امام نے فرمایا کہ اگر گیہوں اس قدر ہوں کہ اُن کا کچھ ثمن ہے تو جو کچھ پیدا ہوگا وہ سب گیہوں کے مالک کا ہوگا مگر اُس میں سے اپنے گیہوں کی مقدار سے زائد صدقہ کر دے اور اُس پر نقصان زمین کا تاوان کچھ واجب نہ ہوگا یہ محیط میں ہے اگر کسی شخص نے غصب کیے ہوئے کپڑے کو مہر قرار دے کر کسی عوت سے نکاح کیا تو اُس سے وطی حلال ہے اس واسطے کہ اگر کپڑا استحقاق میں لے لیا جائے تو نکاح فسخ نہ ہوگا یہ ینابیع میں ہے اور صدر الاسلام نے جامع صغیر میں ذکر فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص نے ہزار درہم مغصوبہ سے ایک باندی خریدی تو کیا اُس سے وطی حلال ہے پس صحیح یہ ہے کہ اُس کو وطی کا اختیار نہیں ہے اس وجہ سے کہ سبب میں ایک نوع کا خبث[1] ہے یہ نہایا میں ہے ابراہیم نے امام محمدؒ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے دراہم غصب کر کے اُس سے دینار خریدے تو اُس کو دیناروں کے خرچ کرنے کی گنجائش نہیں ہے اس واسطے کہ اگر بعد افتراق کے وہ دراہم استحقاق میں لے لیے گئے تو دینار کی بیع صرف ٹوٹ جائے گی پس اگر غاصب پر اُس کے ان درہموں کے مثل کی ڈگری کر دی گئی تو وہ دینار اس کو حلال ہو جائیں گے کذا فی الذخیرہ اور مشائخ نے فرمایا ہے کہ اگر دراہم مغصوب پر کسی عورت سے نکاح کیا تو اُس سے وطی کرنے کی گنجائش ہے یہ سراج الوہاج میں ہے۔

اگر ہزار درہم غصب کر کے اُس کے عوض دو ہزار درہم قیمت کا اناج خرید کر اُس کو کھایا یا ہبہ کیا تو بالاجماع منافع حاصلہ کو

(۱) یعنی حرمت۔

صدقہ نہ کرے گا یہ ذخیرہ کردری میں ہے اور اگر مغصوب میں تصرف کر کے نفع حاصل کیا تو مسئلہ کی چند صورتیں ہیں یا تو ایسی چیز ہو گی کہ معین کرنے سے متعین ہو جاتی ہے جیسے عروض یا متعین نہ ہو جیسے نقد میں یعنی درہم و دینار پس اگر قسم اوّل ہو تو قبل ضمان کے اُس سے تناول حلال نہیں ہے اور پھر حلال[1] ہو گا سوائے اس قدر کے کہ قدر قیمت سے زائد ہے یعنی نفع کہ بقدر نفع کے اُس کو حلال نہ ہو گی پس اس کو صدقہ کر دے اور اگر دوسری قسم یعنی ایسی چیز ہو کہ معین کرنے سے متعین نہ ہوتی ہو تو شیخ کرخیؒ نے فرمایا کہ اس میں چار صورتیں ہیں یا تو وقت خرید کے اُسی مغصوب کی طرف اشارہ کیا اور اسی میں سے ثمن بھی ادا کیا ہو یا اُس کی طرف اشارہ کیا مگر دوسری میں سے ادا کیا یا مطلقاً چھوڑ دیا تھا مگر اُسی میں سے ادا کیا یا وقت خرید کے سوائے مغصوب کے دوسرے کی طرف اشارہ کیا مگر مغصوب میں سے ادا کیا اور ان سب صورتوں میں سوائے صورت اولیٰ کے[2] اُس کو نفع حلال ہو گا مگر ہمارے مشائخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قبل ضمان کے ہر حال میں اس کو اس چیز میں سے تناول حلال نہیں ہے اور بعد ضمان کے ہر حال میں اُس کو نفع حلال نہیں ہے اور یہی مختار ہے اور جامعین (صغیر و کبیر) اور کتاب المضاربہ میں جو حکم مذکور ہے وہ اسی پر دلالت کرتا ہے اور بعض مشائخ نے امام کرخی کے قول پر فتویٰ اختیار کیا ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں حرام کی کثرت ہے اور یہ سب امام اعظم و امام محمدؒ کے قول پر ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک اُس میں سے کچھ صدقہ نہ کرے اور واضح ہو کہ اماموں میں اختلاف مذکور ایسی صورت میں ہے کہ وہ شے اُس کے ہاتھ میں تقلب[1] سے اسی جنس سے ہو گئی ہو جو اُس نے ضمان میں دی ہے مثلاً اُس نے دراہم ضمان دیئے اور بدل مضمون بھی اُس کے ہاتھ میں دراہم ہو گئے تو حکم میں اختلاف مذکور جاری ہے اور اگر بدل مضمون اُس کے ہاتھ میں مضمون کی جنس کے خلاف ہو گیا ہو مثلاً دراہم ضمان دیئے اور بدل مضمون اُسکے پاس اناج یا عروض موجود ہے تو بالاجماع اُس پر کچھ صدقہ کر دینا واجب نہیں ہے یہ تبیین میں ہے۔ ایک شخص نے یوں کہا کہ اگر فلاں شخص نے میرے مال سے کچھ ہتھیا لیا تو حلال ہے اور فلاں شخص نے اُس کے مال سے کچھ ہتھیا لیا بدون اس کے کہ اس کے مباح کر دینے سے آگاہ ہو تو شیخ نصیر بن یحییٰ نے فرمایا کہ یہ جائز ہے اور اُس پر ضمان واجب نہ ہو گی اور اگر یوں کہا[3] یعنی جس انسان نے میرے مال سے کچھ ہتھیا لیا تو وہ اُس کو حلال ہے تو شیخ ابو نصر بن سلام نے فرمایا کہ یہ جائز ہے اور شیخ رحمہ اللہ نے ایسے فعل کو اباحت قرار دیا ہے اور مجہول کے واسطے اباحت جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور اگر دوسرے سے کہا کہ[4] سب جو کچھ تو میرے مال میں سے کھائے میں نے تجھے حلت[5] میں رکھا تو بالاتفاق اُس کو حلال ہے اور اگر یوں کہا کہ سب جو کچھ تو میرے مال سے کھائے میں نے تجھے بری کیا تو صحیح یہ ہے کہ وہ شخص بری ہو گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر یوں کہا کہ[6] او قال جعلتك في حل الساعة میں نے تجھے حل دنیا میں رکھا یا کہا کہ میں نے تجھے حل ساعت میں رکھا تو اُس کو حلت دنیا[2] حاصل ہو گی اور تمام ساعات کے واسطے حلت ثابت ہو گی اگر یوں کہا کہ جو میرا مال تیری طرف ہو اُس کا تجھ سے مخاصمہ نہ کروں گا یا مطالبہ نہ کروں گا تو یہ کچھ نہیں ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے اگر مغصوب نے کچھ کمایا پھر مالک نے مغصوب کو مع کمائی کے واپس کیا تو کمائی کو صدقہ نہ کرے اور اگر غاصب نے وقت ہلاک یا اباق کے قیمت کی ضمان دی یہاں تک کہ کمائی غاصب کی ہو گئی تو اُس کو صدقہ کر دے یہ ذخیرہ میں ہے اور اگر غلام غصب کر کے اُس کو اجارہ پر دیا تو اجرت غاصب کی اور طرفین کے نزدیک اُس کو صدقہ کر

---

[1] تقلب یعنی بدل کر متغیر ہو کر۔ [2] حلت دنیا یعنی دنیا میں اس کو حلال ہے۔ اگرچہ عاقبت میں بھی لازم ہے اور اس ساعت کہنے سے تمام ساعات کیلئے حلت ہو جائے گی۔

(۱) بعد ادائے ضمان۔ (۲) کہ مغصوب کی طرف سے اشارہ کیا اور اُس میں سے ادا کیا۔ (۳) کل انسان تناول من مالی فھو حلال لہ۔ (۴) جمیع ما تاکل من مالی فقد جعلتك في حل۔ (۵) تجھ پر حلال کیا۔ (۶) جعلتك في حل الدنيا

دے اور امام ابو یوسف کے نزدیک اُس کو حلال ہو گی یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر حاصلات مغصوب نے لی اور اُس میں کمی پڑ گئی تو بقدر نقصان کے ضامن ہو گا اور طرفین کے نزدیک اُس کو صدقہ کر دے کذا فی الکافی اور اگر غاصب کے عمل یا غیر عمل سے مغصوب ہلاک ہو گیا اور مالک نے اُس سے قیمت کی ضمان لی تو اُس کو جائز ہو گا کہ اجرت کی مدد سے قیمت ادا کرے پھر باقی کو صدقہ کر دے اور اس میں کچھ تفصیل غنی و فقیر کی نہ فرمائی اور صحیح یہ ہے کہ یہ حکم اُس وقت ہے کہ غاصب فقیر ہو کذا فی الخلاصہ اور اگر مغصوب کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کر کے اُس کا ثمن لے لیا پھر وہ مغصوب اپنے مشتری کے پاس مر گیا پھر مالک نے مشتری سے ضمان قیمت لے لی پس مشتری نے غاصب سے اپنا ثمن واپس لینا چاہا پس اگر غاصب فقیر ہو تو مغصوب کی اجرت[1] سے ادائے ثمن میں مدد لے سکتا ہے اور اگر غنی ہو تو نہیں لے سکتا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اگر نہر عام کے کنارے ایک درخت جما دیا پھر ایک شخص جو نہر کا شریک نہیں ہے اس ارادے سے آیا کہ اُس کو اکھاڑ لے پس اگر اکثر لوگوں کے حق میں مضر ہو تو اُس کو اختیار ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ اس امر کو حاکم کے سامنے پیش کرے یہاں تک کہ حاکم اُس کے نام اکھاڑ لینے کا حکم دے یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔

اگر ایک دکان غصب کر کے اُس میں تجارت کی اور نفع اٹھایا تو نفع اُس کو حلال ہو گا یہ وجیز کردری میں ہے اگر کوئی بیت یا حانوت (دکان ۱۲) دو شخصوں میں مشترک ہو پھر اُس میں دونوں میں سے ایک شخص ساکن رہا تو اُس پر کرایہ واجب نہ ہو گا اگرچہ وہ کرایہ پر چلانے کے واسطے رکھی گئی ہو یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ ایک نہر عام ایک زمین کے پہلو میں واقع تھی اور پانی کے زور نے حریم نہر کو کاٹ ڈالا یہاں تک کہ ایک شخص کی زمین میں نہر ہو گئی اور اُس شخص نے چاہا کہ اپنی زمین میں پن چکی لگا دے تو اس کو یہ اختیار ہو گا کیوں کہ اس نے اپنی ملک میں کھڑی کی ہے اور اگر اس نے چاہا کہ نہر عامہ میں پن چکی لگا دے تو یہ اس کو اختیار ہو گا کیونکہ اپنی ملک میں نہیں کھڑی کرتا ہے یہ فتاویٰ کبریٰ میں اور فتاویٰ ابو الفضل کرمانی میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے کرم پیلوں غصب کر کے ان کو تربیت کیا تو ابریشم غاصب کا ہو گا اور اس پر امام اعظمؒ کے نزدیک کچھ واجب نہ ہو گا اور امام محمدؒ کے نزدیک اُس کی قیمت اُس پر واجب ہو گی۔ شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے زمانہ میں امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ ہے یہ قنیہ میں ہے اگر دوسرے شخص کے پتے غصب کر کے کرم پیلوں کو کھلائے تو ابریشم فروخت کرنے کے روز کرم کی قیمت سے جس قدر زائد ہو وہ سب صدقہ کر دے یہ وجیز کردری میں ہے منتقی میں ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر کسی نے دوسرے کی زمین غصب کر کے اُس میں دکانیں و حمام و مسجد بنائی تو ایسی مسجد میں نماز پڑھنے میں کچھ ڈر نہیں ہے مگر حمام میں نہ جانا چاہیے اور نہ دکانیں کرایہ پر لینی چاہییں۔ اور فرمایا کہ دکانوں میں خرید[2] متاع کی غرض سے جانے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور ہشامؒ نے فرمایا کہ میں ایسی مسجد میں نماز مکروہ جانتا ہوں تاوقتیکہ مالکان اصلی بہ طیب خاطر اجازت نہ دے دیں اور زمین غصب یا دکان ہائے غصب سے خرید متاع کو مکروہ جانتا ہوں اور اگر باوجود علم اس امر کے کہ یہ دکانیں مغصوب ہیں غاصب ان دکانوں میں فروخت کرتا ہے تو میں نہیں جانتا ہوں کہ ایسے بائع کی گواہی مقبول ہو گی یا نہیں یہ محیط میں ہے۔

باب نہم:

اتلاف مال غیر کا حکم دینے اور اُس کے متصلات کے بیان میں ہے

جابی نے اگر سلطانی عوان[(1)] یعنی سرہنگوں کو مال غیر لے لینے کا حکم دیا تو یہ امر دو طرح سے نظر کے لائق ہے کہ باعتبار ظاہر

---

[1] یعنی سابق میں فروخت سے پہلے اگر غلام مغصوب کی اجرت موجود ہو تو بشرط فقیر ہونے کے اُس کی اجرت کی رو سے ثمن ادا کرے ورنہ نہیں۔

[2] خرید کے لیے جانا جائز ہے اگرچہ بائع کو کرایہ پر لینا جائز نہ تھا۔ (1) ٹیکس وصول کرنے والا

کے جابی پر ضمان نہ واجب ہوگی بلکہ فقط لینے والے پر واجب ہوگی لیکن باعتبار سنی کے جابی پر واجب ہوگی پس فتویٰ کے وقت ایسے واقعہ میں تامل چاہیے اور امام فخر الدین قاضی خان نے فرمایا کہ فتویٰ اس طرح ہے کہ لینے والا ہر حال میں ضامن ہوگا پھر رہا یہ امر کہ حکم دہندہ سے واپس لے سکتا ہے یا نہیں سو اگر لی ہوئی چیز اُس نے حکم دہندہ کو دے دی ہے تو رجوع کر سکتا ہے اور اگر لینے والے کے پاس تلف ہوگئی یا اُس نے تلف کر ڈالی ہو تو رجوع نہیں کر سکتا ہے اور اگر اُس نے حکم دہندہ کی اجازت سے حکم دہندہ کے حوائج ضروریہ میں خرچ کر دی ہو تو یہ بمنزلہ ایسی صورت کے ہے کہ کسی نے دوسرے کو اُس کے ذاتی مال سے اپنی ضرورت میں خرچ کرنے کا حکم دیا ہو بعض لوگوں نے فرمایا کہ یہ موجب[1] رجوع ہے بدون اس کے کہ اُس نے واپس لینے کی کوئی شرط کر لی ہو اور یہی اصح ہے اور محیط میں مسئلہ جابی کے حکم میں یوں مذکور ہے کہ مختار یہ ہے کہ جابی پر ضمان واجب نہ ہوگی یہ فصول عمادیہ میں لکھا ہے۔ اگر جابی نے سرہنگ کو صاحب مال کا بیت دکھلا دیا مگر اُس کو کچھ حکم نہ کیا یا شریک نے سرہنگ کو دوسرے شریک کا بیت دکھلا دیا یہاں تک کہ اُس نے مال لے لیا یا اُس کے بیت سے رہن بعوض اُس مال کے جس کا اُس سے مطالبہ کیا گیا ہے بسبب اُس کی ملک پائی جانے کے لے لیا اور وہ رہن ضائع ہو گیا تو شریک یا جابی بلاشبہ ضامن نہ[2] ہوگا کیونکہ ان دونوں سے کوئی حکم یا عمل نہیں پایا گیا ہے یہ محیط میں ہے۔

اگر ایک شخص نے دوسرے کو حکم دیا کہ میرے واسطے یہ بکری ذبح کر دے حالانکہ یہ بکری اُس کے پڑوسی کی تھی تو ذبح کرنے والا ضامن ہوگا خواہ اس کو معلوم ہو کہ یہ بکری غیر کی ہے یا نہ معلوم ہو پھر آیا اُس کو حکم دہندہ سے بقدر ضمان واپس لینے کا اختیار ہے یا نہیں ہے سو اگر اُس کو معلوم تھا کہ یہ بکری غیر شخص کی ہے حتیٰ کہ جان چکا تھا کہ اس کے ذبح کرنے کا حکم صحیح نہیں ہے تو ذبح کرنے والے کو حکم دہندہ سے واپس لینے کا اختیار نہ ہوگا اور اگر اُس نے یہ نہیں جانا حتیٰ کہ گمان کیا کہ حکم صحیح ہے تو ضمان حکم دہندہ سے واپس لے گا یہ ذخیرہ میں ہے۔ زید نے عمرو کو اپنی مملوکہ بکری ذبح کر دینے کا حکم دیا پھر عمرو کے ذبح کرنے سے پہلے زید نے اُس کو بکر کے ہاتھ فروخت کر دیا پھر عمرو نے اُس کو ذبح کیا تو بکر کے واسطے اُس کی قیمت کا ضامن ہوگا خواہ اُس کو یہ حال معلوم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو اور اُس کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ مال ضمان کو زید سے واپس لے خواہ اُس کو فروخت کا علم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو اس واسطے کہ زید نے اس کو اس واقعہ میں دھوکا نہیں دیا ہے یہ ظہیریہ میں ہے فتاویٰ ابواللیث میں مذکور ہے کہ شیخ ابوبکرؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص ایک گھوڑا نہر کے کنارے نہلانے کے واسطے لایا اور وہاں ایک شخص زید کھڑا تھا پس لانے والے نے زید سے کہا کہ اُس کو نہر میں گھسا پس اُس نے گھسایا اور گھوڑا ڈوب کر مر گیا تو حکم فرمایا کہ اگر پانی کی ایسی حالت ہو کہ لوگ اپنے گھوڑے پانی پلانے اور نہلانے کے واسطے اُس میں گھساتے ہوں تو کسی پر ضمان نہ ہوگی کیونکہ سائیس کو اختیار ہے کہ اپنے ہاتھ سے یہ فعل کرے یا دوسرے سے کرا دے اور اگر پانی کی حالت ایسی نہ ہو کہ لوگ نہلاتے یا پانی پلانے کے واسطے اپنے گھوڑے اُس میں گھساتے ہوں تو گھوڑے کے مالک کو اختیار ہوگا چاہے سائیس سے ضمان لے یا زید مامور سے ایسا ہی اس مقام پر ذکر کیا ہے اور اس میں نظر ہے یعنی اعتراض ہے اور یوں چاہیے کہ حکم دہندہ[3] و سائیس پر ضمان واجب نہ ہو پس اگر اُس نے سائیس سے ضمان لی تو سائیس مال ضمان کو مامور یعنی زید سے واپس نہیں لے سکتا ہے اور اگر اُس نے زید سے ضمان لی پس اگر زید کو یہ معلوم نہ ہوا کہ یہ حکم دہندہ اس گھوڑے کا سائیس ہے حتیٰ کہ اُس نے حکم صحیح ہونے کا گمان کیا تو وہ سائیس سے مال ضمان واپس

---

[1] اگر حکم دہندہ کے حوائج ضروریہ میں خرچ کر دیا تو لینے والا ضامن ہوگا اصل مالک کے واسطے پھر حکم دہندہ سے جس کے حکم سے اس کی ضرورت میں خرچ کیا ہے واپس لے گا اگرچہ وقت خرچ کرنے کے حکم سے اس نے واپس لینے کی شرط نہ کر لی ہو۔ [2] نہ ہوگا لیکن بدسعایت کا گناہ شدید اُس کی گردن پر ہے۔

[3] قولہ حکم دہندہ اقوال اسی طرح اصل میں مذکور ہے اور شاہد قولہ و سائیس میں واؤ تفسیر ہو یعنی سائیس جو حکم دہندہ ہے اور ظاہر یہ کہ حکم دادہ یعنی مامور کہا جائے فافہم۔

لے سکتا ہے یہ محیط میں ہے۔ غصب العدۃ میں مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے سے کہا کہ فلاں شخص کا کپڑا جلا دے تو جس نے جلایا ہے اُس پر ضمان واجب ہوگی نہ اس پر جس نے حکم کیا ہے اور جو شخص حکم دینے سے ضامن ہوتا ہے وہ سلطان ہے یا مولیٰ جبکہ اُس نے اپنے غلام کو حکم دیا ہو یہ فصول عمادیہ میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ میرا یہ کپڑا جلا دے یا اُس کو دریا میں ڈال دے اور اُس نے ایسا ہی کیا تو ضامن نہ ہوگا کیونکہ اُس کے حکم سے ایسا کیا ہے لیکن گنہگار ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے

ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ میرے واسطے اس دیوار میں ایک دروازہ پھوڑ دے اُس نے ایسا ہی کیا پھر وہ دیوار کسی غیر شخص کی نکلی تو دروازہ پھوڑنے والا ضامن ہوگا کیونکہ اُس نے ملک غیر کو تلف کر دی مگر مال ضمان کو اپنے حکم دہندہ سے واپس لے گا اور اگر اس سے یوں کہا ہو کہ اس دیوار میں ایک دروازہ پھوڑ دے اور یہ نہ کہا کہ میرے واسطے میری دیوار میں تو پھوڑنے والا حکم دہندہ سے مال ضمان واپس نہیں لے سکتا ہے اور اگر اس صورت میں حکم دہندہ اس دار میں رہتا ہو یا اس شخص کو دروازہ پھوڑنے پر اجیر مقرر کیا ہو تو پھوڑنے والا مال ضمان واپس لے گا یہ محیط سرخسی میں ہے ایک عورت نے ایک مرد سے کہا کہ یہ گھر کی خاک باہر ڈال دے اُس نے باہر ڈال دی پھر اس عورت کا خاوند آیا اور کہا کہ میں نے اس خاک میں اس قدر سونا رکھا تھا پس اگر ثابت ہو جائے کہ اُس نے خاک میں سونا رکھا تھا تو ضمان اُس شخص پر واجب ہوگی جس نے خاک باہر ڈال دی ہے یہ خزانۃ المفتین میں لکھا ہے۔

باب دہم:

زمین مغصوبہ میں زراعت کرنے کے بیان میں

ایک شخص نے دوسرے شخص کی زمین غصب کر کے اُس میں کھیتی بوئی اور وہ اُگی تو مالک زمین کو اختیار ہوگا کہ اپنی زمین لے لے اور اپنی ملکیت فارغ کرنے کی غرض سے غاصب کو حکم دے کہ کھیتی اُکھاڑ لے اور اگر غاصب نے اس فعل سے انکار کیا تو مالک کو اختیار ہوگا کہ خود ایسا کرے اور اگر مالک حاضر نہ ہوا یہاں تک کہ کھیتی پک گئی تو کھیتی غاصب کی ہوگی اور یہ معروف (مسئلہ) ہے اور اگر بسبب زراعت کے زمین میں نقصان آیا ہو تو غاصب سے بقدر نقصان لے سکتا ہے۔ پھر مشائخ نے مقدار نقصان کی دریافت میں اختلاف کیا ہے بعض نے فرمایا کہ یوں دیکھا جائے کہ قبل زراعت کے کتنے پر اُٹھتی تھی اور بعد زراعت کے کتنے پر اُٹھتی ہے پس جس قدر تفاوت ہو وہی نقصان زمین ہے شمس الائمہؒ نے فرمایا کہ یہ قول اقرب[1] الی الصواب ہے اور اگر مالک حاضر ہوا اور ہنوز کھیتی نہیں اُگی تھی تو مالک کو اختیار ہے چاہے چھوڑ دے یہاں تک کہ کھیتی اُگے پھر غاصب کو اُس اُکھاڑ لینے کا حکم کرے یا چاہے تو غاصب کو اُس کے بیجوں کی قیمت دے دے لیکن اس حساب سے کہ وہ تخم دوسرے کی زمین میں ریختہ ہیں اور اُس کی صورت یہ ہے کہ زمین ایک دفعہ تخم ریختہ اور پھر بغیر تخم ریختہ اندازہ کرائی جائے پس جس قدر دونوں میں فرق ہو اُسی قدر غاصب کو دے دے یہ ذخیرہ میں ہے۔ قال المترجم ریختہ در زمین غیر کی توضیح مسئلہ ذیل سے دریافت کرنی چاہیے ایک شخص نے دوسرے کی زمین میں گیہوں بوئے اور ہنوز نہیں اُگے تھے کہ دونوں نے باہم جھگڑا کیا تو مالک زمین کو اختیار ہے چاہے چھوڑ دے یہاں تک کہ اُگیں پھر اُس سے کہے کہ اپنی کھیتی اکھاڑ لے یا جو کچھ تخم سے زیادتی ہوگئی ہے اُس کو دے دے پس اگر مالک نے ادائے ضمان کو اختیار کیا تو کس طرح ضمان دے گا پس مختار یہ ہے کہ اُس کے بیج کی قیمت بدیں اعتبار کہ وہ بیج غیر کی زمین میں ریختہ ہیں ضمان دے گا اور اُس کا یہ طریقہ ہے کہ ایک بار زمین ایسے بیجوں سے بوئی ہوئی اندازہ کی جائے کہ جن کے اُگنے کے بعد شخص غیر کو کھیتی اُکھڑوا دینے کا اختیار ہے اور ایک بار بغیر تخم ریختہ اندازہ کی جائے پس جو کچھ ان

---

[1] اقرب یعنی ٹھیک نظر آتا ہے۔

دونوں میں تفاوت ہو وہی ایسے بیجوں کی قیمت ہے جو دوسرے کی زمین میں ریختہ کیے گئے ہوں یہ ظہیر یہ میں ہے۔

ایک شخص نے اپنی زمین میں تخم ریزی کی پھر دوسرے شخص نے آ کر اُسی زمین میں اپنے بیج بوئے اور مالک زمین کے بیج اُگنے سے پہلے اُس کو گوڑا نہیں گوڑا اور زمین کو سینچا یہاں تک کہ دونوں بیج اُگے تو امام اعظمؒ کے نزدیک جو کچھ اُگا ہے وہ دوسرے کا ہوگا اس لیے کہ امام کے نزدیک خلط[۱] جنس یا بجنس استہلاک اوّل ہے اور دوسرے شخص پر مالک کے بیجوں کی قیمت واجب ہوگی مگر بدیں اعتبار کہ وہ بیج اپنی زمین میں بوئے ہوئے ہیں پس ایک بار زمین بغیر تخم ریختہ اندازہ کی جائے گی اور دوسری بار تخم ریختہ اندازہ کی جائے گی پس جو کچھ دونوں میں فرق ہو اس قدر مالک زمین کو دے گا اور اگر پھر مالک زمین نے آ کر دوبارہ اپنے بیج اُس زمین میں بوئے اور زمین کو قبل اُگانے کے گوڑا یا نہ گوڑا اور زمین کو سینچا یہاں تک کہ سب بیج پھوٹ نکلے تو جو کچھ اُگا ہے سب مالک زمین کا ہے اور اُس پر غاصب کے واسطے اُس کے بیج کے مثل بیج واجب ہوں گے لیکن بدیں حساب کہ وہ دوسرے کی زمین میں ریختہ ہیں ایسا ہی فتاویٰ فضلی میں مذکور ہے اور یہ جواب مشبع (۱) نہیں ہے بلکہ مشبع جواب (۲) یہ ہے کہ مالک زمین کو غاصب اُس کے بیجوں کی قیمت اپنی زمین میں بوئے ہوئے کے حساب سے دے گا پھر مالک زمین غاصب کو دونوں بیجوں کی قیمت بدیں اعتبار کہ وہ غیر کی زمین میں ریختہ ہیں ضمان دے گا اس واسطے کہ اتلاف یوں ہی وارد ہوا ہے اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ کھیتی اُگی ہوئی نہ ہو اور اگر مالک کی کھیتی اُگی ہو پھر دوسرے نے آ کر اپنی تخم ریزی کر کے زمین کو سینچا پس اگر زمین کو نہ گوڑا ہو یہاں تک کہ دوسرے بیج اُگے تو حکم وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے اور اگر زمین کو گوڑا ہو پس اگر اُگی ہوئی کھیتی بعد گوڑنے کے دوبارہ اُگی ہے تو بھی حکم وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے اور اگر دوبارہ نہیں اُگی تو جو کچھ اُگی وہ غاصب کی ہوگی اور غاصب زمین کے مالک کے واسطے اُس کی اُگی ہوئی کھیتی کی قیمت کا ضامن ہوگا کیونکہ اتلاف یوں ہی وارد ہوا ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور شیخ نصیرؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی زمین میں گیہوں بوئے پھر دوسرے نے آ کر اُس میں اپنے بوئے تو فرمایا کہ جو ڈالے پر مالک کے ریختہ گیہوں کی قیمت واجب ہوگی اس کو ابن سماعہؒ نے امام محمد بن الحسن سے روایت کیا ہے اور فقیہ ابواللیثؒ نے فرمایا کہ یہ اس وقت ہے کہ گیہوں کا مالک اپنے گیہوں کے ریختہ کے حساب سے قیمت لینے پر راضی ہو جائے اور اگر وہ اُس پر راضی نہ ہوا تو اس کو اختیار ہوگا چاہے چھوڑ دے یہاں تک کہ کھیتی اُگے پھر جب اُگی تو اس کو اُکھاڑ لے یا چاہے تو غاصب کو ضمان سے بری کر دے پھر جب کھیتی کاٹنے کا وقت آئے اور دونوں کھیتی کاٹیں تو وہ کھیتی دونوں میں بقدر اُن کے حصہ کے مشترک ہوگی یہ ظہیر یہ میں ہے۔ صاحب المحیطؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے زمین غصب کر کے اُس میں کپاس بوئی پھر مالک نے زمین جوت کر اُس میں کوئی اور چیز بوئی پس آیا مالک زمین اُس غاصب کے واسطے کچھ ضامن ہوگا تو شیخؒ نے جواب دیا کہ کچھ نہیں ضامن ہوگا کیونکہ اُس نے ایسا فعل کیا ہے کہ اگر یہ مقدمہ قاضی کے سامنے پیش ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا یہ فصول عمادیہ میں ہے۔ ایک شخص نے حب القطن (بنولے ۱۲) دوسرے کی زمین میں از راہ غصب ڈالے اور وہ آگے پس مالک زمین نے ان کو تربیت کیا تو غورہائے پنبہ (روئی کے لچھے ۱۲) غاصب کے ہوں گے اور اُس پر نقصان زمین کا تاوان واجب ہوگا اور مالک کا تعہد اُس کے ساتھ رضامندی شمار نہ ہوگا اور اظہر یہ کہ مالک کا تعہد غاصب کے لئے ہے یہ قنیہ میں ہے۔

ایک حادثہ واقعہ ہوا جس پر فتویٰ لیا گیا تھا وہ یہ ہے کہ دو شریکوں میں سے ایک شریک نے زمین مشترک میں زراعت کی پس آیا دوسرے شریک کو پہنچتا ہے کہ بقدر اپنے حصہ زمین کے موافق عرب دیہ کے تہائی یا چوتھائی کا مطالبہ کرے تو جواب دیا گیا کہ ایسا نہیں کر سکتا ہے لیکن اگر کاشتکاری سے زمین کو کچھ نقصان پہنچا ہو تو بقدر اپنے حصہ کے تاوان نقصان لے سکتا

ہے یہ فصول عمادیہ کی بتیسویں فصل میں لکھا ہے۔ایک زمین دوشخصوں میں مشترک تھی اور اس سب زمین کو فقط ایک شریک نے بدون اجازت دوسرے شریک کے بویا تو امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ اگر کھیتی اُگ آئی اور دونوں نے اس طرح باہم تصفیہ کر لیا کہ جس نے نہیں بویا ہے وہ بونے والے کو آدھے بیج دے دے اور تمام کھیتی دونوں میں مشترک ہو جائے تو جائز ہے اور اگر ہنوز نہ اگی ہو کہ دونوں نے اس طرح مصالحہ کیا تو جائز نہیں ہے۔اور اگر کھیتی اُگ چکی ہو اور جس نے زراعت نہیں کی ہے اُس نے یہ ارادہ کیا کہ زراعت کو اُکھاڑ دے تو وہ زمین دونوں میں برابر تقسیم کر دی جائے گی پس جس قدر زمین غیر زراعت کنندہ کو ملے گی اُس میں سے جس قدر کھیتی ہے اُکھاڑ دے اور اُکھاڑنے سے اس کی زمین کو جو کچھ نقصان پہنچے گا یا اُس کا زراعت کنندہ ضامن ہو گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

امام محمدؒ سے مروی ہے کہ ایک زمین دوشخصوں میں مشترک ہے اُن میں سے ایک شخص غائب ہو گیا تو اُس کے شریک حاضر کو اختیار ہے کہ نصف زمین میں زراعت کرے اور اگر اُس نے دوسرے برس بھی زراعت کا قصد کیا تو اُسی نصف زمین میں زراعت کرے جس میں سال گذشتہ میں کھیتی بوئی تھی ایسا ہی اس مقام پر ذکر فرمایا ہے اور فتویٰ اس طرح پر ہے کہ اگر اُس کو یہ معلوم ہے کہ زراعت زمین کے حق میں نافع ہو گی نقصان نہ پہنچائے گی تو اُس کو تمام زمین کی زراعت کا اختیار ہے اور جب شریک غائب حاضر ہو تو اُس کو اختیار حاصل ہو گا کہ جتنی مدت تک شریک حاضر نے تمام زمین سے نفع اُٹھایا ہے وہ بھی اُس قدر مدت تک کل زمین سے انتفاع حاصل کرے اس واسطے کہ ایسی باتوں میں غائب کی رضامندی دلالۃً ثابت ہے اور اگر اُس کو معلوم ہے کہ کھیتی کرنا زمین کے حق میں نقصان ہے اور چھوڑ دینا نافع ہو گا اور زمین کی قوت بڑھا دے گا تو حاضر کو بالکل کھیتی کرنے کا اختیار نہ ہو گا اس واسطے کہ رضامندی شریک یہاں ثابت نہیں ہے کذا فی الظہیریہ۔میرے جد رحمہ اللہ سے استفتا کیا گیا کہ ایک شخص نے غیر کی زمین میں اُس کی بلا اجازت کھیتی بوئی پس مالک زمین نے کہا کہ تو نے کیوں بوئی اُس نے کہا کہ میں نے جس قدر بیج ڈالے ہیں تو مجھے دے دے اور میں تیرا کاشتکار ہو جاؤں گا اور کھیتی میرے تیرے درمیان موافق رسم کے مشترک ہو گی پس مالک نے اُس کو اس کے بیج کے مثل دے دیئے پھر کھیتی تیار ہوئی تو آیا دونوں میں مشترک ہو گی یا کل کھیتی کسی ایک کی ہو گی تو جواب دیا کہ سب کھیتی مالک زمین کی ہو گی اور کاشتکار کو اجر المثل ملے گا یہ فصول عمادیہ میں ہے شیخ الاسلام عطاء ابن حمزہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنے بیجوں سے دوسرے کی زمین میں بدون مالک کی اجازت کے کھیتی کی پس آیا کھیتی تیار ہونے پر مالک زمین کو اختیار ہے کہ اُس سے بقدر حصہ زمین کے پیداوار کا مطالبہ کرے تو شیخؒ نے فرمایا کہ ہاں بشرطیکہ اُس گاؤں میں ایسا عرف جاری ہو کہ لوگ دوسروں کی زمین تہائی چوتھائی آدھی وغیرہ کسی جز معین شائع پر جوتتے ہوں[۲] تو اس قدر جزء جو عرفاً معروف ہو واجب ہو گا پھر شیخؒ سے پوچھا گیا کہ اس کی کوئی روایت بھی آئی ہے تو فرمایا کہ ہاں آخر کتاب المزارعت میں آئی ہے۔شیخ ابو جعفرؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنا باغ انگور دوسرے کو معاملۃً دیا پس باغ مذکور میں پھل آئے پس دینے والا اور اُس کے گھر والے اکثر باغ میں جاتے اور کھاتے اور باندھ لاتے تھے اور عامل نہیں جانتا مگر کبھی کبھی پس آیا دینے والے پر ضمان واجب ہو گی تو شیخ نے فرمایا کہ اگر وہ لوگ بدون اجازت اُس شخص کے جس نے دیا ہے کھاتے اور لادلاتے تھے تو اُس پر ضمان واجب نہ ہو گی بلکہ انھیں کھانے والوں اور لادنے والوں پر واجب ہو گی اور اگر اُس کی اجازت سے ایسا کرتے تھے پس اگر وہ لوگ ایسے تھے کہ اُن کا نفقہ اُس شخص پر واجب تھا تو دینے والا بقدر

---

[۱] خلط یعنی ایک جنس میں ہی اسی جنس کو خلط کرنے سے اول مقدار کا تلف ہے۔ [۲] جوتتے ہوں یعنی رواج یہ ہے کہ خالی زمین کو بلا اجازت کاشت کریں اور رواج سے اجازت معلوم ہے۔ (۱) آسودہ کرنے والا۔ (۲) تسکین دینے والا۔

حصۂ عائل کے ضامن ہوگا اور اُن کا کھانا ایسا قرار دیا جائے گا کہ گویا خود اُس نے کھایا ہے اور اگر وہ لوگ ایسے نہ تھے کہ اُن کا نفقہ اُس شخص پر واجب ہو تو اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی[1] اس واسطے ایسا واقعہ ہوا کہ گویا اُس نے دوسرے کے مال تلف کرنے پر اُن کو راہ بتائی کذانی الظہیر یہ۔

باب گیارھواں:

اُن امور کے بیان میں جو غلام مغصوب کو لاحق ہوں کہ اُن کی ضمان غاصب پر واجب ہو

امام ہمام قدوریؒ نے اپنی کتاب میں فرمایا کہ ایک شخص نے دوسرے کا غلام یا باندی غصب کی پس غلام غاصب کے پاس سے بھاگ گیا حالانکہ اس سے پہلے نہیں بھاگا تھا یا باندی نے زنا یا چوری کی حالانکہ اس سے پہلے باندی نے ایسا نہ کیا تھا تو بسبب سرقہ یا اباق یا عیب زنا کے جو نقصان پیدا ہوا اُس کی ضمان غاصب پر واجب ہوگی اور ایسا ہی جو امر ہو جب نقصان قیمت غاصب کے پاس پیدا ہو جائے جیسے عور[1] وشل واس کے اشباہ تو اُس کی ضمان بھی غاصب پر واجب ہو جائے گی پس ایک بار غلام کی قیمت بغرض صحیح وسالم اندازہ کی جائے گی اور پھر اس عیب کے ساتھ اندازہ کی جائے گی پس مالک اُس غلام کو لے کر اُس کے ساتھ جو کچھ دونوں قیمتوں میں تفاوت ہے غاصب سے لے لے گا یہ محیط میں ہے اگر ایک باندی غصب کر کے اس کے ساتھ زنا کیا پھر وہ مرگئی تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور بالاجماع اس پر حد زنا واجب نہ ہوگی اس واسطے کہ غصب میں ضمان دینے سے وقت[2] غصب سے ملک حاصل ہو جاتی ہے لیکن اگر اُس کے ساتھ زنا کیا پھر اس کو غصب کیا پھر مرگئی اور اُس کی قیمت کی ضمان دی تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک حد زنا ساقط نہ ہوگی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ساقط ہو جائے گی کذانی التاتارخانیہ اور غاصب کے پاس باندی کو بخار آنے لگا یا اس کی دونوں آنکھیں سپید ہو گئیں پس غاصب نے باندی کو واپس دیا اور اس کے ساتھ تاوان نقصان بھی دیا پھر مالک کے پاس اُس کا بخار جاتا رہا یا سپیدی چشم جاتی رہی تو مولیٰ نے جس قدر تاوان نقصان لیا ہے غاصب کو واپس دے کذانی محیط السرخسی اور اگر غاصب کے پاس باندی زنا سے حاملہ ہوگئی تو مالک اُس کو مع اُس کے نقصان کے لے لے گا اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ نقصان حمل اور نقصان عیب زنا دونوں پر نظر کر کے جو زیادہ ہو اُس کا ضامن ہوگا اور اس میں کم داخل ہو جائے گا اور یہ استحسان ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک دونوں عیبوں کا تاوان لے گا اور یہ قیاس ہے اور اگر زنا سے حاملہ ہو کر پھر بچہ جنی تو ولادت سے عیب حمل جاتا رہا اور عیب زنا باقی رہے گا۔ پس اگر عیب زنا بلسبت عیب حمل کے زیادہ تاوان رکھتا ہو اور غاصب عیب حمل کا تاوان دے چکا ہو تو اُس پر واجب ہوگا کہ تاوان عیب زنا کو پورا (یعنی کمی ۱۲) کردے اور اگر تاوان عیب حمل زیادہ ہو تو غاصب پر فقط بقدر عیب زنا کے تاوان واجبی رہے گا اور باقی زائد بسبب زوال حمل کے زائل ہو گیا پس اُس کا غاصب کو واپس دینا واجب ہوا اور اگر مالک کو اُس کی باندی بحالت حمل واپس کی پھر مالک کے پاس بسبب ولادت کے ہلاک ہوئی اور اُس کا بچہ رہ گیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک اُس کی پوری قیمت کا ضامن ہوگا اور صاحبین نے فرمایا کہ نہیں فقط نقصان حمل کا ضامن ہوگا اور اگر ولادت[2] سے ہلاک ہوئی اور اُس کا بچہ باقی رہا تو امام اعظمؒ کے نزدیک یوم غصب کی پوری قیمت باندی کا ضامن ہوگا اور بچہ کے ساتھ جبر نقصان نہ کیا جائے گا اور امام ابو یوسف اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ فقط اسی قدر ضامن ہوگا جس قدر اس میں حمل سے نقصان آیا اور اگر بچہ مر گیا تو غاصب باندی کو واپس کرے اور اُس کے ساتھ نقصان ولادت کا تاوان

---

[1] عور کانا ہونا اور نقصان بینائی مثل گنجا و تمام بدن رہ جاتا۔ اشباہ اس کے مانند عیوب۔ [2] وقت الخ یعنی جب ضمان دی تو حکم یہ کہ جس وقت غصب کیا تھا اسی وقت مالک ٹھہرا پس گویا اپنی مملوکہ سے وطی کی۔ (۱) مگر چونکہ اُس نے اجازت دی تھی۔ (۲) غاصب کے پاس۔

دے اور بچہ کی موت سے اُس پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر باندی مع بچہ کے غاصب کے پاس مرگئی تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ باندی کے یوم قبضہ کی قیمت تاوان دے اور قیمت ولد کا ضامن نہ ہوگا یہ سراج الوہاج میں ہے۔

ایک شخص نے ایک باندی غصب کر کے اُس کے ساتھ زنا کیا پھر اُس کے مولیٰ کو واپس کر دی پھر مولیٰ کے پاس اُس کا حمل ظاہر ہوا اور مولیٰ کے پاس بچہ جنی اور ولادت یا نفاس میں مرگئی تو امام اعظمؒ کے قول پر اگر غاصب کے واپس کرنے کے وقت سے چھ مہینہ سے کم میں مولیٰ کے پاس بچہ جنی ہو تو غاصب اُس کے یوم غصب کی قیمت کا ضامن ہوگا بخلاف اُس کے اگر کسی آزاد عورت سے زنا کیا ہو اور وہ حاملہ ہو کر ولادت یا نفاس میں مرگئی ہو تو زانی کچھ ضامن نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر مغصوبہ باندی نے غاصب کے پاس زنا یا چوری کی پھر مالک کو واپس کر دینے کے بعد اُس کا ہاتھ کاٹا گیا یا حد زنا ماری گئی تو امام اعظمؒ کے نزدیک زنا کی صورت میں نقصان ضرب حد نقصان زنا میں سے جو زیادہ ہو اُس کا غاصب ضامن ہوگا اور چوری سے ہاتھ کٹنے کی صورت میں باندی کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا اور صاحبین کے نزدیک نقصان زنا و نقصان سرقہ کا ضامن ہوگا اور نقصان ضرب حد کا ضامن نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر غاصب نے مالک کو حاملہ باندی واپس کی اور اُس کی حد ماری گئی اور حد ماری جانے سے وہ ہلاک ہوئی تو بالا جماع غاصب نقصان کا ضامن ہوگا یہ خلاصہ میں ہے اور اگر مغصوبہ باندی نے اپنے مولیٰ کے پاس زنا یا چوری کی ہو پھر غاصب نے اُس کو غصب کیا پھر وہ حد زنا و سرقہ میں ماخوذ ہوئی اور اس سبب سے مرگئی تو اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی کیونکہ ایسے سبب سے تلف ہوئی جس کا وجود مولیٰ کے پاس ہوا ہے اس طرح اگر غاصب کے پاس ایسے شوہر سے حاملہ ہوئی جو مولیٰ کے پاس بھی موجود تھا اور اس سبب سے ہلاک ہوئی تو بھی یہی حکم ہے اسی طرح اگر مولیٰ نے اُس سے وطی کر کے حاملہ کیا ہو پھر غاصب نے غصب کر لی اور غاصب کے پاس بسبب حمل کے مرگئی تو بھی غاصب ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس کا تلف ہونا ایسے سبب سے ہوا جس کا وجود مولیٰ کے پاس پایا گیا تھا پس یہ ایسا ہوا کہ جیسے مولیٰ نے اُس کو غاصب کے پاس قتل کر دیا اور اگر غاصب نے اُس کو حاملہ غصب کیا مگر حمل اس کو اس طرح نہ تھا کہ مولیٰ نے اُس کو حاملہ کیا تھا یا مولیٰ کے پاس کسی شوہر نے اس کو حاملہ کیا تھا پھر وہ باندی غاصب کے پاس بسبب حمل مذکور کے تلف ہوئی تو غاصب اُس کی قیمت کا ضامن ہوگا کیونکہ وہ باندی غاصب کے پاس بدون فعل مولیٰ اور بدوں ایسے سبب کے جو مولیٰ کی طرف سے پایا جائے ہلاک ہوئی ہے یہ جوہرہ نیرہ میں ہے۔

اور اگر ایسی باندی غصب کی جس کو بخار آتا تھا یا حاملہ تھی یا مریضہ یا مجروحہ تھی اور وہ اسی سبب سے ہلاک ہوگئی تو اس عیب داری کے ساتھ اس کی قیمت اندازہ کر کے اُس کا غاصب ضامن ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر غاصب کے پاس باندی کو بخار آنے لگا پھر اُس نے مالک کو اسی طرح واپس دی پھر مالک کے پاس اُسی بخار سے مرگئی تو بالا جماع غاصب فقط نقصان حمی[1] کا ضامن ہوگا یہ خلاصہ میں ہے اگر غاصب کے پاس سے غلام مغصوب بھاگ گیا تو مالک کو اختیار ہے کہ چاہے اپنے غلام کے ظاہر ہونے تک انتظار کرے پس بعد ظہور کے اُس کو لے لے یا نہ انتظار کرے اور غاصب سے اُس کی قیمت لے لے پھر اگر بعد قیمت لے لینے کے غلام ظاہر ہوا تو دیکھا جائے گا کہ اگر مالک نے وہ قیمت لی ہے جو اُس نے بیان کی تھی اُس پر راضی ہوا تھا خواہ اس طرح کہ دونوں نے اس مقدار قیمت پر باہم اتفاق کیا تھا یا گواہ قائم ہوئے تھے یا غاصب نے قسم سے نکول کیا تھا اس صورت میں ہمارے نزدیک مالک کو اُس غلام کے لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی اور اگر مالک نے غاصب سے جو قیمت لی ہے وہ غاصب کے قول پر لی ہے[2] اور مالک کی زیادت متدعویہ سے غاصب¹ قسم کھا گیا تو مالک کو اختیار ہوگا چاہے قیمت رکھ لے اور اُس پر راضی ہو جائے اور وہ غلام غاصب کو دے دے اور

---

¹ مالک نے زیادت قیمت کا دعویٰ کیا مگر غاصب نے اپنی مقدار مسمی پر قسم کھائی طلب مالک تو اس صورت میں مالک کو اختیار ہے۔

(۱) بخار آنے کی بیماری کے نقصان۔ (۲) جس قدر غاصب نے بیان کی ہے۔

اگر چاہے تو جس قدر اُس نے قیمت لی ہو وہ غاصب کو واپس کر کے اپنا غلام لے لے اور غاصب کو اختیار ہوگا کہ اپنی قیمت وصول کرنے کی غرض سے غلام کو روک رکھے اور اگر غاصب کو قیمت واپس دینے سے پہلے وہ غلام غاصب کے پاس مر گیا تو قیمت واپس نہ کرے گا لیکن اگر غلام کی قیمت میں اس قیمت وصول کردہ سے زیادتی ہو تو بقدر زیادتی کے غاصب سے واپس لے گا اور اگر اُس کی قیمت میں کچھ زیادتی نہ ہو تو مالک کو سوائے اس قیمت ماخوذہ کے اور کچھ نہ ملے گا اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ اگر غلام آبق ظاہر ہوا اور اُس کی قیمت اتنی ہی نکلی جتنی غاصب نے بیان کی ہے تو مغصوب منہ کو خیار نہ ہوگا اور نہ اُس کو غلام لینے کی کوئی راہ ہوگی مگر ظاہر الروایت کے موافق بالا تفصیل[1] مالک کو خیار حاصل ہوگا یہ شرح طحاوی میں ہے۔

اور اگر غلام مغصوب نے غاصب کے پاس کسی شخص آزاد یا غلام کو قتل کیا یا کوئی جنایت جو جان تلف کرنے سے کم ہو واقع کی تو مولیٰ کو اختیار دیا جائے گا کہ چاہے غلام کو دے دے یا اُس کا فدیہ دے پھر مولیٰ جرمانہ جنایت و قیمت غلام دونوں میں جو مقدار کم ہو غاصب سے لے لے گا اور اگر غلام مغصوب نے کسی کا مال تلف کر دیا اور مولیٰ سے خطاب کیا گیا کہ اُس کو فروخت کر یا اُس کا فدیہ دے تو مولیٰ قیمت غلام اور جو اُس نے غلام کی طرف سے قرضہ ادا کیا ہے دونوں میں سے کم مقدار کو غاصب سے لے لے گا اور اگر یوم غصب میں غلام کی قیمت ہزار درہم ہو پھر زائد ہو کر دو ہزار درہم ہو گئی پھر کسی شخص نے غاصب کے پاس اُس کو قتل کر ڈالا تو مولیٰ کو اختیار ہوگا چاہے غاصب سے یوم غصب کی قیمت ہزار درہم لے لے اور غاصب اُس قاتل کی مددگار برادری سے دو ہزار درہم لے لے گا مگر اُس میں سے ایک ہزار درہم زائد صدقہ کر دے گا یا چاہے تو قاتل کی مددگار برادری سے روز قتل کی دو ہزار درہم قیمت لے لے پھر قاتل اُس کے غاصب سے کچھ نہیں لے سکتا ہے اور اگر اس صورت میں غلام نے خود ہی اپنے تیئں قتل کر ڈالا ہو تو مولیٰ غاصب کے یوم غصب کی ہزار درہم قیمت تاوان لے گا اور یوم قتل کی قیمت تاوان نہیں لے سکتا ہے یہ محیط میں ہے اگر غاصب کے پاس سے غلام مغصوب بھاگ گیا تو اُس کا جعل[2] واپسی مالک پر واجب ہوگا یہ امام ابو یوسف کے نزدیک ہے اور اس مقدار جعل کو غاصب سے نہیں لے سکتا ہے لیکن نقصان اباق کو غاصب سے لے سکتا ہے بشرطیکہ اس سے پہلے غلام نہ بھاگا ہو اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ مولیٰ مقدار جعل بھی غاصب سے واپس لے گا یہ ینابیع میں ہے۔

باب بارھواں:

غاصب الغاصب اور مستودع الغاصب وغیرہ کے بیان میں

اگر ایک شخص نے مال مغصوب کو غاصب سے غصب کر لیا تو مالک کو اختیار ہوگا کہ اوّل و ثانی جس غاصب سے چاہے ضمان لے پس اگر غاصب اوّل سے ضمان لی تو غاصب اوّل مال ضمان کو غاصب ثانی سے لے لے گا اور اگر اُس نے دوسرے سے ضمان لی اور دوسرا اس کو اوّل سے نہیں لے سکتا ہے اور جب مالک نے دونوں میں سے کسی ایک سے ضمان لینا اختیار کیا تو امام اعظم و امام محمدؒ کے نزدیک پھر[3] اُس کو دوسرے کی تضمین کا اختیار نہ ہوگا اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ جب تک اُس سے تاوان وصول نہ کرے تب تک

[1] بالا تفصیل خواہ قیمت بر بیان غاصب لی ہو یا اپنے دعویٰ پر۔ [2] جعل وہ اجرت جو غلام آبق کے لانے والے کو ملتی ہے۔ [3] پھر اس کو آخ یعنی جب ان سے ایک سے تاوان لینا اختیار کیا اگرچہ ابھی وصول نہ کیا ہو تو پھر یہ اختیار نہ رہا کہ اس کو چھوڑ کر دوسرے سے تاوان لینا اختیار کرے اگرچہ ابتداء میں اس کو اختیار تھا چاہتا اسی دوسرے کو ضامن ٹھہراتا۔

اُس کو ایسا اختیار ہے کذا فی محیط السرخسی اور جب مالک نے دونوں میں سے ایک یعنی غاصب یا غاصب الغاصب یا مستودع الغاصب سے تاوان لے لیا تو دوسرا بری ہو گیا یہ خلاصہ میں ہے۔ غاصب الغاصب نے اگر مال مغصوب کو تلف کر کے اُس کی قیمت غاصب اوّل کو ادا کر دی تو ضمان سے بری ہو گیا اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ بری نہ ہو گا اور اگر بعینہٖ مال مغصوب کو غاصب اوّل کو واپس دیا تو بالاجماع سب کے نزدیک بری ہو جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر مال مغصوب غاصب الغاصب کے پاس تلف ہو گیا اور اُس نے غاصب اوّل کو اُس کی قیمت تاوان دے دی تو بھی ضمان سے بری ہو جائے گا یہاں تک کہ مالک کو یہ اختیار نہ رہے گا کہ اس کے بعد غاصب الغاصب کو ضامن ٹھہرائے کیونکہ قیمت مقام قائم عین ہے اور یہ حکم اُس وقت ہے کہ غاصب اوّل کا غصب کرنا گواہوں کی گواہی یا اقرار مالک کے ذریعہ سے معروف و معلوم ہوا اور اگر فقط غاصب اوّل نے ایسا اقرار کیا ہو تو مالک کے حق میں اُس کے اقرار کی تصدیق نہ کی جائے گی مگر اپنے حق میں اُس کے قول کی تصدیق کی جائے گی پس مالک کو اختیار رہے گا کہ دونوں میں سے جس سے چاہے ضمان لے[1] اور اگر غاصب الغاصب نے مغصوب کو فروخت کر کے اُس کا ثمن وصول کیا تو غاصب اوّل کو اُس سے اس ثمن کے لینے کا اختیار نہ ہو گا کیونکہ وہ مالک نہیں ہے اور نہ مالک کی طرف سے نائب ہے اور اُس کو اجازت بیع کا بھی اختیار نہ ہو گا یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور مالک کو اختیار ہو گا کہ چاہے غاصب سے ضمان لے یا اُس کے مستودع سے کیونکہ اُس کے حق میں دونوں میں سے ہر ایک متعدی ہے[2] یہ محیط میں ہے۔

اور اگر غاصب نے مال مغصوب کسی کو عاریۃً دیا تو مالک مختار ہو گا چاہے معیر سے تاوان لے یا مستعیر سے پھر جس سے لے لیا وہ دوسرے سے مال تاوان نہیں لے سکتا ہے اور اگر مستعیر نے اُس کو تلف کر دیا ہو تو ضمان اُسی پر مقرر ہو جائے گی یہ وجیز کردری میں ہے اگر غاصب نے مال مغصوب کسی کو ہبہ کر دیا اور موہوب لہ کے پاس تلف ہو گیا اور مالک نے اُس سے تاوان لے لیا تو وہ اپنے واہب (یعنی غاصب) سے واپس نہیں لے سکتا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر مغصوب کو غاصب نے فروخت کر کے مشتری کے سپرد کر دیا تو مالک کو اختیار ہے چاہے غاصب سے ضمان لے پس بیع جائز ہو جائے گی اور ثمن غاصب کا ہو گا یا مشتری سے تاوان لے تو مشتری اپنا ثمن غاصب سے واپس لے گا اور بیع باطل ہو جائے گی اور مال ضمان واپس نہیں لے سکتا ہے اور اگر غاصب نے فروخت کر کے سپرد نہ کیا ہو تو ضامن نہ ہو گا یہ وجیز کردری میں ہے۔ منتقی میں ابن سماعہ کی روایت ہے امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اگر مالک نے غاصب اوّل سے ضمان لینا اختیار کیا ہے خواہ غاصب اوّل اس امر پر راضی ہوا یا نہ ہوا اگر قاضی نے غاصب اوّل پر مالک کے واسطے قیمت کی ڈگری کر دی تو مالک کو یہ اختیار نہ رہے گا کہ غاصب اوّل سے ضمان لینا ترک کر کے دوسرے سے ضمان لینا اختیار کرے اور اگر غاصب اوّل راضی ہوا یا نہ ہو اور قاضی نے اُس پر مالک کے نام کی ڈگری نہ کی تو مالک کو اختیار رہے گا کہ اس سے رجوع کر کے غاصب ثانی سے ضمان لینا اختیار کرے اور اگر مالک نے غاصب اوّل سے ضمان لینا اختیار کر لیا اور اُس نے مالک کو کچھ نہ دیا اور وہ نادار ہے تو قاضی غاصب اوّل کو حکم دے گا کہ دوسرے غاصب سے اپنا مال وصول کر کے مالک کو دے دے پس اگر اوّل نے اس بات سے انکار کیا اور مالک نے ان دونوں غاصبوں کو حاضر کر کے گواہ پیش کئے تو مالک سے دوسرے پر پہلے غاصب کے واسطے ایسے گواہ مقبول ہوں گے یہاں تک کہ دوسرے غاصب سے یہ مال وصول کر لیا جائے گا پھر اُس کو مغصوب منہ لے لے گا یہ محیط میں ہے۔

اگر مالک نے چاہا کہ دونوں میں سے ایک سے کسی قدر جزو قیمت تہائی و چوتھائی و نصف وغیرہ تاوان لے تو اُس کو اختیار رہے گا کہ باقی قیمت دوسرے سے تاوان لے یہ ذخیرہ میں ہے جامع کبیر میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے کسی کی باندی ہزار درہم قیمت کی غصب

---

[1] مگر اوّل پھر ثانی سے رجوع ضمان نہیں کر سکتا ہے۔ (۲) یعنی ظالم ہے۔

کر لی پھر غاصب سے دوسرے شخص نے غصب کر لی اور دوسرے غصب کے روز بھی اُس کی قیمت ہزار درہم تھی پھر دوسرے غاصب کے پاس سے بھاگ گئی تو پہلے غاصب کو اختیار ہو گا کہ دوسرے سے اُس کی قیمت تاوان لے اگرچہ مالک نے پہلے غاصب سے ہنوز تاوان نہ لیا ہو پھر جب غاصب اوّل نے قیمت لے لی تو دوسرا غاصب ضمان سے بری ہو گیا اور یہ قیمت جو دوسرے سے وصول کی ہے وہ غاصب اوّل پر مضمون رہے گی حتیٰ کہ اگر غاصب اوّل کے پاس تلف ہو گئی تو مالک کو اختیار ہو گا کہ اُس سے باندی کی قیمت غصب کا تاوان لے پھر جب مالک حاضر ہوا تو اُس کو اختیار ہو گا کہ چاہے غاصب اوّل سے وہ قیمت لے لے جو اُس نے غاصب ثانی سے لی ہے پس باندی مغصوبہ اصل مالک کی طرف سے غاصب ثانی کی ملک ہو جائے گی یا چاہے تو غاصب اوّل سے ازسرِنو اُس کی قیمت تاوان لے پس مالک کی طرف سے باندی پہلے غاصب اوّل کی مملوکہ ہو کر پھر اُس کی طرف سے غاصب ثانی کی مملوکہ ہو گی اور اگر غصب اوّل کے روز باندی کی قیمت ہزار درہم ہو اور غصب ثانی کے روز دو ہزار درہم ہو پھر وہ دوسرے غاصب کے پاس سے بھاگ گئی اور پہلے نے دوسرے سے دو ہزار درہم قیمت لے لی اور وہ قیمت غاصب اوّل کے پاس تلف ہو گئی تو مالک کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ اوّل سے دو ہزار کی ضمان لے بلکہ فقط اُس سے اُس کے غصب کے روز کی قیمت ہزار درہم تاوان لے سکتا ہے اور اگر مولیٰ حاضر ہوا اور اُس وقت تک غاصب اوّل کے پاس وہ قیمت جو اُس نے ثانی سے وصول کی ہے بعینہٖ موجود تھی اور حال یہ تھا کہ باندی بھی ظاہر ہو گئی تھی تو مالک کو یہ اختیارات ہوں گے کہ چاہے باندی کو جہاں ظاہر ہوئی ہے وہاں سے لے لے یا چاہے غاصب اوّل سے وہ قیمت لے لے جو اُس نے غاصب ثانی سے وصول کی ہے چاہے غاصب اوّل سے اُس کے غصب کے روز کی قیمت لے لے پس اگر مالک نے اپنی باندی لینا اختیار کیا تو دوسرا غاصب پہلے سے وہ قیمت جو اُس نے دوسرے سے وصول کی ہے پھیر لے گا اور اگر وہ قیمت پہلے کے پاس تلف ہو گئی ہو تو پہلا دوسرے کے واسطے اُس کا ضامن ہو گا اور اگر مالک نے غاصب اوّل سے وہ قیمت جو اُس نے دوسرے سے وصول کی ہے لے لی تو باندی دوسرے غاصب کے سپرد کی جائے گی اور اگر مالک نے اوّل سے اُس کے غصب کے روز کی قیمت تاوان لی تو جو قیمت اوّل نے دوسرے سے وصول کی ہے اُس کے سپرد کی جائے گی لیکن پہلا غاصب اُس میں سے ایک ہزار درہم جو مقدار ضمان سے اُس نے مالک کو دے دیے ہیں زائد ہیں صدقہ کر دے گا اور یہ قول امام اعظم و امام محمدؒ کا ہے مگر امام ابو یوسف کے نزدیک کچھ صدقہ نہ کرے گا بلکہ یہ زیادتی اُس کو حلال ہے یہ محیط کے متفرقات میں ہے۔

فتاویٰ عتابیہ میں لکھا ہے کہ اگر مغصوبہ باندی غاصب کے پاس بچہ جنی اور اُن دونوں کو دوسرے شخص نے غصب کر لیا اور اوّل نے مالک کو باندی کی قیمت تاوان دے دی تو اوّل غاصب دوسرے سے دونوں کی قیمت تاوان لے لے گا اور اُس میں سے بچہ کی قیمت صدقہ کر دے گا اور ماں کی ضمان قیمت سے بچہ کے مالک ہو جانے کی یہ روایت ہے اور اگر مغصوب منہ نے غاصب اوّل سے مال مغصوب کی قیمت سے کم پر صلح کر لی تو پہلا غاصب دوسرے سے پوری قیمت لے کر اُس میں سے بقدر زیادتی کے صدقہ کر دے گا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ابن سماعہ سے روایت ہے کہ انہوں نے امام محمدؒ کو لکھا کہ ایک شخص نے دوسرے کا غلام غصب کر لیا اور اُس کو ایک شخص ثالث نے خطا سے قتل کر ڈالا پس مالک نے چاہا کہ فی الحال نصف قیمت غلام غاصب سے لے اور نصف قیمت بمیعاد دیت قاتل کی مدد گار برادری سے لے تو امام محمدؒ نے جواب لکھا کہ مالک کو ایسا اختیار ہے یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کا مال غصب کیا پھر غاصب سے یہ مال مالک کے قرض خواہ نے غصب کر لیا تو مختار یہ ہے کہ مغصوب منہ کو اختیار ہے چاہے غاصب اوّل سے تاوان لے یا دوسرے سے پس اگر اوّل سے تاوان لیا تو دوسرا بری نہ ہو گا اور اگر دوسرے سے تاوان لیا تو پہلا بری ہو جائے گا یہ ظہیریہ میں ہے۔

عاصب کو قبل اختیار مولیٰ کے باندی مغصوبہ سے خدمت لینے یا دوسرے کی ملک میں دینے کا اختیار نہیں ☆

ایک شخص نے ایک غلام غصب کیا اور اس سے دوسرے نے غصب کر لیا اور وہ بھاگ گیا پس مالک نے کہا کہ تیرے غصب کے وقت اُس کی قیمت ہزار درہم تھی پھر دوسرے کے غصب کے وقت دو ہزار تھی اور غاصب اوّل نے کہا کہ نہیں بلکہ میرے غصب کے وقت پانچ سو درہم تھی پھر ایک ہزار پانچ سو درہم میرے پاس زیادہ ہو گئے تو حق قیمت[1] میں مالک کا قول قبول ہو گا اور اگر غاصب اوّل نے یہ لفظ نہ کہا کہ میرے پاس زیادہ ہو گئے تو اُسی کا قول قبول ہو گا پھر اگر غلام ظاہر ہوا اور قیمت اُس کی زائد نکلی تو مالک کو اختیار ہو گا کہ جو کچھ اُس نے لیا ہے وہ واپس کر کے غلام لے لے پس اگر اس نے غلام لینا اختیار کیا پھر اُس کو غاصب ثانی نے قتل کر ڈالا تو مالک کو اختیار ہو گا چاہے فسخ کو باقی رکھے اور قاتل کی مددگار برادری کا دامن گیر ہو یا فسخ کو توڑ کر غاصب اوّل سے اُس کے غصب کے روز کی قیمت لے لے یہ کافی میں ہے۔ میں نے بعض کتب فقہ میں مطالعہ کیا کہ ایک شخص نے ایک غلام غصب کیا پھر اُس سے دوسرے نے غصب کر لیا اور اس کے پاس مر گیا تو مولیٰ کو اختیار ہے چاہے غاصب سے اوّل ضمان لے اور اوّل اُس کو دوسرے سے لے لے گا یا اوّل کو بری کر دے اور دوسرے سے قیمت تاوان لے اور دوسرے کا اوّل پر کچھ نہ ہو گا یہ فصول عمادیہ میں ہے اور اگر کوئی غلام غصب کر کے زید کے پاس ودیعت رکھا اور وہ زید کے قبضہ سے بھاگ گیا پھر مالک نے ودیعت لینے والے یعنی زید سے ضمان لی تو اختیار کی غاصب اس غلام کا مالک ہو جائے گا حتیٰ کہ اُس کا آزاد کرنا نافذ[2] ہو گا اور یہ مال ضمان خود ادا کرنے سے پہلے غاصب سے رجوع کر کے لے لینے کا مختار ہے اور اگر وہ غلام واپس ہو کر زید کے قبضہ میں آ گیا تو مودع یعنی زید مختار ہے کہ مال ضمان بھرپور حاصل کرنے تک غاصب سے روک رکھے اور اگر روکنے سے پہلے زید کے پاس مر گیا تو امانت میں مرا اور روکنے کے بعد مرے تو اپنی قیمت کے عوض ہو گا اور ایسی صورت میں مرتہن و مستاجر کا حکم مثل ودیعت لینے والے کے ہے کذا فی الکافی اور غاصب کو قبل اختیار مولیٰ کے باندی مغصوبہ سے خدمت لینے یا دوسرے کی ملک میں دے دینے کا اختیار نہیں ہے پھر اگر مالک نے قیمت لینا اختیار کیا تو از سر نو باندی کا استبراء کرے اور اگر باندی لینا اختیار کیا تو جو کچھ اُس نے تصرف کیا سب باطل ہو جائے گا سوائے ام ولد بنانے کے کہ اس صورت میں استحساناً بچہ کا نسب ثابت ہو گا اور بچہ رقیق ہو گا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

غاصب ثانی کو باندی سے وطی کا اختیار نہیں ہے یہاں تک کہ مولیٰ غاصب اوّل سے وہ قیمت لے لینا اختیار کرے جو اوّل نے ثانی سے لی ہے یا غاصب اوّل سے ضمان لینا اختیار کرے اور اگر غاصب اوّل کے ثانی سے قیمت لینے کے بعد اور مولیٰ کے کسی امر تضمینی[3] کے اختیار کرنے سے پہلے باندی کو حیض آیا تو یہ حیض حکم استبراء کے واسطے کافی نہ ہو گا اور اگر غاصب اوّل نے دوسرے سے قیمت لینے کا اقرار کیا تو یہ اقرار اور گواہوں سے قیمت لینا ثابت ہو جانا دونوں یکساں ہیں ہاں ان دونوں میں دوسری وجہ سے اتنا فرق ہے کہ اس صورت اقراری میں مولیٰ کو دوسرے غاصب کی تضمین کا اختیار ہے اور صورت ثبوت بگواہان میں دوسرے کی تضمین کا اختیار نہیں ہے اور اسی طرح جب قاضی نے دوسرے پر قیمت کی ڈگری کر دی ہو پھر غاصب نے وصول قیمت کا اقرار کیا ہو تو بھی یہی حکم ہے

[1] حق قیمت یعنی مقدار قیمت بیان کرنے میں قول مالک کا قبول ہے اور غاصب اس کے خلاف اپنے گواہ لائے تو قبول ہوں گے۔ [2] نافذ یعنی حق کا حکم پورا کر دیا جائے گا اور جو مال اس پر رکھا گیا اس کو ادا کرنے سے پہلے اوّل غاصب سے وصول کر سکتا ہے۔ [3] تضمینی یعنی ضمان لینے کی بابت جو اس کو اختیار ہے اور ہنوز اس نے کوئی بات اختیار نہیں کی تھی کہ غاصب کے پاس باندی کو حیض آیا تو ابھی اُس کی ملک میں حیض نہیں آیا پس استبراء نہ ہوا کیونکہ اگر مالک اسی قابض سے ضمان لینا اختیار کرتا جب البتہ یہ حیض کافی ہوتا کیونکہ حکم یہ ہے کہ اپنی ملک میں آنے کے بعد ایک حیض سے باندی کا استبراء کرے یعنی بذریعۂ حیض کے دریافت کرے کہ اس کا رحم نطفہ سے بری و پاک ہے۔

اسی طرح اگر غاصب اوّل نے اقرار کیا کہ میں نے غاصب دوم سے باندی اپنے قبضہ میں واپس کی اور اقرار کیا کہ وہ میرے پاس مرگئی تو بھی اُس کا قول قبول نہ ہوگا[1] یہاں تک کہ مالک ان سب صورتوں میں غاصب ثانی کی تضمین کا اختیار ہوگا مگر غاصب ثانی غاصب اوّل سے اپنی قیمت واپس لے گا یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کا گھوڑا غصب کیا پھر اُس سے تیسرے نے غصب کرلیا پھر تیسرے سے مالک نے چورالیا پھر غاصب ثانی نے مالک سے زبردستی چھین لیا اور مالک اس کے ساتھ مخاصمہ سے عاجز رہا تو مالک کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اوّل پر نالش کرے کیونکہ جب گھوڑا مالک کے پاس پہنچ گیا تو غاصب اوّل اُس سے بری ہو گیا تھا یہ وجیز کردری میں ہے۔

زید نے عمرو کا مال غصب کیا پھر زید سے بکر نے اس غرض سے لے لیا کہ اس کو مالک کو واپس دے پھر مالک کو نہ پایا تو بکر کے عہدہ ضمان سے باہر ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے لیکن اگر اُس کو مالک کے واسطے صدقہ کردے تو مجھے اُمید ہے کہ مالک اُس کے ثواب سے راضی ہو جائے۔ ایک شخص نے عین مغصوبہ غاصب کے قبضہ میں سے نکال لی تا کہ اُس کو مالک کو واپس دے پھر مالک کو نہ پایا تو یہ شخص غاصب الغاصب قرار پائے گا پس غاصب اوّل کو واپس کردے تا کہ عہدۂ ضمان سے بری ہو جائے اور اگر اُس نے غاصب اوّل کو واپس کردی پھر غاصب اوّل کے پاس تلف ہوگئی تو غاصب ثانی پر کچھ نہیں ہے وہ عہدہ سے بری ہو چکا ہے یہ جواہر الفتاویٰ میں ہے ابن سماعہ نے امام محمدؒ سے روایت کی ہے کہ اگر مال مغصوب غاصب سے کسی چور نے چرایا اور قاضی کو یہ امر معلوم ہوگیا اور مالک غائب ہے تو قاضی اُس مال کو لے کر غاصب کی ذمہ داری پر اس کی حفاظت کرے گا اور یہ امر قاضی کو جائز ہے کہ غاصب کے مال میں ایسا تصرف کرے جو مودی بحفظ المال ہو نہ اس طرح جو مودی بابر اُحقوق غائب ہو اور غاصب وسارق پر مال کا مضمون ہونا حقوق غائب میں سے ہے پس از جانب قاضی ایسا حق بابر اُساقط نہ ہوگا کذا فی محیط السرخسی۔

باب نبر ھو (۵):

آزاد، مدبر، مکاتب وام ولد کو غصب کرنے کے بیان میں

ایک شخص ایک عورت یا نابالغ دختر کو دھوکا دے کر اُس کے شوہر یا باپ کے گھر سے نکال لے گیا تو وہ شخص قید کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کو لائے یا اس کے حال سے آگاہ کرے امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ایک نابالغ کو چرایا پھر وہ اُس کے ہاتھ سے چوری گیا اور اس کی موت یا قتل ظاہر نہ ہوا تو چور ضامن نہ ہوگا بلکہ قید کیا جائے گا یہاں تک کہ اُس کو لائے یا اُس کے حال سے آگاہ کرے یہ محیط میں ہے اگر ایک شخص نے ایک آزاد نابالغ کو اُس کے اہل میں سے غصب کرلیا اور وہ بیمار ہوگیا پھر اُس کے پاس مرگیا تو امام اعظمؒ نے فرمایا کہ اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی اور اگر مریض نہ ہوا اور نہ مرا لیکن اُس کو کسی درندہ نے زخمی کر کے ہلاک کیا یا اُس کو سانپ نے کاٹا اور وہ مرگیا تو غاصب کی مددگار برادری پر اُس کی دیت واجب ہوگی وبالجملہ حکم یہ ہے کہ آزاد خواہ صغیر ہو یا کبیر ہو غصب سے مضمون نہیں ہوتا ہے اس واسطے کہ ضمان غصب مقتضی تملیک ہے اور آزاد میں صلاحیت تملیک نہیں ہے ہاں مضمون[ا] بالجنایہ ہوتا ہے اس واسطے کہ جنایت اتلاف ہے پس جب یہ امر ثابت ہوا تو ہم کہتے ہیں کہ جب نابالغ ایسے سبب سے مرا جو باتلاف ممکنہ

ا مضمون یعنی مدبر وہ غلام کہ جس کو کہہ دیا کہ میری موت کے بعد آزاد ہے تو اب بھی یہ محض مال نہ رہا بلکہ ایک وجہ سے اس میں حق آزادی ہے لیکن غصب کرنے سے اس کی ضمان لازم آتی ہے۔

(۱) حق مالک میں۔

مختلف نہیں ہوتا ہے تو غاصب پر ضمان واجب نہ ہوگی[1] اور اگر ایسے سبب سے ہلاک ہوا جو باختلاف امکنہ مختلف ہوتا ہے تو غاصب کی مددگار برادری پر ضمان واجب ہوگی اور اگر غاصب کے پاس اُس کو کسی نے قتل کیا[2] تو اولیائے مغصوب کو اختیار ہوگا چاہیں غاصب سے دیت کے واسطے دامن گیر ہوں یا قاتل کے دامن گیر ہوں پس اگر انہوں نے غاصب سے ضمان دیت لی تو وہ قاتل سے رجوع کرے گا اور اگر انہوں نے قاتل کا پیچھا کیا تو وہ غاصب پر رجوع نہیں کرتا ہے اور یہ سب ضمان نگار برادری پر واجب ہوگی کیوں کہ یہ ضمان جنایت ہے اور اگر مغصوب نے خود اپنے تئیں قتل کر لیا یا کنویں میں گر گیا یا اُس پر دیوار گر گئی اور وہ مر گیا تو غاصب ضامن ہے پس اُس کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی اور دیوار کی صورت میں اگر غاصب دیوار کے مالک کو دیوار توڑنے کے واسطے پہلے اعلام کر چکا ہے[3] تو عاقلہ غاصب کو مالک دیوار سے واپس لینے کا اختیار ہوگا اور اگر اس کو کسی نے عمداً قتل کیا تو اولیائے مغصوب کو اختیار ہوگا چاہیں قاتل کو قصاصاً قتل کریں اور غاصب بری ہو جائے گا یا غاصب کو ضامن قرار دے کر اُس کی مددگار برادری سے دیت لے لیں پھر غاصب کی مددگار برادری مال ضمان قاتل سے واپس لے گی مگر اُس کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ قاتل کو قصاصاً قتل کرے یہ سراج الوہاج میں ہے۔

اگر آزاد نابالغ کو غصب کیا پھر وہ غرق ہو گیا یا جل گیا تو غاصب ضامن ہوگا اور اگر خود قضا سے مر گیا تو ضامن نہ ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور اگر نابالغ نے خود اپنے تئیں قتل کر لیا تو اُس کی دیت غاصب کی مددگار برادری پر ہوگی اور اُس کی مددگار برادری نابالغ کی مددگار برادری سے واپس نہیں لے سکتی ہے اور اسی طرح اگر اُس نابالغ نے اپنے بدن کے کسی عضو پر مثل ہاتھ یا پاؤں وغیرہ کے اشباہ کے جنایت کی[4] تو بھی یہی حکم ہے اور اسی طرح اگر جانور سواری پر سوار ہو کر اپنے تئیں اُس پر سے گرا دیا تو بھی یہی حکم ہے اور یہ سب امام ابو یوسفؒ کا قول ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ نابالغ کی اپنے نفس پر جنایت کرنے سے غاصب پر ضمان نہیں ہے یہ محیط میں ہے اور اگر غاصب کے پاس نابالغ نے کسی شخص کو قتل کیا پھر غاصب نے وہ نابالغ اُس کے باپ کو واپس دیا پھر نابالغ کی مددگار برادری نے شخص مقتول کی دیت ادا کی تو اُس کی مددگار برادری کو غاصب سے کچھ واپس لینے کا اختیار نہ ہوگا یہ سراج الوہاج میں ہے اگر کسی نے ایک غلام جس کے ساتھ اُس کے مولیٰ کا مال ہے غصب کیا تو وہ شخص مال کا بھی غاصب ہو جائے گا حتیٰ کہ اگر غلام بھاگ گیا تو غاصب اُس مقدار مال اور قیمت غلام کا ضامن ہوگا اور اگر کسی نے آزاد کو غصب کیا اور اُس کے تن پر کپڑے موجود ہیں تو بدیں وجہ کہ مغصوب اُس کے قبضہ میں ہے اُس کے کپڑوں کی ضمان غاصب پر واجب نہ ہوگی لیکن اگر بجائے آزاد کے غلام کو غصب کیا اور اُس پر لباس ہے تو مثل اُس کے عین کے اُس کے لباس کا بھی ضامن ہوگا اور اُس کے پاس لباس کی ضمان اُس کے عین کی ضمان کی تابع ہوگی یہ فصول عمادیہ میں ہے۔

اور اگر مغصوب مملوک مدبر ہو اور وہ غاصب کے پاس سے بھاگ گیا تو غاصب اُس کی قیمت کا ضامن ہوگا اس لیے کہ مدبر بسبب غصب کے مضمون[1] ہوتا ہے لیکن ادائے ضمان سے غاصب اُس کا مالک نہ ہو جائے گا حتیٰ کہ اگر وہ ظاہر ہو جائے تو اس کے مولیٰ کو واپس کر کے اپنی قیمت واپس کر لے اور غاصب کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اپنی قیمت وصول کرنے کی غرض سے اُس کو روک رکھے یہ شرح طحاوی میں ہے ایک شخص نے ایک مدبر کو غصب کیا کہ جس کی قیمت ایک ہزار درہم تھی پھر اُس کے پاس بڑھ کر دو ہزار درہم ہو گئی پھر اس سے دوسرے شخص نے غصب کر لیا پھر وہ دوسرے کے پاس سے بھاگ گیا یا مر گیا تو مالک کو اختیار ہوگا کہ دونوں میں سے جس سے

---

1 مضمون یعنی مدبر وہ غلام کہ جس کو کہہ دیا کہ میری موت کے بعد آزاد ہے تو اب بھی یہ محض مال نہ رہا بلکہ ایک وجہ سے اس میں حق آزادی ہے لیکن غصب کرنے سے اس کی ضمان لازم آتی ہے۔

(۱) اس لیے کہ اختلاف متحقق نہ ہوا۔ (۲) خطا سے قتل کیا۔ (۳) اُس کو ڈھا دے کہ یہ عرض سقوط میں ہے۔ (۴) مثلاً اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا۔

چاہے اُس کے وقت غصب کی قیمت تاوان لے یعنی چاہے تو غاصب اوّل سے ایک ہزار درہم تاوان لے اور وہ دوسرے سے دو ہزار درہم واپس لے لے گا مگر اُس میں سے ایک ہزار اُس کو حلال طیب ہیں اور باقی ایک ہزار درہم صدقہ کر دے پھر اگر وہ مدبر ظاہر ہوا تو ملک مولیٰ میں عود کرے گا اور مولیٰ پر واجب ہوگا کہ غاصب اوّل کو اُس کے ہزار درہم واپس کر دے اور غاصب اوّل پر واجب ہوگا کہ دوسرے کو اُس کے دو ہزار درہم واپس کر دے۔ پھر اگر مولیٰ نے اوّل سے ضمان لینا اختیار کیا اور بعد اختیار کے قبل استیفاءِ مال کے وہ مدبر دوسرے غاصب کے قبضہ میں عود کر آیا اور اُس کے پاس مر گیا تو دوسرا ضامن نہ ہوگا کیونکہ دوسرا اُس کے ضمان غصب سے جبھی بری ہو گیا کہ جب مولیٰ نے اوّل سے ضمان لینا اختیار کیا اور پھر اس کے بعد اُس کی طرف سے منع نہیں پایا گیا حتیٰ کہ اگر مولیٰ نے اُس سے طلب کیا ہو اور اُس نے دینے سے انکار کیا ہو اور پھر وہ غلام مر گیا تو دوسرا ضامن ہوگا اس واسطے کہ مالک کو دینے سے انکار کرنا یہ از سرِ نو غصب ہے اور اسی طرح اگر دوسرے نے اُس کو خطا سے قتل کیا ہو تو بھی یہی حکم ہے پس مولیٰ کو اختیار ہوگا کہ اوّل کو ہزار درہم اس کے واپس کر کے دوسرے کی مددگار برادری سے دو ہزار درہم تاوان دیت لے اور اگر مولیٰ نے اوّل کو ہنوز کچھ ضامن نہ کیا ہو یہاں تک کہ دوسرے نے اُس کو قتل کیا پھر اس نے اوّل کو ضامن کیا خواہ وہ دوسرے کے قتل کرنے کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو تو دوسرا بری ہو جائے گا اور پہلے کو یہ اختیار ہوگا کہ چاہے دوسرے سے ضمان غصب لے لے یا دوسرے کی مددگار برادری سے ضمان جنایت لے یہ کافی میں ہے۔

اگر کسی نے ام ولد غصب کر لی اور وہ اُس کے پاس مر گئی تو امام اعظمؒ کے نزدیک اگر اپنی موت سے مری ہے تو غاصب اُس کا ضامن نہ ہوگا اور اگر کسی ایسے سبب سے مری جس سے نابالغ آزاد کی صورت میں ضمان واجب ہوتی ہے تو غاصب فی الحال اپنے مال سے اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اس واسطے کہ ام ولد مضمون ہونے میں بہ نسبت نابالغ[1] آزاد کے احق ہے اس لیے کہ اُس کا مال ہونا بہ نسبت نابالغ آزاد کے اولیٰ ہے اور اگر کسی نے مدبرہ باندی کو غصب کیا اور وہ اس کے پاس مر گئی تو اُس کی قیمت کا ضامن ہوگا یہ سراج الوہاج میں ہے۔

باب چودھواں:

متفرقات میں

اگر غاصب نے مغصوب کو کسی شخص کے ہاتھ فروخت کیا اور مالک نے اُس کے بیع کی اجازت دے دی تو اجازت صحیح ہو جائے گی بشرطیکہ اس اجازت میں شرائط اجازت پائی جائیں اور وہ شرائط یہ ہیں کہ بائع و مشتری و معقود علیہ قائم ہوں اور یہ کہ اجازت قبل خصومت کے ہو یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور موافق ظاہر الروایۃ کے قیام ثمن شرط نہیں ہے جب کہ وہ بیع بعوض دراہم و دینار کے واقع ہوئی ہو اور اگر مالک نے غاصب کے ساتھ خصومت کر کے قاضی سے درخواست کی کہ میرے نام ملک کی ڈگری فرما دے پھر بیع کی اجازت دی تو امام اعظمؒ کے قول پر ایسی اجازت صحیح نہیں ہے ایسا ہی شمس الائمہ حلوائی و شیخ الاسلام خواہرزادہ نے ذکر فرمایا ہے اور شمس الائمہ سرخسی نے اپنی شرح میں ذکر فرمایا کہ موافق ظاہر الروایت کے اجازت صحیح ہے پس اگر وقت اجازت کے قیام مبیع معلوم نہ ہو مثلاً وہ غلام مشتری کے پاس سے بھاگ گیا تو ظاہر الروایۃ میں مذکور ہے کہ اجازت صحیح ہے اور اگر غاصب نے ثمن پر قبضہ کر لیا اور وہ اُس کے پاس تلف ہو

[1] اقول اس میں تامل ہے کیونکہ طفل آزاد کا مضمون ہونا بوجہ مالیت نہیں بلکہ بجنایت ہے۔ یہ جواب ہو سکتا ہے کہ غصب پر قیاس کیا گیا کیونکہ حد سے تجاوز و تعدی دونوں میں موجود ہے تو اولیٰ یہ تھا کہ اس کا نفس مائل بمالیت ہے منع وجود حرم کے۔

گیا پھر مالک نے بیع کی اجازت دے دی تو وہ ثمن تلف شدہ مالک کا مال گیا بدیں وجہ کہ اجازت انتہا میں ابتداءً اجازت کے اعتبار میں ہے یہ محیط میں ہے اور اگر غاصب مال مغصوب کا مغصوب منہ کی طرف سے بسبب بیع یا ہبہ یا ارث کے بعد دوسرے کے ہاتھ اُس کے فروخت کرنے کے مالک ہوا تو بیع باطل ہو جائے گی بسبب اُس کے کہ ملک قطعی ملک موقوف پر طاری ہوئی یہ خلاصہ میں ہے۔

اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ تو اس راہ سے چلا جا کہ یہ مامون ہے پس وہ اُسی راستہ سے گیا اور راہ میں اُس کو لصوص (چوروں) نے پکڑا تو راہ بتلانے والا ضامن نہ ہوگا اور اگر راہ بتلانے والے نے یوں کہا کہ اگر یہ راستہ خوفناک نکلا اور تیرا مال چھن گیا تو میں ضامن ہوں اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو ضامن ہوگا پس اس جنس کے مسائل میں قاعدہ یہ ہوا کہ فریب کی وجہ سے دھوکا کھانے والے کا حق ضمان دھوکا دینے والے پر جب ہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ امر کسی عقد معاوضہ کے ضمن میں واقع ہو یا صریحاً دھوکا دینے والا بضمانت اُس سے سلامتی کو بیان کرے اور اسی طرح اگر اُس نے دوسرے سے کہا کہ تو یہ کھانا کھالے کہ یہ طیب ہے پس وہ زہر ملا ہوا نکلا تو ضامن نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کے جانور کی پیٹھ پر بدون اُس کی اجازت کے بار لادا یہاں تک کہ جانور کے پاؤں ورم کر گئے پس مالک نے اُن کو چیرا تو فقیہ ابواللیث نے فرمایا کہ انتظار کیا جائے پس اگر جراحت مندمل[1] ہو جائے تو کسی پر ضمان واجب نہ ہوگی اور اگر نقصان رہا پس اگر چیرنے سے رہا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر ورم سے رہا تو غاصب ضامن ہوگا اسی طرح اگر جانور مر گیا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر دونوں نے اختلاف کیا تو قسم کے ساتھ اُس شخص کا قول قبول ہوگا جس نے جانور سے کام لیا ہے پس اگر قسم کھا گیا تو جانور کے تاوان سے بری ہو جائے گا مگر ضمان نقصان سے بری نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک شخص کے ایک درخت سے جو اُس کی ملک میں قائم ہے شاخیں پھوٹ کر پڑوسی کی طرف گئیں پس پڑوسی نے چاہا کہ اپنی ہوائے فضا[2] صاف کرنے کے واسطے اُن کو قطع کرے تو اُس کو ایسا اختیار ہے ایسا ہی امام محمدؒ نے ذکر فرمایا اور شیخ ناطفی اپنے واقعات میں فرماتے ہیں کہ ظاہر لفظ امام محمدؒ اس امر کو مفید ہے کہ پڑوسی کو بدوں اجازت قاضی کے قطع کرنے کی ولایت حاصل ہے اور بعض نے فرمایا کہ اس کی دو صورتیں ہیں کہ اگر تفریغ ہوا شاخوں کے درخت کی جانب کھینچ کر رسی سے باندھنے سے ممکن ہو تو پڑوسی قطع نہیں کر سکتا ہے اور اگر قطع کرے گا تو ضامن ہوگا لیکن مالک درخت سے طالب ہوگا کہ شاخیں درخت کی طرف کھینچ کر اپنی رسی سے باندھ دے اور اگر اُس نے جھگڑا کیا تو قاضی اُس کے ذمہ یہ امر لازم کرے گا اور اسی طرح اگر بعض شاخوں کا درخت کی طرف کھینچ کر باندھ دینا ممکن ہو تو ایسی شاخوں کو نہیں قطع کر سکتا ہے اور اگر تفریغ ہوا بدون کاٹنے شاخوں کے ممکن نہ ہو تو اولیٰ یہ ہے کہ مالک درخت کو خبر کرے کہ وہ شاخوں کو کاٹ دے یا اُس کو کاٹنے کی اجازت دے دے اور اگر آگاہی پر اُس نے انکار کیا تو یہ امر قاضی کے سامنے پیش کرے تاکہ قاضی اس کو کاٹ ڈالنے پر مجبور کرے اور اگر پڑوسی نے ان باتوں میں سے کچھ نہ کیا بلکہ ابتداءً خود ہی شاخیں کاٹ ڈالیں پس اگر ایسی جگہ سے کاٹی ہیں کہ اُس جگہ سے اونچی یا نیچی کاٹنا مالک کے حق میں مفید تر نہیں ہے تو ضامن نہ ہوگا ایسا ہی شیخ الاسلام نے شرح کتاب الصلح میں ذکر کیا ہے اور شمس الائمہ حلوائی نے بھی شرح کتاب الصلح میں ذکر فرمایا کہ جب پڑوسی نے اُن کے کاٹنے کا قصد کیا تو فقط اپنی ذاتی ملک میں کاٹ سکتا ہے اور اُس کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اپنے پڑوسی کے بستان میں جا کر شاخوں کو کاٹے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے مشائخؒ نے فرمایا کہ اپنی جانب سے اُس کو کاٹنے کا اختیار جبھی ہوگا کہ جب اپنی طرف سے کاٹنے میں ویسا ہی ضرر متصور ہو جیسا مالک کی طرف سے جا کر کاٹنے میں ہے اور اگر مالک کی طرف سے کاٹنے میں کم ضرر ہو تو پڑوسی اُن کو نہیں کاٹ سکتا ہے مگر اُس کو قاضی کے سامنے پیش کرے گا تاکہ قاضی مالک کو اُن کے کاٹنے کا حکم کرے پس اگر اُس نے جھگڑا کیا

---

[1] بھر آئے۔ [2] ہوائے فضا میدان خالی تفریغ فارغ و خالی کرنا۔

اور کاٹنے سے انکار کیا تو قاضی ایک نائب کر کے بھیجے گا تا کہ مالک درخت کی طرف سے جا کر اُن کو چھانٹ دے پھر واضح ہو کہ جس صورت میں پڑوسی اُن کے کاٹنے سے ضامن نہیں ٹھہرتا ہے اگر پڑوسی نے خود اُن کو قطع کیا تو مؤنت قطع میں جو کچھ اُس کو خرچ پڑا وہ مالک درخت سے واپس نہیں لے سکتا ہے یہ محیط میں ہے۔

ایک شخص نے شہتیر پڑوسی کی دیوار پر اس طرح رکھے ہوئے تھے کہ اُن کے کنارے باہر نکلے تھے اور اُس دیوار کے حال سے ظاہر تھا کہ ایسا بار نہیں اُٹھا سکتی ہے پس مالک دیوار نے ان کو کاٹ دیا پس اگر شہتیروں کے مالک کو اس طرح آگاہ کر دیا تھا کہ اُن کو اُٹھا لے ورنہ میں کاٹ ڈالوں گا تو ضامن نہ ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ زید نے عمرو کا کپڑا غصب کر کے اُس کی قمیص قطع کر کے سی پھر اُس قمیص کو خالد نے استحقاق ثابت کر کے لے لیا تو عمرو کپڑے کی قیمت زید سے تاوان لے گا اسی طرح اگر گیہوں غصب کر کے اُن کو پیسا پھر خالد نے آٹا استحقاق ثابت کر کے لے لیا تو عمرو اپنے گیہوں کے مثل زید سے لے لے گا اسی طرح اگر گوشت غصب کر کے اُس کو بھونا اور بھونے ہوئے کو خالد نے استحقاق میں لیا تو بھی عمرو اپنے گوشت کی قیمت زید سے لے سکتا ہے اور اگر خالد نے اس طرح گواہ قائم کیے ہوں کہ یہ کپڑا سینے سے پہلے سے میرا ہے یا یہ گیہوں پینے سے پہلے سے میرے ہیں یا یہ گوشت بھوننے سے پہلے سے میرا ہے تو پھر مغصوب منہ یعنی عمرو کو زید سے کچھ تاوان لینے کا اختیار نہ ہوگا[1] یہ محیط میں ہے اور اگر کسی نے ایک کپڑا غصب کر کے قطع کیا مگر اُس کو نہیں سیا یا بکری غصب کر کے ذبح کی حتیٰ کہ مال مغصوب سے حق مالک منقطع نہیں ہوا پھر کسی شخص نے باثبات استحقاق اُس کو لے لیا تو غاصب ضمان سے بری ہو جائے گا یہ فصول عمادیہ میں ہے۔

ایک غلام پانی کا کوزہ مولیٰ کے بیت کی طرف اپنے مولیٰ کی اجازت سے اُٹھائے لئے جاتا تھا پھر بغیر اجازت اُس کے مولیٰ کے ایک شخص نے کوزہ اُس کو دیا کہ میرے واسطے حوض سے پانی بھر کر اُٹھائے لیے چل پس راستہ میں وہ غلام مر گیا تو یہ شخص کل قیمت غلام کا ضامن ہوگا کیونکہ اُس کا کام غلام کے مولیٰ کے کام کا ناسخ ہو گیا پس کل غلام اُس کا مغصوب ہو گیا یہ خزانۃ المفتین میں ہے اگر موقوذہ[2] مجوسی کو کسی مسلمان نے غصب کر کے تلف کر دیا تو سفناقی نے صریح بیان فرمایا ہے کہ مسلمان ضامن ہوگا اور یہی صحیح ہے یہ جواہر اخلاطی میں ہے ایک شخص نے اپنا درخت کاٹا اور اُس کی جڑیں دوسرے شخص کی عمارت کے نیو کے نیچے پیوست ہو گئی ہیں پس صاحب عمارت نے جڑیں کاٹنے سے اُس کو روکا تو مالک درخت کے واسطے اُس کے درخت کی جڑوں کا ضامن ہوگا یہ ملتقط میں ہے ایک شخص نے دو انڈے غصب کر کے ایک کو ایک مرغی کے نیچے بٹھایا اور دوسرے کو دوسرے مرغی نے خود سے لیا اور دونوں سے دو بچے نکلے تو دونوں بچہ غاصب کے ہوں گے اور اُس پر تاوان دو انڈے واجب ہوں گے اور مسئلہ مذکور میں بجائے غصب کے دونوں انڈے ودیعت ہوں تو جو بچہ مرغی کے خود ہی سینے سے نکلا ہے وہ مستودع کا ہوگا انڈے کے مالک کا نہ ہوگا یہ وجیز کردری میں ہے اور اگر ایک شخص کے پاس ایک انڈا غصب کا اور دوسرا ودیعت کا ہو اور ان کو ایک مرغی نے سیا اور اُن سے دو بچہ نکلے تو ودیعت کے انڈے کا بچہ مالک ودیعت کا ہوگا اور غصب والے کا بچہ غاصب کا ہوگا اور یہ بمنزلہ اس صورت کے ہے کہ ایک شخص کے پاس دو قفیز گیہوں ایک قفیز ودیعت اور ایک قفیز غصب تھے پھر دونوں کو ہوا نے اُڑا کر ایک زمین میں ڈالا اور دونوں قفیز اُگے تو ودیعت سے جو کھیتی اُگی وہ صاحب ودیعت کی اور جو غصب سے اُگی وہ غاصب کی ہوگی اور مغصوب منہ کو ایک قفیز گیہوں غاصب تاوان دے گا پھر اگر دونوں بچوں کی ایک دوسرے سے شناخت نہ ہو تو یقین ودیعت میں کہ یہ ودیعت کا بچہ ہے غاصب کا قول قبول ہوگا اور اگر غاصب نے کہا کہ میں نہیں پہچانتا ہوں تو دونوں

---

[1] نہ ہوگا اس واسطے کہ حالت غصب سے اُس کی ملکیت ثابت ہوئی۔ [2] موقوذہ یعنی مجوسی نے کوئی مرغی وغیرہ وپنک کر یا گلا گھونٹ کر ماری تھی چونکہ وہ اس کو کھاتا ہے تو اس کے حق میں حلال ہے۔

بچے دونوں میں مشترک رہیں گے اور غاصب پر غصب کا تاوان ایک انڈا واجب ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے اگر میت کے قرض داروں سے کسی ظالم نے مال میت جواُن پر آتا ہے لے لیا تو میت کا قرضہ ان پر بحالہ باقی رہے گا یہ تاتارخانیہ میں برہانیہ سے منقول ہے۔

اگر غاصب نے دار فروخت کر کے مشتری کے سپرد کر دیا پھر غصب کا اقرار کیا اور مالک دار کے پاس گواہ نہیں ہیں تو غاصب کا اقرار حق مشتری میں باطل ہوگا پھر امام اعظمؒ اور آخر قول امام ابو یوسف کے موافق مالک کے واسطے غاصب پر کچھ ضمان نہ ہوگی یہ مبسوط میں ہے اگر ایک شخص طحان کے پاس گیہوں لایا اور طاحونہ (چکی ۱۲) کے صحن میں رکھ کر طحان کو حکم دے گیا کہ رات کو اندر داخل کر لینا اُس نے داخل نہ کیے اور رات کو سینہ لگا کر چوری ہوگئی پس اگر صحن طاحونہ بلند دیوار سے کہ جس پر بدون سیڑھی لگائے نہ چڑھا جا سکتا ہو محیط ہو تو طحان ضامن نہ ہوگا اور اگر اُس کے برخلاف ہو تو ضمان واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔ایک شخص نے موزہ دوز کو سینے کے واسطے موزہ دیا اُس موزہ کو موزہ دوز باہری دکان میں رکھ کر دکان کا دروازہ کھلا ہوا چھوڑ کر بدون نگہبان بٹھلانے کے نماز کو چلا گیا اور وہ موزہ چوری ہوگیا تو موزہ دوز ضامن ہوگا اس لیے کہ وہ مضیع ہے یہ کبریٰ میں ہے۔دھوبی کو جو کپڑا دیا گیا تھا اُس میں اُس نے اپنے کام پر جانے کے وقت روٹیاں رکھیں اور وہ چوری ہوگیا پس اگر اُس میں اس طرح لپٹی ہوں جیسے رومال میں چیز رکھ کر لپیٹی جاتی ہے تو ضامن ہوگا اور اگر اُس نے وہ کپڑا اپنی بغل میں دبایا پھر اُس میں روٹیاں ٹھونس لیں تو ضامن نہ ہوگا یہ وجیز کردری میں ہے۔حمال نے اگر بیابان میں بوجھ اُتارا اور باوجود اُس کے کہ وہاں سے منتقل کرنا اُس کو ممکن تھا مگر منتقل کر کے نہ چلا یہاں تک کہ بسبب بارش یا چوری کے وہ متاع برباد ہوئی تو حمال ضامن ہوگا اور اس مسئلہ کی تاویل یہ ہے کہ یہ اُس وقت ہے کہ جب بارش یا چوری کا گمان غالب ہو یہ خزانۃ المفتین میں ہے اگر ایک شخص نے حمال کو کچھ اسباب کسی شہر تک پہنچانے کے واسطے دیا اور حمال لاد کر چلتے چلتے ایک بڑی نہر پر آیا اور اس نہر میں برف کے ٹکڑے پانی میں بہتے تھے جیسا کہ موسم سرما میں ہوتا ہے پس حمال ایک ٹکڑے پر سوار ہوا اور اُس ٹکڑے کے پیچھے پیچھے اور ٹکڑے پانی کی رو میں آتے جاتے تھے پس ٹکڑوں کے بہاؤ سے وہ ٹکڑا حمال کے قابو سے نکل گیا اور بوجھ پانی میں گر پڑا پس اگر لوگ ایسی صورت سے بدون کسی نکیر کے عبور کرتے ہیں تو اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی یہ کبریٰ میں ہے اگر ایک شخص اونٹوں کی قطار میں آیا اور بعض کو کھول دیا تو ضامن نہ ہوگا کیوں کہ اُس نے کوئی اونٹ غصب نہیں[1] کیا ہے یہ فصول عمادیہ میں ہے۔

ایک شخص نے اپنا غلام زنجیر سے بندھا ہوا دوسرے کو دیا کہ اس کو مع زنجیر اپنے گھر کو لے جا پس وہ شخص بدون زنجیر کے لے چلا پھر وہ غلام بھاگ گیا تو ضامن نہ ہوگا۔ایک شخص نے دوسرے کی بکریوں کے صوف بدون مالک کی اجازت کے جھاڑ کر اُس کے نمدے بنائے تو نمدے غاصب کے ہوں گے کیوں کہ اُس کی ساخت سے تیار ہوئے ہیں پھر اس کے بعد دیکھنا چاہئے کہ اگر صوف جھاڑ لینے سے بکریوں کی قیمت میں کچھ نقصان نہیں آیا تو غاصب پر اس کے مثل صوف واجب ہے اور اگر نقصان آیا ہو تو مالک کو اختیار ہوگا چاہئے غاصب سے اس کے مثل صرف لے لے یا بکریوں میں جو کچھ نقصان آیا ہے وہ نقصان لے لے یہ محیط میں ہے ایک شخص نے دوسرے سے ایک غلام چوپایہ غاصب کیا اور مغصوب منہ غائب ہوگیا پس غاصب نے قاضی سے درخواست کی کہ مجھ سے یہ مال مغصوب لے لیا جائے یا مجھے اُس کے نفقہ دینے کا حکم دیا جائے تاکہ میں مالک سے خرچہ واپس لوں تو قاضی اُس کی درخواست کو منظور نہ فرمائے گا اور اُس کا نفقہ غاصب کے ذمہ رہے گا اور اگر قاضی نے مغصوب منہ پر اُس کے نفقہ کی ڈگری کر دی تو اُس سے مغصوب منہ پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر مثلاً اس وجہ سے کہ غاصب کی ذات سے خوف ہے قاضی کی رائے میں آیا کہ غلام یا جانور کو فروخت کر

---

[1] نہیں کیا پس تاوان غصب نہ ہوا لیکن یہ حرکت ایذا ہے تو اس کو سزا دی جائے گی۔

کے اس کا ثمن مالک کے واسطے رکھ چھوڑے تو ایسا کر سکتا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے شیخ الاسلام خواہرزادہ نے کتاب الصرف میں ذکر فرمایا ہے کہ اگر کسی نے چاندی کا کنگن ایک دینار کے عوض خرید کر کے دینار اُس کو دے دیا اور کنگن پر قبضہ نہ کیا یہاں تک کہ ایک شخص نے آ کر کنگن پر قبضہ کر لیا اور مشتری نے اُس کے قبضہ کی اجازت دی پھر کنگن اُس کے قبضہ میں تلف ہو گیا تو قابض ضامن نہ ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے ایک شخص نے اپنے گھر میں ہدف بنایا تھا پس اُس نے ہدف کی طرف تیر مارا اور وہ تیر تجاوز کر کے پڑوسی کے گھر میں پہنچا اور وہاں کسی چیز کو خراب کیا یا کسی آدمی کو قتل کیا تو تیر انداز ضامن ہوگا پس مال کی ضمان تیر انداز کے مال پر اور جان کی ضمان دیت تیر انداز کی مددگار برادری پر ہوگی یہ ظہیریہ میں ہے شیخ ابوالقاسم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص ایک گاؤں میں گذرا اُس کے ساتھ ایک گٹھا نرکل کا گدھے پر لدا ہوا تھا اور وہاں لڑکوں نے ایک کوچہ میں آگ جلائی تھی اُنہوں نے تھوڑی آگ نرکل میں ڈال دی پس گٹھے میں آگ لگ گئی پس وہ گدھا ایک سقف کے نیچے جس پر جلانے کی لکڑیاں تھیں گھس گیا اور نرکل سے آگ بلند ہو کر لکڑیوں میں جا لگی اور لکڑی والوں نے وہ لکڑیاں گدھے پر ڈال دیں پس گدھا جل گیا تو شیخؒ نے فرمایا کہ اگر یہ لکڑیاں نرکل کے ساتھ افروختہ ہوئی ہوں تو آگ ڈالنے والے اور لکڑیاں ڈالنے والے دونوں ضامن ہوں گے یہ حاوی میں ہے۔

ایک محلہ میں آگ لگ گئی پس ایک شخص نے دوسرے کا گھر بدون اُس کی اجازت کے ڈھا دیا حتیٰ کہ آگ اُس کے گھر سے منقطع ہو گئی تو وہ ضامن ہوگا بشرطیکہ بحکم سلطان ایسا نہ کیا ہو مگر اُس پر گناہ نہ ہوگا اس واسطے کہ اُس نے غیر کی ملک اُس کی بلا اجازت اور بلا اجازت اُس شخص کے جو اُس پر والی ہے منہدم کر دی ہے لیکن اس کو تعزیر دی جائے گی اور یہ مسئلہ نظیر مسئلہ مضطر کا ہے جب کہ مضطر نے دوسرے کا کھانا بدون اُس کی اجازت کے حالت اضطرار میں کھایا ہو یہ محیط میں ہے۔ ایک کشتی میں چند آدمیوں کا بار لدا ہوا ہے اور وہ کشتی بعض جزائر میں اُڑ گئی پس ایک شخص نے بعض بار کو دور کر دیا تا کہ کشتی ہلکی ہو جائے پھر ایک شخص آیا اور وہ بار اُتارا گیا ہے لے گیا پس آیا اُتارنے والے پر ضمان عائد ہے یا نہیں تو اُس کی دو صورتیں ہیں اگر غرق کشتی کا خوف نہ تھا تو ضامن ہوگا اس واسطے کہ وہ شخص غاصب ہو جائے گا اور اگر خوف غرق تھا پس اگر غرق سے بے خوف ہونے سے پہلے لے جانے والا لے گیا تو نکالنے والا ضامن نہ ہوگا اور اگر غرق سے بے خوف ہو جانے کے بعد لے گیا تو اُتارنے والا ضامن ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے ایک شخص نے اپنے تنور میں آگ روشن کی اور اُس میں تنور کی برداشت سے زیادہ لکڑی ڈالی پس آگ نے اُس کا گھر جلایا اور اُس کا اثر پڑوسی کے گھر تک پہنچا کہ جس سے اُس کا گھر بھی جل گیا تو تنور کا مالک ضامن ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ فتاویٰ نسفی میں ہے کہ شیخؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے دوسرے کی ملک میں بدون اُس کی اجازت کے آگ روشن کی اور وہ متعدی ہو کر گیہوں کے کھلیان یا دوسرے مال پر پہنچی اور مال کو سوخت کر دیا پس آیا یہ شخص ضامن ہوگا فرمایا کہ نہیں اور اگر اُسی جگہ جہاں آگ روشن کی گئی ہے کوئی چیز جلا دی تو ضامن ہوگا یہ فصول عمادیہ میں ہے۔ شیخؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے ایک قریہ کے صحراء میں جو اہل قریہ کے چوپاؤں کی شب گذاری کی جگہ ہے بدون کسی کی اجازت کے ایک گڑھا کھودا کہ اس میں اپنا غلہ بھرتا تھا پھر اُس گڑھے میں ایک شخص نے آگ روشن کی بغرض اور اُس میں کسی کا گدھا گر کر مر گیا تو شیخؒ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ اُس قیاس پر ہے جو ہمارے اصحاب نے فرمایا ہے کہ کسی شخص نے چوڑے عام راستہ پر ایک کنواں کھودا اور دوسرے نے اُس میں ایک پتھر ڈال دیا پھر اُس میں ایک شخص گر پڑا اور اُس کے پتھر کا صدمہ اُٹھا کر مر گیا تو اُس کی دیت کنواں کھودنے والے پر ہوگی اسی طرح ہمارے اس مسئلہ میں جب کہ گدھا اُس میں گر کر جل گیا تو ضمان اُس کے کھودنے والے پر ہوگی یہ حاوی میں ہے۔

مسئلہ مذکورہ میں بعیر مغتلم سے مراد وہ اونٹ ہے جو فرط شہوت سے مست☆ ہو گیا:

اگر کسی نے دوسرے کے دار میں بعیر مغتلم (۱) داخل کر دیا اور دار میں مالک دار کا بعیر تھا پس مغتلم اُس کے ساتھ جفتی کر بیٹھا تو مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے فقیہ ابو اللیثؒ نے فرمایا کہ اگر مالک دار کی اجازت سے داخل کیا ہو تو ضامن نہ ہو گا اور اگر بدون اُس کی اجازت کے داخل کیا ہو تو ضامن ہو گا اور اسی پر فتویٰ ہے اور بعیر مغتلم وہ اونٹ ہے جو فرط شہوت سے مست ہو گیا ہو یہ ظہیریہ میں لکھا ہے شیخ وبری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی زمین سینچ کر نہر کا نقبہ خوب مضبوط بند نہ کیا یہاں تک کہ پانی کے فساد سے پڑوسی کو ضرر پہنچا پس آیا اُس پر ضمان واجب ہو گی تو فرمایا کہ اگر وہ نہر مشترک ہو تو ضامن ہو گا جب کہ نقبہ نہر کے بند کرنے میں قصور کرے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے اگر عورت نے اپنے شوہر کی روئی کا سوت کا تا تو اُس کی چند صورتیں ہیں یا تو شوہر نے اُس کو کاتنے کی اجازت دی ہو یا کاتنے سے منع کیا ہو یا اجازت نہ دی ہو اور منع بھی نہ کیا ہو بلکہ سکوت کیا ہو یا عورت کے کاتنے سے آگاہ نہ ہوا ہو پس اگر اُس کو اجازت دی ہو تو اُس کی چار صورتیں ہیں یا تو اُس سے کہا کہ اس کو میرے واسطے کات دے یا کہا کہ اپنے واسطے کات لے یا کہا کہ اس کو کات تاکہ کپڑا میرا اور تیرا ہو یا کہا کہ اس کو کات اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہا پس اوّل صورت میں یعنی جب کہ یوں کہا کہ میرے واسطے کات دے تو تمام سوت شوہر کا ہو گا پس اگر کہا ہو کہ میرے واسطے اس قدر اجرت پر کات دے تو سوت شوہر کا ہو گا اور اُس پر عورت کے واسطے اجر مسمّی واجب ہو گا اور اگر اجرت کا ذکر نہ کیا ہو تو سوت شوہر کا ہو گا اور شوہر پر کچھ واجب نہ ہو گا کیونکہ وہ عورت از راہ ظاہر متطوعہ ہے اور اگر دونوں نے اختلاف کیا عورت نے کہا کہ میں نے باجرت کا تا ہے اور شوہر نے کہا کہ میں نے اجرت کا ذکر نہیں کیا تو قسم سے شوہر کا قول قبول ہو گا اور اگر عورت سے کہا ہو کہ اپنے واسطے کات لے تو سوت عورت کا ہو گا اور شوہر اس کو روئی ہبہ کرنے والا قرار دیا جائے گا اور اگر دونوں نے اختلاف کیا شوہر نے کہا کہ میں نے فقط تجھ سے یہ کہا تھا کہ تو سوت کات اور عورت نے کہا کہ نہیں بلکہ تو نے کہا کہ اپنے واسطے کات لے تو قسم سے شوہر کا قول قبول ہو گا اور اگر شوہر نے کہا کہ اس کو کات تاکہ کپڑا میرے تیرے درمیان مشترک ہو تو تمام سوت شوہر کا ہو گا اور اُس پر عورت کے واسطے اجر المثل واجب ہو گا کیونکہ شوہر نے اُس کو جزو حاصل پر اجیر کیا پس اجارہ فاسد ہو گا تو اجر المثل واجب ہو گا جیسا کہ اس صورت میں ہے کہ کسی جولاہا کو آدھے پر کپڑا بننے کو سوت دیا تو تمام کپڑا مالک سوت کا ہوتا ہے اور اُس پر جولاہا کا اجر المثل واجب ہوتا ہے اور اگر شوہر نے اُس سے کہا کہ اس کو کات اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہا تو تمام سوت شوہر کا ہو گا اور اُس پر واجب نہ ہو گا کیونکہ عورت نے من حیث الظاہر تبرعاً کات دیا ہے۔ یہ سب اُس صورت میں ہے کہ عورت کو شوہر نے کاتنے کی اجازت دی ہو اور اگر اس کو کاتنے سے منع کیا ہو اور عورت نے بعد ممانعت کے کا تا تو سوت عورت کا ہو گا اور اُس پر شوہر کے واسطے اُس کی روئی کے مثل روئی واجب ہو گی کیوں کہ عورت غاصبہ مستہلکہ ہو گئی پس ضامن ہو گی جیسے کہ ایک شخص نے گیہوں غصب کر کے اُن کو پیس ڈالا تو امام اعظمؒ کے نزدیک آٹا غاصب کا ہو گا اور اُس پر مغصوبہ گیہوں کے مثل واجب ہوں گے اور اگر شوہر نے نہ اُس کو اجازت دی ہو اور نہ منع کیا ہو پھر عورت نے کا تا تو دو صورتیں ہیں اگر اُس کا شوہر روئی فروش ہو تو سوت عورت کا ہو گا اور عورت پر اُس کے مثل روئی شوہر کے واسطے واجب ہو گی کیونکہ شوہر روئی کو تجارت کے واسطے خریدتا تھا پس ممانعت من حیث الظاہر پائی گئی تھی اور اگر شوہر روئی فروش نہ ہو بلکہ وہ بازار سے روئی خرید کر اپنے گھر لایا ہو اور عورت نے سوت کات دیا تو اُس کا سوت شوہر کا ہو گا اور عورت کو کچھ اجرت نہ ملے گی اور ہشام نے اپنے نوادر میں ذکر کیا کہ ایک شخص نے دوسرے کی روئی کو کا تا پھر دونوں نے اختلاف کیا اور مالک نے کہا کہ تو نے میری اجازت سے سوت کا تا ہے پس سوت میرا ہے اور دوسرے نے کہا کہ میں نے بدوں تیری اجازت کے کا تا ہے پس

(۱) غلام کرنے والا ☆ پیاسے جیسا کہ ہمارے ہاں محاورۃً بولا جاتا ہے مست ہو گیا یعنی مستی میں بھرا ہوا بکرا

سوت میرا ہے اور تیرے واسطے مجھ پر تیری روئی کے مثل واجب ہے تو روئی کے مالک کا قول قبول[1] ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر غلام مغصوب غاصب کے پاس مرگیا اور غاصب نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں شخص سے غصب کیا تھا تو اُس کو حکم کیا جائے گا کہ مقرلہ کو اُس کی قیمت بطور ضمان دے دے پھر اگر دوسرا شخص آیا اور اُس نے گواہ قائم کیے کہ وہ میرا غلام تھا اور مجھ سے اُس نے غصب کرلیا تھا تو قاضی اُس کے نام قیمت کی ڈگری کر دے گا پھر جب قاضی نے گواہ قائم کنندہ کے نام قیمت کی ڈگری کر دی اور اُس نے قیمت لے لی تو مقرلہ کا غاصب پر کچھ حق نہ ہوگا پھر اگر ڈگری دار کی طرف سے بعینہٖ یہی قیمت بوجہ ہبہ یا ارث یا وصیت یا مبایعت کے غاصب کے پاس پہنچی تو اُس کو حکم دیا جائے گا کہ مقرلہ کو دے دے اور اگر غاصب کو ڈگریدار کی طرف سے سوائے قیمت ماخوذہ کے دوسرے ہزار درہم پہنچے پس اگر بوجہ ہبہ یا مبایعت کے پہنچے ہوں تو مقرلہ کو دے دینے کا حکم نہ کیا جائے گا اور اگر بوجہ میراث یا وصیت کے پہنچے ہوں تو مقرلہ کو دے دینے کا حکم کیا جائے گا یہ ذخیرہ میں ہے۔ سیر العیون میں ہے کہ اگر مسلمان نے دوسرے مسلمان کی شراب کی مشک پھاڑ ڈالی تو شراب کا ضامن نہ ہوگا مگر مشک کا ضامن ہوگا الا اُس صورت میں کہ پھاڑنے والا امام المسلمین ہو کہ اُس کی رائے میں یہ مناسب معلوم ہوا تو ایسی صورت میں ضامن نہ ہوگا کیونکہ یہ مختلف فیہ ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ذمی نے شہر میں شراب فروشی ظاہر کی تو اُس سے منع کیا جائے گا اور اگر کسی مسلمان نے اُس کی شراب کو تلف کر دیا تو ضامن ہوگا لیکن اگر تلف کنندہ امام المسلمین ہو کہ اُس کی رائے میں یہ امر مناسب معلوم ہو تو ضامن نہ ہوگا کیوں کہ یہ امر مختلف فیہ ہے یہ محیط میں ہے اور فتاویٰ خلاصہ میں لکھا ہے کہ اگر ذمیوں نے مسلمانوں کے درمیان شراب ظاہر کی اور کسی مسلمان نے پابندی امر بالمعروف اُن کی شراب بہادی اور خم توڑ ڈالے اور مشکیں پھاڑ ڈالیں تو اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ فتاویٰ میں ہے کہ ایک شخص دوسرے کے کپڑے میں چپٹ گیا اور کپڑے کو مالک کے ہاتھ سے اپنی طرف کھینچا پس وہ پھٹ گیا تو پوری قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر مالک نے چپٹنے والے کے ہاتھ سے کھینچا ہو تو چپٹنے والا اس کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا یہ فصول عمادیہ میں ہے اگر ایک شخص دوسرے کے لباس پر بیٹھ گیا اور صاحب لباس کو معلوم نہیں پھر صاحب لباس کھڑا ہوا اور بیٹھنے والے کے بیٹھنے سے وہ کپڑا پھٹ گیا تو بیٹھنے والے پر نصف ضمان شق واجب ہوگی اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ نقصان شق کا ضامن ہوگا مگر اعتماد ظاہر الروایۃ پر ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک شخص نے ایک مال عین کسی دلال کو اُس کے فروخت کرنے کے واسطے دیا اور دلال نے کسی دکان دار کو دکھلایا اور اُس کے پاس چھوڑ دیا پھر دکان دار بھاگ گیا اور مال بھی لے گیا تو دلال ضامن ہوگا اور شیخ نسفی نے اپنے فتاویٰ میں شیخ الاسلام ابوالحسن سے روایت کی ہے کہ دلال ضامن نہ ہوگا اور یہی صحیح ہے کیونکہ جو فعل دلال سے سرزد ہوا اُس سے چارہ نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔

شیخ ابوالفضل کرمانی نے اشارات الجامع میں ذکر کیا ہے کہ متاع کا غصب متحقق نہیں ہوتا ہے اور اقضیہ میں مذکور ہے کہ متحقق ہوتا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔ ایک شخص دوسرے کے بیت میں داخل ہوا اور مالک بیت نے اُس کو بالش (گاؤ تکیہ) پر بیٹھنے کی اجازت دی پس وہ بیٹھ گیا اور اس کے نیچے ایک تیل کی شیشی تھی جس میں تیل تھا کہ جس کو وہ نہیں جانتا تھا پس شیشی ٹوٹ گئی اور تیل بہہ گیا تو تیل کی ضمان اور جو بالش پھٹ گئی اور شیشی ٹوٹ گئی اُس کا تاوان بیٹھنے والے پر واجب ہوگا اور اگر ایسا شیشہ کسی ملاءۃ (چادر) کے نیچے ہو کہ اُس کو ڈھانک دیا ہو اور ملاءۃ پر بیٹھنے کی مالک نے اجازت دی ہو تو ایسی صورت میں بیٹھنے والا ضامن نہ ہوگا اور فقیہ ابواللیث نے فرمایا کہ بالش کی صورت میں بھی بعض کے نزدیک ضامن نہ ہوگا اور یہ اقرب القیاس ہے کیونکہ مثل ملاءۃ کے بالش بھی متمسک جالس نہیں

---

[1] یہاں روئی والے پر قسم نہیں ہے اور اگر دوسرے نے اُس پر اجرت کا دعویٰ کیا تو اُس پر البتہ قسم عائد ہوگی۔

ہوتی ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اسی طرح اگر اُس کو سطح پر بیٹھنے کی اجازت دی پس وہ سطح اجازت دینے والے کے مملوک پر گر پڑی تو بھی جالس ضامن ہوگا یہ خلاصہ میں ہے۔ ایک دلاّل کے پاس ایک کپڑا تھا وہ اس کو بیچتا تھا پھر ظاہر ہوا کہ وہ چوری کا کپڑا ہے پھر اُس نے اُسی شخص کو واپس کر دیا جس نے اُس کو فروخت کرنے کے واسطے دیا تھا پھر مسروق منہ نے دلاّل سے وہ کپڑا طلب کیا پس دلاّل نے کہا کہ مجھے جس نے دیا تھا میں نے اُسی کو واپس کر دیا ہے تو دلاّل بری ہوگا یہ محیط میں ہے۔ شیخ نجم الدینؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک مکتب کے لڑکوں مع معلم کو سردی کی تکلیف پہنچی اور دیوار میں ایک روشن دان کھلا ہوا تھا پس معلم نے کہا کہ کاش کوئی لڑکا اس فوطہ ضائع ہوگیا پس آیا معلم یا وہ لڑکا جس نے لے کر ایسا کیا ہے ضامن ہوگا فرمایا کہ نہیں کیونکہ ان لوگوں کی موجودگی میں فوطہ (قسم لباس) کو جو اس فلاں لڑکے کے پاس ہے اس روشندان کو بند کر دیتا تو سردی دفع ہو جاتی پس ایک لڑکے نے ایسا ہی کیا پھر فوطہ ضائع ہوگیا آیا معلم یا وہ لڑکا جس نے لے کر ایسا کیا ہے ضامن ہوگا فرمایا کہ نہیں کیونکہ ان لوگوں کی موجودگی میں فوطہ اس سوراخ میں رکھنا فوطہ کی تضییع نہیں ہے پس ضامن نہ ہوگا اور بھی شیخ نجم الدینؒ سے دریافت کیا گیا کہ کچھ لوگ ایک باغ انگور کے اندر وبسۂ تیار کرتے تھے پس ایک عورت ان کی مدد کے واسطے آئی اور اُس نے بدون اُن میں سے کسی کی اجازت کے ایک طاش اس غرض سے لیا کہ کچھ عصیر اس میں لے اور وہ بہت گرم تھا پس عورت نے نہایت گرمی کے باعث سے زمین پر دے پٹکا کہ وہ ٹوٹ گیا پس آیا وہ عورت ضامن ہوگی تو شیخ نے فرمایا کہ ہاں اس واسطے کہ اُس نے دے پٹکا ہے اور اگر اُس کے ہاتھ سے گر جاتا تو ضامن نہ ہوتی اور بھی شیخ نجم الدینؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص مر گیا اُس کے مرنے کے بعد اُس کے گھر کی دیوار منہدم ہوگئی اور نقد مال [1] نکلے پس قاضی کو یہ بات معلوم ہوئی اور اُس نے حکم دیا کہ اُس مال کو حاضر کرو تاکہ میں وارثوں میں تقسیم کر دوں پس وہ لوگ اُس مال کو قاضی کے پاس لے آئے اور چند روز اُس کے پاس رہا پھر امیر ولایت نے قاضی کے پاس آدمی بھیجا کہ وہ مال میرے پاس بھیج دے تاکہ میں وارثوں میں تقسیم کر دوں پس قاضی نے اُس کے پاس بھیج دیا پھر امیر ولایت نے وارثوں کو نہ دیا پس آیا وارثوں کو قاضی سے ضمان مال لینے کا اختیار ہے شیخؒ نے فرمایا کہ ہاں کذا فی الظہیر یہ مجموع النوازل میں لکھا ہے کہ ایک لڑکی (مونث) نے دوسری لڑکی کے ساتھ فعل جماع کیا اور اُس کا پردہ بکارت جاتا رہا تو امام محمد بن الحسن نے فرمایا کہ فاعلہ پر مفعولہ کا مہر مثل واجب ہوگا اور فرمایا کہ یہ حکم ہم کو حضرت عمر بن الخطابؓ سے پہنچا ہے یہ محیط میں ہے۔

امام محمدؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کا غلام غصب کیا پس ایک شخص مغصوب منہ کے واسطے ضامن (کفیل ۱۲) ہوا کہ غاصب کل کے روز تجھے وہ غلام دے دے گا اور اُس نے ایسا نہ کیا تو مجھ پر ہزار درہم ضمانت کے ہوں گے اور غلام کی قیمت فقط پچاس درہم ہے پھر غاصب نے دوسرے روز مغصوب منہ کو وہ غلام نہ دیا تو ضامن پر غلام کی قیمت پچاس درہم لازم ہوں گے اور زیادتی باطل ہوگی اور اگر غلام کی قیمت میں دونوں نے اختلاف کیا تو مغصوب منہ کی قیمت متدعویہ میں سے ہزار درہم تک قسم سے مغصوب منہ کا قول قبول ہوگا اور ہزار سے زیادہ میں ضامن کا قول قبول ہوگا یہ امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے اور اگر قیمت کی ضمان لی اور اُس کو مسمیٰ کر دیا پھر دیکھا گیا تو یہ مقدار مسمیٰ قیمت غلام سے اس قدر زیادہ ہے کہ ایسی زیادتی لوگ اپنے اندازہ میں برداشت کر جاتے ہیں تو یہی مقدار غلام کی قیمت قرار دی جائے گی پس ضامن پر اس قدر مقدار مسمیٰ واجب ہوگی اور اگر اس قدر زیادہ ہو کہ لوگ اپنے اندازہ میں ایسی زیادتی کا خسارہ نہیں اُٹھاتے ہیں اس سے جس قدر اُٹھا جاتے ہیں تو جس قدر زیادہ ہے وہ باطل ہو جائے گی یہ محیط میں ہے ایک شخص نے دوسرے کا کپڑا غصب کر کے پہن لیا پھر مغصوب منہ نے آ کر اپنا کپڑا گھسیٹا اور غاصب کو یہ معلوم نہ ہوا کہ یہی کپڑے کا مالک ہے

ۂ بس تحقیق دوشاب شیرۂ انگور۔ (۱) یعنی درہم و دینار

پس کشمکش میں کپڑا پھٹ گیا تو غاصب پر تاوان واجب نہ ہوگا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

کسی کے مال کو ایسے طریقے سے نقصان پہنچانا جو معروف ہو☆

اگر کپڑے کے مالک نے کہا کہ یہ کپڑا میرا ہے مجھے واپس دے اور غاصب نے انکار کیا پس مالک نے اس زور سے کھینچا کہ ایسا کپڑا اس زور سے کھینچنے کی عادت نہیں ہے پس وہ کپڑا پھٹ گیا تو بھی غاصب ضامن نہ ہوگا اور عادتاً جس طرح لوگ کھینچا کرتے ہیں اسی طرح کھینچا اور وہ پھٹ گیا تو غاصب نصف قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر کسی نے اپنے ملک کا کپڑا پہنا اور اُس کو ایک شخص نے اس طرح کھینچا کہ ایسے کپڑے کی اس طرح کھینچنے کی عادت نہیں ہے اور وہ کپڑا پھٹ گیا تو کھینچنے والے پر پوری قیمت واجب ہوگی یہ فصول عمادیہ میں ہے اگر کوئی شخص غاصب دار مغصوبہ میں بیمار ہوا تو اُس میں اُس کی عیادت نہ کی جائے گی اور سفیان ثوریؒ سے مروی ہے کہ وہ اصحاب[1] صرافی کے پاس جاتے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے تھے اور فقیہؒ نے فرمایا کہ ہم اسی کو لیتے ہیں یہ ملتقط میں ہے۔ ایک مغصوبہ باندی بچہ جنی اور اُس نے کچھ مال کمایا اور کچھ ہبہ کیا گیا اور اُس کا ہاتھ کاٹا گیا اور اس سے شبہہ میں وطی کی گئی پھر وہ مر گئی اور یوم غصب کی قیمت کی ڈگری ہوئی تو بچہ اور ہبہ اور کمائی سب مولیٰ کی ہوگی اور عقر اور ارش غاصب کو ملے گا اور اگر بلا حکم قاضی اُس کی قیمت پر باہمی صلح کر لی تو یہ سب مالک کو ملے گا یہ تاتارخانیہ میں ہے اگر ایک لکڑیوں والا اپنے مکان میں جو ایک کوچہ نافذہ میں واقع ہے لکڑیاں لاتا ہو اور اہل کوچہ نے اُس کو اس امر سے منع کرنا چاہا پس اگر وہ شخص جانور کی پیٹھ پر لاد کر لاتا ہو تو اُن کے منع کرنے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ یہ شخص اُن کی ملک میں فقط یہی تصرف کرتا ہے کہ جانور کو کوچہ میں داخل کرتا ہے اور ایسا اُس کو اختیار ہے اور اگر لکڑیوں کو اس طرح پھینکتا ہو کہ جس سے اُن کی عمارات کو ضرر پہنچتا ہو تو وہ لوگ اُس کو منع کر سکتے ہیں یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے اگر غاصب کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی اور اُس کو مالک مغصوب ہاتھ نہ لگائے تو ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ جب تک اُس کو مالک کے آنے کی اُمید رہے تب تک مال مغصوب کو اپنے پاس رہنے دے جب اُس کے آنے کی اُمید ٹوٹ جائے تو اختیار ہے کہ وہ مال مالک کے نام سے صدقہ کر دے اور احسن یہ ہے کہ اس معاملہ کو امام المسلمین کے سامنے پیش کرے اس لیے کہ امام کو ایک تدبر و رائے حاصل ہے پس احسن ٹھہرا کہ اس کی رائے کو یہیں[2] تک قطع نہ کرے اور امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا کہ ایک شخص نے دوسرے کا غلام غصب کیا اور غلام نے اپنے تئیں اجارہ پر دیا اور کام سے صحیح سالم رہا تو موافق معروف کے اجارہ صحیح ہے پس اگر غلام نے اجرت لی اور اس سے غاصب نے لے کر تلف کر دی تو امام اعظمؒ کے نزدیک غاصب پر ضمان واجب نہ ہوگی اور صاحبین نے فرمایا کہ واجب ہوگی اور اگر وہ اجرت بعینہٖ قائم ہو تو بالاجماع مالک کو ملے گی یہ محیط میں ہے شیخ نجم الدینؒ سے روایت ہے کہ اُنھوں نے اپنے استاد علیہ الرحمۃ سے نقل کیا کہ ایک شخص نے اپنے قرضدار کے سر سے اُس کا عمامہ اُتار لیا کہ میرے قرضہ میں رہن ہے اور اُس کو ایک مندیل صغیر دے دی کہ اپنے سر پر باندھ لے اور کہا کہ جب تو میرا قرضہ لے آئے گا تو میں تیرا عمامہ تجھے واپس دوں گا پس قرض دار اُس کا قرضہ لایا حالانکہ قرض خواہ کے پاس وہ عمامہ تلف ہو گیا تھا تو شیخ رحمہ اللہ کے استاد علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ مثل تلف مال مرہون کے قرار دیا جائے گا نہ تلف مال مغصوب کے اس لیے کہ اُس نے بطور رہن لیا ہے اور قرض دار کا چھوڑ کر چلا جانا رہن ہو جانے کے ساتھ رضامندی ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

ایک شخص کا چوپایہ دوسرے کے گھر میں مر گیا پس اگر اس کی کھال کی کچھ قیمت ہو تو مالک اُس کو باہر نکالے اور اگر قیمت نہ ہو تو گھر والا اُس کو باہر نکالے۔ جو شخص قبضہ مال کے واسطے وکیل کیا گیا اُس نے اپنے موکل کے قرضدار سے وہ مال وصول کر کے اپنے

---

[1] اصحاب یعنی جو لوگ صرافی پیشہ کرتے ہیں۔ وہم کا موقع یہ کہ نقود کی بیع صرف میں اُدھار وغیرہ سے بیاج کا شبہہ ہے لیکن خالی وہم کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا۔

[2] خود صدقہ کرنا

گدھے کے توبڑے میں رکھ کر گدھے پر لٹکا لیا پس اس میں سے وہ دراہم تلف ہو گئے تو ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس نے اس مال سے ساتھ حفاظت کے حق میں وہی فعل کیا جو اپنے مال سے کرتا کذانی الحاوی۔ ایک شخص کو چوپایہ دوسرے کے گھر میں گھس گیا تو اُس کا نکالنا اُس کے مالک پر واجب ہے کیونکہ وہ اُس کی ملک ہے کہ غیر کے دار کو مشغول کیا۔ اس طرح اگر کسی شخص کا پرند جانور دوسرے کے کنویں میں مرگیا تو اُس کا نکالنا مالک پرند پر واجب ہے مگر کنویں کا پانی اُلچوانا اُس پر واجب نہیں ہے یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے تفرید کی کتاب الغصب میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے باندی خرید کر اس کو ام ولد بنایا پھر وہ باندی استحقاق میں لے لے گی تو اُس کا بچہ حرالاصل ہوگا اور مشتری پر واجب ہوگا کہ باندی کے مولیٰ کو بچہ کی قیمت ادا کرے ایسا ہی حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے محضر صحابہ میں فیصلہ قضا صادر فرمایا تھا اور بچہ کی قیمت میں اعتبار یوم خصومت کا ہے اور اگر وہ بچہ مرگیا اور اُس نے کچھ میراث چھوڑی تو اُس کی تمام میراث اُس کے باپ کو ملے گی اور اُس پر باندی کے مولیٰ کے واسطے کچھ واجب نہ ہوگا۔ ایک شخص نے دوسرے کی باندی غصب کر کے کسی مشتری کے ہاتھ فروخت کر دی حالانکہ مشتری نہیں جانتا ہے کہ یہ مغصوبہ باندی ہے پھر مشتری نے اُس سے وطی کی اور اُس کے بچہ پیدا ہوا اور وہ باندی مشتری کے پاس مرگئی پھر مغصوب منہ نے نالش کر کے قاضی کے سامنے گواہ قائم کیے کہ یہ باندی میری تھی تو مالک کو اختیار حاصل ہوگا کہ مشتری سے باندی کا عقر لے لے خواہ اُس نے بائع سے ضمان (ضمان قیمت ۱۲) لینا اختیار کیا ہو یا مشتری سے اور جو باندی بطور بیع فاسد خریدی گئی ہو اور مشتری پر اس کے بابت عقر واجب ہوا ہو پھر باندی ہلاک ہو گئی یا اُس کا واپس کرنا کسی وجہ سے متعذر ہو گیا ہو پس آیا ایسی صورت میں عقر کا مالک ہوگا نہیں تو اُس میں دو روایتیں ہیں اور صورت غصب نظیر بیع فاسد ہے پس صورت غصب میں بھی عقر کی بابت دو روایتیں ہوں گی یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

امام محمدؒ نے جامع میں فرمایا کہ ایک شخص نے دوسرے سے ایک باندی غصب کی اور دوسرے شخص نے اُسی مغصوب منہ سے ایک غلام غصب کیا اور دونوں غاصبوں نے غلام و باندی کا باہم خرید و فروخت میں معاوضہ کر لیا اور باہمی قبضہ کر لیا پھر مالک کو خبر پہنچی اور اُس نے اس بیع کی اجازت دے دی تو باطل ہوگی[1] اور غلام و باندی کے دو شخص مالک ہوں اور دونوں کو اس معاملہ کی خبر پہنچی اور دونوں نے اجازت دے دی تو بیع جائز ہو جائے گی بعد جواز کے غلام تو باندی کے غاصب کا اور باندی غلام کے غاصب کی ہو جائے گی اور غاصب غلام پر واجب ہوگا کہ غلام کی قیمت اُس کے مولیٰ کو تاوان دے اور غاصب باندی پر واجب ہوگا کہ باندی کی قیمت باندی کے مولیٰ کو تاوان دے اور اگر دونوں میں سے ہر ایک مالک نے ابتدا میں اجازت دے دی بایں طور کہ مالک غلام نے اس کے غاصب سے کہا کہ فلاں شخص کی باندی بعوض میرے اس غلام کے خرید اور مالک باندی نے اُس کے غاصب سے کہا کہ فلاں شخص کا غلام بعوض اس باندی کے خرید تو بھی یہی حکم ہے اگر ایک شخص نے دوسرے سے سو دینار غصب کر لیے اور دوسرے غاصب نے اُسی شخص سے ہزار درہم غصب کر لیے پھر دونوں غاصبوں نے باہم ان درہموں و دیناروں کی بیع کر کے باہمی قبضہ کر لیا پھر دونوں جدا ہو گئے پھر مالک کو معلوم ہوا اور اُس نے اجازت دے دی تو بیع [illegible] ہو جائے گی یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے ایک خربوزہ غصب کر کے اُس کی پھانک اُتاری تو خربوزہ سے مالک کا حق منقطع نہ ہوگا [illegible] پورے خربوزے کی پھانکیں کر ڈالیں تو منقطع ہو جائے گا کیونکہ اس سے خربوزے کا اسم زائل ہو گیا کذافی القنیہ۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کے غلام کو بھاگ جانے کا حکم کیا یا اُس سے کہا کہ اپنے تئیں قتل کر ڈال پس اُس نے ایسا ہی کیا تو حکم دہندہ پر غلام کی قیمت واجب[2] ہو گی

[1] اس واسطے کہ دونوں اسی کے مال ہیں پس شرائط بیع متحقق نہ ہوئی وفیہ نظر۔ [2] قال المترجم قولہ قیمت واجب ہوئی مگر صورت اولیٰ میں [illegible] ظہور غلام کے حکم دہندہ کو واپس کرے گا نہ صورت ثانیہ میں فافہم۔

اور اگر اُس غلام سے کہا کہ اپنے مولیٰ کا مال تلف کر دے پس اُس نے تلف کر دیا تو حکم وہ بندہ ضامن نہ ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے شیخ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے دوسرے کے ارز[1] غصب کر کے اُن کو مقشر کر ڈالا یا گیہوں غصب کر کے اُن کو کشک بنایا پس آیا حق مالک منقطع ہو جائے گا فرمایا کہ نہیں اس واسطے کہ عین المغصوب قائم ہے جیسا کہ اگر کسی غیر کی ایک بکری ذبح کر کے اُس کی کھال کھینچ ڈالی تو حق مالک منقطع نہیں ہوتا ہے یہ فصول عمادیہ میں ہے۔

کسی شخص نے بدون اجازت خادم مسجد کے اپنی چند گونیں مسجد میں داخل کیں اور مسجد میں داخل کیں اور مسجد کی کنجی لے کر کھول لی اور بہیا آئی اور اُس نے مسجد کا فرش تباہ کر دیا تو یہ شخص ضامن ہوگا یہ قنیہ میں ہے۔ علی بن ابی الجعد سے روایت ہے کہ اُنہوں نے فرمایا کہ میں نے علی بن عاصم سے سُنا کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے دریافت کیا کہ ایک شخص کا ایک درہم اور ایک شخص کے دو درہم باہم مختلط ہو گئے پھر دو درہم ضائع ہو گئے اور ایک درہم باقی رہ گیا اور یہ معلوم نہیں کہ یہ تینوں میں سے کونسا درہم ہے تو امام اعظمؒ نے فرمایا کہ یہ باقی درہم دونوں میں تین حصہ ہو کر تقسیم ہوگا (یعنی ایک درہم والے کو ایک حصہ اور دو درہم والے کو دو حصہ ملیں گے) پھر میں نے شیخ ابن شبرمہ سے ملاقات کی اور ان سے بھی یہی مسئلہ پوچھا اُنہوں نے فرمایا کہ تو نے یہ مسئلہ کسی سے دریافت کیا ہے میں نے کہا کہ ہاں میں نے امام ابوحنیفہؒ سے دریافت کیا تھا پس کہا کہ اُنہوں نے تجھ سے یوں فرمایا کہ باقی درہم دونوں میں تین حصے ہو کر تقسیم ہوگا میں نے کہا کہ ہاں تو فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ چوک گئے اس واسطے کہ ہم کہتے ہیں کہ دونوں درہموں ضائع شدہ میں کا ایک درہم بیشک دو درہموں والے کا ہے اور ضائع شدہ میں کا دوسرا درہم محتمل ہے کہ دو درہم والے کا ہو اور محتمل ہے کہ ایک درہم والے کا ہو پس جو درہم باقی موجود ہے وہ دونوں میں نصفا نصف تقسیم ہوگا پس میں نے ان کا جواب خوب مستحسن جانا اور لوٹ کر میں امام ابوحنیفہؒ کے پاس آیا اور میں نے کہا کہ جو مسئلہ میں نے آپ سے دریافت کیا تھا اُس میں آپ سے مخالفت کی گئی ہے پس امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ کیا تو نے ابن شبرمہ سے ملاقات کی تھی اور اُس نے تجھ سے اس طرح بیان کیا ہے یعنی امام نے بعینہ ابن شبرمہ کا جواب ذکر فرمایا پس میں نے کہا کہ ہاں تو آپ نے فرمایا کہ جب تینوں درہم باہم مختلط ہو گئے تو دونوں کی شرکت میں ہو گئے اس طرح کہ دونوں میں تمیز نہیں ہو سکتی پس دو درہم والے کا ہر درہم میں سے دو تہائی حصہ اور ایک درہم والے کا ہر درہم میں سے ایک تہائی حصہ رہا پس جو درہم ضائع ہوا وہ اپنے حصہ سمیت ضائع ہوا پس جو درہم باقی رہا وہ اُسی حصہ کے موافق تین تہائی حصص پر باقی رہا یہ جواہرہ نیرہ میں ہے۔

ایک شخص نے ایک غلام غصب کیا اور دوسرے کے ہاتھ اُس کو پانچ سو درہم کو بوعدۂ ایک سال کے اُدھار فروخت کیا حالانکہ وہ غلام مغصوب منہ کا معروف تھا اور مغصوب منہ نے غاصب سے کہا کہ تو نے مجھ سے یہ غلام ہزار درہم کو فی الحال قیمت ادا کرنے پر خرید کر کے مجھ سے اپنے قبضہ میں لے کر پھر تو نے اُس شخص کے ہاتھ پانچ سو درہم کو ایک سال کے وعدہ پر فروخت کیا ہے اور غاصب نے کہا کہ میں نے تجھ سے یہ غلام ہرگز نہیں خریدا ہے لیکن تو نے مجھے حکم دیا تھا پس میں نے تیرے حکم سے اس شخص کے ہاتھ پانچ سو درہم کو ایک سال کے وعدہ پر فروخت کر دیا ہے اور وہ غلام مشتری کے پاس بعینہ قائم ہے تو وہ غلام مشتری کو سپرد رہے گا اس واسطے کہ اُنہوں نے اُس کی صحت خرید پر اتفاق کیا ہے اور غاصب پر غصب کی وجہ سے ضمان بھی واجب نہ ہوگی کیونکہ مالک کو واپس کرنا ایسی بات سے متعذر ہوا جو مالک کی طرف سے پائی گئی یعنی اُس نے غاصب کے ہاتھ خود فروخت کر دینے کا اقرار کیا پس غاصب سے قسم لی جائے گی کہ واللہ میں نے اس غلام کو

---

[1] قولہ ارز مشہور بمعنی جوار ہے اور بعض نے چاول لکھا اور یہاں دھان مراد ہے۔

نہیں خریدا ہے پس اگر غاصب نے قسم کھالی تو اُس پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر اُس نے نکول[1] کیا تو جس قدر ثمن کا مغصوب منہ نے اُس پر دعویٰ کیا ہے اُس پر واجب ہوگا اور اگر مسئلہ مذکورہ میں وہ غلام مشتری کے پاس مر چکا ہو اور باقی مسئلہ بحالہ ہو تو اس صورت میں دونوں میں سے ہر ایک سے دوسرے کے دعویٰ پر قسم لی جائے گی اور اگر غاصب نے وہ غلام کسی شخص کو ہبہ کر کے سپرد کر دیا پھر دعویٰ کیا کہ میں نے مغصوب منہ کے حکم سے ایسا کیا ہے پس مغصوب منہ نے کہا کہ تو نے مجھ سے ہزار درہم کو خرید کر پھر خود ہبہ کیا ہے تو اُس کا حکم بھی اسی تفصیل سے ہے جو ہم نے بیع کی صورت میں بیان کی ہے اور اگر غاصب نے اُس غلام کو اس طرح مارا کہ وہ قتل ہو گیا پھر غاصب نے کہا کہ میں نے اُس کے مالک کے حکم سے مارا ہے اور مالک نے کہا کہ نہیں بلکہ میں نے تیرے ہاتھ فروخت کر دیا تھا پھر تو نے اپنے مملوک کو اس طرح مارا ہے تو پہلے غاصب سے قسم لی جائے گی پس اگر اُس نے نکول کیا تو اُس پر ثمن متدعویہ مالک لازم ہوگا اور اگر اُس نے قسم کھائی تو اُس پر غلام کی قیمت لازم ہوگی کیونکہ واپسی کا تعذر ایسی بات سے ہوا جو غاصب کی طرف سے پائی گئی پھر مالک سے قسم لی جائے گی پس اگر اُس نے نکول کیا تو قیمت باطل ہو جائے گی اور اگر قسم کھالے تو غاصب پر اُس کی قیمت واجب رہے گی اور یہ نظیر اُس صورت ہلاک کی ہے جو سابق میں مذکور ہوئی یہ محیط میں ہے۔

ایک شخص نشہ میں مدہوش لایعقل راستہ میں سو رہا پس ایک شخص نے اُس کا کپڑا حفاظت کی غرض سے لے لیا تو ضامن نہ ہوگا اور اگر اُس کے سر کے نیچے سے کپڑا لیا یا اُس کی اُنگلی میں سے انگوٹھی اتار لی یا اُس کی کمر سے ہمیانی کھول لی یا اُس کی آستین سے درہم نکال لیے بدیں غرض کہ اس مال کی حفاظت کرے تو ضامن ہوگا کیونکہ یہ مال اپنے مالک کے پاس محفوظ تھا یہ وجیز کردری میں ہے ایک شخص نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں شخص کے غلام کا ہاتھ خطا سے کاٹ ڈالا ہے اور اس مقر کی مددگار برادری نے اُس کے اقرار کی تکذیب کی پھر اُس غلام اقطع کو اُس کے مولیٰ کے پاس سے کسی دوسرے نے غصب کر لیا اور وہ غاصب کے پاس مر گیا تو مولیٰ کو اختیار ہے چاہے جنایت کنندہ سے اُس کی قیمت اُس کے مال سے تین سال میں لے یا غاصب سے اُس غلام کی قیمت ہاتھ کٹے ہوئے کے حساب سے اُس کے مال سے فی الحال لے لے اور جنایت کنندہ سے اُس کے ہاتھ کا ارش اُس کے مال سے لے لے اور یہ ارش بقدر نصفی قیمت کے ہوگا پھر اگر مالک نے جنایت کنندہ سے اُس کے اقرار پر غلام مذکور کی قیمت ضمان لینا اختیار کی تو جنایت کنندہ غاصب سے اُس غلام اقطع کی قیمت غاصب کے مال سے لے لے گا یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے غلام ماذون مدیون کو غصب کر لیا اور وہ اُس کے پاس مر گیا تو قرض خواہوں کو غاصب سے اُس کی قیمت کے مطالبہ کا اختیار ہوگا یہ قنیہ میں ہے۔ شیخ ابو حامدؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص کے پاس دار مرہونہ تھا اُس سے یہ دار کسی غاصب نے غصب کر لیا پس آیا مرتہن کو اپنے قرضہ دار راہن سے اپنے قرضہ کے مطالبہ کا اختیار ہے فرمایا کہ دیکھا جائے گا کہ اگر راہن نے مرتہن کو انتفاع[2] مباح کیا تھا پھر حالت انتفاع میں غصب کر لیا گیا تو مرتہن کو اپنے قرض کے مطالبہ کا اختیار ہے اور اگر غیر حالت انتفاع میں غصب کر لیا گیا تو بمنزلہ[(1)] ہلاک کے قرار دیا جائے گا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

اگر مسلمان نے کسی ذمی سے کچھ غصب کیا یا چرا لیا تو قیامت کے دن مسلمان پر عتاب کیا جائے گا اور ذمی کو مخاصمہ قیامت کے روز بہت سخت ہوگا اور کافر کا مظلمہ بنسبت مظلمہ مسلمان کے زیادہ سخت ہوگا اس واسطے کہ کافر دائمی دوزخی ہوگا اور اُس کے حق میں بوجہ اُن مظلوموں کے جو اُس کے لوگوں کی جانب ہوں گے عذاب نار کی تخفیف ہوگی پس اُس کی طرف سے اُن مظلوموں کے چھوڑنے

---

[1] نکول قسم سے انکار کرنا ثمن متدعویہ جس ثمن کا دعویٰ کیا گیا ہے لایعقل جو نہیں سمجھتا اقطع ہاتھ کٹا ہوا ارش تاوان دار مرہونہ رہن کیا ہوا گھر۔

[2] انتفاع یعنی کہہ دیا کہ تو رہن سے جو نفع اٹھانے تجھے حلال ہے۔ علماء نے کہا کہ اس طرح مرتہن کو نفع لینا حلال ہو جاتا ہے لیکن یہ تقویٰ کے خلاف ہے کیونکہ قرض کی وجہ سے جو منفعت ہو وہ بالاجماع مکروہ تحریمی ہے۔

(1) بعوض قرضہ تلف شدہ۔

کی امید نہیں ہے اور مسلمان کی طرف سے ایسی اُمید ہے پھر جب کافر نے مقاصہ کیا تو اُس کی کوئی راہ نہیں ہے کہ اُس کو مسلمان کا ثواب طاعت دیا جائے اور نہ اُس کی کوئی راہ ہے کہ مسلمان پر اُس کے کفر کا وبال رکھا جائے پس یہی متعین ہوا کہ مسلمان پر اُس کے مظلمہ کی وجہ سے عذاب ہوا اسی وجہ سے فرمایا ہے کہ جانور کا آدمی پر قیامت کے روز نالش کرنا آدمی پر نالش کرنے سے زیادہ سخت ہے یہ کبریٰ میں ہے شیخ علی بن احمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک رئیس قوم نے اہل قوم کو بلایا تاکہ اُن سے کچھ مال از راہ ظلم لے پھر اہل قوم روپوش ہو گئے سوائے ایک آدمی کے پس اُس آدمی سے اس رئیس نے یہ جبایہ[ا] وصول کر لی پھر جب قوم کے لوگ ظاہر ہوئے تو اُس آدمی کو اہل قوم پر اُس مال کے عوض جو اُس نے اُس شخص سے قبل ازیں لے لیا تھا حوالہ کرنا شروع کیا اور اہل قوم سے وہی جو اس شخص سے لیا تھا از راہ ظلم لیا پھر اپنے فعل سے نادم ہوا پس آیا اُس پر واجب ہے کہ جو کچھ اُس نے اہل قوم سے لیا ہے اُن کو واپس کر دے فرمایا کہ ہاں یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

ایک عورت کے ربیعی گیہوں ایک مٹکے میں اور خریفی گیہوں دوسرے مٹکے میں بھرے تھے پس عورت نے اپنی بہن کو حکم دیا کہ میرے کاشتکار[۱] بٹائی کو خریفی دے دے وہ چوک گئی اور اُس نے ربیعی گیہوں دے دیے پھر عورت مذکور نے اپنی بیٹی کو کاشتکار کے ساتھ بھیجا تاکہ تخم ریزی کے واسطے گیہوں پہنچائے پس اُس کی بیٹی نے پہنچا دیے اور کاشتکار نے تخم ریزی کر دی مگر وہ گیہوں نہ اُگے پھر معلوم ہوا کہ وہ ربیعی بیج تھے تو وہ عورت تینوں میں سے جس سے چاہے تاوان لے کیونکہ اس کی بہن نے جب خطا کی تو وہ غاصبہ ہو گئی اور بیٹی اور کاشتکار دونوں غاصب الغاصب ٹھہرے شیخؒ نے فرمایا کہ یہ قول اچھا و دقیق ہے اس سے بہت سے واقعات کا حکم نکلتا ہے یہ یتیمہ میں ہے۔ شیخ ابو حامدؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک مسافر نے اپنا مال متاع ایک کشتی پر اپنے شہر پہنچانے کے واسطے لادا پھر مر گیا اور اس کے ساتھ اس کا بیٹا تھا پس بیٹے نے یہ متاع اُس کشتی پر سے اُتار کر دوسری کشتی پر اس غرض سے لادا کہ اُس کو لے جا کر باقی وارثوں کے سپرد کر دے اور اُس نے ایسا راستہ اختیار کیا کہ جس سے لوگ آتے جاتے تھے مگر یہ وہ راستہ نہ تھا جس سے میت نے جانے کا قصد کیا تھا پھر وہ کشتی ڈوب گئی اور بیٹا مر گیا اور مال متاع ضائع ہو گیا پس آیا وہ بیٹا[۲] باقی وارثوں کے حصص کا ضامن ہوگا تو شیخؒ نے فرمایا کہ نہیں اور شیخؒ سے دوسری بار حق مسئلہ دریافت کیا گیا تھا تو فرمایا کہ اگر وہ بیٹا یہ متاع کشتی سے اُتار کر دوسری کشتی میں لا کر باقی سوائے وارثوں کے وطن کے دوسری جگہ لے چلا ہو تو ضامن ہوگا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

صاحب الصغریٰ میں ہے کہ کسی نے دوسرے کو حکم دیا کہ یہ قمقمہ کسی صفار کو دے دے تاکہ وہ اُس کو درست کر دے پس مامور نے کسی صفار کو دیا مگر بھول گیا تو ضامن نہ ہوگا جیسے مستودع اگر بھول گیا کہ ودیعت کہاں ہے تو ضامن نہیں ہوتا ہے اور اسی کے مثل فتاویٰ ساعد میں ہے کہ حکم دیا کہ یہ سوت ایک جولاہے کو دے دے اور اُس کو معین نہ کیا اور نہ یہ کہا کہ جس کو تیرا جی چاہے دے دے پس مامور نے دے دیا اور جس کو دیا تھا وہ بھاگ گیا تو مامور ضامن نہ ہوگا اور یہ بخلاف موکل کے ہے کہ اُس نے اپنے وکیل سے یوں کہا کہ وکّل احداً یعنی کسی کو وکیل کر دے کیونکہ یہ صحیح نہیں ہے اور صحیح جبھی ہوگا کہ جب یوں کہے کہ جس کو تیرا جی چاہے وکیل کر دے اسی طرح اگر خلیفہ نے والی شہر سے کہا کہ کسی کو عہدہ قضا دے دے تو صحیح نہیں ہے اور اگر کہا کہ جس کو تیرا جی چاہے عہدہ قضا دے دے تو صحیح ہے یہ یتیمہ میں ہے شیخ ابو یوسف بن محمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک غاصب نے اپنے فعل سے نادم ہو کر وہ مال اُس کے مالک کو واپس کرنا چاہا مگر مالک کے ہاتھ آنے سے اُس کو یاس ہو گئی پس یہ مال اُس نے فقیروں کو صدقہ کر دیا پس آیا فقیر کو جائز ہے کہ اس مال سے انتفاع حاصل کرے تو

ا جبایہ وہ مال جو ظلمی ٹیکس کے طور پر لیا جائے۔

(۱) بٹائی کا کاشتکار۔ (۲) اس کے ترکہ سے شرط ضمان وصول کیا جائے۔

فرمایا کہ فقیر کو اس کا قبول کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اُس سے انتفاع جائز ہے فقیر پر واجب ہے کہ جس نے اُس کو دیا ہے اُسی کو واپس کر دے مصنفؒ نے فرمایا کہ شیخؒ نے ان کے زجر کے واسطے ایسا جواب فرمایا ہے تا کہ وہ لوگ حقوق العباد میں تساہل نہ کریں ورنہ اگر غاصب نے ایسی راہ اختیار کی کہ مالک کا پتہ ونشان مل جائے پھر اُس کو نہ پایا تو اُس کا حکم مثل حکم لقطہ کے ہوگا۔ پھر شیخ ابو یوسف بن محمدؒ سے کہا گیا کہ جب اس مال سے انتفاع جائز نہ ٹھہرا اور فقیر نے چاہا کہ غاصب کو واپس کر دے مگر اُس نے غاصب کو نہ پایا اور یہ چیز ایسی ہے کہ موسم گرما میں تلف ہو جائے گی اور غاصب کے ملنے تک یا اُس کی طرف رجوع کرنے تک باقی نہیں رہ سکتی ہے تو کیا کرے فرمایا کہ جب تک اُس سے ممکن ہو اپنے پاس رکھے پھر جب اُس کے تلف ہو جانے کا خوف ہو تو فروخت کر کے اُس کا ثمن اپنے پاس رکھے یہاں تک کہ جس نے اُس کو دی تھی اُس کو واپس کرے کذافی تاتارخانیہ۔ (والواجل[1] بدل المغصوب ثم رجع لا يصح رجوعه عند ابي يوسفؒ كذا في الملتقط) قال المترجم هكذا وجدت الا نفاظ لهذه المسئلة في الموجودة ولم يتيسر لي الرجوع الي الصحيحة و ساصححه بعد الطبع انشاء الله تعالي اذا حصلت النسخة الصحيحة بتوفيق الله سبحانه و تعالي۔ ایک شخص مرگیا اور اُس نے اپنا عین و دین لوگوں کے پاس مغصوب چھوڑا اور وارثوں کو اُس میں سے کچھ نہ ملا تو قیاساً اُس کا ثواب آخرت میں وارثوں کو ملے گا کیونکہ یہ مال اس کی میراث میں وارثوں کی ملک میں آیا اور استحساناً یہ مال ڈوبا ہوا قرضہ ہے پھر اگر قبل موت کے ڈوبا ہو تو اُس کا ثواب میت ہی کو ملے گا اس واسطے کہ ڈوبے ہوئے مال میں ارث جاری نہیں ہوتا ہے اور اگر بعد موت کے ڈوبا تو اُس کا ثواب وارث کو ملے گا کیونکہ موت کے وقت اُس کے قیام کی وجہ سے اُس میں میراث جاری ہوگئی یہ فتاویٰ غیاثیہ میں ہے۔

مسئلہ مذکورہ کی ایک صورت جس میں مشائخ نے فرمایا کہ مورث کو قرضدار کے ساتھ آخرت میں حق خصومت نہ رہا ☆

ایک شخص جس پر قرضہ تھا اور وہ اُس کو بھولا ہوا تھا مرگیا کیا قیامت میں اُس سے مواخذہ کیا جائے گا اور اگر قرضہ بجہت تجارت کے ہو تو اُمید ہے کہ اُس سے مواخذہ نہ کیا جائے اور اگر بوجہ غصب کے ہو تو ماخوذ ہوگا یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔ ایک شخص مرگیا اور اُس پر دین تھا جس کو وہ بھولا ہوا تھا اور اُس کا بیٹا اس امر کو جانتا تھا تو بیٹے کو چاہیے کہ اس کو ادا کر دے اور اگر بیٹا بھی بھول گیا حتیٰ کہ وہ بھی مرگیا تو بیٹے سے آخرت میں مواخذہ نہ ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے ایک شخص نے اپنے باپ کی کوئی چیز چرائی پھر باپ مرگیا تو سارق سے آخرت میں مواخذہ نہ ہوگا اس واسطے کی دین یعنی تاوان مال مسروق اُسی کی ملک میں منتقل ہو آیا مگر سرقہ کا گنہگار ہوگا کیونکہ اُس نے مسروق منہ پر جنایت کی ہے یہ فتاویٰ عتابیہ میں ہے ایک شخص کا دوسرے پر قرضہ ہے پس قرض خواہ نے اُس سے تقاضا کیا مگر قرضدار نے ظلم سے اُس کو نہ دیا یہاں تک کہ قرض خواہ مرگیا اور وہ قرضہ منتقل ہو کر وارث کی ملک میں آیا پس مشائخ نے باہم اختلاف کیا ہے اور اکثر مشائخ نے فرمایا ہے کہ مورث کو قرضدار کے ساتھ آخرت میں حق خصومت نہ رہا لیکن مختار یہ ہے کہ قرضہ تو وارث کا ہے مگر مورث کو قرضدار کے ساتھ ظلماً نہ دینے کا حق خصومت[2] ہے مگر قرضہ کا حق خصومت نہیں ہے اس واسطے کہ قرضہ وارث کی طرف منتقل ہوگیا یہ ظہیریہ میں ہے۔ ایک شخص کا دوسرے پر دین تھا اُس کو یہ خبر پہنچی کہ مدیون مرگیا پس اُس نے کہا کہ میں نے اس کو حلت میں کر دیا یا کہا کہ میں نے اُس کو ہبہ کر دیا پھر ظاہر ہو کہ مدیون زندہ ہے تو طالب کو روا نہیں ہے کہ اُس سے مواخذہ کرے اس واسطے کہ اُس نے بلا شرط مدیون کو ہبہ کیا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

---

[1] اسی طرح یہ عبارت نسخہ موجودہ میں پائی گئی اور بعد تصحیح مطبوعہ کلکتہ کے مقدمہ لکھا گیا ہے۔ وہاں نظر کرو شاید مراد یہ کہ اگر مغصوب منہ نے ضمان غصب و عوض سے حلال کر دیا پھر رجوع کیا تو صحیح نہیں ہے فافہم۔ واللہ تعلم اعلم۔ [2] کیونکہ حدیث میں ہے کہ جس کو قدرت ہو پھر وہ قرضہ نہ دے تو ظلم ہے۔

ایک شخص کا کوئی خصم تھا وہ مر گیا اور کوئی وارث نہ چھوڑا تو صاحب حق کی طرف سے جو مر گیا ہے بقدر اُس کے حق کے صدقہ کر دے تا کہ اس قدر مال اللہ تعالیٰ کے پاس ودیعت رہے تا کہ قیامت کے روز اُس کے خصم کو پہنچایا جائے یہ فتاویٰ عتابیہ میں لکھا ہے۔ ایک شخص کا ایک عورت پر حق آتا ہے تو اُس شخص کو اختیار ہے کہ اُس عورت کے ساتھ ملازم رہے اور اُس عورت کے ساتھ بیٹھے اور اُس کا کپڑا پکڑے اس واسطے کہ یہ حرام نہیں ہے اور اگر وہ عورت بھاگ کر کسی مقام تخلیہ میں چلی گئی تو وہاں داخل ہو بشرطیکہ یہ شخص اپنے نفس سے مامون ہو اور بعد مامون ہونے کے بھی باوجود امن کے اس سے دور رہے فقط آنکھ سے حفاظت کرے ایک شخص نے ظلماً دوسرے کا مال قطع کیا تو صاحب مال کو افضل یہ ہے کہ اس کو حلال کر دے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ ایک شخص کا دوسرے پر دین آتا ہے کہ اُس کے بھر پانے کی قدرت نہیں رکھتا ہے تو اُس پر دعویٰ کرنے سے اُس کو بری کر دینا بہتر ہے اس واسطے کہ بری کر دینے میں عذاب آخرت سے چھڑانا ہے اور اُس میں ثواب عظیم ہے یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے مہر کن نے خاتم میں دوسرے شخص کا نام غلطی سے نقش کر دیا پس اگر نقاش سے اُس کی اصلاح ممکن نہ ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ضامن ہوگا اور امام اعظمؒ کے نزدیک ہر حال میں ضامن نہ ہوگا یہ وجیز کردری میں ہے۔ ایک شخص نے دو آدمیوں کو اس واسطے مزدور کیا کہ دونوں متاجر کے واسطے گدھے کا چارہ جمع کریں اور دونوں کو دو گدھے دے پھر ایک زبردست نے دونوں سے دونوں گدھے لے لیے پھر ان دونوں نے جا کر دونوں گدھے اُس سے واپس لیے پھر ایک نے دونوں گدھے دوسرے کو دے دیئے پھر دوسرے نے گدھے کو ہانکا اور وہ مر گیا تو مالک کو اختیار ہے چاہے دوسرے کو دینے والے سے تاوان لے یا گدھا ہانکنے والے سے ضمان لے اس واسطے کہ اوّل نے تو دوسرے کو دینے میں تعدی کی اور دوسرے نے بدون اوّل کے ہانکنے میں تعدی کی یہ جواہر الفتاوی میں ہے۔

شیخؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے دوسرے کا علو وسفل غصب کر لیا پھر علو خراب ہو گیا تو غاصب پر کیا واجب ہوگا تو فرمایا کہ مالک کو اختیار ہوگا چاہے ٹوٹن کو غاصب کے پاس چھوڑ کر اُس سے قیمت کی ضمان لے یا ٹوٹن کو لے کر غاصب سے عمارت مبنیہ کا نقصان لے یہ فتاویٰ ابوالفتح محمد بن محمود بن الحسن الاستروشنی میں ہے۔ ایک شخص نے گوسالہ غصب کر کے اُس کو تلف کر دیا پس اُس کی ماں کا دودھ خشک ہو گیا تو شیخ ابو بکر بلخی نے فرمایا کہ غاصب گوسالہ کی قیمت اور اُس کی ماں کے نقصان کا ضامن ہوگا اس لیے کہ بچہ کا ہلاک اُس کی ماں کے نقصان کا موجب ہوا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کے غلام کو غصب کر کے رسی سے باندھا پھر غلام نے اپنے تئیں قتل کر ڈالا یا اپنی موت سے مر گیا تو غاصب ضامن ہوگا اس واسطے کہ غلام اس کی ضمان میں تھا یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔ ایک شخص نے چند کپڑے فروخت کیے اور اپنے دیوں (یعنی ثمن[1] جا بجا) مشتریوں سے بھر پانے سے پہلے مر گیا اور کوئی ظاہر وارث نہ چھوڑا پس سلطان نے اُس کے قرض داروں سے اُس کے دیوں وصول کر لیے پھر اُس کا وارث ظاہر ہوا تو قرضداروں پر واجب ہوگا کہ اس کے دیون اس کے وارث کو ادا کریں اس واسطے کہ جب وارث ظاہر ہوا تو یہ بات ظاہر ہوئی کہ سلطان کو قرضے لے لینے کا کچھ حق نہ تھا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

تجنیس الملتقط میں ہے کہ اگر میت کی دیوار منہدم ہوئی اور اس کے نیچے سے مال برآمد ہوا پس اُس کو قاضی[2] نے لے لیا پھر ظالموں کو یہ خبر پہنچی اور قاضی نے وہ مال اُن کو دے دیا تو قاضی ضامن ہوگا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک شخص نے ایک نابالغ غلام کو اپنی ضرورت ذاتیہ کے واسطے بدون اجازت مولیٰ غلام کے بھیجا پس اُس غلام نے کچھ لڑکے کھیلتے دیکھ کر اپنے آپ کو اُن تک پہنچایا اور وہاں کسی کی کوٹھری کی چھت پر چڑھا اور وہاں سے گر کر مر گیا تو جس نے اپنی حاجت کے واسطے بھیجا ہے ضامن ہوگا کیوں کہ وہ اُس غلام کو اپنے کام میں لگانے سے غاصب ہو گیا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ شمس الاسلامؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے دوسرے

---

[1] [illegible] [2] [illegible] کہ وارثوں کو تقسیم کرے۔

کے غلام یا باندی کو اپنے کام میں لگایا اور وہ حالت استعمال میں بھاگ گیا تو شیخؒ نے فرمایا کہ وہ شخص ضامن ہوگا بعولہٗ مغصوب کے کہ اگر وہ غاصب کے پاس سے بھاگ گیا تو غاصب ضامن ہے اور اگر ایک شخص نے اپنے اور دوسرے کے درمیان مشترک غلام یا مشترک گدھے کو بدوں اجازت شریک کے استعمال کیا تو حصہ شریک کا غاصب ہوگا اور اجناس ناطفی میں لکھا ہے کہ بدوں اجازت شریک کے غلام مشترک کے استعمال میں دو روایتیں آئی ہیں ہشامؒ کی روایت میں مذکور ہے کہ استعمال کرنے والا غاصب ہوگا اور اُنہی سے روایت ابن رستم میں مذکور ہے کہ غاصب نہ ہو جائے گا اور چوپایہ جانور کی صورت میں خواہ سوار ہوا ہو یا لادا ہو دونوں روایتوں کے موافق غاصب ہو جائے گا۔ ہمارے زمانہ میں بعض شہروں سے استفتا آیا اُس کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص لکڑیاں چیرتا تھا کہ اتنے میں دوسرے شخص کا غلام آیا اور اُس نے کہا کہ کلہاڑی اور لکڑی مجھے دے تاکہ میں چیروں پس لکڑی کا مالک لایا اور غلام نے اُس سے کلہاڑی لی اور لکڑی لی اور کچھ لکڑی چیر دی اور کہا کہ دوسرے لکڑی لاتا کہ اُسے چیروں پس وہ شخص دوسری لکڑی لایا اور غلام نے اُس کو چیرا پس اُس کی لکڑی کی بعضی چھپٹی اُڑ کر غلام کی آنکھ میں لگی اور اُس کی آنکھ جاتی رہی تو مشائخ بخاراؒ نے فتویٰ دیا کہ لکڑی کے مالک پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے۔

ایک جماعت ایک شخص کی بیت میں تھی کہ ان میں سے ایک شخص نے آئینہ اُٹھا کر دیکھا پھر دوسرے کو دے دیا اُس نے بھی دیکھا پھر وہ آئینہ ضائع ہو گیا تو کوئی شخص ضامن نہ ہوگا کیونکہ آئینہ کے مثل چیزوں میں دلالۃً اجازت[1] ثابت ہے حتیٰ کہ اگر کوئی ایسی چیز ہوتی کہ جس کے استعمال میں بخل کی عادت جاری ہے تو غصب قرار دیا جاتا۔ ایک شخص نے بڑھئی کا بسولا اُٹھا لیا اور وہ دیکھتا رہا اور منع نہ کیا پس اُس شخص نے استعمال کیا اور وہ ٹوٹ گیا تو ضامن ہوگا یہ قنیہ میں ہے۔ ایک شخص نے اپنی باندی نخاسی کے پاس بھیجی اور اس کو حکم کیا کہ اس کو فروخت کر دے پھر نخاسی کی جورو نے اس باندی کو اپنے کسی کام کے واسطے بھیجا پھر وہ بھاگ گئی تو مالک باندی کو اختیار ہوگا کہ نخاسی کی جورو سے ضمان لے اور نخاسی سے ضمان نہیں لے سکتا ہے اس واسطے کہ نخاسی اجیر مشترک ہوتا ہے اور اجیر مشترک امام اعظمؒ کے نزدیک ضامن نہیں ٹھہرایا جاتا ہے اور یہی حکم کپڑوں کے دلال میں ہے یہ کبریٰ میں لکھا ہے۔ فتاویٰ ابواللیث میں ہے کہ ایک باندی بدون اجازت اپنے مولیٰ کے نخاسی کے پاس آئی اور اُس سے بیع کی درخواست کی پھر وہ چلی گئی اور معلوم نہ ہوا کہ کہاں چلی گئی اور نخاسی نے کہا کہ میں نے اُس کے مولیٰ کو واپس کر دی تو نخاسی کا قول قبول ہوگا اور اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی اور اس کے معنی یہ ہیں کہ نخاسی نے باندی کو اخذ نہیں کیا اور واپس کر دینے کے یہ معنی ہیں کہ نخاسی نے اُس کو حکم دیا کہ اپنے مولیٰ کے گھر کو واپس جائے اور نخاسی غصب کا منکر تھا اور اگر نخاسی نے باندی کو راستہ سے پکڑ لیا ہو یا اُس کے مولیٰ کے گھر سے بلا اجازت مولیٰ کے اُس کو لے گیا ہو تو اُس کے قول کی تصدیق نہ کی جائے گی یہ محیط میں ہے۔

ایک شخص دوسرے کے جانور چوپایہ پر بدوں مالک کی اجازت کے سوار ہوا پھر اُتر پڑا پس وہ جانور مر گیا تو صحیح یہ ہے کہ یہ شخص امام اعظمؒ کے قول کے موافق ضامن نہ ہوگا تاوقتیکہ اُس جانور کو اُس کی جگہ سے حرکت نہ دے تاکہ حرکت انتقال سے غصب متحقق ہو اور یہی مختار ہے یہ غیاثیہ میں ہے۔ ایک شخص دوسرے کے جانور کی پیٹھ پر بیٹھ گیا مگر جانور کو حرکت نہ دی اور نہ اُس کی جگہ سے اُس کی تحویل کی یہاں تک کہ ایک دوسرے شخص نے آ کر اُس جانور کی کونچیں کاٹ لیں تو تاوان اُسی شخص پر واجب ہوگا جس نے اُس کی کونچیں کاٹی ہیں نہ اُس شخص پر جو اُس پر سوار ہو گیا تھا بشرطیکہ سوار ہونے سے وہ نہ مرا ہو اور اگر سوار ہونے والے نے اُس جانور کی کونچیں کاٹی جانے

[1] اجازت یہ قول یہ مسئلہ دلیل ہے کہ غصب ایسی چیزوں میں اور ایسے مواقع میں ہوا ہے جہاں اجازت کی دلالت موجود نہ ہو اور یہ اصل کبیر ہے جس سے مفتی کو آگاہ ہونا ضروری ہے۔

سے پہلے اُس کو اُس کے مالک کو دینے سے انکار کیا اور روکا ہو مگر اُس کو اُس کی جگہ سے جنبش نہ دی پھر ایک شخص نے آ کر اُس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو جانور کے مالک کو اختیار ہوگا کہ دونوں میں سے جس سے چاہے تاوان لے اور اسی طرح اگر کسی شخص نے دوسرے کے گھر میں جا کر اس کی کوئی متاع لے لی اور انکار کیا اور روکا تو ضامن ہوگا اور اگر متاع کو اپنی جگہ سے تحویل نہ کیا اور نہ روکا ہو تو ضامن نہ ہوگا لیکن اگر اُس کے فعل سے تلف ہو جائے یا گھر سے باہر کر دے تو ضامن ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اگر ایک شخص دوسرے کے دار میں گیا اور اُس کی ایک منزل سے کوئی کپڑا نکال کر دوسرے منزل میں رکھا اور وہاں سے کپڑا ضائع ہو گیا پس اگر دونوں منزلوں میں از راہ حفاظت[1] کے فرق ہو تو ضامن ہوگا ورنہ نہیں یہ کبریٰ میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کو جنگل میں قتل کیا اور مقتول کے ساتھ مال تھا اور وہ ضائع ہوا تو قاتل اس مال کا ضامن ہوگا ایسا ہی عیون میں مذکور ہے اور امام ظہیر الدین مرغینانی علیہ الرحمۃ نے ضامن نہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے اور یہی الیق بقول امام اعظمؒ ہے یہ سراجیہ میں ہے ایک اصطبل دو شخصوں میں مشترک تھا اور دونوں کی اُس میں علیحدہ علیحدہ گائیں تھیں پس ایک شریک اصطبل میں گیا اور دوسرے شریک کی گائے کو باندھ دیا تا کہ وہ اور گائیوں کو نہ مارے پھر اُس گائے نے جنبش کی اور رسّی سے گلا گھٹ کر مر گئی تو باندھنے والے پر ضمان واجب نہ ہوگی بشرطیکہ اُس نے اس گائے کو ایک جگہ سے دوسرے جگہ منتقل نہ کیا ہو یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

سلطان نے اگر کسی شخص کا مال عین لے کر دوسرے کے پاس رہن کیا اور وہ مرتہن کے پاس تلف ہو گیا پس اگر مرتہن رہن کر لینے میں طائع ہو تو ضامن ہوگا اور مالک کو اختیار ہوگا کہ چاہے سلطان سے تاوان لے یا مرتہن سے اور اسی پر مبنی ہے کہ اگر جابی یعنی بیگار نے کوئی چیز رہن لے لی اور وہ طائع تھا تو ضامن ہوگا اور ایسے ہی صراف اگر طائع ہو تو ضامن ہوگا اور اس سے صراف اور جابی دونوں مجروح الشہادۃ ہو جائیں گے یہ محیط میں ہے اگر مہتر محلہ نے کوئی چیز لے لی اور وہ طائع تھا تو ضامن ہوگا۔ پھر اگر اُس نے دوسرے کے پاس رہن دے دی اور مرتہن طائع تھا تو اُس کا حکم وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا یعنی مالک کو دونوں میں سے ہر ایک کی تضمین کا اختیار ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ فتاویٰ سمرقند میں لکھا ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے کے سر سے ٹوپی اُتار کر دوسرے کے سر پر رکھ دی اُس نے پھینک دی پس اگر وہ ٹوپی مالک کے پیش نظر رہی اور اُس سے ٹوپی کا اُٹھالینا ممکن رہا تو اُن دونوں میں سے کسی پر ضمان واجب نہ ہوگی اور اگر اس کے برخلاف ہو تو مالک کو اختیار ہوگا چاہے اُتارنے والے سے تاوان لے یا پھینکنے والے سے ضمان لے یہ ذخیرہ میں ہے ایک شخص نے نماز پڑھنی شروع کی پس اُس کی ٹوپی اُس کے سامنے گر پڑی پس ایک شخص نے اُس کو ایک طرف کر دیا تو اگر اُس نے ایسی جگہ رکھی کہ مالک اس کو ہاتھ سے لے سکتا ہے مگر وہ چوری ہو گئی تو ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ اب بھی وہ سامنے ہی رکھی تھی اور اگر اس سے زیادہ دور رکھی اور وہ ضائع ہو گئی تو اگر وہ ٹوپی مالک کے پیش نظر تھی اور اُس کو وہاں سے اُٹھا لے سکتا تھا تو رکھنے والے پر تاوان واجب نہ ہوگا ورنہ ضامن ہوگا یہ بحرے میں ہے۔ فتاویٰ کی بیوع میں ہے کہ شیخ ابو بکرؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے فقاعی سے ایک کوزہ یا ایک پیالہ فقاع پینے کے واسطے لیا پھر وہ اُس کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا تو فرمایا کہ اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی یہ حاوی میں ہے۔ فتاویٰ اہل سمرقند میں لکھا ہے کہ ایک شخص کمہار کے پاس گیا اور اُس کی اجازت سے ایک مٹی کا برتن دیکھنے کے واسطے لیا پھر وہ برتن اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کمہار کے دوسرے برتنوں پر گرا اور سب برتن ٹوٹ گئے تو جو برتن اُس نے دیکھنے کو لیا تھا اُس کی ضمان واجب نہ ہوگی اور باقی برتنوں کا تاوان واجب ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے۔ ایک شخص حمام میں گیا اور نہانا شروع کیا اور ایک تاش لے کر دوسرے شخص کو دیا وہ دوسرے کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا تو اوّل پر تاوان واجب نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص کسی دکان دار کی دوکان میں اُس کی اجازت سے داخل ہوا اور اُس کے کپڑے میں دوکان کی چیزوں میں سے کوئی چیز چپٹ گئی اور گر کر ٹوٹ گئی تو یہ شخص ضامن نہ ہوگا لیکن تاویل مسئلہ یوں ہے کہ یہ سقوط اس شخص کے فعل و کشش سے نہ ہو۔ اسی طرح اگر کوئی چیز بدون اُس کی اجازت کے دکان کی چیزوں میں سے دیکھنے کو لی اور وہ گر پڑی تو ضامن نہ ہوگا مگر واجب ہے کہ ضامن ہو مگر ہاں

[1] قولہ حفاظت ایک حویلی زیادہ محفوظ ہو بنسبت دوسرے کے۔

صریحاً یا دلالۃً اُس کی اجازت سے لی ہو تو ضامن نہ ہوگا۔ ایک شخص دوسرے کے مکان میں باجازت داخل ہوا اور اُس کے بیت میں سے کوئی برتن دیکھنے کے واسطے لیا اور وہ اُس کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا تو ضامن نہ ہوگا تاوقتیکہ مالک نے اُس کو اس سے منع نہ کیا ہو اس لیے کہ بدون ممانعت کے دلالۃً اس کو اجازت ثابت ہے آیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ اگر اُس نے پانی کا کوزہ پانی پینے کے واسطے لیا اور اس کے پینے کے بعد اُس کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا تو اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی یہ کبریٰ میں ہے۔ منتقیٰ میں ہے کہ ایک شخص کی دوسرے کے پاس ودیعت ہے اور وہ ودیعت کچھ کپڑے تھے پس مستودع نے اس میں ایک اپنا کپڑا رکھ دیا پھر مالک ودیعت نے ودیعت کو طلب کیا اور مستودع نے سب کپڑے اُس کو دے دیئے پھر مستودع کا کپڑا ضائع ہو گیا تو مالک ودیعت اُس کے کپڑے کا ضامن ہوگا اُسی مقام پر شیخ مصنفؒ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے کوئی چیز اس گمان پر لی کہ وہ میری ہے مگر اُس کی نہ تھی تو ضامن ہوگا یہ محیط میں ہے۔

ایک شخص نے دوسرے کو مہمان کیا پھر مہمان اُس کے پاس ایک کپڑا بھول گیا پس میزبان اُس کو لے کر اُس کے پیچھے چلا پس راہ میں ایک غاصب نے اُس کو غصب کر لیا پس اگر غاصب نے شہر کے اندر غصب کیا ہو تو میزبان پر ضمان واجب نہ ہوگی اور اگر شہر کے باہر غصب کیا ہو تو میزبان[1] ضامن ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ ایک شخص دوسرے شخص سے جھگڑا کرنے میں چپٹ گیا پس جس شخص سے لپٹا تھا اُس کی کوئی چیز گر کر ضائع ہو گئی تو مشائخ نے فرمایا چپٹنے والا ضامن ہوگا مصنف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حکم میں تفصیل ہونی چاہئے کہ اگر مالک سے قریب وہ مال گرا اور مالک مال اِس کو دیکھتا ہے اور اُٹھا لے سکتا ہے تو چپٹنے والا ضامن نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

قال المترجم[2]: فان قلت الیس المتعلق امسکه ولا یمهله لیاخذه قلت نعم فهم با مکان الاخذ علی ان المنع منه غیر موجب الغصب کن حال بینه وبین ماشیته حتٰی هلکت حیث لایضمن فتامل و فیه اشارة الی الجواب من المشائخ باخراج الوجه الذی ذکره من المسئلة بدلالة المحال فافهم۔ ایک شخص نے دھوبی کے پاس ایک شخص کو بھیجا تا کہ دھوبی سے اُس کا کپڑا وصول کر لائے پس دھوبی نے غلطی سے اور دوسرا کپڑا دے دیا اور وہ ایلچی کے پاس ضائع ہو گیا پس اگر وہ کپڑا دھوبی کی ملک ہو تو ضامن نہ ہوگا اور اگر غیر کی ملک ہو تو اُس کا مالک مختار ہے چاہے دھوبی سے تاوان لے یا ایلچی سے اور دونوں میں سے جس سے اُس نے تاوان لیا وہ دوسرے سے واپس نہیں لے سکتا ہے یہ وجیز کردری میں ہے شیخ ابوبکرؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے دوسرے کو اپنے مویشی کی طرف چراگاہ بھیجا پھر وہ شخص بھیجنے والے کے چوپایہ پر سوار ہوا اور وہ جانور راہ میں مر گیا تو شیخؒ نے فرمایا کہ اگر دونوں میں ایسا انبساط تھا کہ (۱) حکم دہندہ کے مال میں ایسا کر سکے تو ضامن نہ ہوگا اور اگر ایسا انبساط نہ تھا تو ضامن ہوگا یہ حاوی میں ہے۔

ایک مشک کا دہانہ کھل گیا اور وہاں ایک شخص گذرا پس اگر اُس نے منہ نہیں پکڑا تو ضامن نہ ہوگا ☆

دو اشخاص باہم شریک قتیل تھے ان میں سے ایک شریک نے بدون دوسرے کی اجازت کے اُن کا خاص ذاتی گدھا لے کر اُس کو چکی میں جوت کر آٹا پیسا اور گدھے نے چکی میں سے گیہوں کھائے اور مر گیا تو یہ شخص ضامن نہ ہوگا کیونکہ ایسی صورت میں دلالۃً

---

[1] کیونکہ شہر سے ایسی جگہ نکال لے جانا جہاں کوئی فریاد رس نہ پہنچے کپڑے کا تلف کر دینا شمار ہے۔ [2] مترجم کہتا ہے کہ اگر کہا جائے کہ کیا چپٹنے والا اس کو روکے نہیں ہے اور لینے سے مانع نہیں ہے جواب ہاں لیکن موجود امکان ہے علاوہ بریں روکنا موجب سزا ہے نہ موجب غصب جیسا ایک نے دوسرے کو پکڑ لیا حتیٰ کہ اس کی بکریاں لے گیا تو غاصب نہ ہوگا بلکہ مارا جائے گا اسی سے مشائخ کا قول مسئلہ مذکور میں نکلا ہے فافہم۔

(۱) بلا اجازت صریح۔

اجازت ثابت ہے شیخ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ہم کو ایسا[1] اچھا نہ معلوم ہوا کیونکہ عرف اس کے برخلاف ہے لیکن اس حکم کے بیان سے یہ معلوم ہوا کہ جہاں دلالۃً اجازت پائی جائے اگرچہ صریحاً ثابت نہ ہو وہاں فاعل ضامن نہ ہوگا حتیٰ کہ اگر باپ نے اپنے بیٹے کے گدھے کو اس طرح استعمال کیا یا بالعکس یا شوہر وجورو میں ایک نے دوسرے کے گدھے سے اس طرح کام لیا اور وہ مر گیا تو فاعل ضامن نہ ہوگا کیونکہ دلالۃً اجازت ثابت ہے اور اگر اپنی جورو کی باندی کو بدوں جورو کی اجازت کے اپنے ذاتی کام کے واسطے بھیجا اور وہ باندی بھاگ گئی تو شوہر ضامن نہ ہوگا یہ قنیہ میں ہے۔ ایک مشک کا دہانہ کھل گیا اور وہاں ایک شخص گذرا پس اگر اُس نے منہ نہیں پکڑا تو ضامن نہ ہوگا اور اگر پکڑ کر پھر چھوڑ دیا پس اگر مالک وہاں حاضر ہو تو یہ شخص ضامن نہ ہوگا اور اگر غائب ہو تو ضامن ہوگا اسی طرح اگر کسی شخص کی آستین سے کچھ گرا اور ایک شخص نے اِس کو دیکھا تو بھی اسی تفصیل سے حکم ہے یہ فصول عمادیہ میں ہے ایک شخص کا چوپایہ دوسرے کے گھر میں داخل ہوا اور اُس کو گھر کے مالک نے نکال دیا پس وہ تلف ہو گیا تو مالک ضامن نہ ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے ایک شخص نے دوسرے کے گھر میں اپنا کپڑا رکھ دیا پھر مالک مکان نے اُس کو باہر پھینک دیا حالانکہ کپڑے کا مالک غائب تھا تو مالک مکان ضامن ہوگا یہ حاوی میں لکھا ہے۔

تمت ترجمہ کتاب الغصب من الفتاوی الھندیۃ المعروفت بالفتاوٰی العالمگریۃ بعون اللہ سبحانہ و تعالےٰ و حسن توفیقہ و تیلو ھا ترجمۃ کتاب الشفعۃ انشاء اللہ تعالٰی وارجو اللہ تعالٰی ان یو فقنی توفیقاً و یعیننی عوناً و یحفظنی عن الزلل و یعصمنی من الخطاء والخلل انہ تعالٰی ولیی و حسبی و نعم الو کیل و صلی اللہ علی سید نا سید الاوّلین و الآخر ین مولانا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین والحمد للہ رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ المتوحد بجلال ذاتہ لا کوحدۃ الآ حاد المتفرد بکمال صفاتہ لاکفردیۃ الا فراد لا الہ الا ھو ذرّا ألآ نام بمشیتہ جعل للکائنات بقدرتہ من غیر امر ممتثل ولا فعل مفتعل والصلٰوۃ والسلام علی رسولہ سیّدنا سلطان ذوی الامجاد مولٰنا محمد و آلہ و اصحابہ الی یوم التناد۔ اما بعد بندہ مفتقر الی اللّٰہ الغنی العلی عبدالرزاق محمد المعروف بالامیر علی اظلہ اللّٰہ بظل رحمتہ و تجاوز عن سیئاتہ بفیض مغفرتہ کہتا ہے میں نے بعد اتمام ترجمہ کتاب الغصب کتاب مستغنی عن الا وصاف معروف بفتاویٰ عالمگیریہ کے باستعجال تمام باوجود ہجوم آلام کتاب الشفعہ فتاویٰ موصوف کا ترجمہ شروع کیا عبارت میں سلاست ملحوظ ہے کہ مضمون دقیق بالجملہ سہولت عبارت سے جلد ذہن نشین ہو جائے اور لحن القول وعبارت آرائی سے پرہیز کیا کہ قطع نظر از دائم دیگر مفاد ترجمہ ہاتھ سے نہ کھو جائے اور باقی مدارک متعلقہ ترجمہ مقدمہ میں مصرح ہیں و اسال اللّٰہ عزو جل ان یعصمنی من الزلل و یجتنبنی عن الخطاء والخلل وھو ولیی و حسبی و نعم الو کیل۔

---

[1] قال المترجم شاید یہ مصنف نے تعریض کی کہ شیخ مفتی نے خلاف عرف فتویٰ دیا اور شاید یہ غرض کہ ہمارا عرف اس کے خلاف ہے تو شیخ مفتی کا حکم اپنے عرف پر صحیح ہے اور ہمارے عرف پر ہمارے یہاں حکم ہے کیونکہ عرف ہی پر اس حکم کا مدار ہے اور یہی اوجہ ہے۔

کتاب الشفعة

اس میں سترہ ابواب ہیں

باب اوّل☆

شفعہ کی تفسیر و صفت و حکم کے بیان میں

شرح میں بقعہ خرید شدہ کے مالک[1] ہونے کو بعوض اس قدر ثمن کے جتنے میں مشتری کو پڑا ہے شفعہ کہتے ہیں یہ محیط سرخسی میں ہے شرط شفعہ کے چند انواع ہیں از انجملہ عقد معاوضہ پایا جائے اور عقد معاوضہ بیع ہے یا جو بیع کے معنی میں ہو پس جو بیع یا بیع کے معنی میں نہ ہو اُس میں شفعہ ثابت نہ ہوگا جیسے کہ ہبہ، صدقہ، میراث، وصیت کے ساتھ شفعہ واجب نہیں ہوتا ہے اس واسطے کہ شفعہ سے لینے کے یہ معنی ہیں کہ جس کا ماخوذ منہ[2] مالک ہوا ہے اُس کو ماخوذ منہ سے اپنی ملک میں لینا سو جہاں معنی معاوضہ معدوم ہیں اور شفیع نے لینا چاہا پس یا تو قیمت سے لے گا یا مفت لے گا مگر قیمت سے لینے کی کوئی راہ نہیں ہے اس واسطے کہ ماخوذ منہ بقیمت اُس کا مالک نہیں ہوا ہے اور مفت لینے کی بھی راہ نہیں ہے اس واسطے کہ تبرع پر جبر مشروع (۱) نہیں ہے پس لینا اصلاً ممتنع ٹھہرا اور اگر ہبہ بشرط عوض ہوا اور واہب و موہوب لہ دونوں نے باہم قبضہ کر لیا شفعہ واجب ہو جائے گا اور اگر دونوں میں سے فقط ایک نے قبضہ کیا نہ دوسرے نے تو ہمارے ائمہ رحمہم اللہ کے نزدیک شفعہ متحقق نہ ہوگا اور اگر ایک شخص (۲) نے ایک عقار بدون شرط عوض کے ہبہ کیا پھر موہوب لہ نے واہب کو اُس کے عوض ایک دار دیا تو دونوں میں سے کسی میں شفعہ ثابت نہ ہوگا نہ دار ہبہ میں اور نہ دار عوض میں اور جو دار اور بدل الصلح ہو اس میں شفعہ واجب ہوتا ہے خواہ اس دار پر صلح باقرار ہو یا بانکار ہو یا سکوت اور اسی طرح جس دار سے باقرار صلح کر لی ہو اُس میں بھی شفعہ واجب ہوتا ہے اور اگر بانکار صلح کی ہو تو شفعہ واجب نہ ہوگا مگر شفیع حجت قائم کرنے میں قائم مقام مدعی کے ہو جائے گا پھر اگر شفیع نے اس بات کے گواہ قائم کیے کہ یہ دار مدعی کا ہے یا مدعا علیہ سے قسم لی اور اُس نے قسم سے انکار کیا تو شفیع کو حق شفعہ حاصل ہو جائے گا اور اسی طرح اگر بسکوت صلح کی ہو تو بھی شفعہ واجب نہ ہوگا اس واسطے کہ حکم بدون شرط پائے جانے کے ثابت نہیں ہوتا ہے پس وجود شرط میں شک ہونے کے ساتھ ثابت نہ ہوگا اور اگر بدل الصلح میں منافع ہوں تو جس دار سے صلح کی ہے اُس میں شفعہ ثابت نہ ہوگا خواہ صلح باقرار ہو یا بانکار اور اگر مدعی و مدعا علیہ نے اس قرار داد پر صلح کی کہ مدعی یہ دار متدعویہ لے لے اور مدعا علیہ کو دوسرا دار دے دے پس اگر صلح بانکار ہو تو دونوں میں سے ہر ایک دار میں بقیمت دوسرے کے شفعہ واجب

---

[1] قولہ مالک یعنی جو قطعہ زمین خرید فروخت ہوا ہے وہ جس قدر دام میں مشتری کو پڑا ہے اسی قدر کے عوض لے کے اپنی ملک کر لینا حق شفعہ ہے پھر خرید فروخت سے مراد عقد معاوضہ ہے خواہ بذریعہ بیع حقیقی ہو یا آخر میں حکمی بیع ہو جائے جیسے ہبہ بشرط عوض ہے۔

[2] ماخوذ وہ شخص جس سے شفیع لے خواہ مشتری اوّل ہو یا کوئی ہو۔

(۱) زبردستی مفت دینے کا شرع نے نہیں حکم دیا۔

(۲) قولہ باہم قبضہ یعنی واہب نے عوض اور موہوب لہ نے ہبہ پر قبضہ کر لیا۔ مال غیر منقول مانند دار وغیرہ

ہوگا اور اگر ایسی صلح باقرار ہو تو صلح صحیح نہیں ہے پس دونوں میں سے کسی دار میں شفعہ واجب نہ ہوگا اس لیے دونوں گھر ملک مدعی ہیں از انجملہ مال کا معاوضہ مال سے ہو اور اس شرط سے یہ حکم نکلتا ہے کہ اگر ایسی جنایت سے جو موجب قصاص فیما دون[1] النفس ہے ایک دار پر صلح کی تو شفعہ واجب نہ ہوگا اور اگر ایسی جنایت سے موجب ارش[2] ہے نہ موجب قصاص ایک دار پر صلح کی تو اُس میں حق شفعہ واجب ہوگا اسی طرح اگر غلام کو ایک دار پر آزاد کیا تو شفعہ واجب نہ ہوگا از انجملہ مبیع عقار ہو یا جو عقار کے معنی میں ہے خواہ یہ عقار محتمل قسمت ہو یا نہ ہو جیسے حمام و چکی و کنواں و نہر و چشمہ و چھوٹے چھوٹے دار اور اگر اُس کے سوا دوسری چیز ہوگی تو اُس میں عامہ علماء کے نزدیک حق شفعہ نہ ہوگا اور از انجملہ مبیع سے بائع کی ملک زائل ہو جانا شرط ہے پس اگر زائل نہ ہوئی تو شفعہ واجب نہ ہوگا جیسا کہ بیع (۱) بشرط الخیار للبائع میں ہے حتیٰ کہ اگر بائع نے اپنے خیار کی شرط ساقط کر دی تو شفعہ واجب ہو جائے گا اور اگر بیع میں مشتری کا خیار ہو تو شفعہ واجب ہوگا اور اگر دونوں (۲) کا خیار ہو تو شفعہ واجب نہ ہوگا اور اگر بائع نے شفیع کا خیار شرط کیا تو شفیع کو حق شفعہ نہ ہوگا پس اگر شفیع نے بیع کی اجازت دے دی تو بیع جائز ہوئی اور اُس کا حق شفعہ نہ ہوگا اور اگر فسخ کر دی تو بھی اس کا حق شفعہ نہ ہوگا اور ایسی صورت میں شفیع کے واسطے حیلہ یہ ہے کہ وہ اجازت دے اور نہ فسخ کرے یہاں تک کہ خود بائع اجازت دے یا مدت خیار گذر جانے سے خود بیع تمام ہو جائے پس شفیع کو حق شفعہ حاصل ہوگا و خیار عیب و خیار رویت وجوب حق شفعہ سے مانع نہیں ہے۔ از انجملہ حق بائع زائل ہو جانا شرط ہے پس خرید فاسد میں شفعہ واجب نہ ہوگا اور اگر بطور فاسد خریدے ہوئے عقار کو مشتری نے بطور بیع صحیح فروخت کر دیا پھر شفیع آیا تو اُس کو اختیار ہوگا چاہے بیع کو بیع اوّل پر لے یا بیع ثانی پر پس اگر بیع ثانی پر لینا اختیار کیا تو ثمن کے عوض لے اور اگر بیع اوّل پر لینا اختیار کیا تو مبیع کی قیمت کے عوض لے اور وہ قیمت معتبر ہوگی جو مشتری کے قبضہ کرنے کے روز مبیع کی قیمت تھی اس واسطے کہ بطور بیع فاسد خریدی ہوئی چیز قبضہ سے مثل مغصوب کے مضمون[3] ہوتی ہے اور اسی اصل سے اس صورت میں کہ ایک شخص نے بطور بیع فاسد ایک زمین خرید کر اُس پر عمارت بنائی امام اعظمؒ کا یہ قول نکلتا ہے کہ شفیع کو حق شفعہ حاصل ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک حاصل نہ ہوگا۔ اور از انجملہ یہ ہے کہ جس دار کے ذریعہ سے شفیع حق شفعہ کا خواستگار ہے وہ دار مشفوعہ کی خرید کے وقت شفیع کی ملک ہو پس جس دار میں خواستگار شفعہ با جارہ یا بعاریت رہتا ہے اُس کے ذریعہ سے اُس کو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا اور نہ ایسے دار کے ذریعہ سے جس کو اُس نے مشتری کے دار مشفوعہ خریدنے سے پہلے فروخت کر دیا ہو اور نہ ایسے دار کے ذریعہ سے جس کو اُس نے مسجد کر دیا ہو اور از انجملہ یہ ہے کہ مشتری کے انکار کے وقت شفیع کی ملک ہونا بحجت مطلقہ یعنی بگواہان یا بتصدیق مشتری ظاہر ہونا شرط ہے اور یہ شرط در حقیقت ظہور حق کی شرط ہے نہ ثبوت حق کی پس جب مشتری نے دار مشفوع بہا(۳) کے ملک شفیع ہونے سے انکار کیا تو شفیع کو حق شفعہ میں لینے کا اختیار نہ ہوگا جب تک اس بات کے گواہ قائم نہ کرے کہ یہ دار میری ملک ہے اور یہ قول امام اعظمؒ و امام محمدؒ کا ہے اور دو روایتوں میں سے ایک روایت کے موافق امام ابو یوسفؒ کا ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ دار مشفوعہ وقت بیع کے شفیع کی ملک نہ ہو پس اگر شفیع کی ملک ہوگا تو شفعہ واجب نہ ہوگا اور از انجملہ یہ ہے کہ شفیع کی جانب سے بیع یا حکم بیع کی صریحاً یا دلالۃً رضامندی نہ پائی جائے پس اگر شفیع بیع یا حکم بیع پر صریحاً راضی ہو گیا یا دلالۃً (۴) راضی ہوا مثلاً مالک دار نے اُس کو اس دار کی فروخت کے واسطے وکیل کیا اور اُس نے فروخت کر دیا تو شفیع کو حق

---

[1] فیما دون ...... یعنی قصاص میں کامل جان نہ ماری جائے بلکہ اس سے کم ہو مثلاً کان کے عوض کان کاٹا۔

[2] جرمانہ و دیت کا مال واجب ہوتا ہے۔ [3] اُس کی ضمان میں قیمت واجب ہوتی ہے۔

(۱) یعنی بیع جس میں بائع کے واسطے خیار کی شرط ہو۔ (۲) بائع و مشتری۔

(۳) جس کے ذریعہ سے شفعہ چاہتا ہے۔ (۴) دلالۃً رضامندی پائی جائے۔

مشفعہ حاصل نہ ہوگا اسی طرح اگر مضارب نے مال مضاربت سے ایک دار فروخت کیا اور رب المال ایک دوسرے اپنے ذاتی دار کی وجہ سے اس کا شفیع ہے تو رب المال کو حق شفعہ نہ ملے گا خواہ دار مضاربت میں نفع ہوا ہو یہ نہ ہوا ہو اور شفیع کا مسلمان ہونا وجوب شفعہ کے واسطے شرط نہیں ہے پس ذمیوں میں باہم شفعہ واجب ہوگا اور ذمی کا مسلمان پر حق شفعہ ہوگا اور اسی طرح حریت و ذکورت و عقل و بلوغ و عدالت بھی شرط نہیں ہے پس ماذون اور مکاتب و معتق البعض (جس کا کچھ حصہ آزاد ہو گیا ہو) و عورتوں و لڑکیوں و مجنوں اور اہل[۱] بغی کا حق شفعہ واجب ہوگا لیکن نابالغ کا جو حق واجب ہو یا نابالغ پر واجب ہو اُس میں خصم اُس کا وہ ذی قرار دیا جائے گا جو اُس کے مال میں تصرف کرتا ہے یعنی باپ کا یا باپ وصی یا سگا دادا یا اُس کا وصی یا قاضی یا وصی قاضی کذافی البدائع اور صفت شفعہ یہ ہے کہ حق شفعہ سے لینا بمنزلہ ابتدائی خرید کے ہے پس جو امر مشتری کو بلا شرط حاصل ہو جیسے خیار رویت کی وجہ سے واپس کرنا وہ شفیع کو بھی حاصل ہوگا اور جو بدون شرط کے مشتری کو حاصل نہ ہو وہ بدون شرط کیے شفیع کو بھی حاصل نہ ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

حکم شفعہ کا یہ ہے کہ بسبب شفعہ پائے جانے پر شفعہ طلب کرنا جائز ہے اور بعد طلب کے متاکد ہو جائے گا اور بعد رضائے مشتری یا حکم قاضی کے ملک ثابت ہوگی یہ نہایہ میں ہے ہمارے اصحابؒ نے فرمایا کہ منقولات میں بالذات شفعہ واجب نہیں ہوتا ہے فقط عقار کی تبعیت میں واجب ہو جاتا ہے اور بالذات شفعہ فقط عقارات مثل دار و کرم[۲] وغیرہ اراضی میں واجب ہوتا ہے اور ایسی اراضی میں واجب ہوتا ہے جو ہر طرح مملوک ہو حتیٰ کہ ایسی اراضی جس کو امام المسلمین نے بیت المال کے واسطے رکھا ہو اور لوگوں کو مزارعت پر دیتا ہو پھر ان کاشتکاروں کی اُس میں کردار مثل عمارت و درخت ہو گئی اور مٹی کے پاٹنے ہوئے بھراؤ بشرطیکہ اُنہوں نے ایسی مٹی سے پاٹا ہو جس کو اپنی ملک سے لائے ہوں پھر اگر ایسی اراضی فروخت کی گئی تو اِس کی بیع باطل ہے اور اس کردار کی بیع جائز ہے بشرطیکہ معلوم ہو مگر اُس میں حق شفعہ نہ ہوگا۔ اسی طرح اراضی میان دیہی اگر اُس کو کاشتکار لوگ جوتتے ہوں تو اُس کی بیع بھی جائز نہیں ہے اور خصافؒ کے ادب القاضی کے باب شفعہ میں ہے کہ شفعہ فقط حق الملک (۱) کے ذریعہ سے واجب ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر دار وقف کے پہلو میں کوئی فروخت کیا گیا تو وقف کنندہ کو اُس کا حق شفعہ حاصل نہ ہوگا اور متولی وقف اس کو نہیں لے سکتا ہے اور فتاویٰ (۲) فقیہ ابواللیثؒ میں لکھا ہے کہ اسی طرح اگر یہ دار کسی خاص شخص پر وقف ہو تو اُس شخص کو بھی جس پر وقف ہے اس دار وقف کے سبب سے حق شفعہ حاصل نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔

اگر زمین وقف میں ایک شخص کا گھر ہو تو اُس کو استحقاق شفعہ حاصل نہ ہوگا اور اگر اُس نے خود اپنی عمارت فروخت کی تو اس کے پڑوسی کو بھی حق شفعہ نہ ہوگا یہ سراجیہ میں ہے اور تحریر میں ہے کہ عقار میں سے مثل عقار وقف کے جس کی بیع جائز نہیں ہے اُس میں جو شخص وقف کی بیع[۳] جائز ہونے کا قائل ہے اُس کے نزدیک شفعہ نہیں ہے یہ خلاصہ میں ہے اگر ایک شخص نے ایک دار خریدا اور ہنوز اُس پر قبضہ نہ کیا تھا کہ اُس کے پہلو میں دوسرا دار فروخت کیا گیا تو اس شخص کو حق شفعہ حاصل ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے اور جو دار کسی عورت کا مہر قرار دیا گیا یا آزادی کا عوض قرار دیا گیا اُس میں شفعہ واجب نہیں ہوتا ہے یہ تبیین میں ہے اور اگر کسی شخص نے ایک عورت سے بدون تسمیہ مہر (۳) کے نکاح کیا پھر اُس کے مہر مثل کے عوض اُس کے ہاتھ اپنا ایک دار فروخت کیا تو اس میں شفعہ واجب ہوگا اور اگر عورت سے

---

[۱] جو لوگ امام حق سے بغاوت کیے ہوئے ہوں۔ [۲] کرم باغات انگور جن میں چار دیواری ہو۔

[۳] قولہ بیع یعنی جمہور کے نزدیک وقف کی بیع ہی جائز نہیں اور بعض جن کے نزدیک بیع جائز ہے وہ بھی حق شفعہ نہیں بتلاتے ہیں۔

(۱) حق الواقف وغیرہ سے نہیں مل سکتا ہے۔

(۲) خلاصہ آنکہ وقف کے ذریعہ سے واقف و موقوف علیہ و متولی وقف کسی کو حق شفعہ نہیں پہنچتا ہے۔ (۳) بیان مہر

اسی دار کو مہر ٹھہر کر نکاح کیا یا مہر بیان کر دیا پھر عورت نے اس دار پر مہر کی راہ سے قبضہ کیا تو شفعہ واجب نہ ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور اگر عورت سے مہر بیان کر کے نکاح کیا پھر اُس کے ہاتھ اس مہر کے عوض ایک دار فروخت کیا تو شفیع کو اُس میں حق شفعہ واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی عورت سے بغیر[1] مہر کی شرط پر نکاح کیا پھر قاضی نے اس کے واسطے مہر مقرر کر دیا پھر اس مقررہ مہر کے عوض اُس کے ہاتھ ایک دار فروخت کیا تو بھی اُس میں شفیع کا حق شفعہ واجب ہوگا یہ محیط میں ہے اور اگر کسی عورت سے ایک دار پر اس شرط سے نکاح کیا کہ عورت اُس کو ہزار درہم واپس دے تو امام اعظمؒ کے نزدیک دار کے کسی حصہ میں شفعہ واجب نہ ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک بقدر حصہ ہزار درہم کے شفعہ واجب ہوگا اسی طرح اگر عورت نے شوہر سے ایک دار پر اس شرط سے خلع لیا کہ شوہر اُس کو ہزار درہم واپس دے تو اُس میں ایسا ہی اختلاف ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

شفیع کس صورت میں حق شفعہ کا حقدار نہ ہوگا ☆

اگر قتل عمد سے قاتل نے ایک دار پر اس شرط سے صلح کی کہ ولی مقتول اُس کو ایک ہزار درہم واپس دے تو امام اعظمؒ کے نزدیک دار میں شفعہ نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک شفیع اس دار کے گیارہ جزوں میں سے ایک جزو ہزار درہم میں سے لے سکتا ہے اسی طرح اگر زخمہائے[1] ر دو سر[2] سے جن میں قصاص لازم آتا ہے صلح کی تو بھی اختلاف ہے اور اگر دو موضحہ زخم ہے جن میں ایک عمد اور دوسرا خطاء تھا ایک دار پر صلح کی تو امام اعظمؒ کے نزدیک دار میں شفعہ نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک شفیع نصف دار کو پانچ سو درہم میں لے سکتا ہے اس واسطے کہ موضحہ خطا کا ارش پانچ سو درہم ہے یہ مبسوط میں ہے اگر کسی عورت سے بغیر مہر نکاح کیا اور اُس کے واسطے اپنا دار مہر قرار دیا یا کہا کہ میں نے تجھ سے اس شرط سے صلح کی کہ اپنا یہ دار تیرا مہر قرار دیا یا کہا کہ میں نے تجھے یہ دار مہر میں دیا تو ان صورتوں میں شفیع کے واسطے کچھ حق شفعہ نہ ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اُس کا کچھ مہر بیان نہ کیا پھر اُس کو ایک دار دیا تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر شوہر نے یوں کہا کہ میں نے یہ دار تیرا مہر قرار دیا تو دار میں حق شفعہ نہ ہوگا اور اگر یوں کہا کہ یہ دار بعوض تیرے مہر کے کر دیا تو اس میں شفعہ ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے اگر ایک شخص نے اپنی نابالغہ بیٹی کو ایک دار پر بیاہ دیا پھر اس دار کو شفیع نے شفعہ[2] میں طلب کیا اور باپ نے اُس کے مہر مثل کے عوض ثمن مسمیٰ معلوم پر یا دار کی قیمت پر دے دیا تو یہ بیع ہے اور شفیع کو اس میں حق شفعہ حاصل ہوگا اسی طرح اگر وہ لڑکی بالغہ ہو اور اُس نے خود سپرد کیا تو یہ بیع ہوگی اور شفیع کو اُس میں شفعہ حاصل ہوگا۔ اور اگر کسی شخص کی کفالت بالنفس سے ایک دار پر صلح کی تو اُس میں شفعہ نہ ہوگا خواہ مکفول عنہ کی کفالت بالنفس حق قصاص میں ہو یا حد شرع میں یا مال میں یہ سب صورتیں حکم شفعہ و بطلان صلح میں یکساں ہیں اور اگر مطلوب سے جس قدر مال کا مطالبہ ہے اُس مال کی صلح کی پس اگر یوں کہا کہ میں نے تجھ سے اس شرط پر صلح کی کہ فلاں شخص تمام مال مطلوب سے بری ہوا تو یہ جائز ہے اور شفیع کو اُس میں حق شفعہ حاصل ہوگا اس واسطے کہ مرد اجنبی کا کسی شخص کے قرضہ سے اپنی ملک پر صلح کر دینا مثل صلح قرض دار کے صحیح ہے اور اگر یوں کہا کہ میں نے مدیوں کی طرف سے تیرے قبضہ میں دیا تو صلح باطل ہے یہ مبسوط میں ہے۔

اور جس شخص کا ہبہ کرنا بغیر عوض نہیں جائز ہے جیسے باپ نے پسر صغیر کا مال ہبہ کیا یا مکاتب یا غلام ماذون کا ہبہ کرنا اگر ایسے شخص

---

[1] قولہ زخمہائے دو سر الخ۔ یعنی پر دو سر کے زخموں سے واضح ہو کہ اصل میں شجاج ہے جمع شجہ فقہاء اس کو زخم سر میں غالب رکھتے ہیں پر موضحہ جس میں ہڈی نکل جائے۔ آمہ جو ام الدماغ تک پہنچے۔ [2] قولہ شفعہ میں الخ۔ لیکن یہاں کچھ شفعہ نہیں ہے پھر اگر صغیرہ کے باپ نے اس طالب کے ہاتھ اس طرح فروخت کیا تو یہ مشتری ہوا اب جو کوئی ثالث شفیع ہو وہ شفعہ میں لے سکتا ہے۔

(۱) تیرے واسطے کچھ مہر نہیں۔ (۲) سر دو کے زخمہائے عمد سے۔

نے بعوض ہبہ کیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نہیں صحیح ہے اور شفعہ واجب نہ ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک صحیح ہے اور شفعہ واجب ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر ایک شخص کو ایک دار اس شرط پر ہبہ کیا کہ وہ شخص واہب کو ہزار درہم ہبہ کرے تو جب تک دونوں باہم قبضہ نہ کرلیں تب تک شفیع کو اُس میں [1] حق شفعہ نہ ہوگا اور اگر کہا کہ میں فلاں شخص کے ہاتھ ہزار درہم میں اپنا دار فروخت کرنے کی وصیت کی پھر موصی مر گیا پھر موصی لہ نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو شفیع کو حق نے شفعہ حاصل ہوگا اور اگر وصی سے کہا کہ میں نے یہ وصیت کی کہ میرا دار فلاں شخص کو بعوض ہزار درہم کے ہبہ کیا جائے تو یہ صورت اور موصی کا خود بنفسہ [2] مباشر ہبہ ہونا دونوں حکم میں یکساں ہیں اور اگر دار میں سے ایک نصیب مسمّی بشرط عوض ہبہ کیا اور دونوں نے باہم قبضہ کرلیا تو جائز نہیں ہے اور ہمارے نزدیک اُس میں شفعہ نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر مال عوض قابل قسمت ہو اگر اُس کو غیر منقسم رکھا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر ایک شخص کو ایک دار اس شرط پر ہبہ کیا کہ موہوب لہ واہب کو اپنے دین سے جو اُس کا واہب پر آتا ہے بری کرے اور اس دین کو مسمّی نہ کیا اور موہوب لہ نے قبضہ کرلیا تو شفیع کو دار میں حق شفعہ حاصل ہوگا اسی طرح اگر اُس کو اس شرط سے ہبہ کیا کہ موہوب لہ اس دوسرے دار میں جو کچھ اپنا دعویٰ کرتا ہے اس سے بری کرے اور موہوب لہ نے دار ہبہ پر قبضہ کرلیا تو یہ صورت بھی استحقاق شفعہ میں مثل صورت مذکورہ کے ہے یہ مبسوط میں ہے ایک شخص نے ہزار درہم میں ایک باندی خریدی پھر بائع سے باندی کے عیب سے خواہ بائع کی طرف سے اقرار عیب ہو یا انکار ہو ایک دار پر صلح کی تو اُس میں شفیع کو حق شفعہ حاصل ہوگا یہ جامع کبیر کے باب الشفعہ فی الصلح میں ہے اور [۱] اگر بعد قبضہ کرنے کے بائع کے ساتھ عیب سے ایک دار پر صلح کی تو نقصان عیب میں صلح کنندہ کا قول قبول ہوگا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

اگر زید کا عمرو پر دین ہو اور عمرو اُس کا مقر ہو یا منکر ہو پھر اُس نے اس دین سے ایک دار پر صلح کی یا بعوض اس دین کے عمرو سے ایک دار خرید کر قبضہ کرلیا تو شفیع کو اُس میں حق شفعہ حاصل ہوگا پھر اگر زید نے اور شفیع نے مبلغ دین اور جنس دین میں باہم اختلاف کیا تو یہ بمنزلہ مشتری نہ و شفیع کے ثمن میں اختلاف کرنے کے ہے اور جس شخص پر دین ہے اُس کے قول پر التفات [3] نہ کیا جائے گا یہ مبسوط میں ہے اگر ایک دار مثلاً تین آدمیوں میں مشترک ہو پھر ایک شخص نے آکر اُس دار میں کچھ اپنا دعویٰ کیا پھر شرکاء دار میں سے ایک نے مدعی کے ساتھ کسی قدر مال پر اس شرط سے صلح کر لی کہ حصہ مدعی خاصۃً اس صلح کرنے والے کا ہوگا پھر باقی دونوں شریکوں نے شفعہ طلب کیا پس اگر یہ صلح شرکاء دار کے اقرار کے ساتھ ہو مثلاً شرکاء دار نے دعویٰ مدعی کا اقرار کیا پھر اُس سے فقط ایک شریک نے اس شرط پر صلح کی کہ حصہ مدعی خاصۃً صلح کنندہ کا ہوگا تو باقی شریکوں کو حق شفعہ حاصل ہوگا اور اگر یہ صلح شریکوں کے انکار کے ساتھ ہو تو ان کو شفعہ حاصل نہ ہوگا اور اگر صلح کنندہ دعویٰ تو مدعی کا مقر ہو اور باقی دونوں شریک حق مدعی ہونے سے منکر ہوں تو قاضی شریک صلح کنندہ سے دعویٰ مدعی کے گواہ طلب کرے گا پس اگر اُس نے گواہ قائم کردیئے تو اُس کے گواہ مقبول ہوں گے اس واسطے کہ وہ مشتری ہے کہ اُس نے خرید کردہ چیز میں اپنے بائع کی ملکیت اس غرض سے ثابت کی کہ اُس کی خرید صحیح ہو جائے پھر جب گواہ مقبول ہو گئے تو جو امر ان گواہوں سے ثابت ہوا وہ مثل اُس کے ہے جو اقرار شرکاء سے ثابت ہوا اور جو کچھ اقرار شرکاء سے ثابت ہوتا ہے اُس میں باقی دونوں شریکوں کو حق شفعہ پہنچتا تھا پس ویسا ہی اس طرح ثابت شدہ میں بھی اُن کا حق شفعہ حاصل ہوگا اگر کسی مدعی نے ایک دار میں اپنے حق کا دعویٰ کیا اور مدعا علیہ نے اُس سے ایک دوسرے دار کی سکونت پر صلح کر لی تو جس دار سے صلح کی گئی ہے اُس میں شفیع کو حق شفعہ نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر مدعی نے دین یا ودیعت یا جراحت بخطا [4] کا دعویٰ کیا اور مدعا علیہ نے اس سے ایک دار پر یا دار کی دیوار پر صلح کر لی تو اُس

---

[۱] اس روایت کے ایراد سے یہ غرض ہے کہ شفیع اس دار کو کتنے میں لے سکتا ہے کیونکہ مقدار نقصان کس کے قول سے ثابت ہوگی۔

(۱) دار میں۔ (۲) خود اپنے ہاتھوں ہبہ کرے۔ (۳) ان کے بیان پر مقدار متعین کی جائے گی۔ (۴) غلطی سے زخم پہنچایا۔

میں شفیع کو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا اور اگر سکونت[1] دار سے جس کی اُس کے حق میں وصیت کی گئی تھی یا خدمت غلام سے ایک بیت پر صلح کر لی تو اُس میں شفعہ نہ ہوگا اور اگر مدعی نے مدعا علیہ پر مال کا دعویٰ کیا اور مدعا علیہ نے اُس کے ساتھ اس شرط پر صلح کر لی کہ مدعی میری دیوار پر اپنی دھنیاں رکھ لے یا دھنیاں رکھنے کی جگہ ہمیشہ کے واسطے اُس کی ہو جائے یا کسی قدر مدت معلومہ[(۱)] تک ہو جائے تو قیاساً یہ جائز ہے اس واسطے کہ جس چیز پر صلح واقع ہوئی وہ معلوم ہے خواہ عین ہو یا منفعت ہے لیکن امامؒ نے اس قیاس کو ترک کر کے فرمایا کہ ایسی صلح باطل ہے اور شفیع کو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا اسی طرح اگر اس شرط پر صلح کی کہ مدعی اپنے پانی بہنے کا راستہ میرے دار کی جانب کر دے تو بھی اس دار کے پڑوسی کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اس پانی بہنے کے راستہ کو شفعہ میں لے لے اور اگر دار کے اندر ایک راستہ محدود ومعروف پر صلح کی تو جار ملاصق کو اختیار ہوگا کہ اس کو شفعہ میں لے لے اور دار کے اندر راستہ مثل مسیل[(۲)] آب کے نہیں[2] ہے اس واسطے کہ عین راستہ مملوک ہوتا ہے پس شفیع راستہ میں شریک ہو جائے گا اور دیوار پر دھنیاں وشہتیر رکھنے میں اور مسیل آب میں شریک نہ ہوگا یہ مبسوط میں ہے منتقی میں امام محمدؒ سے املاء میں روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک دار خریدا اور شفیع کے واسطے تین روز کے خیار کی شرط کی تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر شفیع نے یوں کہا کہ میں نے اس شرط پر بیع کی اجازت دی کہ میں اُس کو شفعہ میں لے لوں گا تو اُس کو شفعہ حاصل رہے گا اور اگر شفعہ میں لینے کا ذکر نہ کیا تو اُس کو شفعہ نہ ملے گا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

اگر ایک شخص نے اپنا دار اس شرط سے فروخت کیا کہ میرے واسطے شفیع اُس ثمن کا جو مشتری پر ہوا ہے ضامن ہو اور شفیع حاضر تھا پس اُس نے ضمانت قبول کر لی تو بیع جائز ہو جائے گی اور شفیع کو شفعہ نہ ملے گا اس واسطے کہ شفیع کی طرف سے بیع تمام[3] ہوئی پس اُس کو حق شفعہ نہ رہا۔ اسی طرح اگر مشتری نے اس شرط پر دار خریدا کہ شفیع بائع کی طرف سے ضمان درک کا ضامن ہو اور شفیع حاضر ہے پس اُس نے ضمان قبول کر لی تو بیع جائز ہو جائے گی اور اُس کو شفعہ نہ ملے گا یہ شرح طحاوی میں ہے اور اگر مشتری خیار ابدی شرط کرے تو شفیع کو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا پس اگر مشتری نے اپنا خیار باطل کر دیا اور بیع تمام کر دی اور ہنوز تین روز نہیں گذرے تھے تو شفعہ واجب ہو جائے گا اسی طرح صاحبینؒ کے نزدیک بھی بعد تین روز[(۳)] گذرنے کے یہی حکم ہے یہ مبسوط میں ہے اور اگر مشتری نے اپنے واسطے ایک مہینہ یا اُس کے مشابہ کسی مدت کی شرط کی تو امام اعظمؒ کے نزدیک شفیع کو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا پھر اگر مشتری نے تین روز گذرنے سے پہلے اپنا خیار باطل کر دیا حتیٰ کہ بیع سابق منقلب ہو کر بیع صحیح ہو گئی تو شفیع کا شفعہ واجب ہو جائے گا یہ محیط میں ہے اور فتاویٰ عتابیہ میں ہے اگر کوئی دار تین روز کی خیار کی شرط پر فروخت کیا پھر تین روز اور زیادہ کر دیے اور شفیع وقت بیع کے اُس کا شفعہ طلب کر چکا ہے تو پہلے مدت خیار گذرنے پر شفیع اُس کو لے لے گا اور اگر دو پڑوسیوں میں سے ایک نے اُس کو علی الاصل رد کر دیا تو دوسرا پڑوسی اُس کو لے لے گا یہ تاتارخانیہ میں ہے اگر کوئی دار بعوض ایک غلام معین یا عدد معین کے خریدا اور اس خرید میں دونوں میں سے ایک کے واسطے خیار مشروط ہے پس اگر بائع کے واسطے مشروط ہو تو قبل بیع تمام ہونے کے شفیع کو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا خواہ شرط خیار دار میں ہو یا غلام میں یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک دار بعوض ایک غلام کے خریدا اور مشتری کے واسطے تین روز کے خیار کی شرط کی تو شفیع کو اس میں شفعہ حاصل ہوگا پس اگر شفیع نے مشتری کے قبضہ سے وہ دار لے لیا تو اس کے حق میں بیع واجب ہو گئی پھر اگر مشتری نے بیع کی اجازت دی اور اپنا خیار باطل کر

---

[1] اگر میت نے کسی شخص کے حق میں وصیت کی کہ وہ میرے فلاں دار میں ایک سال تک رہے یا یہ کہ میرا غلام اس کی ایک سال تک خدمت کرے اور وارثوں نے موصی لہ کے ساتھ اس حق کے عوض ایک بیت پر صلح کر لی تو جائز ہے مگر اس میں شفعہ نہ ہوگا لعدم تحقیق معاوضۃ المال بالمال فافہم۔

[2] قولہ نہیں یعنی مسیل اور خاص راستہ کا حکم یکساں نہیں ہے۔ [3] قولہ بیع تمام الخ اصل یہ کہ جس صورت میں مشتری کا خریدنا شفیع کی طرف سے پورا ہو تو گویا شفیع نے شفعہ چھوڑا۔

(۱) سالہائے معلوم۔ (۲) پانی بہنے کی نالی۔ (۳) تین روز گذرے ایسا حکم ہوگا۔

دیا تو وہ غلام بائع کے سپرد ہوگا اور اگر مشتری نے بیع سے انکار کر کے بیع توڑ دی تو اپنا غلام بائع سے لے کر وہ قیمت غلام سے جو اس نے شفیع سے لی ہے بائع کو دے دے گا اور شفیع کا دار کو شفعہ میں لے لینا یہ مشتری کی طرف سے بیع کو اختیار کرنا شمار نہ ہوگا اور نہ غلام میں خیار ساقط کرنا شمار ہوگا بخلاف اس کے اگر مشتری نے خود اس دار کو فروخت کیا تو یہ امر مشتری کی طرف سے بیع کا اختیار کرنا قرار دیا جائے گا اور اگر وہ دار بائع کے قبضہ میں ہو تو شفیع کو اختیار رہوگا کہ بائع سے وہ دار غلام کی قیمت کے عوض لے لے اور وہ غلام مشتری کو سپرد کر دیا جائے گا اور اگر وہ دار مشتری کے قبضہ میں ہو پھر غلام بائع کے پاس مرگیا تو بیع ٹوٹ جائے گی اور مشتری اس دار کو واپس کر دے گا اور شفیع کو اختیار رہوگا کہ بائع سے اس کو بعوض قیمت غلام کے لے لے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر دار فروخت کرنے والے کو خیار حاصل ہو پھر اس دار مبیعہ کے پہلو میں دوسرا دار فروخت کیا گیا تو بائع کو اس میں حق شفعہ حاصل ہوگا پس اگر بائع نے اس کو شفعہ میں لیا تو یہ امر بائع کی طرف سے بیع کا نقض قرار دیا جائے گا یہ محیط میں ہے۔

اگر خیار مشتری کا ہو اور دار مبیعہ کے پہلو میں دوسرا دار فروخت کیا گیا تو مشتری کو اس میں حق شفعہ حاصل ہوگا پھر اگر اس کو شفعہ میں لے لیا تو یہ امر اس کی طرف سے بیع کی اجازت قرار دیا جائے گا پھر اگر شفیع نے آ کر مشتری سے دار اوّل شفعہ میں لیا تو اس کو دوسرے دار کے لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی اس واسطے کہ شفیع کو دار اوّل میں ملکیت ابھی حاصل ہوئی ہے پس اس سے وہ دوسرے دار کا وقت عقد سے پڑوسی نہ ہوگا الا اس صورت میں کہ شفیع کا کوئی دوسرا دار اس دار ثانیہ کے پہلو میں واقع ہو اور دوسرا دار مشتری کے سپرد رہے گا اس واسطے کہ شفیع کا دار اوّل اس کے قبضہ سے لے لینا اس کی ملک فی الاصل ثابت ہونے کے منافی[1] نہیں ہے اسی واسطے شفیع کا عہدہ بیع اسی مشتری پر ہوتا ہے پس جب شفیع نے دار اوّل اس سے لیا تو اس سے مشتری کے حق میں انعدام[2] سبب تملک ثانیہ ظاہر نہ ہوا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر کوئی دار خرید ا اور ابھی اس کو دیکھا نہ تھا پھر اس کے پہلو میں دوسرا دار فروخت کیا گیا اور اس کو شفیع نے شفعہ میں لیا تو روایت صحیحہ کے موافق مشتری کا خیار رویت ساقط نہ ہوگا اس واسطے کہ بحق شفعہ لینے سے دلالۃً رضامندی ثابت ہوتی ہے اور خیار رویت تو صریحاً رضامندی سے ساقط نہیں ہوتا ہے پس دلالۃً رضامندی سے بھی ساقط[3] نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر ایک عقار کے شریکوں نے عقار کو باہم تقسیم کیا تو تقسیم سے ان کے جار کو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا خواہ تقسیم بقضار[(1)] قاضی ہو یا برضاء باہمی ہو یہ نہایہ میں ہے اور خرید فاسد میں حق شفعہ نہیں ہوتا ہے خواہ مبیع ایسی چیز ہو جو قبضہ سے مملوک ہو جاتی ہے یا ایسی نہ ہو اور خواہ مشتری نے مبیع پر قبضہ کر لیا ہو یا نہ کیا ہو اور یہ حکم اس وقت ہے کہ ابتدا سے بیع فاسد قرار پائی ہو اور اگر بطور صحیح منعقد ہونے کے بعد پھر فاسد ہوگئی ہو تو شفیع کا حق اپنے حال پر باقی رہے گا آیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ اگر ایک نصرانی نے دوسرے نصرانی سے ایک دار بعوض شراب کے خرید ا اور ہنوز دونوں نے باہم قبضہ نہ کیا تھا کہ دونوں یا ایک مسلمان ہوگیا یا دار پر قبضہ ہو جانے اور شراب پر قبضہ نہ ہونے کی حالت میں ایسا ہوا تو بیع فاسد ہو جائے گی مگر شفیع کو اختیار ہوگا کہ دوسرے دار کو شفعہ میں لے اگرچہ بیع فاسد ہوگئی۔ اگر مشتری نے بطور فاسد[4] خریدے ہوئے دار کو اپنے قبضہ میں کر لیا حتیٰ کہ اس کا مالک ہوگیا پھر اس دار کے پہلو میں دوسرا دار فروخت کیا گیا تو مشتری کو شفعہ حاصل ہوگا پس اگر اس نے ہنوز دوسرے دار کو شفعہ میں نہ لیا تھا کہ اس کے بائع نے اس دار مبیعہ کو بوجہ فساد بیع کے واپس کر لیا تو مشتری کو دوسرے دار کے لینے کا اختیار نہ رہے گا اور اگر مشتری دوسرے دار کو بحق شفعہ لے چکا ہو پھر اس کے بائع نے اس سے دار مبیعہ بحکم فساد بیع واپس لیا تو بحق شفعہ لینا برقرار رکھا یہ محیط میں ہے۔

---

[1] قولہ منافی الخ بلکہ اصل میں مشتری اس دار کا مالک ہوا تھا پھر شفیع نے اس کی ملک سے لیا ہے۔ [2] قولہ انعدام یعنی یہ لازم نہ آیا کہ مشتری نے دوسرا دار جو شفعہ میں لیا وہ بدون اپنے مملوکہ دار کے شفعہ میں لیا بلکہ اوّل دار کی ملکیت سے اس کو دوسرے دار کا شفعہ ملا ہے۔ [3] قولہ ساقط الخ لیکن اگر دیکھ کر واپس کرے تو دوسرا دار شفعہ بھی نہ ملے گا۔ [4] بطور فاسد الخ شاید مراد یہ کہ بیع صحیح کے بعد فساد آ گیا تھا تو بغیر قبضہ کے شفعہ نہ ہوگا اور اگر قبضہ کر لیا الخ۔

(1) اگر ہنوارہ بمعنی معاوضہ ہے۔

اگر مشتری نے کوئی دار بطور فاسد خریدا اور اس پر ہنوز قبضہ نہ کیا تھا کہ اس کے پہلو میں دوسرا دار فروخت کیا گیا تو بائع کو اختیار ہوگا کہ اس دار کو شفعہ میں لائے اس واسطے کہ دار اول ہنوز اس کی ملک میں ہے پس بائع اپنی ملک کے ساتھ دوسرے دار کا جار ہوگا اگر شفعہ کا حکم ہونے سے پہلے بائع نے وہ دار مشتری کے سپرد کیا تو بائع کا حق شفعہ باطل ہو گیا اور مشتری کو اس میں حق شفعہ حاصل نہ ہوگا اس واسطے کہ دوسرے دار کی بیع ہو جانے کے بعد اس کو جوار حاصل ہوا ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر کسی شخص نے بطور فاسد ایک دار خریدا تو اس میں حق شفعہ نہ ہوگا[1] سو قبضہ سے پہلے اس وجہ سے نہ ہوگا کہ اس میں ملک بائع باقی ہے اور بعد قبضہ کے اس وجہ سے نہ ہوگا کہ فسخ کا احتمال ہے پھر اگر مشتری نے اس میں کچھ عمارت بنائی تو امام اعظمؒ کے نزدیک بائع کا حق استرداد منقطع ہو گیا اور مشتری پر اس دار کی قیمت واجب ہوگی اور شفیع کو حق شفعہ حاصل ہوگا اور صاحبین کے نزدیک بائع کا حق استرداد منقطع نہ ہوگا پس شفیع کا اس میں شفعہ واجب نہ ہوگا اور شفیع کو اختیار حاصل ہوگا کہ مشتری کو حکم کرے کہ اپنی بنائی ہوئی عمارت منہدم کردے اور اگر مشتری نے اس دار کو مسجد بنایا تو بھی ایسا ہی اختلاف[2] ہے اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ بالاجماع حق مالک یعنی حق بائع منقطع ہو جائے گا کذا فی الکافی۔ اگر کسی نے سو قفیز گیہوں کی بیع سلم میں راس المال ایک دار ٹھہرا کر سپرد کر دیا تو شفیع کو شفعہ حاصل ہوگا اور اگر سپرد نہ کیا یہاں تک کہ دونوں جدا ہو گئے تو سلم و شفعہ باطل ہو جائے گا کیونکہ یہ جدائی فسخ ہے اور اگر سپرد کرنے اور جدا ہو جانے کے بعد دونوں نے بیع کو توڑ لیا تو شفیع کو حق شفعہ حاصل ہوگا اس واسطے کہ یہ شفیع کے حق میں فسخ نہیں بلکہ بیع جدید ہے یہ قنیہ میں ہے۔ ایک شخص کے واسطے ایک دار کی وصیت کی گئی اور اس نے یہ نہیں جانا حتیٰ کہ اس دار کے پہلو میں دوسرا دار فروخت کیا گیا پھر موصی لہ نے وصیت قبول کی تو اس کو شفعہ نہ ملے گا اور اگر علم وصیت سے پہلے موصی لہ مر گیا پھر اس دار کے پہلو کا دار فروخت کیا گیا اور وارثوں نے اس کے شفعہ کا دعویٰ کیا تو ان کو شفعہ ملے گا اس لیے کہ موصی لہ کا کرنا بمنزلہ اس کے قبول کرنے کے ہے یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔

اگر اپنے دار کے حاصلات[^1] کی ایک شخص کے واسطے اور اس کے رقبہ کی دوسرے کے واسطے وصیت کی پھر اس کے پہلو میں دوسرا دار فروخت کیا گیا تو اس کا شفعہ اس موصی لہ کو ملے گا جس کے حق میں رقبہ دار کی وصیت[3] تھی یہ سرخسی میں ہے نیچے کا مکان ایک شخص کا اور اس کے اوپر کا بالا خانہ دوسرے کا ہے پس نیچے کے مالک نے سفل کو فروخت کی تو بالا خانے والے کو شفعہ کا استحقاق ہے اور اگر بالا خانہ والے نے بالا خانہ فروخت کیا تو نیچے والے کو اس کا حق شفعہ حاصل ہوگا۔ پھر اس کے بعد جاننا چاہیے کہ اگر بالا خانہ کا راستہ نیچے سے ہو تو حق شفعہ بسبب شرکت راہ کے حاصل ہوگا اور اگر بالا خانہ کا راستہ بڑے کوچہ کی طرف سے ہو تو حق شفعہ بسبب جوار کے ہوگا۔ پھر اگر بالا خانہ والے نے نیچے کا مکان شفعہ میں نہ لیا یہاں تک کہ بالا خانہ گر گیا تو امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا اور امام محمدؒ کے قول پر باطل نہ ہوگا اور اگر بالا خانہ گرے ہوئے کی حالت میں نیچے کا مکان فروخت کیا گیا تو بر قیاس قول امام ابو یوسفؒ بالا خانہ والے کو حق شفعہ نہ ہوگا بنا بر آنکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حق شفعہ بسبب عمارت کے ہوتا ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کو حق شفعہ حاصل ہوگا اس لیے کہ امام محمدؒ کے نزدیک حق شفعہ بسبب حق استقرار[^2] عمارت کے ہوتا ہے نہ بسبب نفس عمارت کے اور بالا خانہ کا حق القرار ہنوز باقی ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر نیچے کا مکان ایک شخص کا اور بالا خانہ دوسرے کا ہو اور اس دار کے پہلو میں دوسرا دار فروخت کیا گیا تو حق شفعہ دونوں کو حاصل ہوگا اور اگر حق شفعہ لینے سے پہلے بالا خانہ اور نیچے کا مکان دونوں منہدم ہو گئے تو

---

[^1]: حاصلات کرایہ وغیرہ۔

[^2]: قولہ حق استقرار یعنی اس کو عمارت برقرار رکھنے کا حق حاصل ہے تو یہی حق شفعہ کا سبب ہے اگرچہ بالفعل عمارت موجود نہ ہو۔

(۱) نہ قبضہ سے پہلے نہ قبضہ کے بعد۔ (۲) امام کے نزدیک حق استرداد منقطع ہوگا اور صاحبین کے نزدیک نہیں۔

(۳) جواب وصیت رقبہ۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اب شفعہ فقط نیچے والے مکان کے مالک کو حاصل ہوگا کیونکہ جس کے ذریعہ سے استحقاق شفعہ ہوتا ہے یعنی زمین وہ قائم ہے اور بالاخانے کے مالک کو شفعہ نہ ملے گا اس وجہ سے کہ جس کے ذریعہ سے استحقاق شفعہ ہوتا ہے یعنی زمین وہ قائم ہے اور بالاخانے کے مالک کو شفعہ نہ ملے گا اس وجہ سے کہ جس کے ذریعہ سے استحقاق شفعہ تھا وہ[1] زائل ہو گئی اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ دونوں کو استحقاق شفعہ حاصل رہے گا اس لیے کہ بالاخانے والے کا حق بھی قائم ہے کیونکہ جب سفل والا نیچے کا مکان بنادے گا تو وہ بھی اپنا بالاخانہ اس پر قائم کرے گا اور اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ خود ہی نیچے کا مکان بنوا کر پھر اس پر بالاخانہ بنوالے اور سفل کے مالک کو اس سفل سے نفع حاصل کرنے سے منع کرے یہاں تک کہ صاحب سفل اس کو اس کا حق[2] دے دے یہ کافی میں ہے۔ دو شخصوں نے ایک دار خریدا حالانکہ ایک ان میں سے اس کا شفیع ہے تو جس قدر حصہ اجنبی کا ہو گیا اس میں شفیع کو حق شفعہ نہ رہا اس واسطے کہ اس اجنبی کی خرید تمام نہ ہوئی جب تک کہ شفیع نے اس کے واسطے بیع قبول نہیں کی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

مقررہ مدت کے لئے مکان کرائے پر دیا لیکن پھر قبل از یں اختتام مدت ہی بیچنے کا خواہش مند ہوا ☆

ایک شخص نے کس قدر مدت معلومہ کے واسطے اپنا دار کرایہ دیا پھر قبل مدت گذرنے کے اس کو فروخت کیا اور مستاجر ہی اس کا شفیع ہے تو یہ بیع حق مستاجر میں موقوف رہے گی کیونکہ اجارہ قائم ہے پس اگر مستاجر نے بیع کی اجازت دے دی تو بیع اس کے حق میں تمام ہو جائے گی اور اس کو حق شفعہ حاصل ہوگا کیونکہ جب شفعہ پایا گیا اور اگر اس نے بیع(1) کی اجازت نہ دی لیکن شفعہ طلب نہ کیا تو اجارہ باطل ہو جائے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر کسی شخص نے بیج بوئی ہوئی زمین خریدی پھر کھیتی اُگی یہاں تک کہ مشتری نے اس کو کاٹ لیا پھر شفیع حاضر ہوا تو زمین کو زمین کا حصہ ثمن لے لے گا پس زمین تخم ریختہ کی قیمت لگائی جائے(2) پس بعوض مقدار حصہ زمین کے لے لے یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر قطع کرنے کے واسطے ایک درخت خریدا تو اس میں شفعہ نہیں ہے اسی طرح اگر اس کو مطلقاً[3] خریدا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر درخت کو مع جڑوں اور موضع زمین بقدر قیام درخت کے خریدا تو اس میں حق شفعہ ہوگا اور اسی طرح اگر کھیتی یا رطبہ کاٹ لینے کے واسطے خریدا تو اس میں شفعہ نہ ہوگا اور اگر مع زمین خریدی ہو تو کل میں استحساناً واجب ہوگا اور قیاساً کھیتی میں شفعہ نہ ہونا چاہیے اور اگر ایک زمین خریدی اور اس میں چھوٹے چھوٹے پودے تھے پس اس نے گوڑا پس ان درختوں میں پھل آئے یا اس میں کھیتی تھی پس وہ تیار ہو گئی تو شفیع کو اختیار ہوگا کہ اس سب کو ثمن مقرر میں لے لے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر کوئی عمارت کھود لینے کے واسطے خریدی تو شفیع کو اس میں حق شفعہ نہ ہوگا اور اگر مع اصل اس کو خریدا ہو تو شفیع کو حق شفعہ حاصل ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے اور اگر عمارت میں سے حصہ بائع خریدا اور وہ نصف ہے تو اس میں شفعہ نہ ہوگا اور یہ بیع فاسد ہوگی۔ اسی طرح اگر پوری عمارت ایک ہی شخص کی ہو مگر اس نے اس میں سے نصف فروخت کی تو بھی یہی حکم ہے یہ مبسوط میں ہے اگر قطع کرنے کے واسطے کوئی درخت خریدا پھر اس کے بعد زمین خریدی اور درخت اس میں لگا رہنے دیا تو شفیع کو درخت میں حق شفعہ حاصل نہ ہوگا اسی طرح اگر پھلوں کو جھاڑ لینے کے واسطے یا عمارت کو گرا لینے کے واسطے خریدا پھر اس کے بعد زمین خریدی تو بھی یہی حکم ہے کہ شفیع کو فقط زمین میں حق شفعہ حاصل ہوگا یہ محیط میں ہے۔

اگر ایک شخص نے ایک بیت اور اس کے اندر کی پن چکی مع اس کے پانی کی نہر و متاع کے خریدا تو شفیع کو بیت میں اور تمام ان آلات پن چکی میں جو پن چکی گھر سے مرکب ہیں حق شفعہ حاصل ہوگا اس واسطے کہ یہ آلات میں چکی گھر کے تابع ہیں اور علیٰ ہذا اگر حمام خریدا تو شفیع کو استحقاق ہوگا کہ حمام کو مع حمام کے آلات مرکبہ کے جیسے دیگیں وغیرہ شفعہ میں لے لے اور مسئلہ اولیٰ میں جو آلات بیت

---

[1] قولہ وہ زائل الخ واضح ہو کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بالفعل موجودہ عمارت دیکھی جاتی ہے جو زائل ہو چکی۔ [2] حق یعنی جو کچھ سفل بنوانے میں اس نے خرچ کیا ہے۔ [3] [illegible] کاٹنے کی یا چھوڑنے کی شرط نہ تھی۔ (1) [illegible] (2) [illegible] قیمت [illegible]

سے فراکل[1] ہیں اور مسئلہ ثانیہ میں جو آلات حمام سے مزائل ہیں نہیں سے لے سکتا ہے لیکن چکی کا اوپر کا پاٹ استحساناً لے سکتا ہے اگر چہ مرکب نہیں ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔ اگر ایک نیستان خرید اجس میں نرکل اور ایسی مچھلیاں تھیں جو بدوں صید کے پکڑی جا سکتی ہیں تو شفیع اس نیستان و نرکل کو شفعہ میں لے سکتا ہے اور مچھلیوں کو نہیں لے سکتا ہے اور اگر کوئی چشمہ یا نہر یا کنواں مع اصل رقبہ کے خرید اتو شفیع کو اس میں حق شفعہ حاصل ہوگا اس طرح اگر چشمہ قیر یا لفظ یا کان نمک ہو تو یہ سب شفعہ میں لے سکتا ہے کیونکہ فی المعنی اتصال پایا جاتا ہے لیکن اگر مشتری ان چیزوں میں سے کسی قدر ان کی جگہ سے اٹھالیا گیا ہو تو جس قدر لے گیا ہے اس کو نہیں لے سکتا ہے یہ مبسوط میں ہے۔ تفرید میں لکھا ہے کہ شفیع کو اختیار ہوگا کہ جو عمارت میں داخل ہو جاتی ہے اور پاکخانہ اور ہر شے شفعہ میں لے لے رہا ظلہ سوا گر دار میں در آیا ہو تو صاحبین کے نزدیک داخل ہوگا اور امام اعظمؒ کے نزدیک تفصیل ہے کہ اگر مشتری نے وقت خرید کے یہ کہا کہ مع ہر حق کے جو اس دار کے واسطے ہے تو داخل ہوگا ورنہ نہیں اور درخت اور پھل اور کھیتی بدوں شرط کے داخل نہیں ہوتی اور قیاس یہ چاہتا ہے کہ پھل بدون ذکر کے داخل ہو جائیں یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

ایک شخص نے باغ[2] انگور خرید ا اور اس کا ایک شفیع غائب ہے پھر درختوں میں پھل آئے پھر مشتری نے ان کو کھالیا پھر شفیع غائب آیا اور اس نے اس باغ کو شفعہ میں لیا پس اگر وہ درخت وقت قبضہ مشتری کے فقط پھول دار ہوں کہ ہنوز پھل نمودنہ ہوئے ہوں تو شفیع کے حق میں ثمن میں سے کچھ ساقط نہ ہوگا اور اگر وقت قبضہ مشتری کے پھل نمودنہ ہوئے ہوں تو بقدر ان کے ثمن میں سے ساقط[3] کیا جائے گا اور ان کی اس روز کی قیمت معتبر ہوگی جس روز مشتری نے باغ مذکور پر قبضہ کیا کذا فی الذخیرہ۔ اگر خریدی ہوئی زمین میں کھیتی ہو کہ جس کی ہنوز کچھ قیمت نہ ہو پھر وہ کھیتی تیار ہوئی اور مشتری نے اس کو کاٹ لیا پھر شفیع نے آ کر زمین کو شفعہ میں لے لیا تو ثمن میں سے کچھ ساقط نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ مکاتب نے اگر کوئی دار خرید ایا فروخت کیا اور اس کا مولی اس دار کا شفیع ہے تو اس کو بحق لینے کا اختیار ہوگا خواہ یہ مکاتب قرض دار ہو یا نہ ہو کذا فی البدائع اور اگر مولی نے اپنا دار فروخت کیا اور مکاتب اس کا شفیع ہے تو اس کو حق شفعہ حاصل ہوگا کذا فی التاتارخانیہ۔

باب دوئم:

مراتب شفعہ کے بیان میں

اگر چند شفعہ جمع ہو جائیں تو ان میں ترتیب کا لحاظ کیا جائے گا پس شریک کو خلیط پر اور خلیط کو جار پر مقدم کریں گے پس اگر شریک نے اپنا حق شفعہ مشتری کو دے دیا تو خلیط کا حق شفعہ واجب ہوگا اور اگر دو خلیط ہوں تو تقدیم یوں ہوگی کہ پہلے اخص ہوگا پھر اعم۔ اگر خلیط نے بھی اپنا حق شفعہ دے دیا تو جار کا حق شفعہ واجب ہوگا اور یہ جواب موافق ظاہر الروایۃ کے ہے اور یہی صحیح ہے اس واسطے کہ ہر ایک ان تینوں امور میں[4] سے استحقاق شفعہ کے واسطے صالح[ع] ہے لیکن بعض ان میں سے بنسبت بعض کے قوی التاثیر ہے پس وہ مقدم رکھا جائے گا پس جب شریک نے اپنا شفعہ دے دیا تو اس کی شراکت نابود سمجھی جائے گی اور ایسی قرار دی جائے گی کہ گویا نہ تھی پھر باقی میں ترتیب کا لحاظ کیا جائے گا جیسے ابتداءً فقط خلط و جوار جمع ہونے میں لحاظ ہوتا ہے اور اس کا بیان یہ ہے کہ ایک کوچہ غیر نافذہ میں ایک

ل قولہ ظلہ الخ عینیؒ نے لکھا ہے کہ فقہاء ظلہ سے وہ چھجا مراد لیتے ہیں جو چوکھٹ پر ہوتا ہے اور مترجم نے مقدمہ میں واضح بیان کر دیا ہے۔ ع سبب صالح یعنی سبب شفعہ ہونے کے واسطے لائق ہے۔

(۱) زمین مع کھیتی و رطبہ۔ (۲) جس میں چار دیواری ہوتی ہے۔ (۳) ان کی قیمت سے۔ (۴) یعنی شراکت و خلط و جوار۔

دار دو شخصوں میں مشترک واقع ہے جس کا راستہ اسی کوچہ غیر نافذہ میں سے ہے پس دونوں شریکوں میں سے ایک نے اپنا حصہ فروخت کیا تو حق شفعہ اس کے شریک کو حاصل[1] ہوگا پس اگر اس نے اپنا حق شفعہ دے دیا تو حق شفعہ تمام اہل کوچہ کو حاصل ہوگا اور اس استحقاق میں ملاصق و غیر ملاصق سب برابر ہوں گے اس لیے کہ وے سب راستہ میں خلیط ہیں پھر اگر ان سب نے اپنا حق شفعہ دے دیا تو حق شفعہ جار ملاصق کو ملے گا اور اگر اس کوچہ میں سے ایک دوسرا کوچہ غیر نافذہ چھوٹا ہو اور اس میں کوئی دار فروخت کیا گیا تو فقط خاصۃً اسی کوچہ والے لوگوں کو حق شفعہ حاصل ہوگا اس واسطے کہ اس کوچہ والوں کی خلطت بہ نسبت کوچہ علیا یعنی اگلے کوچہ والوں کے اخص ہے اور اگر اگلے کوچہ کا ایک دار فروخت کیا گیا تو اس کا حق شفعہ اگلے اور پچھلے دونوں کوچہ والوں کو حاصل ہوگا اس واسطے کہ اگلے کوچہ میں ان سب کی خلطت برابر ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اہل درب (درب والے) بوجہ راستہ کے مستحق شفعہ ہوتے ہیں بشرطیکہ راستہ ان کی ملک ہو یا فناء غیر مملوکہ ہو اور اگر کوچہ نافذہ[ا] کے اندر کوئی دار فروخت کیا گیا تو سوائے جار ملاصق کے کسی کو حق شفعہ نہ ملے گا اسی طرح اگر دو دار ہوں کہ ان کے درمیان راستہ نافذ غیر مملوک ہو اور ان میں سے ایک فروخت کیا گیا تو سوائے اس کے جار ملاصق کے کسی کو شفعہ نہ ملے گا اور اگر یہ راستہ مملوک ہو تو غیر نافذ کے حکم میں ہوگا۔

طریق نافذ جس کی وجہ سے استحقاق شفعہ نہیں ہوتا ہے وہ راستہ کہلاتا ہے۔ جس کو اس راستہ والے بند نہ کر سکیں اور اسی بنا پر نکلتا ہے کہ اگر چھوٹی نہر ہو کہ اس سے اراضی معدودہ یا کردم[2] معدودہ سینچے جاتے ہیں پھر ان معدودہ میں سے کوئی زمین یا باغ انگور فروخت کیا گیا تو سب شریک شفیع ہوں گے ملاصق و غیر ملاصق دونوں برابر ہوں گے اور اگر نہر کبیر ہو تو شفعہ فقط جار ملاصق کو ملے گا اور چھوٹی و بڑی نہر کی تعریف میں اختلاف ہے امام اعظمؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر اس میں کشتی چلتی ہو تو بڑی ہے کذا فی البدائع اور شیخ امام عبدالواحد شیبانی نے فرمایا کہ کشتی سے اس مقام پر شاریات جو چھوٹی چھوٹی کشتیاں ہوتی ہیں مراد رکھی ہیں یہ ذخیرہ میں ہے اور اگر اس نہر سے ایک دوسری نہر کاٹی گئی کہ چند اراضی و بساتین و کردم کو پہنچتی ہے پھر ایک زمین یا باغ جس کا پانی اسی نہر سے ہے فروخت کی گئی تو اس نہر سے سینچے والے بہ نسبت نہر کبیر والوں کے اس مبیع کے شفعہ کے احق ہوں گے[3] اور اگر نہر کبیر کی اراضی میں سے کوئی زمین[4] فروخت کی گئی تو چھوٹی نہر[5] والے اور بڑی نہر والے حق شفعہ میں برابر ہوں گے کیونکہ ان کا حق شرب یکساں ہے یہ بدائع میں ہے۔

اگر طریق اعظم سے ایک فناء واسع منفرج[ب] ہو یا زقاق یا درب غیر نافذ اور اس کے اندر چند دار ہوں اور ان میں سے ایک دار فروخت کیا گیا تو ان گھروں کے مالک سب شفیع ہوں گے امام زاہد شیخ عبدالواحد شیبانی نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ یہ فناء مربع ہو اور اگر مدور ہوگی تو حق شفعہ جار ملاصق کو ملے گا یہ ظہیریہ میں ہے۔ ایک کوچہ غیر نافذہ میں ایک دار واقع ہے اس کے اندر ایک بیت ہے اور وہ بیت دو آدمیوں کا ہے اور دار میں ایک قوم شریک ہے پھر بیت میں سے ایک شریک نے اپنا حصہ فروخت کیا تو پہلے حق شفعہ شریک کو ملے گا اگر اس نے دے دیا تو پھر شرکاء دار کو ملے گا پس اگر انہوں نے دے دیا تو سب اہل کوچہ کو ملے گا اور حق شفعہ میں یہ سب لوگ برابر ہوں گے پھر اگر اہل کوچہ نے بھی دے دیا تو جار ملاصق کو ملے گا اور جار ملاصق وہ شخص جو اس دار کی پشت پر رہتا ہے اور اس کے دار کا دروازہ دوسرے کوچہ کی طرف ہے امام خصافؒ کے ادب القاضی کے باب شفعہ کی شرح میں لکھا ہے کہ پھر اگر اس دار کے ملاصق جس

ا قولہ نافذہ اس واسطے کہ جب عام راستہ ہے تو اس خاص کوچہ والے خصوصیت نہیں رکھتے ہیں مگر آنکہ یہ راستہ انہی کی ملکیت ہو کہ جب چاہیں اس کو بند کر دیں۔ جیسے غیر نافذہ ہوتا ہے۔

ب قولہ منفرج یعنی عام سڑک سے ایک میدان چھوٹ گیا ہو جیسے جنگل زاویہ منفرجہ ہے جیسے یا عارہ زقاق تنگ ہے یا ادھر سے دریہ☆ کٹ گیا ہے۔

(۱) سب سے پہلے۔ (۲) باغہائے انگور چار دیواری دار۔ (۳) انہی کو حق شفعہ ملے گا نہ نہر کبیر والوں کو۔

(۴) زمین یا بستان یا تاک۔ (۵) جو کاٹ کر آئی ہے۔

☆ دریہ: وہ آبادی جن کے درمیان صحن ہو اور گرد و پیش مکانات مملوکہ واقع ہوں۔

میں یہ بیت مبیعہ واقع ہے کئی آدمی ہوں تو جو جار ملاصق اس بیت مبیعہ کا ہے وہ اور جو انتہائے[1] دار سے ملاصق ہے نہ اس بیت سے دونوں حق شفعہ میں یکساں ہوں گے یہ محیط میں ہے۔

ایک دار دو شریکوں میں مشترک ایک کوچہ غیر نافذہ میں واقع ہے ان میں سے ایک شریک نے اپنا حصہ دار کسی شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا تو شفعہ پہلے شریک دار کو ملے گا پس اگر اس نے حق شفعہ مشتری کو دے دیا تو اس شخص کو ملے گا جو اپنے دار اور اس دار کی درمیانی دیوار میں شریک ہے پس اگر اس نے بھی دے دیا تو اہل کوچہ کو ملے گا اور سب کوچہ والے اس حق شفعہ میں برابر ہوں گے پس اگر انہوں نے بھی دے دیا تو اس جار[(۱)] کو ملے گا جس کے دار کی طرف اس دار کی پشت ہے اور اس کے دار کا دروازہ دوسرے کوچے میں ہے اور امام خصافؒ کے ادب القاضی میں لکھا ہے کہ پھر واضح ہو کہ جو جار راستہ کے شریک سے مؤخر ہے وہ ایسا جار ہے جو دونوں داروں کی درمیانی دیوار مشترک کے نیچے کی زمین میں شریک نہ ہو اور اگر شریک ہوگا تو وہ مؤخر نہ ہوگا بلکہ استحقاق شفعہ میں مقدم ہوگا اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک زمین دو آدمیوں میں مشترک ہو اور مقسوم نہ ہو اس میں ان دونوں نے بیچ میں ایک دیوار بنائی پھر باقی زمین کو باہم تقسیم کر لیا پس دیوار اور جو زمین میں دیوار کے نیچے رہی وہ دونوں میں مشترک ہوگی پس ایسا جار بعض مبیع میں شریک ٹھہرا اور اگر ان دونوں نے تمام زمین کو باہم تقسیم کر کے اس کے درمیان میں ایک خط کر دیا پھر دونوں میں سے ہر ایک نے کچھ کچھ مال دے کر دیوار بنائی تو دونوں میں سے ہر ایک زمین کے لحاظ سے دوسرے کا فقط پڑوسی ہوگا اور عمارت میں شریک ہوگا اور عمارت کی شرکت موجب شفعہ نہیں ہوتی ہے اور امام قدوریؒ نے ذکر کیا کہ جو شخص دیوار کے نیچے کی زمین میں شریک ہے وہ امام محمدؒ کے نزدیک اور دو روایتوں میں سے ایک روایت موافق امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بحکم شرکت تمام مبیع میں مستحق شفعہ ہوتا ہے پس اس پڑوسی سے جس کا پڑوس تمام مبیع سے ملاصق ہے مقدم ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے اور امام کرخیؒ نے فرمایا کہ امام ابو یوسفؒ سے جو روایتیں آئی ہیں ان میں سے اصح روایت یہ ہے کہ جو شخص دیوار میں شریک ہے وہ باقی دار کے حق شفعہ میں بنسبت جار کے اولیٰ و مقدم ہے اور فرمایا کہ امام محمدؒ سے ایسے چند مسائل مروی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جو شخص دیوار میں شریک ہے وہ اولیٰ و اقدم ہے چنانچہ امام محمدؒ نے فرمایا کہ ایک دیوار دو شخصوں کے درمیان میں ہے کہ ہر ایک کی اس پر لکڑیاں رکھی ہوئی ہیں اور دیوار کا دونوں میں مشترک ہونا فقط اس وجہ سے ثابت و معلوم ہوتا ہے کہ اس پر دونوں کی لکڑیاں رکھی ہیں پھر ان دونوں داروں میں سے ایک فروخت کیا گیا تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر دوسرے کے مالک نے اس امر کے گواہ قائم کیے کہ یہ دیوار ہم دونوں میں مشترک ہے تو وہ بنسبت پڑوسی کے شفعہ کا احق ہوگا اس لیے کہ وہ شریک ہے اور اگر اس نے گواہ قائم کیے تو میں اس کو شریک نہ ٹھہراؤں گا اور امام محمدؒ کا یہ قول کہ وہ بہ نسبت پڑوسی کے شفعہ کا احق ہوگا یعنی تمام دار کا حقدار ہوگا نہ فقط اس دیوار مشترک کا اور یہی معنی مقتضائے ظاہر اطلاق ہے یہ بدائع میں ہے۔

امام محمدؒ نے فرمایا کہ جہاں شریک نے اپنا حق شفعہ مشتری کو دے دیا تو جار کے واسطے جبھی حق شفعہ ثابت ہوگا کہ جب جار نے بیع کی خبر سنتے ہی شفعہ طلب کیا ہو اور اگر نہ طلب کیا ہو تو اس کو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ ایک دار کبیر میں چند مقصورات ہیں پس مالک دار نے ان میں سے ایک مقصورہ یا قطعہ معلومہ یا بیت فروخت کیا تو اس کے پڑوسی کو اس مبیع میں حق شفعہ حاصل ہوگا چاہے دار کے کسی جانب کا پڑوسی ہو اس لیے کہ یہ مبیع تمام دار میں سے ہے اور شفیع اس دار کا جار ہے پس اس مبیع کا بھی جار ہوا اور اگر اس نے مشتری کو حق شفعہ دے دیا پھر مشتری نے یہ مقصورہ یا قطعہ مبیعہ فروخت کیا تو اب اس جار کو شفعہ نہ ملے گا بلکہ اس شخص کو ملے گا جو اس مقصورہ یا قطعہ مبیعہ کا جار ہے اس واسطے کہ مبیع مشتری کی ملک میں ایک علیحدہ مقصود چیز ہو گئی پس منجملہ دار ہونے سے خارج ہو گئی ہے یہ محیط سرخسی

[1] انتہائے دار یعنی یہ بیت جس دار کے اندر واقع ہے اس دار کے آخر پر جو ملاصق ہے اور جو اس بیت سے ملاصق ہے دونوں برابر ہیں۔ (۱) پڑوسی۔

میں ہے۔ایک مکان میں سے نیچے کا مکان دو شخصوں میں مشترک ہے[1] اوراس کا بالا خانہ زید و خالد دو شخصوں میں مشترک ہے پس زید نے جو نیچے اوپر دونوں میں شریک ہے اپنا حصہ فروخت کیا تو نیچے کے مکان میں جو شخص اس کے ساتھ شریک ہے اس کو اس کے نیچے کے حصہ میں حق شفعہ حاصل ہوگا اور بالا خانہ میں جو شخص شریک ہے اس کو حصہ بالا خانہ میں حق شفعہ ہوگا اور نیچے کے مکان میں جو شخص شریک ہے اس کو بائع کے حصہ بالا خانہ میں حق شفعہ نہ[ا] ہوگا اور جو بالا خانہ میں شریک ہے اس کو نیچے کے مکان کے حصہ بائع میں حق شفعہ نہ ہوگا اس واسطے کہ نیچے کے مکان کا شریک بالا خانہ کا جار ہے یا حقوق بالا خانہ میں شریک ہے اگر بالا خانہ کا راستہ نیچے کے مکان میں سے ہو اور بالا خانہ کا شریک نیچے کے مکان کا جار ہے یا حقوق کا شریک ہے اور اگر بالا خانہ کا راستہ اس دار میں سے ہو پس جو شخص عین بقعہ میں شریک ہے وہ حق شفعہ کے واسطے اولیٰ واقدم ہے اگر ایک دار پر ایک شخص کا بالا خانہ ہو اور بالا خانہ کا راستہ اس دار میں سے ہو اور باقی دار دوسرے شخص کا ہو پھر بالا خانہ کے مالک نے بالا خانہ مع اس کے راستہ کے فروخت کیا تو استحساناً حق شفعہ نیچے کے مکان کے مالک کو حاصل ہوگا اور اگر اس بالا خانہ کا راستہ دوسرے شخص کے دار میں سے ہو اور بالا خانہ فروخت کیا گیا تو جس کے دار میں علو کا راستہ ہے وہ بنسبت اس کے جس کے دار پر بالا خانہ ہے حق شفعہ کا مستحق ہوگا پھر اگر صاحب الطریق نے اپنا حق شفعہ مشتری کو دے دیا پس اگر بالا خانہ کا کوئی جار ملازق نہ ہو تو بسبب شفعہ جوار کے اس کو حق شفعہ ملے گا جس کے دار پر بالا خانہ ہے اور اگر بالا خانہ کا جار ملازق موجود ہو تو وہ شخص مع اس شخص کے جس کے دار پر بالا خانہ واقع ہے دونوں حق شفعہ میں لے سکتے ہیں اس واسطے کہ دونوں جار ہیں۔اگر بالا خانہ کا جار اس کے ملازق نہ ہو بلکہ بالا خانہ اور اس کے مسکن کے درمیان دار کا کوئی ٹکڑا واقع ہو تو اس جار کو حق شفعہ نہ ملے گا اور اگر نیچے کے مکان کے مالک نے نیچے کا مکان فروخت کیا تو بالا خانہ والا اس کا شفیع ہوگا اور اگر وہ دار فروخت کیا گیا جس میں علو کا راستہ ہے تو بالا خانہ والا بنسبت جار کے مستحق شفعہ ہوگا یہ بدائع میں ہے۔

حق شفعہ کی بابت کچھ باریک مسائل ☆

ایک دار زید و عمرو کے درمیان مشترک ہے اور اس دار میں ایک دیوار زید و خالد کے درمیان مشترک ہے پس زید نے اپنا حصہ دار و دیوار فروخت کیا تو جو شخص دار میں شریک ہے وہ بہ نسبت شریک دیوار کے حق شفعہ دار کا مستحق ہوگا اور جو دیوار میں شریک ہے وہ دیوار کی شفعہ میں زیادہ مستحق ہے اور باقی دار کا جار ہے اسی طرح اگر ایک دار دو شخصوں میں مشترک ہو اور اس میں ایک کنواں ایک شریک اور کسی دوسرے کے درمیان مشترک ہو پس دار و کنوئیں کے حصہ دار نے اپنا کنوئیں و دار کا حصہ فروخت کیا تو دار کا شریک حصہ دار کے حق شفعہ کا مستحق ہے اور کنوئیں کا شریک حصہ جار کے حق شفعہ کا مستحق ہے اور باقی دار کے حصہ کا جار ہے یہ نہایہ میں ہے۔ایک دار میں تین شخص برابر شریک ہیں سوائے موضع چاہ یا طریق کے پس جو شخص تمام میں شریک ہے اس نے تمام دار میں سے اپنا حصہ فروخت کیا تو جو شریک ایسا ہے کہ اس کا تمام دار میں حصہ ہے بنسبت اس شریک کے جس کا بعض دار میں حصہ ہے حق شفعہ کا زیادہ مستحق ہے اس واسطے کہ اس کی شرکت اعم ہے اور جو اقویٰ ہے وہی استحقاق شفعہ میں مقدم ہوگا۔یہ مبسوط میں ہے۔صاحب الطریق بہ نسبت صاحب مسیل الماء کے حق شفعہ میں اولیٰ ہے بشرطیکہ رقبہ مسیل الماء اس کی ملک نہ ہو اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک دار فروخت کیا گیا اور اس میں ایک شخص کا راستہ ہے اور دوسرے کا پانی بہنے کا استحقاق ہے تو صاحب الطریق بہ نسبت صاحب مسیل الماء کے استحقاق شفعہ میں اولیٰ ہے یہ محیط میں ہے۔ایک دار میں تین بیت ہیں اس طرح کہ مقدم دار میں ایک بیت ہے پھر دوسرا اس کے پہلو میں پھر تیسرا دوسرے کے پہلو میں اور ہر بیت کا ایک ہی ایک شخص مالک ہے پھر ان مالکوں میں سے ایک نے اپنا بیت فروخت کیا پس اگر ان بیوت کا راستہ دار میں ہو تو باقی

[ا] قولہ نہ ہوگا یعنی اس صورت میں شریک بالا خانہ مقدم ہے حتیٰ کہ اگر وہ شفعہ دے دے تو پھر جار کا حق ہے۔ (1) مثلاً زید و عمرو۔

دونوں آدمیوں کو راستہ کی شرکت کی وجہ سے حق شفعہ حاصل ہوگا اور اگر ان بیوت کے دروازہ دار میں نہ ہوں ایک کوچہ نافذہ میں ہوں پس اگر درمیانی بیت بیچا گیا تو حق شفعہ اوّل و آخر کو ملے گا اور اگر اوّل بیچا گیا تو حق شفعہ درمیانی بیت والے کو ملے گا اور اگر آخر والا بیچا گیا تو حق شفعہ فقط درمیانی بیت کے مالک کو ملے گا۔ ایک دار میں تین بیت ایک دوسرے پر واقع ہیں اور ہر ایک کا ایک ایک شخص مالک ہے پھر ایک نے اپنا بیت فروخت کیا تو باقی دونوں اس کی شفعہ میں شریک ہوں گے بشرطیکہ سب بیوت کا راستہ اس دار میں ہو اور اگر بیوت کے دروازے کوچہ میں ہوں پس اگر بیچ والے نے فروخت کیا تو اعلیٰ و اسفل کو استحقاق شفعہ ہوگا اور اگر اعلیٰ نے فروخت کیا تو درمیانی کو اور اگر اسفل نے فروخت کیا تو بھی درمیانی کو حق شفعہ حاصل ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

ایک دار میں تین بیت ہیں اور باقی میدان ہے اور میدان تین آدمیوں میں مشترک ہے اور بیوت ان میں سے دو شخصوں میں مشترک ہیں پس ہر دو مالکان بیوت میں سے ایک نے اپنا حصہ بیوت و میدان اس شخص کے ہاتھ بیوت و میدان میں اس کا شریک ہے فروخت کیا تو باقی دونوں آدمیوں کو جو صحن میں اس کے شریک ہیں استحقاق شفعہ نہ ہوگا[1] یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک دار ایک شخص کا ہے اور اس میں ایک بیت ہے جو اس کے اور ایک دوسرے کے درمیان مشترک ہے پس مالک دار نے اپنا دار فروخت کیا اور جار نے شفعہ طلب کیا اور بیت کے شریک نے بھی شفعہ طلب کیا تو بیت کا شریک حصہ بیت کے حق شفعہ میں اولیٰ ہوگا اور باقی دار پڑوسی اور اس شریک کے درمیان نصفا نصف حق شفعہ میں مل سکتا ہے یہ بدائع میں ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ایک دیوار مع اس کی زمین کے خریدی پھر باقی دار خریدا پھر دیوار کے جار نے شفعہ طلب کیا تو اس کو دیوار کا شفعہ ملے گا اور باقی دار میں حق شفعہ نہ ملے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ ایک دربہ[2] غیر نافذہ میں ایک قوم کے گھر واقع ہیں پھر ان گھروں میں سے ایک گھر کے مالک نے ایک بیت جو بڑے کوچہ کی راہ پر ہے۔ اس شرط سے فروخت کیا کہ مشتری اس کا دروازہ بڑے راستہ کی طرف توڑے اور اس بیت کا جو راستہ دربہ میں تھا وہ فروخت نہ کیا تو اصحاب دربہ کو استحقاق شفعہ حاصل ہوگا اس واسطے کہ وقت بیع کے راستہ میں ان کی شرکت موجود تھی اور اگر اہل دربہ نے اپنا حق شفعہ مشتری کو دے دیا پھر مشتری نے اس کے بعد وہ بیت فروخت کیا تو اہل دربہ کو استحقاق شفعہ اس وجہ سے حاصل نہ ہوگا کہ دوسری بیع کے وقت ان کی شرکت باقی نہیں رہی پس حق شفعہ جار ملازق کو ملے گا اور وہ مالک دار ہے اس طرح اگر دار میں سے کوئی قطعہ بغیر اس کے اس راستہ کے جو دربہ میں ہو فروخت کیا تو بھی یہی حکم ہے یہ ذخیرہ میں ہے اور ایک دربہ غیر نافذہ کی انتہا پر ایک مسجد خطہ ہے اور اس مسجد خطہ کا دروازہ دربہ میں ہے اور مسجد کی پشت دوسری جانب بڑے راستہ کی طرف ہے تو ایسا دربہ دربہ نافذہ ہے اگر اس میں کوئی دار فروخت کیا جائے تو اس کا حق شفعہ فقط جار کو ملے گا اور مسجد خطہ سے وہ مسجد مراد ہے جس کو امام المسلمین نے وقت تقسیم غنیمت کے خطہ کر دیا ہو اور یہ حکم اس واسطے ہے کہ جب مسجد خطہ ٹھہری اور اس کی پشت بڑے راستے کی طرف ہوئی اور مسجد کے گرد ایسے گھر نہ ہوئے جو مسجد اور بڑے راستے کے درمیان حائل ہوں تو یہ دربہ بمنزلہ دربہ نافذہ کے ہوگا اور اگر مسجد اور بڑے راستہ کے درمیان ایسے گھر ہوں جو اس مسجد اور بڑے راستہ میں حائل ہوں تو اہل دربہ کو بوجہ شرکت کے شفعہ حاصل ہوگا اس واسطے کہ یہ دربہ نافذہ نہ ہوگا اور اگر مسجد خطہ انتہا پر نہ ہو بلکہ ابتدائے کوچہ میں واقع ہو پس اگر ابتدائے کوچہ سے مسجد تک نافذ پایا جائے تو اس میں سوائے جار ملازق کے کسی کو شفعہ حاصل نہ ہوگا اور اس کے ماسوائے غیر نافذ ہوگا حتیٰ کہ اس کوچہ کے لوگوں کو سب کو شفعہ حاصل ہوگا اور اگر یہ مسجد خطہ نہ ہو مثلاً اہل دربہ میں سے کسی شخص نے دوسرے سے ایک دار انتہائے دربہ پر خرید کر کے اس کو مسجد بنا دیا اور اس کا دروازہ دربہ کی طرف سے رکھا ہو خواہ بڑے راستے کی طرف سے اس کا دروازہ رکھا ہو یا نہ رکھا ہو پھر ایک شخص نے اہل دربہ میں سے اپنا دار فروخت کیا تو بوجہ شرکت کے اہل دربہ کو شفعہ کا استحقاق ہوگا یہ محیط میں ہے۔

---

[1] نہ ہوگا یعنی شریک اس سے مقدم ہے۔ [2] دربہ وہ آبادی جن کے درمیان صحن ہو اور گرد و پیش مکانات مملوکہ واقع ہوں۔

ایک شخص مالک خان (سرائے) ہے اور خان میں ایک مسجد ہے جس کو اس نے جدا کر کے لوگوں کو اس میں اذان دینے و جماعت سے نماز پڑھنے کا اذن عام دے دیا پس لوگوں نے ایسا ہی کیا اور وہ مسجد جماعت ہو گئی پھر مالک خان نے خان کا ہر ہر حجرہ ایک ایک شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا یہاں تک کہ وہ دربیہ ہو گیا پھر ان میں سے ایک حجرہ فروخت کیا گیا تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس کا حق شفعہ سب لوگوں کو جو حجروں کے مالک ہیں حاصل ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک دار میں ایک دروازہ دربیہ کی طرف سے اور دار کے دوسرے دروازہ سے بڑے راستہ کی طرف سے نکل گیا ہے پس اگر یہ راستہ عام لوگوں کی رہ گزر ہو تو اہل دربیہ کو حق شفعہ نہ ہوگا اس لیے کہ کوچہ نافذہ ہے اور اگر یہ راستہ خاص اہل دربیہ کا ہو تو اہل دربیہ سب شفیع ہوں گے کیونکہ کوچہ غیر نافذہ ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ زقیقات کہ جس کی پشت وادی ہے دو صورت سے خالی نہیں اگر موضع وادی دراصل مملوک ہو پھر انہوں نے اس کو وادی بنا دیا تو یہ اور وہ مسجد جس کو انتہائے کوچہ پر بنالیا ہے حکماً یکساں ہیں اور اگر وہ وادی دراصل ایسا ہی وادی ہو تو یہ اور وہ مسجد جس کو انتہائے کوچہ پر بنالیا ہے حکماً یکساں ہیں اور اگر وہ وادی دراصل ایسا ہی وادی ہو تو یہ اور مسجد خطہ حکماً یکساں ہیں ایسا ہی امام زاہد شیخ عبدالواحد شیبانی سے منقول ہے اور شیخ موصوفؒ فرماتے تھے کہ بخارا کے زقیقات جن کی پشت پر وادی ہے اگر ان زقیقوں میں سے کسی زقیقہ کا دار فروخت کیا جائے تو سب اہل زقیقہ شفیع ہوں گے اور یہ مثل طریق نافذہ کے قرار نہ دیا جائے گا پس شاید شیخ موصوفؒ نے اس وادی کا مملوک ہونا معلوم کیا ہو اور شیخ اجل شمس الائمہ سرخسیؒ ان زقیقات کا حکم مثل حکم کوچہ نافذہ کے قرار دیتے تھے اور بعض علماء نے فرمایا کہ جائز ہے کہ بخارا میں جن کی انتہا پر وادی ہے وہ ما تقدم پر قیاس کیے جائیں اور امر شفعہ کا مبنیٰ نفاذ حادث و نفاذ خطہ پر رکھا جائے یہ محیط میں ہے۔ کوچہ غیر نافذہ میں اگر کوئی دار فروخت کیا گیا تو حق شفعہ تمام اہل کوچہ کو ملے گا اور کوچہ غیر نافذہ کے مدور یا معوج یا مستقیم ہونے سے حکم میں فرق نہ ہوگا یہ ملتقط میں ہے۔ ایک کوچہ غیر نافذہ میں ایک عطف مدور ہے جس کو فارسی میں (خم گرد) کہتے ہیں اور اس عطف میں چند منزل ہیں پھر ایک شخص نے اعلیٰ یا اسفل کوچہ میں عطف میں ایک حویلی فروخت کی تو حق شفعہ تمام شریکوں کو ملے گا اور اگر یہ عطف مربع ہو مثلاً کوچہ مذکور ممدود چلا گیا ہو اس کے ہر جانب زقیقہ ہو اور کوچہ میں اور دونوں زقیقوں میں گھر ہوں پھر ایک شخص نے عطف میں اپنی حویلی فروخت کی تو حق شفعہ فقط اصحاب عطف کو ملے گا اہل کوچہ کو نہ ملے گا اور اگر کوچہ میں کسی نے اپنی حویلی فروخت کی تو اس میں سب لوگ شفیع ہوں گے اور حاصل یہ ہے کہ عطف کے مدور ہونے سے وہ کوچہ حکم میں دو کوچوں کے نہیں ہو جاتا ہے آیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ ایسے عطف میں گھروں کی ہیات متغیر نہیں ہوتی ہے جیسے کہ کوچہ میں دو زقیق ہونے سے متغیر نہیں ہوتی ہے اور اگر عطف مربع ہو تو وہ دوسرے کوچہ کے حکم میں ہو جاتا ہے کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ ایسے عطف میں گھروں کی ہیئت بدل جاتی ہے پس گویا کوچہ کے اندر کوچہ ہو گیا یہ ذخیرہ میں ہے۔

کوچہ غیر نافذہ کی بابت کچھ مسائل ☆

ایک کوچہ طول میں چلا گیا ہے اور اس کے اسفل میں دوسرا کوچہ ہے جو نافذ نہیں ہے اور ان دونوں کے بیچ میں دربیہ حائل ہے اور اوّل کوچہ کے لوگوں کا دوسرے میں کچھ حق نہیں ہے پس کوچہ علیاء میں کوئی دار فروخت کیا گیا تو کوچہ اسفل والوں کو بھی حق شفعہ ملے گا کیونکہ ان کی شرکت موجود ہے اور اگر کوچہ اسفل میں فروخت کیا گیا تو شفعہ فقط اہل اسفل کو ملے گا اسی طرح اگر کوچہ مذکور میں زائغہ واقع ہو تو بھی یہی حکم ہے یہ قنیہ میں ہے منتقیٰ میں لکھا ہے کہ ابن سماعہؒ نے امام ابو یوسفؒ سے انہوں نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی کہ ایک دربیہ میں ایک زائغہ ہے جو تمام دربیہ کو مدور گھیرے ہوئے ہے اور اس زائغہ میں جس پر دربیہ ہے ایک دار فروخت کیا گیا تو یہ لوگ سب اس کے شفعہ میں شریک ہوں گے اور اگر دربیہ مستطیل ہو اور اس میں زائغہ ہو مگر ایسا نہ ہو جیسا میں نے تجھ سے بیان کیا ہے بلکہ وہ کوچہ کے مشابہ ہو تو زائغہ کے گھروں کا حق شفعہ اہل زائغہ کو ملے گا اور اہل دربیہ ان کے حق میں شریک نہ ہوں گے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ یہ دونوں یکساں ہیں اور اہل زائغہ اپنے گھروں کے حق شفعہ میں شریک ہوں گے اور اہل دربیہ ان کے شریک نہ ہوں گے یہ ذخیرہ میں ہے۔ ہشامؒ نے امام محمدؒ سے روایت کی کہ ایک شخص نے دوسرے دار میں سے ایک بیت جو اس شخص کے دار کے پہلو میں ہے خرید کر

اس کا دروازہ اپنے دار کی طرف پھوڑ لیا پھر فقط اس بیت کو فروخت کیا پس اس شخص کا جار آیا اور اس نے اس بیت کو شفعہ میں طلب کیا تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر مشتری نے اس بیت کا دروازہ اس دار کی طرف سے بند کر دیا تھا اور اپنے دار کی طرف سے پھوڑ لیا تھا یہاں تک کہ یہ بیت اس کے دار میں سے شمار ہوتا تھا تو اس کے پڑوسی کو اس بیت کا حق شفعہ ملے گا حسن بن زیاد کی کتاب الشفعہ میں لکھا ہے کہ ایک کوچہ غیر نافذہ میں ایک عطف منفرد واقع ہے اور یہ عطف اپنے دوسرے کنارے سے اسی کوچہ میں جس میں واقع ہے نافذ ہو گئی ہے پس اس عطف (۱) میں ایک دار فروخت کیا گیا تو اس کا حق شفعہ فقط اسی شخص کو ملے گا جس کا دار اس مبیعہ سے ملاصق ہے اور اگر یہ عطف اس کوچہ میں نافذ نہ ہوا تو حق شفعہ تمام اہل عطف کو ملے گا پھر اگر انہوں نے اپنا حق شفعہ مشتری کو دے دیا تو اہل کوچہ کو اس میں حق شفعہ حاصل نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔

ایک دار فروخت کیا گیا اور اس کے دو دروازے دو زقاق میں ہیں تو دیکھا جائے گا کہ اگر در اصل وہ دار واحد دو دار ہوں کہ ہر ایک کا دروازہ ایک ایک زقاق میں ہو اور اس کو کسی شخص نے خرید کر درمیانی دیوار دور کر کے دونوں کو ایک کر دیا ہو تو ہر زقاق والوں کو اختیار ہوگا کہ اپنی طرف کے متصل دار کو حق شفعہ میں لے لیں اور اگر در اصل ایک ہی دار ہو مگر اس کے دو دروازے ہوں تو دونوں زقاق والوں کو پورے دار میں برابر حق شفعہ حاصل ہوگا اور اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر ایک زقاق ہو اور اس کے اسفل میں دوسرا زقاق اس کے پوری جانب تک ہو پھر ان کی درمیانی دیوار دور کر دی گئی حتیٰ کہ دونوں ایک کوچہ ہو گئے تو ہر زقاق والوں کو فقط اپنی ہی زقاق کے بیچ میں شفعہ ملے گا دوسری جانب میں نہ ملے گا۔ اس طرح اگر کوچہ غیر نافذہ کے اسفل کی دیوار دور کر دی گئی یہاں تک کہ کوچہ نافذہ ہو گیا تو سب اہل کوچہ کو بشرکت استحقاق شفعہ حاصل رہے گا یہ محیط سرخسی میں ہے شفعۃ الاصل کے آخر میں لکھا ہے کہ ایک دار میں ایک حجرہ دو آدمیوں میں مشترک ہے پس ایک شریک نے اپنا حصہ حجرہ دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کیا تو اس کی دو صورتیں ہیں کہ اگر حجرہ دونوں میں منقسم ہو تو حق شفعہ اس دار کے راستہ کے شریکوں میں مشترک ہوگا فقط شریک حجرہ کو نہ ملے گا پھر اگر دار کے راستہ کے شریکوں نے شفعہ دے دیا تو دار کے جار ملاصق کو ملے گا یہ محیط میں ہے۔ ایک قوم نے ایک زمین خرید کر اس کو اس طرح تقسیم کر لیا کہ ہر ایک نے ایک دار کی جگہ لے لی اور اس میں سے ایک کوچہ مشترک اپنی آمد و رفت کے لیے چھوڑ دیا پس وہ کوچہ ممدود غیر نافذ رہ گیا پس اس کوچہ کی انتہا پر ایک دار فروخت کیا گیا تو سب لوگ اس کے شفعہ میں شریک ہوں گے اور جس شخص کا دار اس زار مبیعہ سے اگلی طرف ہو یا پچھلی طرف ہو حق شفعہ میں دونوں برابر ہیں اس طرح اگر ان لوگوں نے اپنے باپ دادا سے اسی طور پر میراث میں پایا ہو اور یہ نہ جانتے ہوں کہ اس کی اصل کیوں کر تھی تو یہ صورت اور صورت مذکورہ دونوں حکماً یکساں ہیں کذا فی المبسوط۔ فی باب الشفعۃ فی البناء وغیرہ۔ اگر ایک دار میں سے ایک بیت خریدا اس کا بالا خانہ دوسرے شخص کا ہے اور بیت مبیعہ کا راستہ دوسرے دار میں ہے تو اس کا حق شفعہ فقط اس کو ملے گا جس کے دار میں اس بیت کا راستہ ہے پھر اگر اس نے شفعہ دے دیا تو حق شفعہ بالا خانہ والے کو بسبب حق جوار کے حاصل ہوگا۔

كذا فی المبسوط باب الشفعة فی العروض

اگر ایک دار مبیعہ کے دو جار ہوں ان میں سے ایک غائب ہے اور دوسرا حاضر ہے پس حاضر نے ایسے قاضی سے نالش کی جو شفعہ بالجوار کا قائل نہیں ہے پس اس نے حاضر کا شفعہ باطل کر دیا پھر غائب حاضر ہوا اور اس نے ایسے قاضی سے نالش کی جو شفعہ بالجوار کا قائل ہے تو اس طالب شفعہ کے نام پورے دار کے شفعہ کی ڈگری کرے گا اور اگر قاضی اوّل نے فرمایا ہو کہ میں پورے شفعہ کو جو اس دار سے متعلق ہے باطل کرتا ہوں تو غائب کا حق شفعہ باطل نہ ہوگا ایسا ہی امام محمدؒ نے فرمایا ہے اور یہی صحیح ہے یہ بدائع میں ہے۔ ایک شخص مر

(۱) کوچہ غیر نافذہ۔

گیا اور اس نے ایک دار اپنی اولاد کے واسطے میراث چھوڑا پھر اولاد میں سے ایک آدمی مرا اور اس نے اپنا حصہ میراث اپنے تین بیٹوں کے درمیان میراث چھوڑا پس تین میں سے ایک نے اپنا حصہ دار فروخت کیا تو اس کے حق شفعہ میں بائع کے باپ کی اولاد اور اس کے دادا کی اولاد سب برابر شفیع ہوں گے کوئی کسی کی بہ نسبت اولیٰ نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ شفعہ حسن بن زیاد میں ہے کہ ایک قوم نے ایک دار جس میں چند منزل ہیں میراث پایا اور باہم تقسیم کر لیا پس ہر ایک کے حصہ میں ایک منزل آئی اور راستہ باہم مشترک چھوڑ دیا پھر ایک مالک منزل نے اپنی منزل فروخت کر دی اور باقی منازل کے مالکوں نے حق شفعہ مشتری کو دے دیا تو پڑوسی کو حق شفعہ حاصل ہوگا اگر اس کی ملک منزل مبیعہ سے ملاصق ہو اور اگر اس سے ملازق ہو جو سب میں باہم مشترک ہے اور منزل مبیعہ سے ملاصق نہ ہو تو اس کو اختیار ہوگا کہ منزل مبیعہ کو بسبب جوار طریق مشترک کے شفعہ میں لے لے اور اگر ملازق منزل یا ملازق طریق مشترک نہ ہو بلکہ اس دار کی کسی دوسری منزل سے ملازق ہو تو اس کو شفعہ نہ ملے گا۔ پس یہ مسئلہ اس بات کی دلیل ہے کہ حق شفعہ جس طرح مبیع کے پڑوسی کو ملتا ہے اس طرح حق المبیع کے پڑوسی کو بھی ملتا ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔

شیخ ابوعمرو الطبری کی کتاب الشرب میں ہے کہ ایک دار میں تین بیت ہیں ہر بیت کا ایک ایک علیحدہ علیحدہ مالک ہے اور سب بیوت کا راستہ اس دار میں کا راستہ اس دار میں ہے مگر اس دار کا راستہ دوسرے دار میں ہے اور دوسرے دار کا ایک کوچہ غیر نافذہ میں ہے پس دار داخلہ کے بیوت میں سے ایک بیت فروخت کیا گیا تو باقی دونوں بیت کے مالک بہ نسبت دار خارجہ کے مالک کے حق شفعہ میں اقدم ہوں گے پھر ان دونوں نے اپنا حق مشتری کو دے دیا تو دار خارجہ کے مالک کو شفعہ ملے گا پس اگر اس نے بھی دے دیا تو تمام اہل کوچہ حق شفعہ میں شریک ہوں گے۔ ایک زمین چند آدمیوں میں مشترک تھی اس کو انہوں نے باہم تقسیم کر لیا مگر راستہ اپنے درمیان مشترک چھوڑ دیا اور اس کو نافذہ بنایا پھر راستہ کے داہنے بائیں گھر بنائے اور ان کے دروازے کوچہ کی طرف سے رکھے پھر بعض نے اپنا دار فروخت کیا تو حق شفعہ لوگوں کو برابر حاصل ہوگا اور اگر ان لوگوں نے کہا ہو کہ ہم نے یہ راستہ مسلمانوں کا راستہ کر دیا تو بھی یہی حکم ہے شیخ صدر شہیدؒ نے فرمایا کہ یہی حکم مختار ہے یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے ایک کوچہ غیر نافذہ میں ایک دار خریدا پھر اسی کوچہ میں دوسرا دار خریدا تو اہل کوچہ کو دار اوّل بحق شفعہ لینے کا اختیار ہوگا اس واسطے کہ دار اوّل خریدنے کے وقت مشتری شفیع نہ تھا دوسرے دار میں مشتری بھی اہل کوچہ کے ساتھ شفیع ہو گیا یہ ظہیریہ میں ہے۔ ایک دار تین آدمیوں میں مشترک ہے پھر ایک شخص نے ہر ایک کا حصہ ہر ایک سے ایک بعد دوسرے کے خرید لیا تو جار کو بحق شفعہ اختیار ہوگا کہ اوّل تہائی لے لے اور باقی دو تہائی لینے کی اس کو کوئی راہ نہ ہوگی اور اگر ایک دار چار آدمیوں میں مشترک ہو پھر ایک شخص نے تین آدمیوں کا حصہ ایک بعد دوسرے کے خرید لیا اور چوتھا شریک غائب ہے پھر وہ حاضر ہوا تو اس کو اختیار ہوگا کہ اوّل کا حصہ شفعہ میں لے لے اور باقی دو حصہ داروں کا حصہ لینے میں مشتری کا شریک ہوگا اور اگر چاروں شریکوں میں سے ایک شریک نے دو شریکوں کا حصہ ایک بعد دوسرے کے خریدا ہو پھر چوتھا شریک حاضر ہوا تو دونوں حصوں میں شریک شفعہ ہوگا۔ یہ محیط سرخسی میں ہے۔ ہارونی میں لکھا ہے کہ ایک دار تین آدمیوں میں مشترک ہے پس ایک شخص نے ان میں سے ایک حصہ خریدا پھر دوسرے شخص نے دوسرے کا حصہ خریدا پھر تیسرا شریک جس نے اپنا حصہ نہیں فروخت کیا ہے آیا ہے تو اس کو اختیار ہوگا کہ دونوں حصے حق شفعہ میں لے لے اور اگر تیسرا شریک حاضر نہ ہوا حتیٰ کہ پہلا مشتری دوسرے مشتری کے پاس آیا اور شفعہ طلب کیا تو اس کو ایسا اختیار ہوگا اور اس کے نام شفعہ کی ڈگری کر دی جائے گی پس دونوں حصے اس کے ہو جائیں گے پھر اس کے بعد اگر تیسرا شریک جو غائب تھا حاضر ہوا اور اس نے شفعہ طلب کیا تو جو حصہ مشتری اوّل نے لیا تھا وہ پورا لے لے گا اور جو حصہ دوسرے نے خریدا تھا اس میں سے آدھا لے لے گا اور اگر تیسرا شریک ایسے وقت میں آ گیا کہ ہنوز قاضی نے مشتری اوّل کے نام دوسرے مشتری کے خرید کردہ حصہ

کے شفعہ کی ڈگری نہیں کی ہے تو تیسرے شریک کے نام پورے دونوں حصوں کی ڈگری ہوگی یہ محیط میں ہے۔ایک فروخت شدہ میں دوسرے شخص کا حق مسیل[1] الماء ہے تو اس کو بسبب جوار کے حق شفعہ حاصل ہوگا اور مسیل مثل شرب کے نہیں ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

اگر ایک شخص کی زمین میں دوسرے کی نہر ہو اور اس پر ایک بیت کے اندر ایک پن چکی ہو پھر مالک نہر و پنچکی و بیت نے سب فروخت کیا پس مالک زمین نے سب میں شفعہ طلب کیا تو اس کو شفعہ ملے گا اور اگر اس زمین اور موضع پن چکی کے درمیان کسی دوسرے کی زمین ہو اور دوسری جانب نہر کے دوسرے شخص کی ہو اور ان دونوں نے بھی شفعہ طلب کیا تو ان دونوں کو بھی حق میں اس مال مبیع کے لینے کا اختیار ہوگا کیونکہ وہ دونوں بھی حق جوار نہر میں یکساں ہیں اگر چہ ان شفیعوں میں سے بعض کا جوار چکی کی جانب قریب ہے یہ مبسوط میں ہے۔اگر دجلہ کے مانند کسی نہر کبیر سے ایک چھوٹی نہر ایک قوم کے واسطے جاری ہو اور ان لوگوں کی اراضی کا پانی اسی نہر صغیر سے ہو گیا پھر نہر صغیر والوں میں سے کسی نے اپنی زمین مع اس کے شرب کے فروخت کی تو جن لوگوں کی اراضی کا پانی اس نہر صغیر سے ہے وہ لوگ اس کی شفعہ میں حقدار ہوں گے ان میں جو شخص اس زمین مبیعہ سے نزدیک ہے وہ اور جو دور ہے وہ سب یکساں ہوں گے اور اگر اس زمین مبیعہ کے ساتھ ملا ہوا دوسرا قطعہ زمین ہو جس کا پانی بڑی نہر سے ہے تو اس کا مالک اس قطعہ مبیعہ کے شفعہ میں ان لوگوں کے ساتھ جن کی اراضی کا پانی نہر صغیر سے ہے مشترک نہ ہوگا اور کتاب ہلال البصری میں ہے کہ ایک نہر پیچیدہ کے سامنے کی یا پیچھے کی زمینیں فروخت کی گئیں پس اگر اس کی پیچیدگی تمر[2] بیچ ہو تو وہ نہر حکماً مثل دو نہر کے ہوگی تو فقط موضع پیچیدگی تک کے شرب کے شریکوں کو حق شفعہ ملے گا پھر اگر انہوں نے اپنا حق شفعہ مشتری کو دے دیا تو پھر باقیوں کو حاصل ہوگا جن کا اس نہر سے سینچنے کا حق ہے اور اگر پیچیدگی استدارہ یا انحراف کے ساتھ ہو تو سب اہل نہر کو حق شفعہ حاصل ہوگا پس مشائخ نے ایسی پیچیدہ نہر کو مثل نہر واحد کے قرار دیا۔منتقی میں بروایت ابن سماعہؒ امام محمدؒ سے مروی ہے کہ ایک نہر ایک قوم میں مشترک ہے ان کی زمینیں و باغات اس نہر پر واقع ہیں جن کا شرب اسی نہر سے ہے اور یہ سب لوگ اس میں شریک ہیں پس جو زمین یا باغ ان میں سے فروخت کیا جائے گا اس میں یہ سب لوگ حق شفعہ میں شریک ہوں گے۔پھر اگر ان لوگوں نے ان زمینوں و باغات کو گھر بنا لیا اور اس پانی سے بے پروا ہو گئے تو ان میں فقط بسبب جوار کے حق شفعہ رہ جائے گا جیسا کہ شہر کے گھروں میں ہوتا ہے اور اگر ان زمینوں میں سے ایسی باقی رہ گئی جو زراعت کی جائے اور باغات میں سے ایسا باقی رہا جو اس پانی سے سینچا جائے تو یہ لوگ بر حال سابق شرب و شفعہ میں باہم شریک رہیں گے یہ محیط میں ہے۔

ایک نہر سے ایک قوم کا شرب ہے مگر نہر کی زمین دوسرے شخص کی ہے۔پھر ایک شخص نے اپنی زمین فروخت کی حالانکہ نہر کا پانی منقطع تھا تو بقول امام محمدؒ کے ان لوگوں کو حق شفعہ حاصل ہوگا اور بقیاس قول امام ابو یوسفؒ کے جس حال میں پانی منقطع تھا تو ان لوگوں کو حق شفعہ نہ ملے گا جیسا ان کا قول ہے بالاخانہ منہدم میں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔اگر ایک شخص نے ایک نہر مع اس کے رقبہ کے خریدی اور اعلائے نہر کے ایک طرف ایک شخص کی زمین واقع ہے اور اسفل نہر کے ایک طرف دوسرے کی زمین واقع ہے تو ان دونوں شخصوں کو اعلیٰ سے اسفل تک تمام نہر میں حق شفعہ حاصل ہوگا اور یہی حکم کاریز و چشمہ و کنوئیں کا ہے پس یہ چیزیں عقارات میں سے ہیں مگر ان میں بسبب جوار کے حق شفعہ حاصل ہوتا ہے۔اس طرح اگر کاریز کا دہانہ کسی کی زمین میں ہو اور جہاں اس کا پانی ظاہر نکل کر بہتا ہے دوسرے کی زمین ہو تو اس کے دہانہ سے اس کے پانی گرنے کی جگہ تک جتنے لوگوں کو جوار حاصل ہوگا وہ سب لوگ اس کی شفعہ میں شریک ہوں گے اور اگر کوئی نہر خالص ایک شخص کی ہو جس پر اس کی زمین بھی واقع ہو اور اس پر اور لوگوں کی بھی زمینیں واقع ہوں مگر ان کا شرب اس نہر سے نہ ہو پھر مالک نہر نے فقط نہر کو فروخت کیا تو یہ سب لوگ اس کے شفعہ میں شریک ہوں

---

[1] مسیل پانی بہانے کا حق مانند موری وغیرہ کے اور شرب سینچنے کا پانی۔ [2] تمر بیچ جو کور بزاویہ قائمہ مانند صورت ابر حاشیہ پس اس تک سب مشترک ہیں اور ب سے ج تک مشترک ہیں۔ علیٰ ہذا اور استدارہ مدور

گے کیونکہ ان کی ملک اس بیع سے متصل ہے اور اگر اس نے فقط زمین کو بدون نہر کے فروخت کیا تو جس کی ملک اس زمین سے ملاصق ہے وہ حق شفعہ میں باقیوں سے اقدم ہوگا اور اگر اس نے نہر و زمین دونوں کو فروخت کیا تو نہر کے حق شفعہ میں یہ سب لوگ برابر شریک ہوں گے کیونکہ سب کی ملک اس نہر سے متصل ہے اور زمین کے حق شفعہ میں وہ شخص جس کی ملک اس زمین سے متصل ہے باقیوں سے اقدم ہوگا کیونکہ اس کی ملک اس زمین سے متصل ہے۔ بمنزلہ ایک راستہ کے جو ایک شخص کے دار میں واقع ہے اور خالص اس کی ملک ہے اور اس نے راستہ فروخت کیا تو جو شخص اس راستہ کا جار ہے وہ حق شفعہ میں بنسبت زمین کے جار کے اولیٰ ہوگا اور اگر وہ شخص راستہ میں شریک ہو تو شفعہ دار میں لے لے گا اس واسطے کہ جار سے شریک مقدم ہوتا ہے۔ اس طرح اگر نہر میں شریک ہو تو حصہ زمین سے لے لے گا اور بنسبت باقی پڑوسیوں کے احق و اقدم ہوگا اور راستہ اور نہر ہر بات میں برابر ہیں یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ایک شخص نہر میں شریک ہو تو شریک بنسبت اس شخص کے جس کی زمین میں نہر بہتی ہے حق شفعہ میں احق ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اعلائے نہر ایک شخص کا اور نہر کا اسفل دوسرے کا ہے اور یہ نہر کسی غیر شخص کی زمین[1] میں جاری ہے پھر ایک شخص نے مالک اعلیٰ سے اس کا حصہ نہر خریدا اور مالک اسفل اور اس شخص نے جس کی زمین میں نہر بہتی ہے دونوں نے شفعہ کا دعویٰ کیا تو دونوں کو بسبب جوار کے شفعہ ملے گا۔ اس طرح اگر مالک اسفل نہر سے کسی نے اس کا حصہ خریدا اور اعلیٰ النہر کے مالک نے شفعہ چاہا تو بسبب جوار کے اس کو ملے گا۔ اس طرح اگر ایک کاریز ہو کہ اس کا منبع (دہانہ) دو آدمیوں میں کسی مقام معلوم تک مشترک ہو اور اس سے نیچے دونوں میں سے فقط ایک کی ہو پھر نیچے کے مالک نے فقط اپنا اسفل فروخت کیا تو شریک اور پڑوسی حق شفعہ میں برابر ہوں گے۔ ایک نہر ایک شخص کی ہے اس سے دوسرے نے درخواست کی کہ میں تیری نہر میں سے کھود کر اپنی زمین میں ایک نہر لے جاؤں اور ایسا ہی ہوا پھر نہر اوّل فروخت کی گئی حالانکہ وہ کسی دوسرے کی زمین میں جاری ہے تو صاحب زمین اس کے حق شفعہ کے واسطے اولیٰ قرار دیا جائے گا یہ مبسوط میں ہے۔

نوادر ابن سماعہ میں امام محمدؒ سے روایت ہے کہ ایک دار ایک کوچہ خاصہ میں واقع ہے اس کے مالک نے اس کو بالا طریق فروخت کیا تو اہل کوچہ کو حق شفعہ حاصل ہوگا اس طرح اگر زمین بدوں شرب کے فروخت کی تو اہل شرب کو حق شفعہ ملے گا پھر اگر یہ[2] زمین یا یہ دار دوبارہ فروخت کیا گیا تو ان لوگوں کو اس میں حق شفعہ نہ ملے گا۔ یہ ظہیریہ میں ہے۔ امام محمدؒ نے اس صورت میں کہ ایک زمین قراح جس کے بیچ میں ایک ساقیہ جاری ہے کہ قراح دونوں جانب اسی ساقیہ سے سینچی جاتی ہے فروخت کی گئی اور دو شخص شفیع آئے جن میں سے ایک شخص قراح کے اس جانب اپنی ملک متصل رکھتا ہے اور دوسرا دوسری جانب رکھتا ہے فرمایا کہ دونوں قراح کے شفیع ہوں گے اور یہ ساقیہ اس قراح کے حقوق میں سے نہیں ہے پس حد فاصل[3] معتبر نہ ہوگی جیسے دیوار معتبر نہیں ہے اور اگر یہ ساقیہ جوار قراح میں ہو اور اس ساقیہ سے ہزار جریب اس قراح سے خارج سینچا جاتا ہو تو بنسبت جار کے صاحب ساقیہ حق شفعہ کا احق ہوگا یہ بدائع میں ہے۔

باب سوم:

طلب شفعہ کے بیان میں

شفعہ[4] عقد و جوار سے واجب ہوتا ہے اور طلب و اشہاد سے متاکد ہو جاتا ہے اور لے لینے سے ملک حاصل ہوتی ہے پھر طلب

---

[1] یعنی مرور اس کا اس سرزمین سے ہے نہ یہ کہ زمین نہر اس کی ملک ہے۔

[2] ان لوگوں نے حق شفعہ بیع اولیٰ کا رد دیا پھر مشتری نے اسکو فروخت کیا۔

[3] فاصل یعنی ساقیہ دونوں میں شفعہ کے لیے حد فاصل نہیں ہے۔

[4] قولہ عقد الخ یونہی اصل میں ہے اور معلوم ہو چکا کہ شرکت و جوار سے حق شفعہ ہوتا ہے۔

کی تین قسمیں[1] ہیں (۱) طلب مواثبہ۔ (۲) طلب تقریر و اشہاد۔ (۳) طلب تملیک۔ پس طلب مواثبہ یہ ہے کہ جس وقت شفیع نے بیع کو معلوم کیا تو چاہیے کہ اس وقت اور اسی دم شفعہ طلب کر لے اور اگر اس نے سکوت کیا اور طلب نہ کیا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا اور یہی روایت الاصل اور ہمارے اصحاب سے مشہور ہے اور ہشام نے امام محمدؒ سے روایت کی کہ اگر شفیع نے مجلس علم میں شفعہ طلب کیا تو اس کو ملے گا ورنہ نہیں بمنزلہ خیار[2] مخیرہ و خیار القبول کے[3] پھر مشائخ نے کیفیت لفظ سے طلب کیا ہو اور صحیح یہ ہے کہ اگر اس نے ایسے لفظ سے شفعہ طلب کیا جس سے طلب شفعہ سمجھی جائے خواہ کسی لفظ سے طلب کیا ہو تو جائز ہے حتیٰ کہ اگر اس نے کہا کہ میں نے شفعہ طلب کیا یا شفعہ طلب کرتا ہوں یا میں شفعہ طلب کرتا ہوں تو جائز ہے اور اگر اس نے مشتری سے کہا کہ میں تیرا شفیع ہوں اور یہ دار تجھ سے شفعہ میں لے لوں گا تو شفعہ باطل ہو جائے گا اور اگر شفیع نے بیع معلوم کرنے پر کہا کہ الحمد للہ یا سبحان اللہ و اللہ اکبر یا اس کا کوئی ساتھی چھینکا اور اس نے تشمیت کی یا کہا کہ السلام علیک اور میں نے اس دار کا شفعہ طلب کیا تو اس سے حق شفعہ باطل نہ ہوگا اس طرح اگر یہ کہا کہ کس نے خریدا ہے اور کتنے کو خریدا ہے تو بھی یہی حکم ہے اور اگر فارسی زبان میں یوں کہا کہ (شفاعت خواہم) تو شفعہ باطل ہو جائے گا اور بیع فاسد میں طلب شفعہ کا اعتبار اس وقت ہوگا جب حق بائع منقطع ہوا ہے وقت خرید کے نہ ہوگا اور بیع فضولی اور بیع بشرط للبائع میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک طلب کا اعتبار وقت بیع ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک وقت اجازت کے طلب شفعہ کا اعتبار ہے او رہبہ بشرط العوض میں دو روایتیں ہیں ایک میں وقت قبضہ کے طلب کا اعتبار ہے اور دوسری میں وقت عقد ہبہ کے اعتبار ہے۔ اگر ایک دار کے شریک و جار نے اس دار کے فروخت ہونے کو سنا اور وہ دونوں ایک ہی جگہ موجود تھے پس شریک نے شفعہ طلب کر لیا اور جار خاموش رہا پھر شریک نے شفعہ چھوڑ دیا تو جار کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ دار کو شفعہ میں لے لے ایک دار فروخت کیا گیا اس کے دو شفیع ہیں ان میں سے ایک حاضر اور ایک غائب ہے پس حاضر نے نصف دار شفعہ میں طلب کیا تو اس کا شفعہ باطل ہو گیا اسی طرح اگر دونوں حاضر ہوں اور ایک نے نصف میں شفعہ طلب کیا تو دونوں کا شفعہ باطل ہو گیا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ پھر واضح ہو کہ شفیع کو بیع کا علم کبھی خود سننے سے حاصل ہوتا ہے اور کبھی اس کو دوسرے شخص کے خبر دینے سے حاصل ہوتا ہے لیکن اس خبر میں آیا عدد و عدالت شرط ہے یا نہیں سو اس میں ہمارے اصحاب نے اختلاف کیا ہے امام اعظم ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ ان دونوں میں سے ایک بات شرط ہے خواہ مخبر کی تعداد پوری ہو یعنی دو مرد ہوں یا ایک مرد دو عورتیں ہوں اور خواہ مخبر (واحد) میں عدالت ہو اور امام ابو یوسف و امام محمدؒ نے فرمایا کہ مخبر میں نہ عدالت شرط ہے اور نہ عدد حتیٰ کہ اگر شفیع کو ایک شخص نے بیع کی خبر دی خواہ یہ مخبر عادل ہو یا فاسق خواہ آزاد ہو یا غلام ماذون ہو یا مجور خواہ بالغ ہو یا نابالغ خواہ مذکر ہو یا مؤنث پس شفیع نے سکوت کیا اور خبر پر فی الفور بنا بر روایت الاصل کے یا فی المجلس بنا بر روایت امام محمدؒ کے شفعہ طلب نہ کیا تو صاحبینؒ کے نزدیک اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اگر خبر کا صدق ظاہر ہوا اور کرخی علیہ الرحمۃ نے ذکر فرمایا کہ ہر دو روایت میں سے یہ روایت اصح ہے یہ بدائع میں ہے اگر خبر دہندہ ایک ہی شخص غیر عادل ہو پس اگر شفیع نے اس خبر میں اس کی تصدیق کی تو بالاجماع اس کی خبر سے بیع ثابت ہو جائے گی اور اگر اس امر میں اس کی تکذیب کی تو اس کی خبر سے بیع ثابت نہ ہوگی اگرچہ صدق خبر ظاہر ہو جائے یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور صاحبین کے نزدیک اس کی خبر سے بیع ثابت ہو جائے گی جبکہ صدق خبر ظاہر ہو یہ ذخیرہ میں ہے۔

طلب اشہاد یوں ہوتی ہے کہ اپنے طلب مواثبہ کے گواہ کر لے تاکہ وجوب طالب علی الفور متاکد ہو جائے اور ایسا اشہاد صحت

---

(۱) قولہ قسمیں الخ اول طلب مواثبہ یعنی فوراً خبر ہوتے ہی شفعہ طلب کرنا طلب اشہاد گواہ کر لینا کہ میں نے فوراً طلب کیا ہے تاکہ شفعہ مقرر ہو جائے۔ طلب تملیک قاضی سے جو شفعہ اس کی ملکیت مانگنا۔ (۲) نکاح بعد بلوغ۔ (۳) یعنی قبول ایجاب کے (کہ آخر مجلس تک ممتد ہوتا ہے)

طلب کے واسطے شرط نہیں ہے لیکن حق شفعہ میں توثق ہو جاتا ہے جبکہ مشتری نے طلب شفعہ سے انکار[ا] کیا اور کہا کہ تو نے بیع سے آگاہ ہونے پر فوراً شفعہ نہیں طلب کیا بلکہ طلب کو ترک کر کے تو مجلس سے کھڑا ہو گیا تھا اور شفیع کہتا ہے کہ میں نے طلب کیا تھا تو قول اس صورت میں مشتری کا مقبول ہے پس مضبوطی کے واسطے وقت طلب شفعہ کے گواہ کر لینا ضروری ہے۔ طلب اشہاد جب ہی صحیح ہوتی ہے کہ مشتری یا بائع یا مبیع کے حضور میں ہو پس ان میں سے کسی کے حضور کی حالت میں شفیع یوں کہے کہ فلاں شخص نے یہ دار ایک دار جس کے حدود دار بعہ ذکر کر دے خریدا ہے اور میں اس کا شفیع ہوں اور میں اس کا شفعہ طلب کر چکا ہوں اور اس وقت بھی طلب کرتا ہوں تم لوگ اس پر شاہد رہو۔ پھر طلب الاشہاد ضرور ہے جبکہ شفیع اشہاد کا قابو پائے پس جب اس نے ان تین میں سے کسی کے سامنے اشہاد کا قابو پا کر طلب اشہاد نہ کیا تو مشتری کی ذات سے ضرر دور کرنے کے واسطے اس کا شفعہ باطل ہوگا پس اگر شفیع ان تین میں سے نزدیک کو چھوڑ کر جو دور ہے اس کی طرف گیا پس اگر یہ سب ایک ہی شہر میں ہوں تو استحساناً اس کا حق شفعہ باطل نہ ہوگا اور اگر وہ جو دور ہے دوسرے شہر میں ہو یا اسی شہر کے کسی گاؤں میں ہو تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا اس واسطے کہ مصر واحد اپنے نواحی[ع] واماکن کے ساتھ مثل مکان واحد کے قرار دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اگر یہ تینوں ایک ہی مکان حقیقی میں موجود ہوں مگر شفیع نے اقرب کو چھوڑ کر ابعد سے طلب کیا تو جائز ہے پس ویسے(۱) ہی اس صورت میں بھی جائز ہے لیکن اگر باوجود اقرب کی طرف پہنچ جانے کے پھر چھوڑ کر ابعد کی طرف چلا گیا تو ایسی صورت میں اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا اور اگر ہنوز مشتری نے مبیع پر قبضہ نہ کیا ہو تو شفیع کو اختیار ہوگا خواہ بائع کے حضور میں طلب اشہاد کرے یا مبیع کے حضور میں اور اگر مبیع مشتری کے قبضہ میں ہو تو شیخ کرخیؒ نے نوادر میں ذکر کیا ہے کہ بائع پر اشہاد صحیح نہیں ہے۔ لیکن امام محمدؒ نے جامع کبیر میں صریح فرمایا کہ بائع پر بعد تسلیم مبیع کے استحساناً اشہاد صحیح ہے نہ قیاساً یہ محیط سرخسی میں ہے۔ طلب مواثبہ کرنے کے بعد پھر طلب اشہاد کا جبھی محتاج ہوگا کہ طلب مواثبہ کے وقت اس سے طلب اشہاد ممکن نہ ہو سکے مثلاً اس نے بائع و مشتری و دار مبیعہ کی غیبت میں بیع کا حال سنا(۲) ہو اور اگر اس نے ان تینوں کے سامنے بیع کو سن کر طلب مواثبہ کے ساتھ گواہ کر لئے تو یہ کافی ہے اور دونوں طلبوں کے قائم مقام ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور طلب تملیک یہ ہے کہ قاضی کے سامنے اس غرض سے مرافعہ کرے کہ اس کے نام شفعہ کی ڈگری کر دے اور اگر اس نے اس خصومت کو ترک کیا پس اگر اس نے مثل مرض و حبس وغیرہ کسی عذر کی وجہ سے ترک کی اور توکیل اس سے نہ ہو سکی تو اس کا حق شفعہ باطل نہ ہوگا اور اگر اس نے بلا عذر خصومت ترک کی تو امام اعظمؒ کے نزدیک اور دو روایتوں میں سے ایک روایت کے موافق امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کا شفعہ باطل نہ ہوگا۔ کذا فی محیط السرخسی اور یہی ظاہر المذہب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کذا فی الہدایہ اور امام محمدؒ و زفرؒ سے اور ایک روایت میں امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اگر اس نے اشہاد کر لیا اور ایک مہینہ تک بلا عذر خصومت ترک کر دی تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا مگر فتویٰ امام اعظم و امام ابو یوسفؒ(۳) کے قول پر ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور طلب التملیک کی یہ صورت ہے کہ شفیع قاضی سے یوں کہے کہ فلاں شخص کا ایک دار خریدا ہے پھر اس دار کا محلہ اور حدود دار بعہ بیان کر دے اور میں اس کا شفیع ہوں بوجہ اپنے ایک دار کے پھر اس کے حدود بیان کر دے پس آپ حکم فرما دیں کہ وہ مجھے سپرد کر دے پھر بعد اس طلب التملیک کے بھی شفیع کو دار مشفوعہ میں ملک حاصل نہیں ہوتی ہے جب تک کہ قاضی حکم نہ دے یا مشتری اس دار کو اس کے سپرد نہ کر دے حتیٰ کہ اگر بعد اس طلب کے قبل حکم قاضی یا قبل تسلیم مشتری کے کوئی دار اس دار مبیعہ کے پہلو میں فروخت کیا گیا پھر قاضی نے اس کے واسطے دیا یا مشتری نے اس کو دار سپرد کیا تو شفیع کو دوسرے دار مبیعہ میں حق شفعہ حاصل نہ ہوگا اور اسی طرح اگر حکم قاضی یا تسلیم مشتری سے پہلے شفیع

[ا] کہا کہ تو نے فوراً شفعہ طلب نہیں کیا تھا۔ [ع] نواحی یعنی اطراف و جوانب ملا کر ایک جگہ سمجھا جاتا ہے۔

(۱) مکان حکمی واحد۔ (۲) ان تینوں میں سے کسی کے سامنے۔ (۳) قول امام ابو یوسف قول موافق ہوا امام اعظمؒ۔

نے اپنا دار فروخت کر دیا یا خود مر گیا تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا اس کو امام خصافؒ نے اپنے ادب القاضی میں ذکر فرمایا ہے اور شفیع کو اختیار ہے کہ اس وقت تک بحق شفعہ لینے سے انکار کرے اگرچہ مشتری اس کو دیتا رہے جب تک کہ قاضی اس کے نام شفعہ کی ڈگری نہ کرے یہ محیط میں ہے۔

جب شفیع نے قاضی کے سامنے یہ مقدمہ پیش کیا تو قاضی اس کے دعویٰ کی سماعت نہ کرے گا جب تک کہ خصم حاضر نہ ہو پس اگر وہ دار بائع کے قبضہ میں ہو تو سماعت دعویٰ کے واسطے بائع و مشتری دونوں کا حاضر ہونا شرط ہے اس واسطے کہ شفیع ملکیت و قبضہ دونوں کے واسطے حکم طلب کرتا ہے اور اس صورت میں ملکیت تو مشتری اور قبضہ بائع کا ہے پس دونوں کی موجودگی شرط ہوئی اور اگر وہ دار مشتری کے قبضہ میں ہو تو فقط مشتری کا حاضر ہونا کافی ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر شفیع غائب ہو تو بعد آگاہ ہونے کے اس کو اس قدر مہلت دی جائے گی کہ چل کر طلب اشہاد کر لے پس اگر وہ یا اس کا وکیل حاضر ہوا تو خیر ورنہ اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا پھر اگر وہ حاضر ہوا پھر غائب ہو گیا اور اس نے طلب اشہاد کر لی ہے تو وہ اپنی شفعہ پر باقی رہے گا اس واسطے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک تاخیر طلب التملیک سے اس کا شفعہ باطل ہی نہیں ہوتا ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک باطل ہوتا ہے مگر بسبب عذر کے نہیں باطل ہوتا ہے اور اس صورت میں بسبب عذر کے طلب التملیک میں تاخیر واقع ہوئی ہے اور اگر مشتری ایسے شہر میں ظاہر ہوا جہاں دار مبیعہ نہیں واقع ہے تو وہاں شفیع پر طلب واجب نہ ہوگی بلکہ وہیں واجب ہوگی جہاں دار مبیعہ واقع ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اگر شفیع کو راہ مکہ میں بیع کا حال معلوم ہوا پس اس نے طلب مواثبہ کر لی مگر طلب اشہاد سے خود عاجز رہا تو کوئی وکیل کر دے جو اس کے واسطے شفعہ طلب کرے پس اگر اس نے نہ کیا اور چلا گیا تو شفعہ باطل ہو جائے گا اور اگر اس نے ایسا شخص نہ پایا جس کو وکیل کرے مگر اس کو ایک پیک دستیاب ہوا تو اس کے ہاتھ ایک خط بھیجے اور اس میں وکیل کر دے پس اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا اور اگر اس نے وکیل یا پیک نہ پایا تو اس کا شفعہ باطل نہ ہوگا یہاں تک کہ پیک کو پائے یہ ظہیریہ میں ہے ایک شخص کا شفعہ قاضی پر ہے تو چاہئے کہ قاضی کو سلطان کے پاس لے جائے جس کی طرف سے یہ قاضی متولی قضاء ہے اور اگر سلطان پر ہو اور قاضی نے اس کے حاضر کرنے سے انکار کیا تو وہ شخص اپنی شفعہ پر باقی رہے گا اس واسطے کہ یہ عذر ہے یہ محیط سرخسی میں ہے شفیع کو اگر رات میں بیع کا علم ہوا اور وہ نکل کر اشہاد پر قادر نہ ہوا پس اگر صبح ہوتے ہی اس نے اشہاد کیا تو صحیح ہے یہ خلاصہ میں ہے۔ امام محمد بن الفضل نے فرمایا کہ اگر وہ وقت ایسا ہو کہ لوگ اس وقت تک اپنی حاجت کے واسطے نکلتے ہوں تو نکل کر طلب کرے گا یہ حاوی میں ہے۔ فتاویٰ میں ہے کہ اگر یہودی نے سنیچر[1] کو بیع کا حال سنا مگر شفعہ نہ طلب کیا تو شفعہ باطل ہو جائے گا یہ خزانۃ المفتین میں ہے شفیع بالجوار نے اگر اس خوف سے قاضی سے شفعہ طلب نہ کیا کہ وہ قاضی شفعہ بالجوار کو جائز نہیں جانتا پس اگر میں طلب کروں تو باطل کر دے گا پس طلب نہ کیا تو یہ شخص اپنی شفعہ پر رہے گا اس واسطے کہ یہ عذر ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر باغیوں میں سے ایک شخص نے دوسرے جوان کے لشکر میں ہے ایک دار خریدا اور اس کا شفیع اہل حق کے لشکر میں ہے پس اگر شفیع کو یہ قدرت نہیں کہ خود اس کے لشکر میں جائے یا کوئی وکیل بھیجے تو وہ اپنے شفعہ پر رہے گا اور طلب الاشہاد کا ترک کرنا اس کے حق میں مضر نہ ہوگا اور اگر شفیع کو قدرت تھی کہ خود ان کے لشکر میں جائے یا کوئی وکیل بھیجے مگر اس نے طلب الاشہاد کیا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا یہ محیط میں ہے۔

شفیع اگر خارجیوں یا باغیوں کے لشکر میں ہو اور اس نے خوف کیا کہ اگر میں اہل عدل کے لشکر میں جاؤں تو مجھے قتل کریں گے پس اس نے طلب الاشہاد نہ کی تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا کیونکہ وہ قادر ہے کہ بغاوت چھوڑ کر اہل عدل کے لشکر میں جائے یہ محیط سرخسی میں ہے اگر بائع و مشتری نے اس بات پر اتفاق کیا کہ شفیع کو چند روز سے بیع کا حال معلوم ہوا ہے پھر اس کے بعد دونوں

[1] سنیچر یہودی کی عبادت کا روز۔

نے طلب میں اختلاف کیا پس شفیع نے کہا کہ جب سے مجھے معلوم ہوا جبھی سے میں نے طلب کیا ہے اور مشتری نے کہا کہ تو نے نہیں طلب کیا ہے تو قول مشتری کا قبول ہوگا اور شفیع پر واجب ہوگا کہ گواہ لائے اور اگر شفیع نے کہا کہ مجھے اسی وقت معلوم ہوا ہے اور میں شفعہ طلب کرتا ہوں اور مشتری نے کہا کہ تجھے پہلے سے معلوم ہوا ہے اور تو نے طلب نہیں کیا تو قول شفیع کا قبول ہوگا اور شیخ زاہد امام عبدالواحد شیبانی سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب شفیع کو خرید کا حال معلوم ہوا اور اس نے مواثبہ شفعہ طلب کرلیا تو اس کا حق ثابت ہوگا لیکن اس کے بعد اگر وہ کہتا ہے کہ میں نے فلاں وقت سے بیع کو جان کر شفعہ طلب کرلیا ہے تو اس کے قول کی تصدیق نہ ہوگی اور اگر کہتا ہے کہ میں نے اسی وقت بیع کا حال معلوم کیا ہے تو جھوٹا ہوگا پس اس بات میں حیلہ یہ ہے کہ کسی شخص سے کہے کہ تو مجھے خرید کر خبر دے پھر کہے کہ اس وقت مجھے خبر دی گئی تو اپنے قول میں سچا ہوگا اگرچہ اس سے پہلے بھی خبر پا چکا ہے اور محمد بن مقاتل نے اپنی نوادر میں ذکر کیا کہ اگر شفیع نے مشتری سے وقت متقدم میں شفعہ طلب کیا ہو مگر اس کو اس بات کا خوف ہے کہ اگر میں ایسا اقرار کرتا ہوں تو گواہوں کی ضرورت پڑے گی پس اس نے یوں کہا کہ (الساعة[1] علمت و انا اطلب الشفعة) تو اس کو ایسا کہنے کی اور ایسی قسم کھا جانے کی گنجائش ہوگی اور اپنی قسم میں استثناء کرے یہ محیط میں ہے۔ پھر اگر قاضی سے مشتری نے درخواست کی کہ شفیع سے قسم لے کہ واللہ اس نے جس وقت بیع کا حال جانا اسی وقت بدون تاخیر کے یہ شفعہ بطلب صحیح طلب کیا تو قاضی اس سے اس طور سے قسم لے گا پھر اگر مشتری نے اس بات کے گواہ پیش کئے کہ شفیع نے ایک زمانہ سے بیع کا حال جانا مگر شفعہ مگر شفعہ طلب نہیں کیا اور شفیع نے گواہ پیش کئے کہ میں نے جس وقت بیع کا حال جانا اسی وقت شفعہ طلب کیا ہے تو شفیع کے گواہ قبول نہ ہوں گے اور قاضی اس کے واسطے شفعہ کی ڈگری کر دے گا یہ امام اعظم کا مذہب ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک مشتری کے گواہ مقبول[2] ہوں گے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر مشتری نے شفیع سے بیع کا حال سننے کے وقت شفعہ طلب کرنے سے انکار کیا تو مشتری سے اس کے علم پر قسم لی جائے گی اور اگر مشتری سے ملاقات کرنے کے وقت شفعہ طلب کرنے سے انکار کیا تو اس سے قطعی قسم لے جائے گی یہ ملتقط میں ہے۔ اگر شفیع قاضی کے پاس آیا اور مشتری پر خرید دار کا دعویٰ کیا اور قاضی سے اپنے واسطے شفعہ کی درخواست کی تو قاضی مدعا علیہ کی طرف توجہ کرنے سے پہلے مدعی کی طرف متوجہ ہو کر موضع دار یعنی شہر و محلہ و حدود دار دریافت کرے گا اس واسطے کہ اس نے اس دار میں حق کا دعویٰ کیا ہے پس ضرور اس کا متعین ہونا چاہئے کیونکہ دعویٰ مجہول صحیح نہیں ہے پس ایسا ہوگیا کہ گویا اس نے رقبہ دار کا دعویٰ کیا پھر جب اس نے یہ سب بیان کیا تو اس سے دریافت کرے گا کہ آیا مشتری نے دار پر قبضہ کرلیا یا نہیں کیونکہ اگر مشتری نے قبضہ نہ کیا ہو تو شفیع کا دعویٰ فقط مشتری پر صحیح نہیں ہے یہاں تک کہ بائع حاضر ہو پھر جب اس نے یہ بھی بیان کیا تو اس سے سبب شفعہ اور مشفوع بہا کے حدود دریافت کرے گا اس واسطے کہ سبب میں لوگ مختلف ہوتے ہیں پس احتمال ہے کہ اس نے سبب غیر صالح کی وجہ سے دعویٰ کیا ہو یا کسی دوسرے کی وجہ سے کہ یہ قدئی حق شفعہ سے محجوب[3] ہو پھر جب اس نے سبب صالح بیان کیا اور دوسرے کی وجہ سے محجوب نہ نکلا تو اس سے دریافت کرے گا کہ تجھ کو کب بیع کا علم ہوا اور وقت علم کے تو نے کیا کیا اس واسطے کہ شفعہ بسبب طول زمان اور بلسبب اعراض کے یا جو امر اعراض پر دلالت کرے پائے جانے سے باطل ہو جاتا ہے پس اس کا حال کھل جانا ضرور ہے پھر جب اس نے یہ بھی بیان کرلیا تو اس سے دریافت کرے گا کہ اس نے کیونکر طلب اشہاد کی اور کس کو گواہ کیا ہے

---

[1] قولہ الساعۃ متبادر اطلاق سے یہ ہے کہ اسی ساعت میں نے معلوم کیا مگر بقاعدہ عربی الف لام سے معہود وقت مراد ہو سکتا ہے یعنی وہ ساعت جس میں اس نے معلوم کر کے مشتری سے طلب کیا تھا جو بخوف بیان نہیں کر سکتا ہے اور یہاں یہی مراد ہے فافہم۔ [2] یہاں قبولیت سے استحقاق مراد ہے اگرچہ وہ گواہ مجروح ہونے کے باعث سے مردود ہو جائیں۔ [3] یہ مدعی بحق جوار ہے اور دوسرا شفیع بحق شرکت موجود ہے۔

اور آیا جس کے حضور میں گواہ کئے وہ دوسرے سے اقرب تھا یا نہ تھا جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے پھر جب اس نے یہ سبب بیان کر لیا اور شروط طلب میں کچھ خلل نہ پایا گیا تو اس کا دعویٰ تمام ہو گیا پھر مدعا علیہ کی طرف متوجہ ہو کر اس سے دریافت کرے گا کہ جس دار کی وجہ سے مدعی خواستگار شفعہ ہے وہ شفیع کی ملک ہے یا نہیں اگرچہ یہ دار شفیع کے قبضے میں ہو جو بظاہر ملکیت پر دلالت کرتا ہے اس واسطے کہ ملک ظاہر استحقاق شفعہ کے واسطے کافی نہیں ہے پس ضروری ہے کہ استحقاق شفعہ کے واسطے اس کی ملکیت بحجت ثابت ہو پس اس بات کو دریافت کرے گا پھر اگر مدعا علیہ نے ملک مدعی ہونے سے انکار کیا تو مدعی سے کہے گا کہ اس امر کے گواہ پیش کرے کہ یہ دار تیری ملک ہے پس اگر مدعی ایسے گواہ قائم کرنے سے عاجز ہوا اور اس نے مدعا علیہ کی قسم طلب کی تو قاضی مشتری سے قسم لے گا کہ واللہ میں نہیں جانتا ہوں کہ یہ مدعی اس دار کا مالک ہے جس کی وجہ سے شفعہ کا دعویٰ کرتا ہے اس لئے[1] کہ مدعی نے اس پر ایسے حق کا دعویٰ کیا ہے کہ اگر اس کا اقرار کر لے تو اس کے ذمہ لازم ہو جائے گا مگر چونکہ دوسرے کے قبضہ میں ہے اس واسطے اس سے علم پر قسم لی جائے گی اور یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے کذافی التبیین اور اسی پر فتویٰ ہے کذافی السراجیہ پس اگر مشتری نے قسم سے نکول کیا یا شفیع کے گواہ قائم ہو گئے یا مشتری نے خود ہی ایسا اقرار کر لیا تو جس دار کی وجہ سے شفیع حق شفعہ کا دعویٰ کرتا ہے اس میں شفیع کی ملک ثابت ہو گئی اور سبب بھی ثابت ہو گیا پھر قاضی اس کے بعد مدعا علیہ سے دریافت کرے گا کہ آیا تو نے خریدا ہے یا نہیں پھر اگر اس نے خرید سے انکار کیا تو شفیع کو حکم دے گا کہ تو گواہ قائم کر کہ اس نے خریدا ہے پس اگر شفیع ایسے گواہ قائم کرنے سے عاجز رہا اور اس نے مشتری کی قسم طلب کی تو قاضی اس سے قسم لے گا کہ واللہ میں نے نہیں خریدا ہے یا واللہ مجھ پر یہ شخص اس دار میں استحقاق شفعہ جس وجہ سے اس نے ذکر کیا ہے نہیں رکھتا ہے پس یہ تحلیف علی الحاصل ہے[2] اور یہ امام اعظم و امام محمد کا قول ہے۔ اوّل تحلیف علی السبب ہے اور وہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے پس اگر اس نے قسم سے نکول کیا یا اقرار کیا یا شفیع کے گواہ قائم ہو گئے تو قاضی شفعہ کی ڈگری کر دے گا اس واسطے کہ حق بحجت ظاہر ہو گیا یہ تبیین میں لکھا ہے

اجناس میں گواہی ادا کرنے کی کیفیت اس طرح بیان فرمائی کہ گواہوں کو یوں گواہی دینی چاہئے کہ یہ دار جو دار مبیعہ کے جوار میں واقع ہے وہ اس مشتری کے اس دار (۱) خریدنے سے پہلے سے اس شفیع کی ملک ہے اور وہ اس دم تک اسی کی ملک ہے ہم نہیں جانتے ہیں کہ اس کی ملک سے نکلا ہو اور اگر گواہوں نے کہا کہ یہ دار اس جار کا ہے تو کافی نہیں ہے۔ اگر یوں گواہی دی کہ شفیع نے یہ دار فلاں شخص سے خریدا ہے اور وہ شفیع کے قبضہ میں ہے یا فلاں شخص نے یہ دار اس کو ہبہ کیا ہے تو یہ کافی ہے پس اگر شفیع نے مشتری سے قسم[3] لینے کا ارادہ کیا تو اس کو ایسا اختیار حاصل ہے یہ ذخیرہ و محیط میں ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر ایک شخص نے ایک دار کا دعویٰ کیا اور گواہ قائم کئے کہ یہ دار اس مدعی کے باپ کے ہاتھ میں رہا اور جب تک وہ مرا ہے اسی کے قبضہ میں تھا تو مدعی کے نام دار[4] کی ڈگری کی جائے گی پھر اگر اس کے پہلو میں کوئی دار فروخت کیا گیا تو یہ شخص شفعہ کا مستحق نہ ہو گا یہاں تک کہ اپنی ملک کے گواہ قائم کرے ایک دار ایک شخص کے قبضہ میں ہے اس نے اقرار کیا کہ فلاں شخص کا ہے پھر اس کے پہلو میں دوسرا دار فروخت کیا گیا پس مقر ر نے شفعہ طلب کیا تو اس کو شفعہ نہ ملے گا یہاں تک کہ اس بات کے گواہ قائم کرے کہ یہ دار میرا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ خصافؒ نے اسقاط شفعہ کے واسطے ذکر کیا کہ بائع نے اگر ایک شخص کے واسطے ایک حصہ دار کا اقرار کیا پھر باقی دار اس کے ہاتھ فروخت کر دیا تو اس کا جار مستحق شفعہ نہ ہو گا

---

[1] قولہ اس لئے الخ اور جہاں ایسا ہو کہ مدعا علیہ کے اقرار سے مدعی دو مولیٰ ثابت ہو جائے تو ایسے امر پر قسم لی جائے گی۔ پھر مدعا علیہ سے اس کے علم پر اس واسطے قسم لی کہ دار مدعی کے قبضہ میں ہے تو قطعی قسم کیونکر کھائے کہ اس کی ملکیت نہیں ہے پھر اگر قسم سے نکول یعنی انکار کرے تو گویا اقرار کر لیا۔

[2] یہ یعنی حاصل مطلب پر قسم دینا۔ [3] قسم یعنی مشتری جانتا ہے کہ یہ دار میری ملکیت ہے۔ [4] دار یعنی جو مرتے دم تک اس کے باپ کے قبضہ میں تھا کیونکہ ظاہری سبب موجود ہے لیکن یہ شفعہ کے لئے کافی نہیں چنانچہ پھر آگے ذکر اتی۔

(۱) دار مشفوعہ۔

اور شیخ ابوبکر خوارزمیؒ اس مسئلہ میں شیخ خصافؒ کی خطا بیان کرتے تھے اور خود یوں فتویٰ دیتے تھے کہ جار کو حق شفعہ حاصل ہوگا اس واسطے کہ شرکت سوائے اقرار بائع کے کسی طرح ثابت نہیں[1] ہوئی ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ دو شخصوں نے ایک نیستان اپنے باپ سے میراث پایا اور دونوں میں سے ایک وارث معین کو میراث کا علم نہ ہوا اور اس نے نہ جانا کہ میرا اس میں حصہ ہے پھر اس نیستان کے پہلو میں دوسرا نیستان فروخت کیا گیا پس اس نے شفعہ بھی طلب نہ کیا پھر جب اس کو معلوم ہوا کہ اس میں میرا حصہ ہے تو اس نے نیستان مبیعہ میں شفعہ طلب کیا تو مشائخ نے فرمایا کہ اس کا حق شفعہ باطل ہو گیا اس واسطے کہ شفعہ متاکد ہونے کی شرط یہ ہے کہ بیع کا حال معلوم ہونے کے وقت طلب مواثبہ پائی جائے پھر جب اس نے طلب نہ کیا تو اس کا حق شفعہ باقی نہ رہے گا اور جہالت کچھ عذر نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

باب چہارم:

شفیع کے کل یا بعض مبیع کے استحقاق کے بیان میں

ایک شخص نے پانچ منزلیں ایک ہی شخص سے ایک ہی صفقہ میں ایک کوچہ غیر نافذہ میں خریدیں پس شفیع نے چاہا کہ ایک منزل (حویلی) لے لے تو مشائخ نے فرمایا کہ اگر شفیع نے راستہ کی شرکت کی وجہ سے شفعہ طلب کیا ہو تو بعض کو نہیں لے سکتا اس واسطے کہ اس میں بلاضرورت تفریق صفقہ لازم آتی ہے اور اگر اس نے بحکم جواز شفعہ طلب کیا اور اس کا جوار صرف اسی منزل سے ہے جس کو طلب کرتا ہے تو اس کو اس ایک منزل کے لینے کا اختیار ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر شفیع نے چاہا کہ بعض مبیع کو شفعہ میں لے اور بعض کو نہ لے پس اگر بعض سے ممتاز نہ ہو مثلاً مشتری نے ایک دار خریدا اور شفیع نے بعض دار سوائے بعض کے یا وہ جانب جو دروازہ سے متصل ہے سوائے باقی کے لینا چاہا تو ہمارے اصحاب کے نزدیک بلا خلاف اس کو ایسا اختیار نہ ہوگا مگر چاہے تو کل لے لے یا سب چھوڑ دے اس لئے کہ اگر اس نے کچھ لیا اور کچھ نہ لیا تو مشتری کے حق میں تفریق صفقہ ہو جائے گی خواہ ایک مشتری نے ایک ہی سے خریدا ہو یا ایک نے دو سے خریدا ہو یا زیادہ سے حتیٰ کہ اگر شفیع نے چاہا کہ دو بائع میں سے ایک کا حصہ لے لے تو ہمارے اصحاب سے ظاہر الروایۃ کے موافق اس کو یہ اختیار نہ ہوگا خواہ مشتری نے دار مذکور پر قبضہ کر لیا ہو یا نہ کیا ہو اور یہی صحیح ہے۔ اگر دو شخصوں نے ایک شخص سے ایک دار خریدا تو بالاجماع شفیع کو اختیار ہوگا کہ ایک مشتری کا حصہ لے لے خواہ قبضہ سے پہلے یا اس کے بعد یہی ظاہر الروایۃ ہے اس واسطے کہ صفقہ ابتدا سے متفرق ہوا ہے پس بعض کا لینا تفریق صفقہ نہ ہوگی اور برابر ہے چاہے ہر واحد کے واسطے نصف ثمن علیحدہ بیان کیا ہو یا سب کے واسطے ایک ہی ثمن بیان کیا ہو اور دونوں صورتوں میں چاہے مشتری اپنی ذات کے واسطے عاقد ہو یا کسی غیر کے واسطے حتیٰ کہ اگر دو شخصوں نے ساتھ ہی ایک شخص کو خرید کے واسطے وکیل کیا پھر وکیل نے دو آدمیوں سے دار خریدا پھر شفیع آیا تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ دونوں بائعوں میں سے ایک کا حصہ شفعہ میں لے لے اور اگر ایک شخص نے دو آدمیوں کو وکیل کیا اور دونوں نے ایک شخص سے دار خریدا تو شفیع کو اختیار ہوگا کہ ایک وکیل نے جس قدر خریدا ہے اس کو لے لے اسی طرح اگر وکیل دس آدمی ہوں اور انہوں نے ایک شخص کے واسطے دار خریدا تو شفیع کو اختیار ہوگا کہ چاہے ایک سے لے لے یا دو سے یا تین سے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس بات میں ہم مشتری کی طرف دیکھتے ہیں اور جس کے واسطے خریدا ہے اس کی طرف نہیں دیکھتے ہیں اور یہ نظر صحیح ہے اور اگر بعض مبیع بعض سے ممتاز ہو مثلاً دو دار ایک ہی صفقہ میں خریدے اور شفیع نے چاہا کہ ایک دار سوائے دوسرے کے لے لے پس اگر یہ شفیع ان دونوں کا شفیع ہو تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا

---

[1] نہیں الخ حالانکہ شفعہ کے لئے ملک ثابت چاہئے۔

لیکن چاہے دونوں لے لے یا دونوں چھوڑ دے اور یہ ہمارے اصحاب[1] ثلاثہ رحمہم اللہ کا قول ہے خواہ یہ دونوں دار متلاصق ہوں یا متفرق ہوں ایک ہی شہر میں ہوں یا دو شہروں میں ہوں اور اگر شفیع دونوں میں سے ایک کا شفیع ہو دوسرے کا شفیع نہ ہو اور بیع ایک ہی صفقہ میں واقع ہوئی پس آیا شفیع کو یہ اختیار ہے کہ کل کو شفعہ میں لے لے سو امام اعظمؒ سے مروی ہے کہ اس کو یہ اختیار نہیں ہے فقط اسی قدر حصہ رسد لے سکتا ہے جس کا وہ جار ہے۔ اسی طرح اگر دو دار متلاصق ہوں اور ان میں سے ایک کا ایک شخص بسبب جوار کے شفیع ہو تو امام محمدؒ سے بھی مروی ہے کہ اس کو شفعہ فقط اسی قدر میں مل سکتا ہے جس کا وہ جار ہے اور ایسا ہی امام محمدؒ نے اس مسئلہ میں فرمایا ہے کہ اگر چند قراح (کھیت) متلاصقہ ہیں اور ان میں سے ایک قراح ایک شخص کی زمین سے متصل ہے اور ان قراحوں کے درمیان نہ راستہ ہے اور نہ نہر مگر ایک مسناة ہے تو فرمایا کہ جار کو فقط اسی قراح کا حق شفعہ ملے گا جو اس کی زمین سے متصل ہے اسی طرح گاؤں کے مسئلہ میں کہ ایک گاؤں مع اپنے گھروں و زمین کے فروخت کیا گیا تو ہر شفیع کو یہی اختیار ہوگا کہ فقط جو قرح اس سے متصل ہے اسی کو لے لے اور حسن بن زیادؒ نے امام اعظمؒ سے روایت کیا ہے کہ شفیع کو اختیار ہوگا کہ سب کو شفعہ میں لے شیخ کرخیؒ نے فرمایا کہ حسن بن زیادؒ کی روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا قول مثل قول امام محمدؒ کے تھا پھر انہوں نے اس سے رجوع کر کے دونوں کو مثل دار واحد کے قرار دیا ہکذا فی البدائع۔

باب پنجم :

حکم بالشفعہ اور شفعہ میں خصومت کرنے کے بیان میں

دعویٰ کے وقت شفیع پر ثمن حاضر کرنا لازم نہیں ہے بلکہ اس کو اپنی طرف سے خصومت کرنا جائز ہے اگرچہ اس نے مجلس قاضی میں ثمن حاضر نہ کیا ہو پھر جب قاضی نے اس کے نام شفعہ کی ڈگری کر دی تو ثمن حاضر کرا سکتا ہے اور یہ روایت کتاب الاصل کی ہے اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ جب تک ثمن حاضر نہ کرے تب تک قاضی اس کے نام شفعہ کی ڈگری نہ کرے گا اور اگر قبل احضار ثمن کے قاضی نے ڈگری کر دی تو مشتری کو اختیار ہوگا کہ جب تک اپنا ثمن نہ لے لے تب تک عقار اس کو دینے سے روک رکھے اور ایسا حکم قضاء امام محمدؒ کے نزدیک اس وجہ سے نافذ ہو جائے گا کہ یہ صورت مجتہد[2] فیہ ہے۔ اگر قاضی کے اس کہنے کے بعد کہ مشتری کو ثمن دے دے شفیع نے ثمن دینے میں تاخیر کی تو حکم بالشفعہ بالا جماع باطل نہ ہوگا یہ تبیین میں ہے پس اگر شفیع نے دار مشفوعہ مشتری سے لیا اور اس کو ثمن دیا تو اس کا عہدہ ضمان مال مشتری پر ہوگا۔ اگر بائع سے لے کر اس کو ثمن دیا تو ہمارے نزدیک اس کا عہدہ ضمان مال بائع پر ہوگا۔ ابو سلیمانؒ نے امام ابو یوسفؒ سے روایت کی کہ اگر مشتری نے بائع کو دار کا ثمن دے دیا اور دار پر قبضہ نہ کیا ہو یہاں تک کہ قاضی نے دونوں کے حضور میں شفیع کے واسطے شفعہ کی ڈگری کر دی تو شفیع اس دار کو بائع سے اپنے قبضہ میں لے کر مشتری کو ثمن ادا کر دے گا اور اس کا عہدہ مشتری پر ہوگا اور اگر مشتری نے ہنوز ثمن نہ دیا ہو تو شفیع ثمن بائع کو دے گا اور اس کا عہدہ بائع پر ہوگا پھر اگر شفیع نے اس صورت میں دار میں عیب پایا اور بحکم قاضی بائع یا مشتری کو واپس دیا پھر مشتری نے چاہا کہ اس کو اپنی خرید سابق پر لے لے یا بائع نے چاہا کہ اسی خرید کے حکم سے مشتری کو واپس دے تو مشتری کو اختیار ہوگا چاہے لے لے یا چھوڑ دے اور اگر شفیع نے مشتری سے دار مشفوعہ لے کر چاہا کہ مشتریؒ پر سند کے واسطے ایک نوشتہ لکھے تاکہ شفیع کے واسطے مشتری پر مضبوطی رہے تو اس کو ایسا اختیار ہوگا اور نوشتہ میں یوں بیان تحریر کرے کہ اولاً مشتری نے اس کو خریدا ہے پھر اس پر اپنی شفعہ میں لینے کا حال بترتیب لکھے اور شفیع وہ نوشتہ جو مشتری نے اپنے بائع پر لکھا ہے لے لے اور اگر

[1] اصحاب ثلاثہ امام ابو حنیفہ و ابو یوسف و محمد رحمہم اللہ تعالیٰ۔ [2] مجتہد فیہ دونوں طرف اجتہاد ہے تو جس طرف قاضی حکم کرے جائز ہو جائے گا۔

مشتری نے وہ نوشتہ دینے سے انکار کیا تو اس کو اختیار ہے لیکن شفیع کو اپنی ذات کے واسطے احتیاط چاہئے پس ایک قوم کو اس بات پر گواہ کرے کہ مشتری نے یہ دار شفیع کو بحق شفعہ سپرد کیا ہے اور اگر شفیع نے دار مذکور بائع سے لیا ہو تو جیسا نوشتہ مشتری سے لینے میں تحریر کرنا بیان کیا گیا ویسا ہی بائع پر تحریر کرے اور اس نوشتہ میں یہ تحریر کرے کہ مشتری نے یہ اقرار کیا کہ جو کچھ اس نوشتہ میں لکھا ہے یعنی تسلیم کیا اور اجازت دی اور اقرار کیا کہ میرا اس دار یا اس کے ثمن میں کچھ حق نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر چاہے تو نوشتہ دونوں پر بدیں مضمون تحریر کرے کہ دار مبیعہ بحق شفعہ شفیع کو سپرد کیا اور بائع نے مشتری کی رضامندی سے ثمن پر قبضہ کیا اور بائع ضمان الدرک کا ضامن ہوا یہ مبسوط میں ہے اگر قاضی نے شفیع کے واسطے بحق شفعہ دینے کا حکم دیا یا مشتری نے خود سپرد کر دیا تو ان دونوں میں بیع کے احکام ثابت ہوں گے یعنی خیار رویت و خیار عیب اور وقت استحقاق کے ثمن واپس لینا لیکن شفیع تاوان غرور[1] واپس نہیں لے سکتا ہے حتیٰ کہ اگر اس نے دار مشفوعہ میں عمارت بنائی پھر وہ دار استحقاق ثابت کر کے لے لیا گیا اور شفیع کو حکم دیا گیا کہ اپنی عمارت توڑے تو شفیع کو یہ اختیار ہو گا کہ جس سے اس نے دار لیا ہے اس سے اپنا ثمن واپس لے اور مشہور روایت کے موافق یہ اختیار نہ ہو گا کہ عمارت کی قیمت واپس لے مگر امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے کہ قیمت عمارت بھی لے سکتا ہے اور مشتری[2] (۱) واپس لے گا یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے۔

اگر خرید ادھار بوعدہ ایک سال کے مثلاً واقع ہوئی پس شفیع نے حاضر ہو کر شفعہ طلب کیا اور چاہا کہ اسی مدت کے وعدہ پر ادھار لے لے تو بدوں رضامندی ماخوذ منہ (۲) کے اس کو یہ اختیار نہ ہو گا اور اگر ماخوذ منہ راضی نہ ہوا تو قاضی شفیع سے کہے گا کہ یا تو فی الحال ثمن نقد دے دے یا صبر کر یہاں تک کہ میعاد آ جائے پس اگر اس نے فی الحال ثمن نقد ادا کیا اور قبضہ کرنا بائع سے حاصل ہوا تو مشتری کے ذمہ سے ثمن ساقط ہو جائے گا اور اگر فی الحال ثمن نقد ادا کر کے مشتری سے قبضہ حاصل کیا تو مشتری کے حق میں ادائے ثمن کی میعاد بحالہ باقی رہے گی حتیٰ کہ بائع کو قبل میعاد آنے کے ولایت مطالبہ مشتری حاصل نہ ہو گی اور اگر شفیع نے صبر کیا یہاں تک کہ میعاد آ گئی تو شفیع اپنے حق شفعہ پر ہو گا اور یہ سب اس وقت ہے کہ ادھار کی میعاد معلوم ہو اور اگر میعاد ادائے ثمن مجہول ہو جیسے کھیتی کٹنا اور روندی جانا وغیرہ اس کے اشباہ اور شفیع نے کہا کہ میں فی الحال ثمن دے کر مبیع لے لیتا ہوں[3] تو اس کو یہ اختیار نہ ہو گا یہ محیط و ذخیرہ و فتاویٰ عتابیہ میں ہے۔ اگر کسی میعاد فاسد کے ادھار پر خریدا پھر مشتری نے ثمن فی الحال دے دیا تو بیع جائز ہو جائے گی اور شفعہ ثابت ہو گا اسی طرح اگر ایسی زمین فروخت کی گئی جس میں مزارع کی کھیتی موجود ہے تو بیع کے وقت شفعہ طلب کرے اور مجرد[4] میں خیار مؤبد اور ادھار بمیعاد عطاء کی صورت میں مروی ہے کہ اس کا فی الحال شفعہ میں لینا جائز ہے اور اگر فی الحال طلب نہ کیا تو شفعہ باطل ہو جائے گا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ شافعی المذہب نے اگر بسبب جوار کے شفعہ طلب کیا تو قاضی اس سے دریافت کرے گا کہ آیا شفعہ بالجوار کا قائل ہے یا نہیں پس اگر اس نے کہا کہ ہاں تو اس کے نام شفعہ کی ڈگری کر دے گا ورنہ نہیں یہ سراجیہ میں ہے۔ زید نے عمرو سے ایک دار ہزار درہم کو خرید کر پھر دوسرے کے ہاتھ دو ہزار کو فروخت کر کے سپرد کر دیا پھر شفیع حاضر ہوا اور اس نے بیع اوّل پر دار لینا چاہا تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ جس کے قبضہ میں موجود ہے اس سے لے کر اس کو ہزار درہم دے گا اور پھر اس سے کہا جائے گا کہ اپنے بائع سے جس نے تیرے ہاتھ فروخت کیا ہے باقی ہزار درہم لے لے اور حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی کہ اگر شفیع ایسے وقت حاضر ہو کہ اس دار کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کر کے سپرد کر چکا ہے اور غائب ہو گیا ہے اور شفیع نے اس کو بیع اوّل پر لینا چاہا تو شفیع اور دوسرے مشتری کے درمیان

---

[1] تاوان غرور یعنی دھوکہ کھا کر جو کچھ خرچ کیا اس کا تاوان نہیں لے سکتا۔ [2] ایسا اگر مشتری نے فریب کھایا تو علاوہ ثمن کے اپنا خرچہ عمارت بھی واپس لے گا اور شفیع واپس نہیں لے سکتا ہے۔ [3] شرط مفسد سے بیع فاسد ہوئی تو شفعہ مترتب نہ ہو گا۔ [4] مجرد یعنی کتاب حسنؒ میں ہے کہ اگر بیع میں تین روز سے زیادہ یا دائمی خیار ہو یا کہا کہ جب عطیہ تقسیم ہو گا اس وقت دام دوں گا حتیٰ کہ بیع فاسد ہوئی تو بظاہر شفعہ نہیں ہو سکتا لیکن مجرد میں ہے کہ فی الحال الخ۔

(۱) ایسی صورت میں تاوان غرور۔ (۲) جس سے لیا ہے۔

خصومت قائم[1] نہ ہوگی پس حاصل یہ نکلا کہ اگر شفیع نے دار کو بیع اوّل پر لینا چاہا تو امام اعظمؒ کے نزدیک مشتری اوّل کا حاضر ہونا شرط ہے۔ یہی قول امام محمدؒ کا ہے اور امام ابو یوسفؒ کے قول میں مشتری اوّل کا حاضر ہونا شرط نہیں ہے اور اگر شفیع نے بیع ثانی پر لینا چاہا تو مشتری اوّل کا حاضر ہونا بلا خلاف شرط نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔

پھر اگر شفیع نے کہا کہ اگر میں تین روز تک ثمن نہ لاؤں تو میں شفعہ سے بری ہوں پھر وہ اس مدت تک ثمن نہ لایا تو امام محمدؒ سے ابن رستمؒ نے روایت کی کہ اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا اور مشائخ نے فرمایا کہ اس کا شفعہ نہیں باطل ہوگا اور یہی صحیح ہے اور اگر شفیع نے دینار حاضر کئے حالانکہ ثمن درہم ہیں یا علی العکس تو اس میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس کا شفعہ باطل نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ فتاویٰ عتابیہ میں لکھا ہے کہ اگر شفیع ہونے کی حالت خصومت میں مشتری نے درخواست کی کہ فلاں وقت تک خصومت ملتوی کرے اور شفیع نے اس کو قبول کر لیا تو ایسا ہی رہے گا اور منتقی میں بروایت بشرؒ کے امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ شفیع کا یہ قول کہ میرا کچھ حق فلاں شخص کے پاس نہیں ہے شفعہ سے بریت ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک شخص کے قبضہ میں ایک دار ہے پس ایک مدعی نے آ کر اس قابض پر دعویٰ کیا کہ اس نے یہ دار فلاں شخص سے خریدا ہے اور میں اس کا شفیع ہوں اور اس پر گواہ قائم کر دیئے اور قابض نے اس امر کے گواہ پیش کئے کہ فلاں شخص نے میرے پاس یہ دار ودیعت رکھا ہے تو قاضی مدعی کے نام شفعہ کی ڈگری کر دے گا اس واسطے کہ قابض بسبب دعویٰ فعل کے یعنی اس نے خریدا ہے خصم قرار دیا گیا ہے اور اگر مدعی نے قابض پر خرید کا دعویٰ نہ کیا بلکہ یہ دعویٰ کسی اور ہی شخص پر کیا تو قابض پر ڈگری نہ ہوگی اور اس کی صورت یہ ہے کہ یہ مدعی قابض سے یوں کہے کہ فلاں شخص یعنی غیر قابض نے یہ دار فلاں بائع سے اس قدر داموں کو خریدا اور ثمن ادا کیا اور میں اس کا شفیع ہوں اور اس دعویٰ کے گواہ قائم کر دے اور قابض نے اس امر کے گواہ دیئے کہ فلاں شخص نے میرے پاس یہ دار ودیعت رکھا ہے تو ان دونوں (شفیع کے نام حکم نہ دیا جائے گا ۱۲) میں خصومت نہ ہوگی یہاں تک کہ غائب حاضر ہو اس واسطے کہ قابض اس صورت میں بوجہ ظاہری قبضہ کے خصم ٹھہرایا گیا ہے۔ نہ بسبب دعویٰ فعل کے یہ محیط میں ہے ایک شخص نے کھرے داموں سے ایک دار خریدا مگر زیوف یا نبہرہ درہم ادا کئے تو شفیع اس دار کو کھرے[2] (1) درہموں کے عوض لے سکتا ہے۔ کذا فی السراجیہ اور اگر بائع جید درہم کے بدلے زیوف لینے پر راضی ہو گیا ہے تو بھی مشتری کو اختیار ہوگا کہ شفیع سے کھرے درہم لے لے یہ مضمرات میں ہے۔

باب ششم:

اس بیان میں کہ ایک دار فروخت کیا جائے اور اس کے چند شفیع جمع ہوں

جاننا چاہئے کہ اگر چند شفیع جمع ہوں تو قبل استیفاء حقوق و قضائے قاضی کے ہر ایک کا حق پورے دار میں ثابت ہوگا حتیٰ کہ اگر ایک دار کے دو شفیع ہوں اور ایک شفیع نے لینے سے اور حکم قضاء سے پہلے اپنا حق شفعہ مشتری کو دے دیا تو دوسرے کو اختیار ہوگا کہ کل دار کو لے لے اور بعد استیفاء و بعد قضاء کے ہر ایک کا حق اس قدر سے جتنے کا دوسرے کے واسطے حکم ہو گیا ہے معدوم ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اگر ایک دار کے دو شفیع ہوں اور قاضی نے دونوں کے واسطے آدھے آدھے دار کے حق شفعہ کا حکم دے دیا پھر ایک شفیع نے اپنا حق شفعہ نصف دے دے

---

[1] قولہ قائم نہ ہوگی میں کہتا ہوں کہ اس بنا پر اگر بائع و مشتری نے حیلہ کیا کہ زید نے ہزار درہم کو اپنا مکان بکر کے ہاتھ فروخت کیا اور گواہ کر دیئے پھر بکر نے خالد کے ہاتھ جو اصلی مشتری ہونا چاہتا ہے پانچ ہزار درہم کو فروخت کیا اور گواہ کر دیئے اور غائب ہو گیا کیونکہ وہ نہیں معلوم کہاں کا تھا تو شفیع کو پانچ ہزار سے کم نہیں مل سکتا فتفہم۔ [2] کھرے اس واسطے کہ اصل بیع یہی ہے اور کھرے کی بجائے زیوف لینا بائع کی مہربانی بحال مشتری ہے۔

(1) اگر شفیع لے تو جید درہم دینے پڑیں گے۔

دیا تو دوسرے کو پورے دار کے لینے کا اختیار نہ ہوگا اور اگر بعض کا حق شفعہ بنسبت بعض کے اقویٰ ہو اور حقدار اقویٰ کے نام شفعہ کا حکم (۱) دیا تو حق ضعیف باطل ہو جائے گا حتیٰ کہ اگر دو شفیع ایک شریک و دوسرا جار جمع ہوئے اور شریک نے قبل حکم قاضی کے حق شفعہ مشتری کو دے دیا تو جار کو اختیار ہوگا کہ کل دار اپنے حق شفعہ میں لے لے اور اگر قاضی نے شفیع شریک کے نام شفعہ دار کی ڈگری کر دی پھر شریک نے شفعہ سپرد کیا تو پھر جار کو شفعہ نہ ملے گا یہ وغیرہ میں ہے۔ اگر دو شفیع میں سے ایک غائب ہو تو حاضر کو اختیار ہوگا کہ پورا دار شفعہ میں لے لے اور اگر اس نے نصف لینا چاہا اور مشتری اس پر راضی ہو گیا تو اس کو ایسا اختیار ہوگا اور اگر مشتری نے کہا کہ میں تجھے فقط آدھے کے سوائے نہ دوں گا تو اس کو کل لے لینے کا اختیار ہوگا کذا فی المبسوط۔ اگر حاضر نے غائب کے پیٹھ پیچھے کہا کہ میں آدھا یا تہائی لوں گا اور اسی قدر اس کے حق کی مقدار ہے تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا لیکن چاہے تو کل لے لے یا سب چھوڑ دے۔ یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اگر قاضی نے شفیع حاضر کے واسطے پورے دار کا حکم دے دیا پھر دوسرا شفیع حاضر ہوا اور اس کے واسطے نصف کا حکم دیا پھر تیسرا شفیع حاضر ہوا اس کے واسطے یہ حکم دیا کہ دونوں میں سے ہر ایک کے مقبوضہ سے ایک تہائی لے لے تاکہ دونوں میں سے ہر ایک کے برابر ہو جائے پھر جس شفیع کے واسطے پہلے پورے دار کا حکم دیا تھا اس نے دوسرے سے کہا کہ میں تجھے پورا دار دیتا ہوں سو تو سب لے لے یا سب چھوڑ دے تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا اور دوسرے کو اختیار ہوگا کہ اپنا نصف لے لے۔ یہ محیط میں ہے۔ اگر چند شفیعوں میں سے ایک شخص نے پہلے حاضر ہو کر اپنا شفعہ ثابت کیا تو قاضی اس کے واسطے پورے دار کا حکم دے گا پھر اگر دوسرے شفیع نے حاضر ہو کر اپنا شفعہ ثابت کیا تو قاضی نظر فرمائے گا اگر دوسرا شفیع مثل اوّل کے ہوگا تو قاضی اس کے واسطے نصف دار کے شفعہ کا حکم دے گا اور اگر دوسرا شفیع اوّل سے اولیٰ ہوگا مثلاً پہلا جار ہو اور دوسرا خلیط ہو تو قاضی شفیع اوّل کا شفعہ باطل کر کے پورے دار کا دوسرے کے واسطے حکم دے گا اور اگر دوسرا شفیع اوّل سے اودن (کم مرتبہ) ہو تو اس کے نام کچھ ڈگری نہ کرے گا یہ سراج الوہاج میں ہے۔

اگر ایک ایسے شخص نے ایک دار خریدا جو اس کا شریک ہے پھر اس کے مثل دوسرا شفیع آیا تو قاضی اس کے نام نصف دار کا حکم دے گا اور اگر دوسرا شفیع اس سے اولیٰ آیا تو قاضی اس کے نام پورے دار کی ڈگری کرے گا اور اگر دوسرا شفیع اس سے اودن آیا تو اس کو کچھ شفعہ نہ ملے گا یہ شرح طحاوی میں ہے۔ اگر حاضر کے نام پورے دار کی ڈگری ہو گئی اور اس نے دار میں عیب پا کر واپس کر دیا پھر شفیع غائب حاضر ہوا تو اس کو بیع اوّل پر سوائے نصف دار کے زیادہ لینے کا اختیار نہ ہوگا خواہ یہ رد بالعیب بحکم قاضی ہو یا بلا حکم قاضی ہو اور خواہ قبضہ سے پہلے ہو یا قبضہ کے بعد ہو اور اگر غائب نے جو حاضر ہوا ہے یہ چاہا کہ شفیع حاضر کے واپس کرنے کی وجہ سے میں پورا دار شفعہ میں لوں بیع اوّل کو چھوڑ دوں تو دیکھا جائے گا کہ اگر رد کرنا بغیر حکم قاضی ہو تو اس کو ایسا اختیار ہوگا اس واسطے کہ جو رد بغیر حکم قاضی ہو وہ بیع مطلق ہے پس شفعہ کے حق میں بیع جدید قرار دی جائے گی پس پورا دار شفعہ میں لے سکتا ہے جیسے کہ ابتدائی بیع میں لے سکتا ہے ایسا ہی امام محمدؒ نے جواب میں مطلقاً ذکر فرمایا ہے ان دونوں صورتوں کی کہ اگر رد بالعیب قبضہ سے پہلے یا قبضہ کے بعد ہو کچھ تفصیل نہ فرمائی اور ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہ جواب مطلق اس صورت پر محمول ہے کہ جب رد بالعیب قبضہ کے بعد ہو اس واسطے کہ قبضہ سے پہلے بسبب عیب کے بغیر حکم قاضی واپس کرنا بیع جدید ہے لیکن امام محمدؒ کی اصل پر عقار بیع کی قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہے ہاں یہ جواب مطلق امام اعظم و امام ابو یوسفؒ کی اصل کے موافق ٹھیک ہے اور بعضے مشائخ نے فرمایا کہ یہ جواب مطلق سب ائمہ کے موافق ٹھیک ہے اور اگر رد بالعیب بحکم قاضی ہو تو لے نہیں سکتا ہے اس واسطے کہ ایسی واپسی فسخ مطلق اور سرے سے عقد بیع کا اس طرح دور کر دیتا ہے کہ گویا تھا ہی نہیں اور حق شفعہ لینا بیع کے ساتھ مختص ہوتا ہے اور اگر شفیع حاضر نے دار مشفوعہ کے کسی عیب پر قبل اس کے کہ اس کے نام شفعہ کی ڈگری ہو مطلع

(۱) اگر حکم دیا تو باطل نہ ہوگا۔

ہو کر حق شفعہ مشتری کو دے دیا پھر شفیع غائب حاضر ہوا تو اس کو یہ اختیار ہو گا کہ کل دار لے لے یا چھوڑ دے اور اگر شفیع حاضر نے دار مشفوعہ کو بسبب عیب کے بعد از انکہ اس کے نام شفعہ کی ڈگری ہو گئی ہے واپس کر دیا پھر دو شفیع حاضر ہوئے تو دونوں اس دار کی دو تہائی حق شفعہ میں لے سکتے ہیں اور دو شفیع و تین ہونے کی صورت میں حکم یکساں ہے (مساوی) یعنی حق غائب میں سے بقدر حصہ حاضر کے ساقط ہو جاتا ہے اور اگر شفیع حاضر نے دار مشفوعہ کو مشتری سے خریدا ہو پھر شفیع غائب حاضر ہوا تو اس کو اختیار ہے چاہے پورے دار کو پہلی بیع پر لے لے یا پورے کو دوسری بیع پر لے لے اور اگر مشتری اوّل دار خرید کردہ کا شفیع ہوا اور اس سے شفیع حاضر نے خرید لیا پھر شفیع غائب حاضر ہوا تو اس کو اختیار ہو گا چاہے نصف دار کو پہلی بیع پر لے لے اس واسطے کہ مشتری اوّل کو حق خرید اپنے خریدنے سے پہلے حاصل نہیں ہوا تھا تا کہ اپنے خرید کرنے کی وجہ سے اس سے اعراض کرنے والا قرار دیا جائے پس جب دار کو شفیع حاضر کے ہاتھ فروخت کیا تو غائب کے واسطے فقط اسی قدر حق حاصل ہو گا جس قدر مشتری اوّل کی مزاحمت کے ساتھ اس کے حصہ میں آئے اور یہ نصف ہے اس لئے کہ بیع اوّل کے وقت سبب شفعہ ہر ایک کے واسطے پورے دار کے شفعہ کا موجب ہوا پھر شفیع حاضر کا حق بسبب اس کے خریدنے کے باطل ہو گیا کیونکہ خریدنا دلیل اعراض ہے پس مشتری اوّل و شفیع غائب کا حق پورے دار میں باقی رہ گیا سو وہ دونوں میں تقسیم کیا جائے گا پس بیع اوّل پر شفیع غائب نصف دار لے سکتا ہے۔ اگر چاہے تو پورے دار کو دوسری بیع پر لے لے اس واسطے کہ سبب شفعہ دوسرے عقد کے وقت شفیع کے واسطے موجب حق شفعہ ہوا پھر شفیع حاضر کا حق پہلے عقد کے وقت باطل ہو گیا اور دوسری خرید پر اس کے اقدام کرنے سے بدیں وجہ کہ خرید کرنا دلیل اعراض[1] ہے متعلق نہ ہوا پس غائب کو اختیار حاصل ہو جائے گا کہ دوسرے عقد پر پورے دار کو لے لے اور اگر مشتری اوّل کوئی اجنبی[2] ہو کہ اس نے دار کو ہزار درہم میں خرید کر کسی اجنبی کے ہاتھ دو ہزار کو فروخت کیا پھر شفیع حاضر ہوا تو اس کو اختیار ہو گا کہ چاہے بیع اوّل پر لے یا بیع ثانی پر کیونکہ سبب و شرط استحقاق دونوں بیع میں سے ہر ایک بیع کے انعقاد کے وقت موجود ہے پس اگر اس نے بیع اوّل پر لیا تو دار کا ثمن مشتری اوّل کو دے اور عہدہ بیع مشتری اوّل پر ہو گا اور دوسرے بیع ٹوٹ جائے گی اور دوسرا مشتری اپنا ثمن پہلے مشتری سے واپس کر لے گا۔ اگر اس نے بیع ثانی پر لیا تو دونوں بیع تمام ہو جائیں گی اور عہدہ مشتری ثانی پر ہو گا مگر اتنی بات ہے کہ اگر شفیع نے دوسرے مشتری کو پایا اور دار مذکور اس کے قبضہ میں ہے تو اس کو اختیار ہے کہ دوسری بیع پر دار مذکور کو لے لے خواہ مشتری اوّل حاضر ہو یا نہ ہو اور اگر پہلی بیع[3] پر لینا چاہا تو اس کو ایسا اختیار نہ ہو گا یہاں تک کہ دوسرا مشتری حاضر ہو ایسا ہی قاضی امام اسبیجابیؒ نے اپنی شرح مختصر الطحاویؒ میں ذکر فرمایا اور کچھ اختلاف نہیں بیان کیا اور امام کرخیؒ نے ذکر کیا کہ یہ امام اعظمؒ و امام محمدؒ کا قول ہے اور اگر مشتری نے دار مذکور میں سے نصف فروخت کیا پورا نہیں فروخت کیا پھر شفیع آیا اور اس نے چاہا کہ پورا دار بیع اوّل پر لے لے تو پورا دار لے سکتا ہے اور نصف دار کی دوسری بیع جو اوّل نے دوسرے کے ہاتھ فروخت کیا ہے باطل ہو جائے گی اور اگر اس نے چاہا کہ دوسری بیع پر نصف دار لے لے تو اس کو یہ اختیار ہے اور اگر مشتری نے وہ دار فروخت نہ کیا بلکہ کسی شخص کو ہبہ کیا یا کسی کو صدقہ میں دیا اور موہوب لہ یا متصدق علیہ نے اس پر قبضہ کر لیا پھر شفیع حاضر ہوا اور مشتری و موہوب لہ[4] دونوں حاضر ہیں تو شفیع اس کو عقد بیع پر لے گا نہ عقد ہبہ پر اور مشتری کا حاضر ہونا ضرور ہے حتیٰ کہ اگر شفیع آیا اور اس نے فقط موہوب لہ کو پایا تو اس کے ساتھ کچھ خصومت نہیں کر سکتا ہے جب تک کہ مشتری کو نہ پائے پھر مشتری کو پا کر اس سے عقد بیع پر لے لے گا اور اس کا ثمن مشتری کو ملے گا اور ہبہ باطل ہو جائے گا ایسا ہی قاضی امام اسبیجابیؒ نے بلا ذکر خلاف بیان کیا ہے اور اگر مشتری نے نصف دار تقسیم کر کے ہبہ کر کے سپرد کیا اور موہوب لہ نے اس پر قبضہ کر لیا پھر شفیع

ل اعتراض یعنی گویا شفعہ سے منہ موڑ لیا تو شفعہ جاتا رہا۔

(۱) حق و شفعہ میں لینے سے اعراض ہے۔ (۲) شفیع نہ ہو۔ (۳) پہلے مشتری کو پا کر اس سے پہلی بیع لے۔ (۴) یا متصدق علیہ۔

حاضر ہوا اور اس نے باقی نصف شفعہ میں آدھے ثمن کے عوض لینا چاہا تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا لیکن اگر چاہے تو کل کو پورے داموں کے عوض لے لے یا سب چھوڑ دے اور [1] ہبہ باطل ہو جائے گا اور اس کا ثمن موہوب لہ کو نہ ملے گا بلکہ مشتری کو ملے گا یہ بدائع میں ہے۔

ایک شخص نے ایک ایسا دار جس کے دو شخص شفیع ایک حاضر اور دوسرا غائب ہے خرید ا اور شفیع حاضر نے شفعہ طلب کیا اور قاضی نے اس کے نام شفعہ کا حکم دے دیا پھر دوسرا شفیع آیا تو وہ اپنا حق شفعہ شفیع حاضر سے جس کے نام قاضی نے حکم دے دیا ہے طلب کرے گا نہ مشتری سے اور یہ اس وقت ہے کہ شفیع حاضر نے پورا دار شفعہ میں طلب کیا ہو اور اگر اس نے بدیں گمان کہ میں فقط نصف کا مستحق ہوں نصف طلب کیا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا اسی طرح اگر دونوں حاضر ہوں اور ہر ایک نے نصف کو شفعہ میں طلب کیا تو دونوں کا شفعہ باطل ہو جائے گا کیونکہ جب ہر ایک نے کل کا شفعہ طلب نہ کیا تو جس نصف کا شفعہ طلب نہیں کیا ہے اس سے اس کا حق شفعہ باطل ہو گیا پس جب نصف میں سے باطل ہوا تو کل سے بھی باطل ہو گیا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

باب بفتم:

مشتری کا جوار شفیع سے انکار کرنا اور اس کے متصلات کے بیان میں

اجناس میں گواہی ادا کرنے کی کیفیت یوں بیان فرمائی ہے کہ گواہوں کو اس طرح گواہی دینا چاہئے کہ یہ دار جو اس دار مبیعہ کے جوار میں واقع ہے مشتری کے اس دار مبیعہ کے خریدنے سے پہلے سے اس شفیع کی ملک ہے اور وہ اس دم تک اسی کی ملک ہے ہم نہیں جانتے ہیں کہ وہ اس کی ملک سے خارج ہوا۔ اگر گواہ نے بیان کیا کہ یہ دار اس جار کا ہے تو کافی نہیں ہے اور اگر دونوں گواہوں نے اس طرح گواہی دی کہ شفیع نے یہ دار فلاں شخص سے خریدا تھا اور اس کے قبضہ میں ہے یا اس کو ہبہ کیا تھا [2] تو یہ کافی ہے۔ اگر شفیع نے مشتری سے اس بات پر قسم لینی چاہی تو اس کو یہ اختیار ہے یہ محیط و ذخیرہ میں ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر ایک شخص نے ایک دار کا دعویٰ کیا اور گواہ قائم کئے کہ یہ دار اس مدعی کے باپ کے قبضہ میں تھا وہ مر گیا درحالیکہ یہ دار اسی کے قبضہ میں تھا تو مدعی کے نام اس دار کی ڈگری کر دی جائے گی۔ پھر اگر اس کے پہلو میں دوسرا دار فروخت کیا گیا تو مدعی مذکور اس کے شفعہ کا مستحق نہ ہوگا یہاں تک کہ اپنی ملک کے گواہ قائم کرے۔ ایک دار ایک شخص کے قبضہ میں ہے اس نے اقرار کیا کہ یہ دار فلاں شخص کا ہے پھر اس کے پہلو میں دوسرا دار فروخت کیا گیا اور مقرلہ نے شفعہ طلب کیا تو نہ ملے گا یہاں تک کہ اس بات کے گواہ قائم کرے کہ یہ دار میرا[ا] ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ ایک شخص نے ایک دار خریدا اور اس کا ایک شفیع ہے اس نے اقرار کیا کہ یہ میرا دار جس کی وجہ سے استحقاق شفعہ ہے فلاں شخص کا ہے پس اگر اس نے شفعہ سے سکوت کیا تھا اور ہنوز شفعہ طلب نہ کیا تھا تو مقرلہ کو شفعہ نہ ملے گا اور اگر اس نے شفعہ طلب کر لیا ہے تو مقرلہ کو شفعہ ملے گا یہ محیط میں ہے۔ شیخ خصافؒ نے اسقاط شفعہ کے واسطے یہ حیلہ ذکر کیا کہ اگر بائع نے ایک حصہ دار کا مشتری کے واسطے اقرار کر دیا پھر اس کے ہاتھ باقی دار فروخت کیا تو جار شفیع مستحق شفعہ نہ ہوگا اور شیخ ابو بکر خوارزمی اس مسئلہ میں شیخ خصافؒ کا تخطیہ[۲] کرتے تھے اور خود جار کے واسطے شفعہ واجب ہونے کا فتویٰ دیتے تھے واللہ اعلم کذا فی الذخیرہ۔

[ا] اس واسطے کہ ظاہر حالت مظہر ملک ہے اور معارض موجود نہیں تو ظاہری ملکیت کا حکم دیا جائے گا یہاں تک کہ دوسرا مدعی اپنا استحقاق ثابت کرے تو اس کے گواہوں پر حکم ہوگا پھر اس ظاہری ملکیت کے حکم سے وہ شخص اس دار کے ذریعہ سے شفعہ کا مستحق نہ ہوگا کیونکہ یہاں ملکیت ظاہری نہیں بلکہ ملکیت بحجت ثابت ہونا چاہئے۔ [۲] میراہے تاکہ حقیقۃً ملکیت بحجت ثبوت ہو اسقاط ساقط کرنا اور گرا دینا یعنی دوسرے کا حق بشفعہ مثلاً۔ علماءؒ نے کہا کہ وہ سرکش ہو تو مباح ہے ورنہ حرام ہے۔ [۳] تخطیہ لینے کے کہ امام مجتہد خصافؒ کے اجتہاد میں خطا ہوگئی۔

(۱) اگر اس نے کل لے لیا تو۔ (۲) بقبضہ اینہم۔

باب نہم:

شفیع کے حاضر ہونے سے پہلے دار مشفوعہ میں مشتری کے تصرف کرنے کے بیان میں

اگر مشتری نے زمین خرید کردہ میں عمارت بنائی یا پیڑ لگائے یا کھیتی بوئی پھر شفیع حاضر ہوا تو اس کے نام شفعہ کی ڈگری کر دی جائے گی اور مشتری پر جبر کیا جائے گا کہ عمارت کو توڑ کر یا پودے اُکھاڑ کر زمین خالی شفیع کے سپرد کرے لیکن اگر توڑنے و اُکھاڑنے میں زمین کے حق میں ضرر ہو تو شفیع کو اختیار ہوگا کہ چاہے زمین کو بعوض ثمن کے لے کر عمارت و پودوں کو ٹوٹی ہوئی اور اکھڑے ہوئے کے حساب سے قیمت لگا کر لے لے یا چاہے تو مشتری کو اس کے منہدم کرنے کو اُکھاڑ لینے پر مجبور کرے اور یہ حکم ظاہر الروایہ کے موافق ہے اور زراعت کی صورت میں اجماع ہے کہ اگر مشتری نے زمین میں زراعت کر لی پھر شفیع حاضر ہوا تو مشتری اس کے اکھاڑ لینے پر مجبور نہ کیا جائے گا بلکہ کھیتی پکنے تک انتظار کرے پھر اس کے نام شفعہ کی ڈگری کی جائے گی پس زمین کو پورے ثمن میں لے لے گا کذا فی البدائع پھر جب وہ زمین مشتری کے پاس چھوڑی گئی تو بلا اجرت چھوڑی جائے گی اور اس جنس کا ایک مسئلہ فتاویٰ ابو اللیث میں ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک زمین مزارعت پر لی اور اس میں کھیتی بوئی پھر جب کھیتی ساگا ہوئی تو مزارع نے وہ زمین مع حصہ زراعت مالک زمین سے خرید لی پھر شفیع آیا تو اس کو زمین اور آدھی[1] کھیتی میں شفعہ ملے گا لیکن جب تک کھیتی تیار نہ ہو جائے تب تک زمین نہیں لے سکتا ہے یہ محیط میں ہے۔ جامع الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے زمین خرید کر اس میں کھیتی بوئی اور کھیتی سے زمین کو نقصان پہنچا پھر شفیع حاضر ہوا تو اس کا ثمن اس زمین کی ناقص حالت کی قیمت پر اور جس روز خریدی ہے اس روز کی قیمت پر تقسیم کیا جائے پس جس قدر ثمن قیمت ناقصہ کے پرتے میں پڑے اتنے کو لے لے یہ تاتارخانیہ میں ہے ایک شخص نے ایک دار خرید کر اس کو طرح طرح کے رنگ سے رنگا تو شفیع کو اختیار ہے چاہے اس دار کو لے کر جس قدر رنگ سے زیادتی ہوئی ہے دے دے یا ترک کر دے یہ قنیہ میں ہے۔ ایک شخص نے ایک دار خریدا اور اس کی عمارت منہدم کر دی یا کسی اجنبی نے منہدم کر دی یا خود منہدم ہو گئی پھر شفیع آیا تو اس کا ثمن بنی ہوئی عمارت کی قیمت اور زمین کی قیمت پر تقسیم کیا جائے سو جس قدر زمین کے پرتے میں آئے اتنے کو شفیع لے لے گا اور اس مسئلہ کے معنی یہ ہیں کہ عمارت منہدم ہے اور منقوض یعنی ٹوٹن بحالہ باقی ہو لیکن جب بفعل مشتری یا بفعل اجنبی منہدم ہو تو بنی ہوئی عمارت کی قیمت پر تقسیم ہوگا اور جب خود منہدم ہوئی ہو تو گری ہوئی عمارت کی قیمت پر تقسیم ہوگا اس لئے کہ گرا دینے کی وجہ سے گرانے والے کی ضمان میں داخل ہوگی پس اس کی قیمت اس وصف پر معتبر ہوگی جس وصف پر اس کے ضمان میں داخل ہے اور خود گر جانے سے کسی کی ضمان میں داخل نہیں پس اس کی قیمت اسی حالت پر اعتبار کی جائے گی جس پر وہ گری ہوئی موجود ہے حتیٰ کہ اگر زمین کی قیمت پانچ سو درہم اور عمارت کی قیمت پانچ سو درہم ہو پھر وہ عمارت گر گئی اور ٹوٹن باقی ہے اگر اب اس کی قیمت تین سو درہم ہے تو ثمن قیمت زمین پانچ سو درہم اور قیمت منقوض تین سو درہم پر آٹھ حصے ہو کر تقسیم ہوگا پس شفیع اس زمین کو پانچ آٹھویں حصے میں لے لے گا اور اگر عمارت جل گئی یا اس کو سیل بہا لے گئی اور ٹوٹن میں سے کچھ نہ رہا تو شفیع زمین کو پورے ثمن میں لے گا اس واسطے کہ مشتری کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں رہ گئی جس کا کچھ ثمن ہو۔ اگر مشتری نے عمارت کو نہ گرایا بلکہ بدون زمین کے اس کو کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا پھر شفیع حاضر ہوا تو اس کو اختیار ہو گا کہ بیع کو توڑ کر سب کو پورے ثمن میں لے لے یہ محیط میں ہے۔ اگر مشتری نے عمارت کو توڑ ڈالا تو شفیع سے کہا جائے گا کہ تیرا جی چاہے خالی زمین کو بعوض اس کے حصہ زمین کے لے لے یا چھوڑ دے اور اس کو یہ اختیار رہوگا کہ ٹوٹن کو لے لے اسی طرح اگر کسی اجنبی نے عمارت کو گرا دیا ہو تو بھی یہی حکم ہے اسی طرح اگر خود گر گئی ہو اور ٹوٹن ضائع نہ ہوا تو بھی یہی حکم ہے اس لئے کہ حق شفعہ اس سے[2] ساقط ہو

---

[1] قال المترجم یہ اس وقت ہے کہ کاشتکاری آدھے کی بٹائی پر ہو۔ [2] قولہ اس سے یعنے ٹوٹن سے کیونکہ وہ غیر منقول نہیں رہا۔

گیا ہے حالانکہ وہ عین قائمہ ہے اور نہیں جائز ہے کہ مشتری کو مفت دے دی جائے اسی طرح اگر مشتری نے دار کا دروازہ اُکھاڑ کر فروخت کرلیا تو شفیع کے ذمہ سے بقدر اس کے حصہ کے ساقط ہو جائے گا۔ یہ سراج الوہاج میں ہے۔

اگر ایک شخص نے ایک دار خریدا جس میں سے آدھا غرقاب ہو کر مثل فرات کے ہو گیا کہ اس میں اس طرح پانی جاری تھا کہ اس کا روک نہیں ہو سکتا تھا تو شفیع کو اختیار ہوگا کہ چاہے باقی کو بعوض اس کے حصہ ثمن کے لے لے۔ اگر ایک شخص نے ایک دار خرید کر اس کی عمارت کسی شخص کو ہبہ کر دی یا اس کو مہر ٹھہرا کر اس پر کسی عورت سے نکاح کیا اور وہ ہدم (منہدم) ہوئی تو شفیع کو اس عمارت منقوضہ لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی لیکن زمین کو اس کے حصہ ثمن کے عوض لے لے گا اور اگر منہدم نہ ہوئی ہو تو اس کو اختیار ہوگا کہ مشتری کا تصرف[1] باطل کر کے پورے دار کو پورے ثمن میں لے لے یہ مبسوط میں ہے۔

اگر زمین جس میں کوئی نخل یا شجر پھل لگا ہوا ہے خریدی اور بیع میں شرط کر لی کہ یہ پھل میرے ہوں گے پھر شفیع آیا اور اس وقت تک یہ پھل قائم تھے تو اس کو اختیار ہوگا کہ یہ سب مبیع لے لے اور یہ حکم باستحسان ہے اور اگر شفیع ایسے وقت آیا کہ بائع یا مشتری یا کوئی اجنبی ان پھلوں کو توڑ چکا ہے تو پھلوں میں شفعہ نہ ہوگا لیکن اگر چاہے تو زمین و درخت کو بعوض اس کے حصہ ثمن کے لے لے اور پھلوں کا حصہ نکالنے کے واسطے یہ کیا جائے گا کہ ثمن کو زمین و درخت و پھل کے روز عقد کی قیمت (اور زمین و درخت کے روز بیع کی قیمت) پر تقسیم کریں گے پس جس قدر پھلوں کے پرتے میں پڑے وہ شفیع کے ذمہ سے ساقط کر کے اس سے کہا جائے گا کہ تیرا جی چاہے زمین و درخت کو اس کے حصہ ثمن کے عوض لے لے پس اگر شفیع نے ان دونوں کو لے لیا اور اس کے پھل بائع کے پاس رہے تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہ پھل مشتری کو لینے لازم ہوں گے اور مشتری کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ ان کو واپس کر دے۔ اگر پھل قائم ہوں پھر مشتری نے ان پر قبضہ کر کے کھا لئے یا فروخت کر دیئے یا کسی اور وجہ سے اس کے پاس تلف ہوئے اور شفیع نے مبیع کو لینا چاہا تو اس کے ذمہ سے پھلوں کا حصہ ثمن ساقط کر دیا جائے گا۔ اگر بیع ایسے وقت واقع ہوئی کہ درخت میں پھل نہ تھے پھر مشتری کے قبضہ سے پہلے بائع کے پاس اس میں پھل آئے تو اس کو اختیار ہوگا کہ زمین و درخت و پھل سب لے لے اور یہ اختیار نہ ہوگا کہ بعض لے اور بعض نہ لے اور شفیع پر پورا ثمن واجب ہوگا اور اگر ان پھلوں کو بائع یا مشتری یا کسی اجنبی نے توڑ لیا اور وہ بائع کے پاس یا مشتری کے پاس موجود ہیں تو شفیع کو یہ اختیار ہوگا کہ اگر چاہے تو زمین و درخت کے اس کے حصہ ثمن[2] کے عوض لے لے اور اگر یہ پھل بدون کسی شخص کے فعل کے تلف ہوئے مثلاً جل گئے یا کسی اور آفت پہنچنے سے جاتے رہے اور ان میں سے اس قدر نہ رہے کہ جن کی کچھ قیمت ہو تو شفیع کو اختیار ہوگا چاہے مبیع کو پورے ثمن میں لے لے یا ترک کر دے اور اگر بائع یا مشتری نے ان پھلوں کو نوچ لیا پھر اس کے بعد بدون کسی کے فعل کے تلف ہوئے مثلاً پانی کی بہیا آئی اور وہ بہہ گئے یا آگ لگی اور جل گئے تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ یہ بھی پہلی صورت کے مثل ہے اس واسطے کہ یہ پھل مشتری کے ہو چکے تھے۔ اور ان میں شفعہ نہ تھا پس میں اس کا خیال نہیں کرتا ہوں کہ یہ مشتری کے فعل سے تلف ہوئے یا بغیر فعل مشتری تلف ہوئے کیونکہ یہ پھل جب جدا ہو گئے تو حق شفیع ساقط ہو گیا پس گویا یہ پھل دراصل ہی جدا تھے۔ اگر مشتری نے زمین و درخت پر قبضہ کر لیا اور اس وقت تک اس میں پھل نہ تھے پھر مشتری کے پاس اس میں پھل آئے پھر شفیع آیا اور اس وقت تک یہ پھل درخت میں لگے تھے تو اس کو اختیار ہوگا کہ درخت و زمین و پھل سب بعوض اسی قدر ثمن کے جس پر بیع واقع ہوئی تھی لے لے اور ثمن میں کچھ زیادتی نہ کی جائے گی اور اگر ایسی صورت میں کہ مشتری کے قبضہ میں درخت میں پھل آتے ہیں مشتری نے ان کو توڑ لیا پھر شفیع آیا اور یہ پھل مشتری کے پاس موجود

---

[1] تصرف مثلاً مہر ٹھہرانا باطل کرے اور عورت مہر المثل لے نخل یعنی درخت خرما شجر ہر طرح کے درخت۔

[2] حصہ کیونکہ بائع یا مشتری نے اجنبی سے تاوان لے کر قائم مقام یہاں کے کر لیا ہے۔

تھے پھر مشتری نے ان کو کھا کر یا فروخت کر کے اپنے پاس سے تلف کر دیا تو شفیع کو اختیار ہوگا کہ چاہے زمین و درخت کو پورے ثمن میں لے لے اور اس کو پھلوں کی طرف کوئی راہ نہ ہوگی۔ یہ سراج الوہاج میں ہے۔

اگر دار خرید کردہ میں مشتری نے شفیع کے لینے سے پہلے اس طرح تصرف کیا کہ اس کو ہبہ یا صدقہ کر کے سپرد کر دیا یا کرایہ پر دے دیا یا اس کو مسجد قرار دیا اور اس میں نماز پڑھی گئی یا پوری طرح سے اس کو وقف کر دیا یا اس کو مقبرہ کر دیا اور اس میں مردہ دفن کیا گیا تو شفیع کو اختیار ہوگا کہ اس کو لے لے اور مشتری کا تصرف توڑ دے یہ قاضی خان کی شرح جامع صغیر میں ہے اور جاننا چاہئے کہ دار مشفوعہ میں مشتری کا تصرف اس وقت تک صحیح رہے گا جب تک شفیع کے واسطے شفعہ کا حکم نہ ہو اور مشتری کو اختیار ہے کہ اس کو فروخت کرے یا کرایہ پر دے دے اور ثمن و کرایہ اس کو حلال ہوگا اور اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ دار مشفوعہ کی عمارت گرا دے یا اس کے مثل کوئی تصرف کرے لیکن شفیع کو استحقاق حاصل ہوگا کہ اس کے سب تصرفات توڑ دے سوائے قبضہ کے یا جو امر قبضہ کو پورا کرتا ہے آیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ اگر شفیع نے چاہا کہ دار مشفوعہ سے مشتری کا قبضہ اس غرض سے توڑ دے کہ یہ دار پھر اپنے بائع کے قبضہ میں چلا جائے اور شفیع اس سے لے لے تو شفیع ایسا نہیں کر سکتا ہے کذا فی الذخیرہ۔ اگر مشتری نے نصف دار غیر مقسوم خرید ا تو شفیع اس قدر حصہ مشتری جو بعد قیمت کے اس کو حاصل ہوگا لے لے گا اور شفیع کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اس تقسیم کو توڑ دے[1] خواہ یہ تقسیم قاضی کی طرف سے ہو یا تراضی[۱] طرفین ہو بخلاف اس کے دو شریکوں میں سے ایک شریک نے دار مشترکہ میں سے اپنا حصہ فروخت کیا اور مشتری نے دوسرے شریک کے ساتھ حصہ بانٹ کر لیا تو شفیع کو اس تقسیم کے توڑ دینے کا اختیار ہوگا کیونکہ جس نے مقاسمہ کر لیا ہے اس کی طرف سے عقد بیع واقع نہیں ہوا تھا تو یہ تقسیم متمم قبضہ نہ ہوگی۔ پھر جس صورت میں کہ شفیع کو تقسیم مشتری توڑ دینے کا اختیار نہ ہو تو جس جانب سے مشتری کے حصہ میں پڑے وہی شفیع کو ملے گا اور یہی امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے اور اطلاق کتاب اسی پر دال ہے یہ تبیین میں ہے۔ دو شخصوں نے ایک دار خرید ا اور وہ دونوں اس دار کے شفیع بھی تھے اور سوائے ان دونوں کے ایک تیسرا شخص بھی اس کا شفیع ہے پھر دونوں نے اس کو باہم تقسیم کر لیا پھر تیسرا شخص آیا تو اس کو اختیار ہوگا کہ ان دونوں کی تقسیم کو توڑ دے خواہ دونوں نے بقضاء قاضی تقسیم کر لیا ہو یا باہمی رضامندی سے بانٹ لیا ہو یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔ ایک شخص نے ایک زمین سو درہم کو خریدی اور اس میں سے مٹی نکال کر سو درہم کو فروخت کر لی پھر شفیع آیا اور اس نے شفعہ طلب کیا تو شیخ امام ابو بکر محمد بن الفضل نے فرمایا کہ شفیع اس زمین کو نصف ثمن یعنی پچاس درہم میں لے گا اور ثمن اس زمین کی اس قیمت پر جو مٹی دور کرنے سے پہلے تھی اور اس مٹی کی قیمت پر جو دور کی گئی ہے تقسیم کیا جائے گا پھر شفیع کے ذمہ سے جس قدر مٹی کی قیمت پڑتے میں پڑے ساقط کیا جائے گا اور قاضی شیخ علی سغدی نے فرمایا کہ شفیع کے ذمہ سے نصف ثمن اور مٹی کا حصہ ساقط نہ کیا جائے گا۔ پھر اگر مٹی نکلوانے کے بعد شفیع کے حاضر ہونے سے پہلے مشتری نے اس زمین کو پاٹ کر جیسی تھی ویسے ہی کر دی پھر شفیع آیا تو شیخ امام ابو بکر محمد بن الفضل نے فرمایا کہ مشتری کو حکم دیا جائے گا کہ جو کچھ تو نے پاٹا ہے سب دور کر دے۔ یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنا نصف دار دوسرے کے ہاتھ جو شفیع نہیں ہے فروخت کر کے بقضاء قاضی اس کا حصہ بانٹ کر دیا پھر شفیع آیا اور حال یہ ہے کہ حصہ مشتری اور دار شفیع کے درمیان بائع کا حصہ واقع ہے تو اس سے شفیع کا حق شفعہ باطل نہ ہو جائے گا پھر اگر تقسیم کے بعد بائع نے اپنا حصہ شفیع کے شفعہ اولیٰ طلب کرنے سے پہلے فروخت کیا پھر شفیع نے شفعہ طلب کیا تو دیکھا جائے گا کہ اگر قاضی نے پہلے شفعہ اخیر کے واسطے حکم دیا تو اس کا شفعہ شفیع و مشتری کے درمیان برابر نصفا نصف کر دے گا اس واسطے کہ مشتری بھی مثل شفیع کے حصہ بائع کا جار ہو گیا ہے تو جار ہونے میں دونوں برابر ٹھہرے اور اگر قاضی نے پہلے شفعہ اولیٰ کا حکم دیا تو شفیع کے نام دوسرے شفعہ کا بھی حکم دے گا اس

---

[۱] تراضی یعنی دونوں کی باہمی رضامندی سے ہو یا قاضی نے اپنے امین سے بٹوارہ کرا دیا۔ (1) کیونکہ یہ تقسیم قبضہ کو پورا کرتی ہے۔

لئے کہ اس صورت میں کوئی ملک مشتری کی باقی نہیں رہی یہ محیط سرخسی میں ہے۔ منتقی میں مذکور ہے کہ فرمایا کہ اگر کسی شخص نے ایک دار ایک ہزار درہم میں خرید اپھر اس کو دو ہزار درہم کے عوض فروخت کیا پھر شفیع دوسری بیع سے آگاہ ہوا پہلی بیع سے آگاہ نہ ہوا اور اس نے خصومت کر کے یہ دار اپنے حق شفعہ میں دوسری بیع پر بحکم حاکم یا بغیر حکم حاکم لے لیا پھر اس کو پہلی بیع کا حال معلوم ہوا تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اپنے لینے کو توڑ دے اور بیع اوّل میں اس کا حق شفعہ باطل ہو گیا اسی طرح اگر اس کے مالک نے اس کو ہزار درہم کے عوض فروخت کیا پھر بائع و مشتری نے باہم بیع کا مناقضہ کر لیا اور مشتری نے وہ دار بائع کو واپس دے دیا پھر شفیع نے بائع سے دو ہزار درہم کو خرید ا اور اس کو پہلی بیع کا حال معلوم نہ ہوا پھر معلوم ہوا تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اپنی خرید کو توڑ دے یہ محیط میں ہے۔ اگر مشتری نے ہزار درہم کے عوض خرید کر بائع سے بیع کا مناقضہ کر لیا پھر بائع سے دو ہزار درہم کے عوض خرید اپھر شفیع نے بعوض دو ہزار درہم کے شفعہ میں لیا اور اس کو پہلی بیع کا حال معلوم نہ ہوا پھر معلوم ہوا تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اپنے لینے کو توڑ دے خواہ بحکم قاضی لیا ہو یا بغیر حکم قاضی لیا ہو یہ بدائع میں ہے۔ اگر مشتری نے ایک ہزار درہم کو دار خرید اپھر ثمن میں ایک ہزار درہم بڑھا دیئے پس شفیع کو دو ہزار درہم مقدار ثمن معلوم ہوئی اور ایک ہزار درہم معلوم نہ ہوئی پس اگر شفیع نے بحکم قاضی دو ہزار درہم دے کر لیا ہے تو زیادتی باطل ہوگی اور شفیع پر فقط ایک ہزار درہم واجب ہوں گے اور اگر باہمی رضامندی سے لیا تو ایسا لینا بمنزلہ از سر نو خریدنے کے قرار دیا جائے گا پس اس کا حق شفعہ باقی نہ رہے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر مشتری نے دار خرید کر کے اپنے مرتے وقت کسی شخص کے واسطے اس کے دینے کی وصیت کر دی تو شفیع کو اختیار ہوگا کہ وصیت کو توڑ کر مشتری کے وارثوں سے حق شفعہ میں لے لے اور اس کا عہدہ[1] وارثوں پر ہوگا۔ یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر ایک گاؤں خریدا اور اس میں گھر و درخت و خرما کے درخت ہیں پھر مشتری نے گھروں و درختوں کو فروخت کر دیا پھر دوسرے مشتری نے بعضے درخت کاٹے اور بعضے گھر منہدم کر دیئے پھر شفیع آیا تو شفیع کو زمین اور بغیر کٹے ہوئے درخت اور بغیر ڈھائے ہوئے گھر مل سکتے ہیں اور اس کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ کٹے ہوئے درخت لے لے اور شفیع کے ذمہ سے کٹے ہوئے درختوں اور ڈھائے ہوئے گھروں کا حصۂ ثمن ساقط ہو جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر ایک شخص نے ایک دار خرید کر اس کی عمارت گرا کر پھر اس عمارت سے زیادہ نافع عمارت بنائی تو شفیع ایسے دار کو شفعہ میں لے سکتا ہے اور ہمارے نزدیک اس کا ثمن زمین کی قیمت اور اس عمارت کی قیمت پر جو دار مذکور میں خرید کے روز موجود تھی تقسیم کیا جائے گا شفیع کے ذمہ سے عمارت کا حصہ ثمن ساقط کیا جائے گا اس واسطے کہ عمارت کو مشتری نے خود گرایا ہے پھر مشتری اپنی ساختہ عمارت کو توڑ لے[2] گا یہ مبسوط میں ہے۔

<u>باب نہم :</u>

اُن اُمور کے بیان میں جن سے حق شفعہ بعد ثابت کرنے کے باطل ہو جاتا ہے اور جس سے باطل نہیں ہوتا ہے

واضح ہو کہ جن اُمور سے حق شفعہ بعد ثابت ہونے کے باطل ہو جاتا ہے اُن کی دو قسمیں ہیں ایک اختیاری دوسری ضروری پھر اختیاری کی دو قسمیں ایک صریح یا جو صریح کے قائم مقام ہو اور دوسری دلالت[(1)] پس صریح کی یہ صورت ہے کہ مثلاً شفیع یوں کہے کہ میں

---

[1] عہدہ یعنی جو مناقشہ پیش آئے وارث اس کی جواب دہی کے یا ثمن کے ذمہ دار ہیں کیونکہ وہ مالک ہو چکے تھے۔

[2] توڑ لے گا جبکہ شفیع دام دے کر لینا منظور نہ کرے۔ (1) بدلالت ساقط ہو۔

نے اپنا حق شفعہ باطل کرایا یا میں نے حق شفعہ ساقط کر دیا یا میں نے تجھے شفعہ سے بری کر دیا یا میں نے شفعہ دے دیا یا اس کے مثل دوسرے الفاظ کہے مگر ضرور ہے کہ اس نے ایسے الفاظ بیع واقع ہونے کے بعد کہے ہوں خواہ اس کو بیع کا علم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو کیونکہ صریحاً اپنا حق ساقط کرنے میں جاننا و نہ جاننا دونوں یکساں ہیں بخلاف دوسری قسم دلالت کے کہ بطریق دلالت اگر شفیع نے اپنا حق ساقط کیا تو جب تک بیع کا حال جاننے کے بعد ساقط نہ کرے تب تک ساقط نہ ہوگا اور دلالت کی یہ تفسیر ہے کہ شفیع کی طرف سے کوئی ایسا فعل پایا جائے جو مشتری کے واسطے عقد بیع واس کے حکم کے رضامندی پر دلالت کرتا ہو مثلاً شفیع کو مشتری کے خریدنے کا علم ہوا مگر اس نے بلا عذر فی الفور شفعہ طلب نہ کیا یا اس مجلس سے جس میں آگاہ ہوا ہے اٹھ کھڑا ہوا یا طلب شفعہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کام میں مشغول ہو گیا علیٰ اختلاف الروایتین اسی طرح اگر شفیع نے مشتری سے اس دار مشفوعہ کا مول چکایا یا اس سے درخواست کی کہ مجھے بطور بیع تولیہ[1] دے دے یا مشتری سے اس مبیع کو اجارہ پر لینا یا مزارعت یا معاملت پر لینا چاہا اور یہ سب امور شفیع کی طرف سے مشتری کے خریدنے کا حال معلوم کرنے کے بعد واقع ہوئے تو بھی یہی حکم ہے یہ بدائع میں ہے اگر شفیع نے مشتری سے درخواست کی کہ اس مبیع کو میرے پاس ودیعت رکھ دے یا میرے واسطے اس کی وصیت کر دے یا مجھے صدقہ میں دے دے تو یہ امور بھی حق شفعہ دے دینے میں شمار ہیں یہ تاتارخانیہ میں ہے اور اگر مشتری نے کہا کہ (انا[2] او لیکها کذا) پس شفیع نے جواب دیا کہ ہاں تو یہ بھی تسلیم شفعہ ہے یہ ذخیرہ میں ہے اور قسم ضروری کی یہ مثال ہے کہ مثلاً شفیع دو طرح کی طلب کے بعد شفعہ میں لے لینے سے پہلے مر جائے تو ہمارے نزدیک یہ حکم کہ اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا مگر مشتری کے مر جانے سے شفیع کا حق باطل نہ ہوگا اور شفیع کو اختیار رہے گا کہ مشتری کے وارث سے لے لے یہ بدائع میں ہے۔ عقد بیع سے پہلے شفعہ کا دے دینا صحیح نہیں ہے اور بعد بیع کے صحیح ہے خواہ شفیع کو اپنا حق شفعہ واجب ہونا معلوم ہو یا نہ معلوم ہوا اور جس شخص کو ساقط کر کے دے دیا ہے اس کو معلوم ہوا ہو یا نہ معلوم ہوا ہو یہ محیط میں ہے۔

اگر مشتری نے شفیع سے کہا کہ میں نے اس دار کی عمارت میں اس قدر خرچ کیا ہے اور میں بعوض اس خرچہ اور ان داموں کے تجھے تولیہ دیتا ہوں پس شفیع نے جواب دیا کہ ہاں تو یہ امر شفیع کی طرف سے تسلیم شفعہ ہے یہ مبسوط میں ہے۔ کتاب الصلح کے دسویں باب میں شفعہ دینے کے مسائل ذکر فرمائے اور فرمایا کہ اگر شفیع نے دار مشفوعہ کو بحق شفعہ لے لیا تو پھر شفعہ دے دینا صحیح نہیں ہے اور اگر ہبہ بشرط عوض ہو تو اس میں باہمی قبضہ سے پہلے شفعہ دے دینا صحیح[3] نہیں ہے۔ کذا فی التاتارخانیہ اور اگر ہبہ بشرط عوض میں شفیع نے واہب و موہوب لہ کے باہمی قبضہ کے بعد شفعہ دے دیا ہو پھر دونوں نے اقرار کیا کہ یہ عقد ہبہ نہ تھا بلکہ جس قدر عوض ہے اسی پر بیع واقع ہوئی تھی تو شفیع کو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا اور اگر ہبہ بغیر عوض میں شفیع نے شفعہ دے دیا ہو پھر دونوں نے اقرار کیا کہ یہ بشرط عوض تھا یا عقد بیع تھا تو شفیع کو حق شفعہ حاصل ہوگا۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کو ایک دار بشرط ہزار درہم عوض کے ہبہ کیا پھر ہر دو عوض میں سے فقط ایک پر قبضہ ہوا اور ہنوز دوسرے پر قبضہ نہ ہوا تھا کہ شفیع نے اپنا حق شفعہ دے دیا تو یہ باطل ہے پھر جب دوسرے عوض پر قبضہ ہو تو شفیع کو استحقاق ہوگا کہ چاہے اس دار کو حق شفعہ میں لے لے اس واسطے کہ جس وقت شفیع نے اپنا شفعہ ساقط کیا ہے اس وقت اس کا حق واجب ہی نہیں تھا کیونکہ ہبہ بشرط عوض جبھی مثل بیع کے ہو جاتا ہے جب باہمی قبضہ ہو جائے اور سبب وجوب مستحق ہونے سے پہلے شفعہ دے دینا باطل ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر شفیع نے اپنا حق شفعہ کسی کو ہبہ کیا یا کسی کے ہاتھ فروخت کیا تو یہ تسلیم شفعہ نہیں ہے ایسا ہی فتاویٰ اہل سمرقند میں لکھا

---

[1] بیع تولیہ جن داموں کو مول لیا ہے اتنے کو مجھے دے دے پس مشتری کی ملکیت باقی رہی۔ مزارعت کاشت بٹائی معاملت درختوں کی بٹائی پر لینا اجارہ کرایہ۔ [2] میں تجھے اتنے دام کو بیع تولیہ دے دوں شفیع نے کہا کہ ہاں تو دلالت ہے کہ اس نے شفعہ چھوڑ دیا۔ [3] صحیح نہیں بلکہ جب واہب نے عوض پر اور موہوب لہ نے ہبہ پر قبضہ کر لیا پھر شفیع نے شفعہ دیا تو صحیح ہے اور اگر قبضہ سے پہلے دیا ہو تو بعد قبضہ کے شفعہ طلب کر سکتا ہے اور اگر بعد قبضہ کے شفعہ دیا پھر ان دونوں نے اقرار کیا کہ وہ بیع تھی تو اس سے حق شفعہ عود نہ کرے گا۔

ہے اور شمس الائمہ سرخسی نے شرح کتاب الشفعہ میں باب الشہادۃ سے کچھ پہلے ذکر فرمایا کہ اگر شفیع نے شفعہ فروخت کر دیا تو یہ امر شفعہ کا دے دینا[۱] قرار دیا جائے گا مگر ثمن واجب نہ ہوگا[(۱)] اور یہی صحیح ہے اور امام محمدؒ نے بھی شفعہ الجامع میں ایسی بات ذکر فرمائی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر شفیع نے شفعہ دے دیا پھر بائع نے مبیع میں کوئی باندی یا غلام بڑھا دیا تو شفیع کو اختیار حاصل ہو جائے گا کہ چاہے دار مشفوعہ کو اس کے حصہ ثمن کے عوض لے لے اور اگر شفیع نے شفعہ دے دیا پھر بائع نے ثمن میں سے کسی قدر گھٹا دیا تو شفیع کو پھر شفعہ حاصل ہو جائے گا اس واسطے کہ یہ گھٹانا اصل عقد سے ملتحق ہوگا جیسا کہ اگر شفیع کو خبر دی گئی کہ بیع بعوض ہزار درہم کے واقع ہوئی پس اس نے شفعہ دے دیا پھر بیع بعوض پانچ سو درہم کے نکلی تو اس کو حق شفعہ حاصل ہوتا ہے یہ ذخیرہ میں ہے اگر شفیع نے کہا کہ میں نے اس دار کا شفعہ دے دیا تو یہ تسلیم صحیح ہے اگرچہ اس نے جس کو دیا ہے معین نہیں کیا اسی طرح اگر دار مشفوعہ بائع کے قبضہ میں موجود ہونے کی حالت میں شفیع نے بائع سے کہا کہ میں نے تجھے اس دار کا شفعہ دے دیا تو بھی یہی حکم ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر بائع نے دار مبیعہ مشتری کے سپرد کر دیا پھر شفیع نے بائع سے کہا کہ میں نے اس دار کا شفعہ تجھے دے دیا تو یہ تسلیم استحساناً صحیح ہے۔ اگر بائع سے یوں کہا کہ میں نے اس دار کا شفعہ تیرے سبب سے یا تیرے واسطے دیا تو یہ تسلیم قیاساً و استحساناً صحیح ہے۔ یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر دار کا مشتری کسی دوسرے کی طرف سے اس کے خریدنے کا وکیل ہو اور شفیع نے کہا کہ میں نے اس دار کا شفعہ دے دیا حالانکہ اس نے جس کو دیا ہے معین نہ کیا تو یہ تسلیم صحیح ہے اسی طرح اگر دار مبیعہ وکیل کے قبضہ میں ہونے کی صورت میں وکیل سے کہا کہ میں نے اس دار کا شفعہ تجھے دے دیا تو یہ تسلیم قیاساً و استحساناً صحیح ہے اور اگر شفیع نے یہ کلام وکیل سے ایسے وقت کہا کہ جب وکیل اس دار کو موکل کے سپرد کر چکا ہے تو تسلیم استحساناً صحیح ہوگی اور اگر مشتری کسی دوسرے کی طرف سے خرید کا وکیل ہو اور شفیع نے مشتری سے کہا کہ میں نے اس دار کا شفعہ خاص کر تجھے دیا نہ دوسرے کو تو تسلیم موکل کے واسطے صحیح[۲] ہوگی[(۲)] کذا فی المحیط اور اگر کسی اجنبی سے شفیع نے کہا کہ میں نے اس دار کا شفعہ دے دیا تو ساقط ہو جائے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر شفیع نے ابتداءً کسی اجنبی سے کہا کہ میں نے اس دار کا شفعہ تجھے دے دیا ہے تیری وجہ سے اس کے شفعہ سے اعتراض کیا تو تسلیم صحیح نہیں ہے اور قیاساً و استحساناً اُس کا شفعہ باطل نہ ہوگا اور اگر کسی اجنبی سے کہا کہ میں نے اس کا شفعہ تیری وجہ یا تیری سفارش سے موکل کو دے دیا یا موکل کو ہبہ کر دیا یا موکل کے لئے شفعہ سے اعراض کیا تو یہ تسلیم موکل کے واسطے صحیح ہے اور اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر کسی اجنبی نے شفیع سے کہا کہ تو اپنا شفعہ موکل[(۳)] کو دے دے پس اس نے کہا کہ وہ[۳] میں نے تیرے واسطے دیا یا ہبہ کیا یا اس سے اعراض کیا تو استحساناً یہ تسلیم ہے کیونکہ جب اجنبی نے اس سے کہا کہ تو اپنا شفعہ زید کو دے دے پس اس نے کہا کہ وہ میں نے تیرے واسطے دے دیا پس یہ کلام بجائے جواب کے ٹھہرا پس ایسا ہو گیا کہ گویا اس نے یوں جواب دیا کہ میں نے تیری وجہ سے اس کا شفعہ زید کو دے دیا اور اگر اجنبی کے مخاطب کرنے پر شفیع نے یوں کہا کہ میں نے اس دار کا شفعہ تجھے دیا یا میں نے اس کا شفعہ تجھے ہبہ کیا یا میں نے اس کا شفعہ تیرے ہاتھ فروخت کیا تو یہ کلام تسلیم شفعہ نہیں ہے اس واسطے کہ یہ کلام مبتدا ہے خواہ مخواہ جواب نہ ٹھہرایا جائے گا کیونکہ مستقل بنفسہ ہے پس یہ کلام تسلیم نہ ہوگا یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اگر کسی اجنبی نے شفیع سے کہا کہ میں تجھ سے اس قدر مال پر اس شرط سے صلح کرتا ہوں کہ تو اس کا شفعہ اس کو دے دے پس شفیع نے دے دیا تو یہ تسلیم صحیح[۴] ہے مگر مال بدل الصلح واجب نہ ہوگا اور اگر یوں کہا کہ میں تجھ سے اس قدر مال پر اس شرط

---

[۱] دے دینا یعنی دلیل ہے کہ شفعہ منظور نہیں ہے اگرچہ یہ حق بیچ کرنا باطل ہے۔ [۲] قولہ صحیح لیکن ضرور ہے کہ اس وقت تک دار مذکور وکیل کے قبضہ میں ہو۔ [۳] شفعہ اور مدار مسئلہ کا اسی ضمیر پر ہے۔ [۴] صحیح یعنی صلح باطل ہے اور تسلیم شفعہ صحیح ہے۔

(۱) مشتری پر۔ (۲) قال المترجم و فیہ خلاف و روایتان۔ (۳) مشتری وکیل ہے۔

سے صلح کرتا ہوں کہ اس کا شفعہ میرا ہوگا تو یہ صلح باطل ہے اور شفیع اپنے شفعہ پر رہے گا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر شفیع سے اجنبی نے یوں کہا کہ میں تجھ سے اس قدر درہموں پر اس شرط سے صلح کرتا ہوں کہ تو اپنا حق شفعہ دے دے اور یوں کہا کہ مجھے دے دے اور شفیع نے اس کو قبول کر لیا تو اجنبی پر مال واجب نہ ہوگا اور شفیع کا شفعہ باطل نہ ہوگا اور اگر شفیع نے بائع سے کہا کہ میں نے تیری بیع تجھے تسلیم کر دی یا مشتری سے کہا کہ میں نے تیری خرید تجھے دی تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا اور اگر کسی اجنبی سے کہا کہ میں نے اس دار کی خرید تجھے دے دی[۱] تو یہ کلام تسلیم شفعہ نہیں ہے اور اس کا حق شفعہ باطل نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اسقاطِ شفعہ کو شرط کے ساتھ معلق کرنا ☆

اسقاط شفعہ کو شرط کے ساتھ معلق کرنا جائز ہے چنانچہ اگر شفیع نے یوں کہا کہ میں نے اس کا شفعہ دیا بشرطیکہ تو نے اپنے واسطے خرید ا ہو پس (۱) اگر اس نے دوسرے کے واسطے خرید ا ہو تو شفعہ باطل نہ ہوگا اور یہ جواز اس واسطے ہے کہ یہ اسقاط (۲) محتمل تعلیق ہوتا ہے یہ دجیز کروری میں ہے اور اگر شفیع نے بائع سے کہا کہ میں نے اس کا شفعہ تجھے دیا بشرطیکہ تو نے اس کو اپنے واسطے فلاں شخص کے ہاتھ فروخت کیا ہو مگر بائع نے اس کو دوسرے کے واسطے فروخت کیا تھا تو شفیع کا یہ کلام تسلیم شفعہ نہ ہوگا۔ فتاویٰ فقیہہ ابو اللیث میں ہے کہ اگر شفیع نے مشتری سے کہا کہ میں نے اس دار کا شفعہ تجھے دے دیا پھر یہ بات نکلی کہ مشتری نے یہ دار کسی دوسرے کے واسطے خرید ا تھا تو شفیع اپنے شفعہ پر رہے گا ۔ فتاویٰ فضلی میں لکھا ہے کہ یہ کلام موکل کے واسطے تسلیم شفعہ ہے لیکن مختار وہی ہے جو فتاویٰ ابو اللیثؒ میں مذکور ہے ایسا ہی شیخ صدر الشہیدؒ نے ذکر فرمایا اور حاوی میں ہے کہ اگر مشتری نے شفیع سے کہا کہ میں نے یہ دار اپنے واسطے خرید ا ہے پس شفیع نے شفعہ دے دیا پھر ظاہر ہوا کہ اس نے دوسرے کے واسطے خرید ا تھا تو امام محمدؒ[۲] نے فرمایا کہ اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا اور امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ باطل نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔

اگر شریک کے ہوتے ہوئے جار (پڑوسی) نے پہلے اپنا حق شفعہ دے دیا تو یہ تسلیم صحیح ہے حتیٰ کہ اس کے بعد شریک نے بھی اپنا حق شفعہ دے دیا تو پڑوسی کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ حق شفعہ میں لے لے یہ ذخیرہ میں ہے اور اگر غلام ماذون کے واسطے حق شفعہ واجب ہوا اور اس نے شفعہ دے دیا تو جائز ہے خواہ اس پر دین (قرضہ) ہو یا نہ ہو اور اگر اس کے مولیٰ نے یہ شفعہ دے دیا تو جائز ہے بشرطیکہ ماذون پر دین نہ ہو اور اگر ماذون پر دین ہو تو مولیٰ کا دے دینا ماذون غلام کے حق میں جائز نہ ہوگا یہ مبسوط میں ہے اور بعد مجور ہو جانے کے ماذون کا شفعہ دے دینا جائز نہیں ہے کذا فی التاتارخانیہ اور اگر مکاتب نے اپنا حق شفعہ دے دیا تو بھی جائز ہے یہ مبسوط میں ہے اگر شفیع کو خبر دی گئی کہ اس قدر ثمن یا اس جنس کے ثمن سے یا فلاں مشتری کے ہاتھ فروخت کیا گیا ہے پس اس نے شفعہ دے دیا پھر اس کے برخلاف نکلا پس آیا اس کا دے دینا صحیح ہو گیا سو اس جنس کے مسائل میں اصل یہ قرار پائی ہے کہ دیکھنا چاہئے کہ اگر دونوں حالتوں میں شفیع کی غرض دے دینے میں مختلف نہ ہوتی ہو تو تسلیم صحیح رہے گی اور شفعہ باطل ہوگا اور اگر غرض مختلف ہوتی جاتی ہو تو تسلیم صحیح نہ ہوگی اور شفیع اپنے شفعہ پر رہے گا یہ بدائع میں ہے۔ اگر شفیع کو خبر دی گئی کہ ثمن ہزار درہم ہے پس اس نے شفعہ دے دیا پھر ظاہر ہوا کہ ثمن سو دینار ہیں کہ ان کی قیمت ہزار درہم ہے یا ہزار درہم سے کم ہے یا زیادہ ہے تو ہمارے نزدیک اگر دیناروں کی قیمت ہزار درہم سے کم ہو تو شفیع اپنے شفعہ پر رہے گا ورنہ اس کا تسلیم کرنا صحیح رہے گا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر شفیع کو خبر دی گئی کہ مشتری فلاں شخص ہے پس اس نے شفعہ دے دیا پھر معلوم ہوا کہ دوسرا شخص ہے تو شفیع کو اس کا شفعہ ملے گا اور اگر خبر دی گئی کہ مشتری زید ہے پس اس نے شفعہ دے دیا پھر معلوم ہوا کہ زید وعمرو ہے تو زید کے حق میں اس کا دے دینا صحیح ہو مگر حصہ عمرو میں اس کو اختیار ہوگا چاہے شفعہ میں لے لے یہ جوہرہ نیرہ میں ہے۔ اگر خبر دی گئی کہ ثمن ہزار درہم ہیں پس اس نے شفعہ دے

[۱] دے دی یعنی تیرا جی چاہے اس کو خرید کر۔ [۲] امام محمدؒ الخ گویا یہ قیاس ہے اور قول امام اعظمؒ استحسان ہے اور وہی مختار ہے۔

(۱) اگر اس نے اپنے واسطے خرید ا ہے تو شفعہ ساقط ہو جائے گا۔ (۲) اسقاط حق شفعہ۔

دیا پھر ہزار درہم سے کم نکلا تو وہ اپنے شفعہ پر رہے گا اور ہزار درہم یا زیادہ نکلا تو اس کا حق شفعہ باطل ہو گیا یہ ذخیرہ میں ہے۔
اگر شفیع سے ثمن کوئی کیلی یا وزنی چیز بیان کی گئی پس اس نے شفعہ دے دیا پھر معلوم ہوا کہ ثمن دوسری صنف[1] کی کیلی یا وزنی چیز ہے تو شفیع ہر حال میں اپنے شفعہ پر رہے گا خواہ جو چیز ثمن ظاہر ہوئی ہے وہ از راہ قیمت اس سے زیادہ ہو یا کم یا برابر ہو یہ محیط میں ہے۔ اگر شفیع کو خبر دی گئی کہ ثمن کوئی چیز قیمتی[2] چیزوں میں سے ہے پھر ظاہر ہوا کہ کوئی کیلی یا وزنی چیز ہے یا خبر دی گئی کہ ثمن ہزار درہم ہیں پھر معلوم ہوا کہ ثمن کوئی کیلی یا وزنی چیز ہے تو شفیع ہر حال میں اپنے شفعہ پر رہے گا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اگر شفیع کو خبر دی گئی کہ ثمن فلاں چیز قیمتی چیزوں میں سے ہے پس اس نے شفعہ دے دیا پھر معلوم ہوا کہ ثمن اس کے سوائے دوسری چیز قیمتی چیزوں میں سے ہے مثلاً خبر دی گئی کہ ثمن ایک دار ہے پھر معلوم ہوا کہ ثمن ایک غلام ہے تو کتاب میں امام محمدؒ نے یہ جواب فرمایا ہے کہ شفیع اپنے شفعہ پر رہے گا اور کوئی تفصیل نہیں فرمائی اور شیخ الاسلام خواہر زادہ نے فرمایا کہ یہ جواب ایسی صورت میں صحیح ہے کہ جب اس چیز کی قیمت جو ثمن ظاہر ہوئی ہے اس چیز کی قیمت سے جو خبر دی گئی ہے کم ہو اور اگر اس کی قیمت جو ثمن ظاہر ہوئی اس چیز کی قیمت سے جو خبر دی گئی تھی زیادہ ہو یا برابر ہو تو صحیح[3] ہے اور اگر شفیع کو خبر دی گئی کہ ثمن ایک غلام ہے جس کی قیمت ایک ہزار درہم ہے یا اور اس کے مانند کوئی چیز ذوات القیم[4] میں سے بیان کی گئی پھر معلوم ہوا کہ اس کا ثمن درہم یا دینار ہیں تو امام محمدؒ نے بغیر تفصیل کے یہ جواب فرمایا ہے کہ شفیع اپنے شفعہ پر رہے گا اور ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہ جواب ایسی صورت پر محمول ہے کہ جب اس چیز کی قیمت جو ظاہر ہوئی ہے اس کی قیمت سے کم ہو جس کے ثمن ہونے کی شفیع کو خبر دی گئی تھی اور اگر اس کی قیمت سے جو خبر دی گئی تھی زیادہ ہو یا برابر ہو تو حکم یہ ہے کہ شفیع کو شفعہ نہ ملے گا اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ بخلاف مسئلہ اولیٰ کے اس (۱) صورت میں یہ حکم (۲) علی الاطلاق صحیح ہے۔ اگر شفیع کو خبر دی گئی کہ ثمن ایک غلام ہے جس کی قیمت ہزار درہم ہے پھر ظاہر ہوا کہ اس کی قیمت ہزار درہم سے کم ہے تو شفیع کو شفعہ ملے گا اور اگر ظاہر ہوا کہ اس کی قیمت ہزار درہم یا اس سے زیادہ ہے تو شفعہ نہ ملے گا۔ اگر شفیع کو خبر دی گئی کہ ثمن ہزار درہم ہے پس اس نے شفعہ دے دیا پھر ظاہر ہوا کہ ثمن ذوات القیم میں سے کوئی چیز ہے تو شفیع کو شفعہ نہ ملے گا لیکن اگر اس چیز کی قیمت ہزار درہم ثمن سے کم ہو تو ملے گا۔ یہ محیط میں ہے۔ اگر شفیع کو نصف دار خریدنے کی خبر دی گئی پس اس نے شفعہ دے دیا پھر ظاہر ہوا کہ اس نے کل دار خریدا ہے تو شفیع اپنے شفعہ پر رہے گا اور اگر شفیع کو پورے دار کے خریدنے کی خبر دی گئی پس اس نے شفعہ دے دیا پھر ظاہر ہوا کہ مشتری نے نصف دار خریدا ہے تو اس کو شفعہ نہ ملے گا اور شیخ الاسلام نے اپنی شرح میں فرمایا کہ یہ جواب ایسی صورت پر محمول ہے کہ جب آدھے کا ثمن پورے کے ثمن کے برابر ہو مثلاً خبر دی گئی کہ اس نے پورا دار ہزار درہم کو خریدا ہے پس شفیع نے شفعہ دے دیا پھر ظاہر ہوا کہ اس نے نصف دار ہزار درہم میں خریدا ہے تو یہی حکم ہے اور اگر ایسا نہ ہو مثلاً اس کو خبر دی گئی کہ مشتری نے پورا دار ہزار درہم میں خریدا ہے پس اس نے شفعہ دے دیا پھر ظاہر ہوا کہ اس نے نصف دار پانچ سو درہم میں خریدا ہے تو شفیع اپنے شفعہ پر رہے گا یہ ذخیرہ میں ہے۔
اگر شفیع نے آدھے میں شفعہ دے دیا تو پورے میں باطل ہو جائے گا اور اگر شفیع نے نصف دار شفعہ میں طلب کیا تو آیا یہ امر

---

[1] صنف قسم مثلاً اوّل بیان ہوا کہ ثمن گیہوں دس من ہیں اور وہ شفیع کے گاؤں میں پیدا نہیں ہوئے اس نے شفعہ دے دیا پھر نکلا کہ پچاس من چنے ہیں جو شفیع کے یہاں بافراط پیدا ہوئے ہیں تو وہ شفعہ لے سکتا ہے۔ [2] قیمتی یعنی جن چیزوں کے بدل قیمت ہوتی ہے اور مثل نہیں ہوتا۔ [3] قول صحیح نہیں اقوال اس وجہ سے کہ قیمت میں فرق نہیں ہے۔ [4] ذوات القیم جن کی ضمانت فقط قیمت ہے نہ مثل غیر ملائم یعنی شفعہ سے مناسب نہیں ہے محض حق کا معاوضہ باطل ہے۔

(۱) دوسرے مسئلہ میں۔ (۲) جو امام محمدؒ نے بیان فرمایا۔

پورے دار کے شفعہ کا دے دینا ہے یا نہیں سو اس میں امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے باہم اختلاف کیا ہے پس امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ یہ امر پورے دار کا شفعہ دینا نہیں ہے کذا فی البدائع اور یہی اصح ہے اس واسطے کہ آدھے کی تسلیم چاہتا باقی کا سپرد کرنا نہیں ہے۔ نہ صریحاً نہ دلالۃً یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر شفیع نے اپنا نصف دار یا تہائی یا نصف سے زیادہ کچھ باقی رکھ کر فروخت کیا اور جس قدر فروخت کیا وہ غیر مقسوم ہے تو شفیع کو بذریعہ اجنبی کے حق شفعہ حاصل ہوگا یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اگر شفیع نے دار مشفوعہ کے رقبہ کا دعویٰ کیا کہ یہ میرا ہے یعنی بوجہ شفعہ کے نہیں (۱) تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا اور اگر اس نے حق شفعہ طلب کرنے کے بعد دار مشفوعہ کے رقبہ کا دعویٰ کیا کہ یہ میرا ہے تو اس کے دعویٰ کی سماعت نہ ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر حق شفعہ سے کچھ عوض پر صلح کر لی تو شفعہ باطل ہو گیا اور عوض کو واپس کر دے اس لئے کہ حق شفعہ دفع ضرر کی غرض سے بخلاف قیاس ثابت ہوا ہے پس حق اعتیاض[1] میں اس کا ثبوت ظاہر نہ ہوگا اور شرط جائز کے ساتھ ساقط نہیں ہوتا ہے تو فاسد سے بدرجہ اولیٰ نہ ہوگا چنانچہ اگر شفیع نے کہا کہ جو تو نے خریدا ہے اس سے میں نے اپنا حق شفعہ ساقط کر دیا اس شرط سے کہ جو میں نے خریدا ہے اس سے تو اپنا حق شفعہ ساقط کر دے تو شفیع کا شفعہ ساقط ہو جائے گا اگرچہ مشتری اس چیز سے جس کو شفیع نے خریدا ہے اپنا شفعہ ساقط نہ کرے اور مالی عوض کے ساتھ حق شفعہ ساقط کرنا ایک فاسد شرط ہے کیونکہ وہ غیر ملائم ہے اس واسطے کہ یہ عوض ایک محل کے اندر محض حق کے بدلے میں لینا ہے پس ایسا لینا حرام و رشوت ہے یہ کافی میں ہے۔ اگر شفیع شریک و جار دونوں ہو اور اس نے اپنا وہ حصہ جس کی شرکت کے ذریعہ سے شفعہ لے سکتا تھا فروخت کر دیا تو اس کو اختیار ہوگا کہ بوجہ جوار کے شفعہ طلب کرے یہ بدائع میں ہے۔ شیخ ابو بکرؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شفیع نے پہلے مشتری کو سلام کیا پھر شفعہ طلب کیا تو شیخؒ نے فرمایا کہ اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا ایسا ہی لیث بن مساور نے فرمایا ہے اور شیخ ابراہیم بن یوسفؒ نے فرمایا کہ اس کا شفعہ باطل نہ ہوگا یہ امام محمدؒ سے مروی ہے اور[2] ہم اسی کو لیتے ہیں کذا فی الحاوی اور یہی مختار ہے کذا فی الخلاصۃ والمضمرات اور اگر مشتری اپنے بیٹے کے ساتھ کھڑا ہو اور شفیع نے مشتری کے بیٹے کو سلام کر کے پھر شفعہ طلب کیا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا بخلاف اس کے اگر مشتری کو سلام کیا تو ایسا نہیں ہے اور اگر اس نے دونوں میں ایک کو اس طرح سلام کیا کہ السلام علیک اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے کس کو سلام کیا تو شفیع سے دریافت کیا جائے گا کہ تو نے باپ کو سلام کیا یا بیٹے کو پس اگر اس نے کہا کہ میں نے باپ کو سلام کیا تو اس کا شفعہ باطل نہ ہوگا اور اگر اس نے کہا کہ بیٹے کو سلام کیا تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اگر مشتری و شفیع نے اختلاف کیا یعنی مشتری نے کہا کہ تو نے میرے بیٹے کو سلام کیا پس تیرا شفعہ باطل ہو گیا اور شفیع نے کہا کہ میں نے تجھے سلام کیا ہے تو شفیع کا قول قبول ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔

اگر شفیع کو دار فروخت ہونے کی خبر دی گئی اور اس نے کہا کہ (الحمد للہ فقد ادعیت شفعتھا او سبحان اللہ فقد ادعیت شفعتھا) یعنی سب تعریف خدا تعالیٰ کو سزاوار ہے اور میں نے ضرور اس کا شفعہ طلب کیا یا پاک ہے خداوند تعالیٰ اور میں نے ضرور اس کا شفعہ طلب کیا

[1] اعتیاض یعنی جب خلاف قیاس کے ثبوت ہوا تو فقط اپنی حد پر رہے گا اور اس سے زیادہ تجاوز نہ کرے گا حتی کہ حق شفعہ کا معاوضہ کر لینا ثبوت نہ ہوگا۔

[2] اقول یعنی یہی ہمارا اختیار ہے اس واسطے کہ سلام کرنا حق سلام قبل الکلام ہے تو پہلے سلام کرنا حق شرع ہے تو اس نے طلب میں بعذر معقول تاخیر کی اور عذر معقول سے بالاتفاق شفعہ باطل نہیں ہوتا اگر کوئی کہے کہ فقہاء نے سنتوں کے سوائے نفل نماز کی تاخیر سے باطل کیا حالانکہ وہ نماز ہے۔ جواب یہ کہ نماز نفل کا اولیٰ ہونا ہم کو مسلم نہیں ہے کیونکہ سلام سنت مؤکدہ ہے علاوہ اس کے یہاں تو تاخیر میں گفتگو ہے۔ ذاتی فضیلت میں بحث نہیں ہے تو نوافل میں اختیار تاخیر حاصل ہے کیا نہیں دیکھتے کہ فقہاء نے یہی علت بتائی ہے۔ پس جو اختیار کے اس نے تاخیر نہ کی سلام میں یہ اختیار حاصل نہیں کیونکہ شرع میں نہیں آیا کہ بعد کلام کے سلام کرو اگر کہو کہ فقہاء نے کہا کہ اگر فرزند کو سلام کیا تو شفعہ باطل ہوا جواب یہ کہ ہاں اس وجہ سے شرعاً چھوٹا بڑے کو سلام کرے تو طریقہ شرعی پہ عذر نہ ہوا حالانکہ اس مسئلہ میں بھی تحقیق کو گنجائش ہے اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود چھوٹوں کو سلام فرماتے تھے فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) بلکہ اور سبب سے اپنی ملک ہونے کا دعویٰ کیا۔

تو امام محمدؒ کی روایت میں شفیع اپنے شفعہ پر رہے گا کذافی البدائع۔ شفیع نے بیع کا حال سن کر کہا کہ الحمد اللہ میں نے ضرور اس کا شفعہ طلب کیا تو مذہب مختار کے موافق اس کا شفعہ باطل نہ ہوگا یہ وجیز کردری میں ہے۔ ناطفی نے فرمایا کہ سبحان اللہ یعنی پاک ہے خدا تعالیٰ یا کیف اصبحت یعنی شب بخیر گزری یا کیف امسیت یعنی اچھی طرح گذارا ان اقوال کو کہہ کر شفعہ طلب کرنے کی صورت میں جو حکم ذکر فرمایا ہے اس پر قیاس کر کے کہا جاتا ہے کہ اگر مشتری سے ملنے کے وقت شفیع نے کہا کہ خدا تیری عمر دراز کرے پھر شفعہ طلب کیا تو اس کا شفعہ باطل نہ ہوگا۔ کذافی الظہیریہ۔ اسی طرح اگر کہا کہ شفعہ[(۱)] مرلست خواستم وبیافتم تو بھی شفیع اپنے شفعہ پر رہے گا یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر مشتری سے اپنی حاجتوں کی درخواست کی یا مشتری کے سامنے کوئی حاجت پیش کی پھر شفعہ طلب کیا تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا اور اگر مشتری سے دار مبیعہ کا ثمن دریافت کر کے اس کے بتلانے کے بعد پھر شفعہ طلب کیا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا یہ مضمرات میں ہے۔ ایک دار فروخت کیا گیا پھر بائع یا مشتری نے شفیع سے بات کہی کہ تو اپنی ہر خصومت سے جو تیری ہماری طرف ہو ہم کو بری کر دے پس شفیع نے ایسا ہی کیا حالانکہ اس کو یہ نہیں معلوم ہے کہ ان کی طرف میرا حق شفعہ واجب ہوا ہے تو حکم قضاء میں اس کو شفعہ نہ ملے گا[(۲)] مگر فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ اس کو شفعہ ملے گا بشرطیکہ ایسی صورت ہو کہ اگر شفیع کو اس کا حال معلوم ہو جاتا تو وہ شفعہ سے بری نہ کرتا یہ محیط میں ہے۔

اگر شفیع نماز میں تھا کہ اس کو بیع کی خبر دی گئی پس اس نے نماز پوری کر لی پس اگر یہ نماز فرض ہو تو اس کا شفعہ باطل نہ ہوگا اسی طرح اگر واجب ہو تو بھی یہی حکم ہے اور اگر سنت ہو تو بھی یہی حکم ہے اس لئے کہ یہ سنن راتبہ نماز واجب کے معنی میں ہیں۔ خواہ نماز سنت دو رکعت ہو یا چار رکعت ہو جیسے نماز ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں سنت ہوتی ہیں حتیٰ کہ اگر دو رکعت پڑھنے کے بعد اس کو خبر دی گئی پس اس نے بیع کے قعدہ سے اٹھ کر اس میں دوسرا دوگانہ ملا کر چار پوری کر لیں تو اس کا شفعہ باطل نہ ہوگا اس لئے کہ یہ دونوں دوگانہ بمنزلہ ایک نماز واجب کے ہیں یہ بدائع میں ہے۔ فتاویٰ ابواللیث و واقعات ناطفی میں لکھا ہے کہ اگر نماز[(۳)] تطوع میں شفیع کو بیع سے آگاہی حاصل ہوئی پس اس نے یہ دوگانہ چار رکعت یا چھ رکعت کر لیا تو امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اس کا حق شفعہ باطل نہ ہوگا اور شیخ صدر الشہید نے فرمایا کہ مذہب مختار یہ ہے کہ باطل ہو جائے گا اس واسطے کہ شفیع معذور نہیں[(۴)] ہے یہ ذخیرہ و محیط و مضمرات و کبریٰ میں ہے۔ فتاویٰ آہو میں لکھا ہے کہ شفیع کو وقت خطبہ کے بیع کی خبر دی گئی پس اس نے طلب نہ کیا یہاں تک کہ امام نماز سے فارغ ہوا پس اگر شفیع امام سے اس قدر قریب ہو کہ خطبہ کو سنتا ہو تو اس کا شفعہ باطل نہ ہوگا ورنہ اس میں مشائخ کا اختلاف[1] ہے۔ اگر شفیع کو ختم نماز کے قعدہ اخیر میں خبر دی گئی پس اس نے طلب نہ کیا یہاں تک کہ تمام دعا اللھم ربنا آتنا فی الدنیا والدین حسنۃ ختم کر کے پھر سلام پھیرا تو اس کا شفعہ باطل ہو گیا یہ تاتارخانیہ کی گیارھویں فصل مبطل شفعہ میں ہے۔ نوازل میں لکھا ہے کہ اگر شفیع کو ایسے وقت خبر ملی کہ وہ امام کے ساتھ جماعت کی نماز شروع کرنا چاہتا تھا پس وہ شفعہ طلب کرنے کے واسطے نہ گیا تو اس کا شفعہ[2] باطل ہو جائے گا۔ یہ تاتارخانیہ کی تیرھویں فصل میں ہے۔

---

[1] قولہ اختلاف ہے اور صحیح قول یہ ہے کہ جمعہ کا خطبہ سنتا ہو یا نہ سنتا ہو اس پر سکوت واجب ہے تو شفعہ باطل نہ ہوگا۔ [2] قولہ یہ روایت ضعیف ہے اس لیے کہ جماعت سنن موکدہ میں سے ہے بلکہ بعض کے نزدیک واجب ہے تو نہ جانا عذر مقبول ہے۔

(۱) شفعہ میرا ہے میں نے طلب کیا اور پایا۔ (۲) اللہ کے نزدیک دیانتاً اس کا حق شفعہ باطل نہ ہوگا۔ (۳) اصلی دو رکعت نفل سوائے سنت کے۔ (۴) شفعہ مانگنے میں معذور نہیں ہوتا۔

باب دہم:

شفعہ کے معاملہ میں گواہی اور شفیع و مشتری و بائع کے درمیان اختلاف واقع ہونے کے بیان میں

شفیع و مشتری کے درمیان جو اختلاف واقع ہو وہ یا ثمن کی طرف راجع ہوگا یا مبیع کی طرف راجع ہوگا پس جو اختلاف ثمن کی طرف راجع ہو وہ تین حال سے خالی نہیں یا جنس ثمن میں اختلاف ہوگا یا مقدار ثمن میں یا صفت ثمن میں۔ پس اگر جنس ثمن میں اختلاف ہو مثلاً مشتری نے کہا کہ میں نے سو دینار کو خریدا ہے اور شفیع نے کہا کہ ہزار درہم کو خریدا ہے تو قول مشتری کا قبول ہوگا کیونکہ جنس ثمن کے پہچاننے میں شفیع سے مشتری زیادہ ہے پس جنس کے دریافت میں اس کے قول کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ یہ بدائع میں ہے۔ اگر شفیع و مشتری نے ثمن میں اختلاف کیا تو مشتری کا قول قبول ہوگا اور دونوں[1] سے باہم قسم نہ لی جائے گی۔ اگر دونوں نے اپنے اپنے گواہ قائم کئے تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک شفیع کے گواہ قبول ہوں گے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ گواہ بھی مشتری کے قبول ہوں گے۔ اگر مشتری نے کسی قدر ثمن کا دعویٰ کیا اور بائع نے اس سے کم ثمن کا دعویٰ کیا اور حال یہ ہے کہ بائع نے ہنوز ثمن پر قبضہ نہیں کیا ہے تو شفیع اس مبیع کو بعوض اس قدر ثمن کے جس کو بائع بیان کرتا ہے لے لے گا اور اس قدر کمی یوں قرار دی جائے گی کہ بائع نے مشتری کے ذمہ سے گھٹا دی ہے اور اگر بائع نے دعویٰ مشتری سے زیادہ ثمن کا دعویٰ کیا تو دونوں سے قسم لی جائے گی پھر دونوں بیع پھیر لیں گے اور اگر دونوں میں سے کسی نے قسم سے انکار کیا تو ظاہر ہو جائے گا کہ ثمن کی مقدار اسی قدر ہے جس قدر دوسرا کہتا ہے پس شفیع اسی قدر پر شفعہ میں لے لے گا اور اگر دونوں نے قسم کھالی تو قاضی دونوں کے درمیان بیع فسخ کر دے گا اور شفیع اس مبیع کو بائع کے بیان پر لے[(1)] سکتا ہے۔ اگر بائع ثمن پر قبضہ کر چکا ہو تو شفیع اس مبیع کو اس قدر داموں کے عوض لے سکتا ہے جس کو مشتری نے بیان کیا ہے اور بائع کے قول پر التفات نہ کیا جائے گا اگر ثمن کا ادا کرنا ظاہر نہ ہوا اور بائع نے کہا کہ میں نے یہ دار ہزار درہم کو فروخت کر کے ثمن وصول کر لیا ہے تو شفیع اس کو ہزار درہم کے عوض لے سکتا ہے۔ اگر اس نے یوں کہا کہ میں نے ثمن پر قبضہ کر لیا اور وہ ہزار درہم ہے تو اس کے قول پر التفات نہ کیا جائے گا یہ ہدایہ میں ہے۔ اگر کوئی دار بعوض عرض[(2)] کے خریدا اور ہنوز باہمی قبضہ نہ ہوا تھا کہ یہ عرض تلف ہو گیا یا مشتری نے دار پر قبضہ کر لیا تھا مگر عرض بائع کے قبضہ میں نہ دیا تھا کہ عرض تلف ہو گیا یا بائع و مشتری میں بیع اس طرح ٹوٹ[(3)] گئی کہ شفیع کو بعوض قیمت عرض دار مذکور شفعہ میں لینے کا حق باقی رہ گیا پھر بائع و مشتری نے عرض مذکور کی قیمت میں اختلاف کیا تو قسم سے بائع کا قول قبول ہوگا اور اگر دونوں میں سے کسی نے گواہ قائم کئے تو اس کے گواہ قبول ہوں گے اور اگر دونوں نے گواہ قائم کئے تو امام اعظمؒ[2] و امام محمدؒ کے نزدیک بائع کے گواہ قبول ہوں گے اور یہی قول امام[3] ابو یوسفؒ کا ہے۔ اگر مشتری نے عمارت دار کو گرا دیا یہاں تک کہ شفیع کے ذمہ سے ثمن سے بقدر قیمت عمارت کے ساقط ہو گیا۔ پھر دونوں نے قیمت عمارت میں اختلاف کیا اور اس بات پر اتفاق کیا کہ خالی میدان کی قیمت ہزار درہم ہے یا عمارت و میدان دونوں کی قیمت میں اختلاف کیا پس اگر فقط عمارت کی قیمت میں اختلاف کیا تو قسم سے مشتری کا قول قبول ہوگا اور اگر عمارت و میدان دونوں کی قیمت میں اختلاف کیا تو میدان کی قیمت اندازہ کی جائے گی اور عمارت کی قیمت کے بارے میں مشتری کا قول قبول ہوگا اور اگر دونوں میں سے ایک نے گواہ کئے تو اس کے گواہ قبول ہوں گے اور اگر دونوں نے گواہ قائم کئے تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ

---

[1] بعض نسخوں میں لکھا ہے کہ والا یتحالفان ورنہ دونوں کی قسم لی جائے گی۔ والاصح فافہم [2] الظاہر امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ۔ [3] الظاہر امام اعظمؒ۔

(1) جس قدر بائع نے ثمن بیان کیا تھا۔ (2) اسباب سوائے نقد ثمن کے۔ (3) مثلاً اقالہ ہو گیا۔

امام اعظمؒ کے قول پر قیاس کر کے شفیع کے گواہ قبول ہوں گے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ امام اعظمؒ کے قول پر قیاس کر کے مشتری کے گواہ قبول ہوں گے۔ اگر دونوں نے صفت ثمن میں اختلاف کیا مثلاً مشتری نے کہا کہ میں نے نقدی ثمن دینے پر خریدا ہے اور شفیع نے کہا کہ نہیں بلکہ ادھار میعادی پر خریدا ہے تو مشتری کا قول قبول ہوگا اور جو اختلاف مبیع کی طرف راجع ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ دونوں اس طرح اختلاف کریں کہ اس میں تمام چیز پر جس پر بیع واقع ہوئی آیا ایک ہی صفقہ سے واقع ہوئی یا دو صفقہ سے واقع ہوئی مثلاً مشتری نے ایک دار خریدا پھر مشتری نے کہا کہ میں نے اس کا میدان علیحدہ بعوض ایک ہزار درہم کے خریدا ہے اور شفیع نے کہا کہ نہیں بلکہ تو نے دونوں (۱) کو اکٹھا دو ہزار درہم میں خریدا ہے تو قول شفیع کا مقبول ہوگا اور دونوں میں سے جس نے گواہ قائم کئے اس کے گواہ قبول ہوں گے اور اگر دونوں نے گواہ قائم کئے اور دونوں فریق نے کوئی وقت بیان (۲) نہ کیا تو امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مشتری کے گواہ قبول ہوں گے اور امام محمدؒ کے نزدیک شفیع کے گواہ قبول ہوں گے یہ بدائع میں ہے۔

منتقی میں بروایت ابن سماعہ امام محمدؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے کسی سے ایک دار خریدا اور اس کے دو[۱] شفیع ہیں ان میں سے ایک شفیع مشتری کے پاس شفعہ طلب کرنے آیا اور مشتری نے کہا کہ میں نے یہ دار ہزار درہم کو خریدا ہے پس شفیع نے اس کے قول کی تصدیق کر کے ہزار درہم دے کر لے لیا پھر دوسرے شفیع نے آ کر اس امر کے گواہ قائم کئے کہ مشتری نے اس کو پانچ سو درہم میں خریدا ہے تو دوسرا شفیع اس دار میں آدھا دار بعوض دو سو پچاس درہم کے پہلے شفیع کو دے کر لے لے گا اور پہلا شفیع مشتری سے دو سو پچاس درہم واپس لے گا اور پہلے شفیع کے پاس نصف دار بعوض پانچ سو درہم کے باقی رہ جائے گا اور بھی منتقی میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے ایک دار ایک ہزار درہم کو خرید کر اس پر قبضہ کر لیا پھر شفیع نے آ کر شفعہ طلب کیا اور مشتری نے کہا کہ میں نے اس کو دو ہزار درہم کے عوض خریدا ہے اور شفیع نے کہا کہ نہیں بلکہ تو نے ایک ہزار درہم کو خریدا ہے مگر شفیع کے پاس گواہ نہ تھے اور مشتری نے جو کچھ کیا تھا اس پر قسم کھالی پس شفیع نے دو ہزار درہم دے کر دار مذکور کو لے لیا پھر دوسرا شفیع آیا اور اس نے شفیع اوّل پر اس امر کے گواہ قائم کئے کہ بائع نے یہ دار فلاں مشتری کے ہاتھ ہزار درہم کو فروخت کیا تھا تو دوسرا شفیع اس میں سے نصف دار بعوض پانچ سو درہم کے لے لے گا اور پہلا شفیع مشتری سے اس نصف کے ثمن سے جس کو دوسرے شفیع نے لیا ہے پانچ سو درہم واپس لے گا پھر شفیع اوّل سے کہا جائے گا کہ جو نصف تیرے قبضہ میں ہے اسی بابت اگر تیرا جی چاہے تو دوبارہ گواہ پیش کر ورنہ تجھے کچھ نہیں مل سکتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ شفیع اوّل نے اگر مشتری سے یہ کہا کہ شفیع ثانی نے گواہوں سے یہ بات ثابت کر دی کہ خرید بعوض ہزار درہم کے واقع ہوئی ہے پس جو نصف میرے قبضہ میں ہے اس کے مقابلہ میں پانچ سو درہم ہوئے سو میں تجھ سے پانچ سو درہم واپس لوں گا تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا لیکن اگر اس نے دوبارہ گواہ قائم کئے کہ خرید بعوض ہزار درہم کے واقع ہوئی ہے تو ایسا ہو سکتا ہے اس کا سبب وہ ہے جس کی طرف کتاب میں اشارہ فرمایا ہے کہ شفیع ثانی اپنے گواہوں سے فقط بالنصف دار کا مستحق ہوگا اور اس کے معنی یہ ہیں کہ شفیع ثانی کے گواہ ہر گاہ کہ نصف دار میں کار آمد ہوئے تو ہزار درہم کے عوض خرید واقع ہونا فقط اسی نصف میں ثابت ہوگا جس کا شفیع ثانی مستحق ہوا ہے نہ اس نصف میں جو شفیع اوّل کے قبضہ میں ہے پس شفیع اوّل اپنے نصف مقبوضہ کے حق میں بعوض ہزار درہم کے خرید ثابت ہونے کے واسطے دوبارہ گواہ پیش کرنے کا محتاج ہوگا پھر مشتری سے پانچ سو درہم زائد واپس لینے کا مستحق ہوگا یہ محیط میں ہے۔

فتاویٰ عتابیہ میں لکھا ہے کہ اگر مشتری نے ایک دار خریدا پھر شفیع آیا اور اس نے مشتری کے کہنے پر ہزار درہم ثمن دے کر شفعہ

---

[۱] دو شفیع ہیں اور دونوں نے شفعہ طلب کیا۔

(۱) عمارت و میدان۔ (۲) ادائے شہادت میں کوئی وقت خرید بیان نہ کیا۔

میں لے لیا پھر اس بات کے گواہ پائے کہ مشتری نے پانچ سو درہم کو خرید اتھا تو اس کے گواہ مقبول[1] ہوں گے اور اگر شفیع نے پہلے ہزار درہم ثمن خرید ہونے میں مشتری کے قول کی تصدیق کی ہو تو پھر اس کے برخلاف پر اس کے گواہ مقبول نہ ہوں گے یہ تاتارخانیہ میں ہے اگر بائع و مشتری نے اس بات پر اتفاق کیا کہ یہ بیع بائع کے واسطے شرط خیار کر کے واقع ہوئی ہے اور شفیع نے اس سے انکار کیا تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ اور دو روایتوں میں سے ایک روایت کے موافق امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قول بائع و مشتری کا قبول ہوگا اور شفیع کو شفعہ نہ ملے گا اس لئے کہ بیع بائع و مشتری کے اقرار سے ثابت ہوئی اور ویسی ہی ثابت ہوئی[2] جیسا دونوں نے اقرار کیا ہے۔ جامع میں مذکور ہے کہ اگر بائع نے شرط خیار ہونے کا دعویٰ کیا اور مشتری و شفیع نے اس سے انکار کیا تو استحساناً قول مشتری کا قبول ہوگا اس واسطے کہ خیار فقط شرط کرنے سے ثابت ہوتا ہے اور بائع احداث[1] شرط کا دعویٰ کرتا ہے اور مشتری اس سے منکر ہے اسی طرح اگر مشتری نے خیار شرط ہونے کا دعویٰ کیا اور بائع و شفیع نے اس سے انکار کیا تو قول بائع کا قبول ہوگا اور شفیع مبیع کو شفعہ میں لے لے گا یہ محیط میں ہے۔ دو آدمیوں میں باہم خرید فروخت کی پس شفیع نے دونوں کے سامنے شفعہ طلب کیا پس بائع نے کہا کہ یہ بیع ہم دونوں میں سچی بیع نہ تھی بلکہ از راہ معاملہ تھی[3] اور مشتری نے اس کے قول[4] کی تصدیق کی تو شفیع کے حق میں ان دونوں کے قول کی تصدیق نہ کی جائے گی بلکہ قول اسی کا معتبر ہوگا جو جواز بیع کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اگر صورت حال اسی بات پر دلالت کرتی ہو جو بائع و مشتری نے بیان کیا ہے تو ایسا نہ ہوگا مثلاً بیع بیش قیمت چیز ہو اور اس بیع میں ایسے قلیل ثمن کے عوض فروخت کی گئی کہ ایسی چیز اس قدر قلیل ثمن کو نہیں فروخت ہوتی ہے تو ایسی صورت میں قول بائع و مشتری کا قبول ہوگا اور شفیع کو شفعہ نہ ملے گا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

قاضی کس صورت میں باوجودیکہ دونوں فریقین متفق ہیں فیصلہ صادر نہ کرے گا ☆

منتقی میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ ایک دار فروخت کیا پھر بائع و مشتری دونوں نے بالاتفاق اقرار کیا کہ یہ بیع فاسد تھی اور شفیع نے کہا کہ جائز واقع ہوئی ہے تو قول شفیع کا معتبر ہوگا اور میں شفیع کے حق میں بائع و مشتری کے فساد بیع کے اقرار کی بالکل تصدیق نہ کروں گا اور اگر دونوں میں سے ایک نے فساد بیع کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے انکار کیا تو اس صورت میں میں اس کا قول قبول کروں گا جو صحت بیع کا مدعی ہے سو اگر دونوں نے ایسی چیز کی وجہ سے فساد بیع پر اتفاق کیا کہ جس میں میں مدعی فساد کا قول معتبر رکھتا ہوں تو میں دونوں کے قول کی تصدیق کروں گا اور شفیع کے واسطے حق شفعہ نہ ٹھہراؤں گا اور اس سے میری یہ مراد ہے کہ اگر بائع و مشتری دونوں نے ایسے سبب سے فساد بیع پر اتفاق کیا کہ اسی سبب سے بیع فاسد ہونے میں اگر بائع و مشتری دونوں اختلاف کرتے تو مدعی فساد کا قول قبول نہ ہوتا بلکہ جو شخص صحت بیع کا مدعی ہوتا اسی کا قول مقبول ہوتا مثلاً دونوں میں سے فقط ایک نے بیع میں میعاد فاسد یا خیار فاسد ہونے کے شرط کا دعویٰ کیا تو جب ایسے سبب سے بیع فاسد ہونے پر دونوں اتفاق کریں تو بیع کے حق میں ان[5] دونوں کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اگر دونوں نے ایسے سبب سے فساد بیع پر اتفاق کیا کہ اسی سبب سے اگر بیع فاسد ہونے میں دونوں باہم اختلاف کرتے تو مدعی فساد کا قول قبول ہوتا تو جب ایسے سبب سے بیع فاسد ہونے پر دونوں اتفاق کریں گے تو شفیع کے حق میں بھی دونوں کی تصدیق کی جائے گی اور منتقی میں اس کی صورت یوں بیان فرمائی کہ اگر مشتری نے بائع سے کہا کہ تو نے یہ دار میرے ہاتھ بعوض ہزار درہم و ایک رطل شراب کے فروخت کیا ہے اور بائع نے کہا کہ تو نے سچ کہا تو میں شفیع کے حق میں ان دونوں کے قول کی تصدیق نہ کروں گا اور اگر مشتری نے یوں کہا کہ تو نے یہ دار میرے ہاتھ بعوض شراب کے فروخت کیا اور بائع نے اس کی تصدیق کی تو شفیع کو شفعہ نہ ملے گا یہ تو منتقی کی

1. یہ جدید بات ہے تو اس پر ثابت کرنا لازم ہے۔

(۱) اگر قائم کرے۔ (۲) بیع بشرط خیار۔ (۳) اس سے ہم کو کوئی خفیہ کارروائی مقصود تھی۔

(۴) قول شفیع بشرطیکہ وہ دونوں کے قول کا انکار کرے۔ (۵) اگرچہ دونوں کے حق میں بسبب اتفاق کے تصدیق ہوئی یعنی اس کو شفعہ ملے گا۔

عبارت ہے اور امام[1] قدوری نے اپنی کتاب میں جو کچھ منتقی میں مذکور ہے امام ابو یوسفؒ کا قول اُن سے دو روایتوں[2] میں سے ایک روایت کے موافق قرار دیا ہے اور امام قدوری نے فرمایا کہ بنا بر اس روایت کے گویا امام ابو یوسفؒ ایسے اختلاف کو اس اختلاف پر قیاس فرماتے ہیں جو دونوں متعاقدین میں واقع ہو چنانچہ اگر دونوں متعاقدین نے باہم اس طرح اختلاف کیا کہ مشتری نے کہا کہ تو نے یہ دار میرے ہاتھ بعوض ہزار درہم و ایک رطل شراب کے فروخت کیا ہے اور بائع نے کہا کہ نہیں بلکہ میں نے تیرے ہاتھ اس کو بعوض ہزار درہم کے فروخت کیا ہے تو قول بائع کا قبول ہوگا اور اگر مشتری نے کہا کہ تو نے یہ دار میرے ہاتھ بعوض شراب یا سور کے فروخت کیا ہے اور بائع نے کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ اس کو بعوض ہزار درہم کے فروخت کیا ہے تو قول مشتری کا قبول ہوگا اس واسطے کہ شراب کے عوض بیع واقع ہونا کسی حال میں جائز نہیں ہے اور مدعی جواز کا قول اسی عقد میں مقبول ہوتا ہے جو عقد کسی حال میں جائز ہو سکے بخلاف ایسے عقد بیع کے جو بمیعاد فاسد ہو یا بعوض ہزار درہم و ایک رطل شراب کے ہو۔ اب رہا امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک سوان دونوں کے نزدیک اگر بائع و مشتری نے فساد بیع پر اتفاق کیا اور شفیع نے دونوں کی تکذیب کی تو ہر حال میں شفیع کو شفعہ نہ ملے گا جیسا کہ اس[3] صورت میں ہوتا ہے کہ دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ اس بیع میں بائع کے واسطے خیار کی شرط تھی اور شفیع نے دونوں کی تکذیب کی تو شفیع کو شفعہ نہ ملے گا یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر کسی کھیت کا دسواں حصہ بعوض ثمن کثیر کے خرید اپھر باقی کھیت قلیل داموں کو مول لیا تو شفیع کو دسویں حصہ میں شفعہ ملے گا نہ باقی میں پھر اگر شفیع نے اس سے اس طرح قسم لینی چاہی کہ واللہ میں نے اس طرح بیع کرنے میں تیرا شفعہ باطل کرنا نہیں چاہا تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا اس لئے کہ اگر اس نے ایسا اقرار کیا تو اس پر کچھ لازم نہ آئے گا اور اگر یوں قسم لینی چاہی کہ واللہ بیع اوّل بطور تلجیہ نہ تھی تو اس کو یہ اختیار ہے اس لئے کہ یہ ایسی بات ہے کہ اگر اس نے خصم ہونے کی صورت میں اس کا اقرار کیا تو اس پر لازم ہوگی اور کتاب میں یہ جو مذکور ہے کہ اگر اس نے اس طرح قسم لینی چاہی کہ واللہ میں نے اس طرح بیع کرنے میں تیرا حق شفعہ باطل کرنا نہیں چاہا تو ایسی قسم نے سکتا ہے اس کی تاویل یہی ہے یعنی اس دعویٰ پر قسم لینی چاہی کہ بیع اوّل بطور تلجیہ واقع ہوئی یہ قنیہ میں ہے۔

اجناس میں لکھا ہے اگر مشتری سے کہا کہ میں نے یہ دار اپنے نابالغ بیٹے کے واسطے خریدا ہے اور شفیع کے شفعہ سے انکار کیا پس اگر شفیع نے اس بات کا اقرار کیا کہ اس کا نابالغ لڑکا موجود ہے تو مشتری پر قسم عائد نہ ہوگی اور اگر شفیع نے اس کے نابالغ لڑکے ہونے سے انکار کیا تو شفیع سے قسم لی جائے گی کہ واللہ میں نہیں جانتا ہوں کہ اس کا کوئی نابالغ لڑکا موجود ہے اور اگر لڑکا بالغ ہو اور مشتری نے یہ دار اس کے قبضہ میں دے دیا تو مشتری کی ذات سے خصومت دور ہوگئی اور جب تک اس نے بالغ بیٹے کو نہیں سپرد کیا ہے تب تک وہ شفیع کا خصم رہے گا۔ یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر ایک شخص نے ایک عورت سے کچھ خریدا اور چاہا کہ اس کے فروخت کرنے پر گواہ کر لے مگر سوائے ایسے شخص کے جو شفعہ کا مستحق ہے کسی دوسرے کو اس عورت کا شناسا نہ پایا تو اس عورت پر ان لوگوں کی گواہی اگر اپنے فروخت کرنے سے انکار کرے مقبول نہ ہوگی۔ یہ محیط میں ہے۔ اگر بائع کے دو بیٹوں نے شفیع پر یہ گواہی دی کہ اس نے شفعہ دے دیا ہے اور اس وقت تک دار مبیعہ بائع کے پاس ہے پس اگر بائع اس بات کا مدعی ہو کہ شفیع نے شفعہ دے دیا ہے تو ان دونوں کی گواہی مقبول نہ ہوگی اور اگر بائع اس بات سے منکر ہو تو ان دونوں کی گواہی قبول ہوگی اور اگر یہ دار مبیعہ مشتری کے قبضہ میں ہو تو ان دونوں کی گواہی مقبول ہوگی اس واسطے کہ ایسی صورت میں وہ دونوں اس گواہی سے نہ اپنے باپ کو کوئی نفع پہنچاتے ہیں اور نہ اُس سے کوئی ضرر دور کرتے ہیں۔ اور اگر ان دونوں بالغوں نے شفیع پر تسلیم شفعہ کی گواہی دی تو دونوں کی گواہی مقبول نہ ہوگی اگرچہ دار مبیعہ مشتری کے قبضہ میں ہو اس لئے کہ وہ دونوں دار مبیعہ مشتری کے قبضہ میں دینے سے پہلے اسی دار کی بابت خصم تھے اور جو شخص جس چیز میں کبھی خصم ہوا اسی چیز میں اُس کی گواہی مقبول نہ ہوگی اگرچہ اب وہ خصم نہ رہا ہو اور بائع کے دو بیٹوں کی گواہی اس واسطے مقبول ہوئی کہ دے دونوں اس دار کی بابت کبھی خصم نہ تھے۔ اور یہ حکم اس وقت ہے کہ جب بائع کے دونوں بیٹوں نے شفیع پر تسلیم شفعہ کی گواہی دی ہو اور اگر دونوں نے مشتری پر یہ گواہی دی کہ مشتری نے دار مشفوعہ شفیع کو دے دیا ہے تو ان دونوں کی گواہی مقبول نہ ہوگی خواہ یہ دار ان کے باپ کے قبضہ میں ہو یا مشتری کے

---

[1] منتقی کی عبارت اور شرح تقریر امام قدوری میں کچھ اختلاف نہیں ہے غرض یہ ہے کہ امام قدوری نے زیادہ تفصیل فرمائی ہے۔ [2] امام ابو یوسف سے دو روایتیں ہیں ان میں سے ایک روایت کے موافق یہ قول قرار دیا ہے۔ [3] اشارہ ہے کہ مقیس علیہ یہ ہے یعنی بیع جس میں بائع کا خیار ہو۔

کے قبضہ میں ہو اور خواہ ان کا[1] باپ اس کا مدعی ہو یا نہ ہو یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک دار تین آدمیوں میں مشترک ہو ان میں سے ایک یا دو شریکوں نے گواہی دی کہ ہم سب نے یہ دار فلاں شخص کے ہاتھ فروخت کیا ہے اور فلاں شخص نے ایسا دعویٰ کیا مگر ایک شریک ثالث اس سے منکر ہے تو شریک پر ان دونوں کی گواہی جائز نہ ہوگی اور شفیع کو اختیار ہوگا کہ اس دار کی دو تہائی حق شفعہ میں لے لے اور اگر مشتری نے خریدنے سے انکار کیا مگر تینوں شریکوں نے یوں اقرار کیا کہ اس نے خریدا ہے تو بھی ان لوگوں[2] کی گواہی باطل ہوگی مگر شفیع کو اختیار ہوگا کہ پورا دار شفعہ میں لے لے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کو کسی دار کے خریدنے یا فروخت کرنے کے واسطے وکیل کیا پس اس نے خریدا یا فروخت کیا اور موکل کے دو بیٹوں نے شفیع پر تسلیم شفعہ کی گواہی دی پس اگر خریدنے کے واسطے وکیل کیا ہو تو ان دونوں کی گواہی مقبول نہ ہوگی خواہ یہ دار بائع کے قبضہ میں ہو یا وکیل کے یا موکل کے قبضہ میں ہو اور اگر بیع کے واسطے وکیل کیا ہو پس اگر دار مبیعہ موکل یا وکیل کے قبضہ میں ہو تو دونوں کی گواہی مقبول نہ ہوگی اس واسطے کہ ان دونوں کی گواہی سے ان کے باپ کو تقرر[a] ملک کا نفع حاصل ہوتا ہے اور اگر دار مبیعہ مشتری کے قبضہ میں ہو تو دونوں کی گواہی مقبول ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اگر دو بائعوں نے مشتری پر گواہی دی کہ شفیع نے جس وقت بیع کا حال سنا اسی وقت شفعہ طلب کیا ہے اور شفیع اقرار کرتا ہے کہ میں نے ایسا[3] چند روز سے معلوم[4] کیا ہے اور مشتری کہتا ہے کہ اس نے شفعہ نہیں طلب کیا تو دونوں بائعوں کی گواہی باطل ہوگی ایسے ہی ان دونوں کی اولاد کی گواہی بھی باطل ہوگی جیسا کہ اس صورت میں مذکور ہوا کہ دونوں نے یہ گواہی دی کہ مشتری نے دار مبیعہ شفیع کے سپرد[5] کر دیا ہے اور اگر شفیع نے کہا کہ میں نے اسی وقت بیع کا حال جانا ہے تو قسم سے اسی کا قول قبول ہوگا اور اگر دونوں بائعوں نے یہ گواہی دی کہ اس نے چند روز ہوئے جب سے بیع کا حال معلوم کیا ہے تو ان دونوں کی گواہی باطل ہوگی بشرطیکہ دار مشفوعہ ان دونوں کے قبضہ میں یا مشتری کے قبضہ میں ہو یہ مبسوط میں ہے۔ دو گواہ اس بات کے قائم ہوئے کہ شفیع نے شفعہ دے دیا ہے اور دو گواہ اس بات کے قائم ہوئے کہ بائع و مشتری نے دار مشفوعہ دے دیا ہے تو اس شخص کے نام ڈگری ہوگی جس کے قبضہ میں دار مذکور موجود ہے۔ یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر دو شخص مشتری کے واسطے درک کے ضامن ہوئے پھر دونوں نے مشتری پر یہ گواہی دی کہ اس نے دار مشفوعہ شفیع کے سپرد کر دیا ہے تو دونوں کی گواہی باطل ہوگی اسی طرح اگر دونوں نے یہ گواہی دی کہ شفیع نے شفعہ دے دیا ہے تو بھی یہ دونوں بمنزلہ دو بائعوں[6] کے قرار دیے جائیں گے کہ ان دونوں کی گواہی قبول نہ ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔ اگر مشتری نے یہ اقرار کیا کہ میں نے یہ دار ایک ہزار درہم کو خریدا پس شفیع نے اسی قدر درہموں کے عوض شفعہ میں لے لیا پھر بائع نے دعویٰ کیا کہ ثمن دو ہزار درہم ہیں اور اس پر گواہ قائم کر دیے تو اس کے گواہ مقبول ہوں گے اور مشتری کو اختیار ہوگا کہ شفیع سے باقی ایک ہزار درہم لے لے اگرچہ اس نے اقرار کیا تھا کہ ثمن ایک ہزار درہم ہے اسی طرح اگر بائع نے یوں دعویٰ کیا کہ میں نے مشتری کے ہاتھ یہ دار بعوض ایک اسباب معین کے فروخت کیا ہے اور اس پر گواہ قائم کیے تو قاضی اس کے گواہوں کی سماعت کر کے مشتری پر اسی اسباب کی ڈگری کر دے گا۔ شفیع کو وہ دار اس اسباب معین کی قیمت کے عوض دیا جائے گا پس اگر وہ مقدار جو مشتری نے شفیع سے لی ہے یعنی ہزار درہم اسباب کی پوری قیمت سے کم ہو تو مشتری بقدر کمی کے شفیع سے لے لے گا اور اگر اس اسباب کی قیمت سے زیادہ ہو تو ہزار درہم میں سے جس قدر اس اسباب کی قیمت سے زیادہ ہے اس کو شفیع واپس لے گا اور اگر کسی عورت سے ایک دار پر اس شرط سے نکاح کیا کہ عورت اس کو ایک ہزار درہم واپس دے یہاں تک کہ

---

[a] یعنی ثابت ہوتا ہے کہ دار مبیعہ ان کے باپ کی ضروری ملک ہے کیونکہ شفیع نے شفعہ دے دیا ہے۔

(۱) مشتری کے حق میں۔ (۲) مجھے چند روز ہوئے جب یہ خبر پہنچی تھی یا میں نے جانا تھا۔ (۳) بیع کا حال۔ (۴) گواہی نامقبول ہے۔
(۵) جیسا کہ اوپر گذرا ہے۔ (۶) تسلیم الدار الی الشفیع۔

امام اعظمؒ کے نزدیک سوائے امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے بقدر حصہ ہزار درہم کے شفعہ واجب ہوا پھر دونوں نے اس عورت کے وقت عقد کے مہر مثل میں اختلاف کیا یعنی شوہر نے کہا کہ اس کا مہر مثل ایک ہزار درہم ہے اور شفیع کو نصف دار شفعہ میں ملنا چاہئے اور شفیع نے کہا کہ اس کا مہر مثل پانچ سو درہم ہے اور مجھے دو تہائی دار شفعہ میں ملنا چاہئے تو قسم کے ساتھ شوہر کا قول قبول ہوگا اور اگر دونوں نے گواہ قائم کئے تو دونوں اماموں کے نزدیک مشتری کے گواہ قبول ہوں گے جیسا کہ عمارت تلف کردہ شدہ کی مقدار قیمت میں اختلاف کرنے کی صورت میں ہوتا ہے پس اگر کسی زمین یا دار میں اپنے حق کا کسی شخص پر دعویٰ کیا پھر اس سے اس حق کے عوض ایک دار پر صلح کر لی تو اس حق متدعویہ کی قیمت کے عوض شفیع کو اس دار میں شفعہ ملے گا[1] پھر اگر دونوں نے اس حق کی مقدار قیمت میں اختلاف کیا تو قول مدعی کا یعنی ماخوذ منہ کا مقبول ہوگا اور اگر دونوں نے اس کی قیمت کے ثبوت کے واسطے اپنے اپنے گواہ پیش کئے تو اس مقام پر مذکور ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک شفیع کے گواہ قبول ہوں گے یہ محیط میں ہے۔

اگر ایک شخص نے ایک دار ایک ہزار درہم کو خرید ا پھر شفیع و مشتری نے باہم اختلاف کیا اور مشتری نے کہا کہ اس دار میں یہ عمارت میں نے ایجاد کی ہے اور شفیع نے اس کی تکذیب کی تو قول مشتری کا قبول ہوگا اور اگر دونوں نے اپنے اپنے گواہ قائم کئے تو شفیع کے گواہ قبول ہوں گے اسی طرح اگر دونوں نے زمین کے درختوں کی نسبت ایسا اختلاف کیا تو بھی یہی حکم ہے لیکن واضح رہے کہ مشتری کا قول جبھی قبول ہوگا کہ جب اس کا قول محتمل صدق ہو حتیٰ کہ اگر اس نے اسی طرح دعویٰ کیا کہ میں نے یہ درخت اس زمین میں کل کے روز تیار کر دیئے ہیں تو اس کے اس قول کی تصدیق نہ ہوگی اس طرح اور چیزیں جو درختوں کے مانند ہوں جیسے عمارت وغیرہ ان میں بھی ایسی صورت میں یہی حکم ہے اور اگر اس نے یوں کہا کہ میں نے دس برس ہوئے کہ اس کو خرید ا ہے اور اس میں یہ درخت وغیرہ نئے تیار کئے ہیں تو اسی کا قول قبول ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر مشتری نے کہا کہ مالک دار نے پہلے میرے ہاتھ فقط زمین فروخت کر کے پھر اس کی عمارت مجھے ہبہ کر دی یا کہا کہ پہلے مجھے عمارت ہبہ کر کے پھر میرے ہاتھ زمین فروخت کر دی ہے اور شفیع نے کہا کہ نہیں بلکہ تو نے دونوں کو ایکبارگی خرید ا ہے تو قول مشتری کا مقبول ہوگا اور شفیع کا جی چاہے مبیع کو بلا عمارت شفعہ میں لے لے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر بائع نے کہا کہ میں نے تجھے عمارت ہبہ نہیں کی ہے تو قسم سے اس کا قول[1] قبول ہوگا اور عمارت کو لے سکتا ہے۔ اگر کہا کہ ضرور میں نے تجھے عمارت ہبہ کر دی ہے تو یہ جائز ہوگا یہ مبسوط میں ہے اور اگر مشتری نے کہا کہ مالک دار نے مجھے یہ بیت مع اس کے راستہ کے جو اس دار میں سے ہے ہبہ کر دیا پھر میں نے باقی دار خرید ا ہے اور شفیع نے کہا کہ نہیں بلکہ تو نے کل دار خرید ا ہے تو شفیع کو فقط اس قدر شفعہ مل سکتا ہے جس قدر خریدنے کا مشتری اقرار کرتا ہے اور جس کے ہبہ کا مدعی ہے اس میں شفعہ نہیں مل سکتا ہے اور دونوں میں سے جس نے گواہ قائم کئے اس کے گواہ قبول ہوں گے اور اگر ان دونوں نے اپنے اپنے گواہ قائم کئے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مشتری کے گواہ قبول ہوں گے کیونکہ ان گواہوں سے ہبہ کی زیادتی ثابت ہوتی ہے مگر امام محمدؒ کے نزدیک شفیع کے گواہ مقبول ہونے چاہئیں کیونکہ ان گواہوں سے استحقاق کی زیادتی ثابت ہوتی ہے یہ بدائع میں ہے۔ اگر جار نے اقرار کیا کہ اس دار میں سے یہ بیت مشتری کو ہبہ کیا ہے اور مشتری نے دعویٰ کیا کہ ہبہ خریدنے سے پہلے ہوا ہے پس جار کو شفعہ نہ ملنا چاہئے اس واسطے کہ مشتری باقی دار خریدنے کے وقت حقوق میں شریک تھا اور جار کہتا ہے کہ نہیں بلکہ خرید نا ہبہ سے پہلے واقع ہوا ہے پس جس قدر خرید ا ہے اس میں مجھے شفعہ ملنا چاہئے تو شفیع کا قول قبول ہوگا اور اگر خریدنے سے پہلے ہبہ واقع ہونے کے گواہ قائم ہو گئے تو صاحب ہبہ بہ نسبت جار کے باقی دار کے حق شفعہ میں مقدم ہوگا

---

[1] یعنی جو قیمت اس حق کی ہو اس قدر قیمت دے کر شفیع اس دار صلح کو شفعہ میں لے سکتا ہے۔

(۱) قول اس کا یعنی بائع کا اور وہ اپنی عمارت لے لے۔

کذافی المحیط اور اگر بائع نے بیت مذکور ہبہ کرنے سے انکار کیا تو قسم سے اس کا قول قبول ہوگا اور اگر اس نے مشتری کے قول کی تصدیق(۱) کی تو وہ بیت موہوب لہ کا ہو جائے گا مگر باقی گھر کے شفعہ باطل کرنے میں ان دونوں کے قول کی تصدیق نہ کی جائے گی لیکن اگر اس امر کے گواہ قائم ہو جائیں کہ یہ ہبہ خریدنے سے پہلے واقع ہوا تھا تو البتہ مشتری اس دار کا شریک ہو جائے گا اور بنسبت جار کے استحقاق میں مقدم ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر ایک شخص نے ایسے دو دار جن کا ایک شفیع ملاصق (جار) ہے خریدے اور مشتری نے کہا کہ میں نے ان دونوں کو ایک بعد دوسرے کے خریدا ہے پس میں دوسرے دار کے حق شفعہ میں تیرے ساتھ شریک ہوں اور شفیع نے کہا کہ نہیں بلکہ تو نے دونوں کو ایک ہی صفقہ میں خریدا ہے پس مجھے دونوں شفعہ میں ملنے چاہئیں تو شفیع کا قول قبول ہوگا اس واسطے کہ مشتری نے دونوں کے خریدنے کا تو اقرار کیا اور یہ امر ثبوت شفعہ کا سبب ہے پھر اس نے جدا جدا صفقہ کا دعویٰ کر کے اپنے واسطے حق ثابت ہونے کا دعویٰ[۱] کیا ہے تو شفیع کا قول قبول ہوگا اگر مشتری نے کہا کہ میں نے چوتھائی دار خریدا پھر تین چوتھائی خریدا ہے پس تیرا پورا حق شفعہ چوتھائی دار میں ہے اور شفیع نے کہا کہ نہیں بلکہ تو نے تین چوتھائی خرید کر پھر یہ چوتھائی خریدا ہے تو قول شفیع کا قبول ہوگا اس واسطے کہ مشتری نے تین چوتھائی خریدنے کا اقرار کیا اور یہ امر حق شفعہ ثابت ہونے کا سبب ہے پھر ایسی بات کا دعویٰ کیا جو اس حق کو ساقط کرتی ہے یعنی چوتھائی کی خرید مقدم تھی پس اس کے قول کی تصدیق نہ کی جائے گی اور اگر مشتری نے کہا کہ میں نے دار تمام ایک ہی صفقہ میں خریدا ہے اور شفیع نے کہا کہ نہیں بلکہ تو نے پہلے نصف خریدا ہے پس میں نصف لے لوں گا تو قول مشتری کا مقبول ہوگا اور شفیع کو اختیار ہوگا چاہے کل دار کو لے لے یا چھوڑ دے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ایک شخص زید (مثلاً) نے گواہ قائم کئے کہ میں نے یہ دار فلاں شخص یعنی خالد (مثلاً) سے ہزار درہم کو خریدا ہے اور عمرو نے گواہ قائم کئے کہ میں نے اس دار کا یہ بیت خالد سے ایک سو درہم کو ایک مہینہ ہوا کہ خریدا ہے تو جس کے گواہوں نے خرید کا وقت بیان کیا ہے میں اسی کے نام اس بیت کی ڈگری کروں گا پھر اس کو باقی دار میں حق شفعہ حاصل ہوگا اور اگر عمرو کے گواہوں نے وقت نہ بیان کیا تو دونوں مدعیوں کے واسطے اس بیت کے نصفا نصف ہونے کا حکم دوں گا اور باقی دار کا زید کے نام جس نے پورا دار خریدنے کے گواہ قائم کئے ہیں حکم دوں گا اور دونوں میں سے کسی کا دوسرے پر حق شفعہ نہ ہوگا کیونکہ دونوں میں سے کسی کا پہلے خریدنا ثابت نہیں ہوا۔اگر دو دار باہم ملے ہوئے ہوں اور ایک شخص نے گواہ دیئے کہ میں نے اس میں سے یہ دار بعوض ہزار درہم کے ایک مہینہ ہوا کہ خریدا ہے اور دوسرے نے دوسرے دار کی نسبت گواہ قائم کئے کہ میں نے اس کو دو مہینے ہوئے کہ خریدا ہے تو اس کی گواہی کے بیان وقت کے موافق میں اس کے نام یہ دار دو مہینہ سے خریدنے کا حکم دوں گا پھر دوسرے دار میں اس کا حق شفعہ قرار دوں گا اور اگر دونوں فریق گواہوں نے گواہی میں وقت نہ بیان کیا ہو تو ہر ایک مدعی کے نام اس کے دار متدعویہ کے خریدنے کا حکم دوں گا اور کسی کے واسطے دوسرے پر حق شفعہ کا حکم نہ دوں گا اسی طرح اگر ایک شخص اپنے دار متدعویہ پر قبضہ کر چکا ہو اور دوسرے نے نہ کیا ہو تو بھی یہی حکم ہے۔اگر ایک مدعی کے گواہوں نے وقت بیان کیا اور دوسرے کے گواہون نے بیان نہ کیا تو جس کے گواہوں نے وقت بیان کیا ہے اس کے نام دوسرے مدعی پر حق شفعہ کا حکم دوں گا یہ مبسوط میں ہے۔ایک شخص نے ایک دار خریدا پھر شفیع نے دعویٰ کیا کہ اس نے کچھ دار منہدم کر دیا ہے اور مشتری نے اس کی تکذیب کی تو قول مشتری کا قبول ہوگا اور گواہ شفیع کے مسموع ہوں گے۔کذافی فتاویٰ قاضی خان۔

---

[۱] قولہ دعویٰ کیا ہے پس گواہ لادے اور قول فقط شفیع کا قبول ہے۔

(۱) ہبہ قبل خرید کے واقع ہوا ہے۔

باب گیارھواں:

شفعہ کے واسطے وکیل کرنے اور وکیل شفعہ کے شفعہ دے دینے اور اس کے متصلات کے بیان میں

اگر مشتری نے کسی دار کے خریدنے کا اقرار کیا اور وہ اس کے قبضہ میں موجود ہے تو اس میں شفعہ واجب ہو جائے گا اور وکیل اس میں خصم ہوگا اور مشتری سے اس امر کے گواہ کہ میں نے یہ دار اس کے مالک سے خریدا ہے ایسی حالت میں مقبول نہ ہوں گے کہ جب اس کا مالک غائب ہو حتیٰ کہ اگر اس کا مالک اس وقت حاضر ہوا کہ جب مشتری اس سے خریدنے کے گواہ پیش کر چکا ہے اور اس نے حاضر ہو کر جو کچھ مشتری نے اس کے مالک ہونے کا اقرار کیا ہے اس اقرار کی تصدیق کی مگر مشتری نے جو اپنے خریدنے کا دعویٰ کیا ہے اس کی تکذیب کی تو وہ دار شفیع کے ہاتھ سے لے کر بائع کو دے دیا جائے گا کیونکہ ان لوگوں کے بیان سے یہ ثابت ہے کہ اصل ملک اس بائع کی ہے اور مشتری کی جانب سے اس ملک کا انتقال ثابت نہیں ہوا مگر مالک دار سے اس بات پر قسم لی جائے گی کہ واللہ میں نے یہ دار اس مشتری کے ہاتھ نہیں فروخت کیا ہے پس اگر اس نے قسم کھالی تو دار مذکور اس کو واپس کر دیا جائے گا پھر اس کے بعد اگر مالک دار کے سامنے اس بات کے گواہ قائم ہوئے کہ اس نے یہ دار اس مشتری کے ہاتھ فروخت کیا ہے تو خرید ثابت ہو جائے گی اور وہ دار شفیع کے قبضہ میں دے دیا جائے گا اور ایسے گواہ[1] مشتری و شفیع دونوں کی طرف سے قبول ہوں گے اور اگر بائع نے بیع کا اقرار کیا اور مشتری نے انکار کیا اور دار مبیعہ ہنوز بائع کے قبضہ میں موجود ہے تو شفعہ کا حکم دے دیا جائے گا یہ محیط میں ہے۔ اگر مشتری نے اپنے خریدنے کا اقرار کیا مگر کہا کہ فلاں شخص کا اس میں کچھ حق شفعہ نہیں ہے تو میں وکیل[ل] سے شرکت یا جوار کے جس وجہ سے اس کا حق شفعہ واجب ہوا ہے گواہ طلب کروں گا پس اگر اس نے ایسے گواہ قائم کر دیئے تو اس کے واسطے شفعہ کا حکم دوں گا اور اس کی صورت یہ ہے کہ یوں گواہ قائم کرے کہ دار مبیعہ کے پہلو میں جو دار واقع ہے وہ میرے موکل فلاں شخص کی ملک ہے اور اگر اس نے یوں گواہ دیئے کہ دار مبیعہ کے پہلو میں جو دار واقع ہے وہ میرے موکل کے قبضہ میں ہے تو میں ایسے گواہ اس کی طرف سے قبول نہ کروں گا اور فرمایا کہ ایسے مقدمہ میں موکل کے دو بیٹوں یا اس کے والدین یا اس کے زوج یا زوجہ کی گواہی قبول نہ کروں گا اور اس کے مولیٰ کی گواہی بھی قبول نہ کروں گا جب کہ وکیل[2] یا موکل اس مولیٰ کا غلام یا مکاتب ہو یہ مبسوط میں ہے۔ اگر وکیل شفعہ نے بسبب شرکت کے حق شفعہ ثابت کرنے کا ارادہ کر کے اسی طرح گواہ قائم کیے کہ اس وکیل کے فلاں شخص موکل کا اس دار مبیعہ میں حصہ ہے اور گواہوں نے اس حصہ کی مقدار بیان نہ کی تو وکیل کی طرف سے ایسے گواہ مقبول نہ ہوں گے اور نہ اس کے نام حق شفعہ کا حکم ہوگا یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کو اپنے واسطے کوئی دار شفعہ میں لینے کا وکیل کیا اور وکیل کو ثمن سے آگاہ نہ کیا تو وکیل صحیح ہے پھر اگر وکیل نے اس قدر مال کے عوض جتنے کو مشتری نے خریدا ہے شفعہ میں لیا تو موکل کے ذمہ لازم ہوگا اگرچہ یہ مال ثمن اس قدر کثیر ہو کہ لوگ اپنے اندازہ میں ایسا خسارہ نہ اٹھاتے ہوں خواہ اس نے بحکم قاضی لیا ہو یا بغیر حکم قاضی لیا ہو یہ محیط میں ہے اگر ایک شخص نے شفیع کو وکیل کیا کہ دار مشفوعہ اپنے شفعہ میں میرے واسطے لے لے پس شفیع نے اس کو ظاہر کر دیا تو دار مذکور کو شفعہ میں نہیں لے سکتا ہے کیونکہ شفیع کا غیر کے واسطے دار مذکور طلب کرنا اس کی طرف سے تسلیم شفعہ ہے پس وہ تو یہی طلب کرتا ہے کہ موکل کے ہاتھ بیع کرے حالانکہ وہ اپنے واسطے بیع طلب کرتا تو شفعہ کا دے دینے والا قرار دیا جاتا

ل وکیل یعنی شفعہ کے وکیل سے کہا جائے گا کہ تو شرکت کی وجہ سے دعویٰ شفعہ کرتا ہے یا جوار سے بہر حال گواہ پیش کر۔

(۱) بمقابلہ و مواجہ اصل مالک کے ہوں۔ (۲) مثلاً ماذون نے کسی کو وکیل یا شفعہ کیا تو ماذون کے مولیٰ کی گواہی مقبول نہ ہوگی۔

سو جب غیر کے واسطے بیع طلب کرتا ہے تو بدرجۂ اولیٰ شفعہ دے دینے والا قرار دیا جائے گا اور جب اس بات کا ظاہر کر دینا بمنزلۂ شفعہ دے دینے کے قرار دیا گیا تو خواہ مشتری حاضر ہو یا حاضر نہ ہو دونوں صورتوں میں حکم یکساں ہے۔ اگر شفیع نے اس بات کو پوشیدہ رکھا یہاں تک کہ دار مشفوعہ لے لیا پھر اس بات کو ظاہر کیا پس اگر مشتری نے اپنی کو دار مذکور بغیر حکم قاضی دے دیا ہے تو یہ جائز ہے اور دار مذکور اس کے موکل کا ہوگا کیونکہ اگرچہ یہ بات ظاہر ہوگئی کہ شفیع اپنا شفعہ دے چکا تھا پھر لے لیا لیکن مشتری کا سادگی سے بغیر حکم قاضی اس کو دے دینا بمنزلۂ ابتدائی بیع کے قرار دیا جائے گا پس ایسا ہو گیا کہ گویا شفیع نے شفعہ دے کر پھر موکل کے واسطے دار مذکور مشتری سے خریدا ہے۔ اگر قاضی نے بحق شفعہ دینے کا حکم دیا ہو تو دار مذکور مشتری کو واپس دیا جائے گا کیونکہ یہ بات ظاہر ہوگئی کہ شفیع لینے سے پہلے شفعہ کا دے دینے والا قرار پا چکا ہے تو ثابت ہوا کہ مشتری پر قاضی کا حکم تقضاء بلا سبب تھا پس حکم قضاء باطل ہوگا اور دار مذکور مشتری کو واپس دیا جائے گا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر شفیع نے مشتری کو دار مشفوعہ شفعہ میں لینے کا وکیل کیا تو نہیں صحیح ہے خواہ دار مذکور مشتری کے قبضہ میں ہو یا بائع کے قبضہ میں ہو کذا فی المحیط۔ اگر بائع کو وکیل کیا کہ میرے واسطے دار مشفوعہ شفعہ میں لے لے تو قیاساً جائز ہے مگر استحساناً جائز نہیں ہے اور اگر یوں کہا کہ میں نے تجھے اس قدر درہموں سے شفعہ میں لینے کا وکیل کیا اور اس نے لیا پس اگر خرید بھی اسی قدر درہموں پر یا اس سے کم پر واقع ہوئی ہے تو یہ شخص وکیل ہوگا اور اگر اس قدر درہموں سے زیادہ پر واقع ہوئی ہو تو یہ شخص وکیل نہ ہوگا اسی طرح اگر کہا کہ میں نے تجھے اس کو شفعہ میں طلب کرنے کا وکیل کیا بشرطیکہ اس کو فلاں شخص نے خریدا ہو پھر معلوم ہوا کہ فلاں شخص کے سوائے دوسرے شخص نے خریدا ہے تو بھی یہ شخص وکیل نہ ہوگا۔ اگر شفیع نے دو آدمیوں کو شفعہ کے واسطے وکیل کیا تو دونوں میں ایک شخص کو تنہا خصومت کرنے کا اختیار ہوگا اگرچہ دوسرا اس کے ساتھ نہ ہو مگر دار مشفوعہ لینے کا اختیار بدون دوسرے کی موجودگی کے نہ ہوگا اور اگر دونوں میں سے ایک وکیل نے قاضی کے سامنے مشتری کو شفعہ دے دیا تو موکل پر جائز[1] ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر شفیع نے حق شفعہ لینے کے واسطے ایک وکیل کیا تو وکیل کو یہ اختیار نہیں ہے کہ دوسرے کو وکیل کرے لیکن اگر موکل نے وکیل کو اس طرح اختیار دیا ہو کہ جو کچھ تو کرے وہ جائز ہے تو ہو سکتا ہے پس اگر موکل نے وکیل کو ایسا اختیار دیا ہو اور اس سے اختیار کے موافق اس نے دوسرا وکیل کر کے اس کو بھی اختیار دیا کہ جو کچھ تو کرے وہ جائز ہے تو اس وکیل ثانی کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ کسی غیر کو وکیل کرے جو شخص شفعہ کے واسطے وکیل ہے اگر اس نے شفعہ دے دیا تو شفعہ الاصل میں لکھا ہے کہ اگر اس نے قاضی کی مجلس میں دے دیا تو صحیح ہے اور اگر غیر مجلس قاضی میں دیا تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اور پہلے قول میں امام ابو یوسف کے نزدیک نہیں صحیح ہے پھر امام ابو یوسف نے اس سے رجوع کیا اور فرمایا کہ مجلس قاضی اور غیر مجلس قاضی دونوں جگہ اس کا شفعہ دے دینا صحیح ہے پس بنا بر روایت کتاب الشفعہ کے مجلس قاضی میں وکیل مذکور کا شفعہ دے دینا صحیح ہے اور بیان کوئی اختلاف بیان نہیں کیا ہے اور کتاب الوکالۃ اور ماذون کبیر میں ذکر فرمایا ہے کہ مجلس قاضی میں وکیل مذکور کا شفعہ دے دینا امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صحیح ہے اور امام محمدؒ اس میں خلاف کرتے ہیں پس کتاب الوکالۃ و ماذون کبیر کی روایت سے ظاہر ہوا کہ جو حکم کتاب الشفعہ میں مذکور ہے وہ فقط امام اعظم و امام ابو یوسف کا قول ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر دار مشفوعہ کے دو شخص شفیع ہوں اور دونوں نے ایک شخص کو اپنے واسطے حق شفعہ لینے کا وکیل کیا پس اس نے مجلس قاضی میں خاص ایک موکل کا شفعہ دے دیا اور دوسرے کے واسطے پورا دار شفعہ میں لے لیا تو یہ جائز ہے۔ اگر اس نے قاضی کے سامنے بیان کیا کہ میں نے دونوں موکلوں میں سے ایک کا شفعہ دیا اور فقط دوسرے کا شفعہ طلب کیا تو ایسا نہیں کر سکتا ہے جب تک یہ بیان نہ کرے کہ اس نے دونوں میں سے کس کا شفعہ دیا اور کس کا شفعہ لیتا ہے۔ یہ مبسوط میں ہے۔ وکیل بالشفعہ نے اگر شفعہ طلب کیا اور مشتری نے شفعہ سپرد

(۱) تسلیم موکل پر جائز ہوگی۔

کردینے کا دعویٰ کیا پس اگر موکل پر شفعہ دے دینے کا دعویٰ کر کے وکیل سے اس طرح قسم لینے کی درخواست کی کہ واللہ میں نہیں جانتا ہوں کہ میرے موکل نے شفعہ دے دیا ہے یا موکل سے اس طرح قسم لینے کی درخواست کی واللہ میں نے اس مشتری کو اپنا یہ شفعہ نہیں دیا ہے پس اگر اس نے وکیل سے قسم لینے کی درخواست کی تو قاضی اس کو قسم نہ دلائے گا اور اگر اس نے موکل سے قسم لینے کی درخواست کی تو قاضی اس سے یوں کہے گا کہ تو یہ دار وکیل کو دے دے تا کہ وہ اپنے موکل کے واسطے بحق شفعہ لے لے اگرچہ مشتری موکل سے قسم لینے کی درخواست کر چکا ہے۔ اگر مشتری نے وکیل پر تسلیم شفعہ کا دعویٰ کیا اور اس سے قسم لینے کی درخواست کی تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک قاضی اس سے قسم نہ لے گا اور اس میں امام ابو یوسفؒ خلاف کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر دو گواہوں نے وکیل پر یہ گواہی دی کہ اس نے غیر مجلس قاضی میں شفعہ دے دیا ہے تو بھی امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک دونوں کی گواہی باطل ہے اور اس میں بھی امام ابو یوسفؒ خلاف کرتے ہیں اسی طرح اگر دو گواہوں نے وکیل پر یوں گواہی دی کہ اس نے کسی قاضی کے سامنے شفعہ دے دیا ہے مگر اس قاضی کے حکم دے دینے سے پہلے یہ وکیل معزول کیا گیا ہے تو بھی امام اعظمؒ و امام[1] محمدؒ کے نزدیک نہیں جائز ہے اور اگر وکیل مذکور نے قاضی کے سامنے اقرار کیا کہ میں نے غیر مجلس قاضی میں یا کسی دوسرے قاضی کے سامنے شفعہ دے دیا ہے تو یہ اقرار صحیح ہے اور ایسا ہوگا کہ گویا اس نے از سر نو اس وقت اس قاضی کے سامنے شفعہ دے دیا۔ یہ محیط سرخسی میں ہے۔

دارِ مذکور اپنے موکل کے قبضہ میں دینے سے قبل شفیع نے اگر وکیل سے شفعہ طلب کیا تو صحیح ہے ☆

اگر وکیل کے یا موکل کے دو بیٹوں نے یوں گواہی دی کہ اس نے غیر مجلس قاضی میں شفعہ دے دیا ہے تو میں ان کی گواہی جائز رکھوں گا اور وکالت ثابت ہونے کے واسطے وکیل یا موکل کے دو بیٹوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔ یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنا دار فروخت کرنے کے واسطے ایک شخص کو وکیل کیا اور اس نے ہزار درہم کو فروخت کر دیا پھر مشتری سے سو درہم گھٹا دیئے اور موکل کو اس گھٹی کا تاوان دے دیا تو شفیع اس دار کو شفعہ میں فقط ہزار درہم میں لے سکتا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ کسی دار کے خریدنے کے وکیل نے اگر دار خرید کر اس پر قبضہ کر لیا اور قبل اس کے کہ دار مذکور اپنے موکل کے قبضہ میں دے شفیع نے اگر وکیل سے شفعہ طلب کیا تو صحیح ہے اور اگر موکل کے دے دینے کے بعد طلب کیا تو صحیح نہیں ہے اور اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا اور یہی مختار ہے یہ خزانۃ المفتین و فتاویٰ کبریٰ میں لکھا ہے۔ ایسا ہی اصحاب متون نے ذکر کیا ہے۔ اگر بائع کسی شخص کی طرف سے وکیل بیع ہو تو شفیع اس سے لے سکتا ہے بشرطیکہ اس کے قبضہ میں موجود ہو اس وجہ سے کہ یہ وکیل عاقد ہے اسی طرح اگر بائع کسی میت کا وصی ہو تو جن چیزوں کی بیع اس کی طرف سے جائز ہے اس میں شفیع کو یہی اختیار ہے یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اگر مشتری نے شفیع کے خصومت کرنے سے پہلے یہ کہا کہ میں نے یہ دار فلاں (مثلاً) شخص کے واسطے خریدا ہے پھر اس کو دے دیا پھر شفیع حاضر ہوا تو اس کے و مشتری کے درمیان کچھ خصومت نہ ہوگی اور اگر شفیع کے خصومت کرنے کے بعد اس نے ایسا کہا تو خصومت اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگی اور اگر مشتری مذکور نے اس بات کے گواہ پیش کئے کہ میں نے خریدنے سے پہلے یہ کہا تھا کہ میں فلاں شخص کا وکیل ہوں تو گواہ مقبول نہ ہوں گے اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ مقر لہ کے حاضر ہونے تک اس کے سر سے خصومت دور ہونے کے واسطے یہ گواہ مقبول ہوں گے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر کسی شخص کو کسی دار معین کا حق شفعہ طلب کرنے کے واسطے وکیل کیا تو وکیل مذکور سوائے اس دار کے دوسرے مقدمہ شفعہ میں خصومت نہیں کر سکتا ہے کیونکہ وکالت مقید کرنے سے مقید ہو جاتی ہے اور اس صورت میں موکل نے جس دار کو معین کیا ہے اس کی خصومت کے ساتھ وکالت کو مقید کر دیا ہے ہاں

[1] امام محمدؒ کے نزدیک اس وجہ سے نہیں جائز ہے کہ ان کے نزدیک قاضی کے سامنے شفعہ دینا جائز ہی نہیں بخلاف امام اعظمؒ کے و للہٰذا آگے جو حکم لکھا ہے وہ فقط امام اعظمؒ کے نزدیک ہونا چاہئے۔

اگر ہر حق شفعہ میں جو موکل کے واسطے واجب ہو خصومت کرنے کا وکیل کیا ہو تو البتہ جائز ہے اور وکیل کو اختیار ہوگا کہ ہر حق شفعہ میں جو موکل کے واسطے پیدا ہو جائے اس میں خصومت کرے جیسا کہ جو حقوق شفعہ اس وقت موجود ہیں ان میں خصومت کر سکتا ہے مگر سوائے حق شفعہ کے دین وغیرہ دوسرے کسی حق میں خصومت نہیں کر سکتا ہے کیونکہ وکالت شفعہ کے ساتھ مقید ہے لیکن جس[1] سبب سے شفعہ طلب کرتا ہے اس حق کے اثبات میں خصومت کر سکتا ہے اور اگر کسی شخص کو اپنا شفعہ طلب کرنے کے واسطے وکیل کیا اور اس نے شفعہ میں لے لیا پھر کسی مدعی نے آکر اس دار مشفوعہ میں اپنا کچھ دعویٰ کیا تو یہ وکیل اس کا خصم نہ ہوگا اور اگر اس وکیل نے دار مذکور میں کوئی عیب پایا اس کو اختیار ہوگا کہ اس عیب کی وجہ سے اس کو واپس کر دے اس[(1)] میں کچھ موکل غائب کے حاضر ہونے تک انتظار کرنے کی ضرورت نہ ہوگی یہ مبسوط میں ہے۔

اگر ایک شخص کو اپنے ہر حق کے جو اس کے واسطے ثابت ہے طلب کرنے اور خصومت کرنے اور وصول و قبضہ کر لینے کا وکیل کیا تو وکیل کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اس کا شفعہ طلب کرے ہاں جس شفعہ کا اس کے نام حکم ہو چکا ہے اس پر قبضہ کر سکتا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر کسی شخص کو اپنا شفعہ طلب کرنے کا وکیل کیا پھر وہ وکیل آیا اور حال یہ تھا کہ دار مشفوعہ کی عمارت غرق ہو چکی تھی یا زمین مشفوعہ کے درخت جل چکے تھے پس وکیل نے پورے ثمن میں جمیع بحق شفعہ لے لی مگر موکل راضی نہ ہوا تو یہ لینا موکل کے ذمہ پڑے گا موکل اس کو رد نہیں کر سکتا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر شفعہ طلب کرنے کے وکیل سے مشتری نے درخواست کی کہ اتنے دنوں تک میرے ساتھ جھگڑا کرنے سے اس شرط سے باز رہے کہ وکیل مذکور کو اپنا استحقاق خصومت و شفعہ بحالہ باقی رہے گا تو یہ جائز ہے۔ یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر اتنے دن گذرنے سے پہلے وکیل مر گیا اور موکل کو اس کے مرنے کا حال معلوم نہ ہوا تو وہ اپنے استحقاق شفعہ پر رہے گا پھر جب میعاد گذر گئی اور موکل کو اس کے مرنے کا علم ہو گیا مگر اس نے شفعہ طلب نہ کیا یا کسی دوسرے وکیل کو اپنے واسطے شفعہ طلب کرنے کو نہ بھیجا تو اس کو شفعہ نہ ملے گا جیسا کہ وکیل مذکور کے بھیجنے سے پہلے ابتداء حال میں حکم تھا[(2)] تو اتنی مدت تک مہلت ہوگی کہ جہاں شفیع موجود ہے وہاں سے لوگوں کی چال چل کر یہاں پہنچ جائے کذا فی المبسوط۔

بارھواں باب :

نابالغ کے شفعہ کے بیان میں

نابالغ استحقاق شفعہ میں مثل بالغ کے ہوتا ہے یہ مبسوط میں ہے۔ فرمایا کہ حمل[2] استحقاق شفعہ میں بالغ کے مثل ہے پس اگر خرید واقع ہونے کے وقت سے چھ مہینے سے کم میں وضع حمل ہوا تو اس بچہ کو شفعہ ملے گا اور اگر چھ مہینہ یا زیادہ میں وقت خرید سے وضع حمل ہوا تو اس کو شفعہ نہ ملے گا کیونکہ بیع واقع ہونے کے وقت اس بچہ کا وجود نہ حقیقتاً ثابت ہوا نہ حکماً لیکن اگر بیع سے پہلے اس کا باپ مر گیا ہو اور یہ بچہ اس کا وارث ہوا ہو تو اس صورت میں شفعہ کا مستحق ہوگا اگرچہ وقت بیع سے چھ مہینہ یا زیادہ میں وضع حمل ہوا ہو کیونکہ وقت بیع کے اس کا وجود حکماً ثابت ہے اس لئے کہ وہ اپنے باپ کا وارث ہوا ہے۔ پھر واضح ہو کہ جب صغیر کے واسطے شفعہ واجب ہو تو اس شفعہ کے طلب کرنے اور لینے کا کارپرداز وہی شخص ہوگا جو اس کے استیفاء حقوق کے واسطے شرعاً اس کا قائم مقام ہو اور یہ شخص اس کا باپ ہوتا ہے یا

---

[1] مثلاً مشتری کے سبب سے انکار کیا تو وکیل ثابت کر سکتا ہے کہ دار مبیعہ کے پہلو میں جو دار ہے وہ میرے موکل کی ملک ہے بشرائطہ۔ [2] حمل جو پیٹ میں ہے وہ بھی شفعہ کا مستحق ہے

(1) اس میں موکل کے غائب ہونے کی طرف محافظہ نہ کیا جائے گا۔ (2) اور اگر موکل اس شہر میں نہ ہو۔

باپ کا وصی پھر سگا دادا پھر سگے دادا کا وصی پھر وہ وصی جس کو قاضی مقرر کرے پھر اگر ان لوگوں میں سے کوئی موجود نہ ہو تو جس وقت یہ لڑکا بالغ ہو اس وقت اپنے استحقاق شفعہ پر ہوگا پھر اگر وہ بالغ ہوا اور اس کو خیار[1] بلوغ و شفعہ حاصل ہوا پس وہ رد نکاح اختیار کرے گا یا طلب شفعہ سوان دونوں میں سے جو امر پہلے واقع ہوگا وہ جائز ہو جائے گا اور دوسرا باطل ہو جائے گا اور اس بات میں حیلہ یہ ہے کہ یوں کہے کہ میں نے دونوں کو طلب کیا شفعہ کو اور خیار کو۔ اگر نابالغ کا قائم مقام ان لوگوں میں سے کوئی موجود ہوا اور اس نے باوجود امکان کے طلب شفعہ کو ترک کیا تو شفعہ باطل ہو جائے گا حتیٰ کہ یہ نابالغ بلوغ کو پہنچے تو اس کو لینے کا حق حاصل نہ ہوگا اور یہ امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کا قول ہے اور اگر نابالغ کے باپ یا باپ کے وصی یا جو شخص ان کے مانند اس کا شرعی قائم مقام ہے کسی نے صغیر کا شفعہ دے دیا تو امام اعظم و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کا دے دینا صحیح ہوگا حتیٰ کہ جب نابالغ اپنے بلوغ کو پہنچا تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ مبیع مشفوعہ کو شفعہ میں لے لے خواہ شفعہ دینے والے نے مجلس قاضی میں شفعہ دیا ہو یا غیر مجلس قاضی میں دیا ہو یہ محیط میں ہے۔ اگر مشتری نے ایک دار کو اس قدر ثمن کثیر کے عوض خرید ا کہ لوگ اپنے اندازہ میں اس قدر خسارہ نہیں اٹھاتے ہیں اور اس دار کا شفیع ایک نابالغ ہے پس اس کے باپ نے اس کا شفعہ دے دیا تو ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا کہ اس صورت میں تسلیم شفعہ امام محمدؒ کے نزدیک بھی صحیح ہے اور اصح یہ ہے کہ تسلیم بالاجماع صحیح نہیں ہے۔ اس وجہ سے کہ ایسے ثمن کثیر ہونے کے باعث سے باپ اس کے لینے کا اختیار نہیں رکھتا ہے اور طلب شفعہ سے سکوت کرنا یا شفعہ دے دینا جبھی صحیح ہو سکتا ہے کہ جب وہ شخص اس کو لے سکتا ہو پس نابالغ وقت بلوغ کے اپنے استحقاق شفعہ پر ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر خرید شے مشفوعہ کی اس کی قیمت سے بہت کم ثمن پر واقع ہوئی مگر نابالغ کے باپ نے اس کا شفعہ دے دیا تو امام اعظمؒ سے روایت ہے کہ یہ جائز ہے اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ یہ نہیں جائز ہے اور امام ابو یوسفؒ سے اس میں کوئی روایت نہیں ہے۔ یہ کافی میں ہے ایک شخص نے اپنے نابالغ لڑکے کے واسطے ایک دار خریدا اور باپ ہی اس کا شفیع ہے تو ہمارے نزدیک باپ اس کو شفعہ میں لے سکتا ہے جیسا کہ اگر باپ نے اپنے نابالغ لڑکے کا مال اپنے واسطے خریدا تو جائز ہوتا ہے پھر کس طرح شفعہ میں لے گا اس کی یہ صورت ہے کہ یوں کہے کہ میں نے اس کو خریدا اور خود شفعہ میں لے لیا اور اگر بجائے باپ کے باپ کا وصی ہو پس اگر وصی کے اس دار کے لینے میں نابالغ کے حق میں منفعت ہو مثلاً خرید بغبن یسیر واقع ہوئی کہ دار کی قیمت مثلاً دس درہم تھی اور وصی[2] نے گیارہ درہم کو خریدا تو ایسا غبن یسیر وصی کی جانب سے اجنبی کے ساتھ اس کے تصرف کرنے میں برداشت کر لیا جاتا ہے اور وصی کے خود شفعہ میں لینے سے یہ غبن مرتفع ہوتا ہے جب ایسی صورت ہوئی تو وصی کا شفعہ میں لینا نابالغ کے حق میں نافع ٹھہرا تو بقیاس قول امام اعظمؒ دو روایتوں میں سے ایک روایت کے موافق امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وصی اس کو شفعہ میں لے سکتا ہے جیسا کہ اگر وصی نے مال صغیر میں سے کوئی چیز اپنے واسطے خریدی تو ایسی صورت میں جائز ہے۔ اگر وصی کے شفعہ میں یہ دار لینے میں نابالغ کے حق میں منفعت نہ ہو مثلاً دار مذکور کی خرید نابالغ کے واسطے اس دار کی قیمت کے برابر ثمن پر واقع ہوئی تو بالاتفاق وصی کو شفعہ میں لینے کا اختیار نہ ہوگا جیسا کہ اگر وصی نے اپنے واسطے نابالغ کا کوئی مال اس کی قیمت کے برابر ثمن پر خریدنا چاہا تو بالاتفاق جائز نہیں ہے۔ پھر جس صورت میں وصی کو شفعہ میں لینا جائز ہے تو وصی یوں کہے کہ میں نے خرید کیا اور شفعہ طلب کیا پھر قاضی کے پاس مرافعہ کرے تا کہ قاضی اس نابالغ کی طرف سے ایک کار پرداز مقرر کرے کہ جس سے وصی شفعہ میں لے لے اور اسی کو ثمن دے دے پھر وہ کار پرداز یہ ثمن لے کر وصی کو دے دے گا۔ یہ محیط میں ہے۔

---

[1] خیار بلوغ یہ کہ بچپن میں سوائے باپ دادا کے کسی ولی نے اس کا نکاح کیا تھا اب بلوغ کے وقت اس کو اختیار ہوا کہ چاہے فسخ کر دے مگر تاخیر سے باطل ہوگا پس اگر حق شفعہ و حق خیار دونوں جمع ہوئے الخ۔ [2] اور وصی یعنی اگر وصی شفعہ میں لے تو بطور جائز نابالغ کے ذمہ رہے گا اگرچہ غبن یسیر ہے لیکن وصی کے خود الخ۔

اگر باپ نے ایک دار خریدا اور اس کا نابالغ بیٹا اس کا شفیع ہے پس باپ نے نابالغ مذکور کے واسطے شفعہ طلب نہ کیا یہاں تک کہ نابالغ مذکور بالغ ہو گیا تو بالغ کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ دار مذکور کو شفعہ میں لے اس واسطے کہ اس کا باپ بحق شفعہ لینے پر قادر تھا کیونکہ خرید کرنا شفعہ میں لینے کا منافی نہیں ہے پس اس کا شفعہ سے سکوت کرنا شفعہ کا مبطل ہو گیا ہے اور اگر باپ نے اپنا کوئی دار فروخت کیا اور اس کا نابالغ لڑکا اس کا شفیع ہے اور باپ نے اس کا شفعہ طلب نہ کیا تو اس کا شفعہ باطل نہ ہوگا حتیٰ کہ جس وقت نابالغ مذکور بالغ ہو تو اس کو شفعہ میں لینے کا اختیار ہوگا اس وجہ سے کہ باپ اس صورت میں شفعہ طلب کرنے پر قادر نہ تھا اس لئے کہ وہی بائع تھا اور ایسے شخص کا سکوت کرنا جو نہیں لے سکتا ہے شفعہ کا مبطل نہیں ہوتا ہے۔ اگر وصی نے اپنا کوئی دار فروخت کیا یا اپنے واسطے خرید کیا اور نابالغ اس کا شفیع ہے مگر وصی نے اس کے واسطے شفعہ طلب نہ کیا تو نابالغ اپنے شفعہ پر رہے گا حتیٰ کہ جس وقت بالغ ہو تو لے سکتا ہے یہ ذخیرہ ومحیط سرخسی میں ہے۔ مگر واجب یہ ہے کہ جس صورت میں باپ نے اپنے واسطے کوئی دار خریدا اور نابالغ اس کا شفیع ہے تو اس صورت میں جواب میں تفصیل ہونی چاہئے یعنی اگر نابالغ کے واسطے یعنی اس کے حق میں کوئی ضرر نہ ہو مثلاً اس دار کی خرید اس کی قیمت کے برابر ثمن پر یا قیمت سے اس قدر زیادہ ثمن پر کہ ایسی زیادتی کو لوگ اندازہ میں برداشت کر لیتے ہیں واقع ہوئی ہو تو درصورت باپ کے سکوت کے نابالغ کو بھی بعد بالغ ہونے کے استحقاق شفعہ نہ ہوگا[1] اور اگر نابالغ کے واسطے لینے میں ضرر ہو مثلاً باپ نے دار مذکور کی قیمت سے اس قدر زیادہ ثمن دے کر خریدا کہ ایسی زیادتی کو لوگ اپنے اندازہ میں برداشت نہیں کرتے ہیں اور باپ نے اس کے واسطے شفعہ میں لینے سے سکوت کیا تو نابالغ کو بعد بالغ ہونے کے استحقاق شفعہ ہوگا کیونکہ باپ کو نابالغ کے مال میں اپنے ساتھ اس طرح تصرف کرنے کا اختیار نہیں ہے کہ جس میں نابالغ کے حق میں ضرر ہو پس اس صورت میں باپ کو نابالغ کے واسطے شفعہ میں لینے کا اختیار ہی نہ تھا تو اس کا شفعہ لینے سے سکوت کرنا شفعہ کا مبطل نہ ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اگر باپ نے یا وصی نے کہا کہ میں نے نابالغ کے واسطے یہ دار بعوض ہزار درہم کے خریدا ہے۔ پس شفیع نے اس سے کہا کہ تو خدا سے ڈر کہ تو نے اس کو پانچ سو درہم کو خریدا ہے پس باپ یا وصی نے اس کے قول کی تصدیق کی تو نابالغ کے حق میں ان کے قول کی تصدیق نہ کی جائے گی اور شفیع اس کو ہزار درہم میں لے سکتا ہے لیکن اگر شفیع اس بات کے گواہ قائم کرے کہ مشتری نے اس کو پانچ سو درہم میں خریدا ہے تو البتہ تصدیق ہوگی یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

باپ نے اگر اپنے نابالغ لڑکے کے واسطے کوئی دار خریدا پھر اس نے اور شفیع نے ثمن میں اختلاف کیا تو باپ کا قول قبول ہوگا کیونکہ باپ شفیع کے ثمن متدعویہ کے عوض شفیع کے مالک ہونے سے انکار کرتا ہے اور اس صورت میں باپ پر قسم عائد نہیں ہوتی ہے اس لئے کہ قسم سے انکار کرنا کچھ مفید نہیں ہے۔ یہ محیط میں ہے۔

باب نمبر ھو⑤ :

اگر خرید بعوض عروض واقع ہو تو اس کے حکم شفعہ کے بیان میں

اگر مشتری نے خریدا تو ضروری ہے کہ یا تو ایسی چیز کے عوض خریدے گا جس کا مثل موجود ہے جیسے کیلی ووزنی وعددی چیزیں جو باہم متقارب ہیں یا ایسی چیز کے عوض خریدے گا جس کا مثل نہیں ہے جیسے مذروعات[ا] متفاوتہ مثل کپڑے کے یا جیسے غلام اور اس کے مانند چیزیں پس اگر اس نے ایسی چیز کے عوض خریدا جس کا مثل موجود ہے تو شفیع اس کو بعوض مثل کے لے لے گا اور اگر ایسی چیز کے عوض خریدا جس کا مثل نہیں ہے تو شفیع اس چیز کی قیمت کے عوض لے گا اور یہ عامہ علماء کے نزدیک ہے اور اگر بائع ومشتری

[ا] گزوں سے ناپ کی چیزیں جن میں باہم تفاوت ہوتا ہے۔ (۱) کیونکہ شفعہ باطل ہو گیا

نے باہم دار کو دار کے عوض خرید فروخت کیا تو ہر دار کے شفیع کو اختیار ہوگا کہ دوسرے دار کی قیمت کے عوض شفعہ میں لے لے اس واسطے کہ دار مثلی نہیں ہے پس اس کے مثل کے عوض لینا ممکن نہیں ہے اور اسی سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ اگر کوئی دار بعوض عرض[1] کے خریدا اور ہنوز باہمی قبضہ نہ ہوا تھا کہ یہ عرض تلف ہو گیا تو بائع و مشتری کے درمیان بیع ٹوٹ جائے گی اور شفیع کو شفعہ ملے گا اسی طرح اگر مشتری نے فقط دار پر قبضہ کر لیا ہو اور عرض مذکور بائع کے قبضہ میں نہ دیا ہو یہاں تک کہ وہ تلف ہو گیا تو بھی یہی حکم ہے پھر واضح ہو کہ شفیع اسی چیز کے عوض لے لے گا جو بعید عقد کے واجب ہوئی نہ اس چیز کے عوض جو مشتری نے واجب شدہ کے بدلے بائع کو دی ہے چنانچہ اگر مشتری نے ایک دار بعوض درہم یا دیناروں کے خرید کر پھر اس ثمن کے بدلے کوئی عرض دیا تو شفیع دار مشفوعہ کو بعوض درہم یا دینار کے لے گا نہ بعوض عرض کے یہ بدائع میں لکھا ہے اور اگر کوئی دار بعوض ایک غلام معین کے خریدا تو ہمارے نزدیک شفیع کو اختیار ہوگا کہ دار مذکور کو بعوض اس غلام کی قیمت کے لے لے اور اگر غلام مذکور بائع کے قبضہ سے پہلے مر گیا تو بیع ٹوٹ جائے گی اور ہمارے نزدیک شفیع کو اختیار ہوگا کہ دار مذکور کو بعوض اس غلام کی قیمت کے لے لے اسی طرح اگر بائع نے غلام مذکور میں کوئی عیب پا کر واپس کر کے بیع توڑ لی تو بھی یہی حکم ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بات نہ واقع ہوئی یہاں تک کہ شفیع نے وہ دار بائع سے لے لیا تو غلام مذکور کی قیمت کے عوض لے گا اور غلام مذکور اس کے مالک کے پاس رہے گا بائع کو اس کے لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی اور اگر شفیع نے دار مشفوعہ کو مشتری سے غلام مذکور کی قیمت کے عوض بحکم قاضی یا بغیر حکم قاضی لیا پھر قبضہ سے پہلے یہ غلام مر گیا یا اس میں کوئی عیب پیدا ہو گیا تو یہ قیمت بائع کو ملے گی یہ مبسوط میں ہے۔

امام محمدؒ نے کتاب الاصل میں فرمایا کہ اگر ایک شخص نے ایک دار بعوض ایک غلام معین کے خریدا اور شفیع نے دار مذکور بعوض غلام معین کی قیمت کے بحکم قاضی لے لیا پھر وہ غلام استحقاق ثابت کر کے لے لیا گیا تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔ وہ دار مذکور کو شفیع سے لے لے گا۔ یہ حکم اس وقت ہے کہ شفیع نے دار مذکور بعوض قیمت غلام کے بحکم قاضی لیا ہو اور اگر مشتری نے بغیر حکم قاضی وہ دار شفیع کو بعوض قیمت غلام مذکور کے دے دیا ہو پس اگر مشتری نے شفیع سے غلام مذکور کی قیمت بیان کر دی ہو کہ اس قدر ہے یہاں تک کہ ثمن ہر طرح سے معلوم ہو گیا پھر وہ غلام استحقاق میں لیا گیا تو مشتری کو دار مذکور لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی اور مشتری کا اس طرح دینا از سر نو بیع قرار دی جائے گی اور بائع کے واسطے مشتری پر دار مذکور کی قیمت واجب ہوگی اور اگر مشتری نے شفیع سے غلام کی قیمت مفصل نہ بیان کی ہو بلکہ یوں کہا کہ میں نے تجھے یہ دار بعوض قیمت غلام مذکور کے دیا تو مشتری کو اختیار ہوگا کہ اس صورت میں دار مذکور شفیع سے واپس لے یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر غلام کے عوض ایک دار خریدا پھر غلام میں عیب پا کر اس کو واپس کر دیا تو دار مشفوعہ کو شفیع اس غلام صحیح و سالم کی قیمت کے بدلے لے گا کیونکہ عقد بیع میں صحیح سالم غلام ٹھہرا تھا اور شفیع پر ویسے ہی غلام کی قیمت واجب ہوگی جو عقد میں ٹھہرا تھا اور اگر کوئی غلام بعوض کسی دار کے خریدا تو یہ صورت اور دار کو بعوض غلام کے خریدنے کی صورت دونوں یکساں ہیں۔ یہ مبسوط میں ہے۔ اگر کسی شخص نے غیر کے غلام کے عوض ایک دار خریدا اور مالک غلام نے اجازت دے دی تو شفیع کو شفعہ کا استحقاق ہوگا اور اگر معین کیلی یا وزنی چیز کے عوض خریدا پھر یہ چیز استحقاق ثابت کر کے لے لی گئی تو شفعہ باطل ہو گیا کیونکہ جب کیلی و وزنی چیز عقد میں معین قرار پائی ہے تو اس کا و غلام کا یکساں حکم ہوتا ہے اور اگر کیلی یا وزنی چیز مشتری کے ذمہ قرار پائی اور اس نے جدا ہونے سے پہلے ادا[2] کر دی پھر وہ استحقاق میں لے لی گئی تو شفیع کا شفعہ بحالہ رہے گا کیونکہ جب کیلی یا وزنی چیز بطور دین کے مشتری کے ذمہ ٹھہری تو اس کا اور دراہم کا یکساں حکم ہے منتقی میں بروایت ابن سماعہؒ کے امام محمدؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے ایک دار بعوض ایک کر گیہوں معین یا غیر کے شہر کوفہ میں

---

[1] عرض بمعنی اسباب۔ [2] قولہ ادا کر دی یعنی اگر چہ وہ جدائی سے پہلے ادا کر دے تو بھی وہ دین ہونے سے خارج نہ ہوگی اور شفعہ باقی رہے گا اور یہ مطلب نہیں کہ اگر ابھی ادا نہ کرے تو شفعہ نہ ہوگا۔

خریدا اور دونوں نے باہمی قبضہ کرلیا پھر شہر مرو میں شفیع نے دار مشفوعہ کے شفعہ کا مخاصمہ کیا اور مشتری پر شفیع کی ڈگری ہوگئی اور دار مذکور کوفہ میں واقع ہے یا مرو میں تو فرمایا کہ مشتری کو اختیار ہے چاہے شفیع سے مواخذہ کر کے اوّل گیہوں کے مثل کوفہ میں گیہوں لے کر اس کو دار مشفوعہ مرو میں سپرد کردے یا دار مذکور اس کے سپرد کرنے کا قصد کر کے مرو میں اس سے ان گیہوں کی کوفہ کی قیمت لے کر دار مذکور اس کو دے دے اور منتقی میں دوسرے مقام پر فرمایا کہ اگر ایسے ایک کُر گیہوں کی قیمت دونوں جگہ یکساں ہو تو جہاں شفیع کے نام شفعہ کی ڈگری ہوئی ہے وہیں مشتری کو کُر دے دے پس اگر قیمت میں تفاوت ہو تو دیکھنا چاہئے کہ جہاں شفیع دینا چاہتا ہے اگر وہاں اس کُر کی قیمت گراں ہو تو یہ امر شفیع کے اختیار میں ہے جہاں چاہے دے دے اور اگر وہاں اس کی قیمت ارزاں ہو مگر مشتری اس پر راضی ہو گیا تو یہ مشتری کو اختیار ہے اور اگر مساوات ہو تو جس جگہ ایسے گیہوں کی قیمت موضع خرید سے مساوی ہو وہاں مشتری کو قیمت دے دے یہ محیط میں ہے۔ اگر کسی شخص نے ایک دار بعوض ایک کُر تر چھوارے کے خریدا پھر شفیع ایسے وقت حاضر ہوا کہ جب رُطب یعنی تر چھوارے لوگوں کے ہاتھ آنے سے منقطع ہو چکے تھے تو شفیع اس دار کو ان چھواروں کی قیمت کے بدلے لے لے گا کذا فی الکافی۔

باب چودھواں:

فسخ بیع و اقالہ میں استحقاق شفعہ ہونا اور اس کے متصلات کے بیان میں

اگر مشتری نے دار خرید کردہ میں بعد قبضہ کے عیب پا کر بسبب عیب کے اس کو واپس کیا اور یہ امر اس وقت واضح ہوا کہ شفیع اپنا شفعہ دے چکا ہے تو پھر شفیع کو اختیار ہوگا چاہے یہ دار شفعہ میں لے لے بشرطیکہ عیب کی وجہ سے واپس کرنا بغیر حکم قاضی واقع ہوا ہو اور اگر بحکم قاضی واپس کیا ہے تو شفیع اس کو شفعہ میں نہیں لے سکتا ہے اور اگر مشتری نے دار مذکور عیب کی وجہ سے قبضہ سے پہلے واپس کیا پس اگر بحکم قاضی واپس کیا تو شفیع کے واسطے شفعہ نہ ہوگا اور اگر بغیر حکم قاضی واپس کیا تو بھی امام محمدؒ کے نزدیک یہی حکم ہے مگر بنا بر قول امام اعظم و امام ابو یوسفؒ کے مشائخ نے اختلاف کیا ہے بعض مشائخ نے فرمایا کہ شفیع کو استحقاق شفعہ ہوگا اور بعضوں نے فرمایا کہ نہ ہوگا اور اگر مشتری نے دار مذکور بخیار رویت یا بخیار شرط واپس کیا ہو تو شفیع کو از سر نو استحقاق شفعہ حاصل نہ ہوگا خواہ یہ واپسی قبضہ سے پہلے واقع ہوئی ہو یا قبضہ کے بعد واقع ہوئی ہو خواہ باہمی رضامندی سے واقع ہوئی ہو یا بغیر باہمی رضامندی کے واقع ہوئی ہو یہ محیط میں ہے۔ اگر شفیع نے شفعہ دے دیا پھر مشتری نے دار مبیعہ واپس کیا پس اگر ایسے سبب سے واپس کیا جو ہر طرح فسخ ہے جیسے خیار رویت یا خیار شرط کی وجہ سے واپس کرنا یا عیب کی وجہ سے قبضہ سے پہلے بغیر حکم قاضی یا بحکم قاضی واپس کرنا یا بعد قبضہ کے عیب کی وجہ سے بحکم قاضی واپس کرنا تو ایسی صورت میں شفیع کو از سر نو استحقاق شفعہ حاصل نہ ہوگا۔ اگر واپس کرنا ایسے سبب سے ہو جو بائع و مشتری کے حق میں فسخ اور تیسرے کے حق میں بیع جدید ہے جیسے قبضہ کے بعد بغیر حکم قاضی بسبب عیب کے واپس کیا یا اقالہ کرلیا تو شفیع کے واسطے از سر نو استحقاق شفعہ حاصل ہوگا۔ اگر شفیع نے اولاً شفعہ نہ دیا ہو یہاں تک کہ بائع و مشتری نے باہم عقد بیع کو فسخ کرلیا تو حق شفعہ باطل نہ ہوگا خواہ یہ فسخ ایسے سبب سے ہو جو ہر طرح سے فسخ ہے یا ایسے سبب سے ہو جو بعض وجہ سے فسخ ہے اور بعض وجہ سے بیع جدید ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر کسی شخص نے کوئی دار یا زمین خریدی پھر شفیع نے اپنا شفعہ دے دیا پھر بائع و مشتری دونوں نے باتفاق اقرار کیا کہ یہ بیع بطور تلجیہ تھی اور مشتری نے مبیع مذکور بائع کو واپس کردی تو شفیع کے واسطے از سر نو استحقاق شفعہ حاصل نہ ہوگا کیونکہ تسلیم شفعہ کے بعد شفیع کا کچھ حق نہیں رہا پس ان دونوں کا اقرار اس کے بطلان حق کو متضمن نہیں ہے سو تلجیہ ان دونوں کے اقرار سے ثابت ہوگا اور یہ واپسی بسبب تلجیہ کے ہوگی پس شفیع کو از سر نو استحقاق شفعہ حاصل نہ ہوگا اور منتقی میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے ایک دار خرید کر قبضہ کرلیا اور شفیع نے شفعہ دے دیا پھر مشتری

نے کہا کہ میں نے تو اس دار کو فلاں شخص کے واسطے خرید ا تھا اور شفیع نے کہا کہ نہیں بلکہ تو نے اپنے واسطے خرید ا تھا اور اب تو یہ از سرِ نو بیع کرتا ہے پس میں اس بیع پر یہ دار شفعہ میں لے لوں گا تو قول شفیع کا قبول ہوگا پھر اگر فلاں[1] شخص غائب ہو تو شفیع کو اختیار نہ ہوگا کہ دار مذکور لے لے یہاں تک کہ وہ شخص غائب آ جائے اور اگر مشتری نے کہا کہ میں اس بات کے گواہ قائم کرتا ہوں کہ مجھے فلاں شخص نے ایسا حکم دیا تھا اور میں نے اس کے واسطے خرید ا ہے تو اس دعویٰ کے گواہ مشتری کی طرف سے مقبول ہوں گے جب تک کہ وہ شخص غائب حاضر[2] نہ ہو جائے یہ محیط میں ہے۔ اگر شفیع نے شفعہ دے دیا پھر مشتری نے بائع کے واسطے ایک روز کا خیار دیا تو یہ جائز ہے پھر اگر بائع نے اس دن میں بیع توڑ دی تو ابن سماعہؒ نے امام محمدؒ سے روایت کی ہے کہ شفیع کو از سرِ نو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا اور حسن بن زیاد نے امام اعظمؒ سے اور ابن سماعہؒ نے امام ابو یوسفؒ سے روایت کی کہ شفیع کو شفعہ حاصل ہوگا کذا فی محیط السرخسی۔

باب پندرھواں:

اہل کفر کے شفعہ کے بیان میں

اگر ایک نصرانی نے دوسرے نصرانی سے ایک دار بعوض مُردار یا خون کے خرید ا تو شفیع کے واسطے اس میں حق شفعہ نہ ہوگا[3]۔ ایک ذمی نے دوسرے ذمی سے ایک دار بعوض شراب کے خرید ا اور ان دونوں نے باہم قبضہ کر لیا پھر شراب مذکور سرکہ ہوگئی پھر بائع و مشتری دونوں مسلمان ہوگئے پھر نصف دار استحقاق میں لے لیا گیا پھر شفیع حاضر ہوا تو نصف دار کو نصف شراب کی قیمت کے بدلے لے گا اور نصف سرکہ کے بدلے نہیں لے سکتا ہے پھر مشتری اپنے بائع سے آدھا سرکہ واپس لے گا اگر بعینہٖ موجود ہو اور اگر اس نے تلف کر دیا ہو تو نصف سرکہ کے مثل واپس لے گا یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک ذمی نے دوسرے ذمی سے ایک دار بعوض شراب یا سور کے خرید ا اور اس کا شفیع کوئی ذمی یا مسلمان ہے تو ہمارے اصحاب کے نزدیک شفعہ واجب ہوگا پھر جب شفعہ واجب ہوا پس اگر شفیع ذمی ہو تو دار مشفوعہ کو شراب مذکور کے مثل اور سور کی قیمت کے بدلے لے گا اور اگر مسلمان ہو تو دار مشفوعہ کو شراب و سور کی قیمت کے بدلے لے گا یہ بدائع میں ہے۔ ایک دار بعوض شراب کے فروخت کیا گیا اور اس کے دو شفیع ہیں ایک کافر ہے اور دوسرا مسلمان ہے تو کافر اس میں سے نصف دار کو نصف شراب کے بدلے لے گا اور مسلمان نصف دار کو نصف شراب کے بدلے لے گا اور اگر ثمن میں سور قرار پائی ہو تو ہر شفیع نصف قیمت کے بدلے لے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر اس کا شفیع ایک مسلمان اور ایک ذمی ہو پھر ذمی مسلمان ہو گیا تو ذمی بھی اس میں سے نصف دار بعوض نصف شراب کی قیمت کے لے گا جیسا کہ اگر وقت عقد کے مسلمان ہوتا تو یہی حکم تھا اور اس کا شفعہ باطل نہ ہوگا یہ کافی میں ہے۔ اگر کوئی دار بعوض شراب کے خرید ا پھر بائع و مشتری میں سے ایک مسلمان ہو گیا اور ہنوز شراب پر قبضہ نہیں ہوا ہے اور دار پر قبضہ ہو گیا ہے یا نہیں ہوا ہے تو بیع ٹوٹ جائے گی لیکن شفیع کا حق شفعہ باطل نہ ہوگا پس اگر شفیع مسلمان ہو یا جس سے لینا ہے وہ مسلمان ہو تو شفیع اس کو قیمت شراب کے بدلے لے گا اور اگر دونوں کافر ہوں تو شفیع اس دار کو اس شراب کے مثل کے بدلے لے گا اور اگر شراب پر قبضہ ہو جانے کے بعد دار پر قبضہ ہونے سے پہلے بائع و مشتری دونوں میں سے کوئی مسلمان ہو گیا تو عقد بیع صحیح رہے گا اور اگر ذمی نے کنیسہ[4] یا بیعہ یا آتش خانہ[5] فروخت کیا تو بیع جائز ہے اور اس میں شفیع کو شفعہ کا استحقاق ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔

---

[1] مشتری جس کے لئے خریدنے کا اقرار کرتا ہے۔ [2] حاضر اس واسطے کہ ذمہ بدوں اس کی حاضری کے قبول ہوں تو اس غائب پر موکل ہونے کا حکم ہو جائے اور باطل ہے۔ [3] شفعہ نہ ہوگا اس واسطے کہ ایک طرف سے مال معین ہے۔ [4] جبکہ یہودی یا نصرانی ہو۔ [5] آتش خانہ جب کہ آتش پرست ہو۔

اگر مرتد نے کوئی دار خریدا پھر مرتد قتل کیا گیا تو شفیع کا شفعہ باطل نہ ہوگا شفعہ خروج مبیع[1] سے متعلق ہے اور یہ پایا گیا اور اس کے بعد عقد کا فسخ ہو جانا موجب بطلان شفعہ نہیں ہے۔ اگر مرتد نے دار فروخت کیا پھر وہ قتل کیا گیا یا دارالحرب میں جاملا تو امام اعظمؒ کے نزدیک اس میں شفعہ نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر بائع مرتد دارالحرب میں جاملنے سے پہلے مسلمان ہو گیا تو اس کی بیع جائز ہوگی اور شفیع کو اس میں شفعہ کا استحقاق ہوگا اور اگر دارالحرب میں جاملنے واس کا مال تقسیم ہو جانے کے بعد وہ مسلمان ہوا تو اس کی بیع میں استحقاق شفعہ نہ ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک اس کی بیع جائز ہے اور اس میں شفیع کا حق شفعہ ہے خواہ وہ مسلمان ہو جائے یا دارالحرب میں جاملے اور اگر مسلمان نے کوئی دار خریدا اور اس کا شفیع ایک مرتد ہے اور وہ بسبب مرتد ہونے کے قتل کیا گیا یا خود مر گیا یا دارالحرب میں جاملا تو اس دار میں اس کا شفعہ نہ ہوگا اور نہ اس کے وارثوں کا شفعہ ہوگا۔ اگر کسی عورت مرتدہ کا شفعہ واجب ہوا اور وہ دارالحرب میں جاملی[2] تو اس کا شفعہ باطل ہو گیا اور اگر یہ عورت مرتدہ کسی دار کی فروخت کرنے والی ہو تو شفیع کو اس میں استحقاق شفعہ ہوگا اگر کوئی شخص مرتد یا مرتدہ شفیع ہو اور اس نے شفعہ دے دیا تو جائز ہے اور اگر اس نے شفعہ نہ دیا اور شفعہ میں دار مشفوعہ لینا چاہا تو قاضی اس کے واسطے شفعہ کا حکم نہ دے گا لیکن اگر مسلمان ہو جائے تو حکم دے گا اور اگر قاضی نے اس کا شفعہ باطل کر دیا پھر وہ مسلمان ہوا تو اس کو شفعہ نہ ملے گا اور اگر قاضی نے اس کو مہلت دی ہوتا کہ اپنے معاملہ[3] میں سوچ و فکر کرے پھر وہ مسلمان ہو گیا تو اپنے شفعہ پر ہوگا مگر یہ حکم اس وقت ہے کہ اس نے خرید کا حال جاننے کے وقت شفعہ طلب کیا ہو اور اگر اسلام لانے کے وقت تک اس نے شفعہ نہ طلب کیا ہو تو اس صورت میں اس کو استحقاق شفعہ نہ ہوگا کیونکہ اس نے طلب مواثبہ[4] کو فروخت ہونے کا حال جاننے کے بعد ترک کیا ہے اور اگر مرتد دارالحرب میں جاملا پھر اس کی میراث اس کے وارثوں میں تقسیم ہونے سے پہلے دار فروخت کیا گیا تو اس کے وارثوں کو استحقاق شفعہ ہوگا اور اگر مرتد نے کوئی دار کسی مسلمان یا ذمی سے بعوض شراب کے خریدا تو بیع باطل ہے اور اس میں شفعہ نہ ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔

اگر شفیع کوئی حربی مستامن ہو اور اس نے طلب شفعہ کے واسطے وکیل کیا ☆

اگر حربی مستامن نے کوئی دار خریدا پھر دارالحرب میں چلا گیا تو شفیع اپنے شفعہ پر رہے گا جب اس سے ملاقات ہو طلب کر سکتا ہے کیونکہ اس کا دارالحرب میں چلا جانا مثل اس کے مر جانے کے ہے اور مشتری کا مر جانا شفیع کے شفعہ کو باطل نہیں کرتا ہے۔ یہ محیط میں ہے۔ اگر مسلمان نے دارالاسلام میں کوئی دار خریدا اور اس کا شفیع ایک حربی مستامن ہے پھر وہ دارالحرب میں چلا گیا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔ خواہ اس کو خرید کا حال معلوم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ اگر حربی مستامن نے ایک دار خریدا اور اس کا شفیع بھی حربی مستامن ہے پھر دونوں دارالحرب میں چلے گئے تو شفیع کو اس میں شفعہ کا استحقاق نہ ہوگا کیونکہ اس کا دارالحرب میں چلا جانا ایسا ہے جیسا دارالاسلام والے کا دارالاسلام میں مر جانا اور یہ ظاہر ہے کہ دار مشفوعہ دارالاسلام میں ہے۔ اگر شفیع و مشتری دونوں دارالحرب میں ہوں پس اگر شفیع مسلمان یا ذمی ہو جو امان لے کر دارالحرب میں گیا ہے تو جس وقت وہ آگاہ ہوا اپنے استحقاق شفعہ پر ہوگا پھر اگر وہ دارالاسلام میں آیا حالانکہ وہ بیع کا حال جانتا ہے مگر اس نے شفعہ طلب نہ کیا یہاں تک کہ پھر کہیں چلا گیا تو اس کا شفعہ باطل ہو گیا اور اگر اس نے شفعہ طلب کیا پھر اس کو دارالحرب وغیرہ کی طرف کوئی سفر پیش آیا تو وہ اپنے شفعہ پر رہے گا اگر طالب شفعہ ہے۔ اگر شفیع کوئی حربی مستامن ہو اور اس نے طلب شفعہ کے واسطے وکیل کیا اور خود دارالحرب میں چلا گیا تو اس کو شفعہ نہ ملے گا جیسا کہ شفعہ طلب کرنے کے واسطے وکیل کرنے کے بعد مر جانے کا حکم ہے۔ اگر شفیع کوئی مسلمان یا ذمی ہو اور اس نے کسی حربی مستامن کو وکیل کیا پھر یہ وکیل دارالحرب میں چلا گیا۔

---

[1] خروج مبیع یعنی بائع کی ملک سے خارج ہونا جبکہ بعوض مالی ہو۔ [2] قولہ جاملی اور اگر وہاں یہ گئی ہو تو اسکا شفعہ متوقف ہے یا باطل حاصل ہوگا علی الاختلاف۔
[3] معاملہ یعنی ایمان کے معاملہ میں غور کرے۔ [4] طلب مواثبہ فی الفور طلب کرنا۔

تو اس کی وکالت باطل ہوگئی اور شفیع اپنے شفعہ پر رہے گا کیونکہ وکیل مذکور کا دار الحرب میں چلا جانا مثل اس کے مرجانے کے ہے اور وکیل کا مرجانا وکالت کو باطل کرتا ہے۔ موکل کے شفعہ کو باطل نہیں کرتا ہے پس ایسا ہی وکیل مذکور کا دار الحرب میں چلا جانا بھی حکم رکھتا ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر کسی مسلمان نے دار الحرب میں کوئی دار خریدا اور اس کا شفیع بھی مسلمان ہے پھر اس دار الحرب کے سب لوگ مسلمان ہوگئے تو شفیع کو استحقاق نہ ہوگا۔ جاننا چاہئے کہ جو حکم کہ قضاءً قاضی کا محتاج نہیں ہے اس میں دار الحرب و دار الاسلام یکساں ہے۔ جو حکم قضاءً قاضی کا محتاج ہے وہ حکم ان مسلمانوں کے حق میں جو دار الحرب میں ہیں ثابت نہ ہوگا اس واسطے کہ اس حکم کا سبب دار الحرب میں پیدا ہوا ہے اور اوّل کی مثال یہ ہے کہ جیسے خرید و فروخت جائز ہے اور ام[۱] ولد بنانا صحیح ہے اور عتق نافذ ہو جائے گا اور نماز و روزہ اس پر واجب ہے پس یہ احکام سب احکام اسلام ہیں اور جو مسلمان دار الحرب میں ہیں ان پر بھی جاری ہوں گے اور ثانی کی مثال جیسے زنا کرنا چنانچہ اگر دار الحرب والے مسلمان نے زنا کیا پھر دار الحرب دار الاسلام ہوگیا تو اس پر حد قائم نہ کی جائے گی کذافی المحیط۔

باب سولہواں :

مرض میں شفعہ کے بیان میں

اگر مریض نے ایک دار دو ہزار درہم کو خریدا حالانکہ اس کی قیمت ایک ہزار درہم ہے اور اس کے سوائے اس مریض کے پاس ہزار درہم موجود ہیں پھر مرگیا تو بیع جائز اور شفیع کو اس میں شفعہ کا استحقاق ہوگا کیونکہ مریض مذکور نے اس بیع میں بقدر ایک تہائی کے محابات[۲] کی ہے اور اجنبی کے حق میں مریض کی طرف سے اس قدر محابات جائز ہوتی ہے پس اس دار میں شفیع کا شفعہ واجب ہوگا اور اگر مریض نے تین ہزار درہم قیمت کا دار دو ہزار درہم کو فروخت کیا اور اس کا شفیع کوئی اجنبی ہے تو شفیع کو اختیار ہوگا کہ دو ہزار درہم میں لے لے یہ مبسوط میں ہے۔ ایک مریض نے ایک دار ہزار درہم کو فروخت کیا حالانکہ اس کی قیمت دو ہزار درہم ہے اور اس کے سوائے مریض مذکور کا کچھ مال نہیں ہے تو مشتری سے کہا جائے گا کہ تیرا جی چاہے اس دار کو دو ہزار درہم کی دو تہائی میں لے لے ورنہ چھوڑ دے اور شفیع کو اختیار ہوگا چاہے دار مذکور کو ایک ہزار درہم اور ایک ہزار کی تہائی کے بدلے شفعہ میں لے لے[(1)] یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر مریض نے ایک دار بعوض دو ہزار درہم کے میعادی ادھار فروخت کیا حالانکہ اس کی قیمت تین ہزار درہم ہے تو میعاد باطل ہوگی مگر مشتری کو اختیار دیا جائے گا کہ بیع فسخ کر دے یا فی الحال دو ہزار درہم ادا کر دے تا کہ وارثوں کو ان کا پورا حق پہنچ جائے اور ان دونوں میں جو بات مشتری نے اختیار کی بہر حال شفیع کو اختیار ہوگا چاہے دار مذکور کو نقد دو ہزار درہم کو لے لے اور اگر مریض نے ایک دار تین ہزار درہم کو ایک سال کے ادھار پر فروخت کیا حالانکہ اس کی قیمت دو ہزار درہم ہے پھر مرگیا تو بالاجماع یہ حکم ہے کہ ایک تہائی سے زیادہ میں ادھار کی میعاد باطل ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ یہ تہائی ثمن کے حساب سے اختیار کی جائے گی یا قیمت کی راہ سے معتبر ہوگی پس امام ابو یوسف نے فرمایا کہ ثمن کے حساب سے معتبر ہوگی پس دو تہائی ثمن یعنی دو ہزار درہم فی الحال ادا کرے اور باقی ایک ہزار درہم اپنی میعاد پر دے اگر اس کو بیع منظور ہو اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہ تہائی باعتبار قیمت کے لگائی جائے گی پس اگر اس کو منظور ہو تو دو تہائی یعنی ایک ہزار تین سو تینتیس (۱۳۳۳) و یک تہائی درہم فی الحال ادا کرے اور باقی اپنی میعاد پر دے یہ محیط میں ہے۔ اگر مریض نے کوئی دار اس

---

[۱] ام ولد یعنی کسی باندی کو تحت میں لانا جس سے اولاد ہو پس وہ دار الحرب میں بھی صحیح ہے اسی طرح اگر اپنا غلام آزاد کیا تو عتق نافذ ہوگا۔

[۲] محاباۃ بیع میں عمداً قیمت سے بہت کمی کرنا۔

(1) دو ہزار کی دو تہائی کے بدلے۔

کی قیمت کے برابر داموں کو اپنے وارث کے ہاتھ فروخت کیا اور اس کا شفیع کوئی اجنبی ہے تو اس کو شفعہ نہ ملے گا اس واسطے کہ مریض کا مرض الموت میں اپنا کوئی مال عین کسی وارث کے ہاتھ فروخت کرنا اگرچہ اس مال عین کی قیمت کے برابر داموں کے عوض ہو امام اعظمؒ کے نزدیک فاسد ہے[1] لا اس صورت میں کہ باقی وارث لوگ اس کی اجازت دے دیں مگر صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے تو شفعہ بھی واجب ہوگا اور اگر مریض نے کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کیا اور وارث اس کا شفیع ہے تو بھی امام اعظمؒ کے نزدیک اس کو شفعہ نہ ملے گا اس واسطے کہ شفعہ سے ایسا ہو جائے گا گویا اس نے ابتداءً وارث کے ہاتھ فروخت کیا ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک شفعہ واجب ہوگا اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ مریض نے قیمت کے برابر داموں کو فروخت کیا ہو اور اگر بیع میں محابات کی مثلاً تین ہزار قیمت کا دار دو ہزار درہم کے عوض فروخت کیا پس اگر وارث کے ہاتھ فروخت کیا اور اس کا شفیع کوئی اجنبی ہے تو اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک اس کو استحقاق شفعہ حاصل نہ ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک بیع جائز ہے مگر مقدار محاباۃ دور کی جائے گی پس شفعہ واجب ہوگا کذا فی البدائع اور اصح قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے یہ مبسوط میں ہے۔

اگر مریض نے کسی اجنبی کے ہاتھ بمحاباۃ فروخت کیا ہو تو بھی امام اعظمؒ کے نزدیک وارث کو شفعہ نہ ملے گا لیکن شفیع اس کو اسی صفقہ کے ساتھ اس طرح لے گا کہ اس کے پاس یہ صفقہ تحویل پا کر بتقدیر صفقہ ابتدائی ہو جائے گا خواہ وارث لوگ اس کی اجازت دیں یا اجازت نہ دیں کیونکہ اجازت کا محل وہ عقد ہوتا ہے جو موقوف ہو اور یہاں مشتری کی خرید نافذ واقع ہوئی ہے کیونکہ دو ہزار درہم کے عوض فروخت کرنے میں ایک تہائی کی قدر[ل] محابات ہے اور اس قدر نافذ ہے پس مشتری کے حق میں یہ محابات لغو ٹھہری تو حق شفعہ میں بھی لغو ہو گی یہ بدائع میں ہے۔ اگر دو شفیعوں میں سے فقط ایک وارث ہو تو دوسرا شفیع اس کو لے لے گا اور اگر مریض نے حالت صحت میں اپنا دار بیع کیا اور وارث نے شفعہ میں لے لیا پھر بائع نے حالت مرض میں ثمن میں سے گھٹا دیا تو جائز نہیں ہے مگر اس صورت میں کہ باقی وارث اس کی اجازت دیں اور اگر یہ گھٹانا وارث کے لینے سے پہلے واقع ہوا پس اگر وارث نے لیا تو گھٹانا[2] باطل ہو جائے گا اور اگر نہ لیا تو صحیح رہے گا یہ تاتارخانیہ میں عتابیہ سے منقول ہے۔ ایک مریض نے تین ہزار درہم قیمت کا دار بعوض دو ہزار درہم کے فروخت کیا اور سوائے اس دار کے اس کا کچھ مال نہیں ہے پھر مر گیا اور اس کا بیٹا اس دار کا شفیع ہے تو بیٹے کو اس میں شفعہ نہ ملے گا اس واسطے کہ اگر مریض مذکور ان داموں کے عوض بیٹے کے ہاتھ فروخت کرتا تو جائز نہ ہوتا اور کتاب الوصایا میں مذکور ہے کہ صاحبینؒ کے قول کے موافق اگر بیٹا چاہے تو اس کو اس کی قیمت کے عوض شفعہ میں لے سکتا ہے۔ اصح یہی ہے جو یہاں مذکور ہے کیونکہ جامع میں صریح فرمایا ہے کہ یہ بالاجماع سب ائمہ (حنفیہ) کا قول ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر مریض کا اس دار کے سوائے کچھ اور مال بھی ہو اور وارثوں نے اجازت دے دی تو بالاتفاق اس کو شفعہ حاصل ہوگا یہ شرح مجمع البحرین میں ہے۔ اگر کسی مریض نے اپنا دار فروخت کیا اور بیع میں محابات لی پھر مرض سے اچھا ہو گیا اور وارث اس کا شفیع ہے پس اگر وارث نے اب تک بیع کا حال نہ جانا ہو تو اس کو شفعہ میں لے سکتا ہے کیونکہ جس مرض کے پیچھے صحت ہو جائے وہ مرض بمنزلہ حالت صحت کے ہے اور اگر وارث کو بیع کا علم ہوا ہو مگر اس نے شفعہ طلب نہ کیا یہاں تک کہ مریض اچھا ہو گیا تو اس کو شفعہ حاصل نہ ہوگا۔ کذافی المبسوط۔

ل ایک تہائی اس واسطے کہ کل قیمت تین ہزار درہم ہے تو ایک ہزار کی محاباۃ ہے۔

(۱) صحیح نہیں ہے۔ (۲) شفعہ میں لینا۔

باب سترھواں:

متفرقات کے بیان میں

امام محمدؒ نے جامع کبیر میں ذکر فرمایا ہے کہ اگر شفیع نے دار مشفوعہ فروخت ہونے کے بعد اپنے اس دار میں سے جس کے ذریعہ مستحق شفعہ ہے کسی قدر دار مشاع یعنی غیر مقسوم فروخت کیا تو اس کا شفعہ باطل نہ ہوگا اسی طرح اگر کسی قدر دار مقسوم[1] جو دار مشفوعہ سے متصل نہیں ہے فروخت کیا تو بھی اس کا شفعہ باطل نہ ہوگا اور اگر دار مشفوعہ سے ملحق حصہ مقسوم فروخت کر دیا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔ دو دار ہیں جن میں سے ایک دار اور دونوں کا راستہ دو شخصوں میں مشترک ہے اور دوسرا دار فقط تیسرے شخص کا ہے پھر تیسرے شخص نے اپنا دار خاص فروخت کیا تو دونوں شخصوں کو بذریعہ راستہ کے شفعہ حاصل ہوگا اور اگر دونوں نے دار مشترک کو باہم تقسیم کر لیا پس ایک کے حصہ میں کسی قدر دار اور اس کا پورا راستہ آیا اور دوسرے کے حصہ میں فقط بعض دار بدوں راستہ کے آیا اور جس کے حصہ میں نہیں آیا اس نے اپنے حصہ کے واسطے ایک راستہ طریق اعظم کی طرف دروازہ توڑ کر بنا لیا اور جو دار فروخت کیا گیا ہے اس کے یہ دونوں جار ہیں تو جس کے حصہ میں مشترک راستہ آیا ہے وہ اس دار مبیعہ کے شفعہ کا اولاً مستحق ہوگا پھر اگر اس نے اپنا شفعہ دے دیا تو دوسرا بذریعہ جوار کے اس کو شفعہ میں لے لے گا اور اس تقسیم کی وجہ سے اس کا شفعہ باطل نہ ہو جائے گا۔ یہ محیط میں ہے۔ اگر شفیع نے زمین کو شفعہ میں لیا پھر اس میں عمارت بنائی یا درخت لگائے پھر کسی شخص نے استحقاق ثابت کر کے وہ زمین لے لی اور اس مستحق نے شفیع کو حکم دیا کہ اپنی عمارت توڑ لے اور درخت اکھاڑ لے تو شفیع مذکور مشتری سے بقدر ثمن واپس لے گا اور عمارت و درختوں کی قیمت نہ بائع سے واپس لے سکتا ہے اگر زمین مذکور اس سے لی ہو اور نہ مشتری سے لے سکتا ہے اگر زمین مذکور اس سے لی ہو اور اس کے معنی یہ ہیں کہ توڑنے و اکھاڑنے سے جس قدر نقصان ہوا وہ دونوں میں سے کسی سے واپس نہیں لے سکتا ہے یہ تبیین میں ہے۔ ہمارے نزدیک شفعہ شفیعوں کی تعداد پر ہوتا ہے[(1)] چنانچہ اگر ایک دار تین آدمیوں میں مشترک ہو ایک کا نصف اور دوسرے کا تہائی اور تیسرے کا چھٹا حصہ ہو اور نصف کے حصہ والے نے اپنا حصہ فروخت کیا اور باقی دونوں شریکوں نے شفعہ طلب کیا تو حصہ مبیعہ دونوں کو نصفا نصف شفعہ میں دلایا جائے گا اور اگر چھٹے کے حصہ والے نے اپنا حصہ فروخت کیا تو باقی دونوں کو نصفا نصف دلایا جائے گا اور بعض نے اپنا حق دے دیا تو حصہ مبیعہ باقی شفیعوں میں ان کی گنتی پر حصہ ہو کر ہر ایک کو تقسیم ہوگا اور اگر شفیعوں میں سے کوئی غائب ہو تو حصہ مبیعہ حاضرین کے درمیان ان کی گنتی کے موافق حصے ہو کر تقسیم ہوگا اور اگر شفیع حاضر کے نام پورے حصہ کے شفعہ کا حکم ہو گیا پھر دوسرا حاضر ہوا تو اس کے نام آدھے کا حکم ہوگا اور اگر تیسرا حاضر ہوا تو اس کے نام ہر ایک کے مقبوضہ کی تہائی کا حکم ہوگا اور اگر حاضر نے بعد ازآنکہ اس کے نام پورے حصہ کا حکم دیا گیا تھا اپنا حق شفعہ دے دیا تو پھر اس کے سوائے جو شخص شفیع حاضر ہو وہ فقط نصف لے سکتا ہے یہ کافی میں ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ میں نے اپنا دار فلاں شخص کے ہاتھ اس قدر داموں کو فروخت کیا ہے اور ثمن وصول نہیں کیا ہے اور فلاں شخص نے کہا کہ میں نے تجھ سے نہیں خریدا ہے تو شفیع کو اختیار ہوگا کہ اس کو شفعہ میں لے لے اور یہ حکم اس وقت ہے کہ اس نے یہ اقرار کیا کہ میں نے فلاں شخص کے ہاتھ فروخت کیا ہے اور فلاں شخص حاضر ہے اور خرید سے انکار کرتا ہے اور اگر غائب ہو تو شفیع کو مشتری کے ساتھ کچھ خصومت نہ ہوگی یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص کے دار کے پہلو میں ایک دار فروخت کیا گیا اور اس جار کو زعم ہے کہ اس دار مبیعہ کا رقبہ میرا ہے مگر اس بات کا خوف کرتا ہے کہ اگر میں نے اس کے رقبہ کا دعویٰ کیا تو شفعہ باطل ہو جائے گا اور اگر شفعہ کا دعویٰ کیا تو یہ دعویٰ نہ کر سکے گا کہ یہ رقبہ دار میرا ہے تو اس کو کیا کرنا چاہئے جس سے اس کا

[1] دار مشفوعہ سے ملحق حصہ مقسوم فروخت نہ کیا۔

(1) ان کے حصص کی مقدار پر نہیں ہوتا ہے۔

شفعہ باطل نہ ہوتو مشائخ نے فرمایا کہ یوں کہے کہ یہ دار میرا ہے میں اسکے رقبہ کا دعویٰ کرتا ہوں سو اگر مجھے مل گیا تو خیر ورنہ میں اسکے حق شفعہ پر ہوں (۱) کیونکہ یہ سب ایک کلام ہے پس شفعہ سے سکوت [۱] متحقق نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی میں ہے۔امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اگر شفیع نے اس کے رقبہ کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میرے گواہ غائب ہیں لیکن میں اس کو شفعہ میں لے لیتا ہوں تو یہ کلام اس بات کا اقرار ہے کہ بائع اس کا مالک ہے پس اسکے بعد اسکے گواہ مقبول نہ ہوں گے اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ ملک کا دعویٰ کرنے سے اس کا شفعہ باطل ہو جائیگا اور اگر اس نے نصف دار کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں اسکے گواہ قائم کروں گا اور باقی کو شرکت کے ذریعہ سے لوں گا تو جائز ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

ایک شخص کا دار ہے کہ اس کو ایک غاصب نے غصب کر لیا پھر اس کے پہلو میں ایک دار فروخت کیا گیا اور غاصب و مشتری دار وشفعہ سے انکار کرتے ہیں تو اس شخص کو چاہئے کہ شفعہ طلب کرلے تاکہ جس وقت دار مغصوبہ کی نسبت اپنی ملک کے گواہ قائم کرے تو شفعہ ثابت رہے اور جس وقت طلب کرے تو غاصب کو قاضی کے پاس لے جائے اور قاضی کو صورت حال سے آگاہ کر دے پھر اس کے بعد دیکھا جائے گا کہ اگر اس نے گواہ قائم کئے تو اس کے نام دار مغصوبہ کی ملک اور دوسرے دار کے شفعہ کے واسطے حکم دیا جائے گا اس واسطے کہ جو بات گواہوں سے ثابت ہو وہ ایسی ہے جیسے بمعائنہ ثابت ہوئی اور اگر اس نے گواہ قائم نہ کئے تو قاضی ان دونوں سے قسم لے گا پس اگر دونوں قسم کھا گئے تو مدعی کے نام دونوں میں سے کسی دار کی ڈگری نہ کرے گا اور اگر دونوں نے قسم سے انکار کیا تو اس کے نام دونوں داروں کی ڈگری کر دے گا اور اگر غاصب نے قسم کھالی اور مشتری نے انکار کیا تو اس کے نام دار مغصوبہ کی ڈگری نہ کرے گا مگر شفعہ کی ڈگری کر دے گا اور اگر اس کے برعکس واقع ہو تو اس کے برعکس حکم دے گا کیونکہ قسم سے انکار کرنا اقرار ہے اور اقرار خاص اسی کے حق میں حجت ہوتا ہے جس نے اقرار کیا ہے۔ یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر ایک دار فروخت کیا گیا اور اس کا ایک شفیع ہے پس اس دار کے پہلو میں ایک دار فروخت کیا گیا اور مشتری اوّل نے اس کا شفعہ طلب کیا اور اس کے نام حکم ہو گیا پھر شفیع مذکور حاضر ہوا تو اس کے واسطے اس دار کی جو اس کے پہلو میں واقع ہے ڈگری کر دی جائے گی اور دوسرے دار کا مشتری کے نام حکم قضاءً باقی رہے گا اور اگر شفیع مذکور دونوں دار کا جار ہو اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو اس کے نام پورے اوّل دار اور نصف دوسرے دار کی ڈگری کی جائے گی یہ بدائع میں ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نصف دار خریدا پھر باقی نصف دوسرے شخص نے خریدا پس مشتری اوّل نے اس سے شفعہ کا مطالبہ کیا اور قاضی نے بوجہ شرکت کے اس کے نام شفعہ کی ڈگری کی پھر جار نے دونوں شفعوں میں مخاصمہ کیا تو پہلی خرید کا نصف دار اس کو استحقاق شفعہ میں ملے گا اور دوسرے نصف میں اس کا کچھ حق نہ ہوگا اس وجہ سے کہ اس کے ساتھ حکم قضاء [۲] متعلق ہو چکا ہے اسی طرح اگر ایک ہی مشتری نے پہلے نصف دار خریدا ہو پھر دوسرا نصف خریدا ہو تو بھی یہی حکم ہے۔ اگر دوسرے نصف کا مشتری پہلے نصف کے مشتری کے سوائے دوسرا شخص ہو اور اس نے دوسرے مشتری سے کچھ مخاصمہ نہ کیا یہاں تک کہ جار نے نصف اوّل شفعہ میں لے لیا تو جار ہی اس دوسرے نصف کا اولاً حقدار ہوگا یہ محیط میں ہے۔ اصل یہ ہے کہ شفعہ کا استحقاق اسی ملک سے ہوتا ہے جو خرید کے وقت قائم ہو نہ اس ملک سے جو پھر پیدا ہو جائے اس واسطے کہ سبب شفعہ دو ملکوں کا اتصال ہے پس خرید کے وقت اس کے موجود ہونے کا اعتبار ہے اور جب لے لیا تو بمنزلہ استحقاق کے ہو گیا پس اگر بحکم قاضی لیا ہو تو اس کا ثبوت تمام لوگوں کے حق میں ہو جائے گا اور اگر برضا مندی لیا تو خاصۃً انہی دونوں کے حق میں ثابت ہوگا۔ ایک دار دو ہزار درہم کو خریدا اور دونوں نے باہم قبضہ کر لیا پھر ایک شخص نے کچھ

---

[۱] سکوت الخ اور اگر اس نے پہلے رقبہ کا دعویٰ کیا پھر ثبوت نہ پایا تو شفعہ کا دعویٰ کیا تو اب شفعہ نہ ملے گا اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ رقبہ کا دعویٰ کرنے سے شفعہ باطل ہے اگرچہ ایک ہی کلام سے طلب کرے۔ [۲] قضاء یعنی قاضی نے مشتری اوّل کے واسطے حکم دے دیا ایسی حالت میں کہ مشتری مبیعہ ملک شفیع تھا تو اب شفیع وہ نہیں لے سکتا کیونکہ خرید کے وقت شفیع کی ملک نہ تھی۔

(۱) اس سے اس کا شفعہ باطل نہ ہوگا۔

دعویٰ کیا اور مشتری نے بانکار اس سے پانچ سو درہم پر صلح کر لی پھر شفیع نے مشتری سے دار مذکور بیع اول پر لے لیا (بحکم قاضی) تو مدعی نے جو کچھ مشتری سے لیا ہے وہ مشتری کو واپس دے کیونکہ قاضی نے ہر گاہ شفعہ کا حکم دے دیا تو ضرور یہ بھی حکم دیا کہ یہ دار بائع کی ملک ہے پس ظاہر ہو گیا کہ اس کے مدعی کے درمیان کچھ خصومت نہیں ہے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ مدعی نے جو مال لیا ہے وہ اپنے کسی حق کے عوض نہیں لیا اور نہ دفع خصومت کے مقابلہ میں لیا ہے پس صلح ٹوٹ گئی اور اگر شفیع نے بغیر حکم قضاء لیا ہو تو مدعی مال صلح مشتری کو واپس نہ دے گا کیونکہ شفیع نے باہمی رضامندی سے لے لیا اور دونوں کی باہمی رضامندی انہی دونوں کے حق میں حجت ہے کسی غیر کے حق میں حجت نہیں ہے پس یہ لینا ایسا ہے کہ گویا دونوں کے درمیان بیع جدید ہوئی پس ظاہر ہوا کہ مشتری و مدعی میں کچھ خصومت نہیں ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر ایک شخص نے ایک دار میراث پایا پھر اس کے پہلو میں دوسرا دار فروخت کیا گیا اس نے یہ دار مشفعہ میں لیا پھر دوسرے کے پہلو میں تیسرا دار فروخت کیا گیا پھر موروثی دار کسی شخص نے استحقاق ثابت کر کے لے لیا اور مستحق نے شفعہ طلب کیا تو مستحق دوسرے دار کو شفعہ میں لے لے گا اور تیسرے دار کا مقدم حقدار وارث ہو گا ایسا ہی امام قدوری نے ذکر فرمایا اور یہ ذکر نہ فرمایا کہ اگر مستحق نے شفعہ طلب نہ کیا تو کیا حکم ہے اور منتقی میں مذکور ہے کہ دوسرا دار اس شخص کو واپس کر دیا جائے گا جس پر شفعہ کی ڈگری ہوئی ہے یعنی جس نے اس کو خرید اتھا اور تیسرا دار اسی کے قبضہ میں چھوڑ دیا جائے گا جس کے قبضہ میں ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔ ایک شخص نے ایک دار خرید کر اس پر قبضہ کر لیا اور شفیع نے اس کو لینا چاہا پس مشتری نے کہا کہ میں نے اس کو فلاں شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا اور وہ میرے قبضہ سے باہر ہو گیا پھر اس نے میرے پاس ودیعت رکھا ہے تو اس کے قول کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ شفیع کا خصم ضرور ٹھہرایا جائے گا اور اگر اس نے اس بات کے گواہ قائم کیے تو گواہی کی سماعت نہ ہو گی اسی طرح اگر اس نے کہا کہ میں نے دار مذکور فلاں شخص کو ہبہ کیا اور اس نے قبضہ کر لیا پھر میرے پاس ودیعت رکھا ہے تو اس کا قول قبول نہ ہو گا اور اگر اس بات پر گواہ قائم کیے تو اس کے گواہوں کی سماعت نہ ہو گی اور اگر پہلی صورت میں دوسرا مشتری اور دوسری صورت میں موہوب لہ آیا اور حال یہ گذرا کہ قاضی شفیع کے واسطے شفعہ کا حکم دے چکا ہے پھر مشتری یا موہوب لہ نے آ کر خرید یا ہبہ کے گواہ قائم کیے تو گواہوں کی سماعت نہ ہو گی اور شفعہ کے واسطے جو حکم قضاء ہے وہ خرید و ہبہ کا نقض (توڑنا) ہے اس واسطے کہ جو شخص قابض تھا وہ مقضی علیہ ہوا پس جو شخص اس کی جانب سے ملک حاصل کرنے کا دعویٰ کرے وہ بھی مقضی علیہ[1] ہو گیا ایک دار زید کے قبضہ میں ہے وہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے عمرو سے خرید کر اس کو ثمن دے دیا ہے اور یہ دار عمرو کا معروف ہے اور عمرو دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے یہ دار مذکور زید کو ہبہ کیا تھا اور عمرو نے زید سے رجوع کرنا چاہا تو عمرو کا قول قبول ہو گا اور اگر ہنوز قاضی نے واہب کے نام واپس لینے کا حکم نہ دیا ہو کہ شفیع حاضر ہوا تو شفیع اس دار کا بنسبت واہب کے زیادہ حق دار ہے اور اگر شفیع حاضر نہ ہوا تو قاضی واہب کے واسطے ہبہ سے رجوع کا حکم دے دے گا اور جب اس نے واہب کے واسطے رجوع کا حکم دے دیا پھر شفیع حاضر ہوا تو رجوع ہبہ توڑ دیا جائے گا اور دار مذکور شفیع کو دیا جائے گا۔ اگر قابض یعنی زید نے یہ دعویٰ کیا کہ میں نے عمرو سے اس شرط سے خرید اتھا کہ عمرو کو خیار حاصل ہے اور ثمن ادا کر دیا تھا اور عمرو نے یہ دعویٰ کیا کہ میں نے ہبہ کر کے سپرد کر دیا ہے اور شفیع حاضر ہوا تو اس کو شفعہ میں لے لے گا اور خیار باطل ہو جائے گا کیونکہ ملک دار یعنی عمرو نے ہر گاہ اقرار کیا کہ میں نے زید کو ہبہ کر کے سپرد کر دیا ہے تو ضرور یہ اقرار کیا قابض کی ملک اس میں ثابت ہوئی اور خیار ساقط ہو گیا اور قابض یعنی زید مقر ہے کہ میں نے خرید ا ہے پس قابض کے اقرار خرید سے اصل مالک کے خیار ساقط ہو جانے سے اس دار میں شفعہ ثابت ہو جائے گا کتاب الاصل میں لکھا ہے کہ اگر دار مشفوعہ بائع کے قبضہ میں ہو اور قاضی نے بائع پر شفیع کے شفعہ کی ڈگری کی پھر شفیع نے بائع سے اقالہ کی درخواست کی تو بائع

---

(۱) یعنی جس پر حکم وقف ہوا ہے یعنی ڈگری ہوئی ہے۔

کا اقالہ کرنا جائز ہے اور یہ دار بائع کی ملک میں عود کر جائے گا مشتری کی ملک میں عود نہ کرے گا اور مشتری کے حق میں قرار دیا جائے گا کہ گویا بائع نے یہ دار شفیع سے خریدا ہے اسی طرح اگر دار مشفوعہ مشتری کے قبضہ میں ہو اور قاضی نے شفیع کے واسطے شفعہ دار کی ڈگری کر دی اور شفیع نے مشتری سے لے کر اپنا قبضہ کرنے سے پہلے بائع سے اقالہ کیا تو اقالہ صحیح ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک دار مذکور بائع کی ملک ہو جائے گا یہ محیط میں ہے۔

اگر شفیع کے واسطے قاضی نے شفعہ کا حکم دے دیا اور بعد اس حکم کے دار مشفوعہ پر قبضہ کرنے سے پہلے اور ثمن ادا کرنے سے پہلے شفیع مر گیا تو دار مذکور وارثان شفیع کو ملے گا اس واسطے کہ شفعہ کے واسطے قاضی کا حکم بمنزلہ بیع کے ہے اور اگر دار مشفوعہ لینے کے بعد شفیع مر گیا تو یہ دار اس کے وارثوں میں میراث ہوگا اور اگر قاضی نے شفعہ کا حکم دے دیا اور مشتری نے شفیع سے درخواست کی کہ یہ دار ثمن میں کچھ بڑھا کر مجھے واپس دے اور یہ زیادتی ثمن کی جنس سے ٹھہرائی یا غیر جنس سے ٹھہرائی شفیع نے ایسا ہی کیا تو پہلے داموں کے بدلے دار مذکور مشتری کا ہو جائے گا اور زیادتی باطل ہو جائے گی اس واسطے کہ دار مذکور مشتری کو واپس دینا بمنزلہ اقالہ کے ہے اور اقالہ فقط پہلے ہی ثمن پر ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر شفیع کے واسطے قاضی نے شفعہ کا حکم دے دیا پھر اس کے بعد مشتری نے شفیع سے کہا کہ یہ دار ثمن میں کچھ بڑھا کر بائع کو واپس دے اور اس نے ایسا ہی کیا تو یہ بھی اقالہ کیا اور اقالہ جس طرح بائع و مشتری میں ہوتا ہے ویسا ہی بائع و شفیع میں متحقق ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر بیع واقع ہونے کے بعد شفیع شفعہ میں لینے سے پہلے مر گیا تو ہمارے نزدیک اس کے وارث کو شفعہ میں لینے کا استحقاق نہ ہوگا اور اگر دار مشفوعہ کی بیع اس کی موت کے بعد ہو تو وارث اس کو شفعہ میں لے سکتا ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر بائع و مشتری مر گئے اور شفیع زندہ موجود ہے تو اس کو شفعہ میں لینے کا اختیار ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر مشتری مر گیا اور شفیع زندہ ہے تو اس کو شفعہ حاصل ہے اور اگر میت پر قرضہ ہو تو دار مشفوعہ اس کے دین کے واسطے فروخت نہ کیا جائے گا بلکہ شفیع اس کو شفعہ میں لے لے گا اگرچہ دار مذکور سے قرض خواہ و شفیع دونوں کا حق متعلق ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر قاضی یا اس کے وصی نے اس دار کو میت کے قرضہ میں فروخت کیا تو شفیع کو اختیار ہوگا کہ بیع کو باطل کر کے اس کو شفعہ میں لے لے جیسا کہ اگر مشتری نے اپنی زندگی میں اس کو فروخت کیا تو یہی حکم ہے۔ اسی طرح اگر میت نے اس دار کے لئے وصیت کی تو بھی شفیع اس کو لے لے گا اور وصیت باطل ہو جائے گی یہ مبسوط میں ہے۔ ایک شخص نے دو طرح کی طلب سے شفعہ کو ثابت کر لیا تھا پھر مر گیا تو اس کے وارث کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ شفعہ میں لے لے کذا فی السراجیہ اور اگر شفیع اس دار کا مالک مشتری کے سپرد کرنے سے ہوا پھر مر گیا تو یہ دار اس کے وارثوں میں میراث ہوگا۔ یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اگر بائع نے مشتری کے ذمہ سے کسی قدر ثمن گھٹا دیا تو شفیع کے ذمہ سے بھی اس قدر کم ہو جائے گا اسی طرح اگر شفیع نے دار مشفوعہ ثمن دے کر لے لیا پھر بائع نے مشتری سے کسی قدر ثمن گھٹا دیا تو بھی شفیع کے ذمہ سے اسی قدر ساقط ہو جائے گا حتیٰ کہ شفیع نے جس کو ثمن ادا کیا ہے اس سے اس قدر واپس لے سکتا ہے اسی طرح اگر بائع نے مشتری کو بعض ثمن سے بری کیا یا اس کو ہبہ کر دیا تو اس کا حکم بھی گھٹا دینے کے مانند ہے اور شفیع دار مشفوعہ کو باقی ثمن کے عوض لے لے گا اور اگر بائع نے مشتری کے ذمہ سے سب ثمن ساقط کر دیا تو شفیع کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا اور یہ حکم اس وقت ہے کہ پورا ثمن گھٹا دینا کلمہ واحدہ ہو اور اگر چند بار کہہ کر گھٹا دیا تو شفیع اس دار مشفوعہ کو اخیر ثمن[1] پر لے لے گا یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اگر مشتری نے بائع کے واسطے ثمن میں کچھ بڑھا دیا تو یہ زیادتی شفیع پر لازم نہ ہوگی حتیٰ کہ شفیع اس کو ثمن اوّل پر لے سکتا ہے یہ جوہرہ نیرہ میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے سے ایک دار ہزار درہم کو خریدا اور باہم قبضہ کر لیا پھر بائع کے واسطے ثمن میں ایک ہزار درہم بڑھا دیئے بدون اس کے کہ بیع کا مناقضہ کیا ہو پھر شفیع کو دو ہزار درہم کا حال معلوم ہوا یہ معلوم

---

[1] پہلے سب شفیع سے ساقط ہو جائیں گے مگر اخیر ساقط نہ ہوگا۔

نہ ہوا کہ ثمن ایک ہزار درہم تھا پس شفیع نے بحکم قاضی یا بغیر حکم قاضی اس کو دو ہزار درہم میں لے لیا پس اگر بحکم قاضی لیا ہو تو قاضی اس حکم کو باطل کر کے پھر حکم دے گا کہ شفیع اس کو شفعہ میں ایک ہزار درہم کے عوض لے لے کیونکہ اوّل ایسی چیز کے واسطے تھا جو شفعہ کے ساتھ واجب نہ تھی اور اگر اس نے بغیر حکم قاضی لیا ہو تو یہ از سر نو خرید ہے پس نہ ٹوٹے گی۔ جامع الفتاویٰ میں ہے کہ اگر ایک دار خرید کر کے دوسرے کو ہبہ کر دیا پھر شفیع آیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شفیع اس دار کو لے کر اس کا ثمن کسی عادل کے پاس رکھ دے گا و امام محمدؒ کے نزدیک جب تک واہب حاضر نہ ہو تب تک نہیں لے سکتا ہے۔ یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

ایک شخص نے ایک دار بعوض ایک غلام کے خریدا پھر غلام کو نا پایا مگر اس پر راضی ہو گیا تو شفیع اس دار کو اس غلام صحیح سالم کی قیمت کے بدلے لے گا☆

ایک مکاتب بقدر وفائے کتابت مال چھوڑ کر مر گیا پھر اس کے جوار میں ایک دار فروخت کیا گیا پھر وارثوں نے اس کا مال کتابت ادا کر دیا تو ان وارثوں کو شفعہ ملے گا کیونکہ مکاتب کی آزادی کا حکم اس کی آخر حیات سے دیا گیا پس اس کے وارثوں کا جوار اس دار کے بیع ہونے سے پہلے ثابت ہو گیا یہ کافی میں ہے۔ ایک شخص نے ایک دار خریدا اور اس کا ایک شفیع ہے پس شفیع نے کہا کہ میں نے بیع کی اجازت دی اور میں اس کو شفعہ میں لے لوں گا یا کہا کہ میں بیع پر راضی ہوا اور میں شفعہ میں لوں گا یا کہا کہ میں نے بیع تسلیم کی اور میں شفعہ لوں گا اور فتاویٰ میں ہے کہ یا یوں کہا کہ میرا اس دار میں کچھ حق نہیں ہے تو شخص مذکور اپنے شفعہ پر رہے گا بشرطیکہ اس نے کلام موصول بیان کیا ہو اور اگر فصل کیا مثلاً سکوت کر کے پھر کہا کہ میں شفعہ میں لوں گا تو اس کو استحقاق شفعہ نہ ہوگا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ امام محمدؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے ایک دار خریدا اور اس کے شفیع نے آ کر دعویٰ کیا کہ اس مشتری کے خریدنے سے پہلے میں نے یہ دار اس بائع سے خریدا تھا اور مشتری نے اس کے دعویٰ کی تصدیق کی اور دار مذکور اس کو دے دیا پھر ایک دوسرا شفیع آیا اور اس نے شفیع کے خریدنے سے انکار کیا تو پورا دار شفعہ میں لے لے گا اور اگر مشتری نے شفیع سے ابتداء میں یوں کہا کہ تو نے میرے خریدنے سے پہلے یہ دار خریدا تھا اور وہ تیری خرید پر تیرا ہے اور شفیع نے کہا کہ میں نے اس کو نہیں خریدا تھا اور میں اس کو اپنے شفعہ میں لیتا ہوں پس شفیع نے مشتری سے لے لیا پھر دوسرا شفیع آیا تو دوسرے کو فقط نصف دار مل سکتا ہے یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے ایک دار خریدا اور کہا کہ میں نے فلاں شخص کے واسطے خریدا ہے اور اس پر گواہ کر لئے پھر شفیع آیا تو مشتری اس کا خصم قرار دیا جائے گا لیکن اگر مشتری نے اس بات کے گواہ پیش کئے کہ فلاں شخص نے مجھے وکیل کیا تھا تو البتہ خصم نہ ٹھہرایا جائے گا اور اگر بائع و مشتری نے کہا کہ ہم نے اس دار کی بعوض ہزار درہم و ایک رطل شراب کے خرید فروخت کی ہے اور شفیع نے کہا کہ نہیں بلکہ ہزار درہم کے عوض بیچا ہے تو شفیع کا قول قبول ہوگا اور شرح طحاوی میں لکھا ہے کہ خرید کے وکیل نے اگر کوئی دار خریدا اور شفیع حاضر ہوا تو وکیل لے لے گا اور عہدہ[1] وکیل پر ہوگا اور موکل کی موجودگی کی طرف التفات نہ کیا جائے گا یہ ظہیریہ میں ہے۔ ایک شخص نے ایک دار بعوض ایک غلام کے خریدا پھر غلام کو نا پایا مگر اس پر راضی ہو گیا تو شفیع اس دار کو اس غلام صحیح سالم کی قیمت کے بدلے لے گا اور اسی طرح اگر بسبب عیب کے اس کو واپس کیا تو بھی یہی حکم ہے کیونکہ جس وقت بیع واقع ہوئی تو صحیح سالم غلام ٹھہرا تھا عیب دار نہیں ٹھہرا تھا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ ایک شخص نے ایک عقار[2] بعوض درہموں کے جو بطور جزاف تھے خریدا اور بائع و مشتری دونوں نے اس امر پر اتفاق کیا کہ جزافی درہموں کی تعداد ہم کو نہیں معلوم ہے اور بعد باہمی قبضہ واقع ہونے کے یہ درہم بائع کے پاس تلف ہو گئے تو شفیع کو کیا کرنا چاہئے تو قاضی امام ابو بکرؒ نے فرمایا کہ دار کو شفعہ میں

---

[1] عہدہ یعنی شفیع کے واسطے مسلم ہونے کا ذمہ وکیل پر ہے۔ [2] عقار زمین و کھیت و حویلی وغیرہ و اراضی و قولہ بطور جزاف یعنی درموں کا وزن معلوم نہیں بلکہ ڈھیری لگی ہے اور اسی ڈھیری کے عوض خریدا۔

لے کر اپنے زعم کے موافق ثمن ادا کرے لیکن اگر مشتری نے اس مقدار پر زیادتی ثابت کی تو ایسا نہ ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے۔ایک شخص کے پاس ایک زمین ہے کہ جس پر مؤنت[1] اور خراج بہت ہے کہ جس کی وجہ سے اس کو کوئی نہیں خریدتا ہے پس اس کو مالک نے اپنے ایک دار کے ساتھ جس کی ہزار درہم قیمت ہے ایک ہزار درہم کو فروخت کیا اور اس دار کا ایک شفیع ہے تو اس دار کو اس کے حصہ ثمن کے بدلے لے گا پس ثمن اس دار کی قیمت پر اور زمین کی اس قیمت پر کہ اصحاب سلطان اگر خریدیں تو لگائیں اور اگر کوئی بھی اس کی خرید کی طرف رغبت نہ کرتا ہو تو اس کی وہ قیمت اعتبار کی جائے گی جو آخرت میں تھی جس وقت لوگوں کی رغبت اس سے جاتی رہی ہے کیونکہ تقسیم کا مدار قیمت پر ہے کذا فی القنیہ اور یوں کہا جا سکتا ہے بنا بر قول امام اعظمؒ کے پورے ہزار درہم بمقابلہ دار کے قرار دیئے جائیں اگر اس زمین کی بالکل کچھ قیمت نہ ہو یہ محیط میں ہے۔ منتقی میں امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص کے قبضہ میں ایک دار ہے اور قاضی جانتا ہے کہ یہ دار اسی کا ہے پس اس کے پہلو میں ایک دار فروخت کیا گیا اور اس کے فروخت ہونے کے بعد شفیع نے کہا کہ میرا یہ دار فلاں شخص کا ہے کہ ایک سال ہوا جب سے میں اس کے ہاتھ فروخت کر چکا ہوں اور یہ اقرار ایسے وقت میں کیا کہ اگر اس وقت اپنے واسطے شفعہ طلب کرتا تو لے سکتا تھا تو اس کو شفعہ نہ ملے گا اور نہ اس مقر لہ کو ملے گا تاوقتیکہ اس بات کے گواہ نہ دے کہ میں نے خریدا ہے اس لیے کہ اقرار حجت قاصرہ ہے کہ فقط مقر کے حق میں صحیح ہوتی ہے اور غیر کے حق میں متعدی[2] نہیں ہوتی ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

فتاویٰ عتابیہ میں ہے کہ اگر مشتری نے شفیع کے واسطے خیار کی شرط کی پس شفیع نے کہا کہ میں نے بیع اس شرط سے اختیار کر لی کہ مجھے شفعہ حاصل ہے تو جائز ہے اور اگر اس نے یہ نہ کہا ہو کہ اس شرط سے کہ مجھے شفعہ حاصل ہے تو اس کا شفعہ باطل ہوگا مگر چاہیے یہ ہے کہ شفیع تاخیر کردے تاکہ خود بائع اجازت دے دے یا مدت گذر جائے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ایک شفیع نے بلا حکم قاضی زمین مشفوعہ پر قبضہ کر لیا پس اگر یہ شخص اہل استنباط میں سے ہے اور جانتا ہے کہ بعض علماء نے ایسا فرمایا ہے تو فاسق نہ ہوگا اور اگر نہیں جانتا ہے تو فاسق ہو گیا اس واسطے کہ وہ ظالم ٹھہرا بخلاف اوّل کے کہ وہ ظالم نہ ہوگا یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔ایک شخص نے ایک مشتری پر بذریعہ جوار کے شفعہ کا دعویٰ کیا اور مشتری شفعہ جوار کا قائل نہیں ہے اور اس نے شفعہ سے انکار کیا تو اس سے اس طور سے قسم لی جائے گی کہ واللہ میری جانب اس شخص کا حق شفعہ بنا بر قول ایسے مجتہد کے جو شفعہ بالجوار کا قائل نہیں ہے۔ایک شخص نے ایک دار خریدا اور ہنوز اس پر قبضہ نہ کیا تھا کہ اس کے پہلو میں ایک دار فروخت کیا گیا تو مشتری کو شفعہ حاصل ہوگا۔ایک شخص نے ایک دار شفعہ میں طلب کیا اور مشتری نے کہا کہ میں نے تجھے شفعہ میں دیا پس اگر شفیع کو ثمن معلوم ہے اور اس صورت میں تسلیم صحیح ہے تو دار مذکور شفیع کی ملک ہو جائے گا اور اگر شفیع کو ثمن نہیں معلوم ہے تو دار مذکور شفیع کی ملک نہ ہو جائے گا اور شفیع اپنے شفعہ پر رہے گا یہ محیط میں ہے۔ایک شخص مر گیا اور اس نے دو ہزار درہم قیمت کا ایک دار چھوڑا اور اس پر ہزار درہم قرضہ ہے اور اس نے تہائی مال کی کسی شخص کے واسطے وصیت کی ہے اور قاضی کی رائے میں یہ مصلحت معلوم ہوئی کہ پورا دار فروخت کردے اور وارث و موصی لہ دونوں اس کے شفیع ہیں تو دونوں اس کو شفعہ میں لیں گے اور اگر اس پر قرضہ نہ ہو اور اس کے وارثوں میں کوئی نابالغ ہو پھر قاضی کی رائے میں دار مذکور کا فروخت کرنا مصلحت معلوم ہوا تو موصی لہ اور وارثان بالغ کو شفعہ نہ ملے گا اور نہ نابالغ کو ملے گا اگر اس نے بعد بالغ ہونے کے طلب کیا یہ جامع کبیر میں ہے۔شیخ علی بن احمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے دکان خریدی اور شفیع نے شفعہ طلب کیا اور مشتری نے اس کو شفعہ دیا لیکن دونوں نے اس کے ثمن میں جھگڑا کیا اور شفیع نے دکان نہ لی یہاں تک کہ ایک مدت گزر گئی پھر چاہا جس قدر مشتری نے بیان کیا اسی کے عوض لے لے تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا لیکن اگر مشتری راضی ہو جائے تو ہو سکتا[3] ہے۔اگر یہ بات ثابت ہوگئی کہ ثمن وہی تھا جو شفیع نے کہا تھا تو اس کو لے لینے کا اختیار ہوگا اور جب

---

[1] مؤنت بار خرچہ ولگان۔ [2] غیر پر اس کا اثر نہیں ہوتا تو شفیع سوائے اقرار کے گواہ لائے جو سبب پر حجت ہے۔ [3] ہو سکتا ہے کیونکہ وہ حال سے خالی نہیں یا تو شفعہ ابھی تک ساقط نہیں ہوا جب کہ ثمن وہی ہو جو شفیع نے کہا تھا تو رضائے مشتری سے حق شفعہ مل گیا ورنہ مشتری نے از سر نو بیع کر دی۔

یہ بات صحیح ہو جائے کہ ثمن اسی قدر تھا جس قدر شفیع نے کہا تھا تو اس کا شفعہ باطل نہ ہو جائے گا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ایک شخص کے قبضہ میں ایک دار ہے پھر ایک شخص نے آ کر اس کے شفعہ کا دعویٰ کیا اور قابض سے کہا کہ تو نے اس کو فلاں شخص سے خریدا ہے اور فلاں شخص یعنی بائع نے اس کے قول کی تصدیق کی اور قابض نے کہا کہ میں نے اس کو اپنے باپ سے میراث میں پایا ہے اور شفیع نے اس بات کے گواہ دیئے کہ یہ دار بائع مذکور کے باپ کا تھا اور وہ مر گیا اور اس نے بائع کے واسطے میراث چھوڑا ہے اور اس نے بیع کے گواہ قائم نہ کئے تو قاضی قابض سے فرمائے گا کہ تیرا جی چاہے تو شفیع کے قول کی تصدیق کر کے اس سے ثمن لے لے اور عہدہ اس کا تجھ پر ہو گا پس اگر اس نے انکار کیا تو شفیع اس دار کو لے کر اس کا ثمن بائع کو دے دے گا اور بائع یہ ثمن مشتری کو دے دے گا اور اس کا عہدہ[1] بائع پر ہو گا۔اسی طرح اگر قابض نے کہا کہ مجھے فلاں شخص نے ہبہ کیا اور شفیع نے کہا کہ تو نے فلاں شخص سے خریدا ہے اور بائع نے شفیع کی تصدیق کی تو اس میں بھی وہی حکم ہے جو ہم نے بتفصیل بیان کیا ہے یہ محیط میں ہے۔

دار ہائے مکہ معظمہ کی بیع صحیح نہیں لیکن ان کی عمارت فروخت کر سکتا ہے ان میں شفعہ بھی نہیں ہے اور حسن بن زیاد نے امام اعظمؒ سے روایت کی کہ دار ہائے مکہ معظمہ کی بیع صحیح ہے اور اس میں شفعہ بھی ہوتا ہے اور یہی قول امام ابو یوسف کا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ قنیہ میں ہے۔فتاویٰ عتابیہ میں لکھا ہے کہ اگر شفیع نے دار مشفوعہ میں عمارت بنائی پھر دار مذکور میں کوئی عیب پایا تو بقدر نقصان عیب مشتری سے واپس لے گا اور مشتری بھی بائع سے واپس لے گا بشرطیکہ مشتری نے بحکم قاضی دیا ہو یہ تاتارخانیہ میں ہے۔اگر مشتری نے ایک دار اس شرط سے خریدا کہ بائع اس کے ہر عیب موجودہ سے بری ہے یا اس میں کوئی عیب ایسا موجود تھا جس کو مشتری جانتا تھا مگر وہ راضی ہو گیا تو شفیع کو اختیار ہو گا کہ عیب پر راضی نہ ہو اور واپس کر دے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔اصل میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے ایک دار خریدا اور یہ شخص اس کا شفیع تھا اور ایک شخص دوسرا اس کا شفیع ہے کہ وہ غائب ہے پھر مشتری نے اس میں سے ایک بیت مع اس کے راستہ کے کسی کو صدقہ میں دے دیا پھر جو کچھ باقی رہا اس کو فروخت کر دیا پھر شفیع غائب نے آ کر چاہا کہ مشتری کا عقد صدقہ توڑ دے اور اس کی بیع توڑ دے پھر جو دیکھا تو مشتری نے باقی دار اسی شخص کے ہاتھ فروخت کیا ہے جس کو صدقہ دیا تھا تو اس کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ کل دار میں اس کا صدقہ توڑ دے ہاں فقط آدھے[2] میں توڑ سکتا ہے اور اگر اس نے باقی دار کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کیا ہو تو شفیع غائب کو اختیار ہو گا کہ اس کا کل دار کا صدقہ توڑ دے اور یہ بھی کتاب الاصل میں لکھا ہے کہ بیع میں شفعہ دے دینا ہبہ بشرط عوض میں بھی تسلیم شفعہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اگر شفیع کو یہ خبر دی گئی کہ دار مشفوعہ فروخت کیا گیا ہے پس اس نے شفعہ دے دیا پھر ظاہر ہوا کہ فروخت نہیں کیا گیا بلکہ مالک نے بشرط عوض ہبہ کیا ہے تو اس کو استحقاق شفعہ نہ ہو گا اسی طرح ہبہ بشرط عوض میں شفعہ دے دینا عقد بیع میں بھی تسلیم[3] شفعہ ہے یہ محیط میں ہے۔ایک شخص نے ایک دار خریدا اور وہ بسبب جوار کے اس کا شفیع ہے۔پھر دوسرے جار نے شفعہ طلب کیا اور مشتری نے پورا دار اس کو دے دیا تو نصف دار شفعہ میں اور نصف دار بوجہ خرید (بیع کیا) کے قرار دیا جائے گا یہ ظہیریہ میں ہے اگر کوئی دار اس شرط سے فروخت کیا کہ فلاں شخص اس کے ثمن کا کفیل ہو حالانکہ یہ شخص اس کا شفیع ہے تو اس کا شفعہ نہ رہے گا اگر کفالت قبول کی یہ قنیہ میں ہے اور اگر قرضہ سے کسی دار پر صلح واقع ہوئی پھر دونوں نے اقرار کیا کہ قرضہ[4] کچھ نہ تھا تو شفیع کو شفعہ نہ ملے گا اور اگر بجائے صلح کے بیع واقع ہوئی ہو تو شفیع کو شفعہ (۱) ملے گا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ایک شخص نے ایک باندی بعوض ہزار درہم کے خریدی اور دونوں نے باہم

---

[1] لگان کی بابت جو درک پیش آئے بائع اس کا ذمہ دار ہے۔
[2] آدھے میں جبکہ صدقہ نصف ہو۔
[3] تسلیم واقع چنانچہ اگر ہبہ بشرط عوض جان کر شفعہ دیا پھر معلوم ہوا کہ بیع ہوا ہے تو شفعہ نہ رہا۔
[4] غلطی سے ایسا واقع ہوا۔

(۱) اگرچہ دونوں اقرار کریں کہ قرضہ کچھ نہ تھا۔

قبضہ کرلیا پھر مشتری نے باندی میں ایسا عیب پایا کہ جس سے باندی میں دسویں حصہ کا نقصان آتا ہے پھر بائع نے خواہ اقرار کیا یا انکار کیا مگر ایک دار پر صلح کر لی تو شفیع اس دار کو استحساناً بعوض حصہ عیب کے لے سکتا ہے اس واسطے کہ یہ عیب مال ہے اسی وجہ سے اگر واپس کرنا ممتنع ہوتا ہے تو قیمت نقصان مشتری واپس لیتا ہے حالانکہ محض حق کا معاوضہ لینا نہیں جائز[1] ہے اور اگر اس حصہ عیب کے عوض کوئی چیز خریدے تو بیع جائز ہوتی ہے پس ثابت ہوا کہ یہ دار بمقابلہ مال کے حاصل کیا ہے اور مشتری کو اختیار ہے کہ ان دونوں کو پورے ثمن پر بطور مرابحہ فروخت کرے اور یہ اختیار نہیں ہے کہ دار اور باندی کو بدوں بیان کے مرابحہ سے فروخت کرے اور اگر مشتری نے دار مذکور میں عیب پا کر شفیع کے شفعہ میں لینے سے پہلے واپس کر دیا تو شفعہ باطل ہو جائے گا اور عیب کے بارے میں مشتری اپنی حجت سابقہ پر ہو جائے گا[2] اور مشتری کو اختیار ہے کہ جب تک اس نے نقصان عیب نہیں لیا ہے تب تک باندی کو پورے ثمن پر مرابحہ سے فروخت کرے ایک شخص نے ایک دار خریدا اور اس کے عیب سے ایک غلام پر صلح کر لی تو شفیع اس دار کو اس کے حصہ ثمن کے عوض لے سکتا ہے پس اگر اس نے لے لیا پھر غلام مذکور استحقاق میں لے لیا گیا یا بخیار رویت واپس دیا گیا یا صلح کی کسی شرط کے موافق واپس دیا گیا تو شفیع کو اختیار ہوگا چاہے حصہ عیب مشتری کو دے دے یا دار واپس کر دے اور مشتری بمقابلہ بائع کے اپنی حجت[3] پر ہوگا بشرطیکہ مشتری نے اس کو بحکم قضاء[4] لیا ہو کیونکہ یہ سب کے حق میں فسخ ہے اسی طرح اگر مشتری نے غلام مذکور بسبب عیب کے بحکم قاضی بائع کو واپس دیا ہو تو بھی یہی حکم ہے اور اگر باہمی رضامندی سے واپس دیا ہو تو شفیع پر کچھ لازم نہ آئے گا یہ کافی میں ہے۔

واضح ہو کہ جو استحقاق عقد بیع سے پہلے کسی حق کی وجہ سے ہو وہ عقد کو باطل کر دیتا ہے اور جو عقد سے متاخر پیدا ہوا ہو وہ باطل نہیں کرتا ہے۔ ایک شخص دار نے ایک ہزار درہم کو خریدا پھر مشتری نے اس کے ثمن میں بڑھا دیا یا اس میں کسی نے کچھ دعویٰ کیا اور مشتری نے با انکار کچھ دے کر صلح کر لی پھر شفیع نے اس کو بحکم قاضی ہزار درہم کے عوض شفعہ میں لیا تو مشتری نے جس قدر ثمن میں بڑھا دیا ہے وہ بائع سے واپس لے گا اور مدعی کو جو کچھ بدل الصلح میں دیا ہے مدعی سے واپس لے گا اس واسطے کہ شفیع عقد صلح اور زیادتی ثمن دونوں سے سابق حق شفعہ کی وجہ سے اس دار کا مستحق ہو چکا ہے پس اس کا استحقاق اس صلح و زیادہ ثمن دونوں کے بطلان کا سرے سے موجب ہوا اور اگر مشتری نے بغیر حکم قاضی یہ دار شفیع کو دے دیا ہو تو جس قدر اس نے ثمن میں بڑھایا ہے اس کو بائع سے واپس لے گا مگر مدعی سے بدل الصلح واپس نہیں لے سکتا ہے اور اگر مشتری بھی اس دار کا شفیع ہو اور مشتری نے قبضہ کر کے دار مذکور کسی کو ہبہ کر دیا تو دوسرے شفیع کو اختیار ہوگا کہ نصف دار شفعہ میں لے لے اور جب اس نے لے لیا تو باقی نصف میں بھی ہبہ باطل ہو جائے گا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک شخص نے کسی دار کی نسبت گواہی دی کہ یہ فلاں شخص کا ہے مگر اس کی گواہی رد کر دی گئی پھر اسی گواہ نے وہ دار خریدا اور اس کا کوئی شخص شفیع ہے تو یہ شفیع نسبت گواہ مذکور کے مقرلہ[^1] کے اس دار کا زیادہ حقدار[^2] ہوگا اور اگر اس کا کوئی شفیع نہ ہو بلکہ مشتری نے اس کو کسی غیر شخص کے واسطے جس نے مشتری کو اس کے خریدنے کا حکم دیا تھا خرید کیا تو یہ دار موکل کو ملے گا نہ مقرلہ کو اور اگر مشتری نے اپنے واسطے خریدا اور اس کا شفیع غائب ہے تو مقرلہ کو اختیار ہوگا کہ دار مذکور مشتری سے لے لے پھر اگر مشتری نے مقرلہ سے دوبارہ یہ دار خریدا قبل اس کے کہ شفیع حاضر ہو تو شفیع کو حاضر ہونے کے بعد اختیار ہوگا چاہے دار مذکور کو خرید اوّل پر لے لے یا خرید ثانی پر لے لے اور اگر دار مذکور کو قابض سے کسی دوسرے شخص نے خریدا پھر مشتری سے اس گواہ مذکور نے خریدا تو شفیع کو اختیار ہوگا چاہے بیع اوّل پر لے لے یا ثانی پر۔ پس اگر اس نے بیع

---

[^1]: جس شخص کے واسطے گواہ نے اقرار کیا اور گواہی دی ہے۔
[^2]: فقط شفیع کو ملے گا۔

(۱) پس ثابت ہوا کہ عیب محض حق نہیں ہے۔ (۲) پھر عیب کا دعویٰ کر سکتا ہے اور نقصان لے سکتا ہے۔ (۳) حجت عیب میں۔ (۴) دار کو شفیع سے بحکم قاضی واپس لیا ہو۔

اوّل پر لیا تو بیع ثانی باطل ہو جائے گی اور گواہ مذکور اپنا ثمن اپنے بائع سے واپس لے گا۔ بائع و مشتری دونوں نے بالاتفاق اقرار کیا کہ عقد بیع بطور تلجیہ تھا یا اس عقد میں بائع یا مشتری کے واسطے خیار تھا اور دونوں نے عقد فسخ کر دیا[1] تو حق شفیع میں دونوں کے اقرار کی تصدیق نہ کی جائے گی اور شفیع کو شفعہ ملے گا ایک شخص نے دوسرے کو حکم دیا کہ فلاں دار معین بعوض اپنے فلاں غلام معین کے میرے واسطے خرید دے اس نے ایسا ہی کیا تو یہ خرید موکل کے واسطے صحیح ہو گی اور وکیل اس غلام معین کی قیمت اپنے موکل سے لے لے گا۔ دو دار باہم متصل ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک دار خاص دو آدمیوں میں مشترک ہے پھر ہر ایک نے اپنا ایک دار کا حصہ بعوض دوسرے کے دوسرے دار کے حصہ کے فروخت کیا تو شفعہ انہی دونوں میں رہے گا پڑوسیوں کو نہ ملے گا یہ کافی میں ہے۔ ایک دار فروخت کیا گیا اور اس کے تین شفیع ہیں ان میں سے ایک حاضر ہے اور اس نے کل شفعہ میں طلب کیا اور لے لیا پھر دونوں غائب میں سے ایک حاضر ہوا تو اس کو اختیار ہو گا کہ اوّل کے مقبوضہ کا نصف لے لے اور اگر اس نے ایک تہائی پر اس سے صلح کی تو اس کو ایسا اختیار ہے پھر اگر تیسرا حاضر ہوا تو تہائی والے کا مقبوضہ لے کر اس کو دوسرے کے مقبوضہ میں ملا کر برابر تقسیم کر لیں گے اور اگر ان کے ساتھ کوئی چوتھا شریک ہو تو تہائی والے کے مقبوضہ میں سے نصف لے کر دوسرے کے مقبوضہ میں ملا کر تین تہائی تقسیم کر لیں گے تہائی والے کو تہائی ملے گا پس ان لوگوں کو سب پندرہ حصے ہر ایک کو پانچ حصے ملیں گے اور اگر چوتھے نے فقط اس شخص پر قابو پایا جس نے فقط تہائی لیا ہے اور یہ دار اٹھارہ حصوں میں تقسیم ہوا ہے تو تہائی والے سے اس کے مقبوضہ کا آدھا لے گا۔ ایک دار کے تین شفیع ہیں ان میں سے دو نے دار مذکور کو اس شرط سے خریدا کہ ایک کا چھٹا حصہ اور باقی دوسرے کا ہو گا تو خرید صحیح ہے اور کسی کو دوسرے کے حصہ میں شفعہ حاصل نہ ہو گا پھر اگر تیسرا حاضر ہوا تو دار مذکور کے اٹھارہ حصے کیے جائیں گے جن میں سے چھٹے حصے کے خریدار کو دو حصے اور باقی دونوں کو آٹھ آٹھ حصے ملیں گے اور مسئلہ کی تخریج نو سے ہو گی اور اگر شفیع ثالث نے فقط چھٹے حصے کے خریدار کو پایا اور دوسرے کو نہ پایا تو اس کے مقبوضہ میں سے نصف لے لے گا اور اگر دوسرے کو بھی پایا تو دار مذکور کو موافق بیان مذکورہ بالا کے ان لوگوں میں اٹھارہ حصوں میں تقسیم ہو گا۔ یہ محیط سرخسی میں ہے۔

ایک شخص نے نصف دار خرید کیا اس کو جار نے لے لیا اور بائع سے بحکم قاضی یا بتراضی اس کا مقاسمہ (بٹوارہ) کر لیا پھر ایک شفیع جو راستہ میں شریک ہے حاضر ہوا تو وہ جار کا مقبوضہ سب لے لے گا۔ اس تقسیم کو نہیں توڑ سکتا ہے بخلاف اس کے اگر ایک دار خریدا اور اس کو دو شفیعوں نے لے لیا اور باہم تقسیم کر لیا پھر تیسرا شفیع حاضر ہوا پس اگر اس سے دونوں شفیعوں سے ملاقات نہ ہو گی بلکہ اس نے ایک ہی کو پایا تو اس کے مقبوضہ میں سے نصف نہیں لے سکتا ہے بلکہ چوتھائی لے لے گا۔ ایک مشتری نے دو شفیعوں میں سے ایک سے کہا کہ میں نے یہ دار تیرے حکم سے تیرے واسطے خریدا ہے پس مقر لہ نے اس کی تصدیق کی مگر دوسرے شفیع نے تکذیب کی تو دار مذکور دونوں کے درمیان بحق شفعہ مشترک ہو گا اور اگر مشتری نے کہا کہ یہ دار تیرا ہے میرا تھا ہی نہیں یا مجھ سے پہلے تو نے اس کو خریدا تھا یا میں نے تجھے ہبہ کر دیا اور تو نے اس پر قبضہ کر لیا پس مقر لہ نے اس کی تصدیق کی اور دوسرے شفیع نے تکذیب کی تو مقر لہ کا شفعہ باطل ہو گیا اور پورا شفعہ دوسرے کو ملے گا یہ کافی میں ہے۔ اگر مفاوض[ا] نے اپنا موروثی خاص دار فروخت کیا اور اس کا شریک اس دار کا بذریعہ اپنے موروثی خاص دار کے شفیع ہے تو شفیع مذکور کو اس میں شفعہ حاصل نہ ہو گا یہ مبسوط میں ہے۔ اور اگر دو متفاوضین میں سے ایک شریک نے دوسرے کا

ا مفاوض ایسے دو شریک تجارت جن میں مال میں مساوات ہے اور ہر ایک دوسرے کا کفیل ہے ہر ایک مفاوض ہے اور کتاب الشرکۃ میں پورا بیان ہے اور واضح ہو متفاوضین میں جو شرط ہے وہ رب المال و مضارب میں نہیں ہے۔

(۱) مگر شفیع نے انکار کیا۔

شفعہ جو اس کو بذریعہ اپنے ایک خاص موروثی دار کے حاصل ہوا ہے دے دیا تو جائز ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر مضارب کسی دار مضارب کی وجہ سے جس میں نفع شامل ہے شفیع ہوا اور اس کے پاس سوائے اس دار کے مال مضاربت میں سے کچھ نہیں ہے پس مضارب نے شفعہ دے دیا تو رب المال کو اختیار ہوگا چاہے اپنے واسطے شفعہ میں لے لے اور اگر رب المال نے شفعہ دے دیا تو مضارب کو اختیار ہوگا چاہے اپنے واسطے شفعہ میں لے لے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر مضارب نے بعض مال مضاربت سے کوئی دار خرید ا اور اس کے پہلو میں رب المال نے اپنے واسطے ایک دار خریدا تو مضارب کو اختیار ہوگا چاہے باقی مال مضاربت سے اس دار کو شفعہ میں لے لے۔ یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر مضارب نے مال مضارب سے جو ہزار درہم ہے دو دار خریدے کہ جن میں سے ہر ایک دار ہزار درہم قیمت کا ہے پھر ان میں سے ایک کے پہلو میں ایک دار فروخت کیا گیا تو مضارب کو اس میں شفعہ حاصل نہ ہوگا اور رب المال کو اس میں شفعہ ملے گا کیونکہ ہر دو دارین مضاربت میں سے ہر ایک مشغول ہے پس مشفوعہ کو مضارب نہیں لے سکتا ہے اور یہ اس واسطے کہ دور کی (گھروں کی) تقسیم بقسمت واحدہ نہیں ہوتی ہے بوجہ اس کے کہ دور میں منفعت کی راہ سے تفاوت ہوتا ہے پس ہر ایک کا اعتبار علی الانفراد ہوتا ہے اگر دونوں میں سے کسی میں نفع شامل ہو تو مضارب کو رب المال کے ساتھ بقدر حصہ نفع کے شفعہ حاصل ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ ایک مضارب کے پاس مال مضاربت کے دو ہزار درہم ہیں پس اس نے ایک ہزار درہم سے ایک دار خریدا پھر باقی ہزار درہم سے دوسرا دار خریدا جس کا وہ دار مضاربت کی وجہ سے اور اپنے خاص دار کی وجہ سے شفیع ہے اور رب المال بھی اپنے خاص دار کی وجہ سے اس کا شفیع ہے تو اس میں سے ایک تہائی رب المال کو شفعہ میں اور ایک تہائی مضارب کو شفعہ میں ملے گا اور باقی ایک تہائی مضاربت میں رہے گا اور اگر اس صورت میں کوئی اور شخص شفیع ہو تو ایک تہائی دار شفیع کو ملے گا اور باقی دو تہائی دار رب المال اور مضارب اور مضاربت[1] کے درمیان تین تہائی تقسیم ہوگا۔ یہ محیط سرخسی میں ہے۔

فتاویٰ عتابیہ میں لکھا ہے کہ اگر شفیع نے شفعہ طلب کیا پھر جس دار کی وجہ سے شفعہ طلب کرتا تھا اس کی نسبت کسی دوسرے کی ملک ہونے کا اقرار کر دیا تو مقرلہ کو شفعہ ملے گا۔ اسی طرح اگر اپنے ایک دار کے ذریعہ سے ایک دار جو اس کے پہلو میں فروخت کیا گیا شفعہ میں لیا پھر اس دار شفعہ کے پہلو میں دوسرا دار فروخت کیا گیا اس کو بھی شفعہ میں لیا پھر اس کے پہلو میں تیسرا بحکم قاضی شفعہ میں لیا پھر اس کا دار اوّل استحقاق میں لے لیا گیا تو جو دار اس نے پہلے شفعہ میں لیا ہے وہ مشتری کو واپس دے اور باقی دار اس لینے والے کے واسطے رہ جائے گا پھر اگر دونوں داروں میں سے ایک دار استحقاق میں لیا گیا تو شفعہ باطل ہو جائے گا لیکن اگر مستحق نے اجازت دے دی تو باطل نہ ہوگا اور اگر دونوں مشتریوں میں سے ایک مشتری بھی شفیع ہو تو دوسرے شفیع کو نصف دار دوسرے دار کی نصف قیمت میں شفعہ میں ملے گا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک شخص نے ایک دار کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کیا اور اس کو شفیع نے لیا پھر بائع مریض ہو گیا حالانکہ وہ شفیع کا مورث ہے اور اس نے مشتری کے ذمہ سے کچھ دام کم کر دیئے تو گھٹانا باطل ہوگا اور اگر مشتری نے دار مذکور کو اس وارث بائع کے ہاتھ بطور بیع تولیہ[2] یا بطور بیع مرابحہ فروخت کیا تو گھٹانا صحیح ہوگا اور اس کے مثل وارث کے ذمہ سے بھی گھٹایا جائے گا یہ کافی میں ہے۔ جس شخص (موکل) نے خریدنے کے واسطے حکم دیا ہے اس کی یا اس کے بیٹے کی گواہی درحالیکہ دار اپنے بائع کے قبضہ میں ہو تو قبول نہ ہوگی اور اگر مشتری کے قبضہ میں ہو تو بائع کے بیٹے کی گواہی قبول ہوگی اور اگر دو نے شفیع کے شفعہ دینے پر اور دو نے مشتری کے تسلیم کرنے پر گواہی دی تو دونوں گواہیاں ساقط ہو جائیں گی اور اگر شفیع نے خرید واقع ہونے کی گواہی دی پس اگر شفعہ طلب کر چکا ہے تو اس کی گواہی

---

[1] مضاربت یعنی رب المال و مضارب کو ذاتی ملکیت کے علاوہ ایک تہائی مشترک تجارت میں ہوگا۔

[2] بیع تولیہ جتنے کو خریدا اسی کے عوض دے دینا بیع مرابحہ خرید پر نفع لے کر دینا۔

باطل ہوگی اور اگر شفعہ دے دیا تو جائز ہے اور اگر کہا کہ میں نے خرید کی اجازت دی پھر طلب کیا تو جائز ہے۔ اگر کسی شخص نے اقرار کیا کہ میں نے یہ بیع فلاں شخص کے ہاتھ فروخت کی ہے مگر مشتری نے انکار کیا تو شفعہ ثابت ہوگا اور اگر مشتری غائب ہو تو شفیع نہیں لے سکتا ہے یہاں تک کہ مشتری حاضر ہو جائے اور اگر بائع نے بیع کا اقرار کیا مگر مشتری کو بیان نہ کیا تو شفعہ ثابت نہ ہوگا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر ذمی نے مسلمان کو طلب شفعہ کے واسطے وکیل کیا تو مسلمان وکیل پر ذمیوں کا اس طرح گواہی دینا کہ اس نے شفعہ دے دیا ہے مقبول نہ ہوگی کیونکہ یہ لوگ وکیل مذکور (مسلمان) پر اس سے ایک قول صادر ہونے کی گواہی دیتے ہیں اور وہ اس سے منکر ہے اور ذمیوں کی گواہی مسلمان پر حجت نہیں ہوتی ہے اور اگر کوئی ذمی ہی وکیل ہو اور شفیع نے یہ اجازت دے دی ہو کہ جو امر وکیل کرے وہ جائز ہے تو ان لوگوں کی گواہی قبول ہوگی اور شفعہ باطل ہوگا اس واسطے کہ اگر وکیل نے ایسا اقرار کیا تو جائز ہوگا کیونکہ موکل نے عام طور پر مطلقاً یہ اجازت دے دی ہے کہ جو کچھ وکیل کرے وہ جائز ہے ایسے ہی اس بات کی اگر اس پر اہل ذمہ نے گواہی دی تو بھی یہی حکم ہوگا کیونکہ اس بات کے اثبات کے واسطے کہ اس نے ایسی بات کہی ہے اہل ذمہ کی گواہی ذمی پر جائز ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر بائع نے کہا کہ میں نے اس کو یہ مبیع ہبہ کر دی ہے اور مشتری نے کہا کہ میں نے اس سے اس قدر داموں کو خریدی ہے تو بائع کا قول قبول ہوگا اور ہبہ سے رجوع کر سکتا ہے اور اگر شفیع نے حاضر ہو کر ثمن کے عوض لے لیا (بحکم قاضی) تو اس کو کچھ نہ ملے گا اور اگر مشتری کے اقرار پر لیا ہو پھر بائع نے آ کر بیع سے انکار کیا تو مبیع کو واپس لے سکتا ہے۔ یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

ایک مضارب نے دار خریدا اور رب المال اس کا شفیع ہے اس نے شفعہ دے دیا پھر مضارب نے اس کو فروخت کیا تو رب المال کو شفعہ حاصل نہ ہوگا کیونکہ مضارب نے اسی کے واسطے فروخت کیا ہے اور جس کے واسطے فروخت کیا جائے اس کو شفعہ نہیں ملتا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر قاضی نے وکیل کے واسطے شفعہ کا حکم دے دیا پھر مشتری نے اس کے واسطے دستاویز لکھ دینے سے انکار کیا تو قاضی اپنے حکم قضا کی ایک تحریر لکھ کر اس پر گواہیاں کرا دے گا۔ جیسے اس نے وکیل مذکور کے واسطے حکم دیا ہے اسی طرح اگر مشتری تسلیم[1] و انقیاد سے باز رہے تو بھی اپنے حکم قضا کی ایک تحریر اس کو لکھ دے گا تاکہ حجت رہے اور اس کے حق میں بہتر خیال کر کے اس پر گواہیاں کرا دے گا۔ جبکہ تمام خصومات میں قاضی اس ڈگری دار کو ایک سجل عنایت کرتا ہے جبکہ وہ درخواست کرے تاکہ اس کے پاس حجت رہے تو ایسا ہی قضاءً شفعہ میں اس کو یہ سجل عنایت کرے گا یہ مبسوط میں ہے۔ یتیمیہ میں لکھا ہے کہ شیخ علی بن احمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک زمین چند شریکوں میں مشترک ہے جن میں سے بعض غائب ہیں اور بعض حاضر ہیں اور غائب کا حصہ حاضر نے خریدا تو آیا شفیع جار کو اختیار ہے کہ شریک غائب کی غیبت میں اس کو شفعہ میں لے لے تو فرمایا کہ ہاں اور اگر شریک غائب حاضر ہوا تو بنسبت جار کے زیادہ حقدار و مقدم[2] ہوگا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر دو شخصوں نے ایک شخص کو ایک دار بشرط عوض ہزار درہم کے ہبہ کر دیا اور ہزار درہم دونوں نے بانٹے ہوئے اس سے لے لئے اور دار مذکور اس کے قبضہ میں دے دیا تو شفیع کو اس میں شفعہ ملے گا کیونکہ دار میں شیوع نہیں بلکہ تملک واحد ہے اور ہزار درہم میں شیوع نہیں ہے کیونکہ جب ہر ایک نے قبضہ کیا تو اپنے حصہ مقسومہ پر قبضہ کیا ہے اور اگر ہزار درہم مذکور غیر مقسومہ ہوں تو امام اعظمؒ کے قول میں جائز نہ ہوگا جو چیز محتمل قسمت ہے اس میں شیوع ہونا صحت[3] تعویض کا مانع ہے جیسا کہ صحت ہبہ کا مانع ہے اور ہزار درہم اس صورت میں محتمل قسمت ہیں یہ مبسوط میں ہے۔

---

[1] تسلیم و انقیاد حکم حاکم ماننا اور اس کی تعمیل کے واسطے مطیع ہونا۔
[2] مقدم یعنی چاہے جار سے لے لے۔
[3] صحت تعویض بدون بٹوارہ کے معاوضہ ہونا صحیح نہ ہوگا۔

کتاب القسمة

اس میں تیرہ ابواب ہیں

باب اوّل:

قسمت کی ماہیت، سبب، رکن، شرط وحکم کے بیان میں

واضح ہو کہ بعض حصوں کو بعض سے مفرز[1] و ممیز کرنے کو قسمت کہتے ہیں اور یہ قسمت معنی مبادلہ[2] سے کبھی جدا نہیں ہوتی ہے لیکن مکیلات وموزونات وعددیات متقارب(1) یعنی زوات الامثال[3] میں افراز و تمیز کے معنی اظہر وارجح ہوتے ہیں کیونکہ دو شریکوں میں سے جو کچھ ایک شریک دوسرے سے لیتا ہے وہ مثل اس کے ہوتا ہے جو دوسرے کے پاس چھوڑ دیتا ہے پس اس کا اپنے حق کے مثل وصول پانا مانند عین حق کے وصول پانے کے قرار دیا گیا اسی واسطے دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہوتا ہے کہ اپنا حصہ بغیر شریک کی رضامندی کے لے لے اور دونوں میں سے جو شخص سرتابی کرے وہ تقسیم کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور جو چیزیں غیر مثلی ہیں ان میں مبادلہ کے معنی ارجح و اظہر ہوتے ہیں پس حقیقۃً وحکماً مبادلہ ہوتی ہے اسی وجہ سے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کو ثمن اوّل پر مرابحہ سے فروخت کرے حالانکہ مثلی چیزوں میں یہ جائز ہے لیکن شریکوں میں سے جو شخص اس قسمت سے انکار کرے اس پر بھی جبر کیا جائے گا کیونکہ اس قسمت میں منفعت کی تکمیل ہے اور مبادلہ پر بوجہ ایسے حق کے جس کا غیر مستحق ہے اور وہ اپنے حق مذکور کو بدون اس کے نہیں پا سکتا ہے جبر کرنا جائز ہے جیسا کہ مشتری پر دار مشفوعہ شفیع کو دینے کے واسطے جبر کیا جاتا ہے اگرچہ یہ تسلیم معاوضہ ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اس قسمت کا سبب یہ ہے کہ سب شریک یا بعضے شریک اپنی ملک سے بطور خاص انتفاع حاصل کرنے کی درخواست کریں یہ تبیین میں ہے۔ رکن قسمت وہ فعل ہے جس سے دو حصوں میں افراز و تمیز حاصل ہو جیسے کیلی چیزوں میں کیل اور وزنیوں میں وزن اور مذروعات میں گز سے ناپنا اور عددیات میں گنتی کذا فی النہایہ۔ شرط قسمت یہ ہے کہ ایسی غیر مقسوم چیز ہو کہ قسمت سے اس کی منفعت تبدیل نہ ہو اور نہ فوت ہو جائے اس لئے کہ ٹکڑے کرنا تو اس غرض سے ہے کہ منفعت کی تکمیل[4] اور ثمرۂ ملک کی تتمیم ہو سو جہاں منفعت بدل گئی وہاں یہ فعل تفویت (ضائع ہونا) و تبدیل ہو گیا افراز و تقسیم نہ ہوا یہ محیط سرخسی میں ہے اور حکم قسمت یہ ہے کہ ہر ایک کا حصہ دوسرے شریک کے حصہ سے اس طرح ممیز و متعین ہو جائے کہ ہر ایک شریک کو دوسرے کے حصہ سے کچھ تعلق نہ رہے یہ تبیین میں ہے اموال مشترکہ میں دو طرح کی قسمت ہوتی ہے قسمت اعیان اور

---

[1] افراز جدا کرنا اور ممیز علیحدہ شناخت سے ممتاز کرنا۔ [2] مبادلہ یعنی جب مثلاً دو آدمیوں نے ایک مکان کے دو حصہ کئے تو جو حصہ جس نے لیا گویا دوسرے کے مقبوضہ کے مبادلہ کر لیا کیونکہ دونوں حصوں میں سے ہر ایک حصہ سے ہر شریک کا حق متعلق ہے تو اس کا فیصلہ یہی ہے کہ گویا مبادلہ کر کے خاص کر لیا۔

[3] زوات الامثال یعنی مثلی چیزیں تو یہاں ہر حصہ میں دوسرے حصہ سے فرق نہیں بلکہ مثال کو مبادلہ کے معنی سے جدا کرنا زیادہ راجح ہے۔

[4] تکمیل یعنی بٹوارہ سے یہی فائدہ تھا کہ اچھی طرح پورے طور سے ساجھی نفع اٹھادے۔

(1) اخروٹ وانڈے۔

قسمت منافع اس کو مہایات (۱) کہتے ہیں پھر اعیان کبھی غیر منقول ہوتے ہیں جیسے دور و عقار (جمع دار) اور کبھی منقول ہوتے ہیں جیسے عروض و حیوانات و حبوب از قسم مکیلات و موزونات وغیرہ اور کبھی قسمت تمام شریکوں کی رضامندی سے ہوتی ہے اور کبھی بعض کی رضامندی سے ہوتی ہے اور یہ قاضی اور اس کے امین کے رائے پر ہے کذا فی الینابیع۔

باب دوم:

کیفیت قسمت کے بیان میں

ایک سفل دو آدمیوں میں مشترک ہے اور اس کا علوان (۲) دونوں کے سوائے دوسرے کا ہے یا علو دو آدمیوں میں مشترک اور اس کا سفل ان دونوں کے سوائے دوسرے کا ہے اور اس کی تقسیم کا ارادہ کیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر مساحت سفل کے پچاس گز کے مقابلہ میں سو گز علو کی مساحت قرار دی جائے گی اور امام ابو یوسفؒ کے قول پر ایک گز کے مقابلہ میں ایک ہی گز رکھا جائے گا اور اگر دو آدمیوں میں ایک بیت کامل یعنی سفل مع علو کے مشترک ہو اور ایک سفل بدوں اس کے علو کے مشترک ہو مثلاً علو کسی غیر کا ہو یا ایک علو بدوں اس کے سفل کے مشترک ہو تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو علو بدوں سفل کے مشترک ہے اس میں سے سو گز بمقابلہ بیت کامل کے تینتیس ۳۳ و تہائی گز کے قرار دیئے جائیں گے کیونکہ موافق صورت اوّل کے امام کے نزدیک علو مثل نصف سفل کے ہوتا ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بیت کامل کے پچاس گز بمقابلہ سو گز اس سفل کے جس کا علو مشترک نہیں ہے یا اس علو کے جس کا سفل مشترک نہیں ہے قرار دیئے جائیں گے کیونکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک علو و سفل دونوں برابر ہیں اور امام محمدؒ ان سب میں قیمت کے برابر ہونے کا اعتبار کرتے ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر شریکوں نے ایک دار کو باہم تقسیم کیا اور اس میں ایک پیخانہ ہے جس کا راستہ شارع عام کی طرف ہے یا ایک ظلہ ہے تو ان دونوں کے مساحت کے گز اس دار کی مساحت کے گزوں میں شامل نہ کئے جائیں گے اس واسطے کہ پیخانہ و ظلہ جب عام راستہ پر بنے ہوئے ہوں تو ان کے بنے رہنے کا استحقاق نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ چیزیں توڑ دیئے جانے کی مستحق ہیں اور جو چیز توڑ دیئے جانے کی مستحق ہو وہ مثل ٹوٹے ہوئے کے قرار دی جاتی ہے پس وہ دار مذکور کے گزوں میں حساب نہ کی جائے گی مگر جس کے تحت میں پڑے اس کے حق میں اس کی قیمت لگائی جائے گی۔ اگر ظلہ کسی کوچہ نافذہ میں واقع ہو تو دار کے گزوں میں اس کے گزوں کا حساب لگایا جائے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر ایک شخص مر گیا اور اس نے دو دار ترکہ چھوڑے اور اس کے دونوں وارثوں نے اس طرح تقسیم ترکہ کی درخواست کی کہ ہر ایک کو دونوں زمینوں اور دونوں داروں میں سے اس کا حصہ مل جائے تو تقسیم جائز ہے اور اگر دونوں وارثوں میں سے ایک نے یہ چاہا کہ میرا حصہ دونوں داروں یا دونوں زمینوں میں سے ایک زمین یا ایک دار میں جمع کر دیا جائے اور دوسرے نے انکار کیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قاضی ہر دار و ہر زمین کو علیحدہ تقسیم کر دے گا اور دونوں میں سے کسی کا حصہ ایک دار یا ایک زمین میں جمع نہ کرے گا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ یہ قاضی کی رائے پر ہے اگر اس کی رائے میں آئے تو جمع کر دے ورنہ نہیں۔ اگر داروں میں سے ہر ایک دار ایک ایک شہر میں واقع ہو تو اس کا حکم کتاب میں مذکور نہیں ہے اور مشائخ نے فرمایا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ایک کا حصہ ایک دار میں جمع نہ کرے گا خواہ دونوں دار ایک ہی شہر میں ہوں یا دو شہروں میں ہوں خواہ متصل واقع ہوں یا منفصل واقع ہوں اور ہلال رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ اگر دو شہروں میں واقع ہوں تو جمع نہ کرے گا اور دور (۳) مختلفہ بمنزلہ مختلف

(۱) باری باندھنا۔ (۲) بالاخانہ۔ (۳) جمع دار۔

جنسوں کے ہیں۔ اگر دو بیت دو شخصوں میں مشترک ہوں تو قاضی کو اختیار ہے چاہے دونوں میں سے ایک کا حصہ ایک بیت میں جمع کر دے خواہ دونوں بیت متصل ہوں یا منفصل ہوں اور اگر دو منزل دو آدمیوں میں مشترک ہوں پس اگر دونوں منفصل واقع ہوں تو مثل دو داروں کے ہیں کہ ایک کا حصہ ایک منزل میں جمع نہ کرے گا بلکہ ہر منزل کو علیحدہ تقسیم کر دے گا اور اگر دونوں متصل واقع ہوں تو مثل دو بیت کے ہیں قاضی کو اختیار ہے کہ ایک کا حصہ ایک منزل میں جمع کر دے اور یہ سب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ صاحبین نے فرمایا کہ دار و بیت یکساں ہیں اس میں قاضی کی رائے ہے[1] یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر کوئی دار و کھیت ہو یا دار و حانوت ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کو علیحدہ تقسیم کرے گا کیونکہ جنس مختلف ہے یہ ہدایہ میں ہے۔ اگر ترکہ میں ایک دار و حانوت ہو اور سب وارث بالغ ہوں اور باہم اس بات پر راضی ہوئے کہ یہ دار و حانوت ایک وارث کو اس کے پورے حصہ ترکہ کے بدلے دے دیں تو جائز ہے کیونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک کا حصہ جمع نہ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ بطور جبر کے قاضی جمع نہیں کر سکتا ہے لیکن اگر وارث لوگ باہم اس بات پر رضامند ہو جائیں تو یہ جائز ہے اور اگر ترکہ میں سے ایک وارث کے پورے حصے کے بدلے دوسرے وارث نے بدوں باقیوں کی رضامندی کے اس کو ایک دار دے دیا تو جائز نہیں ہے یعنی باقیوں کے حق میں اس کا نفاذ نہ ہوگا مگر اس صورت میں وہ لوگ اجازت دے دیں اور بدوں اجازت کے ان لوگوں کو یہ اختیار رہے گا کہ دار مذکور اس سے واپس کر لیں اور اس کو تقسیم میں شامل کریں اور یہ تو ظاہر ہے مگر اشکال یہ ہے کہ جس وارث نے یہ دار دیا تھا وہ باقیوں کے واپس کرنے کے بعد اس میں سے اپنا حصہ لے گا یا نہیں سو بعض مشائخ نے فرمایا کہ نہیں لے گا یہ محیط میں ہے۔ ایک دار چند لوگوں میں مشترک ہے انہوں نے اس کی تقسیم چاہی اور دار کے ایک جانب عمارت زیادہ ہے پس ایک شریک نے چاہا کہ اس زیادتی کا عوض دراہم ہوں اور دوسرے نے چاہا کہ اس کے عوض میں زمین ہو تو زمین میں سے اس کا عوض قرار دیا جائے گا اور جس کے حصہ میں وہ عمارت پڑی ہے اس کو یہ تکلیف نہ دی جائے گی کہ بمقابلہ عمارت کے درہم دے الا اس صورت میں کہ یہ متعذر ہو تو قاضی کو اختیار ہوگا کہ اس کا عوض درہم قرار دے اور اگر زمین و عمارت ہو تو امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو باعتبار قیمت کے تقسیم کرے گا اور امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ زمین کو بمساحت تقسیم کرے پھر جس کے حصہ میں عمارت پڑے یا جس کا حصہ بہ نسبت غیر کے جید ہو وہ دوسرے کو درہم دے دے تاکہ دونوں میں مساوات ہو جائے پس یہ دراہم بضرورت تقسیم میں داخل ہوں گے اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ جس کے حصہ میں عمارت پڑے وہ میدان صحن میں جس قدر عمارت کے مقابلے میں مساوات رکھتا ہو اس قدر شریک کو دے دے اور اگر پھر بھی زیادتی رہ گئی اور مساوات تحقیق متعذر رہوئی مثلاً میدان صحن میں اس قدر نہیں ہے کہ قیمت عمارت کو وفا کرتا ہو تو اس حال میں زیادتی کے مقابلے میں درہم دے دے یہ کافی میں ہے۔ اگر شریکوں نے طریق (راستہ) کی بابت اختلاف کیا بعض نے کہا کہ یہ طریق قسمت سے الگ کر دیا جائے اور بعض نے کہا کہ الگ نہ کیا جائے تو قاضی دیکھے گا کہ اگر ہر ایک اپنے حصہ کے واسطے راستہ نکال سکتا ہے تو طریق مذکور کو تقسیم کر دے گا الگ نہ کرے گا کہ ان کے درمیان مشترک رہے اور اگر ہر ایک اپنے حصہ کے واسطے نکال سکے تو قاضی بقدر طریق کے تقسیم نہ کرے گا کیونکہ صورت اوّل میں اس تقسیم سے ان کی کوئی منفعت فوت نہیں ہوتی ہے بخلاف صورت ثانیہ کے کہ اس میں ایسا نہیں ہے اور ہمارے مشائخؒ نے فرمایا کہ اس قول سے کہ اپنے حصہ کے واسطے راستہ نکال سکتا ہے ایسا راستہ مراد لیا ہے کہ جس میں آدمی گذر جائے نہ ایسا راستہ جس میں جانور مع بوجھ گذر جائے اور اگر ایسا نکل سکتا ہو کہ جس میں ایک آدمی نہ گذر سکے تو یہ اصلاً راستہ نہیں ہے

(۱) جو کچھ اس کی رائے میں مصلحت ہو کرے۔

اور اگر شریکوں نے تقسیم دار میں سے راستہ کی فراخی و تنگی میں اختلاف کیا تو بعضے مشائخ نے فرمایا کہ راستہ کی چوڑائی باب[1] اعظم سے کچھ زیادہ رکھے اور طول او نچائی میں آسمان تک رکھے نہ بقدر طول باب اعظم کے اور بعضوں نے فرمایا کہ اس کی چوڑائی بقدر باب اعظم کی چوڑائی کے اور طول اعلیٰ بقدر بلندی باب اعظم (۱) کے رکھے کیونکہ اتنی مقدار سے وہ لوگ جس طرح قبل قسمت کے انتفاع حاصل کرتے تھے اب بھی حاصل کر سکتے ہیں اور طول باب اعظم سے زیادہ اونچائی کی تقسیم کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی شریک نے اپنے حصہ میں جناح (چھجہ) نکالنا چاہا پس اگر وہ دروازہ کی اونچائی سے اوپر ہو تو نکال سکتا ہے اور اگر نیچے ہو تو اس سے منع کیا جائے گا اور اگر زمین ہو تو اس میں سے اس قدر راستہ کے واسطے چھوڑ دے گا کہ دو بیل گذر جائیں اور طریق کی مقدار اس قدر نہ رکھے گا کہ ساتھ ہی دو بیل اس میں سے گزر جائیں اگر چہ اس کی جانب احتیاج ہے کیونکہ جیسے اس کی جانب احتیاج ہے ویسے ہی بیل مع گاڑی گزرنے کی جانب احتیاج ہے پس اس کا لحاظ غیر متناہی کی طرف مودی ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔

اگر اہل طریق میں سے ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ یہ راستہ میرا ہے پس اگر اس کا اصل حال معلوم نہ ہو جائے تو طریق مذکور سب میں برابر شریک قرار دیا جائے گا کیونکہ طریق مذکور پر ان کا قبضہ و استعمال برابر ہے اور یہ نہ کیا جائے گا کہ جس قدر مساحت دار و منزل ہر ایک کے قبضہ میں ہے اس کے حساب سے ان کو راستہ میں حصہ دیا جائے کیونکہ جس کے پاس چھوٹی منزل ہے اور جس کے پاس بڑا دار ہے دونوں کی حاجت راستہ کے حق میں یکساں ہے۔ اس کا حکم شرب (پانی کا حصہ) کے برخلاف ہے کیونکہ اگر شرب میں شریکوں نے اختلاف کیا تو یہ شرب ان شریکوں میں ان کی زمینوں کی مقدار کے حساب سے قرار دیا جاتا ہے۔ اگر طریق کا اصل حال معلوم ہو جائے کہ ان کے درمیان کیونکر مشترک ہے تو اسی اصل کے موافق ان میں مشترک قرار دیا جائے گا پس اگر دار ایک شخص کا اور اس میں راستہ دوسرے کا بھی ہے پھر دار مالک مر گیا اور اس کے وارثوں نے دار مذکور باہم تقسیم کر لیا مگر راستہ اپنے اور راستہ والے کے واسطے تقسیم سے الگ کر دیا پھر انہوں نے راستہ کو فروخت کیا اور اس کا ثمن تقسیم کرنا چاہا تو نصف ثمن راستہ والے کو دار نصف ان وارثوں کو ملے گا اور اگر اصل حال معلوم نہ ہوا کہ یہ دار ان لوگوں میں میراث تقسیم ہوا ہے اور ان لوگوں نے اس سے انکار کیا تو ثمن مذکور ان لوگوں اور راستہ والے کے درمیان گنتی[2] کے حساب سے تقسیم ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر اعداد ہر وجہ سے جنس واحد ہوں یعنے ان اعداد میں از راہ اسم و معنی دونوں طرح سے مجانست ثابت ہو جیسا کہ غنم (بکریاں) یا بقر (گائے) یا کیلی و وزنی چیزیں یا کپڑے تو ایسے اعداد کو قاضی بعضے شریکوں کی درخواست پر بطور قسمت جمع تقسیم کرے گا اور جو اجناس ہر وجہ سے مختلف ہوں ان میں بعض شریکوں کی درخواست پر قاضی اعداد کو بطور قسمت جمع تقسیم نہ کرے گا اور اگر از راہ حقیقت جنس واحد ہوں اور بحسب المعنی اجناس مختلفہ ہوں جیسے رقیق[3] پس اگر ان کے ساتھ ایسی چیز ہو جو بطور قسمت جمع ہو سکتی ہو تو قاضی بالاخلاف سب کو بطور قسمت جمع تقسیم کر دے گا۔ اس شے کو قسمت میں اصل ٹھہرائے گا اور رقیق کو اس کے تابع قرار دے گا اور یہ جائز ہے کہ ایک بات دوسرے کی تبعیت میں ثابت ہو اگر چہ بالذات و مقصوداً ثابت نہ ہو اور اگر ان کے ساتھ کوئی ایسی چیز جو بطور قسمت جمع تقسیم ہو سکے نہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ قاضی بطور قسمت جمع تقسیم نہ کرے گا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ قاضی کو اختیار ہے کہ بطور قسمت جمع تقسیم کر دے ایسا ہی اصل میں مذکور ہے۔ اگر دو شریکوں میں گیہوں مشترک ہوں یا دراہم یا کپڑے ہوں مگر یہ ایک ہی جنس ہو پھر ایک نے اپنا حصہ ممیز جدا کر لیا تو جائز ہے یہ سراجیہ میں ہے۔ قاسم کو چاہئے کہ جس کو تقسیم کرتا ہے اس کو ایک کاغذ پر تحریر کرتا جائے تا کہ یاد داشت ہو سکے اور تقسیم میں جس قدر حصہ ہوں سب کو برابر کر دے اور تقسیم سے ایک کو دوسرے سے جدا کر دے

---

[1] بڑا دروازہ پھاٹک۔ [2] پانچ وارث ہیں اور چھٹا راستہ والا ہے تو چھ حصہ کر کے ثمن چھ پر تقسیم کیا جائے گا۔ [3] باندیاں و غلام۔

(۱) باب اعظم کی بلندی سے زیادہ فضاء کو تقسیم کر دے یعنی وہ قسمت میں شامل کر دے۔

اور پیائش کر دے تا کہ اس کی مقدار معلوم ہو اور عمارت کی قیمت انداز ہ کر دے کیونکہ اکثر آخر حال میں اس کی ضرورت پڑتی ہے اور ہر حصہ کو اس کے راستہ وشرب کے ساتھ دوسرے سے علیحدہ کر دے تا کہ کسی کے حصہ کو دوسرے سے کچھ تعلق نہ رہے پس تمیز وافراز کے معنی پورے پورے مستحق ہو جائیں اور حصہ کا نام رکھے یعنی اوّل اور جو اس سے متصل ہے اس کا ثانی علیٰ ہذا القیاس ثالث وغیرہ پھر شریکوں کے نام لکھے اور قرعہ ڈالے سو جس کے نام اوّلاً قرعہ نکلے اس کو حصہ اوّل اور جس کے نام ثانیاً نکلے اس کو قسم ثانی دے اور اصل اس باب میں یہ ہے کہ حصوں میں سے جو سب سے کم ہے اس کو دیکھے چنانچہ اگر کمتر حصہ تہائی ہو تو تین حصوں پر تقسیم کرے اور اگر کمتر چھٹا حصہ ہو تو چھ حصوں میں بانٹ دے تا کہ تقسیم ممکن ہو اور اس کی شرح یہ ہے کہ ایک زمین ایک جماعت کے درمیان مشترک ہے ان میں سے ایک کے دس حصے ہیں اور دوسرے کے پانچ حصے ہیں اور تیسرے کا ایک حصہ ہے اور ان لوگوں نے اس کا تقسیم کرنا چاہا تو ان کے حصوں کی مقدار پر زمین مذکور تقسیم کی جائے گی یعنی دس اور پانچ اور ایک اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ ان کے سہام کے موافق برابر ہر طرح سے تسویہ کر کے زمین مذکور کے حصے کیے جائیں پھر ان کے سہام کی تعداد پر گولیاں بنا کر ان میں قرعہ ڈالا جائے سو جو گولی اولاً نکلے وہ سہام میں کسی طرف رکھی جائے اور وہی اوّل حصہ ہوگا پھر دیکھا جائے کہ اس گولی میں کس کا نام ہے پس اگر مثلاً دس حصوں والے کا نام نکلے تو قاضی اس کو یہ حصہ جس کے کنارے گولی رکھی گئی تھی اور اس کے متصل نو حصے اور دے دے گا تا کہ اس کے سب حصے باہم متصل ہوں پھر باقی حصہ داروں میں بھی اسی طرح قرعہ ڈالا جائے گا پھر جو گولی اولاً نکلی اس کو باقی چھ حصوں میں کسی جانب رکھے گا پھر گولی کو دیکھے گا کہ اس میں کس کا نام ہے پس اگر مثلاً پانچ حصے والے کا نام ہو تو قاضی اس کو یہ حصہ اور اس کے متصل اور چار حصے دے گا پھر ایک حصہ جو باقی رہ گیا وہ ایک حصہ کے شریک کو دے دے گا اور اگر گولی میں ایک حصے والے کا نام ہو تو جس حصے پر وہ گولی رکھی گئی ہے وہ حصہ ایک حصے والے کو دے دے گا اور باقی پانچ حصے اس پانچ حصہ والے شریک کے رہ جائیں گے اور گولی بنانے کی یہ صورت ہے کہ قاضی شریکوں کے نام علیحدہ علیحدہ پرچوں پر لکھے پھر ہر پرچہ کو علیحدہ کاٹ کر ایک مٹی کے لوندے میں رکھ کر اپنی ہتھیلی میں رکھ کر دونوں ہاتھوں سے گول کر دے تا کہ غلولہ☆ کی شکل ہو جائے اور واضح ہو کہ ہر حصہ کا اس کے راستہ وشرب کے ساتھ جدا کر دینا افضل ہے سو اگر قاضی نے ایسا نہ کیا یا ایسا ممکن نہ ہوا تو جائز ہے یہ کافی میں ہے۔

دو اشخاص نے باہمی مشترک بھوسے کو بذریعہ حبال کے تقسیم کیا تو جائز ہے ☆

ایک شخص مر گیا اور اس نے تین بیٹے اور پندرہ خم چھوڑے جن میں سے پانچ خم سرکہ سے پُر تھے اور پانچ خالی تھے اور پانچ خم آدھے آدھے سرکہ سے بھرے تھے اور سب برابر تھے پس بیٹوں نے یہ بات چاہی کہ ان مٹکوں کو بدوں اپنی جگہ سے علیحدہ کرنے کے باہم برابر تقسیم کریں تو مشائخ نے فرمایا کہ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک بیٹے کو دو مٹکے پورے بھرے ہوئے اور ایک مٹکا آدھا اور دو خالی دیئے جائیں اور دوسرے کو بھی اسی طرح دیئے جائیں اور تیسرے کو باقی پانچ مٹکے جن میں سے ایک پورا بھرا ہوا اور ایک خالی اور تین آدھے آدھے بھرے ہوئے ہیں دیئے جائیں تو اس طرح مساوات ہو سکتی ہے۔ دو آدمیوں میں پانچ روٹیاں مشترک تھیں اس طرح کہ ایک کی دو روٹیاں تھیں اور دوسرے کی تین روٹیاں تھیں پھر انہوں نے ایک شخص ثالث کو بلا لیا اور تینوں نے برابر روٹیاں کھائیں پھر تیسرے نے ان دونوں کو پانچ درہم دیئے اور کہا کہ میں نے جس قدر تم دونوں کی روٹیوں میں سے کھایا ہے اس حساب سے تم دونوں تقسیم کر لو تو فقیہ ابو اللیثؒ نے فرمایا کہ دو روٹیوں والے کو دو درہم اور تین روٹیوں والے کو تین درہم ملیں گے اس واسطے کہ ہر ایک نے ایک روٹی اور دو تہائی روٹی غیر مقسوم کھائی ہے اس میں سے دو تہائی روٹی تو دو روٹیوں

☆ غلولہ: بمانند گولی یا گیند جیسا بنا ڈالنا۔

والے کی اور ایک پوری روٹی تین روٹیوں والے کے حصہ میں سے ہے پس میں ہر تہائی کو ایک سہم قرار دیتا ہوں پس یہ ہوا کہ ہر ایک نے دو روٹیوں والے کے حصہ میں سے دو حصہ کھائے اور تین روٹیوں والے کے حصہ میں سے تین حصے کھائے پس کل پانچ حصے ہر ایک کی خوراک ہوئی پس تیسرے نے جو معاوضہ دیا ہے وہ بھی اسی حساب سے تقسیم ہو گا اور فقیہ ابو بکرؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک دو روٹیوں والے کو ایک درہم ملے گا اس واسطے کہ اس نے اپنی دو روٹیوں میں سے ایک روٹی پوری اور دو تہائی روٹی کھائی ہے اور تیسرے نے سوائے ایک تہائی روٹی کے کچھ نہیں کھایا ہے اور دونوں میں سے ہر ایک نے ایک روٹی پوری اور دو تہائی روٹی کھائی ہے پس تیسرے نے تین روٹیوں میں سے ایک روٹی پوری اور تہائی روٹی کھائی ہے پس تین روٹیوں والے کو پانچ درہم میں سے چار درہم ملنے چاہئیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ دو شخصوں نے باہمی مشترک بھوسے کو بذریعہ حبال (کھارا) کے تقسیم کیا تو جائز ہے کیونکہ اس میں تفاوت بہت قلیل ہوتا ہے یہ ظہیریہ میں ہے شیخ ابو جعفرؒ سے دریافت کیا گیا کہ سلطان نے ایک گاؤں والوں پر کچھ مال بطور ڈانڈ لازم کیا اور انہوں نے باہم اختلاف کیا بعض نے کہا کہ بقدر املاک ہم پر تقسیم ہو گا اور بعض نے کہا کہ نہیں بقدر رؤس یعنی تعداد کے تقسیم ہو گا تو شیخؒ نے فرمایا کہ اگر یہ ڈانڈ ان کی املاک کی حفاظت کی غرض سے ہو تو یہ ڈانڈ مقدار املاک کے حساب سے تقسیم ہو گی کیونکہ یہ ملک کی مؤنت[1] ہے پس ہر ایک پر بقدر اس کی ملک کے پڑے گی اور اگر یہ غرامت ان کی جان کی حفاظت کی غرض سے ہو تو عدد رؤس (۱) کے حساب سے تقسیم ہو گی مگر اس صورت میں عورتوں اور بچوں پر کچھ نہ ہو گا کیونکہ ان سے تعرض نہیں کیا جاتا ہے۔ یہ محیط میں ہے۔ اگر دو شریکوں نے اپنے مشترک انگوروں کو گیان (۲) یا ترازو و پیمانہ سے تقسیم کیا تو صحیح ہے۔ کذا فی الظہیریہ۔

باب سوم:

جس صورت میں تقسیم کی جائے گی اور جس صورت میں نہ کی جائے گی اور جو جائز ہے اور جو جائز نہیں ہے اُس کے بیان میں

ایک دار دو شخصوں کے درمیان مشترک ہے مگر ایک کا حصہ زیادہ ہے پس زیادہ حصہ والے نے تقسیم کی درخواست کی اور دوسرے نے انکار کیا تو قاضی بالاتفاق تقسیم کر دے گا اور اگر کم حصہ والے نے درخواست کی اور زیادہ حصہ والے نے انکار کیا تو بھی حکم یہی ہے اسی کو شیخ امام خواہر زادہ نے اختیار کیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اگر چھوٹا بیت اس طرح دو شخصوں میں مشترک ہو پس اگر کم حصہ والا بعد تقسیم کے اپنے حصے سے نفع نہ اٹھا سکے اور اسی حصہ دار (۳) نے تقسیم کی درخواست کی تو مشائخ نے فرمایا کہ قاضی تقسیم کر دے گا اور امام خصافؒ نے ذکر کیا کہ ایک دار دو شخصوں میں مشترک ہے اور ہر ایک کا حصہ ایسا ہے کہ بعد تقسیم ہو جانے کے وہ اپنے حصہ سے نفع نہیں اٹھا سکتا ہے مگر دونوں نے تقسیم کی درخواست کی تو قاضی تقسیم کر دے گا اور اگر ایک نے درخواست کی اور دوسرے نے انکار کیا تو قاضی تقسیم نہ کرے گا کیونکہ درخواست کرنے والا متعنت (۴) ہے اور اگر تقسیم کا ضرر فقط ایک کو پہنچا ہو بایں طور کہ ایک کا حصہ زیادہ ہو کہ بعد تقسیم ہو جانے کے بھی وہ اپنے حصہ سے نفع حاصل کر سکتا ہے پس زیادہ کے حصہ دار نے تقسیم کی درخواست کی اور دوسرے نے انکار کیا تو قاضی تقسیم کر دے گا اور اگر کم کے حصہ دار نے درخواست کی تو تقسیم نہ کرے گا اور شیخ جصاصؒ نے اس کے برعکس نقل کیا ہے کذا فی فتاویٰ قاضی خان اور اصح وہی ہے جو خصافؒ نے ذکر کیا ہے یہ تبیین میں ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر ایک طریق چند آدمیوں کی شرکت

---

[1] مؤنت بمعنی خرچ ہے گویا اس نے ان املاک کی حفاظت کے لیے یہ بار ڈالا تو بطور خراج ہو گیا غرامت بمعنی تاوان ہے

[2] گیان یہ لفظ اصل میں فارسی گیان ہے اور بہت بڑی ترازو ہوتی تھی جیسے آج کل ریل وغیرہ پر بوجھ تولنے کی ہوتی ہے

(۱) جتنے آدمی ہیں۔ (۲) ایک پلہ کی ترازو۔ (۳) کم کے حصہ دار نے۔ (۴) سرکش دشمن۔

میں ہو کہ اگر اس کو باہم تقسیم کر لیں تو بعض کے واسطے کچھ راہ و منفذ (نکاس) نہیں رہتا ہے پس بعضوں نے اس کے تقسیم کی درخواست کی اور دوسروں نے انکار کیا تو میں ان تقسیم نہیں کروں گا اور اگر ہر ایک کے واسطے کچھ راہ و منفذ رہتا ہو تو میں ان میں تقسیم کر دوں گا اور ہمارے بعضے مشائخ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ ایسی صورت پر محمول ہے کہ طریق مذکور ان میں برابر شریک ہو کہ اگر ان میں تقسیم کیا جائے تو کسی کے واسطے راہ و منفذ نہیں رہتا ہے اور اگر یہ راستہ ان میں اس طرح مشترک نہ ہو بلکہ کسی کا زیادہ حصہ ہو اور کسی کا کم ہو کہ اگر تقسیم کر دیا جائے تو کم کے حصہ دار کے واسطے راہ و منفذ نہ رہے اور زیادہ کے حصہ دار کے واسطے راہ و منفذ رہے تو جیسا مسئلہ بیت میں زیادہ کے حصہ دار کی درخواست پر تقسیم کر دیتا ہے اسی طرح اس مسئلہ میں بھی زیادہ کے حصہ دار کی درخواست پر قاضی راستہ کو تقسیم کر دے گا اور بعضے مشائخ نے فرمایا کہ مسئلہ بیت کے برخلاف[1] مسئلہ طریق میں دونوں حالتوں میں سے کسی حال میں تقسیم نہ کرے گا یہ محیط میں ہے۔ اگر مسیل الماء[(1)] دو شخصوں میں مشترک ہو اور ایک نے اس کے تقسیم کی درخواست کی اور دوسرے نے انکار کیا پس اگر اس میں سوائے اس موری کے کوئی دوسری جگہ ایسی ہو کہ جس سے انکار کرنے والے کا پانی نکل جا سکتا ہو تو میں تقسیم کر دوں گا اور اگر کوئی دوسری جگہ بدون ضرر کے ایسی نہ نکلے تو تقسیم نہ کروں گا اور یہ طریق یکساں ہے یہ مبسوط میں ہے۔ دو آدمیوں کا مشترک بیت منہدم ہو گیا پس ایک نے زمین کے تقسیم کی درخواست کی تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ دونوں میں تقسیم کر دی جائے گی اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ نہ کی جائے گی اور اگر دونوں میں سے ایک نے چاہا کہ جیسی عمارت بنی تھی ویسی ہی بنا دے اور دوسرے نے شرکت سے انکار کیا تو نوادر بن رستم میں مذکور ہے کہ منکر پر بنانے کے واسطے جبر نہ کیا جائے گا لیکن اگر اس پر دونوں کی دھنیاں ہوں تو بنانے کے واسطے مجبور کیا جائے گا اور اگر انکار کرنے والا تنگدست ہو تو اس کے شریک سے کہا جائے گا کہ تو خود بنا لے اور شریک کو اس پر دھنیاں رکھنے سے منع کرے یہاں تک کہ تیرا خرچہ تجھے دے دے یہ حاوی میں ہے اور قاضی حمام و دیوار و اس کے مشابہ چیزوں کو شریکوں میں تقسیم نہ کرے گا اور اگر سب شریک اس بات پر راضی ہو ہوئے تو تقسیم کر دے کیونکہ ضرر اٹھانے پر وہ لوگ خود راضی ہو گئے ہیں اور ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا کہ یہ حکم حمام میں ہے کہ ہر واحد بعد تقسیم کے حمام سے دوسری طرح نفع اٹھا سکتا ہے مثلاً اپنے حصہ کا بیت بنانے اور بسا اوقات ہر ایک کا یہی مقصود ہوتا ہے اور رہا دیوار کے حق میں پس اگر وہ لوگ تقسیم پر اس غرض سے راضی ہوئے کہ بدوں دیوار گرائے ہر ایک اپنے حصے سے نفع اٹھائے تو بھی یہی حکم ہے اور اگر وہ لوگ اس طرح راضی ہوئے کہ دیوار گرا کر اس کی نیو باہم تقسیم کریں تو قاضی ایسا فعل خود نہ کرے گا لیکن اگر ان لوگوں نے باہم ایسا فعل کر لیا تو ان کو اس فعل سے منع نہ کرے گا اگر کسی شخص کی زمین میں اس کی اجازت سے دو آدمیوں نے مشترک عمارت بنائی پھر دونوں نے اس عمارت کی تقسیم کا قصد کیا اور مالک زمین غائب ہے تو باہمی رضامندی سے دونوں ایسا کر سکتے ہیں اور اگر دونوں میں سے ایک نے انکار کیا تو اس پر جبر نہ کیا جائے گا اور اگر عمارت منہدم کرنے کا قصد کیا تو اس طرح تقسیم میں اتلاف ملک ہے اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قاضی ایسی تقسیم خود نہ کرے گا لیکن اگر انہوں نے خود ایسا کر لیا تو قاضی ان کو منع نہ کرے گا اور اگر مالک زمین نے دونوں کو اپنی زمین سے نکال دیا تو دونوں اپنی عمارت گرا لیں گے پھر منقوضہ (ٹوٹن) محتمل قسمت ہے تو قاضی بعض شریک کی درخواست کے موافق اس کو تقسیم کر دے گا یہ مبسوط میں ہے۔

---

[1] قولہ برخلاف اور یہی قول ارجح ہے اس واسطے کہ راستہ کی صورت میں تقسیم سے منفعت باطل ہونے کے علاوہ مضرت شدید ہے اور ایسی صورت میں زیادہ حصہ والا محتمت ہے پس اس کا حال مثل مسیل و دیوار کے ہے۔

(1) پانی کی موری۔

اصل میں امام محمدؒ نے فرمایا کہ بازار میں ایک دکان دو آدمیوں میں مشترک ہے کہ اس میں دونوں خرید و فروخت کرتے ہیں یا دستکاری کا کوئی کام کرتے ہیں پس ایک نے اس کی تقسیم کا قصد کیا اور دوسرے نے انکار کیا اور مالک زمین غائب ہے تو قاضی دیکھے گا کہ اگر تقسیم کر دی جائے تو ہر ایک اپنے حصہ میں وہی کام کر سکتا ہے جو قبل قسمت کے کرتا تھا یا نہیں پس اگر کر سکتا ہو تو تقسیم کر دے اور اگر نہ کر سکتا ہو تو تقسیم نہ کرے یہ محیط میں ہے۔ اگر غیر کی زمین میں ایک کھیتی چند وارثوں میں مشترک ہو اور انہوں نے اس کھیتی کی تقسیم کا ارادہ کیا پس اگر کھیتی پختگی پر پہنچ گئی ہو تو بدوں کٹے ہوئے ان کی رضامندی سے یا بغیر رضامندی کسی طرح میں اس کھیتی کو ان میں تقسیم نہ کروں گا کیونکہ گیہوں (۱) ربوی مال میں سے ہے پس مجازفۃ[۱] اس کی تقسیم نہیں جائز ہے ہاں پیمانہ سے جائز ہے سو بدون کٹنے کے پیمانہ سے تقسیم کرنا ممکن نہیں ہے اور اگر ہنوز وہ کھیتی ساگا ہو تو میں ان میں تقسیم نہ کروں گا لیکن اگر وہ لوگ ساگے میں یہ شرط کر لیں کہ جس قدر جس کے حصہ میں پڑے گا اس کو وہ اپنے حصہ کے مثل جائز سمجھے گا اور اس شرط پر باہم تقسیم کر لیں تو میں اس کی اجازت دوں گا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ایک کھیتی دو آدمیوں میں مشترک ہے پس دونوں نے اس کھیتی کو بدون زمین کے باہم تقسیم کرنا چاہا تو قاضی تقسیم نہ کرے گا کیونکہ جب کھیتی پختگی پر پہنچی یعنی اس میں بالیاں آ گئی ہوں تو وہ مال ربوی ہو گئی اور قسمت میں مبادلہ کے معنی ہمیشہ متحقق ہیں تو مجازفۃً جائز نہیں ہے اور جب تک وہ ساگا ہو تو جبھی[۲] قاضی تقسیم نہ کرے گا کہ جب تقسیم بشرط ترک ہو یعنی بعد تقسیم کے کھیت میں چھوڑ دیں گے اور اگر یہ شرط کی کہ ہم اکھاڑ لیں گے تو قاضی تقسیم کر سکتا ہے۔ یہ حکم دو روایتوں میں سے ایک کے موافق ہے اور دوسری روایت کے موافق قاضی کو تقسیم نہ کرنا چاہئے اگرچہ دونوں اس پر راضی ہو جائیں اور یہ حکم اس وقت ہے کہ دونوں نے قاضی سے تقسیم کی درخواست کی ہو اور اگر ایک نے درخواست کی اور دوسرے نے انکار کیا تو ہر حال میں قاضی تقسیم نہ کرے گا اور اگر دونوں نے کھیتی کو خود باہم تقسیم کر لیا پس اگر کھیتی پوری ہو کر بالیوں دار ہو گئی ہو تو اس کا حکم تو گزر چکا یعنی جب تک کاٹی نہ جائے تب تک مجازفۃً جائز نہیں ہے اور اگر یہ کھیتی ہنوز ساگا ہو پس اگر اس شرط سے باہم تقسیم کر لی کہ کھیت میں چھوڑ دیں گے تو جائز نہیں ہے اور اگر یہ شرط کی کہ بعد تقسیم کے اکھاڑ لیں گے تو سب روایتوں کے موافق جائز ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر دونوں کی مشترک زمین میں مشترک کھیتی ہو اور دونوں نے بدون زمین کے کھیتی کی تقسیم کی درخواست کی پس اگر کھیتی ہنوز ساگا ہو اور دونوں نے زمین مذکور میں اس کے چھوڑ رکھنے کی شرط کی یا ایک نے ایسی شرط کی تو قسمت جائز نہیں ہے اور اگر دونوں نے اس امر پر اتفاق کیا کہ اکھاڑ لیں گے تو تقسیم جائز ہے اور اگر کھیتی پوری ہو گئی اور دونوں نے کاٹ لینے کی شرط کی تو بالاتفاق تقسیم جائز ہے اور اگر دونوں نے یا ایک نے چھوڑ رکھنے کی شرط کی تو امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تقسیم نہیں جائز ہے اور امام محمدؒ کے قول میں جائز ہے اور اسی طرح اگر طلع النخل (۲) دو آدمیوں میں مشترک ہو اور سوائے درخت خرما کے دونوں نے فقط کیریوں کی تقسیم چاہی پس اگر دونوں نے یا ایک نے درخت پر چھوڑ رکھنے کی شرط کی تو تقسیم جائز نہیں ہے اگر فی الحال توڑنے پر اتفاق کیا تو تقسیم جائز ہے اور اگر یہ پھل پورے ہو گئے ہوں اور دونوں نے درخت پر چھوڑ رکھنے کی شرط کی تو امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نہیں جائز ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر چالیس کر دو آدمیوں میں مشترک ہوں جس میں سے دس کھرے ہوں اور تیس ردی ہوں پس ایک نے دس کر کھرے لے لئے اور دوسرے نے تیس ردی لے لئے اور قیمت میں یہ دس ان تیس کے برابر ہیں تو یہ جائز نہیں یہ شرح طحاوی میں ہے۔ اگر ایک زنبیل خرما یا غم سرکہ دونوں میں مشترک ہو اور ایک نے اس کی تقسیم کی

---

[۱] مجازفۃ کوت و اٹکل سے۔ [۲] جبھی ساگا ہونے کی حالت میں سودی مال نہیں لہٰذا تقسیم کرنا چاہیے لیکن ایک صورت میں اب بھی بٹوارہ نہ کرے گا وہ صورت یہ کہ انھوں نے یہ شرط لگائی کہ اپنا اپنا حصہ زمین میں لگا چھوڑیں گے۔ [۳] ہر ایک قیمت معلوم ہونا دشوار اکثر لوگ نہیں پہچانتے ہیں۔

(۱) اس میں سود جاری ہوتا ہے۔ (۲) خرما کی گریاں۔

درخواست کی تو میں اس کو دونوں میں تقسیم کر دوں گا کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جس کا پیمانہ و وزن ہو سکتا ہے اور تقسیم اس میں یہ ہے کہ محض جدا کر کے ممیز کر دیا جائے اور ہر ایک شریک خود ایسا کر سکتا ہے تو قاضی بھی بعض شریکوں کی درخواست پر ایسا کر سکے گا یہ مبسوط میں ہے۔ لکڑی اور دروازہ اور چکی اور چوپایہ اور موتی بدون دونوں کی رضامندی کے تقسیم نہ کیا جائے گا اور تجریدیہ میں لکھا ہے کہ اسی طرح قصب اور جو چیز چیرنے اور توڑنے سے تقسیم ہو اور اس میں ضرر ہو یہی حکم رکھتی ہے اسی طرح ایک لکڑی کا بھی یہی حکم ہے بشرطیکہ اس کے قطع کرنے میں ضرر متصور ہو یہ خلاصہ میں ہے۔ جواہرات تقسیم نہ کئے جائیں گے کیونکہ ان کی جہالت[1] بہت بڑھی ہوئی ہے آیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ جواہرات بدون معین کرنے کے ایسی چیز کا جو مال نہیں ہے۔ عوض[2] نہیں ہو سکتے ہیں جیسے نکاح و خلع یہ تبیین میں ہے۔ مختصر خواہرزادہ میں لکھا ہے کہ کمان اور زین اور مصحف تقسیم نہ کیا جائے گا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

اگر اپنے غنم (بھیڑ) کی پیٹھ کے پشم کی دو آدمیوں کے واسطے وصیت کر دی پھر دونوں نے یہ پشم جھاڑنے سے پہلے اس کی تقسیم کا ارادہ کیا تو میں اس کی تقسیم نہ کروں گا اسی طرح تھنوں کے اندر دودھ کا حکم ہے کیونکہ یہ اموال ربوی ہیں اس لئے کہ کیلی ہیں یا وزنی ہیں کہ کیل و وزن ہی سے تقسیم ہو سکتی ہیں اور کیل و وزن سے تقسیم کرنا بدون پشم کاٹے ہوئے یا دودھ دوہے ہوئے ممکن نہیں ہے اور باندی کے پیٹ کا بچہ سو کسی حال میں شریکوں میں تقسیم نہیں ہو سکتا اسی طرح اگر دونوں نے باہمی رضامندی سے اس کو تقسیم کر لیا تو بھی جائز نہیں ہے یہ مبسوط کے باب ما لا تقسیم میں ہے۔ اگر ایک کپڑا دو آدمیوں میں مشترک ہو اور دونوں نے اس کو باہم تقسیم کیا اور باہمی رضامندی سے طول و عرض میں پھاڑ لیا تو یہ جائز ہے اور بعد تقسیم پوری ہونے کے کسی کو دونوں میں سے رجوع کرنے کا اختیار نہ ہوگا یہ مبسوط کے باب قسمۃ الحیوان والعروض میں ہے اگر سلا ہوا کپڑا دو آدمیوں میں مشترک ہو تو قاضی اس کو شریکوں میں تقسیم نہ کرے گا یہ فتاویٰ قاضی میں ہے اور بھی قاضی مختلف قیمت کے دو کپڑوں کو تقسیم نہ کرے گا کیونکہ تعدیل و مساوات بدون اس کے ممکن نہیں کہ گھٹی ہوئی قیمت کے کپڑے کے ساتھ درہم ملائے جائیں اور جبراً تقسیم میں درہموں کا داخل کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر دونوں اس پر راضی ہو جائیں تو قاضی تقسیم کر سکتا ہے یہ عینی شرح ہدایہ میں ہے۔ اگر شریکوں کے درمیان زطی کپڑا و ہروی کپڑا اور تکیہ و بچھونا مشترک ہو تو بدون[(1)] ان کی رضامندی کے قاضی تقسیم نہ کرے گا اور اگر تین کپڑے دو آدمیوں میں مشترک ہوں اور ایک نے تقسیم کی درخواست کی اور دوسرے نے انکار کیا تو میں دیکھوں گا کہ اگر بدون قطع ان کی تقسیم درست ہو سکتی ہے بایں طور کہ مثلاً دو کپڑوں کی قیمت تیسرے کے برابر ہو تو قاضی دونوں میں اس طرح تقسیم کر دے کہ ایک کو دو کپڑے دے دے اور دوسرے کو تیسرا دے دے اور اگر بدون قطع کرنے کے ٹھیک نہیں پڑتی ہے تو ان میں تقسیم نہ کرے گا لیکن اگر باہم کسی طریقہ پر راضی ہو جائیں تو تقسیم ہو سکتی ہے ایسا ہی کتاب میں مذکور ہے اور اصح یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اگر سب کی قیمت برابر ہو اور ڈیڑھ کپڑا ہر ایک کا حصہ ہو تو قاضی ایک ایک کپڑا دونوں میں تقسیم کر کے تیسرے کو مشترک چھوڑ دے اسی طرح اگر یوں تقسیم ٹھیک ہوتی ہو یہ ایک کا حصہ ایک کپڑا اور دو تہائی کپڑا اور دوسرے کا حصہ ایک کپڑا اور ایک تہائی کپڑا ہو یا ایک کا حصہ ایک کپڑا اور چوتھائی کپڑا اور دوسرے کا حصہ پونے دو کپڑے ہوں تو بھی دونوں کو ایک ایک کپڑا تقسیم کر کے تیسرا ان میں مشترک چھوڑ دے گا یہ نہایہ میں ہے۔ اگر کاریز[3] یا نہر یا کنواں یا چشمہ ہو کہ اس کے ساتھ زمین نہ ہو اور شریکوں نے تقسیم کی درخواست کی تو قاضی تقسیم نہ کرے گا اور اگر اس کے ساتھ ایسی زمین ہو کہ جس کا پانی اس کے سوائے اور کہیں سے نہ ہو تو یہ زمین تقسیم کر دی جائے گی اور یہ کنواں یا چشمہ یا کاریز اسی طرح شرکت میں چھوڑ دیا جائے گا کہ ہر ایک اس میں سے اپنے حصہ زمین کو سینچے

---

[1] ہر ایک قیمت معلوم ہونا دشوار اکثر لوگ نہیں پہچانتے ہیں۔ [2] عوض مثلاً نکاح میں موتی کو مہر ٹھہرایا پس اگر معین ہوتی پیش کیا تو جائز ہے اور اگر دین ہو تو نہیں جائز ہے کیونکہ دعا سے فرق میں قیمت کا فرق بہت ہو جاتا ہے۔ [3] پٹی ہوئی نالی اور قولہ زمین نہ ہو یعنی بغیر زمین کے خالی یہی چیزیں ہوں۔

(1) کسی طریقہ پر باہم راضی ہو جائیں۔

اور اگر دونوں میں سے ہر ایک کو یہ قدرت حاصل ہو کہ اپنی زمین کا پانی کہیں اور سے نکالے یا چند زمینیں اور متفرق نہریں اور کنویں ہوں تو یہ سب ان میں تقسیم کیے جائیں گے کیونکہ اس تقسیم میں ان میں سے کسی کے حق میں ضرر نہیں ہے۔ نہر و چشمہ وغیرہ کی تقسیم اس مقام پر زمین کے بائع ہے پس قسمت اس صورت میں بمنزلہ بیع کے ہے اور زمین کی بیع میں اس کا شرب یعنی سینچنے کا پانی بعاً داخل ہو جاتا ہے اگر چہ شرب کی بیع مقصوداً جائز نہیں ہے پس ایسی ہی تقسیم میں بھی یہی حکم ہے یہ مبسوط میں ہے۔

جو ظروف ایک ہی چیز واصل سے بنالئے گئے ہوں جیسے طاش و قمقمہ و طشت جو پیتل یا تانبے سے بنے ہوئے ہوں ایسے ظروف مثلاً ہ اجنس کے ساتھ ملائے گئے ہیں پس قاضی ان کو جبراً انہیں تقسیم کر سکتا ہے۔ یہ عتابیہ میں ہے۔ چاندی و سونے کے ٹکڑے اور جو اس کے مشابہ ہیں کہ ڈھالے ہوئے نہ ہوں جیسے لوہے و پیتل و تانبے کے ٹکڑے یہ سب تقسیم کیے جائیں گے اسی طرح اگر ایک بالا خانہ دو آدمیوں میں مشترک ہو اور ہر ایک کا حصہ اس قدر ہو کہ بعد تقسیم کے اس سے انتفاع حاصل کر سکتا ہے اور اس کا سفل کسی غیر کا ہو یا سفل ان دونوں میں مشترک ہو اور علو کسی غیر کا ہو تو یہ سب بعض شریکوں کی درخواست کے وقت تقسیم کیا جائے گا یہ مبسوط میں ہے۔ داروں کی تقسیم میں میدان احاطہ کا گزوں سے تقسیم کیا جائے گا اور عمارت باعتبار قیمت کے تقسیم کی جائے گی اور جائز ہے کہ بعض شریک کو بعض پر باعتبار زیادتی قیمت عمارت و موضع کے فضیلت حاصل ہو کیونکہ حصوں میں از راہ صورت و معنی کے تعدیل وہیں تک ہو سکتی ہے جہاں تک ممکن ہو اور جب از راہ صورت تعدیل ممکن نہ ہو تو از راہ معنی معتبر ہو گی پھر اس کی تین صورتیں ہیں۔ یا تو زمین (۱) کو باہم نصفا نصف تقسیم کرنا چاہا اور یہ شرط کی کہ عمارت جس کے حصہ میں پڑے وہ دوسرے کو عمارت کی نصف قیمت دے دے اور عمارت کی قیمت معلوم ہے۔ یا اسی (۲) طرح تقسیم کرنا چاہا مگر عمارت کی قیمت معلوم نہیں ہے یا زمین (۳) کو نصفا نصف تقسیم کرنا چاہا اور عمارت کی تقسیم نہ کی پس اگر صورت اوّل ہو تو جائز ہے اور اگر دوسری صورت متحقق ہو تو استحساناً جائز ہے قیاساً جائز نہیں ہے اور اگر تیسری صورت متحقق ہو تو تقسیم جائز ہے پھر عمارت جس کے حصہ میں پڑے وہ عمارت کی نصف قیمت دوسرے شریک کو دے کر اس کا مالک ہو جائے گا کذا فی محیط السرخسی۔
اسی طرح ہم نے کہا کہ اگر دو آدمیوں کی مشترک زمین جس میں درخت ہیں و زراعت ہے بدون درختوں و زراعت کے تقسیم کی گئی پھر درخت و زراعت دونوں میں سے ایک شریک کے حصے میں پڑے تو جس کے حصہ میں درخت و زراعت پڑی ہے وہ دوسرے شریک کو درختوں و زراعت کے حصہ کی قیمت ادا کر کے مالک ہو جائے گا یہ ذخیرہ میں ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ چند لوگ ایک زمین کے جس کے ایک ٹکڑے میں زراعت ہے بوجہ میراث کے مالک ہوئے پھر زمین مذکور ان لوگوں میں بدون زراعت کے اور بدون زراعت کی قیمت انداز کرنے کے تقسیم کی گئی تو وہ ٹکڑا جس میں کھیتی ہے جس کے حصہ میں آئے گا ہم اس سے زراعت کا مواخذہ کریں گے اور اگر اس نے کہا کہ میں قیمت دینے پر راضی نہیں ہوں اور مجھے اس تقسیم کی ضرورت نہیں ہے تو حاکم اس کو قیمت زراعت ادا کرنے پر مجبور کرے گا اور یہی حال دار کا ہے کہ اگر دار کو حاکم نے گزوں سے تقسیم کیا اور اس کی عمارت کی قیمت انداز نہ کر لی تو عمارت مذکور جس کے حصہ میں پڑے گی اس سے قیمت عمارت کا مواخذہ کیا جائے گا خواہ قیمت کی مقدار بیان ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو یہ وجیز کردری میں ہے۔
اگر شریک لوگ قاضی کے پاس حاضر ہوئے اور اس کے قبضہ میں ایک دار یا عقار ہے اور انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم نے فلاں شخص سے اس کو میراث پایا ہے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قاضی ان لوگوں میں اس کو تقسیم نہ کرے گا یہاں تک کہ یہ لوگ اس فلاں شخص کی موت اور تعداد وارثوں کے گواہ دیں۔ صاحبینؒ نے فرمایا کہ ان کے اقرار پر ان میں تقسیم کر دے اور صک میں تحریر کر دے کہ میں نے ان کے اقرار پر ان میں تقسیم کیا ہے اور اگر عقار کی نسبت ان لوگوں نے دعویٰ کیا کہ ہم نے اس کو خریدا ہے تو ان میں تقسیم کر دے گا اور اگر سوائے عقار کے کوئی مال مشترک ہو اور انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم نے اس کو میراث پایا ہے تو بالاتفاق سب کے نزدیک تقسیم کر دے گا اور اگر ان لوگوں نے دعویٰ کیا کہ یہ ہماری ملک ہے اور یہ بیان نہ کیا کہ کیونکر ان کی ملک میں منتقل ہوا ہے تو بھی ان میں تقسیم کر دے گا اور یہ کتاب

القسمة کی روایت ہے اور جامع صغیر میں لکھا ہے کہ دو شخصوں نے ایک زمین کا دعویٰ کیا اور اس امر کے گواہ دیئے کہ زمین مذکور ہمارے قبضہ میں ہے اور اس کی تقسیم کی درخواست کی تو قاضی دونوں میں تقسیم نہ کرے گا جب تک اس بات کے گواہ نہ دیں کہ یہ زمین ہماری ہے کیونکہ احتمال ہے کہ دوسرے کی ملک ہو اور ان کے قبضہ میں ہو پھر بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہ قول خاص امام اعظم کا ہے اور بعض نے فرمایا کہ یہ سب کا قول ہے اور یہی اصح ہے کیونکہ قسمت دو طرح پر ہوتی ہے ایک بحق الملک[1] جو تکمیل منفعت کی غرض سے ہے دوئم بحق قبضہ بغرض تتمیم حفاظت سو پہلی قسم یہاں ممتنع ہے کہ ملک ثابت نہیں ہے اور دوسری بھی ممتنع ہے کہ اس کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ زمین خود ہی محفوظ چیز ہے۔ اگر دو وارث حاضر ہوئے اور دونوں نے فلاں مورث کی موت اور تعداد وارثوں کے گواہ دیئے اور متروکہ ان کے قبضہ میں ہے مگر ان میں کوئی وارث غائب یا نابالغ ہے تو حاضرین کی درخواست پر قاضی ترکہ تقسیم کر دے گا اور غائب کا حصہ قبضہ کرنے کے واسطے کوئی وکیل یا نابالغ کا حصہ قبضہ کرنے کی غرض سے کوئی وصی مقرر کرے گا کیونکہ اس طرح مقرر کرنے میں غائب کے حق میں مصلحت ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی اصل میراث کے گواہ قائم کرنے ضروری ہیں بلکہ اولیٰ ہے۔ صاحبین کے نزدیک ان کے اقرار پر ان میں تقسیم کر دے گا اور غائب و نابالغ کا حصہ جدا کر لے گا اور گواہ کر دے گا کہ میں نے بالغ دو وارثان حاضرین کے اقرار پر تقسیم کر دیا ہے اور غائب یا نابالغ اپنی اپنی حجت پر ہے اور اگر شرکاء حاضرین مشتری[2] ہوں تو کسی شریک کے غائب ہونے کی صورت میں تقسیم نہ کرے گا اگر چہ وہ لوگ خرید کرنے کے گواہ قائم کریں یہاں تک کہ شریک غائب حاضر ہو اور پورا عقار ترکہ یا کسی قدر اس میں سے غائب وارث کے قبضہ میں ہو تو تقسیم نہ کرے گا اسی طرح اگر اس کے ودیعت رکھنے والے کے قبضہ میں ہو تو بھی تقسیم نہ کرے گا اسی طرح اگر کل نابالغ کے قبضہ میں ہو یا اس میں سے کسی قدر ہو تو بھی حاضرین کے اقرار پر تقسیم نہ کرے گا اور صحیح مذہب کے موافق اس صورت میں گواہ قائم کرنے یا نہ کرنے میں کچھ فرق نہیں ہے۔ اگر فقط ایک وارث حاضر ہوا تو قاضی تقسیم نہ کرے گا اگر چہ وہ گواہ قائم کرے کیونکہ اس کے ساتھ کوئی خصم نہیں ہے سو اگر یہ شخص اپنی طرف سے خصم ہوگا تو میت کی طرف سے کوئی خصم نہیں اور نہ غائب کی طرف سے کوئی خصم ہے اور اگر یہ شخص اپنی مورث میت اور غائب کی طرف سے خصم ہو تو اس کی طرف سے کوئی خصم نہیں۔ جس پر گواہ قائم ہوں اور اگر دو وارث ہوں مگر ایک صغیر ہو دوسرا بالغ ہو تو قاضی صغیر کی طرف سے ایک وصی مقرر کرے گا اور اگر گواہ[3] قائم ہو جائیں تو تقسیم کروں گا یہ کافی میں ہے۔

اگر ترکہ میں سے کسی قدر صغیر کی والدہ کے قبضہ میں ہو تو اس کا وہی حکم ہے جو غائب کے قبضہ میں ہونے کی صورت میں مذکور ہوا کہ قاضی تقسیم نہ کرے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ جاننا چاہئے کہ یہاں ایک مسئلہ ایسا ہے جس کا جاننا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ صغیر کی طرف سے قاضی کسی وصی کو جبھی مقرر کرے گا جب کہ صغیر حاضر ہو اور اگر غائب ہو تو اس کی طرف سے وصی مقرر نہ کرے گا بخلاف بالغ غائب کے کہ بنا بر قول امام ابو یوسفؒ کے قاضی بالغ کی طرف سے وصی مقرر کرے گا اور وصی مقرر کرنے میں صغیر حاضر و غائب میں فرق یہ ہے کہ صغیر جب حاضر ہوا تو جواب کی ضرورت سے قاضی اس کی طرف سے وصی مقرر کر دے گا کیونکہ صغیر کی حاضری میں اس پر دعویٰ صحیح ہو گیا مگر وہ جواب دہی سے عاجز ہے پس اس کی طرف سے وصی مقرر کیا جائے تا کہ اس کے خصم کو جواب دے اور اگر صغیر حاضر نہ ہو تو اس پر دعویٰ صحیح نہ ہوگا پس جواب دہی لازم نہ ہوگی تو وصی مقرر کرنے کی بھی ضرورت نہ ہوگی یہ نہایہ میں ہے۔ اگر ایک دار میراث ہو اور اس میں تہائی کی وصیت ہو اور بعضے وارث حاضر ہوں اور بعضے غائب ہوں تو موصی لہ بمنزلہ وارث کے شریک قرار دیا جائے گا پس اگر موصی لہ تنہا حاضر ہوا تو مثل تنہا ایک وارث کے حاضر ہونے کے اس صورت میں بھی قاضی موصی لہ کے گواہوں کی سماعت نہ کرے گا، ورنہ دار مذکور شریکوں میں تقسیم کرے گا اور اگر موصی لہ کے ساتھ کوئی وارث حاضر ہوا تو مثل دو وارثوں کے حاضر

---

[1] ایک اس کی یعنی اول یہ کہ مالکوں کو ملکیت حاصل ہے تو ہر ایک اپنی ملکیت سے پورا فائدہ لینا چاہتا ہے۔ دوم یہ کہ فقط قبضہ ہے تو ہر ایک چاہتا ہے کہ بٹوارہ سے حفاظتی قبضہ اچھی طرح حاصل ہو۔ [2] مشتری ہوں یعنی وارث نہ ہوئے ہوں۔ [3] گواہ لغ یہ شرط بظاہر قول ابو حنیفہؒ ہے اور صاحبین کے قول پر گواہ پر بھی یہی ہونا چاہیے۔

ہونے کی صورت کے اس صورت میں بھی قاضی ان کے گواہوں کی سماعت کرے گا اور دار مذکور کو شرکاء میں تقسیم کر دے گا یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر دو شریکوں نے مشترک راستہ تقسیم سے الگ کر دیا اور راستہ مذکور پر ظلّہ (چھجہ) ہے کہ ایک شخص کا راستہ اس کے اوپر سے ہے اور یہ شخص استطاعت رکھتا ہے کہ اپنا دوسرا راستہ نکال لے پس دوسرے شخص نے اس کو ظلہ کے اوپر سے گزرنے سے منع کیا تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ایک دار دو شخصوں میں مشترک ہو اور اس میں ایک صفہ ہو اور صفہ میں ایک بیت ہو اور اس بیت کا راستہ اس صفہ میں سے ہو اور کوٹھری کی چھت کا پانی صفہ کی چھت پر سے بہتا ہو پھر دونوں نے دار مذکور کو باہم تقسیم کیا اور ایک کے حصہ میں صفہ آیا اور دار کا کچھ صحن آیا اور دوسرے کے حصہ میں بیت اور دار کا کچھ صحن آیا اور دونوں نے تقسیم میں طریق اور پانی بہنے کی راہ کا کچھ ذکر نہیں کیا اور بیت والے نے چاہا کہ اپنے بیت میں بدستور سابق صفہ میں سے ہو کر جائے اور بیت کی چھت کا پرنالہ صفہ کی چھت پر بہادے پس اگر صاحب بیت ایسا کر سکتا ہو کہ اپنا راستہ اور پانی کا پرنالہ اپنے حصہ میں کسی جگہ نکالے تو تقسیم جائز ہے اور صاحب بیت کو یہ حق واختیار نہ ہوگا کہ صفہ میں ہو کر گزرے اور اپنا پرنالہ صفہ پر بہائے خواہ دونوں نے قسمت میں یہ ذکر کیا ہو کہ ہر واحد کے واسطے اس کا حصہ مع اس کے حقوق کے ہے یا ذکر نہ کیا ہو اور اگر صاحب بیت ایسا نہ کر سکے کہ اپنا راستہ اور پانی کا راستہ دوسری جگہ نکالے پس اگر دونوں نے تقسیم میں یہ ذکر کیا ہو کہ دونوں میں سے ہر ایک کے واسطے اس کا حصہ مع حقوق کے ہے تو راستہ و پانی کا پرنالہ تقسیم میں داخل ہو جائے گا اور قسمت جائز ہوگی اور اگر دونوں نے ایسا ذکر نہ کیا ہو تو راستہ و پانی بہنے کی راہ تقسیم میں داخل نہ ہوگی اور تقسیم فاسد ہوگی اس سب کو شیخ الاسلام نے شرح کتاب القسمۃ میں ذکر فرمایا ہے اور شیخؒ نے آخر باب میں ذکر فرمایا کہ دو شریکوں نے دار مشترک باہم تقسیم کر لیا پھر جب حدود قائم ہو گئے تو ظاہر ہوا کہ ایک کے واسطے راستہ ہی نہیں ہے پس اگر وہ شخص اپنے حصہ میں کسی جگہ اپنا راستہ نکال سکتا ہے تو تقسیم جائز ہے اور اگر اپنے حصہ میں کسی جگہ اپنا راستہ نہیں نکال سکتا ہے پس اگر وقت قسمت کے جانتا ہو کہ اس کے واسطے راستہ نہیں ہے تو بھی تقسیم جائز ہے اور اگر نہ جانتا ہو تو تقسیم فاسد ہے اور مسئلہ مقدمہ کے قیاس پر اس مسئلہ کے آخر باب میں یوں کہنا چاہئے کہ اگر اپنے حصہ میں کسی دوسری جگہ اپنا راستہ نہیں نکال سکتا ہے تو تقسیم جبھی فاسد ہوگی کہ جب حقوق کا ذکر نہ کیا ہو اور اگر حقوق کا ذکر کیا ہو تو راستہ تقسیم میں داخل ہو جائے گا پس دونوں مسئلوں پر نظر کرنے سے حاصل جواب یہ نکلتا ہے کہ اگر اپنے حصہ میں کسی جگہ راستہ نہیں نکال سکتا ہے پس اگر حقوق کا ذکر کیا ہو تو راستہ اور پانی کی راہ تقسیم میں داخل[1] ہو جائے گی اور تقسیم فاسد نہ ہوگی اور اگر حقوق کا ذکر نہ کیا حتیٰ کہ طریق و مسیل قسمت کی تحت میں داخل نہ ہو پس اگر وقت قسمت کے جانتا ہو کہ اس کے واسطے کوئی راستہ نہ ہوگا اور نہ پانی کی راہ ہوگی تو بھی قسمت جائز ہوگی اور اگر نہ جانتا ہو تو تقسیم فاسد ہوگی۔ شیخ الاسلام نے باب قسمۃ الارضین والقریٰ میں ذکر فرمایا کہ راستہ اور پانی بہنے کی موری بدون ذکر حقوق و مرافق کے تقسیم میں داخل ہو جاتے ہیں جب کہ راستہ و مسیل[2] الماء غیر کی زمین ہو اور شریکوں کے حصہ میں نہ ہو اور نہ شریک لوگ اپنے حصوں میں ان حقوق کو ایجاد کر سکتے ہوں اور یہ داخل ہونا اس واسطے ہے کہ تقسیم فاسد نہ ہو جائے یہ ذخیرہ میں ہے۔

اگر دو شریکوں نے دار مشترک کو اس شرط سے تقسیم کیا کہ ایک شریک دوسرے کا ایک دار ہزار درہم کو خریدے تو اس شرط سے تقسیم باطل ہے یہ مبسوط میں ہے ہر تقسیم جو مقسوم یا مقوم کے سوائے دوسری چیز کے ہبہ کرنے یا صدقہ دینے یا بیع کرنے کی شرط پر ہو فاسد ہے اسی طرح ہر خرید جو بشرط تقسیم ہو باطل ہے اور تقسیم بایں شرط کہ اس کو کوئی معلوم چیز بڑھادے گا جائز ہے جیسے ثمن میں زیادہ کر

---

[1] داخل یعنی صفہ سے راستہ و چھت پر پانی بہانا اس کا حق ہو گیا کیونکہ اس نے مع حق کے اپنا حصہ منظور کیا ہے۔ [2] و مسیل الماء پانی بہنے کی موری۔

کر دے یا مبیع میں کچھ بڑھا دے اور جو حصہ بذریعہ قسمت فاسد قبضہ میں لیا گیا ہو اس میں ملک ثابت ہو جاتی ہے اور تصرف نافذ ہو جاتا ہے جیسے خرید فاسد کے مقبوضہ کا حکم ہے یہ قنیہ میں ہے اگر ایک دار دو آدمیوں میں مشترک ہو تو کچھ ڈر نہیں ہے کہ ایک شریک پورے دار میں سکونت[1] رکھے اور اس بنا پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ اگر دونوں نے قسمت ملک کی درخواست کی تو قاضی ایسی تقسیم کر سکتا ہے اور اگر انہوں نے قسمت حفظ و انتفاع کو چاہا تو قاضی کی کچھ ضرورت نہیں ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر ایک دار دو آدمیوں میں مشترک ہو اور دونوں نے اس شرط سے تقسیم کیا کہ ایک تو پوری زمین لے لے اور دوسرا پوری عمارت لے لے زمین میں سے کچھ نہ لے تو اس کی تین صورتیں ہیں اوّل یہ کہ جس کے واسطے عمارت لینے کی شرط کی ہے اس کے ذمہ یہ شرط لگائی کہ اپنی عمارت کو توڑ لے تو اس صورت میں تقسیم جائز ہے اور دوسری یہ کہ عمارت توڑنے یا نہ توڑنے کی شرط سے سکوت کیا اور شرط نہ لگائی تو بھی قسم جائز ہے اور تیسری یہ کہ دونوں نے عمارت چھوڑ رکھنے کی شرط لگائی تو تقسیم فاسد ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔ اگر تقسیم میں ایک دیوار ایک شریک کے حصہ میں آئی اور اس پر دوسرے شریک کی دھنیاں رکھی ہیں اور اس نے چاہا کہ دیوار سے دھنیاں دور کر دے تو ایسا نہیں کر سکتا ہے لیکن اگر قسمی میں دونوں نے دھنیاں دور کرنے کی شرط کر لی ہے تو ایسا کر سکتا ہے خواہ تقسیم سے پہلے دھنیاں فقط خاصۃً ایک کی ہوں اور دیوار دونوں میں مشترک ہو یا چھت و دھنیاں مع دیوار کے دونوں میں مشترک ہوں پھر تقسیم میں دیوار ایک کے حصہ میں آتی اور چھت و دھنیاں دوسرے کے حصہ میں آئیں یہ ذخیرہ میں ہے اور تجرید میں لکھا ہے کہ اسی طرح پایہ کا اور سیڑھی کا اور استوانہ (پیلپایہ) جس پر دھنیاں رکھی ہوں یہی حکم ہے اسی طرح اگر بالا خانہ والے کے حصہ میں ایک روشن دان آیا جو سفل والے کے حصہ میں ہے تو صاحب سفل اس کو مسدود نہیں کر سکتا ہے لیکن اگر دونوں نے اس کے بند کر لینے کی شرط کر لی ہو تو بند کر سکتا ہے۔ یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر ایک کھیت پانچ وارثوں میں جن میں ایک نابالغ اور دو غائب اور دو حاضر ہیں مشترک ہو پس دونوں حاضرین میں سے ایک کا حصہ ایک مشتری نے خریدا اور دوسرے شریک حاضر سے قاضی کے پاس اس کی تقسیم کر دینے کا مطالبہ کیا اور قاضی کو اس معاملہ سے آگاہ کر دیا تو قاضی اس شریک کو حکم فرمائے گا کہ تقسیم کر دے اور ہر دو غائب اور صغیر کی طرف سے وکیل کر دے گا اور یہ اس واسطے کہ مشتری مذکور بائع کا قائم مقام ہوا اور بائع کو یہ اختیار حاصل تھا کہ اپنے شریک سے قسمت کا مطالبہ کرے یہ ظہیریہ میں ہے۔ ابن سماعہؒ نے امام محمدؒ کو لکھا کہ ایک قوم نے ایک دار میراث پایا اور بعض نے اپنا حصہ کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کیا پھر یہ مشتری اجنبی غائب ہو گیا اور وارثوں نے تقسیم کی درخواست کی اور میراث کے گواہ قائم کر دیئے تو امام محمدؒ نے جواب میں فرمایا کہ اگر دو وارث مقدمہ میں حاضر آئے تو قاضی اس کو تقسیم کر دے گا خواہ مشتری حاضر ہو یا نہ ہو کیونکہ مشتری مذکور بمنزلہ اس وارث کے ہوا جس نے اس کے ہاتھ فروخت کیا ہے۔ اصل میں لکھا ہے کہ اگر ایک گاؤں اور اس کی زمین دو شخصوں میں بسبب خریدنے کے مشترک ہو پھر دونوں میں سے ایک مر گیا اور اپنا حصہ اپنے وارثوں کے واسطے میراث چھوڑا پس وارث نے میراث پانے اور اصل شرکت و حالت کے گواہ قائم کئے مگر ان کے باپ کا شریک غائب ہے تو جب تک وہ حاضر نہ ہو جائے تب تک قاضی اس گاؤں کو تقسیم نہ کرے گا اور اگر ان کے باپ کا شریک حاضر آیا مگر بعضے وارث غائب ہیں تو قاضی ان میں تقسیم کر دے گا کیونکہ بعض وارث کا حاضر ہونا ایسا ہے جیسے مورث مردہ اگر زندہ اور خود حاضر ہوتا یا جیسے باقی وارث حاضر ہوں اور اگر اصلی شرکت بوجہ میراث کے ہو مثلاً دو آدمیوں نے اپنے باپ سے ایک گاؤں میراث پایا پھر قبل بٹوارہ ہونے کے ایک مر گیا اور اپنا حصہ وارثوں میں میراث چھوڑا پھر اس میت ثانی کے وارث حاضر ہوئے حالانکہ ان کا چچا غائب ہے اور انہوں نے

---

[1] پس حفظ و انتفاع یعنی حفاظت کرنے و نفع اٹھانے میں شریک کو ممانعت نہیں ہے۔

حاضر ہو کر اپنے باپ سے میراث پانے اور اپنے باپ کے اپنے دادا سے میراث پانے کے گواہ قائم کر دیئے تو قاضی ان میں تقسیم کر دے گا اور ان کے چچا کا حصہ الگ کر دے گا اس طرح اگر ان کا چچا حاضر آیا مگر بعض وارثوں میں سے غائب ہیں تو بھی قاضی ان میں تقسیم کر دے گا یہ محیط میں ہے۔ نوازل میں ہے کہ شیخ ابوبکرؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک گاؤں اسی کے رہنے والوں میں مشترک ہے جس میں سے چوتھائی وقف ہے اور چوتھائی پر پٹ بنجر ہے اور آدمی زمین ملک[1] شائع ہے پس انہوں نے چاہا کہ اس میں سے مقبرہ بنا دیں لہٰذا تھوڑی زمین کی تقسیم چاہی تا کہ اس میں فرودگاہ (پڑاؤ) و مقبرہ بنا دیں تو شیخؒ نے فرمایا کہ اگر پورا گاؤں ہر فریق کے حصہ کے موافق تقسیم کرا دیا گیا تو قسمت جائز ہے اور اگر ان لوگوں نے چاہا کہ اس گاؤں میں سے کوئی جگہ تقسیم کر لیں تو ہموارہ نہیں جائز ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ منتقی میں امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر وارثوں میں سے کسی وارث سے ایک شخص نے اس کا تھوڑا حصہ خریدا پھر دونوں یعنی بائع و مشتری حاضر ہوئے اور دونوں نے تقسیم کی درخواست کی تو جب تک بائع کے سوائے کوئی دوسرا وارث بھی حاضر نہ ہو تب تک قاضی دونوں میں تقسیم نہ کرے گا اور اگر مشتری نے بائع مذکور سے اس کا حصہ خرید لیا پھر بائع مذکور نے اس دار میں سے کچھ اور میراث پایا یا خریدا تو بائع مذکور مشتری مذکور کا اس دار کے حصہ اوّل کے مقدمہ میں خصم نہ ہوگا تاوقتیکہ دوسرا وارث بھی حاضر نہ ہو اور اگر مشتری مذکور جس نے وارث سے خریدا ہے اور سوائے بائع کے دوسرا وارث دونوں حاضر ہوئے اور وارث بائع غائب ہو گیا اور مشتری نے اپنے خریدنے اور قبضہ کرنے اور دار و تعداد وارثان کے گواہ قائم کئے پس اگر مشتری نے دار پر قبضہ پایا اور وارثوں کے ساتھ اس میں رہتا ہو پھر اس نے اس کے ساتھ سوائے بائع کے دوسرے وارث نے تقسیم طلب کی اور جس طرح ہم نے بیان کیا ہے گواہ قائم کئے تو قاضی دار مذکور کو تقسیم کر دے گا اسی طرح اگر سوائے مشتری کے دوسرے وارثوں نے تقسیم کی درخواست کی تو قاضی ان کی درخواست پر دار مذکور کو تقسیم کر دے گا اور غائب کا حصہ مشتری کے قبضہ میں رکھے گا مگر خرید واقع ہونے کا حکم نہ دے گا اور اگر مشتری نے دار پر قبضہ نہ پایا ہو تو غائب کا حصہ جدا کر لے گا اور مشتری کو نہ دے گا۔ اگر فقط مشتری نے تقسیم کی درخواست کی اور وارثوں نے انکار کیا تو میں تقسیم نہ کروں گا کیونکہ میں نہیں جانتا ہوں کہ وہ مالک ہے یا نہیں ہے اور بائع کی غیبت میں میں اس کے گواہ اس کے حصہ خریدنے کو قبول نہ کروں گا۔ نیز منتقی میں امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ ایک دار دو شخصوں میں مشترک ہے پھر ایک نے اپنا حصہ مشترک غیر مقسوم کسی شخص کے ہاتھ فروخت کیا پھر مشتری نے بائع کو حکم دیا کہ دوسرے شریک سے اپنا حصہ بانٹ کر کے قبضہ کر لے پس اس نے مقاسمہ کیا تو جائز نہیں ہے اور اگر ایک دار دو شخصوں میں مشترک ہو اور دونوں نے اس شرط پر حصہ بانٹ کیا کہ دونوں میں سے ایک شخص دار کو لے لے اور دوسرا نصف دار لے لے تو جائز ہے اگر چہ دار بہ نسبت نصف دار کے از راہ قیمت افضل ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر دو آدمیوں نے تقسیم میں اس شرط سے باہم صلح ٹھہرائی کہ دونوں میں سے ایک اس معین دار کو لے لے اور دوسرا دوسرے دار میں سے ایک منزل (معین ۱۲) لے لے یا دونوں میں سے ہر ایک کسی دوسرے دار میں سے کچھ حصص معلومہ لے لے یا دونوں میں سے ایک اس دار کو لے لے اور دوسرا ایک غلام لے یا اس کے مانند اور اجناس مختلفہ پر باہم صلح کی تو ایسی صلح جائز ہے یہ مبسوط میں ہے۔

اگر دو شخصوں میں دو دار اس طرح مشترک ہوں کہ ایک دار میں سو گز اور دوسرے میں سو گز یا زیادہ ہوں پھر دونوں نے اس قرارداد پر صلح کی کہ ایک شریک اس دار کے تمام گز یعنی مقدار ساحت لے لے اور دوسرا دوسرے دار کا حصہ پیائش لے لے تو امام اعظم کے نزدیک جائز نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر دو آدمیوں میں ایک دار میں میراث مشترک ہو اور ایک دوسرے دار میں میراث مشترک

---

[1] ملک شائع یعنی سب میں مشترک ہے۔

ہو پھر دونوں نے اس شرط سے صلح کی کہ ایک شریک وہ سب حصہ جو اس دار میں ہے لے لے اور دوسرا شریک وہ سب حصہ جو دوسرے دار میں ہے لے لے مگر اس پر کچھ دراہم معلومہ زیادہ کئے پس اگر دونوں نے سہام بیان کر دیے ہوں کہ ہر دار میں سے کتنے سہام ہیں تو جائز ہے اور اگر نہ بیان کیے ہوں تو جائز نہیں ہے اور اگر بجائے سہام کے پیمائش کے گز مکسر[1] بیان کر دیے ہوں تو امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے قول میں جائز ہے اور امام اعظمؒ کے قول میں نہیں جائز ہے۔ دو دار تین آدمیوں میں مشترک ہیں ان میں سے ایک بڑا ہے اور دوسرا چھوٹا ہے پس سب نے باہم اس قرارداد سے تقسیم کیا کہ ایک شخص چھوٹا دار لے لے[2] اور دوسرا بڑا دار لے لے مگر جس نے بڑا دار لے لیا وہ کسی قدر دراہم معلومہ تیسرے کو جس نے کچھ نہیں لیا ہے دے دے تو یہ جائز ہے۔ اسی طرح اگر اس قرارداد پر صلح کی کہ بڑے دار کو دو آدمی لے لیں اور تیسرا چھوٹے دار کو لے لے تو بھی جائز ہے اسی طرح اگر ایک دار ان تینوں میں مشترک ہو اور سب نے اس شرط سے صلح کی کہ اس دار کو دو آدمی اس طرح لے لیں کہ ہر ایک دونوں میں سے اس میں سے معین ٹکڑے لے لے اور دونوں تیسرے کو کچھ دراہم معلومہ دے دیں تو بھی جائز ہے۔ اسی طرح اگر سبھوں نے دونوں لینے والوں میں سے ایک کے ذمہ یہ شرط لگائی کہ وہ نہ لینے والے کو دو تہائی ان دراہم معینہ کی دے تا کہ اس کے منزل میں داخل ہو تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ یہ شخص اس تیسرے حصہ کی دو تہائی خریدنے والا ہو گا اور دوسرا اس کے حصہ کی ایک تہائی خریدنے والا ہو گا اسی طرح اگر ایک دار دو شخصوں میں مشترک ہو اور دونوں نے اس کو اس قرارداد سے باہم تقسیم کر لیا کہ ہر ایک اس میں سے نصف لے کر ایک شریک دوسرے کو ایک غلام معین دے دے بشرطیکہ اس کو دوسرا سو درہم دے دے تو بھی جائز ہے اسی طرح اگر دونوں نے دار مشترکہ کو اس شرط سے تقسیم کیا کہ ایک شریک عمارت لے اور دوسرا شریک کھنڈل گرا ہوا لے بشرطیکہ عمارت لینے والا دوسرے کو کسی قدر دراہم معلومہ دے تو بھی جائز ہے اسی طرح اگر اس شرط سے تقسیم کیا کہ ایک شریک بالا خانہ لے اور دوسرا شریک نیچے کا مکان لے اور باہم شرط کی کہ کوئی شریک دوسرے کو کسی قدر دراہم معلومہ دے دے تو بھی جائز ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر دونوں نے کپڑے اس شرط سے تقسیم کئے کہ جس کے حصہ میں یہ کپڑا آئے وہ ایک درہم پھیر دے اور جس کے حصہ میں یہ دوسرا کپڑا آئے وہ دو درہم پھیر دے تو جائز ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر گاؤں و زمین چند لوگوں میں مشترک ہو اور انہوں نے زمین کو پیمائش سے اس شرط پر تقسیم کیا کہ جس کے حصہ زمین میں درخت یا گھر اس پر درخت و گھر کی قیمت میں دراہم واجب ہوں گے تو یہ جائز ہے اور یہ حکم باستحسان ہے یہ مبسوط میں ہے۔

دو شریکوں نے مال شرکت باہم اس قرارداد سے تقسیم کیا کہ ایک شریک تمام نقدی درہم و دینار لے لے اور دوسرا تمام عروض و متاع و دکان اور تمام قرضے جو لوگوں پر آتے ہیں لے لے بدیں شرط کہ اگر قرضہ میں سے کچھ کسی پر ڈوب گیا تو اس کا نصف اس کا شریک اس کو واپس دے گا تو ایسی تقسیم فاسد ہے کیونکہ اس قسمت میں بیع کے معنی ضرور ہوتے ہیں اور بیع اس طرح پر جائز نہیں ہے پس دونوں میں سے ہر ایک پر یہ واجب ہے کہ جو کچھ اس نے لیا ہے اس کا نصف اپنے شریک کو واپس دے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر دو شخصوں میں ایک دار مشترک ہو پس انہوں نے اس کو باہم تقسیم کر دیا بدیں شرط کہ ایک شریک دوسرے کو کسی قدر دراہم معلومہ اس کے حصہ[3] پر بڑھائے تو یہ جائز ہے پھر واضح ہو کہ جو چیز عقد بیع میں عوض[4] مستحق ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے ایسی چیز کا عقد قسمت میں شرط کرنا باہمی رضامندی کی صورت میں جائز ہے پس نقود یعنی درہم و دینار وغیرہ خواہ فی الحال دینا ٹھہرا ہو یا ادھار ہو اور کیلی و وزنی چیزیں خواہ

---

[1] مکسر وہ گز جو طول و عرض کی پیمائش کا باہم حاصل ضرب رقبہ بحساب گزوں کے حاصل ہو۔ [2] یہاں سے وہاں تک فلاں شخص اور باقی اس قدر دوسرا شخص لے لے۔ [3] جو حصہ وہ لیتا ہے۔ [4] درصورت بیع ہونے کے یہ عوض دینا لازم آئے۔

معین ہوں یا ان کا وصف بیان کر کے ذمہ رکھ کر فی الحال دینا ٹھہرا ہو یا کسی میعاد پر ادا کرنا قرار پایا ہو یہ چیزیں عقد بیع میں عوضا مستحق ہوتی ہیں تو عقد قسمت میں بھی مشروط ہو سکتی ہیں پس اگر ان چیزوں میں کسی چیز کے واسطے بار برداری و خرچہ ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک اس کے ادا کرنے کی جگہ بیان کرنی ضرور ہے جیسا کہ بیع سلم و عقد اجارات میں ہوتا ہے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اگر اس کے ادا کرنے کے واسطے کوئی خاص جگہ بیان کر دی تو جائز ہے اور اگر نہ بیان کی ہو تو تقسیم جائز ہو گی اور اس کا ادا کرنا اسی جگہ لازم ہو گا جہاں دار مقسومہ واقع ہے حالانکہ صاحبین کے نزدیک مثل بیع سلم کے بدلیل قیاس یہ چاہئے تھا کہ اس کے ادا کرنے کے واسطے وہ جگہ متعین ہوتی جہاں عقد واقع ہوا مگر صاحبینؒ نے بدلیل استحسان یوں فرمایا کہ تقسیم کا پورا ہونا دار مقسومہ کے پاس ہوتا ہے اور اس چیز کا واجب ہو جانا بھی تقسیم کے پورے ہونے پر ہو گا پس جہاں تقسیم پوری ہوئی ہے وہی جگہ اس کے ادا کے واسطے بھی متعین ہو گی جیسا کہ عقود اجارات میں بھی صاحبین کے نزدیک جس جگہ عقد اجارہ قرار پایا ہے یعنی دار کرایہ پر لینا قرار پایا ہے وہ جگہ کرایہ کا ایسا مال ادا کرنے کے واسطے متعین نہیں ہوتی بلکہ جو دار کرایہ پر لیا ہے وہیں ادا کرنا لازم ہوتا ہے اور اگر کوئی حیوان معین بڑھانا شرط کیا تو جائز ہے اور اگر حیوان غیر معین ہو تو جائز نہیں ہے خواہ اس کا وصف بیان کیا ہو یا نہ کیا ہو خواہ فی الحال دینا ٹھہرا ہو یا دینے کے واسطے کچھ میعاد ہو اور اگر کوئی کپڑا بڑھانا شرط کیا اور اس کا وصف بیان کر کے کسی میعاد پر معین دینا[1] اپنے ذمہ لیا تو جائز ہے اور اگر کچھ میعاد معین نہ لگائی تو جائز نہیں ہے یہ مبسوط باب قسمۃ الدور بالدراہم یزید ہا میں ہے۔ اگر ایک دار دو شخصوں میں مشترک ہو انہوں نے باہم تقسیم کر لیا اس طرح کہ ایک نے مقدم دار کو جو ایک تہائی ہے لیا اور دوسرے نے موخر دار کو جو دو تہائی ہے لیا تو یہ جائز ہے اور اگر دار مذکور دونوں میں اس طرح مشترک ہو کہ ایک کا ایک تہائی اور دوسرے کا دو تہائی ہو پس دو تہائی والے نے اپنے حصہ میں ایک بیت جس کا دروازہ سر راہ ہے لے لیا اور دوسرے نے جس کا حق ایک تہائی ہے اپنے حق میں باقی سب دار جو اس کے حق سے زیادہ ہے لے لیا[2] تو یہ جائز ہے اسی طرح جو کچھ دوسرے کے حصہ میں پڑا ہے۔ اگر اس کے واسطے غلہ[3] نہ تو بھی جائز ہے اور اگر دو شریکوں نے دار مشترکہ کو باہم اس طرح تقسیم کیا کہ ایک شریک نے دار کا کسی قدر ٹکڑا لیا اور دوسرے نے باقی دار کا ٹکڑا لیا اور دونوں نے مشترک راستہ اس شرط سے چھوڑ دیا کہ راستہ میں سے ایک کا ایک تہائی اور دوسرے کا دو تہائی ہے تو یہ جائز ہے اگر چہ دار مذکور دونوں میں نصفا نصف مشترک ہو کیونکہ راستہ کا رقبہ دونوں کی ملک اور محل معاوضہ ہے اور اگر دو شریکوں نے دار مشترکہ کو اس شرط سے تقسیم کر لیا کہ ایک شریک دار کے موخر سے ایک تہائی اپنے پورے حق کے بدلے لے اور دوسرا اس کے مقدم سے دو تہائی اپنے حق کے بدلے لے تو جائز ہے اگر چہ اس میں غبن ظاہر ہے یہ مبسوط باب القسمۃ الدار بتفصیل بعضہا میں ہے۔

مسئلہ ذیل میں تبعاً جواز ہے تو وہ فقط حق آمد و رفت کو فروخت کرنا غیر جائز ہو سکتا ہے کیونکہ بہت چیزیں ضمناً جائز ہوتی ہیں نہ استقلالاً جیسے شرب وغیرہ ☆

اگر برابر کے دو شریکوں نے دار مشترکہ و باہم تقسیم کر کے اس طرح لیا کہ ایک نے بقدر نصف کے لیا اور دوسرے نے بقدر تہائی کے اور باقی ایک چھٹا حصہ دونوں نے مشترک راستہ چھوڑ دیا تو یہ جائز ہے اسی طرح اگر دونوں نے یہ شرط کی کہ راستہ کا رقبہ تمام اس شخص کا ہے جس نے تھوڑا سا حصہ لیا ہے اور بڑے حصہ والے کو فقط اس میں آمد و رفت کا حق حاصل ہے تو بھی جائز ہے اور شیخ امامؒ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ اس امر کی دلیل ہے کہ حق المرور کی بیع جائز ہے یعنی آمد و رفت کا حق فروخت کرنا جائز ہے اور حاصل کلام یہ ہے کہ حق

[1] اشارہ کیا کہ اگر کپڑا معین ہو تو جائز ہے۔ [2] یعنی باہمی رضامندی سے۔ [3] غلہ یعنی کچھ آمدنی بطور کرایہ نہ ہو۔

المرور کی بیع کے حق میں دو[1] روایتیں ہیں اور شیخ امام شمس الائمہ سرخسیؒ نے اس کتاب کی شرح میں فرمایا کہ اگرچہ حق المرور کی بیع میں دوروایتیں ہیں مگر ایسی تقسیم سب روایتوں کے موافق جائز ہونے کے دلائل میں سے ایک دلیل قوی یہ ہے کہ اس راستہ کا رقبہ دونوں کی ملک تھا اور دونوں کو اس میں آمدورفت کا حق حاصل تھا پھر ایک نے راستہ کے رقبہ میں سے اپنا حصہ اپنے شریک کی ملک بعوض اس حق کے جو اس نے تقسیم دار میں اپنے شریک کے حصہ میں سے لیا ہے کر دیا اور اپنے واسطے آمدورفت کا حق باقی رکھا تو ایسا کرنا شرط سے جائز ہے چنانچہ اگر کسی نے اپنا مملوکہ راستہ کسی دوسرے کے ہاتھ اس شرط سے فروخت کیا کہ مجھے حق المرور حاصل رہے تو بیع جائز ہے یا مثلاً کسی شخص نے سفل یعنی نیچے کا مکان اس شرط سے فروخت کیا کہ مجھے اس پر بالا خانہ برقرار رکھنے کا حق حاصل رہے تو یہ جائز ہے پس ایسا ہی اس تقسیم میں بھی جائز ہے اور اگر ایک دار دو شخصوں میں مشترک ہو اور دوسرے دار کا ایک ٹکڑا بھی دونوں میں مشترک ہو اور دونوں نے اس شرط سے باہم تقسیم کیا کہ دونوں میں سے ایک اس دار کو لے اور دوسرا دوسرے دار کے ٹکڑے کو لے لے پس اگر دونوں نے اس ٹکڑے کے سہام سے آگاہ ہوں کہ کس قدر ہیں تو تقسیم جائز ہے اور اگر دونوں نہ جانتے ہوں تو تقسیم رد ہو گی اور اگر ایک جانتا ہو اور دوسرا نہ جانتا ہو تو بھی تقسیم رد ہے۔ ایسا ہی اصل کی کتاب القسمة میں مذکور ہے اور جواب میں جیسا چاہیے پوری تفصیل مذکور نہیں ہے پس بعض مشائخ نے فرمایا کہ جواب میں اس طرح تفصیل ہونی چاہیے کہ جس کے واسطے وہ ٹکڑا شرط کیا گیا ہے اگر وہ شخص جانتا ہو تو بالاتفاق بلاخلاف تقسیم جائز ہے اور اگر وہ شخص نہ جانتا ہو اور شرط کرنے والا جانتا ہو تو مسئلہ میں اس طرح اختلاف ہو گا کہ امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے قول پر یہ تقسیم مردود ہو گی اور امام ابو یوسف کے قول پر جائز ہو گی اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ مسئلہ تقسیم میں ایسی قسمت بالاتفاق سب کے قول میں مطلقاً مردود ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک قوم نے اپنے موروثی مشترک قریہ کو بغیر حکم قاضی باہم تقسیم کیا حالانکہ ان میں کوئی وارث صغیر بھی ہے جس کا وصی نہیں ہے یا وارث غائب ہے جس کا وکیل نہیں ہے تو یہ تقسیم جائز نہ ہو گی اور اسی طرح اگر انہوں نے سوائے قاضی کے کسی صاحب الشرط یعنی داروغہ یا کسی عامل کے حکم سے مثل عامل[2] ارستاق یا عامل طسوج یا عامل خراج یا عامل مؤنث کے باہم تقسیم کیا ہو تو بھی یہی حکم ہے اور اسی طرح اگر کسی فقیہ کے حکم پر یہ لوگ باہم راضی ہوئے ہوں اور اس نے اصل و میراث پر ان لوگوں کے گواہ سن کر پھر اس گاؤں کو ان لوگوں میں بانصاف تقسیم کر دیا ہو حالانکہ وارث صغیر جس کا کوئی وصی نہیں ہے یا وارث غائب جس کا وکیل نہیں ہے پایا جائے تو بھی تقسیم جائز نہ ہو گی کیونکہ حکم[3] کی ولایت صغیر و غائب پر نہیں ہے کیونکہ اس قسمت کا حکم تبراضی خصوم ہوا ہے پس جس کی طرف سے رضامندی پائی گئی اس پر مقصور رہے گا ہاں اگر غائب نے حاضر ہو کر یا صغیر نے بالغ ہو کر اجازت دے دی تو جائز ہو گی کیونکہ ثابت ہوا کہ جس وقت پر عقد پایا گیا اسی وقت اس کا اجازت دینے والا تھا آیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ اگر قاضی نے اس کی اجازت دی تو جائز ہو جائے گی اور یہ عقد نظیر اس صورت کا ہے کہ اگر اس نے صغیر کا مال فروخت کیا پھر صغیر نے بالغ ہو کر اجازت دی تو بیع جائز ہوتی ہے اور اگر اجازت دینے سے پہلے غائب یا صغیر مر گیا پھر اس کے وارث نے اجازت دی تو قیاساً جائز نہ ہو گی اور یہی امام محمدؒ کا قول ہے اور استحساناً جائز ہے کیونکہ تقسیم کی حاجت جیسے مورث کی زندگی میں تھی ویسے ہی اب بھی قائم ہے پس اگر یہ قسمت توڑ دی جائے تو فی الحال اسی صفت کے ساتھ اس تقسیم کا اعادہ کرنا پڑے گا اور اس

---

[1] ایک میں جائز اور دوسری میں نہیں جائز ہے اور یہاں سے اشارہ جواز اس طرح نکلا کہ بٹوارہ میں بیع کے معنی ہوتے ہیں اور یہاں وہ ایک شریک کے حصہ میں موجود ہے لیکن یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ یہاں ضمناً جواز ہے تو فقط حق آمدورفت کو فروخت کرنا غیر جائز ہو سکتا ہے کیونکہ بہت چیزیں ضمناً جائز ہوتی ہیں سوا استقلالاً جیسے شرب وغیرہ۔ [2] عامل رستاق ضلع کا داروحاکم پرگنہ و عامل طسوج چنگی کا داروغہ۔ عامل خراج لگان کا ٹھیکیدار عامل مؤنث اخراجات نفع عام کا کارندہ مانند پل و نہر۔ [3] حکم جس کو حاکم بنالیا یا سلطانی ہو۔

کا اعادہ وارث ہی کی رضامندی سے ہوگا تو باوجود اس کی طرف سے رضامندی پائے جانے کے اس کو توڑ کر پھر اعادہ کرنے میں کچھ فائدہ نہیں ہے یہ مبسوط میں ہے۔

پھر واضح ہو کہ غائب یا اس کے وارث کی اجازت یا وصی کی یا بعد بلوغ کے صغیر کی اجازت جبھی کارآمد ہوگی کہ جب اجازت کے وقت وہ چیز جس پر تقسیم جاری ہوئی ہے قائم ہو جیسا کہ محض بیع موقوف میں جبھی اجازت کارآمد ہوتی ہے کہ جب اجازت کے وقت مبیع قائم ہو اور واضح ہو کہ اجازت جس طرح صریح بالقول ثابت ہوتی ہے اسی طرح اجازت کا ثبوت بدلالت فعل بھی ہو سکتا ہے جیسا بیع محض موقوف میں ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ میراث کی کتابیں وارثوں میں تقسیم نہ کی جائیں گی لیکن ہر واحد اس سے باری باندھ کر نفع حاصل کر سکتا ہے اور اگر کسی وارث نے چاہا کہ ورقوں سے ان کو تقسیم کر لے تو ایسا نہیں کر سکتا ہے اور نہ یہ بات اس کی طرف سے مسموع ہوگی اور کسی طرح سے یہ کتابیں تقسیم نہ کی جائیں گی اور اگر صندوق قرآن ہو تو بھی وارث کو ایسا اختیار نہ ہوگا اور اگر سب وارث راضی ہو گئے تو قاضی ایسا حکم نہ دے گا اور اگر تمام مصحف ایک کا ہو مگر اس میں سے تینتیس ۳۳ سہام میں سے ایک سہم دوسرے کا ہو تو دوسرے کو تینتیس ۳۳ روز میں ایک دن یہ مصحف دیا جائے گا تاکہ نفع حاصل کرے اسی طرح اگر ایک کتاب کی بہت سے جلدیں ہوں جیسے شرح مبسوط مثلاً تو بھی اس کی تقسیم نہ کی جائے گی اور اس کے تقسیم کی کوئی راہ نہیں ہے اور ہر جنس مختلف میں بھی یہی حکم ہے اور حاکم ایسی تقسیم کا باوجود سب کی رضامندی کے حکم نہ دے گا اور اگر باہم راضی ہوئے کہ کتاب کی قیمت اندازہ کرائی جائے پھر ایک اس میں بعض ٹکڑا تمراضی قیمت دے کر لے لے تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے یہ جواہر الفتاویٰ میں ہے تتمیہ میں لکھا ہے کہ شیخ علی بن احمد سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص مر گیا اور اس نے نابالغ اولاد اور دو لڑکے بالغ اور ایک دار چھوڑا اور کسی کو وصی مقرر نہیں کیا پھر قاضی نے دونوں بالغوں میں سے ایک کو وصی مقرر کر دیا پھر اس وصی نے اپنے اقربا میں سے دو آدمیوں کو بلایا اور ان کے حضور میں ترکہ اس طرح تقسیم کر دیا کہ تمام کتابیں تو اپنے واسطے اور اپنے دوسرے بھائی بالغ کے واسطے لے اور دار مذکور باقی دونوں نابالغ اولاد کے واسطے دونوں میں مشترک قرار دیا مگر پہلے ان کی قیمت اندازہ کرا کے تعدیل (برابر کا) کر لی ہے پس آیا ایسی قسمت جائز ہے تو شیخؒ نے فرمایا کہ اگر تقسیم کرنے والا عالم پرہیزگار ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ جائز ہوگی۔ میں نے شیخ ابو حامدؒ سے دریافت کیا کہ کیا باپ کو اختیار ہے کہ اپنے نابالغ فرزند کے ساتھ بٹوارہ کر لے تو فرمایا کہ ہاں اور شیخ علی بن احمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے چند لوگوں میں مشترک زمین سے حاضرین کا حصہ خریدا اور بعضے شریک غائب ہیں تو باوجود ان کے غائب ہونے کے یہ زمین کیونکر تقسیم کی جائے گی اور آیا مشتری کو اس زمین میں زراعت کرنے کی کوئی راہ ہے پس شیخؒ نے فرمایا کہ شریکوں یا بعض شریکوں کی غیبت میں اس زمین کی تقسیم جائز نہیں ہے لیکن اگر یہ زمین موروثی ہو تو قاضی شریک غائب کی طرف سے ایک وکیل مقرر کر دے گا تو البتہ تقسیم ہو سکتی ہے۔ رہی اس کی زراعت کرنا سو اگر قاضی کی رائے میں آیا کہ شریک مشتری کو پوری زمین کی زراعت کی اجازت دے دے تاکہ خراج ضائع نہ ہو تو قاضی کو ایسا اختیار ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک شخص نے کوئی اپنی چیز فروخت کی اور بائع کی طرف سے مشتری کے واسطے ایک شخص نے ضمان درک قبول کر لی پھر ضامن مر گیا تو اس کا مال اس کے وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا کیونکہ تقسیم سے کوئی مانع نہیں ہے اور اگر وارثوں میں سے ہر ایک نے اپنا حصہ فروخت کر دیا پھر میت پر ضمان درک لازم آئی تو وارثوں کی طرف لینے کے واسطے رجوع کر کے ان کی بیع توڑ دی جائے گی کیونکہ ایک روایت کے موافق یہ مال ضمان بمنزلہ ایسے دین کے ہے جو مقارن[1] موت ہو اور یہی روایت مختار ہے یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔

---

[1] مقارن یعنی متصل موت اور مراد یہ کہ گویا مرض الموت کا قرضہ ہے تو لازم نہ ہوگا۔

باب چہارم:

ان چیزوں کے بیان میں جو قسمت کی تحت میں بلا ذکر داخل ہو جاتی ہیں اور جو نہیں داخل ہوتی ہیں

اراضی کی تقسیم میں درخت داخل ہو جاتے ہیں اگرچہ حقوق و مرافق کا ذکر نہ کیا ہو جیسا کہ اراضی کی بیع میں داخل ہوتے ہیں اور کھیتی و پھل داخل نہیں ہوتے ہیں اگرچہ حقوق کا ذکر کیا ہو اسی طرح اگر بجائے حقوق کے مرافق کا ذکر کیا ہو تو بھی ظاہر الروایت کے موافق کھیتی و پھل داخل نہ ہوں گے اور اگر تقسیم میں یہ ذکر کیا کہ بہر قلیل و کثیر جو اس اراضی میں سے ہے اور اس میں ہے پس اگر اس کے بعد ہر لفظ کہا کہ جو اس کے حقوق میں سے ہے تو کھیتی و پھل داخل نہ ہوں گے اور اگر یہ لفظ کہا کہ جو اس کے حقوق میں سے ہے تو کھیتی و پھل داخل ہو جائیں گے اور جو متاع اس زمین میں رکھی ہوئی ہو وہ کسی حال میں داخل نہ ہو گی اور شرب و طریق آیا تقسیم میں بدون ذکر حقوق داخل ہوتے ہیں یا نہیں سو حاکم شہیدؒ نے اپنی مختصر میں ذکر فرمایا کہ یہ دونوں داخل ہو جاتی ہیں اور ایسا ہی امام محمدؒ نے اصل کی کتاب القسمة میں دوسرے مقام پر ذکر فرمایا ہے چنانچہ فرمایا کہ اگر کوئی زمین چند لوگوں میں موروثی مشترک ہو اس کو انہوں نے بدوں حکم قاضی باہم تقسیم کرلیا پس ہر ایک کے حصہ میں ایک قراح علیحدہ آئی تو اس کو اس کا شرب اور طریق اور پانی کی مسیل اور جو حق اس کے واسطے ثابت ہو حاصل ہو گا اور صحیح قول یہ ہے کہ یہ دونوں داخل نہیں ہوتے ہیں۔ یہ محیط میں ہے تین آدمیوں میں ایک زمین مشترک ہے اور کسی غیر کی زمین میں انہیں لوگوں کے کچھ درخت خرما مشترک ہیں اور ان لوگوں نے اس طرح باہم تقسیم کئے کہ دو آدمیوں میں زمین لے لی اور تیسرے نے درختان مذکور مع اصول لے لئے تو یہ جائز ہے اس واسطے کہ جڑوں سمیت درخت بمنزلہ دیوار کے ہیں اور معلوم ہے کہ اگر تقسیم میں ایک کے حصہ میں دیوار قرار دی جائے تو جائز ہے پس ایسے ہی درختوں میں بھی جائز ہے اور اگر اس شرط سے تقسیم کی کہ مثلاً زید کے واسطے یہ قطعہ زمین اور یہ درخت ہے حالانکہ یہ درخت دوسرے قطعہ زمین میں واقع ہے اور عمرو کے واسطے وہ [1] قطعہ زمین اور خالد کے واسطے وہ قطعہ زمین قرار دیا جس میں درخت مذکور واقع ہے پس خالد نے چاہا کہ زید میرے حصہ زمین میں سے اپنا درخت کاٹ لے تو ایسا اختیار نہیں رکھتا ہے اور درخت مذکور جڑ سمیت زید کا رہے گا کیونکہ درخت بمنزلہ دیوار کے ہے اور معلوم ہے کہ تقسیم میں دیوار کے نام سے شرط کرنے میں وہ شخص دیوار کو مع اصل (نیو) مستحق ہوتا ہے اور یہ درخت بھی جبھی تک درخت کہلائے گا جب تک قطع نہ کیا جائے مگر بعد قطع کر دینے کے وہ درخت نہیں بلکہ لکڑی کی بلی ہے پس درخت کے مستحق ہونے میں ضروری ہے کہ جڑ سمیت اس کا مستحق ہو اور اگر زید نے اس درخت کو خود قطع کیا تو زید کو اختیار ہو گا کہ اس کی جگہ پر جو درخت چاہے لگائے کیونکہ زمین مذکور میں سے اتنی جگہ کا جس میں درخت تھا زید مستحق ہے۔ اگر خالد نے زید کو اپنی زمین میں ہو کر درخت تک جانے سے منع کیا تو تقسیم فاسد ہو گی کیونکہ اس تقسیم میں ضرر ہے اس واسطے کہ زید کو اپنے درخت تک پہنچنے کی کوئی راہ نہیں رکھی گئی ہے لیکن اگر تقسیم میں درخت کے بارہ میں یہ کہا گیا ہو کہ درخت مع ہر حق کے جو اس کو ثابت ہے تو تقسیم جائز ہو گی اور زید کو اپنے درخت تک پہنچنے کے واسطے راہ ملے گی کذا فی المبسوط۔ پھر واضح ہو کہ امام محمدؒ نے کتاب میں یوں ذکر فرمایا کہ زید اس تقسیم میں جڑ سمیت درخت کا مستحق ہو گا اور یہ ذکر نہ فرمایا کہ جڑ کی جگہ کی مقدار کیا ہے اور ہمارے بعضے مشائخ نے فرمایا کہ تقسیم میں زمین سے اس قدر حصہ داخل ہو گا جو تقسیم کے روز جڑوں کے مقابلے میں ہو اور جڑوں سے وہ جڑیں مراد لیں ہیں کہ اگر وہ قطع کر دی جائیں تو درخت خشک ہو جائے اور اسی قول کی طرف شمس الائمہ سرخسی نے میلان کیا ہے اور بعضوں نے فرمایا کہ تقسیم میں اس قدر زمین داخل ہو گی

[1] وہ قطعہ یعنی خاص قطعہ دیگر جس میں کوئی درخت نہیں ہے۔

جس قدر تقسیم کے روز درخت کی موٹائی تھی اور اسی کی طرف کتاب میں اشارہ فرمایا ہے یونکہ کتاب میں یوں فرمایا کہ اگر درخت کی موٹائی بڑھ گئی تو مالک زمین کو اختیار ہوگا کہ جس قدر بڑھی ہے اس قدر چھانٹ دے پس یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ امام محمدؒ مقدار زمین اسی قدر قرار دی ہے جس قدر تقسیم کے روز موٹائی تھی یہ ظہیریہ میں ہے۔

چند لوگوں نے پیداواری کی زمین مشترک کو باہم تقسیم کر لیا اور کسی حصہ دار کے حصہ میں باغ انگور و بستان اور بیوت آئے اور ان لوگوں نے تقسیم میں یہ شرط کہ مع ہر حق کے جو اس کو ثابت ہے تحریر کی تھی یا نہیں تحریر کی تھی تو اس حصہ دار کو جو کچھ اس کے حصہ میں درخت وعمارت آئی ہے سب ملے گی مگر کھیتی وپھل اس میں داخل نہ ہوں گے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر کوئی گاؤں چند لوگوں میں میراث مشترک ہو اس کو ان لوگوں نے باہم تقسیم کیا پس بعض کے حصہ میں کھیت اور کھیتوں کے اندر پڑا ہوا غلہ آیا اور بعض کے حصہ میں باغ انگور آیا تو یہ جائز ہے یہ مبسوط میں ہے۔ چند لوگوں میں ایک گاؤں اور زمین اور پن چکی موروثی مشترک تھی اس کو ان لوگوں نے باہم تقسیم کیا پس ایک کے حصہ میں پن چکی اور اس کی نہر آئی اور دوسرے کے حصہ میں کھیت معلومہ اور بیوت معلومہ آئے اور تیسرے کے حصہ میں بھی کچھ کھیت معلوم آئے اور باہم تقسیم اس قرارداد سے ہوئی کہ ہر حق کے ساتھ جو اس کو ثابت ہے حصہ دار کو ملے گی پس جس کے حصہ میں نہر آئی ہے اس نے چاہا کہ دوسرے حصہ دار کی زمین میں ہو کر اپنی نہر تک جائے مگر زمین والے نے اس کو منع کیا پس اگر نہر مذکور اس زمین کے اندر واقع ہو اور بدون زمین میں ہو کر جانے کے کسی طرح نہر تک نہ پہنچ سکے تو زمین کا مالک اس کو منع نہیں کر سکتا ہے اور اگر اس طرح واقع ہو کہ بدون زمین میں جانے کے نہر تک پہنچ سکتا ہو۔ مثلاً نہر مذکور حد زمین سے یک سو ہو تو نہر کا مالک دوسرے حصہ دار کی زمین میں ہو کر نہیں جا سکتا ہے۔ اگر نہر مذکور کا راستہ حصہ دار کے سوائے کسی غیر کی زمین میں ہو تو وہ راستہ تقسیم میں نہر والے کے حصہ میں داخل[1] ہو جائے گا خواہ لفظ حقوق ذکر کرنے سے نہر والا اپنی نہر تک بدون اس زمین میں جانے کے پہنچ سکتا ہو یا نہ پہنچ سکتا ہو اور اگر ان لوگوں نے تقسیم میں حقوق و مرافق وغیرہ ایسے الفاظ کی شرط نہ لگائی اور حال یہ ہے کہ نہر مذکور کا راستہ کسی غیر کی زمین میں ہے پس اگر وہ حصہ دار جس کے حصہ میں نہر آئی ہے اپنے حصہ سے اس نہر کا راستہ نہیں نکال سکتا ہے۔ تو تقسیم فاسد ہوگی الا اس صورت میں کہ تقسیم کے وقت اس سے آگاہ ہو اور اگر اپنے حصہ میں سے اس کا راستہ نکال سکتا ہو تو جائز نہ ہوگی۔ اگر بطن نہر میں اس کا مرور (گزر) ممکن ہو مثلاً نہر مذکور کا پانی کسی جگہ سے ریختہ ہوتا ہو اور اس جگہ یہ شخص جا سکتا ہو تو یوں قرار دیا جائے گا کہ یہ شخص اپنے حصہ میں نہر تک جانے پر قادر ہے پس تقسیم جائز ہوگی اور اگر کسی جگہ سے نہر کھلی ہوئی نہ ہو تو تقسیم فاسد ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے اور اگر نہر کے دونوں جانب مسناۃ (کاریز) ہو کہ مسناۃ پر سے اس کا راستہ ہو تو تقسیم جائز ہوگی اور اس شخص کا راستہ اسی مسناۃ پر سے ہوگا نہ دوسرے شریک کی زمین سے اگرچہ تقسیم میں حقوق کا ذکر کیا ہو اس وجہ سے کہ یہ شخص مسناۃ پر سے ہو کر نہر تک پہنچ کر انتفاع حاصل کر سکتا ہے اور اگر شریکوں نے تقسیم میں مسناۃ کا کچھ ذکر نہ کیا پھر مالک زمین اور مالک نہر نے باہم اختلاف کیا تو یہ مسناۃ مالک نہر کی ہوگی کہ اس پر نہر کے کی مٹی ڈالے اور اس پر ہو کر چلے یہ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کا قول ہے اور امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ نہر کے واسطے کچھ حریم[2] نہیں ہوتا ہے اور اگر کسی زمین قسمت (مقسومہ) میں راستہ نہ ہو اور باہم شریکوں نے اس کے حصہ دار پر یہ شرط لگائی کہ اس زمین میں اس کا راستہ نہ ہوگا اور درخت خرماء عام درختوں میں بھی یہی حکم ہے۔ ایک حصہ دار کا ایک حصہ دوسرے کی اراضی میں واقع ہو اور دونوں نے یہ شرط کر لی تھی کہ ایک کو دوسرے کی زمین میں ہو کر راستہ نہ ملے گا تو اس کا اور نہر کا حکم یکساں ہے۔ ایک نہر ایک نیستان میں گرتی تھی تو اس کے مالک کو اس

---

[1] آمد و رفت کا استحقاق نہر والے کو حاصل ہوگا دوسرے کو حاصل نہ ہوگا۔

[2] حریم اس کے گرد اس قدر جگہ جو اس کے اصلاح کے واسطے ضروری ہے جہاں دوسرا شخص دخل نہیں کر سکتا۔

کے بہاؤ کا اختیار بحالہٖ رہے گا یہ مبسوط میں ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ او امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے درمیان مسئلہ مذکورہ میں وجہ اختلاف ☆

ایک دار مشترک کے اس کے شریکوں نے باہم تقسیم کیا اور ایک کے حصہ میں ایسا بیت آیا جس میں کبوتر تھے پس اگر انہوں نے تقسیم کے وقت بیت مذکور کے ساتھ ان کبوتروں کو ذکر نہ کیا ہو تو یہ کبوتر بدستور سابق ان میں مشترک رہیں گے اور اگر ذکر کیا پس اگر یہ کبوتر ایسے ہوں کہ بدون شکار کیے پکڑے نہ جا سکتے ہوں تو تقسیم فاسد ہوگی کیونکہ تقسیم میں بیع کے معنی موجود ہوتے ہیں۔ ایسے کبوتروں کی بیع جو بدون شکار کیے نہیں ہاتھ آ سکتے ہیں فاسد ہے اور اگر یہ کبوتر بدون شکار کیے ہاتھ ہاتھ آ سکتے ہیں تو تقسیم جائز ہوگی کیونکہ ایسے کبوتروں کی بیع جو بدون صید کے ہاتھ آ سکتے ہیں جائز ہے پس تقسیم بھی جائز ہوگی اور یہ سب اس وقت ہے کہ جب شریکوں نے رات میں ان کبوتروں کے اپنے گھونسلے میں مجتمع ہونے کے وقت تقسیم کیا ہو اور اگر دن میں ان کبوتروں کے گھونسلوں سے نکل جانے کے بعد تقسیم کیا ہو تو تقسیم فاسد ہوگی یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔ اگر دو شخصوں نے ایک دار مشترک کو باہم تقسیم کیا پس ایک نے دار مذکر کا ایک ٹکڑا لیا اور دوسرے نے دوسرا ٹکڑا لیا اور دوسرے کے حصہ میں ایک باہری پیخانہ اور ایک ظلہ (چھجہ) آیا تو تقسیم اس صورت میں مثل بیع کے ہے یعنی باہری پیخانہ تقسیم میں داخل ہو جائے گا خواہ حقوق و مرافق کا ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو اور ظلہ امام اعظمؒ کے نزدیک بدون ذکر حقوق و مرافق کے داخل نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک داخل ہو جائے گا بشرطیکہ اس کا دروازہ دار میں ہو خواہ حقوق و مرافق کا ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو اور اگر اہل[1] طریق نے یہ ظلہ توڑ ڈالا تو تقسیم نہ ٹوٹے گی اور یہ شخص اپنے شریک سے کچھ واپس نہ لے سکے گا یہ مبسوط میں ہے۔ دو شخصوں نے مشترک باغ انگور کو باہم تقسیم کیا اور دونوں نے باتفاق قدیمی راستہ ایک کے واسطے قرار دیا اور نیا راستہ دوسرے کے واسطے رکھا اور اس نئے راستے پر کچھ درخت لگے ہیں تو دیکھنا چاہئے کہ اگر باتفاق دونوں نے نئے راستہ کا رقبہ اس کے واسطے قرار دیا ہے تو یہ درخت بھی اسی کے ہو جائیں گے کیونکہ تقسیم بمنزلہ بیع کے ہے اور زمین کی بیع میں درخت داخل ہو جاتے ہیں اور اگر دونوں نے فقط آمد و رفت کا حق اس کے واسطے قرار دیا ہو تو یہ درخت بدستور سابق اس میں مشترک رہیں گے کیونکہ راستہ مذکور اس کی ملک نہیں ہوا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر ایک دار دو شخصوں میں مشترک ہو اور دونوں نے اس کا ایک دروازہ اکھاڑ کر اسی دار میں رکھ دیا پھر دونوں نے اس دار کو باہم تقسیم کیا تو یہ دروازہ رکھا ہوا کسی کے حصہ میں بدون ذکر کے داخل نہ ہوگا جیسا کہ بیع کے صورت میں ہوتا ہے یہ ذخیرہ میں ہے اور حوض تقسیم نہیں کیا جاتا خواہ وہ دردہ[2] ہو یا اس سے کم ہو۔ کذا فی خزانۃ الفتاویٰ۔

باب پنجم:

تقسیم سے رجوع کرنے اور تقسیم میں قرعہ ڈالنے کے بیان میں

جاننا چاہیے کہ فقط تقسیم سے کوئی خاص حصہ کسی خاص شریک کی ملک نہیں ہو جاتا ہے بلکہ اس کے واسطے تقسیم کے بعد چار باتوں سے کسی ایک بات کا پایا جانا بھی ضروری ہوتا ہے یا تو قبضہ ہو جائے یا حکم قاضی ہو یا قرعہ اس کے نام نکلے یا شریک لوگ ایک وکیل کر دیں کہ وہ ہر ایک کے واسطے ایک حصہ لازم کر دے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر کلہ بکری دو آدمیوں میں مشترک ہو اور دونوں نے اس کے برابر دو

---

[1] کیونکہ اہل طریق یعنی عام لوگوں کو اس کو توڑ ڈالنے کا اختیار ہے اسی واسطے پہلے ہی گویا معدوم قرار دیا گیا ہے وقد مر فی کتاب البیوع۔ [2] وہ دردہ میں بعد تقسیم کے پانی کا حکم نہیں ہو سکتا ہے پس امتناع وہ دردہ میں ظاہر ہے مگر احتمال تھا کہ شاید کم میں ایسا نہ ہو کہ وہ سابق سے حکم آب جاری نہیں رکھتا ہے پس تصریح کر دی کہ اس میں بھی یہی حکم ہے۔

ٹکڑے کیے پھر قرعہ ڈالا پس ایک کے حصہ میں ایک ٹکڑا آیا اور دوسرے کے حصہ میں دوسرا ٹکڑا آیا پھر دونوں میں سے ایک نے نادم ہو کر تقسیم سے رجوع کرنا چاہا تو رجوع نہیں کر سکتا ہے کیونکہ قرعہ نکلنے اور حصہ برآمد ہونے پر قسمت تمام ہو گئی ہے۔ اس طرح اگر دونوں کسی تیسرے شخص کی تقسیم پر راضی ہوئے اور اس نے حصہ بانٹ کیا اور برابر حصہ لگانے میں کچھ قصور نہ کیا پھر دونوں کے نام قرعہ ڈالا تو ہر ایک پر اس کے نام کا حصہ لازم ہوگا یہ مبسوط میں ہے اور اگر شریک تین آدمی ہوں اور ایک کے نام قرعہ نکل چکا ہو تو تینوں میں سے ہر ایک کو اس تقسیم سے رجوع کرنے کا اختیار ہے اور اگر دو کے نام قرعہ نکل چکا ہو پھر ان تینوں میں سے کسی نے رجوع کرنا چاہا تو رجوع نہیں کر سکتا ہے اور اگر شریک چار آدمی ہوں تو جب تک تین آدمیوں کے نام قرعہ برآمد نہ ہو تب تک چاروں میں سے ہر ایک کو تقسیم سے رجوع کرنے کا اختیار رہے گا یہ محیط میں ہے۔

اگر قاسم یعنی بانٹنے والا شریکوں کی باہمی رضامندی سے بانٹتا ہو اور قرعہ سے بعض سہام برآمد ہونے کے بعد بعض نے اس تقسیم سے رجوع کیا تو اس کو اختیار ہے لیکن اگر سوائے ایک کے سب سہام برآمد ہو چکے ہیں۔ پھر رجوع کیا تو یہ حکم نہیں ہے اور بعض سہام برآمد ہونے کے بعد رجوع کا اختیار اس وجہ سے ہے کہ ایسی تقسیم وغیرہ کا اعتبار و اعتماد ان کی باہمی رضامندی پوری ہونے پر ہے اور بعض سہام کے برآمد ہونے سے اتمام نہیں ہوتا ہے پس ہر ایک کو قبل اتمام کے رجوع کا اختیار ہے کذا فی النہایہ اور اگر چند لوگوں میں بکریاں مشترک ہوں اور ان کے حصے نکالنے سے پہلے شریکوں نے قرعہ ڈالا کہ جس کے نام اولاً نکلے اس کو اس قدر بکریاں گن دیں گے اس طرح ایک بعد دوسرے کے سب کے واسطے ایسا ہی کرتے جائیں گے تو یہ جائز نہیں ہے اور اگر میراث میں اونٹ اور گائے اور بکریاں مشترک ہوں پس انہوں نے اونٹوں کا ایک حصہ قرار دیا اور گائے کا ایک حصہ اور بکریوں کا ایک حصہ بنایا پھر اس طرح قرعہ ڈالا تو یہ جائز نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر میراث میں اونٹ اور گائے اور بکریاں ہوں پھر انہوں نے اونٹ کا ایک حصہ اور گائے کا ایک حصہ اور بکریوں کا ایک حصہ بنایا پھر باہم قرعہ ڈالا اس شرط سے کہ جس کے حصہ میں اونٹ آئیں وہ اس قدر درہم اپنے دونوں شریکوں کو دے کہ وہ نصفا نصف تقسیم کر لیں تو یہ جائز ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ایک دار دو شخصوں میں مشترک ہو پھر دونوں نے اس قرار داد سے تقسیم کیا کہ ایک شریک اس دار کا موخر میں سے تہائی اپنے پورے حق کے عوض لے لے اور دوسرا اس دار کا مقدم دو تہائی اپنے پورے حق میں لے لے تو جب تک دونوں میں حدود قائم نہ ہو جائیں تب تک دونوں میں سے ہر ایک کو اس تقسیم سے رجوع کا اختیار ہے اور قبل حدود قائم ہونے کے دونوں کی قولی رضامندی کا اعتبار نہیں ہے اور اس رضامندی کا اعتبار جبھی ہوگا کہ جب حدود قائم ہو جائیں یہ ذخیرہ میں ہے۔ امام ناطفیؒ نے ذکر فرمایا کہ قرعہ ڈالنا تین طرح کا ہوتا ہے اس واسطے کہ جس کے نام قرعہ نکلے اس کا حق ثابت ہو جائے اور دوسرے کا حق باطل ہو جائے اور ایسا قرعہ باطل ہے چنانچہ اگر ایک شخص نے اپنے دو غلاموں سے کہا کہ تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے مگر اس ایک کو معین نہ کیا پھر اگر قرعہ ڈالے تو باطل ہے اور دوم طیب خاطر کے واسطے قرعہ ڈالنا اور یہ جائز ہے جیسے کہ سفر کے وقت اپنی بیبیوں میں قرعہ ڈالنا کہ جس کے نام نکلے اس کو ساتھ لے جائے یا باری کے واسطے کہ کس جورو کے پاس پہلے پہل جا کر سوئے اور سوم اس واسطے ہوتا ہے کہ برابر حقداروں میں ایک کا حق اس کے دوسرے مقابل کے مقابلہ میں ثابت کرنے کے واسطے تاکہ دونوں میں سے ایک کا حق جدا کر دے اور ایسا قرعہ جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ جب شریکوں میں قرعہ ڈالنا چاہیے کہ یوں کہہ دے کہ شریکوں میں سے جس کا قرعہ پہلے نکلے گا اس کو اس جانب سے حصہ دوں گا اور اس کے پیچھے جس کا نام نکلے گا اس کو پہلے کے حصہ کے پہلو میں دوں گا کذا فی شرح الطحاوی۔

باب سُم:

تقسیم میں خیار ہونے کے بیان میں

تقسیم تین طرح کی ہوتی ہے ایک ایسی تقسیم جس میں انکار کرنے والے پر جبر نہیں کیا جاتا ہے جیسے اجناس مختلفہ کی تقسیم۔

دوسری وہ تقسیم جس میں انکار کرنے والے پر جبر کیا جاتا ہے جیسے کیلیات وزنیات یعنی مثلی چیزوں میں ہوتا ہے اور تیسری ایسی تقسیم جس میں غیر مثلیات میں انکار کرنے والے پر جبر کیا جاتا ہے۔ جیسے ایک قسم کے کپڑے اور خیارات تین ہوتے ہیں ایک خیار شرط، دوسرا خیار عیب، اور تیسرا خیار رویت۔ پس اجناس مختلفہ کی تقسیم میں یہ سب خیارات ثابت ہوتے ہیں اور مثلیات مثل مکیلات وموزونات ہیں خیار عیب ثابت ہوتا ہے خیار رویت وخیار شرط ثابت نہیں ہوتا ہے اور غیر مثلیات جیسے ایک قسم کے کپڑے اور گائے اور بکری وغیرہ ان کی تقسیم میں خیار عیب ثابت ہوتا ہے اور آیا خیار شرط وخیار رویت بھی ثابت ہوتا ہے یا نہیں سو موافق روایت ابو سلیمانؒ کے ثابت ہوتا ہے اور یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ فتاویٰ صغریٰ میں ہے۔

پھر امام محمدؒ نے کتاب میں یوں ذکر فرمایا کہ گیہوں اور جو اور ہر چیز جو کیل کی جاتی ہے اور ہر چیز جو وزن کی جاتی ہی ہیں ایسی چیزوں کی تقسیم میں خیار رویت ثابت رکھتا ہوں اور ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ گیہوں اور جو کہنے سے اور مکیل اور موزوں کہنے سے یہ مراد ہے کہ دونوں بالمجموع ہوں ہر ایک چیز تنہا نہ ہوئے تا کہ مقسوم چند اجناس [1] مختلفہ ہو جائیں پس تقسیم ایسی تقسیم ہو جائے کہ دونوں کی رضا مندی کا حکم اس کا موجب نہ ہوئے پس اس میں خیار رویت ثابت ہو اور اگر امام محمدؒ نے اس سے الگ الگ فقط گیہوں حصہ میں آتا یا جو حصہ میں آنا مراد لیا ہے تو ایسی صورت پر مجہول ہوگی کہ جب اس کی صفت مختلف ہو مثلاً بعض سخت وٹھوس ہو اور بعض نرم ہو اور بعض سرخ اور بعض سپید ہو اور دونوں نے اس کو اسی طرح تقسیم کر لیا حتیٰ کہ تقسیم ایسی وجہ پر واقع ہوئی کہ دونوں کی تراضی کا حکم اس کا موجب نہیں ہے یا ایسی صورت پر محمول ہے کہ اس کی صفت تو ایک ہی طرح کی ہے لیکن ایک کے حصہ میں ڈھیری کے اوپر کے گیہوں آئے اور دوسرے کے حصہ میں نیچے کے آئے اور واضح ہو کہ یہی حکم سونے کے ٹکڑوں اور چاندی کے ٹکڑوں میں ہے اور یہی حکم چاندی اور سونے کے برتنوں اور جواہرات وموتیوں میں ہے اور یہی حکم تمام عروض میں ہے اور یہی حکم ہتھیاروں اور تلواروں وزین میں ہے۔ یہ محیط میں ہے اور اگر دو ہزار درہم دو آدمیوں میں مشترک ہوں اور ہر ہزار ایک تھیلی میں ہوں پس دونوں نے اس قرار داد پر تقسیم کیا کہ ہر ایک نے ایک تھیلی لے لی حالانکہ دونوں میں سے ایک نے تمام مال دیکھا تھا اور دوسرے نے اس کو نہیں دیکھا تو جس نے دیکھا ہے اس پر تقسیم جائز ہو [2] گی اور اس میں دونوں میں سے کسی کو خیار نہ ہوگا لیکن اگر اس شخص کا حصہ جس نے مال نہیں دیکھا ہے ناکارہ ہوئے تو اس کو خیار حاصل ہوگا اور اگر دو شخصوں نے ایک دار باہم تقسیم کیا حالانکہ دونوں میں سے ہر ایک نے وہ حصہ دار اور وہ منزل جو اس کے حصہ میں آئی ہے اوپر سے دیکھی تھی مگر اندر سے نہیں دیکھی تھی تو دونوں میں سے کسی کا خیار حاصل نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر دونوں نے بستان وکرم کو باہم تقسیم کیا پس ایک کے حصہ میں بستان آیا اور دوسرے کے حصہ میں کرم آیا اور جو کچھ جس کے حصہ میں آیا اس کو اس نے نہیں دیکھا تھا نہ اوپر سے اور نہ اندر سے نہ اس نے درخت خرما اور نہ اور قسم کے درخت دیکھے لیکن اس نے چار دیواری کو باہر سے دیکھا تھا تو دونوں میں سے کسی کو خیار حاصل نہ ہوگا اور اوپر سے دیکھنا مثل اندر کے دیکھنے کے قرار دیا جائے گا اس طرح کپڑے کے تہہ کیے تھان میں اوپر سے کپڑے کا کوئی جزو دیکھ لینا خیار ساقط ہونے کے حق میں مثل تمام تھان کے دیکھنے کے ہے کذا فی المبسوط۔

ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا کہ امام محمدؒ کے اس قول کی کہ (نہ اس نے درخت خرما اور نہ اور قسم کے درخت دیکھے) یہ تاویل ہے کہ پورے درخت خرما اور پورے اور قسم کے درخت نہیں دیکھے بلکہ فقط درختوں اور درختان خرما کی چوٹیاں دیکھی ہیں کیونکہ اگر اس

---

[1] مختلف قسم کے چند اجناس داخل ہو کر رہ ہوئیں کیونکہ اسی بناء پر مدار مسئلہ ہے۔ [2] میں کہتا ہوں کہ جس نے نہیں دیکھا اس پر بھی جائز ہے۔ شاید یہ عبارت اصل سے ساقط ہوگئی ہو یعنی تقسیم دونوں پر جائز ہوگی۔

نے درختوں کی چوٹیاں بھی نہ دیکھی ہوں تو خیار رویت ساقط نہ ہوگا اور یہ قائل بیع [1] محض میں بھی ایسا ہی فرماتا پھر واضح ہو کہ جب عقد قسمت میں خیار رویت ثابت ہوا تو جہاں ثابت ہوگا وہاں جس چیز سے بیع محض میں خیار باطل ہوتا ہے اس چیز سے عقد قسمت میں بھی خیار باطل ہو جائے گا اور خیار عیب عقد قسمت کی دونوں قسموں میں ثابت ہوتا ہے اور اگر شریکوں میں سے کسی نے اپنے حصہ کی کسی چیز میں عیب پایا پس اگر قبضہ سے پہلے معلوم کر لیا تو اپنا پورا حصہ واپس کر دے خواہ مقسوم کوئی شے واحد ہو یا اشیائے مختلفہ ہوں جیسا بیع میں حکم ہے اور اگر قبضہ کے بعد معلوم کیا پس اگر مقسوم ایسی چیز ہو جو حقیقۃً وحکماً واحد ہے جیسے دار واحد یا حکماً واحد ہو نہ حقیقۃً جیسے مکیل وموزون تو اس کو یہ اختیار ہوگا کہ پورا حصہ واپس کر دے اور یہ اختیار نہ ہوگا کہ کچھ واپس کرے اور کچھ واپس نہ کرے جیسا کہ بیع محض میں حکم ہے اور اگر مقسوم اشیاء مختلفہ ہوں جیسے بکریاں تو فقط عیب دار کو واپس کر دے جیسا کہ بیع محض میں حکم ہے اور جس چیز سے بیع محض میں خیار عیب باطل ہو جاتا ہے اس سے قسمت میں بھی باطل ہوتا ہے اور اگر باندی [2] میں عیب پانے کے بعد اس سے خدمت لی تو استحساناً اس کو واپس کر سکتا ہے اور اگر دار عیب پانے کے بعد برابر اس میں رہتا رہا تو اس کو بھی استحساناً واپس کر سکتا ہے اور اگر کپڑے کو برابر پہنتا رہا یا چوپایہ پر برابر سوار ہوتا رہا یا عیب جاننے کے بعد برابر اس نے ایسا کیا تو قیاساً و استحساناً ان دونوں کو واپس نہیں کر سکتا ہے اور خیار شرط کی صورت میں اگر اس نے دار میں مدت خیار میں سکونت اختیار کی یا برابر رہتا رہا تو امام محمدؒ نے کتاب البیوع میں فرمایا کہ اگر مشتری نے دار معینہ میں مدت خیار میں سکونت کی تو اس کا خیار ساقط ہو جائے گا اور اس میں دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ مشتری نے مدت خیار میں اپنی سکونت پیدا کی اور ایک یہ کہ وہ اس میں رہتا تھا اور مدت خیار میں بھی برابر رہتا رہا مگر امام محمدؒ نے ان دونوں کی تفصیل نہیں فرمائی اور ہمارے مشائخ میں سے جس نے مسئلہ قسمت میں ان دونوں صورتوں میں فرق کیا ہے اس نے خیار شرط میں بھی ان دونوں صورتوں میں فرق کیا ہے اور فرمایا کہ از سر نو سکونت پیدا کرنے سے خیار شرط باطل ہوتا ہے اور اگر رہتا تھا اور برابر رہتا رہا تو باطل نہیں ہوتا ہے اور ان دونوں عقدوں میں کچھ فرق نہیں ہے اور مشائخ میں سے جس نے یوں فرمایا ہے کہ قسمت میں خیار عیب باطل نہیں ہوتا ہے نہ سکونت پیدا کرنے سے اور نہ سکونت پر مداومت رکھنے سے وہ فرماتا ہے کہ خیار شرط سکونت پیدا کرنے سے اور سکونت پر مداومت کرنے سے باطل ہوتا ہے یہ محیط میں ہے۔

اگر حصہ دار نے وہ حصہ دار جو اس کو تقسیم میں ملا ہے، بدون عیب جاننے کے فروخت کر دیا پھر مشتری نے اسی عیب کی وجہ سے اس کو واپس کر دیا پس اگر اس نے بدون حکم قاضی اس کو قبول کر لیا تو اس کو قسمت کے توڑنے کا اختیار نہ ہوگا اور اگر اس نے بحکم قاضی قبول کیا ہے تو اس کو اختیار ہوگا کہ تقسیم توڑ کر واپس کر دے اور واضح ہو کہ اس باب میں گواہوں سے ثابت ہو کر قاضی کا حکم ہونا یا اس کی قسم سے انکار کرنے سے ثابت ہو کر حکم ہونا دونوں یکساں ہیں یہ مبسوط میں ہے اور اگر مشتری مذکور نے دار مذکور میں سے کچھ گرا دیا قبل اس کے کہ عیب سے واقف ہو تو پھر اس کو بسبب عیب کے واپس نہیں کر سکتا ہے۔ مگر نقصان عیب لے سکتا ہے جیسا کہ بیع محض میں حکم ہے اور فرمایا کہ بائع کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اس نے جس قدر مال نقصان مشتری کو دیا ہے اس کو قاسم سے واپس لے اور اس حکم کو یوں ہی مطلقاً بدون ذکر خلاف کے بیان فرمایا اور ہمارے مشائخ میں سے بعض نے فرمایا کہ یہ حکم جو یہاں مذکور ہے فقط امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک یوں حکم ہے کہ مال نقصان کو قاسم سے واپس لے گا اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ کتاب القسمۃ میں جو حکم مذکور ہے وہ بالاتفاق سب کا قول ہے مگر صحیح یہ ہے کہ مسئلہ

---

[1] بیع محض سے خالص بیع کا عقد مراد ہے نہ وہ جس میں ضمناً بیع کے معنے ہوں جیسے عقد قسمت وغیرہ۔ [2] یعنی حصہ کی باندی۔

مذکورہ [1] میں اختلاف ہے یہ محیط میں ہے اور اگر شریک ہی نے خود اس میں سے کچھ گرا دیا اور اس کو فروخت نہ کیا پھر اس میں کچھ عیب پایا تو نقصان عیب کو اپنے شریکوں کے حصوں میں سے لے گا لیکن اگر اس کے شریک اس امر پر راضی ہوں کہ تقسیم توڑی جائے اور یہ شخص اس حصہ کو بعینہٖ گرا ہوا واپس کر دے تو یہ حکم نہیں ہے یہ مبسوط میں ہے۔ واضح ہو کہ تقسیم جہاں جہاں خیار رؤیت بالاتفاق و باختلاف الروایات ثابت ہوتا ہے وہاں خیار شرط بھی ثابت ہوتا ہے اور جس سے بیع محض میں خیار شرط باطل ہوتا ہے اس سے عقد قسمت میں بھی باطل ہوتا ہے اور جس طرح بیع محض میں خیار شرط ثابت ہوتا ہے اس طرح عقد قسمت میں بھی ثابت ہوتا ہے حتیٰ کہ تین روز کے واسطے خیار شرط بلا خلاف جائز ہے اور جو تین روز سے زائد ہے اس میں امام اعظمؒ اور ان کے صاحبین میں اختلاف [ل] ہے کذا فی المحیط۔ اگر خیار شرط میں تین روز گذر گئے پھر دونوں سے ایک نے تین روز کے اندر بختار شرط رد کر دینے کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے اجازت دینے کا دعویٰ کیا تو مدعی [2] اجازت کا قول قبول ہوگا اور اگر دونوں نے گواہ قائم کیے تو جو شخص رد کا دعویٰ کرتا ہے اس کے گواہ قبول ہوں گے کذا فی المبسوط۔

<u>باب بفتم:</u>

ان لوگوں کے بیان میں جو غیر کی طرف سے متولی تقسیم ہو سکتے ہیں اور جو نہیں ہو سکتے ہیں

اصل یہ ہے کہ جو شخص کسی چیز کی بیع کا اختیار رکھتا ہے وہ اس کی تقسیم کا بھی اختیار رکھتا ہے یہ محیط میں ہے۔ نابالغ و معتوہ کی طرف سے اس کے باپ کی تقسیم ہر چیز میں جائز ہے بشرطیکہ اس میں غبن [ع] فاحش نہ ہو اور باپ کے مرنے کے بعد اس کا وصی بھی باپ کا قائم مقام ہوتا ہے اور اگر باپ کا وصی موجود نہ ہو تو سگے دادا [3] کا بھی یہی حکم ہے اور ماں نے جو ترکہ چھوڑا [4] ہے اس میں سوائے عقار کے باقی چیزوں کا تقسیم کرنا ماں کے وصی کے فعل سے جائز ہے بشرطیکہ اولیاء مذکور بالا میں سے کوئی موجود نہ ہو کیونکہ ان کا وصی اس کی ماں کا قائم مقام ہے اور ماں کا تصرف کرنا ایسی چیزوں میں جو اس کے نابالغ فرزند کی ملک ہے سوائے عقار کے باقی میں بطور بیع کے صحیح ہے پس ایسے ہی بطور قسمت کے بھی صحیح ہے اور ماں اور بھائی اور چچا کا تقسیم کرنا اور شوہر کا اپنی نابالغہ جورو یا بالغہ غائبہ جورو کی طرف سے تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ کافر یا مملوک یا مکاتب کا اپنے فرزند نابالغ آزاد مسلمان کی طرف سے تقسیم کرنا جائز نہیں ہے اور ملتقط [س] کا لقیط کی طرف سے تقسیم کرنا بھی جائز نہیں ہے اگرچہ لقیط اپنے ملتقط کے عیال میں ہو یہ مبسوط میں ہے اور اگر قاضی نے یتیم کے واسطے کل چیز میں کوئی وصی مقرر کیا اور اس نے یتیم کی طرف سے عقار و عروض میں تقسیم کی تو جائز ہے اور اگر اس کو فقط نفقہ یا کسی خاص چیز کی حفاظت کے واسطے وصی مقرر کیا ہو کر جائز نہیں ہے اور یہ بخلاف باپ کے وصی مقرر کرنے کے لئے ہے کہ اگر باپ نے کسی امر خاص میں اس کو وصی مقرر کیا تو وہ سب امور کے واسطے وصی ہو جائے گا یہ محیط میں ہے۔

اگر وصی نے مال مشترک دو نابالغوں میں تقسیم کیا تو جائز نہیں ہے جیسا کہ اگر وصی نے ایک نابالغ کا مال دوسرے کے ہاتھ فروخت کیا تو نہیں جائز ہے بخلاف باپ کے کہ اگر باپ نے اپنے نابالغ اولاد کا مال ان میں باہم تقسیم کر دیا تو جائز ہے جیسا کہ اگر باپ نے اپنی اولاد نابالغ میں سے ایک کا مال دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیا تو جائز ہے اور اس بات میں وصی کے واسطے حیلہ یہ ہے کہ ایک نابالغ کا غیر مقسوم حصہ کسی مشتری کے ہاتھ فروخت کر کے پھر مشتری کے ساتھ دوسرے نابالغ کے حصہ کا مقاسمہ کر لے پھر اس مشتری

[ل] امام اعظمؒ کے نزدیک ناجائز ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے۔ [ع] غبن فاحش کھلا ہوا ایسا خسارہ کہ جس کو لوگ برداشت نہ کرتے ہوں یعنی اندازہ کرنے والے اس قدر زیادہ اندازہ نہ کرتے ہوں۔ [س] لقیط لاوارث بچہ جو راستہ میں پڑا ہوا ملے ملتقط اس کا اٹھانے والا۔

(۱) جیسا کہ از ابعض مشائخ نے فرمایا ہے۔ (۲) جس کو حاصل تھا اس نے اجازت دے دی اور عقد کو پورا کر دیا۔

(۳) باپ کا باپ۔ (۴) نابالغ کے واسطے۔

سے دوسرے نابالغ کا حصہ جو فروخت کیا ہے اس کے واسطے خرید لے پس دونوں نابالغوں کا حصہ جدا جدا ہو جائے گا اور یہ تقسیم اس واسطے جائز ہو گی کہ یہ تقسیم مشتری اور وصی کے درمیان جاری ہوئی ہے اور دوسرا حیلہ یہ ہے کہ دونوں کا حصہ کسی شخص کے ہاتھ فروخت کر دے پھر اسی شخص سے دونوں کا حصہ جدا کیا ہوا خرید ے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر نابالغ و وصی کے درمیان مال مشترک ہو تو وصی کا تقسیم کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر اس تقسیم میں نابالغ کے واسطے منفعت ظاہرہ ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک جائز ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک نہیں جائز ہے اگر چہ نابالغ کے واسطے منفعت ظاہرہ نہ ہو اور اگر باپ نے اپنا اور اپنے فرزند نابالغ کا مال مشترک تقسیم کیا تو جائز ہے اور اگر چہ اس میں نابالغ کے واسطے منفعت ظاہرہ ہوئے یہ محیط میں ہے۔ اگر وارثوں میں نابالغ اور بالغ ہوں اور وارثان بالغ حاضر ہوں پس وصی نے بالغوں سے حصہ بانٹ اس طرح کیا کہ سب نابالغوں کا حصہ اکٹھا جدا کیا اور یوں نہ کیا کہ ہر نابالغ کا حصہ جدا کر لے تو تقسیم جائز ہو گی پھر اس کے بعد اگر وصی نے نابالغوں کا حصہ باہم تقسیم کر دیا تو یہ تقسیم جائز نہ ہو گی اور اگر وارث لوگ بالغ ہوں اور غائب ہوں تو وصی کا مال عقار ان میں تقسیم کرنا جائز نہیں ہے مگر مال عروض[1] ان میں تقسیم کرنا جائز ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ وارث لوگ سب بالغ ہوں اور ان میں سے بعض حاضر ہوں اور بعض غائب ہوں پس اس نے حاضرین سے تقسیم کی اور ان کا حصہ جدا کیا اور بقالی نے اپنی کتاب میں مال عروض کے ساتھ اتنا لفظ زیادہ کیا کہ مال عروض باپ کے ترکہ میں سے الخ یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر وارثوں میں ایک صغیر ہو اور ایک بالغ غائب ہو اور باقی بالغ وارث حاضر ہوں اور وصی نے بالغ غائب کا حصہ مع صغیر کے حصہ کے جدا کر لیا اور وارثان حاضر سے مقاسمہ کر لیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک یہ مقاسمہ عقار وغیرہ عقار سب میں جائز ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک بالغ کی طرف سے عقار میں نہیں جائز ہے اور یہ بنا پر اس کے ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک بالغ کی طرف سے وصی کی بیع مال عقار میں تین جگہ جائز ہے ایک تو جب میت پر قرضہ ہو اور دوسرے جبکہ ترکہ میں وصیت ہو اور تیسرے جب کہ وارثوں میں کوئی صغیر ہو پس بیع کے مانند تقسیم میں بھی ایسا ہی ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر وارثوں میں بالغ و نابالغ دونوں ہوں اور وصی نے ہر بالغ و ہر نابالغ کا حصہ جدا جدا کر کے ہر ایک کو تقسیم کر دیا تو بالکل جائز نہیں ہے اور اگر ترکہ کے واسطے ایک تہائی کی وصیت ہو پھر وصی نے اس موصی لہ سے حصہ بانٹ کر کے ایک تہائی موصی لہ کو دیا اور دو تہائی وارثوں کے واسطے رکھ لیا تو صحیح ہے اور اگر یہ مال وصی کے پاس تلف ہو گیا تو اس پر ضمان واجب نہ ہو گی اور اگر وارث لوگ بالغ ہوں اور غائب ہوں پھر وصی نے موصی لہ سے حصہ بانٹ کر کے وارثان مذکور کا حصہ لے لیا تو جائز ہے ایسا ہی اصل میں مذکور ہے اور اگر وصی لہ غائب ہو اور وارث لوگ بالغ ہوں اور حاضر ہوں اور وصی نے وارثوں سے حصہ بانٹ کر کے موصی لہ کا حصہ لے لیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک یہ تقسیم باطل ہے مگر امام ابو یوسفؒ اس میں خلاف کرتے ہیں یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک شخص مر گیا اور کسی شخص کو اپنا وصی مقرر کر گیا اور ترکہ پر غیر مستغرق قرضہ ہے اور وارثوں نے وصی سے درخواست کی کہ ترکہ میں سے بقدر قرضہ کے جدا کر کے باقی ہم میں تقسیم کر دے تو اس کو اختیار ہو گا کہ ان میں تقسیم نہ کرے اور بقدر دین کے غیر مقسوم ہونے کی حالت میں فروخت کر دے یہ ظہیریہ میں ہے۔ اگر دو وصیوں نے مال تقسیم کیا پس ایک نے بعض وارثوں کا حصہ لیا اور دوسرے نے باقی وارثوں کا حصہ لیا تو یہ نہیں جائز ہے اور اگر تقسیم سے پہلے دونوں میں سے ایک وصی غائب ہو گیا اور دوسرے نے وارثوں سے تقسیم کی تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ و امام محمدؒ کے نزدیک نہیں جائز ہے اور امام ابو یوسفؒ اس میں خلاف کرتے ہیں اور جس شخص کو برسام ہو یا خود بیہوشی طاری ہوئی ہو یا کبھی جنون ہو جاتا ہو اور کبھی افاقہ ہو جاتا ہو تو

---

[1] عروض متاع و اسباب ہر قسم۔

اس کی طرف سے حصہ بانٹ کر دینا جائز نہ ہوگا لیکن اگر اس نے حالت صحت وافاقہ میں رضامندی ظاہر کی ہو یا وکیل کر دیا ہو تو جائز[1] ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ وصی مرد ذمی ہے اور وارث لوگ مسلمان ہیں تو ایسا وصی اپنے وصی ہونے سے خارج کیا جائے گا مگر قبل خارج کیے جانے کے اگر اس نے تقسیم کی ہو تو قسمت جائز ہوگی اور اس طرح اگر میت کے سوائے کسی غیر کا غلام اس میت کا وصی ہو تو جب تک خارج نہ کیا جائے تب تک وصی قرار پائے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔

قسمت کے احکام میں ذمی لوگ بمنزلہ اہل اسلام کے ہیں سوائے سور و شراب کے کہ اگر سور و شراب ان میں مشترک ہو اور بعض نے تقسیم کی درخواست کی اور بعض نے انکار کیا تو میں انکار کرنے والوں پر تقسیم کے واسطے جبر کروں گا جیسا کہ سوائے سور و شراب کے اور چیزوں کی تقسیم کے واسطے مجبور کرتا ہوں۔ اگر ذمیوں نے باہم شراب کو تقسیم کر لیا اور بعض نے از راہ پیمانہ زیادہ لی تو ایسی زیادتی ذمیوں کے حق میں بھی جائز نہ ہوگی اور اگر کسی ذمی کا وصی مسلمان ہو تو اس مسلمان وصی کے حق میں شراب و سور کا مقاسمہ کرنا مکروہ جانتا ہوں لیکن یہ مسلمان کسی ذمی کو اپنا غائب یا وکیل کر دے جو نابالغ کی طرف سے شراب کا حصہ بانٹ کرا کے بعد تقسیم کے اس کو فروخت کر دے اور اگر کسی ذمی نے مسلمان کو ایسی میراث کے واسطے جس میں شراب و سور ہے وکیل کیا تو مسلمان سے ایسا فعل جائز نہیں ہے جیسے کہ مسلمان کو شراب و سور کا فروخت کرنا و خریدنا جائز نہیں ہے اور اس مسلمان وکیل کو یہ بھی اختیار نہیں ہے کہ شراب و سور کے مقاسمہ کے واسطے اپنی طرف سے دوسرے کو وکیل کر دے اس وجہ سے کہ اس کا موکل اس کے سوائے غیر شخص کی رائے پر راضی نہیں ہوا ہے اور اگر راضی ہوا ہو مثلاً اسے یہ کام اس کی رائے پر سونپ دیا ہو اور اس نے کسی ذمی کو اپنی طرف سے وکیل قسمت کر دیا تو جائز ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر وارثوں میں سے ایک وارث مسلمان ہو گیا اور اس نے کسی ذمی کو اس واسطے وکیل کیا کہ جس قدر شراب و سور ہیں ان کا مقاسمہ کرے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔ مگر صاحبینؒ نے اس میں خلاف کیا ہے جیسا کہ اگر کسی مسلمان نے ذمی کو شراب فروخت کرنے کے واسطے وکیل کیا تو یوں ہی حکم ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ اگر اس وارث نے جو مسلمان ہو گیا ہے شراب کا اپنا حصہ لے کر اس کو سرکہ کر ڈالا تو جس قدر شراب سرکہ کر ڈالی ہے اس میں سے دوسرے وارثوں کے حصہ کا ضامن ہوگا اور یہ سرکہ اسی کا ہو جائے گا اور اگر کسی ذمی کے ترکہ میں فقط شراب و سور ہوں اور اس کے قرض خواہ لوگ مسلمان ہوں اور اس کا وصی نہ ہو تو قاضی اس کی فروخت کے واسطے ذمیوں میں سے ایک شخص کو مقرر کرے گا کہ وہ اس کو فروخت کر کے میت کا قرضہ ادا نہ کرے یہ مبسوط میں ہے اور اگر حربی مستامن نے اپنے ذمی بیٹے کی طرف سے مقاسمہ کیا تو جائز نہیں ہے اور اگر اس کا بیٹا بھی باپ کے مانند حربی ہو تو تقسیم جائز ہوگی یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر مرتد نے جو حالت ردت میں بدیں جرم قتل کیا گیا ہے اپنے نابالغ فرزند کی طرف سے جو مثل اس کے مرتد ہے مقاسمہ کیا تو جائز نہیں ہے یہ مبسوط میں ہے۔ ماذون کا تقسیم کرنا مثل آزاد مرد کی تقسیم کے ہے کذا فی محیط السرخسی اور مکاتب بھی تقسیم میں مثل آزاد کے ہے اور تقسیم میں مثل بیع کے معاوضہ کے معنی موجود ہیں اور اگر مکاتب بعد قسمت کے عاجز ہو گیا تو اس کے مولیٰ کو فسخ قسمت کا اختیار نہ ہوگا اور اگر مولیٰ نے بغیر رضامندی مکاتب کے اس کی طرف سے مقاسمہ کیا تو نہیں جائز ہے خواہ مکاتب حاضر ہو یا غائب ہو اور اگر مولیٰ نے اس طرح اس کی طرف سے مقاسمہ کر لیا پھر مکاتب عاجز ہو گیا اور یہ چیز مولیٰ کی ہو گئی تو یہ تقسیم جائز نہ ہو جائے گی جیسے کہ مولیٰ کے اور تصرفات بسبب مکاتب کے عاجز ہو جانے کے نافذ نہیں ہو جاتے ہیں اور اگر مکاتب نے تقسیم کے واسطے کوئی وکیل کیا پھر خود عاجز ہو گیا یا مر گیا[2] تو اس کے وکیل کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اس کے بعد مقاسمہ کرے اور اگر مکاتب مذکور آزاد کر دیا گیا تو اس کا وکیل اپنی وکالت

---

[1] جس کو اجازت دی یا جس کو وکیل کیا ہے وہ مقاسمہ کر سکتا ہے۔ [2] یعنی یہ بدوں اس قدر مال چھوڑے کہ جس سے ادائے کتابت ہو سکے مر گیا۔

پر رہے گا اور اگر مکاتب نے اپنی موت کے وقت کسی کو وصی مقرر کر دیا اور وصی نے اس کے بالغ وارثوں سے اس کے نابالغ فرزند کے واسطے مقاسمہ کیا اور مکاتب اپنی کتابت کی ادا کے لائق مال چھوڑ مرا ہے تو اس کے وصی کا بٹوارہ اس صورت میں جائز ہوگا جیسے کہ مکاتب مذکور اگر آزاد ہوتا تو جائز ہوتا کیونکہ مکاتب کا مال کتابت ادا کر دیا جائے گا اور یہ حکم دیا جائے گا کہ وہ اپنی حیات کے آخر جزو میں آزاد ہو کر مرا ہے پس گویا اس نے خود کتابت کا مال ادا کر کے انتقال کیا پس اس کا وصی اس کے نابالغ فرزند کی طرف سے تصرف کرنے میں مثل وصی آزاد کے ہوگا اور امام محمدؒ نے زیادات میں فرمایا کہ مکاتب مذکور کا وصی اس کے فرزند بالغ غائب کے حق میں مثل وصی آزاد مرد کے ہے حتیٰ کہ سوائے عقار کے اس کا تقسیم کرنا جائز ہے انتہا کلامہ اور جو وہاں ذکر فرمایا ہے یہی اصح ہے اور اگر مکاتب مذکور نے اپنی کتاب ادا کرنے کے لائق مال نہ چھوڑا ہو اور وصی نے اس کے نابالغ فرزند کے واسطے اس کے بالغ وارثوں سے مقاسمہ کر لیا اور اس کے وارثوں نے اس کی کتابت کے واسطے سعایت کی تو تقسیم جائز نہ ہوگی پھر اگر وارثوں نے قبل اس قسمت کے رد کر دینے کے مال کتابت ادا کر دیا تو یہی تقسیم کافی ہوگی کذا فی شرح المبسوط۔

باب بفتم:

ایسی حالت میں تقسیم ترکہ کا بیان کہ میّت پر یا میّت کا قرضہ موجود ہو یا موصی لہ موجود ہو اور بعد تقسیم کے قرضہ ظاہر ہونے کے بیان میں اور وارث کا ترکہ میں دین کا یا اعیان ترکہ میں سے کسی مال معین کا دعویٰ کرنے کے بیان میں

اگر وارثوں میں سے کسی وارث نے میت پر قرضہ ہونے کا اقرار کیا اور باقیوں نے انکار کیا تو ترکہ ان لوگوں میں تقسیم کیا جائے گا کہ پھر جب کہ مقر کا حصہ تمام دین ادا ہونے کے واسطے کافی ہو تو ہمارے نزدیک مقر کو حکم دیا جائے گا کہ اپنے حصہ میں سے تمام قرضہ ادا کرے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر وارثوں نے میت کا داریاز میں تقسیم کر لی حالانکہ میت پر قرضہ ہے پھر قرض خواہ اپنا دین طلب کرنے کو حاضر ہوئے تو ان کو اختیار ہوگا کہ اس تقسیم کو توڑ دیں خواہ قرضہ قلیل ہو یا کثیر ہو اور اگر وارثوں نے قاضی سے تقسیم ترکہ کی درخواست کی اور میت پر قرضہ ہے اور قاضی اس کو جانتا ہے اور قرض خواہ غائب ہے پس اگر دین مستغرق ہو یعنی تمام ترکہ کو محیط ہو تو قاضی ترکہ مذکور وارثوں میں تقسیم نہ کرے گا اس واسطے کہ وارثوں کا اس میں کچھ حق نہیں ہے پس تقسیم کا کچھ فائدہ نہ ہوگا اور اگر قرضہ غیر مستغرق ہو تو قیاساً اس صورت میں بھی تقسیم نہ کرے گا بلکہ سب ترکہ متوقف رکھے گا مگر استحساناً یہ حکم ہے کہ بقدر دین کے موقوف رکھ کر باقی وارثوں میں تقسیم کر دے اور امام اعظمؒ کے نزدیک اس میں کسی صورت میں وارثوں سے کوئی کفیل نہ لے گا اور صاحبینؒ اس میں خلاف کرتے ہیں اور اگر قاضی کو میت پر قرضہ ہونا معلوم نہ ہو تو وارثوں سے دریافت[1] کرے گا کہ آیا میت پر قرضہ ہے پس اگر انہوں نے کہا کہ ہاں تو ان سے قرضہ کی مقدار دریافت کرے گا کیونکہ اس میں حکم مختلف ہو جاتا ہے یعنی اگر مقدار قرضہ اس قدر ہو کہ تمام ترکہ کو محیط ہو تو اور حکم ہے اور اگر محیط نہ ہو تو اور حکم ہے پس دریافت کرنا ضروری ہے اور اگر وارثوں نے کہا کہ میت پر قرضہ نہیں ہے تو قول انہیں کا مقبول ہوگا کیونکہ وارث لوگ میت کے قائم مقام[1] ہیں۔ پھر ان سے دریافت کرے گا کہ آیا ترکہ میں وصیت ہے پس اگر انہوں نے کہا کہ ہاں تو ان سے دریافت کرے گا کہ آیا یہ وصیت تعین[2] ہے یا وصیت مرسلہ ہے کیونکہ دونوں حالتوں میں حکم مختلف ہے[3] اور اگر انہوں نے

---

[1] یہ گواہی گواہان مدعی یا باقرار ثابت ہو اور یہی مراد ہر جگہ ہے۔ (۱) حالت زندگی میں میت کا قول مقبول تھا اور گواہ قرض خواہ کے۔

(۲) تعین مثلاً مکان کی وصیت ہو اور مرسلہ مثلاً تہائی مال کی وصیت۔ (۳) (چنانچہ اس کا بیان عنقریب آتا ہے انشاءاللہ تعالیٰ)۔

کہا کہ ترکہ میں وصیت نہیں ہے تو اب ترکہ کو ان میں تقسیم کر دے گا پھر اس کے بعد اگر قرضہ ظاہر ہوا تو قاضی اس تقسیم کو توڑ دے گا اسی طرح اگر قاضی نے ان سے دریافت نہ کیا ہو کہ دین ہے یا نہیں اور ان میں ترکہ تقسیم کر دیا ہو حتیٰ کہ ظاہراً تقسیم جائز ہو چکی ہو پھر دین ظاہر ہوا تو بھی قاضی تقسیم مذکور کو توڑ دے گا لیکن اگر وارثوں نے یہ قرضہ اپنے مال میں سے ادا کر دیا تو قاضی دونوں صورتوں میں تقسیم کو نہ توڑ دے گا اسی طرح اگر قرض خواہ نے میت کو قرضہ سے بری کر دیا تو بھی تقسیم کو نہ توڑے گا اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ وارثوں نے قرض خواہ کا حصہ الگ نہ کیا ہو اور سوائے اس کے جس کو وارثوں نے تقسیم کر لیا ہے میت کا اور کچھ مال بھی نہ ہو اور اگر وارثوں نے قرض خواہ کا حصہ جدا کر دیا ہو یا سوائے اس[1] مال کے جس کو تقسیم کیا ہے میت کا اور کچھ مال ہو تو قاضی اس تقسیم کو نہ توڑے گا۔

اسی طرح اگر کوئی دوسرا وارث ظاہر ہوا جس کو پہلے گواہوں نے نہ جانا تھا یا تہائی یا چوتھائی کا موصی لہ ظاہر ہوا تو قاضی تقسیم مذکورہ کو توڑ کر پھیر دوبارہ تقسیم کرے گا اور اگر وارثوں نے کہا کہ ہم اس وارث یا موصی لہ کا حق اپنے مال سے ادا کیے دیتے ہیں اور تقسیم نہ توڑیں گے تو قاضی ان کے قول پر التفات نہ کرے گا لیکن اگر یہ وارث یا موصی لہ اس امر پر راضی ہو جائے تو ہو سکتا ہے اور اگر کوئی قرض خواہ یا ہزار درہم وصیت مرسلہ کا موصی لہ ظاہر ہوا اور وارثوں نے کہا کہ ہم اس قرض خواہ یا ایسے موصی لہ کا حق اپنے مال سے ادا کیے دیتے ہیں اور تقسیم کو نہ توڑیں گے تو ان کو یہ اختیار حاصل ہے اس وجہ سے کہ وارث اور تہائی و چوتھائی وغیرہ کے موصی لہ کا حق تو عین ترکہ میں ہے سو جب وارثوں نے یہ چاہا کہ ہم اس کا حق اپنے مال سے ادا کریں تو یہ چاہا کہ ترکہ میں سے جو کچھ اس کا حصہ ہے ہم خرید لیں تو یہ بدوں اس کی رضامندی کے صحیح نہیں ہو سکتا ہے اور رہا قرض خواہ کا حق یا ہزار درہم وصیت مرسلہ کے موصی لہ کا حق سو یہ حق عین ترکہ میں بدیں معنی کہ مالیت ترکہ سے اس قدر حق ان کو پھر دیا جائے پس خواہ مالیت ترکہ میں سے دیا جائے یا وارثوں کے مال سے دیا جائے دونوں برابر ہیں اور اسی طرح اگر وارثوں میں سے کسی نے قرض خواہ کا حق اپنے مال سے اس شرط سے ادا کر دیا کہ ترکہ میں سے واپس نہ لے گا تو بھی قاضی اس تقسیم کو نہ توڑے گا بلکہ برابر باقی رکھے گا کیونکہ قرض خواہ کا حق ساقط ہو گیا اور وارث کا قرضہ ترکہ پر ثابت نہیں ہوا کیونکہ اس نے شرط کر لی تھی کہ میں ترکہ سے واپس نہ لوں گا اور اگر وارث نے ادائے قرضہ کے وقت شرط کر لی ہو کہ میں ترکہ سے واپس لوں گا یا سکوت کیا ہو تو تقسیم مذکور رد ہو جائے گی پھر واضح ہو کہ یہ جو ذکر فرمایا کہ اگر وارثوں نے ترکہ تقسیم کر لیا تو پھر دوسرا وارث یا تہائی و چوتھائی وغیرہ کا موصی لہ ظاہر ہوا تو قاضی اس تقسیم کو توڑ دے گا یہ اس وقت ہے کہ جب یہ تقسیم بغیر حکم قاضی ہو اور اگر یہ تقسیم بحکم قاضی ہو پھر کوئی وارث یا تہائی(۱) کا موصی لہ ظاہر ہوا تو یہ وارث اس تقسیم کو نہیں توڑ سکتا ہے جب کہ قاضی نے اس کا حصہ جدا کر دیا اور رہا موصی لہ سو اس میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے بعضوں نے فرمایا کہ نہیں توڑ سکتا ہے اور اس طرف امام محمدؒ نے اشارہ فرمایا ہے اور یہی اصح ہے یہ محیط میں ہے اور اگر کسی شخص نے از راہ تبرع[2] میت کا قرضہ ادا کر دیا تو قرض خواہ کو تقسیم توڑنے کا استحقاق حاصل نہ ہو گا یہ ذخیرہ میں ہے۔

وارثوں نے تقسیم ترکہ چاہی حالانکہ ترکہ پر قرضہ ہے تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ کوئی اجنبی باجازت قرض خواہ بشرط براءت میت اس دین کا ضامن ہو جائے اور اگر اس نے بشرط براءت ضمانت نہ کی تو یہ تقسیم نافذ نہ ہو گی اس واسطے کہ جب بشرط براءت میت اسے نے ضمانت کی تو یہ حوالہ ہو گیا پس قرضہ اُس اجنبی کی طرف منتقل ہو جائے گا اور ترکہ مواخذہ دین سے چھوٹ جائے گا۔ یہ وجیز کردری میں ہے اور

---

[1] قال المترجم واضح ہو کہ سوائے مال مقسومہ کے اور مال میت سے یہ مراد ہے کہ وہ مال ادائے دین کے واسطے کافی ہو ورنہ صورت مذکورہ پیش آئے گی۔

[2] تبرع یعنی بدون دنیاوی عوض کے براءت میت یہ کہ میں اس قرضخواہ کے لیے میت کی طرف سے ضامن ہوں اس شرط سے کہ میت میرے حق میں بھی بری ہے۔

(۱) یا چوتھائی وغیرہ۔

اگر بعض وارث نے قرضہ ادا کر دیا تو اُس کو اختیار ہو گا کہ باقیوں سے واپس لے خواہ اُس نے ادا کرنے کے وقت واپس لینے کی شرط کر لی ہو یا نہ کی ہو لیکن اگر اُس نے تبرعاً ادا کر دیا ہے تو ایسا نہ کرے اور واپس اس وجہ سے لے گا کہ وارثوں میں سے ہر ایک وارث اس قرضہ کے مطالبہ میں گرفتار ہے حتیٰ کہ اگر قرضخواہ اُس کو قاضی کے پاس لے گیا تو اُس پر پورے قرضہ کی ڈگری کر دے گا پس یہ شخص حکم قضا سے مجبور و مضطر ہو گا متبرع نہ ہو گا لیکن اگر اُس نے تبرع کا ارادہ کر لیا مثلاً اُس نے شرط کر دی کہ میں وارثوں سے واپس نہ لوں گا تو البتہ متبرع ہو جائے گا اور اگر وارثوں نے دار کو باہم تقسیم کر لیا اور وارثوں میں میت کی جورو بھی ہے پھر اُس نے بعد تقسیم کے اپنے شوہر مہر کا دعویٰ کیا اور گواہ قائم کر دیے تو تقسیم توڑ دی جائے گی یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر بعض وارث نے ترکہ کی تقسیم پوری ہو جانے کے بعد ترکہ میں اپنے قرضہ کا دعویٰ کیا تو اُس کا دعویٰ صحیح ہے اور اس کے گواہوں کی سماعت ہو گی اور اس کو اختیار ہو گا کہ تقسیم توڑ دے یہ محیط میں ہے۔ چند وارثوں میں مال میراث مشترک ہے اور اس میراث پر قرضہ یا وصیت کچھ نہیں ہے پھر کسی وارث نے انتقال کیا اور اس وارث میت پر قرضہ ہے یا اُس نے کچھ وصیت کر دی ہے یا اس کا کوئی وارث غائب ہے یا صغیر ہے پھر میت اوّل کی میراث کو وارثوں نے بغیر حکم قاضی باہم تقسیم کیا تو میت ثانی کے قرضخواہوں کو اختیار ہو گا کہ اس تقسیم کو باطل کر دیں اسی طرح صاحب وصیت اور وارث غائب اور صغیر کو بھی یہی اختیار ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے اور اگر کسی وارث نے اپنے نابالغ فرزند کے واسطے تہائی کی وصیت ہونے کا دعویٰ کیا اور گواہ قائم کر دیے حالانکہ وارث لوگ دار کو باہم تقسیم کر چکے ہیں تو یہ تقسیم اُس کے فرزند کا حق جو بوجہ وصیت کے حاصل ہوا ہے باطل نہیں کرتی ہے مگر اُس کے باپ کو یہ اختیار نہیں کہ جو وصیت اُس کے فرزند کے واسطے حاصل ہوئی اُس کا مطالبہ کرے اور نہ یہ اختیار ہے کہ تقسیم کو توڑ دے کیونکہ یہ قیمت اُس کے ہاتھ پوری[1] ہوئی ہے۔

جو شخص ایسی چیز کے توڑنے کا قصد کرے جو اُس کے ساتھ پوری ہوئی ہے اُس کی کوشش برباد ہو جائے گی اور جب اُس نے تقسیم پر اقدام کیا تو اس بات کا اعتراف کیا کہ میرے بیٹے کے واسطے وصیت نہیں ہے مگر ایسا حکم قرضہ کی صورت میں نہیں ہے لیکن جب اُس کا بیٹا بالغ ہو تو اُس کو اختیار ہو گا کہ اپنے حق وصیت کا مطالبہ کرے اور تقسیم کو توڑ دے یہ ظہیریہ میں ہے۔ اور اگر ایک دار چند لوگوں میں میراث مشترک ہو پس اس کو انہوں نے جس قدر باپ سے میراث کا حصہ پایا ہے بانٹ لیا پھر ایک وارث نے دعویٰ کیا کہ میرا ایک سگا بھائی ایک ماں باپ سے ہم لوگوں کے ساتھ باپ کی میراث کا وارث ہوا تھا پھر جدا انتقال باپ کے اُس نے بھی انتقال کیا اور میں اُس کا وارث ہوں اور اُس کی میراث طلب کی اور کہا کہ تم لوگوں نے مجھے فقط وہ حصہ بانٹ دیا ہے جو میں نے اپنے باپ سے میراث پایا ہے اور اسی تقسیم کی جو تحریر ہوئی تھی اُس میں ان لوگوں نے یہ نہیں لکھا تھا کہ جو حصہ جس کو پہنچا ہے[2] اُس سے دوسرے کا کچھ حق متعلق نہیں ہے اور وارث مذکور نے اپنے دعویٰ پر گواہ قائم کیے تو اُس کے گواہ قبول نہ ہوں گے اور تقسیم نہ ٹوٹے گی اور اگر اُن لوگوں نے یہ تحریر کیا ہو کہ جو حصہ جس کو پہنچا اُس سے دوسرے کا کچھ حق متعلق نہیں ہے تو یہ تحریر اُس کے دعویٰ کی نفی ہے اور یہ جو فرمایا ہے کہ اس تقسیم کی جو تحریر ہوئی تھی اس میں ان لوگوں نے یہ نہیں لکھا تھا کہ آخر واس سے شبہ دور کیا اور اس کا مقصود یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں جواب یکساں ہے اسی طرح اگر مدعی مذکور نے اس دعویٰ کے گواہ قائم کیے کہ میں نے یہ دار اپنے باپ سے باپ کی زندگی میں خریدا ہے یا اُس نے مجھے یہ دار ہبہ کیا اور میں نے لے کر قبضہ کر لیا ہے یا یہ دار میری ماں کا ہے میں نے اُس سے میراث پایا ہے تو بھی اُس کے گواہ قبول نہ ہوں گے یہ مبسوط میں ہے۔

اگر وارثوں نے دین کو باہم تقسیم کیا پس اگر یہ دین میت کا لوگوں پر ہو اور وارثوں نے دین و عین کو اکٹھا تقسیم کیا بایں طور کہ

---

[1] پوری یعنی وہی اس تقسیم کے پورے ہونے کا باعث ہے [2] بقدر حصہ رسد ہے۔

[3] بوا ب یعنی خواہ بے تعلقی کا اقرار لکھا ہو تو تقسیم نہیں ٹوٹے گی بلکہ لکھا ہو تو دعویٰ باطل ہے۔

یوں شرط کی کہ یہ دین جو فلاں شخص پر آتا ہے مع اس عین کے اس وارث کا ہے اور وہ دین جو فلاں شخص دیگر پر آتا ہے مع اس مال عین دیگر کے اس دوسرے وارث کا ہے (علی ہذا القیاس) تو ایسی تقسیم عین و دین دونوں میں باطل ہے اور اگر وارثوں نے اعیان کو باہم تقسیم کر لیا پھر دیوں کو باہم تقسیم کیا تو اعیان کی تقسیم صحیح ہوگی اور دیوں کی تقسیم باطل ہوگی اور اگر یہ قرضہ میت پر آتا ہوا اور وارثوں نے باہم اس قرارداد سے تقسیم ترکہ کیا[1] کہ ہر واحد ہر ایک قرضخواہ کے قرضے کا علیحدہ ضامن ہو جائے یا اس قرارداد سے تقسیم کیا کہ ایک وارث سب دیون کا ضامن ہو جائے پس اگر تقسیم ترکہ میں ضمانت شرط ہو تو تقسیم فاسد ہوگی اور اگر تقسیم میں ضمانت مشروط نہ ہو بلکہ تقسیم کے بعد بغیر شرط کے ضامن ہو گیا پس اگر اس شرط سے ضامن ہوا کہ ترکہ سے واپس لوں گا تو یہ تقسیم نافذ نہ ہوگی یعنی اُس کو اس تقسیم کے توڑ دینے کا اختیار ہوگا اور اگر اس شرط سے ضامن ہوا کہ میت سے اور اُس کے میراث سے کچھ واپس نہ لوں گا اور اس شرط سے کہ قرض خواہ میت مقروض کو بری کر دے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ قرض خواہ لوگ اُس کی ضمانت پر راضی ہو جائیں یہ ذخیرہ میں ہے۔ اور اگر قرض خواہوں نے اس کے قبول سے انکار کیا تو اُن کو تقسیم توڑنے کا اختیار ہے۔ اور اگر قرض خواہ لوگ اُس کی ضمانت پر راضی ہوئے اور اُنہوں نے میت کو بری کر دیا پھر ان کا مال اس ضامن سے وصول نہ ہوا بلکہ ڈوب گیا تو ان کو اختیار ہوگا کہ جہاں کہیں میت کا مال پائیں اس سے وصول کر لیں کذا فی المبسوط اور اگر ضمانت میں یہ شرط نہ کی کہ قرض خواہ اپنے قرض دار میت کو بری کر دے تو تقسیم نافذ نہ ہوگی اگرچہ قرض خواہ لوگ اس پر راضی ہو جائیں جس قرض خواہ کا میت پر قرضہ ہے اگر اس نے اس تقسیم کی اجازت دے دی جس کو وارثوں نے بانٹا ہے پھر چاہا کہ تقسیم مذکور کو توڑ دے تو اُس کو یہ اختیار ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔

اگر اراضی تین آدمیوں میں اُن کے باپ کی میراث مشترک ہو اور اُن میں سے ایک مر گیا اور ایک بالغ بیٹا چھوڑا پس اُس نے اور اُس کے دونوں چچا نے اراضی مذکور کو اُس کے دادا کی میراث پر تقسیم کیا پھر اس پوتی نے اس بات کے گواہ قائم کیے کہ میرے دادا نے میرے واسطے ایک تہائی کی وصیت کی تھی اور چاہا کہ تقسیم باطل کر دی جائے تو اس کے دعویٰ کی سماعت نہ ہوگی اور اگر دادا کی طرف سے وصیت کا دعویٰ نہ کیا بلکہ اپنے باپ پر اپنا قرضہ ہونے کا دعویٰ کیا تو دعویٰ صحیح ہوگا اور اگر گواہ قائم کر دیے تو قرضہ ثابت ہو جائے گا اور اگر اس کے دونوں چچا نے یہ کہا کہ تیرا قرضہ تیرے باپ پر ہے دادا پر نہیں ہے اور ہم نے تجھے تیرے باپ کا حصہ دے دیا پس تیرا جی چاہے اُس کو قرضے میں فروخت کر دے یا تیرا جی چاہے اُس کو اپنے پاس رہنے دے اور تو تقسیم نہیں توڑ سکتا ہے اس واسطے کہ تجھے تقسیم توڑنے میں کچھ فائدہ نہیں ہے اس وجہ سے کہ تقسیم توڑنے پر تیرا قرضہ تیرے باپ کے حصہ میراث سے ادا کیا جائے گا دادا کے ترکہ سے نہیں ادا کیا جائے گا تو دونوں ایسا نہیں کہہ سکتے ہیں کیونکہ ان کا بھتیجا یعنی مدعی مذکور یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ توڑنے میں یہ فائدہ ہے کہ میت کے مال میں زیادتی ہو جائے گی اگر ایک زمین چند وارثوں میں میراث مشترک ہو اور اُس کو وارثان مذکور نے باہم تقسیم کر کے قبضہ کر لیا پھر ایک وارث نے دوسرے کے حصہ پر اُس سے خرید کر قبضہ کر لیا پھر میت پر قرضہ نکلا اور اُس کے گواہ قائم ہوئے تو ترکہ کی تقسیم و خرید دونوں وارث کی طرف سے معروف[2] ہوں گی اور قرضہ ہونے کی صورت میں اس تصرف کا نفاذ نہ ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔

اگر ایک شخص نے اقرار کیا کہ فلاں شخص مر گیا اور اُس نے یہ دار میراث چھوڑا ہے اور یہ نہ کہا کہ اُن لوگوں کے واسطے یا اپنے وارثوں کے واسطے میراث چھوڑا ہے پھر اس کے بعد اقرار کنندہ نے دعویٰ کیا کہ موت مذکور نے میرے واسطے تہائی کی وصیت کر دی ہے یا میت پر اپنے قرضہ کا دعویٰ کیا تو اُس کے گواہ مقبول ہوں گے اور اگر اُس نے اقرار میں یہ کہا کہ اُن لوگوں کے واسطے یا اپنے وارثوں کے واسطے میراث چھوڑا ہے اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو پھر اُس کے گواہ مقبول نہ ہوں گے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ دار میرے باپ کی میراث ہے پھر سوائے باپ کے دوسرے کی میراث کا دعویٰ کیا تو بسبب تناقض کے ایسا دعویٰ مسموع نہ ہوگا یہ مبسوط میں ہے چند وارثوں نے اپنے مورث کا دار متروکہ میراث میں تقسیم کیا اور میت کی جورو اس کی مقر ہے[3] پس اُس عورت کو آٹھواں حصہ پہنچا اور اُس کا آٹھواں جدا کر دیا گیا پھر عورت مذکورہ نے

---

[1] دین کی ضمانت کر کے ترکہ کو تقسیم کیا۔ [2] معروف یعنی پھیری جائیں گی اور پہلے قرضہ دیا جائے گا۔ [3] مقر یعنی میراث ہونے سے منکر نہ ہوئی۔

دعویٰ کیا کہ یہ دار میرے شوہر نے مجھے مہر دیا تھا یا میں نے اپنے مہر کے عوض یہ دار اُس سے خرید اتھا تو یہ دعویٰ مسموع نہ ہوگا کیونکہ جب عورت نے وارثوں کی تقسیم میں مساعدت کی تو گویا اس امر کا اقرار کیا کہ شوہر کی موت کے وقت یہ دار شوہر کی ملک تھا پس اُس کا دعویٰ مسموع نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر چند آدمیوں نے اپنے باپ کی میراث کا دار یا زمین تقسیم کی اور ہر ایک کو ایک ٹکڑا پہنچا پھر ایک نے دوسرے وارث کے حصہ میں کسی عمارت یا درخت کا اس زعم پر دعویٰ لیا کہ اس کو میں نے بنایا یا لگایا ہے تو اس دعویٰ پر اُس کے گواہ مقبول نہ ہوں گے کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔

باب نہم:

تقسیم میں غرور[1] کے بیان میں

واضح ہو کہ اصل یہ ہے کہ ہر تقسیم جو باختیار قاضی یا باختیار ہر دو شریک واقع ہوئی اگر ایسی تقسیم ہو کہ درصورت ایک کے انکار کرنے کے قاضی سے درخواست کرنے پر اس منکر پر تقسیم کے واسطے جبر کیا جاتا۔ جیسے دار واحدہ و زمین واحد کی تقسیم تو ایسی تقسیم میں اگر ایک شریک نے اپنے حصہ میں عمارت بنائی یا درخت لگائے پھر دونوں حصوں میں سے ایک حصہ استحقاق ثابت کر کے لے لیا گیا تو عمارت و درخت کی قیمت دوسرے سے واپس نہیں لے سکتا ہے کیونکہ یہ شخص مغرور یعنی فریب دیا گیا نہیں ہوا ہے اس واسطے کہ ایسی تقسیم میں ہر شریک اپنی ملک کو دوسرے کی ملک سے بے لگاؤ کر لینے پر مضطر کیا تا کہ شریک کا ارتفاق اُس کی ملک سے منقطع ہو جائے پس ایسی تقسیم میں ہر واحد احیاء[1] حق کی غرض سے ایسی تقسیم پر مضطر کا ئے گیا ہے اور مضطر کی طرف سے غرور نہیں متحقق ہوتا ہے بلکہ مختار کی طرف سے متحقق ہوتا ہے اور اگر ایسی تقسیم ہو کہ جس میں درصورت انکار کے منکر پر جبر نہ کیا جائے جیسے اجناس مختلفہ کی تقسیم ہے تو ایسی تقسیم میں در صورت استحقاق متحقق ہونے کے عمارت کی قیمت دوسرے سے واپس لے گا کیونکہ احیاء حق کے واسطے اس تقسیم پر مضطر نہیں ہے کیونکہ اگر ہر جنس کو علیحدہ علیحدہ اس طرح تقسیم کر لیتا کہ اُس جنس سے جس طور سے نفع حاصل کرتا تھا وہ منفعت فوت نہ ہو جائے تو بھی اُس کا احیاء حق ہو جاتا اور یہ مبادلہ محضہ ہے پس ہر واحد دوسرے کی طرف سے مغرور قرار پایا کیونکہ اُس نے اُس کے سلامت[2] حصہ کی ضمان کر لی ہے اور اگر دو شریکوں نے دار یا زمین کو برابر تقسیم کر لیا اور ہر واحد نے اپنے حصہ میں عمارت بنائی پھر دار مذکور کو استحقاق میں لے لیا گیا تو کوئی ایک دوسرے سے عمارت کی قیمت نہیں لے سکتا ہے اور اگر دو دار یا دو قطعہ زمین ہوں اور ہر واحد نے ایک ایک اپنے اپنے حق میں لے لیا پھر ایک نے اپنے دار میں عمارت بنائی پھر وہ استحقاق میں لے لیا گیا تو عمارت کی نصف قیمت دوسرے سے واپس لے گا اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہ حکم امام اعظم رحمتہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک واپس نہیں لے سکتا ہے اور بعض نے فرمایا کہ یہ حکم بالاتفاق سب کے نزدیک ہے اور یہی صحیح ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر دونوں نے دو باندیوں باہم تقسیم کر لیں پھر ایک نے اُس باندی سے جس کو اُس نے لے لیا وطی کی اور باندی مذکور اُس سے بچہ جنی پھر وہ باندی استحقاق ثابت کر کے لے لی گئی اور شریک نے بچہ کی قیمت تاوان دے دی تو دوسرے شریک سے بچہ کی نصف قیمت واپس لے گا اور یہ امام اعظمؒ کا قول ہے اس واسطے کہ امام کے نزدیک رقیق میں تقسیم اضطراری و جبری جاری نہیں ہوتی ہے پس یہ معاوضہ

---

[1] احیاء حق یعنی حق تلف ہونے سے بچانا اور یہاں لاچاری ہے کیونکہ بدون تقسیم کے احیاء حق نہیں ہو سکتا ہے اور چونکہ جنس واحد ہے اس واسطے سوائے ایسی تقسیم کے اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی ہے۔ [2] بے کھٹکے و بے خدشے ہے یعنی ہر واحد نے دوسرے کے حصہ کی بابت ایسا ہی کیا ہے۔

(۱) دھوکا ہونا۔

باہمی اختیاری ہوگا اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک قسمت اضطراری رقیق میں جاری ہوتی ہے پس غرر در تحقق نہ ہوگا تو دوسرے شریک سے بچہ کی قیمت میں سے کچھ نہیں لے سکتا ہے اور جو باندی اُس کے شریک کے پاس رہی اس میں سے نصف لے لے گا یہ مبسوط میں ہے اگر ایک دار اور زمین خالی زراعت دو وارثوں میں مشترک ہو اور بغیر حکم قاضی اُنہوں نے اُس کو بانٹ لیا اور ایک نے اپنے حصہ میں کوئی عمارت بنائی پھر وہ حصہ استحقاق میں لے لیا گیا اور عمارت توڑ دی گئی تو تقسیم رد کی جائے گی اور اپنے شریک سے عمارت کی قیمت میں کچھ نہیں لے سکتا ہے ایسا ہی کتاب القسمة کے بعضے نسخوں میں مذکور ہے اور یہ حکم ایسی صورت پر محمول ہے کہ جب اُنہوں نے دار کو علیحدہ تقسیم کیا ہو اور زمین کو علیحدہ بانٹا ہو پس یہ ایسی تقسیم ہو گی کہ اس کے واسطے جبراً حکم ہوسکتا ہے اور بعضے نسخوں میں یہ لکھا ہے کہ اپنے شریک سے عمارت کی نصف قیمت واپس لے سکتا ہے اور یہ ایسی صورت پر محمول ہے کہ دونوں نے اس طرح تقسیم کیا ہو کہ ایک نے دار لے لیا ہو اور دوسرے نے زمین لے لی ہو پس یہ ایسی قسمت ہو گی کہ حکم اُس کا موجب نہیں ہوسکتا ہے۔ اگر چند دار چند لوگوں میں مشترک ہوں جس کو قاضی نے بطور قسمت الجمع[1] کے شریکوں میں اس طرح تقسیم کیا کہ ہر شریک کا حصہ دار میں جمع کر دیا ہو اور سب کو اس پر بجبر آمادہ کیا پھر ایک نے اپنے حصہ کے دار میں کوئی عمارت بنائی پھر یہ دار استحقاق میں لے لیا گیا اور اُس کی عمارت توڑ دی گئی تو یہ شریک اپنے ساتھی شریکوں سے عمارت کی قیمت نہیں لے سکتا ہے سو صاحبینؒ کے نزدیک اس وجہ سے نہیں لے سکتا ہے کہ ہر گاہ قاضی کی رائے میں اس طرح تقسیم کرنا بہتر معلوم ہوا تو ایسی تقسیم اُن کے نزدیک جبراً واجب ہوسکتی ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک اس وجہ سے نہیں لے سکتا ہے کہ ہر گاہ قاضی نے اُس کو بطور قسمت الجمع تقسیم کیا تو اُس نے ایک مجتہد فیہا میں حکم دیا[1] پس اس صورت میں بالاتفاق یہ دار ہائے مختلفہ ایک ہی دار کے حکم میں ہو گئے ہیں یہ محیط میں ہے۔ ایک دار دو آدمیوں میں مشترک تھا پس ایک شخص نے اگر ایک شریک حاضر سے کہا کہ مجھے تیرے شریک نے اس واسطے وکیل کیا ہے کہ میں تیرے ساتھ اُس کا حصہ بانٹ کروں پس اُس نے نہ اُس کی تصدیق کی اور نہ تکذیب کی مگر حصہ بانٹ کر دیا پھر شریک حاضر نے اپنے حصہ میں عمارت بنائی پھر غائب آیا اور اُس نے اُس کے وکیل کرنے سے انکار کیا تو عمارت بنانے والا عمارت کی قیمت اُس وکیل سے لے لے گا کذا فی خزانة المفتین۔

باب دہم:

ایسی تقسیم کے بیان میں جس میں کسی قدر حصہ پر استحقاق ثابت کیا گیا

اگر دو شریکوں نے ایک دار مشترک باہم اس طرح تقسیم کیا کہ ایک نے اُس کا تہائی لیا اور دوسرے نے دو تہائی لیا مگر قیمت میں یہ دونوں حصے برابر ہیں پھر اس میں کسی قدر ٹکڑے پر استحقاق ثابت کیا گیا تو تین حال سے خالی نہیں یا تو دونوں حصوں میں سے کوئی جزو شائع کا استحقاق ثابت ہوگا یا دونوں میں سے کسی ایک کے حصہ میں سے جزو شائع کا استحقاق ثابت نہ ہوگا یا دونوں میں سے ایک حصہ میں سے کسی جزو معین کا استحقاق ثابت ہوگا پس اگر ہر دو حصوں میں سے جزو شائع کا استحقاق ہو تو تقسیم مذکور ٹوٹ جائے گی اور اگر ایک حصہ میں سے کسی بیت معین پر استحقاق ثابت کیا گیا تو تقسیم جائز رہے گی اور اگر دونوں حصہ داروں میں سے ایک حصہ دار کے تمام مقبوضہ میں سے نصف کا استحقاق ثابت کیا گیا تو تقسیم نہ ٹوٹے گی لیکن جس کے حصہ میں استحقاق ثابت کیا گیا ہے اُس کو اختیار حاصل ہوگا چاہے دوسرے شریک

---

[1] قسمۃ الجمع ملا کر بٹوارہ چنانچہ بیان ہو چکا۔

(۱) چاہے قسمت توڑ دے یا اختیار نہ ہوگا۔

کے مقبوضہ کا چوتھائی لے لے یا چاہے تو تقسیم توڑ دے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تقسیم ٹوٹ جائے گی اور یہی امام محمدؒ سے مروی ہے۔ اور اگر اُس حصہ دار نے جس کے قبضہ میں تہائی ہے اپنے مقبوضہ کا آدھا فروخت کر دیا پھر باقی استحقاق میں لیا گیا تو دوسرے شریک کے مقبوضہ میں سے چوتھائی لے لے گا کیونکہ استحقاق ثابت ہونے سے تقسیم باطل نہ ہوگی مگر خیار حاصل ہوگا اور چونکہ تقسیم توڑنا اور واپس کرنا اس صورت میں متعذر ہے اس وجہ سے اپنے شریک کے مقبوضہ کا چوتھائی لے لے گا کیونکہ جس قدر استحقاق میں لیا گیا ہے وہ اُس کی نصف ملک ہے اور نصف اُس کا عوض ہے جو اُس نے اپنے شریک کے پاس چھوڑا ہے اور جبکہ یہ عوض اُس کے پاس مسلم نہ رہا تو جو کچھ اُس نے شریک کے پاس چھوڑا ہے واپس لے گا اور اُس کی بیع جائز رہے گی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تقسیم ٹوٹ جائے گی اور جو کچھ فروخت کیا ہے اُس کی قیمت تاوان دے گا اور وہ قیمت اُس حصہ کے ساتھ جو اُس کے شریک کے قبضہ میں ملا کر دونوں میں نصفا نصف تقسیم کیا جائے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اسی طرح سو جریب زمین دو آدمیوں میں برابر مشترک ہے پھر دونوں نے اُس کو اس قرارداد سے تقسیم کر لیا کہ ایک نے اپنے حق کے عوض دس جریب زمین جس کی قیمت ہزار درہم ہے لے لی اور دوسرے نے نوے جریب جس کی قیمت ہزار درہم ہے لے لی پھر ہر ایک نے وہ حصہ جو اس کو ملا تھا اُس کی قیمت سے کم یا زیادہ کو فروخت کیا پھر دس جریب میں سے ایک جریب استحقاق میں لے لی گئی پھر باقی کو مشتری نے اپنے بائع کو واپس کر دیا تو بقیاس قول امام اعظمؒ یہ حکم ہے کہ نوے جریب والے حصہ دار سے ایک جریب کے پچاس درہم واپس لے گا اور بقول امام ابو یوسفؒ نو جریب باقی دونوں میں نصفا نصف ہوگی اور نوے جریب والا ایک جریب کے پانچ سو درہم دوسرے کو تاوان دے گا یہ مبسوط میں ہے اور اگر سو بکریاں دو آدمیوں میں برابر مشترک ہوں اور دونوں نے اس طرح تقسیم کر لیا کہ ایک نے چالیس بکری جن کی قیمت پانچ سو درہم ہے لے لیں اور دوسرے نے ساٹھ بکریاں جن کی قیمت پانچ سو درہم ہے لے لیں پھر چالیس میں سے ایک بکری کی قیمت دس درہم ہے استحقاق میں لے لی گئی تو بالاتفاق یہ حکم ہے کہ ساٹھ بکریوں والے سے پانچ درہم واپس لے گا اور بالاتفاق تقسیم جائز ہوگی اور جس کے حصہ میں استحقاق ثابت ہوا ہے اس کو خیار[1] حاصل نہ ہوگا کذا فی المحیط۔

گیارھواں باب:

تقسیم میں غلطی ہونے کے دعویٰ کے بیان میں

دو حصہ داروں میں سے ایک نے تقسیم میں از ارہ قیمت غلطی واقع ہونے کا دعویٰ کیا مثلاً تقسیم میں غبن واقع ہونے کا دعویٰ کیا پس اگر یہ غبن یسیر ہو یعنی کوئی اندازہ کرنے والا اس قدر کو بھی اندازہ کرتا ہو تو اُس کے دعویٰ کی سماعت نہ ہوگی اور نہ اُس کے گواہ مقبول ہوں گے اور اگر غبن فاحش ہو یعنی کوئی اندازہ کرنے والا کم قیمت کو اندازہ نہ کرتا ہو پس اگر یہ تقسیم بحکم قضا ہو نہ تبراضی۔ تو بالاتفاق اس کے گواہ مسموع ہوں گے اور اگر تبراضی ہو نہ بقضا قاضی تو کتاب میں اس کا حکم مذکور نہیں ہے اور فقیہ ابو جعفرؒ سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ اگر یہ کہا جائے کہ اس کے گواہوں کی سماعت ہوگی تو اس کی ایک وجہ معقول ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ سماعت نہ ہوگی تو اس کی بھی ایک وجہ معقول ہے کذا فی الصغریٰ اور یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کذا فی الغیاثیہ اور امام فضلیؒ سے منقول ہے کہ اُس کے گواہوں کی سماعت ہوگی جیسا کہ قضاء قاضی سے مقاسمہ ہونے کی صورت میں حکم ہے اور یہی صحیح ہے کذا فی شرح مختصر للخصاف اور امام اسبیجابی نے اپنی شرح میں ذکر فرمایا کہ یہ سب اُس صورت میں ہے کہ مدعی نے استیفاء[2] حق کا اقرار نہ کیا ہو اور اگر استیفاء حق کا اقرار کر لیا ہو تو پھر غلط یا غبن کا دعویٰ اُس کی طرف سے صحیح نہ ہوگا لیکن اگر غصب کا دعویٰ کرے تو البتہ اُس کے دعویٰ کی سماعت نہ ہوگی یہ فتاویٰ صغریٰ

(۱) چاہے قسمت توڑ دے یا اختیار نہ ہوگا۔ (۲) بھرپور پانے والا۔

میں ہے۔ اگر دو حصہ داروں میں سے ایک نے غلطی کا دعویٰ اس طرح کیا کہ اُس سے مدعی[1] غصب نہیں ہوتا ہے مگر تقسیم سے مقدار واجب حاصل ہونے میں غلطی واقع ہونے کا دعویٰ کیا مثلاً سو بکریاں دو شخصوں میں مساوی مشترک تھیں اور دونوں نے تقسیم کر لیں پھر ایک نے دوسرے سے کہا کہ تو نے غلطی سے پچپن بکریوں پر قبضہ کر لیا ہے اور میں نے فقط پینتالیس بکریوں پر کیا ہے اور دوسرے نے جواب دیا کہ میں نے قبضہ میں کچھ غلطی نہیں کی بلکہ ہم نے اسی طور سے تقسیم کیا تھا کہ مجھے پچپن بکریاں ملیں اور تجھے پینتالیس ملیں اور دونوں میں سے کسی کے گواہ قائم نہ ہوئے تو دونوں میں تحالف واجب ہوگا اس واسطے کہ تقسیم عقد بیع کے معنی ہیں اور بیع میں جب مقدار معقود علیہ میں اس طرح اختلاف ہوتا ہے تو معقود علیہ کے بعینہٖ قائم ہونے کی صورت میں دونوں سے باہم قسم لی جاتی ہے اسی طرح قسم بن مقسوم کے بعینہٖ قائم ہونے کی صورت میں دونوں سے باہم قسم لی جائے گی اور یہ سب اُس صورت میں ہے کہ پہلے دونوں سے استیفاء حق کا اقرار نہ پایا گیا ہو اور اگر پہلے استیفاء حق کا اقرار صادر ہو چکا ہو تو دعویٰ غلط مسموع نہ ہوگا الا از راہ غصب مسموع ہو سکتا ہے اور اگر یوں کہا کہ ہم نے برابر تقسیم کیا اور اپنا اپنا حصہ لے لیا پھر تو نے میرے حصہ میں سے غلطی سے پانچ بکریاں لے لیں اور دوسرے نے کہا کہ میں نے تیرے حصہ میں سے غلطی سے کچھ نہیں لیا ہے بلکہ ہم نے تقسیم اس طرح کی تھی کہ مجھے پچپن بکریاں ملیں اور تجھے پینتالیس اور دونوں میں سے کسی کے پاس گواہ نہیں ہیں تو دونوں سے باہم قسم نہ لی جائے گی بلکہ جو شخص اپنے حق میں غلطی کا مدعی ہے اُسی کا قول قبول ہوگا۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ ایک قوم نے ایک زمین یا دار باہم تقسیم کیا اور ہر ایک نے اپنے حصہ پر قبضہ کیا پھر ایک نے غلطی کا دعویٰ کیا تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ تقسیم کا اعادہ اس وقت تک نہ کیا جائے گا کہ اپنے دعویٰ پر گواہ قائم کرے اور اُس نے اپنے دعویٰ پر گواہ قائم کیے تو تقسیم دوہرائی جائے گی تاکہ ہر ذی حق اپنا حق بھر پائے اور واجب یہ تھا کہ تقسیم کا اعادہ نہ کیا جاتا اس واسطے کہ وضع مسئلہ اس پر ہے کہ ہر واحد نے اپنے حق پر قبضہ کر لیا اور بعد قبضہ کے غلط کا دعویٰ کرنا دعویٰ غصب ہے اور دعویٰ غصب میں مدعی کے نام اس چیز کی ڈگری کی جاتی ہے جس کی بابت گواہ قائم ہوئے ہیں اور تقسیم دوہرائی نہیں جاتی ہے اور اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ امام محمدؒ نے فقط یہ بیان کیا ہے کہ دعویٰ غلط کے گواہ قسم ہونے پر تقسیم کا اعادہ کیا جائے گا اور دعویٰ کی کچھ کیفیت بیان نہیں فرمائی پس احتمال ہے کہ اُس کا دعویٰ ایسا ہو جس سے گواہ قائم ہونے پر تقسیم کا اعادہ واجب ہو اور اس کا بیان یہ ہے کہ مدعی غلط نے دوسرے سے کہا کہ ہم نے دار مذکور کو باہم برابر تقسیم کیا تھا کہ ہزار گز مجھے ملے اور ہزار گز تجھے ملے پھر تو نے سو گز میرے حصہ میں سے کسی خاص جگہ سے غلطی سے لے لیا اور دوسرا کہتا ہے کہ نہیں بلکہ تقسیم اس قرار داد سے تھی کہ مجھے ایک ہزار ایک سو گز ملے اور تجھے نو سو گز ملے اور گواہوں نے یہ گواہی دی کہ تقسیم برابر برابر واقع ہوئی اور یہ گواہی نہ دی کہ مدعا علیہ نے مدعی کے حصہ میں سے خاص جگہ سے سو گز لے لیا ہے تو گواہوں سے یہ ثابت ہوا کہ تقسیم برابر واقع ہوئی ہے مگر ایک کے قبضہ میں زیادتی موجود ہے اور یہ ثابت نہ ہوا کہ اس میں مدعی کس جانب سے ہے پس تقسیم کا اعادہ واجب ہوگا تاکہ مساوات ہو جائے اور ایسی گواہی مسموع ہوگی اگرچہ گواہوں نے غصب واقع ہونے کی گواہی نہیں دی ہے اس واسطے کہ اس صورت میں مدعی غلط نے دو باتوں کا دعویٰ کیا ایک تو برابر برابر تقسیم ہونے کا اور دوسری سو گز غصب واقع ہونے کا اور گواہوں نے ایک بات کی گواہی دی یعنی تقسیم برابر پر واقع ہوئی ہے اور اگر مدعی کے پاس اپنے دعویٰ کے گواہ نہ ہوں تو جس کی طرف سے غلطی سے زیادہ پہنچنے کا دعویٰ کیا ہے یعنی مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی اور دونوں سے باہمی قسم نہ لی جائے گی پس اگر مدعا علیہ نے قسم کھائی تو غلطی ثابت نہ ہوگی اور تقسیم بحالہ باقی رہے گی اور اگر اُس نے انکار کیا تو غلطی ثابت

[1] تقسیم غلط ہونے کا دعویٰ کیا لیکن اس سے غصب کرنا لازم نہیں آتا ہے تاکہ واپس کرنا ضروری لازم ہو۔

ہو جائے گی پس تقسیم کا اعادہ کیا جائے گا جیسا کہ گواہ قائم کرنے کی صورت میں گذرا ہے اسی طرح بکری و گائے و اونٹ و کپڑے یا کسی کیلی و وزنی چیز میں جو تقسیم واقع ہو اور بعد تقسیم و قبضہ کے کوئی حصہ دار غلطی واقع ہونے کا دعویٰ کرے تو اس میں بھی یوں ہی حکم ہے اور ان تمام مسائل اور مسئلہ اولیٰ میں یکساں حکم ہونے سے یہ مراد نہیں ہے کہ تمام باتوں میں یکساں حکم ہے بلکہ فقط بعض باتوں میں یکساں حکم مراد ہے اور وہ یہ ہے کہ مجرد دعویٰ کرنے سے تقسیم کا اعادہ نہ کیا جائے گا آیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ کیلی و وزنی چیزوں میں اگر مدعی غلط نے اپنے دعویٰ کے گواہ قائم کیے تو بھی تقسیم کا اعادہ نہیں کیا جاتا ہے بلکہ باقی دونوں میں بقدر ہر ایک کے حق کے تقسیم کی جاتی ہے اور گائے و بکری و کپڑوں میں اور ان چیزوں میں جن میں تفاوت ہوتا ہے تقسیم کا اعادہ واجب ہے کہ جیسا کہ مسئلہ دار میں بیان ہوا ہے اور اگر زید و عمرو نے دو دار باہم اس طرح تقسیم کر لیے کہ زید نے ایک دار لیا اور عمرو نے دوسرا دار لیا پھر مثلاً زید نے غلطی کا دعویٰ کیا اور گواہ لایا کہ اس قدر گز اس دار میں سے جو عمرو کے قبضہ میں ہے تقسیم میں میرے حصہ پر زیادتی کی راہ سے مجھے چاہیے ہیں تو اس صورت میں مدعی کے نام اس قدر گزوں کی ڈگری ہو جائے گی اور تقسیم کا اعادہ نہ کیا جائے گا اور یہ مثل دار واحدہ کے نہیں ہے یہ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کا قول ہے اور بقیاس قول امام اعظمؒ کے دعویٰ فاسد ہے خواہ یہ دعویٰ ایک دار میں ہو یا دو داروں میں ہو اور اس مسئلہ کے یہ معنے ہیں کہ دونوں حصہ داروں میں سے ایک ۔ مثلاً زید نے یہ دعویٰ کیا کہ تقسیم میں عمرو نے یہ شرط کر لی تھی کہ اپنے حصہ میں سے اس قدر گز تجھے دوں گا اور امام اعظمؒ کے نزدیک تقسیم فاسد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عمرو نے جب اپنے حصہ میں سے اس قدر گز زیادہ دینا شرط کیا تو زید کے ہاتھ اس کا فروخت کرنے والا ہوا اور دار میں سے چند گز دن کی بیع امام اعظمؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے پس مثل اس کے تقسیم میں بھی جائز نہیں ہے اور جب دعویٰ کا فاسد ہونا ثابت ہوا تو تقسیم کا اعادہ واجب ہوگا کہ فساد دفع ہو اور صاحبینؒ کے نزدیک دار میں سے چند گز دن کی بیع جائز ہے پس تقسیم بھی جائز ہوگی پھر واضح ہو کہ صاحبینؒ نے دار واحد و دارین میں فرق کیا ہے اور فرمایا کہ دو دار ہوں تو تقسیم کا اعادہ نہ کیا جائے گا اور اگر ایک دار ہو تو تقسیم کا اعادہ کیا جائے گا حالانکہ واجب تھا کہ واحد میں بھی تقسیم کا اعادہ نہ کیا جائے بلکہ مدعی کے نام حصہ مدعا علیہ سے اس قدر گزوں کی ڈگری کر دی جائے جیسا کہ دو دار کی صورت میں حکم ہے کیونکہ اعادہ تقسیم اس وجہ سے ہوتا ہے کہ مدعی کا حصہ متفرق ہو کر اس پر ضرر عائد نہ ہو اور یہاں کوئی وجہ پائی نہیں جاتی کیونکہ مدعی نے دس گز معین کا دعویٰ کیا پس اگر اس کے نام اس کی ڈگری ہو جائے تو اس پر کچھ ضرر عائد نہ ہوگا کیونکہ اصل تقسیم میں وہ یوں ہی ان گز دن کا مستحق ہوا ہے اور اگر اس نے دس گز شائع[1] کا دعویٰ کیا تو بھی یہی بات ہے کیونکہ جب اس نے شریک کے حصہ میں سے دس گز شائع اپنے واسطے شرط کر لیے باوجودیکہ جانتا ہے کہ شریک جب ان گزوں کو جو شائع ہیں مجھے تقسیم کر دے گا تو ہو سکتا ہے کہ میرا حصہ متفرق ہو جائے تو وہ اپنے حصہ کے متفرق ہونے پر راضی ہو گیا ہے یا دار واحدہ میں جو تقسیم کا اعادہ واجب کیا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ مسئلہ اس صورت پر محمول ہے کہ مدعی نے یوں دعویٰ کیا کہ شریک نے میرے واسطے اپنے حصہ میں سے دس گز کی شرط کی ہے اور میں نہیں جانتا ہوں کہ کیونکہ شرط کی آیا دس گز معین میرے حصہ سے متصل شرط کیے ہیں یا دس گز شائع شرط کیے ہیں جو شریک کے تمام حصہ میں سے ہو سکتے ہیں اور گواہوں نے بھی مطلقاً دس گز مشروط ہونے کی گواہی دی پس جب یہ حالت ٹھہری تو مدعی کی طرف سے حصہ متفرق ہونے کی رضامندی ثابت نہ ہوئی کیونکہ بر تقدیریکہ دس گز معین اس کے حصہ سے متصل مشروط ہوں تو تفرق پر راضی نہ ہوگا اور بر تقدیریکہ دس گز شائع مشروط ہوں تو تفرق پر راضی ٹھہرے گا پس جب قاضی کو یہ معلوم نہ ہوا کہ شرط کیونکہ ٹھہری تھی تو بناء قضاء اُسی پر رکھے گا جس پر دار واحدہ

[1] غیر مقسوم غیر معین یعنی تمام گھر میں جہاں سے ہو۔

میں سے ہر ایک از روئے تقسیم مستحق تھا اور وہ یہ ہے کہ ہر ایک کا حصہ ایک ہی جگہ مجتمع ہوئے بخلاف دو دار کے کہ دو دار میں اگر چہ ہم مسئلہ کو اس صورت پر بھی محمول کریں کہ مدعی نے اپنے دعویٰ میں کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ میرے واسطے اس نے دس گز کیونکر شرط کر دیئے تھے تو بھی تقسیم کا اعادہ نہ ہوگا کیونکہ اعادہ تقسیم سے حصہ متفرق ہونے کا ضرر جو مدعی کو لاحق ہوتا ہے زائل نہ ہوگا ہر چند کہ اس نے یہ دس گز معین اپنے واسطے کسی خاص جگہ سے شرط کر لیے ہوں کیونکہ پیشتر ایسا ہو سکتا ہے کہ اعادہ تقسیم میں یہ دس گز دار مدعی کے متصل نہ واقع ہوں پس اعادہ تقسیم مفید[1] نہ ٹھہرا یہ محیط میں ہے۔

اگر دو آدمیوں نے دس کپڑے باہم تقسیم کیے ایک نے چار کپڑے لیے اور دوسرے نے چھ کپڑے لے لیے پس چار لینے والے نے چھ میں سے ایک خاص کپڑے کا یوں دعویٰ کیا کہ یہ مجھے تقسیم میں ملا تھا اور اس کے گواہ قائم کر دیے تو اس کے نام ڈگری ہو جائے گی خواہ مدعی نے اس زیادت پر قبضہ ہو جانے کا اقرار کیا ہو یا نہ کیا ہو اور اگر گواہ قائم نہ ہوئے تو کتاب میں مذکور ہے کہ چھ والے سے قسم لی جائے گی اور تحالف یعنی دو طرفی قسم واجب نہ ہوگی اور اگر گواہ قائم نہ ہوئے تو کتاب میں مذکور ہے کہ چھ والے سے قسم لی جائے گی اور تحالف یعنی دو طرفی قسم واجب نہ ہوگی اور یہ اس صورت پر محمول ہے کہ جب مدعی نے جس کپڑے کا دعویٰ کیا ہے اس کے قبضہ کا اقرار کیا ہو پھر دوسرے پر دعویٰ کیا کہ اس نے غلطی سے لے لیا ہے پس دوسرے پر غصب کا دعویٰ کرنے والا قرار دیا جائے گا اور ایسی صورت میں دو طرفی قسم عائد نہیں ہوتی ہے۔ اور اگر چار والے نے چھ میں سے کسی خاص کپڑے کا اس طرح دعویٰ کیا کہ یہ مجھے تقسیم میں ملا تھا اور دوسرے نے گواہ دیے کہ مجھے تقسیم میں ملا تھا تو چار والے کے گواہوں پر حکم ہوگا کیونکہ وہی مدعی[2] غیر قابض ہے اور فرمایا کہ تقسیم واقع ہونے پر گواہ کر لینا دوسرے پر زیادتی کا دعویٰ کرنے سے مانع نہیں ہے بخلاف اس کے اگر استیفاء[3] حق کے گواہ کر لیے ہوں تو یہ دعویٰ نہیں کر سکتا ہے یہ ذخیرہ میں ہے اور اگر حصہ داروں نے باہم اختلاف کیا اور دو بٹوارہ کرنے والوں نے گواہی دی تو ان کی گواہی قبول ہوگی اور شیخ نے فرمایا کہ جو مذکور ہوا یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ وامام ابو یوسف کا قول ہے اور خصاف نے امام محمد کو بھی دونوں اماموں کے ساتھ ذکر کیا ہے اور بٹوارہ کرنے والے خواہ قاضی کی طرف سے ہوں یا دوسرے ہوں دونوں یکساں ہیں اور طحاوی نے فرمایا کہ اگر بانٹنے والوں نے باجرت تقسیم کیا ہو تو بالاجماع ان کی گواہی مقبول نہ ہوگی اور اسی طرف بعض مشائخ نے میل کیا ہے یہ ہدایہ میں ہے اور بٹوارہ کرنے والوں کی گواہی مقبول ہے خواہ انہوں نے باجرت بانٹا ہو یا بلا اجرت اور یہی صحیح ہے یہ جوہرنیرہ میں ہے۔

اگر ایک قاسم نے گواہی دی تو مقبول نہ ہوگی کیونکہ ایک شخص کی گواہی غیر پر مقبول نہیں ہوتی ہے یہ ہدایہ میں ہے اور اگر قاضی کی طرف سے بٹوارہ کرنے والے نے غیر کے ساتھ ہو کر تقسیم کی گواہی دی تو امام اعظم وامام ابو یوسف کے نزدیک مقبول ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ابراہیم نے امام محمد سے روایت کی ہے کہ ایک بٹوارہ کرنے والے نے ایک دار دو آدمیوں میں تقسیم کیا اور غلطی سے ایک کو دوسرے سے زیادہ دیا اور ایک نے اپنے حصہ میں عمارت بنائی تو امام محمد نے فرمایا کہ از سر نو تقسیم کریں اور جس کی عمارت دوسرے کے حصہ میں واقع ہو اور وہ اپنی عمارت توڑنے اور قاسم سے عمارت کی قیمت نہیں لے سکتے ہے ولیکن جو اجرت اس نے لی ہے اس کو واپس لے سکتے ہیں یہ ظہیریہ میں ہے۔ دو آدمیوں نے چند کھیت تقسیم کیے پس ایک کے حصہ میں دو کھیت آئے اور دوسرے کے حصہ میں چار آئے پھر دو کھیت والے نے دوسرے کے چار کھیتوں میں سے ایک کھیت معین کا اس طرح دعویٰ کیا کہ یہ میری تقسیم میں آیا تھا اور اسی کے

---

[1] قولہ مفید اس میں بظاہر تردد ہے کہ جب متصل واقع ہوں تو اعادہ کیا جائے ورنہ نہیں جواب یہ کہ دو دار میں یہ اتصال نادر ہے بلکہ اتفاقی ہے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

[2] مدعی غیر قابض اور مدعی قابض جب دونوں میں یعنی ہر ایک نے دعویٰ کیا تو غیر قابض کے گواہوں پر حکم ہوتا ہے اس حکم کے موافق یہاں ہوگا۔

[3] استیفاء یعنی گواہ کر لیے کہ میں نے بھر پور اپنا حق حاصل کر لیا قولہ قاسم وقسام بٹوارہ کرنے والا۔

گواہ قائم کر دیے تو اُس کے نام ڈگری کی جائے گی اور یہی حکم کپڑوں کی صورت میں ہے اور اگر اُس کے پاس گواہ نہ ہوں تو اُس کو اختیار ہوگا کہ جس کے قبضہ میں ہے اُس سے قسم لے اور اگر ہر ایک نے اس امر کے گواہ قائم کر دیے کہ یہ میرے حصہ میں آیا تھا تو غیر قابض مدعی کے نام ڈگری ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر دونوں نے حصہ میں اختلاف کیا مثلاً دونوں حصوں کے بیچ میں حد حائل تھی پس دونوں میں سے ہر ایک نے کہا کہ یہ میرے حصہ کی ہے دوسرے کی سمت داخل ہو گئی ہے اور دونوں نے گواہ قائم کیے تو ہر ایک کے نام اُس حد کی جو دوسرے کے قبضہ میں ہے ڈگری کی جائے گی اور اگر گواہ قائم نہ ہوئے تو دونوں سے باہم قسم لی جائے گی اور جو جس کے قبضہ میں ہے اُسی کے قبضہ میں رکھا جائے گا اور موضع حد دونوں میں مشترک رہے گا اور اگر باہم قسم کے بعد دونوں میں سے کسی نے تقسیم کا ارادہ کیا تو اُس کو یہ اختیار نہ ہوگا اور اگر دونوں میں سے کسی نے نقض[1] قسمت کی درخواست کی تو تقسیم توڑ دی جائے گی اور بغیر حکم قاضی فسخ نہ ہوگی جیسا کہ بیع میں ہے یہ محیط سرخسی میں ہے

منتقی میں ابن سماعہ کی روایت سے امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ ایک دار دو شخصوں میں مشترک ہے اُس کو قاضی نے دونوں میں بانٹ دیا پھر ایک حصہ دار نے دوسرے سے کہا کہ جو حصہ میرے پاس ہے وہ تجھے پہنچا تھا اور جو تیرے پاس ہے وہ میرا ہے اور دوسرے نے کہا کہ نہیں بلکہ جو مجھے پہنچا تھا وہی میرے پاس ہے تو فرمایا کہ جو جس کے پاس ہے وہ اُس کا ہوگا اور کسی کے قول کی دوسرے پر تصدیق نہ کی جائے گی یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک شخص مر گیا اور اُس نے ایک دار اور دو فرزند چھوڑے انہوں نے دار مذکور کو باہم تقسیم کر لیا اور ہر ایک نے آدھا لیا اور تقسیم ہونے اور قبضہ اور پورا حق پانے کے گواہ کر لیے پھر دونوں میں سے ایک نے دوسرے کے قبضہ کے ایک بیت کا دعویٰ کیا تو اُس کے قول کی تصدیق نہ کی جائے گی اِلّا یہ کہ مدعا علیہ[2] اس کا اقرار کرلے اور اس وجہ سے تصدیق نہ کی جائے گی کہ اس نے اس امر کے گواہ کر لیے ہیں کہ میں نے پورا حق بھر پایا ہے پھر اس کے بعد جو کچھ اس نے دوسرے کے مقبوضہ میں دعویٰ کیا ہے اس دعویٰ میں مناقض ہے پس اس دعویٰ کے اس کے گواہ مقبول نہ ہوں گے لیکن اگر اُس کے مدعا علیہ نے اقرار کر لیا تو یہ اقرار اُس کا لازم ہے اور مناقض کا خصم اگر اُس کے دعویٰ کا اقرار کرے تو استحقاق ثابت ہو جاتا ہے اور اگر پیشتر اُس نے اپنے حق بھر پانے پر گواہ نہ کیے ہوں اور نہ اُس کی طرف سے تقسیم کا اقرار سنا گیا ہو حتیٰ کہ اُس نے کہا کہ ہم یہ دار تقسیم کیا اور میرے حصہ میں یہ طرف اور وہ بیت جو میرے شریک کے قبضہ میں ہے آیا اور شریک نے کہا کہ نہیں بلکہ یہ بیت اور جو کچھ میرے قبضہ میں ہے سب میرے حصہ میں آیا تھا تو میں مدعی سے دریافت کروں گا کہ آیا یہ بیت تقسیم سے پہلے تیرے شریک کے قبضہ میں تھا کہ اُس نے بعد تقسیم کے تجھے نہ دیا یا بعد تقسیم کے تیرے قبضہ سے غصب کر لیا ہے پس اگر اُس نے کہا کہ بعد تقسیم کے میرے قبضہ میں تھا پھر اُس نے مجھ سے غصب کر لیا یا میں نے اس کو عاریت دیا یا اجارہ پر دیا تھا تو میں تقسیم نہ توڑوں گا اور اگر اُس نے کہا کہ تقسیم کے بعد میرے شریک کے قبضہ میں تھا۔ پھر اُس نے مجھے سپرد نہ کیا تو دونوں باہم قسم کھائیں گے اور تقسیم رد کریں گے اور اگر پیمائشی گزوں میں غلطی واقع ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ مجھے ہزار گز پہنچے تھے اور تجھے ہزار گز پہنچے تھے پھر تیرے پاس ایک ہزار ایک سو گز ہو گئے اور میرے پاس نو سو گز رہے اور دوسرے نے کہا کہ مجھے ہزار گز پہنچے تھے اور تجھے ہزار گز پہنچے تھے اور میں نے اپنے ہزار گز پر قبضہ کیا کچھ بڑھا یا نہیں ہے تو قسم کے ساتھ مدعا علیہ کا قول قبول ہوگا اور اگر اُس نے کہا کہ مجھے ایک ہزار ایک سو گز پہنچے تھے اور ایک ہزار ایک سو گز پہنچے تھے اور دوسرے نے کہا کہ نہیں بلکہ مجھے ہزار گز اور تجھے ہزار گز پہنچے تھے پھر تو نے ایک ہزار ایک سو گز قبضہ کر لیا اور میں نے نو سو گز پر قبضہ کیا تو دونوں باہم ایک دوسرے کے دعویٰ

---

[1] نقض قسمت بٹوارہ توڑنا۔ [2] مدعا علیہ جب خود اقرار کرلے کہ اس کا بیت میرے حصہ میں آ گیا تو اس کا اقرار خود اس پر حجت ہے اگرچہ جھوٹا ہو اور مدعی کی تصدیق اس وجہ سے نہ ہوگی کہ اس نے گواہوں سے اقرار کیا کہ میں نے اپنا حق بھر پایا پھر یہ دعویٰ کرنا گویا تناقض ہے کہ میں نے نہیں بھر پایا۔

پر قسم کھائیں اور تقسیم کو رد کریں اور اگر کہا ہو کہ میں نے اپنے حصے کے گزوں پورے پر قبضہ کیا تھا پھر تو نے سو گز غصب کر لیے ہیں تو میں تقسیم کو نہ توڑوں گا اور جس کی طرف زیادتی کا دعویٰ کیا جاتا ہے اس (۱) سے قسم لوں گا۔ اور اگر دو شریکوں نے سو بکریاں تقسیم کیں پس ایک کے قبضہ میں ساٹھ بکریاں آئیں اور دوسرے کے قبضہ میں چالیس آئیں پھر چالیس والے نے کہا کہ ہم دونوں میں سے ہر ایک کے حصہ میں پچاس پچاس بکریاں پڑی تھیں اور ہم نے باہم قبضہ بھی کر لیا تھا پھر تو نے مجھ سے دس بکریاں معین غصب کر کے اپنی بکریوں میں ملا دیں اب وہ پہچان نہیں پڑتی ہیں اور دوسرے نے غصب سے انکار کیا اور کہا کہ نہیں بلکہ مجھے ساٹھ پہنچی تھیں اور تجھے چالیس تو قسم سے اُسی کا قول قبول ہوگا اور اگر اوّل نے کہا کہ مجھے پچاس پہنچی تھیں مگر تو نے مجھے چالیس بکریاں دیں اور دس تیرے پاس رہ گئیں تو نے مجھے نہیں دی ہیں اور دوسرے نے کہا کہ مجھے ساٹھ پہنچی تھیں اور تجھے چالیس تو دونوں باہم قسم کھائیں گے اور تقسیم کو رد کر لیں گے۔ اور اگر مدعی نے قبل اس کے اپنا حق بھر پانے پر گواہ کر لیے ہوں تو ساٹھ بکریوں والے کا قول قبول ہوگا اور اُس پر قسم عائد نہ ہوگی اور اگر بعد قبضہ ہو جانے کے غصب کا دعویٰ کیا تو منکر سے قسم لی جائے گی اور اگر مدعی نے اپنا حق بھر پانے پر گواہ نہ کر لیے ہوں پس چالیس والے نے دعویٰ کیا کہ میرے باپ کی سو بکریاں تھیں پس پچاس مجھے پہنچیں اور پچاس تجھے پہنچیں اور ہم نے باہم قبضہ کر لیا پھر تو نے مجھ سے دس بکریاں غصب کر لیں اور وہ یہ ہیں اور ساٹھ والے نے کہا کہ نہیں بلکہ باپ کی بکریاں ایک سو بیس عدد تھیں پس ساٹھ مجھے پہنچیں اور ساٹھ تجھے پہنچیں اور ہم نے باہم قبضہ کر لیا اور میں نے تجھ سے کچھ غصب نہیں کیا پس یہ قول اس بات کا اقرار ہے کہ دس بکریاں فاضل ہیں جن میں تقسیم جاری نہیں ہوئی ہے پس اگر اُس نے بعینہٖ ان دس بکریوں کے واسطے قسم کھالی تو دس بکریاں دے گا تا کہ دونوں میں تقسیم کر دی جائیں اور اگر مدعا علیہ نے سو سے زیادہ ہونے کا اقرار نہ کیا بلکہ کہا کہ باپ کی بکریاں سو عدد تھیں جس میں سے ساٹھ مجھے پہنچیں اور چالیس تجھے پہنچیں تو اس کا قول قبول ہوگا مگر اس کے ساتھ اس سے ان دس بکریوں پر جن کی نسبت مدعی نے بزحق ہونے کا دعویٰ کیا ہے قسم لی جائے گی اس وجہ سے کہ شریک نے اُس کو سو کے حصہ میں بری کیا ہے مگر حصہ مذکور پر جو زیادتی اس کے پاس ہے اس سے بری نہیں کیا ہے پس اگر بعینہا[۱] قائم ہوں تو ان کو دونوں برابر تقسیم کر لیں گے ورنہ تقسیم فاسد ہو جائے گی پس راہ یہ نکلے گی کہ ساٹھ اور چالیس دونوں واپس کر کے پھر دونوں میں از سر نو تقسیم ہوں کیونکہ تقسیم اولیٰ فاسد تھی کذا فی المبسوط۔

<u>باب بارھواں:</u>

مہایاۃ کے بیان میں

جاننا چاہیے کہ مہایاۃ تقسیم منافع کو کہتے ہیں اور یہ مہایاۃ اُن اعیان مشترکہ میں جن سے باوجود بقائے[۲] عین کے انتفاع ممکن ہو جائز ہے اور جب بعضے شریکوں نے اس کی درخواست کی اور دوسرے کسی نے اعیان کی تقسیم کی درخواست نہ کی ہو تو واجب ہو جاتی ہے اور تقسیم مہایاۃ کبھی بزمان ہوتی ہے اور کبھی بمکان ہوتی ہے یہ ذخیرہ میں ہے اور اگر دونوں شریکوں میں سے ایک نے مہایاۃ کی درخواست کی اور دوسرے نے تقسیم عین کی درخواست کی تو قاضی تقسیم کر دے گا یہ کافی میں ہے۔ علماء نے مہایاۃ کی کیفیت جواز میں گفتگو کی

۱؎ بعینہا یعنی یہ بکریاں معین ہوں اور موجود بھی ہوں۔ ۲؎ بقائے الخ یعنی اول تو مال عین ہو پس روپیہ وغیرہ نہ ہو دوم یہ کہ مال عین ایسا ہو کہ نفع لینے سے اصل مال باقی رہتا ہو بخلاف دودھ وغیرہ کے جو صرف ہو جاتا ہے۔

(۱) یعنی بدرخواست مدعی۔

ہے بعضوں نے فرمایا کہ اگر جنس واحد کی اعیان متفاوتہ جن میں خفیف تفاوت ہے جیسے کپڑے واراضی وغیرہ میں مہایاۃ جاری ہو تو ایک وجہ سے افراز ہوگا اور ایک وجہ سے مبادلہ ہوگا حتیٰ کہ دونوں شریکوں میں سے ایک اکیلا مہایاۃ نہیں کر سکتا ہے اور اگر ایک نے اس کی درخواست کی اور دوسرے نے اصل مال یعنی عین کے تقسیم کی درخواست نہ کی تو وہ مہایاۃ پر مجبور کیا جائے گا اور اگر جنس مختلف جیسے دور عبید وغیرہ میں مہایاۃ جاری ہوئی تو اس میں ہر طرح سے مبادلہ (۱) کا اعتبار کیا جائے گا حتیٰ کہ بدوں دونوں کی رضامندی کے جائز نہ ہوگا اور یہی اصح ہے کیونکہ عاریت تو وہ ہوتی ہے جو بغیر عوض ہو اور یہ بعوض ہے کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک اپنے حصہ کی منفعت دوسرے کی باری پر دوسرے کے پاس اس شرط سے چھوڑتا ہے کہ دوسرا اپنے حصہ کی منفعت اس کے پاس اس کی باری پر چھوڑ دے یہ ذخیرہ میں ہے اور دونوں میں سے ایک کے مرنے سے مہایاۃ باطل نہیں ہوتی ہے اور نہ دونوں کے مرنے سے باطل ہوتی ہے اس واسطے کہ اگر باطل ہو جائے تو حاکم اُس کو پھر دوہرائے گا پھر توڑنے اور دوہرانے سے کچھ فائدہ نہ ہوا یہ ہدایہ میں ہے۔

دونوں کو اختیار ہے کہ جب ایک کی رائے میں آئے یا دونوں کی رائے میں آئے تو عین کو تقسیم کر لیں اور مہایاۃ باطل کر دیں اور امام محمدؒ نے باب المہایاۃ فی الحیوان میں ذکر فرمایا کہ دونوں میں سے ہر ایک کو بعذر یا بلا عذر مہایاۃ توڑ دینے کا اختیار ہے اور شارح شیخ الاسلام خواہرزادہ نے شرح میں فرمایا کہ دونوں میں سے ہر ایک کو بعذر یا بلا عذر مہایاۃ توڑ دینے کا اختیار ہے اور شارح شیخ الاسلام خواہر زادہ نے شرح میں فرمایا کہ یہی ظاہر الروایۃ ہے اور موافق اس ظاہر الروایۃ کے ایک کو بعذر یا بلا عذر مہایاۃ توڑنے کا جبھی اختیار ہوگا کہ جب یہ مہایاۃ دونوں کی رضامندی سے ہوئی ہو اور اگر بحکم حاکم ہوئی ہو تو تاوقتیکہ دونوں اُس کے توڑنے پر اتفاق نہ کریں فقط ایک نہیں توڑ سکتا ہے اور جب مہایاۃ دونوں کی رضامندی سے ہوئی پھر اس کو دونوں نے توڑ دیا تو پھر یہ احتیاج نہیں ہے کہ اُسی کے مثل دوبارہ اعادہ کی جائے بلکہ اس بٹوارہ سے زیادہ انصاف کے ساتھ بٹوارہ کی احتیاج ہے اور ایسا بٹوارہ وہ ہے جو بقضاء قاضی ہو اور دونوں شریکوں میں سے کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اپنی حویلی[۱] میں کوئی جدید عمارت بنا دے یا توڑ دے یا کوئی دروازہ پھوڑے یہ ذخیرہ میں ہے ایک دار دو شخصوں میں مشترک ہے اس میں چند منزلیں ہیں پس باہم دونوں نے اس طرح مہایاۃ کی ہر ایک شریک منزل معلوم میں یا بالاخانہ معین یا سفل معلوم میں سکونت رکھے یا اُس کو کرایہ پر دے دے تو یہ جائز ہے اور اگر مہایاۃ زمانہ کی راہ سے کی مثلاً یوں مہایاۃ کی کہ ایک شریک اس دار میں ایک سال تک رہی اور دوسرا اُس میں ایک سال تک رہی یا ایک سال تک یہ کرایہ پر دے اور ایک سال تک وہ کرایہ پر دے پس سکونت کے واسطے باہمی رضامندی سے مہایاۃ زمانی جائز ہے اگر اس طور سے کہ ایک سال تک یہ کرایہ پر چلا دے اور ایک سال تک وہ کرایہ پر چلا دے اس میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے اور شیخ امام معروف بخواہرزادہ نے فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ جائز ہے بشرطیکہ سال میں دونوں کے کرایہ کا مال برابر ہو اور اگر ایک کی باری میں کرایہ بڑھا تو بڑھتی میں دونوں شریک ہوں گے اور اسی پر فتویٰ ہے اسی طرح دو داروں میں سکونت و کرایہ پر چلانے کی مہایاۃ جائز ہے بایں طور کہ ایک اس دار میں رہے اور دوسرا اُس دار میں رہے یا ایک یہ دار کرایہ پر چلا دے اور دوسرا وہ دار کرایہ پر چلا دے پس اگر دونوں نے باہمی رضامندی سے ایسا کیا تو جائز ہے۔ اور اگر ایک نے درخواست کی اور دوسرے نے انکار کیا تو امام کرخیؒ نے ذکر فرمایا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں قاضی اُس پر جبر نہ کرے گا اور اگر دار واحد ہو تو جبر کرے گا اور شمس الائمہ سرخسی نے ذکر فرمایا کہ اظہر یہ ہے کہ قاضی جبر کرے گا مگر فرق یہ ہے کہ دو دار ہونے کی صورت میں اگر ایک

۱؎ اپنی حویلی یعنی باری باندھنے میں جو حویلی یا حصہ اس کے پاس ہے۔
(۱) عاریت نہیں ہو سکتی ہے۔

کے پاس بہ نسبت دوسرے کے کرایہ زیادہ آیا تو کوئی دوسرے سے کچھ نہیں لے سکتا ہے اور دار واحدہ کی صورت میں اگر کرایہ پر مہایاۃ کر لی اور ایک کی باری میں بہ نسبت دوسرے کے کرایہ زیادہ آیا تو زیادتی میں دونوں شریک ہو جائیں گے اگر دو دار میں جو دو شہروں میں واقع ہیں مہایاۃ کی پس اگر اُس کو باہمی رضامندی سے کیا تو جائز ہے اور در صورت کسی کے انکار کے قاضی جبر نہ کرے گا یہ ظاہر الروایۃ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر دو باندیاں مشترک ہوں اور دونوں نے اس طرح مہایاۃ کی کہ یہ باندی اسکی لڑکی کو دودھ پلا دے ☆

اگر ہر ایک نے اپنے قبضہ کا دار کرایہ پر دے دیا پھر ایک نے چاہا کہ مہایاۃ کو توڑ کر رقبہ دار کو باہم تقسیم کر لے تو اس کو اختیار ہوگا اور یہ حکم اس وقت ہے کہ مدت اجارہ گذر گئی ہو اور اگر مدت اجارہ نہ گذری ہو تو کرایہ پر دینے والے کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ مہایاۃ کو توڑ دے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ مستاجر کا حق مصئون رہے یہ تاتارخانیہ میں ہے اور اگر غلام سے خدمت لینے میں مہایاۃ کی کہ یہ غلام اس شریک کی ایک مہینہ تک خدمت کیا کرے اور وہ غلام دوسرے شریک کی ایک مہینہ تک خدمت کیا کرے تو مہایاۃ جائز ہے اور یہ بخلاف ایک غلام کے اجارہ دینے کی مہایاۃ کے ہے کہ یوں مہایاۃ کی کہ یہ شریک اس غلام واحد کو ایک مہینہ تک کرایہ پر دے اور اُس کی اجرت کھائے پھر دوسرا اُسی کو ایک مہینہ تک کرایہ پر دے اور اُس کی اُجرت کھائے کیونکہ یہ بلا خلاف نہیں جائز ہے کذا فی الذخیرہ اور اگر دونوں نے دو غلاموں میں دونوں سے ایک سال تک خدمت لینے پر مہایاۃ کی تو جائز ہے اور اگر دونوں نے دو غلاموں میں دونوں سے ایک سال تک خدمت لینے پر مہایاۃ کی تو جائز ہے اور اگر دونوں غلاموں کی اجرت پر مہایاۃ کی تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نہیں جائز ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ دونوں کی باری میں کرایہ برابر[1] آیا ہو یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر دو شخصوں میں دو باندیاں مشترک ہوں اور دونوں نے اس طرح مہایاۃ کی کہ یہ باندی اس کی لڑکی کو دودھ پلا دے اور دوسری باندی دوسرے کے لڑکے کو دودھ پلا دے تو جائز ہے کذا فی التبیین۔ دو شخصوں نے اپنے درمیان مشترک گائے میں اس طرح مہایاۃ کی کہ یہ گائے ہر ایک کے پاس پندرہ روز تک رہے وہ اس کا دودھ دوہ لیا کرے تو یہ باطل ہے اور کسی کو بڑھتی دودھ حلال نہ ہوگا اگر چہ اُس کا شریک اُس کو حلت میں کر دے کیونکہ یہ ہبہ شائع[2] ہے ایسی چیز میں جو قابل تقسیم ہے الا اس صورت میں کہ بڑھتی والے نے بڑھتی دودھ کو تلف کر دیا ہو پس جب دوسرا شریک اس کو حلت میں کر دے گا تو یہ امر ضمانت سے بری کر دینا ہے پس جائز ہوگا اور جب تک عین زیادتی قائم ہے تب تک یہ امر ہبہ یا ابرعین ہے اور یہ باطل ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر کوئی نخل و شجر دو شریکوں میں مشترک ہو اور دونوں نے اس طرح مہایاۃ کی کہ ہر ایک اس کے پھلوں میں سے کسی قدر لے تو جائز نہیں ہے اسی طرح اگر بکریاں دو آدمیوں میں مشترک ہوں اور دونوں نے اتفاق کیا کہ ہر ایک ان میں سے کسی قدر بکریاں لے کر ان کو چارہ دے[3] اور ان کے دودھ سے نفع اُٹھا دے تو بھی جائز نہیں ہے یہ کافی میں ہے پھلوں یا پھلوں کی مثل چیزوں میں جواز کا حیلہ ہے کہ اپنے شریک کا حصہ خرید لے پھر اپنی باری گذرنے پر کل کو فروخت کر دے یا لیکن مقدمہ سے جو حصہ شریک ہے بطور قرض انتفاع حاصل کرے کیونکہ قرض مشاع جائز ہے یہ تبیین میں ہے اور دو چارپایہ[(1)] واایک چوپایہ میں از راہ سواری یا کرایہ پر چلانے کے دونوں طرح امام اعظمؒ کے نزدیک مہایاۃ جائز نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک دو چارپایوں کی صورت میں مہایاۃ جائز ہے خواہ سواری لینے کی

---

[1] برابر الخ و اگر کم و بیش ہو تو زیادتی کو تقسیم کر لیں۔
[2] مشاع یعنی یہ چیز اس قابل تھی کہ بٹوارہ ہو سکتا تھا پھر بھی اسے مشاع بغیر تقسیم کی ہبہ کی جائز نہیں ہے۔ [3] چرادے یا چرواوے۔
(1) عین سے بری کرتا ہے۔

راہ سے ہو یا کرایہ پر چلانے کی راہ سے ہو مگر ایک چوپایہ ہونے کی صورت میں اگر کرایہ چلانے کی راہ سے مہایاۃ کی تو جائز نہیں ہے اور اگر سواری میں مہایاۃ کی تو شیخ امام معروف بخواہرزادہ نے فرمایا کہ جائز نہ ہونا چاہیے پس نہ سواری کی راہ سے اور نہ کرایہ پر چلانے کی راہ سے کسی طرح جائز نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اور اگر دونوں نے دو مملوکوں میں خدمت لینے پر مہایاۃ کی پھر ایک مر گیا یا بھاگ گیا تو مہایاۃ ٹوٹ جائے گی اور اگر اس غلام نے تین روز کم مہینہ بھر خدمت کی ہو تو دوسرا بھی اپنے غلام سے تین روز کم خدمت لے گا بخلاف اس کے اگر اس نے مہینہ بھر سے تین روز زیادہ خدمت کر دی ہو تو دوسرے کے واسطے اس کے غلام کی تین روز خدمت زیادہ نہ کی جائے گی اور اگر ایک کا غلام پورا مہینہ بھاگا رہا اور دوسرے نے اپنے غلام سے پورا مہینہ خدمت لی تو اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی اور نہ اُجرت واجب ہوگی اور قیاس یہ تھا کہ نصف اجر المثل کا ضامن ہوتا اور اگر ایک خادم اُس شخص کی خدمت سے جس کے واسطے مہایاۃ میں یہ خادم شرط کیا گیا ہے ہلاک ہو گیا تو اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی اور نہ اجرت واجب ہوگی اور قیاس یہ تھا کہ نصف اجر المثل کا ضامن ہوتا اور اگر ایک خادم اُس شخص کی خدمت سے جس کے واسطے مہایاۃ میں یہ خادم شرط کیا گیا ہے ہلاک ہو گیا تو اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی اور اسی طرح اگر منزل اُس شخص کی سکونت سے جس کے واسطے شرط کی گئی ہے منہدم ہو گئی تو بھی اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی اسی طرح اگر یہ منزل اس مشروط کے آگ[1] روشن کرنے سے جل گئی تو بھی اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی اسی طرح اگر اُس نے منزل مذکور میں وضو کیا اور کوئی شخص اس کے پانی سے پھسل پڑا یا اس میں کوئی چیز رکھی اور اس سے کسی آدمی نے ٹھوکر[ا] کھائی تو اُس پر ضمان واجب نہ ہوگی اور اگر اس نے اس میں کوئی عمارت بنائی یا کنواں کھودا تو جس قدر اُس کے شریک کی ملک ہے اتنے کا ضامن ہوگا حتیٰ کہ اگر شریک ایک تہائی کا مالک ہو تو تہائی کا ضامن ہوگا اور صاحبین کے نزدیک ہر حال میں نصف کا ضامن ہوگا اور ہمارے یعنی اصحابؒ نے فرمایا کہ عمارت بنانے کی صورت میں جواب مذکور (یعنی ضماندار ہونا) غلط ہے اور شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا کہ اگر ان مشائخ کا کہنا صحیح ہو تو مستاجر کی صورت میں حکم یوں ہونا چاہیے کہ اگر مستاجر نے کرایہ کے مکان میں کوئی عمارت بنائی اور اُس سے کوئی آدمی تلف ہو گیا تو ضامن نہ ہوگا جیسا کہ دار میں کوئی چیز رکھنے کی صورت میں[2] حکم ہے مؤلفؒ نے فرمایا کہ یہاں جو روایت مذکور ہے وہ ان مشائخ کے قول کے برخلاف ہے اور جو روایت یہاں ہے وہی اجارہ کی صورت میں ہوگی کہ اجارہ کی صورت میں بھی مستاجر پر ضمان واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔

اگر دونوں میں سے ایک مر گیا اور اُس پر قرضہ ہے تو اُس کا حصہ اُس کے قرضہ میں فروخت کیا جائے گا۔ دونوں میں سے ایک نے بطور بیع فاسد اپنا حصہ فروخت کیا تو جب تک مشتری کے سپرد نہ کرے تب تک مہایاۃ باطل نہ ہوگی کیونکہ بیع فاسد میں اُس کی ملک زائل نہ ہوگی جب تک مشتری کے سپرد نہ کرے جیسا[۲] بیع بشرط الخیار للبائع میں ہے اور اگر بیع بشرط خیار للمشتری ہو تو مہایاۃ[3] باطل ہو جائے گی یہ محیط سرخسی میں ہے۔ ایک باندی دو شخصوں میں مشترک ہے اور دونوں میں سے ہر ایک اس باندی کی بابت دوسرے پر بدگمانی رکھتا ہے۔ پھر ایک نے کہا کہ یہ باندی ایک روز تیرے پاس رہے اور ایک روز میرے پاس رہے اور دوسرے نے کہا کہ نہیں بلکہ ہم اس کو کسی عادل کے پاس رکھیں تو میں عادل کے پاس نہ رکھوں گا بلکہ ایک ایک روز دونوں کے پاس رہنے کا حکم دوں گا اور اگر دونوں

[ا] ٹھوکر اخ یعنی پھسلنے یا ٹھوکر کھانے سے مراد۔

[۲] وہ بیع جس میں بائع کے واسطے اختیار دیا گیا ہے اور اس بیع سے بیع مراد ہے اور مشتری کے واسطے بھی جائز میں خیار ہوتا ہے۔

(1) کوئی حصہ بیان کیا۔ (2) سواری کے جانور۔ (3) ایسی آگ سے جس کو مشروط لہ ساکن نے جلایا تھا۔

(4) اوپر بیان ہوا۔ (5) کیونکہ مبیع بائع کی ملک سے خارج ہو گئی۔

نے اس میں جھگڑا کیا کہ پہلے کسی کے پاس رہے تو قاضی کو اختیار ہے چاہے جس سے پہل کرے یا قرعہ ڈال دے اور شمس الائمہ نے فرمایا کہ دونوں کا دل مطمئن کرنے کے واسطے قرعہ ڈالنا اولیٰ ہے اور اسی طرف شمس الائمہ حلوائی نے میل کیا ہے یہ ذخیرہ میں ہے ایک غلام و ایک باندی دو آدمیوں میں مشترک ہے اور دونوں نے اس امر پر مہایاۃ کی کہ باندی ایک شخص کی خدمت کرے اور دوسرے کی خدمت غلام کرے پس اگر دونوں نے ان کی خوراک کے ذکر سے سکوت کیا ہو تو قیاساً دونوں کی خوراک دونوں پر نصفا نصف واجب ہوگی مگر استحساناً یہ حکم ہے کہ مہایاۃ میں جو خادم جس کی خدمت کے واسطے مشروط کیا گیا ہے اُس کی خوراک اسی پر واجب ہوگی اور ان دونوں کے کپڑے کے ذکر سے اگر دونوں نے سکوت کیا تو قیاساً و استحساناً غلام و باندی کا کپڑا دونوں پر نصفا نصف واجب ہوگا اور اگر مہایاۃ میں یہ شرط بیان کر دی ہو کہ جو خادم جس کی خدمت کے واسطے مشروط ہے اُس کا کھانا اسی کے ذمہ ہے مگر خوراک کی مقدار بیان نہ کی ہو تو قیاساً جائز نہ ہونا چاہیے مگر استحساناً جائز ہے اور کپڑے کی صورت میں اگر مقدار بیان نہ کی ہو تو قیاساً و استحساناً جائز نہیں ہے اور اگر مقدار خوراک بیان کر دی تو قیاساً جائز نہیں ہے اور استحساناً جائز ہے اسی طرح کپڑے کی صورت میں اگر کوئی شے معلوم شرط کی تو قیاساً جائز نہیں ہے اور استحساناً جائز ہے اور چوپاؤں کے چرانے میں مہایاۃ کرنا ہمارے نزدیک جائز ہے اسی طرح اگر ان چوپاؤں کے چرانے کے واسطے اُجرت پر چرواہا مقرر کرنے میں مہایاۃ کی تو بھی جائز ہے اور ایک دار اور ایک زمین میں اس طرح مہایاۃ کرنا کہ ایک شریک اس دار میں سکونت کرے اور دوسرا اُس زمین میں زراعت کرے جائز ہے اسی طرح اگر ایک دار ایک حمام میں مہایاۃ کی تو بھی جائز ہے اور ایک دار و ایک مملوک میں اس طرح مہایاۃ کرنا کہ یہ شریک اس دار میں ایک سال تک سکونت رکھے اور دوسرا اس غلام سے ایک سال تک خدمت لے جائز ہے لیکن اگر غلام کی مزدوری ایک سال تک یعنی پر مہایاۃ کی تو امام اعظمؒ کے نزدیک باطل ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے یہ محیط میں ہے اگر ایسی چیز کی مہایاۃ کرنے میں جواز راہ زمان و مکان دونوں ہو سکتی ہے دونوں نے اختلاف[1] کیا تو قاضی دونوں کو حکم دے گا کہ تم دونوں کسی بات پر اتفاق کرو (یعنی بزمان ہو یا بمکان ہو) پس اگر دونوں نے اس بات کو اختیار کیا کہ بزمان ہو تو بدایت[2] کے واسطے قاضی قرعہ ڈال دے گا یہ تبیین میں ہے۔ دو باندیاں دو شخصوں میں مشترک ہیں اور ان میں سے ایک باندی بہ نسبت دوسری کے خدمتگاری میں بڑھ کر پس دونوں نے یہ مہایاۃ کی کہ جو باندی خدمت گزاری میں بڑھ کر اس سے ایک شریک ایک سال تک خدمت لے اور دوسری سے دوسرا شریک دو سال تک خدمت لے تو جائز ہے اور اگر دونوں شریکوں نے دو باندیوں میں مہایاۃ کر لی پھر ایک باندی جس کی خدمت کرتی تھی اس سے حاملہ ہو گئی تو مہایاۃ باطل ہو جائے گی اور دوسری کی بابت از سر نو مہایاۃ ہو گی کذا فی محیط السرخسی۔

باب نمبر⑯:

متفرقات کے بیان میں

قاضی کو جائز ہے کہ بٹوارہ کرنے میں اپنی اجرت لے لے لیکن نہ لینا مستحب ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔ قاضی کو چاہیے کہ لوگوں میں بٹوارہ کرنے کے واسطے ایک قاسم مقرر کرے جو بٹوارہ کرنے پر اجرت نہ لے بلکہ یہی افضل ہے اور اگر قاضی نے ایسا نہ کیا تو ایسا قاسم مقرر کرے جو بٹوارہ کرنے کی اجرت حصہ داروں سے لے اور اجرت کی مقدار وہ ہو گی جو ایسے کام کرنے والے کو ملنی چاہیے یعنی

(۱) بزمان ہے یا بمکان ہے۔ (۲) کس کی طرف سے پہل ہو۔

اجر المثل تاکہ حصہ داروں سے زیادہ لینے پر تحکم[1] نہ کرے مگر یہ واجب ہے کہ یہ شخص قاسم ایک مرد عادل ہو اور قسمت کے مسائل سے آگاہ ہو اور امین ہو۔ اور قاضی ایک ہی قاسم کو اجرت پر بٹوارہ کے لے لینے کے واسطے لوگوں کو مجبور نہ کرے گا یہ کافی میں ہے اگر شریکوں نے کسی قاسم کو اپنے درمیان حصہ بانٹ کرنے کے واسطے اجرت پر لیا تو اس کی اجرت ان لوگوں کی تعداد[2] پر ہر ایک کے ذمہ برابر ہوگی ہر ایک کے حصہ کے موافق ہر ایک کے ذمہ نہ ہوگی اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہر حصہ دار کے حصہ کے موافق اس پر اجرت واجب ہوگی کواہ قاضی کا قاسم ہو یا دوسرا ہو اور یہ امام ابو حنیفہؒ سے بھی ایک روایت ہے رہی کیال و وزان (کیل کنندہ و وزن کنندہ) قیمت کی اجرت سو اس کی نسبت بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس میں بھی ویسا ہی اختلاف ہے مگر اصح یہ ہے کہ اس کی بابت امام کا قول مثل قول صاحبین کے ہے اور اگر دو شریکوں میں سے ایک نے تقسیم کی درخواست کی اور دوسرے نے انکار کیا اور قاضی نے اپنے قاسم کو حکم دیا کہ دونوں میں تقسیم کر دے تو حسب بن زیاد نے امام اعظمؒ سے روایت کی کہ اُس کی اُجرت درخواست کرنے والے پر ہوگی اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اُس کی مزدوری دونوں پر ہوگی کذا فی الظہیر یہ قال الحر جم وھو الاصح کذا قیل اور اگر شریکوں نے باہمی صلح ورضامندی سے حصہ بانٹ کر لیا تو جائز ہے لیکن اگر شریکوں میں کوئی نابالغ ہو تو ایسی صورت میں حکم قاضی کی ضرورت ہوگی اور قاسم ان کو مشترک نہ چھوڑے گا یہ کافی میں ہے۔

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ داروں اور زمینوں کے قاسم کی اُجرت حصہ داروں کی تعداد پر ہر ایک کے ذمہ برابر ہوگی اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ حصہ کی مقدار کے حساب سے ہر حصہ دار پر ہوگی اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک دار تین آدمیوں میں اس طرح مشترک ہے کہ ایک کا آدھا ہے اور دوسرے کا تہائی ہے اور تیسرے کا چھٹا حصہ ہے (تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تینوں برابر مزدوری ادا کریں اور صاحبینؒ کے نزدیک آدھے کا حصہ دار آدھی مزدوری اور دوسرا تہائی اور تیسرا چھٹا حصہ اُجرت دے) اور مشائخ نے فرمایا کہ یہ حکم اُس وقت ہے کہ شریکوں نے اپنے حصہ بانٹ کی قاضی سے درخواست کی ہو اور قاضی کے قاسم نے بانٹ دیا ہو اور اگر ان لوگوں نے خود ہی کسی کو قاسم باجرت مقرر کر لیا تو اُس کی اُجرت کا ہر ایک برابر دین دار ہوگا پھر آیا کم حصہ دار زیادہ حصہ دار سے بقدر زیادتی واپس لے سکتا ہے یا نہیں تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نہیں لے سکتا ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ لے سکتا ہے۔ اسی طرح اگر شریکوں نے کسی کو وکیل مقرر کیا کہ ہمارے درمیان حصہ بانٹ کرنے کے واسطے اجرت پر کوئی قاسم مقرر کرے اور وکیل نے ایسا ہی کیا تو قاسم کی اُجرت وکیل کے ذمہ ہوگی پھر مال اجرت جس کو وکیل اپنے موکلوں سے واپس لے گا اُس کے واپس لینے میں اس طرح اختلاف ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سب سے برابر واپس لے گا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ہر حصہ دار سے اُس کی ملک کے حساب سے واپس لے گا یہ محیط میں ہے۔

اگر شریکوں نے اناج مشترک کی کیل کے واسطے یا مشترک کپڑے کے گز ناپنے کے واسطے کسی شخص کو اجرت پر مقرر کیا پس اگر حصہ بانٹ کے واسطے اجیر کیا ہو تو اس میں وہی اختلاف ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے اور اگر فقط کیل کرنے یا گزوں سے ناپنے کے واسطے اجیر کیا ہو تا کہ کیلی چیز یا کپڑے کی مقدار معلوم ہو جائے تو اُس کی اُجرت ہر شریک کو بقدر اپنے حصہ کے دینی پڑے گی اور منتقی میں ہے کہ ابراہیم نے امام محمدؒ سے روایت کی کہ دو شخصوں کے درمیان مشترک گیہوں کے حصے جدا کیے گئے تو کیال کی اجرت ہر ایک پر بقدر اُس کے حصے کے واجب ہوگی اور حساب کنندہ کی اُجرت بحساب تعداد شرکاء ہر ایک پر برابر واجب ہوگی فرمایا کہ اس تقسیم و افراز

---

[1] تحکم یعنی زبردستی زیادہ لے قاسم بٹوارہ کرنے والا۔
[2] اگر چار شریک ہوں تو ہر ایک پر چوتھائی ہوئی اگر چہ حصص میں کسی کا آدھا ہو کسی کا چوتھائی اور کسی کا آٹھواں حصہ و مثل ذلک۔

میں جو عمل ہے اُس کی اُجرت بقدر حصہ کے لازم ہوگی اور جو حساب ہے اُس کی اجرت عدد روس پر (یعنی تعداد شرکاء پر تقسیم ہو کر ایک پر برابر لازم ہوگی) یہ قیاس قول امام اعظمؒ ہے اور صاحبینؒ کے قول میں بقدر حصہ کے اُجرت لازم ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے ہشام نے امام محمدؒ سے روایت[1] کی ہے کہ ایک زمین دو شخصوں میں مشترک اُس میں ایک شریک نے عمارت تیار کی پھر دوسرے نے اُس سے کہا کہ اس زمین سے اپنی عمارت دور کر دے تو زمین مذکور دونوں میں تقسیم کی جائے گی تو جس قدر عمارت ایسے شریک کے حصہ میں پڑی جس نے اُس کو نہیں بنایا ہے اُس کو اختیار ہوگا کہ چاہے عمارت مذکور کو دور کر دے یا بنانے والے کو اُس کی قیمت دے کر راضی کر دے اور یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ اگر اُس نے عمارت مذکور دور کر دی تو اُس کا حق پورے میں باطل ہو جاتا ہے اور اگر تقسیم کی گئی تو اُس قدر میں جتنی اُس نے اپنی ملک میں بنائی ہے اُس کا حق باطل نہ ہوگا پس تقسیم اولیٰ ہوئی ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر شریکوں میں سے ایک نے تقسیم کی درخواست کی اور باقیوں نے انکار کیا اور درخواست کرنے والے نے ایک قاسم باجرت مقرر کیا تو اُس کی اُجرت امام اعظمؒ کے نزدیک خاصۃً اسی درخواست کرنے والے[ل] پر ہوگی اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ سب پر ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے شیخ الاسلام[2] نے شرح کتاب القسمۃ میں ذکر فرمایا کہ اگر ایک شریک نے زمین مشترکہ میں دوسرے شریک کی بلا اجازت عمارت بنالی تو دوسرے شریک کو اختیار ہوگا کہ اُس کی عمارت توڑ دے اور نیز شرح کتاب القسمۃ میں ہے کہ دو غلام دو شخصوں میں مشترک ہیں پھر ایک شریک غائب ہو گیا پھر دوسرے شریک حاضر کے پاس ایک اجنبی آدمی آیا اور کہا کہ تو غائب کی طرف سے میرے ساتھ ان دونوں غلاموں کا بٹوارہ کر لے کہ وہ میری تقسیم کو پسند کرتا ہے پس حاضر نے اُس کے ساتھ بٹوارہ کر کے ایک غلام آپ لیا اور دوسرا غلام اس اجنبی کو دے دیا پھر شریک غائب حاضر ہوا اور اس نے تقسیم مذکور کی اجازت دے دی پھر اجنبی کے پاس وہ غلام مر گیا تو تقسیم جائز ہوگی اور غائب کی طرف سے اجنبی کا قبضہ جائز ہوگا اور اجنبی پر اُس کی ضمان واجب نہ ہوگی اور اگر غلام مذکور اجنبی کے پاس غائب کی اجازت تقسیم سے پہلے مر گیا تو تقسیم باطل ہو جائے گی اور باقی غلام میں سے غائب کو نصف غلام ملے گا اور غلام میت کے اپنے حصہ کی تضمین میں اس کو اختیار ہوگا چاہے اس اجنبی سے جس کے پاس مرا ہے تاوان لے یا اپنے شریک سے تاوان لے اور دونوں میں سے جس سے اس نے تاوان لیا وہ مال تاوان کو دوسرے سے واپس نہیں لے سکتا ہے یہ محیط میں ہے۔

کیا بعد میں مکان تعمیر کرنے والے دوسرے کی دھوپ، روشنی وغیرہ کا خیال رکھنے کا پابند ہوگا؟

اگر دو شریکوں میں سے ایک شریک کے حصہ میں ایک درخت آیا جس کی شاخیں دوسرے شریک کے حصہ میں لٹکتی ہیں تو دوسرا شریک ان شاخوں کے قطع کرنے کے واسطے اس پر جبر نہیں کر سکتا ہے کیونکہ وہ درخت کا مع شاخوں کے مستحق ہوا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے دو شریکوں میں سے ایک کے حصہ میں عمارت آئی اور دوسرے شریک کا اس کے پہلو میں خالی میدان ہے پس دوسرے شریک نے اپنے میدان میں ایک بیت تیار کرنا چاہا مگر اس کے بننے سے پہلے شریک کی ہوا و دھوپ رکتی ہے تو ظاہر الروایۃ کے موافق دوسرے شریک کو بیت تیار کرنے کا اختیار ہے اور پہلا شریک اس کو منع نہیں کر سکتا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور شیخ نصیرؒ اور شیخ صفاؒ نے فرمایا کہ اس کو منع کرنے کا اختیار ہے یہ فتاویٰ صغریٰ میں ہے۔ تین آدمیوں نے اپنے باپ سے ایک دار میراث پایا اور اس کو تین تہائی

ل مترجم کہتا ہے کہ بنظر دلیل و وضع مسئلہ کے یہاں یہی راجح ہے اور یہ مسئلہ سابق میں بھی گذرا وہاں بنظر وضع مسئلہ کے ابو یوسف کا قول صحیح کیا گیا اور میرے گمان میں دونوں مسئلہ واحد میں اسی واسطے امام فخر الدین نے توضیح کے لیے مسئلہ بدل دیا۔

(۱) مذاکرہ میں روایت کی ہے۔ (۲) خواہرزادہ۔

تقسیم کر کے ہر ایک نے اپنے حصہ پر قبضہ کر لیا پھر ایک اجنبی نے آ کر ایک حصہ دار سے اُس کا حصہ خرید کر اُس پر قبضہ کر لیا پھر باقی دونوں حصہ داروں میں سے ایک حصہ دار آیا اور کہا کہ ہم نے تقسیم نہیں کیا ہے اور مشتری مذکور نے اُس سے تمام دار میں سے سوم حصہ شائع خرید ا پھر تیسرا حصہ دار آیا اور کہا کہ ہم اس دار کو باہم تقسیم کر چکے ہیں اور اس بات کے گواہ پیش کیے اور بائع اوّل نے اس کے دعویٰ کی تصدیق کی مگر بائع ثانی نے تکذیب کی اور مشتری نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ تم نے تقسیم کر لیا تھا یا نہیں تو تقسیم جائز ہو گی اس واسطے کہ تقسیم ہو جانا ایسے گواہوں سے جس کو خصم نے پیش کیا ہے ثابت ہو گیا اور تقسیم بعد پوری ہو جانے کے بعض شریکوں کے انکار کرنے سے باطل نہیں ہوتی ہے پس ظاہر ہوا کہ بائع اوّل نے خاصتہً اپنا حصہ فروخت کیا ہے پس اسکی بیع جائز ہوئی اور دوسرے دار کا حصہ سوم شائع فروخت کیا ہے تو اس میں سے ایک تہائی اُس کے حصہ میں سے ہوا اور باقی دو تہائی دوسروں کے حصہ میں سے ہوا تو خاص اس کے حصہ کی تہائی کی بیع جائز ہو گی مگر مشتری کو اختیار ہو گا چاہے اس کے حصہ کی تہائی کو تہائی ثمن میں لے لے یا سب چھوڑ دے کیونکہ مشتری کے حق میں تفریق صفقہ لازم آتی ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر وارثوں نے اللہ تعالیٰ کے فرائض کے موافق ترکہ کو باہمی رضامندی سے آپس میں تقسیم کر لیا اور ہر ایک کا حصہ جدا کر دیا پھر چاہا کہ باہمی رضامندی کے ساتھ اس تقسیم کو باطل کر کے دور واراضی کو مشاع مشترک کر دیں جیسے پہلے تھی تو ان کو یہ اختیار ہو گا کذا فی التاتارخانیہ فرمایا کہ اگر دار دو آدمیوں میں مشترک ہو پھر ایک نے دار میں سے ایک بیت میں سے اپنا حصہ فروخت کر دیا تو اُس کے شریک کو اختیار ہو گا کہ بیع کو باطل کر دے۔ اسی طرح اگر اس میں سے ایک بیت فروخت کر دیا تو بھی بدوں شریک کی اجازت کے جائز نہیں ہے پس اگر شریک نے اجازت دے دی تو بیع جائز ہو کر بیت مبیعہ مشتری کا ہو جائے گا اور باقی دار دونوں میں مشترک رہے گا اور اگر اُس نے اجازت نہ دی تو بیع باطل ہو گی اسی طرح اگر زمین مشترک میں سے ایک گز یا معلوم جگہ فروخت کر دی تو بھی یہی حکم ہے اور اگر کپڑے میں سے ایک حصہ فروخت کیا تو یہ جائز ہے اور امام محمدؒ کی روایت میں شریک کو اس کے باطل کرنے کا اختیار نہیں ہے اور حسن بن زیاد کی روایت کے موافق یہ مسئلہ اور مسئلہ اولیٰ یکساں ہے پس بدوں شریک کی اجازت کے بیع جائز نہ ہو گی اور اسی روایت کو طحاویؒ نے لیا ہے اور فرمایا کہ اگر دو شخصوں میں ایک دار مشترک ہو پھر ایک نے اُس میں سے ایک بیت کا کسی شخص کے واسطے اقرار کر دیا اور دوسرے نے انکار کیا تو ایسا اقرار موقوف رہے گا اس میں سے متعلق نہ ہو گا کیونکہ اس میں دوسرے شریک کا حق ہے پس یہ شخص تقسیم کے واسطے مجبور کیا جائے گا پس اگر بیت مذکور مقر کے حصہ میں آیا تو اس کو مقر لہ کو دے دے گا اور اگر دوسرے کے حصہ میں آیا تو جو کچھ مقر کے حصہ میں ہے وہ مقر اور مقر لہ کے درمیان بانٹ دیا جائے گا پس امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مقر لہ بیت مذکور کے گزوں کی تعداد پر شریک کیا جائے گا اور مقر اس دار کی نصف ساخت پر بعد منہائی اس بیت کی ساخت کے شریک کیا جائے گا جیسا کہ شیخینؒ نے فرمایا ہے اور مقر لہ بیت مذکور کے آدھے گزوں کے حساب سے شریک کیا جائے گا۔ پورے بیت کے گزوں کی تعداد پر شریک نہ کیا جائے گا اور اس کا بیان یہ ہے کہ فرض کرو کہ پورا دار مع بیت کے سو گز ہے اور فقط بیت دس گز ہے پس دار مذکور دونوں میں آدھا آدھا تقسیم کیا جائے گا پھر جس قدر مقر کے پاس آیا اس کے پچپن حصے کیے جائیں گے جس میں سے دس حصے مقر کے ہوں گے اور یہ پورے بیت کے مساحتی گز ہیں اور مقر کے پینتالیس حصے ہوں گے اور یہ تعداد ان گزوں کی ہے جو بیت کی منہائی کے بعد نصف دار کے گز ہیں پس ہر پانچ حصے کو میں ایک سہم ٹھہراتا ہوں پس جس قدر مقر کو ملا ہے اس کے گیارہ سہم ہوئے جس میں سے دو سہم مقر لہ کو ملیں گے اور نو سہم مقر کو ملیں گے اور امام محمدؒ کے قول کے موافق جس قدر مقر کو ملا ہے اس کے دس سہم کرنے چاہیے ہیں اس لیے کہ ان کے نزدیک مقر لہ پانچ ہی گز کے حساب سے شریک کیا جائے گا اور یہ سبب اُس صورت میں ہے کہ ایسی چیز کا اقرار کیا ہو جو محتمل قسمت ہے جیسے دار یا اس کے مانند

چیزیں اور اگر ایسی چیز کی نسبت اقرار کر دیا جو محتمل قسمت[1] نہیں ہے جیسے حکام اور اس میں سے ایک بیت معین کا ایک شریک نے کسی غیر کے واسطے اقرار کر دیا اور دوسرے شریک نے اس سے انکار کیا تو اس مقر پر اس کی نصف[2] قیمت لازم ہوگی اسی طرح اگر دار میں سے کسی شہتیر کا کسی غیر کے واسطے اقرار کر دیا تو بھی یہی حکم ہے یہ شرح طحاوی میں ہے۔

اگر کیلی یا وزنی چیز دو شخصوں میں مشترک ہو مگر وہ ایک ہی کے قبضہ میں ہو پھر دونوں نے اس کو باہم تقسیم کیا اور ہنوز اس شخص نے جو قابض نہ تھا اپنے حصے پر قبضہ نہ کیا تھا اس کا حصہ تلف ہو گیا تو اس کا حصہ ہونا دونوں پر پڑے گا اور جو کچھ باقی رہا ہے وہ مشترک دونوں میں تقسیم ہوگا اور اس مسئلہ جو اس کے ہم جنس مسئلوں میں اصل یہ ہے کہ کیلی و وزنی چیز کی تقسیم میں اگر قبضہ سے پہلے ایک کا حصہ تلف ہو گیا تو تقسیم ٹوٹ جائے گی اور حال وہی ہو جائے گا جو تقسیم سے پہلے تھا قال المترجم پس قبضہ پایا جانا چاہیے خواہ قدیم متجدد ہو جائے یا جدید ہو فافہم اور اگر اس شخص کا حصہ تلف ہوا جس کے قبضہ میں یہ کیلی یا وزنی چیز تھی اور دوسرے کا حصہ تلف ہوا تو تقسیم نہ ٹوٹے گی اور اسی اصل سے استخراج کر کے ہم نے کہا کہ اگر زمیندار نے اپنے بٹائی کے کاشتکار سے کہا کہ غلہ تقسیم کر کے میرا حصہ اپنے حصہ سے جدا کر دے اس نے ایسا ہی کیا پھر زمیندار کے قبضہ کرنے سے پہلے ایک حصہ تلف ہو گیا پس اگر زمیندار کا حصہ تلف ہوا تو تقسیم ٹوٹ جائے گی اور جو کچھ کاشتکار کے قبضہ میں ہے اس میں سے زمیندار اپنے حصہ کے لیے نصف بٹوالے گا کیونکہ زمیندار کا حصہ اس کے قبضہ کرنے سے پہلے تلف ہو گیا ہے اور اگر کاشت کار کا حصہ تلف ہو گیا تو تقسیم نہ ٹوٹے گی کذا فی الذخیرہ اور اگر اس نے ڈھیری کو تقسیم کر کے زمیندار کا حصہ الگ کیا پھر اپنا حصہ اولاً اپنے گھر اٹھالے گیا پھر جب لوٹا تو دیکھا کہ جو اس نے زمیندار کا حصہ الگ کیا تھا وہ تلف ہو گیا ہے تو ایسا تلف ہونا زمیندار کے ذمہ قرار دیا جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اگر ایک شخص مر گیا اور اس نے چند وارث چھوڑے اور اپنا تہائی مال مسکینوں کو دینے کی وصیت کی پھر قاضی نے ترکہ تقسیم کیا اور تہائی مال مساکین کے واسطے الگ کر لیا اور باقی دو تہائی وارثوں کے واسطے رکھا اور ہنوز ان میں سے کسی کو کچھ نہ دیا تھا کہ تہائی یا دو تہائی کوئی ضائع ہو گیا تو اس کا ضائع ہونا ان سب پر ہوگا اور تقسیم پھر دوہرائی جائے گی اور اگر قاضی نے تہائی مال مساکین کے واسطے الگ کر لیا اور باقی دو تہائی وارثوں کے واسطے رکھا اور ہنوز ان میں سے کسی کو کچھ نہ دیا تھا کہ تہائی یا دو تہائی کوئی ضائع ہو گیا تو اس کا ضائع ہونا ان سب پر ہوگا اور تقسیم پھر دوہرائی جائے گی اور اگر قاضی نے تہائی مال مساکین کو دے دیا اور دو تہائی ضائع ہو گیا اور وارث غائب ہے یا کوئی وارث غائب ہے یا نابالغ ہے تو دو تہائی وارثوں کا مال گیا دو شخصوں میں اناج مشترک ہے پس ایک نے دوسرے کو بانٹنے کا حکم دیا اور اس کو اپنا ایک تھیلا دیا کہ اناج میں سے میرا حصہ اس میں ناپ دے اور اس نے ایسا ہی کیا تو یہ جائز ہے اور اس سے قبضہ متحقق ہو جائے گا اسی طرح اگر اسی شریک سے کہا کہ مجھے اپنا یہ تھیلا عاریت دے اور اس میں میرے واسطے[3] میرا حصہ ناپ دے تو بھی یہی حکم ہے اور اگر یوں نہ کہا کہ اپنا یہ تھیلا عاریت دے بلکہ یوں کہا کہ مجھے اپنے پاس سے کوئی تھیلا عاریت دے اور میرے واسطے اس میں ناپ دے اور اس نے ایسا ہی کیا تو اس سے اس کا اپنے حصہ پر قبضہ متحقق نہ ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔

---

[1] قال المترجم محتمل قسمت فقہا کے نزدیک اس کو کہتے ہیں کہ جو اس طرح تقسیم ہو سکے کہ بعد تقسیم کے منفعت مقصودہ فوت یا متغیر نہ ہو جائے۔

[2] یہاں نصف اس واسطے کہا کہ جب یہ چیز قابل بٹوارہ نہ تھی تو اقرار اس کے شریک کے حصہ میں تجاوز کرے گا حالانکہ فقط اپنی ذات پر اقرار صحیح ہوتا ہے۔ لہٰذا نصف میں صحیح ٹھہرا۔

[3] مترجم کہتا ہے کہ بعض نے صورت عاریت میں کہا کہ یہ اس وقت ہے کہ جب مستعار لے کر اسکو دے کہ میرا حصہ اس میں ناپ دے اور اگر بدوں قبضہ کے حکم دیا تو قبضہ صحیح نہ ہوگا اور یہی حکم بیع میں ہے مترجم کہتا ہے کہ میرے گمان میں حکم بلا خلاف ہے اور تصریح نہ کرنا خواہ اس وجہ سے کہ قبضہ ظاہر حال ہے یا اس وجہ سے قبضہ یہاں گرفت نہیں بلکہ فقط تخلیہ ہے اور جس نے تصریح کی شاید اس نے قبضہ بمعنی گرفت لیا جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کا قول ایسی صورت میں معروف ہے۔

اگر چند وارثوں نے حاضر ہو کر قاضی سے التماس کیا کہ ترکہ ہم لوگوں میں تقسیم کر دے اور ان لوگوں نے دعویٰ کیا کہ یہ میراث ہے تو قاضی اس کو ان لوگوں میں تقسیم نہ کرے گا جب تک کہ یہ لوگ اپنے مورث کے مرجانے اور اس کے وارثوں کی تعداد کے گواہ قائم نہ کریں پھر اگر گواہ قائم ہوئے اور انہوں نے مورث کے مرنے کی گواہی دی اور کہا کہ ان لوگوں کے سوائے میت کا کوئی وارث نہیں ہے تو قیاساً ان کی گواہی قبول نہ ہوگی مگر استحساناً مقبول ہوگی اور اگر گواہوں نے کہا کہ ان لوگوں کے سوائے میت کا ہم کوئی وارث نہیں جانتے ہیں تو قیاساً و استحساناً گواہی قبول ہوگی اور اگر گواہوں نے کہا کہ اس شہر میں ان لوگوں کے سوائے میت کا ہم کوئی وارث نہیں جانتے ہیں تو بھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی حکم ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک مقبول نہ ہوگی اور نظر بریں اختلاف مذکورہ جب ان کی گواہی مقبول ہوئی تو موافق فرائض اللہ تعالیٰ کے ترکہ اُن میں تقسیم کیا جائے گا اور قسمت میں جو وارث ایسا ہو کہ بر تقدیر کسی دوسرے وارث کے ظاہر ہونے کے محجوب ہوتا ہو اور جو ایسا ہو کہ اس تقدیر پر محجوب نہ ہوتا ہو دونوں برابر ہیں سوائے زوج و زوجہ کے کہ ان دونوں کے ہر دو حصہ[1] مفروضہ میں سے بڑا فریضہ یعنی زوج کو نصف اور زوجہ کو چوتھائی دیا جائے گا اور اگر گواہوں نے فقط مورث کے مرنے کی گواہی دی اور اس کے ماسوائے سے سکوت کیا تو قاضی ترکہ کو تقسیم نہ کرے گا خواہ ترکہ عروض ہو یا عقار ہو اور اگر وارث ایسے ہوں کہ بر تقدیر ظہور کسی دوسرے وارث کے محجوب ہوتے ہوں جیسے چچا و دادا بھائی و بہنیں تو قاضی ترکہ کو ایسے وارثوں میں تقسیم نہ کرے گا خواہ ترکہ عروض ہو یا عقار ہو اور اگر وارث ایسے ہوں کہ بریں تقدیر محجوب نہ ہوتے ہوں جیسے ماں و باپ و ولد تو ترکہ ان میں موافق فرائض اللہ تعالیٰ کے تقسیم کرے گا لیکن زوج و زوجہ ان کے ہر دو حصہ مفروضہ میں سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چھوٹا حصہ (یعنی شوہر کو چوتھائی اور جورو کو آٹھواں حصہ دے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک ہر دو مفروضہ میں سے بڑا حصہ دے گا اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ زوج کو چوتھائی اور زوجہ کو آٹھواں حصہ کا چوتھائی دے گا اور ایک روایت میں شوہر کو پانچواں حصہ اور زوجہ کو نویں حصہ کا چوتھائی دے گا یہ ینابیع میں ہے۔

ایک شخص ایک جورو اور دو پسر چھوڑ کر مر گیا اور یہ عورت دعویٰ کرتی تھی کہ میں حاملہ ہوں تو شیخ ابو بکر محمد بن الفضلؒ نے فرمایا کہ یہ عورت ایک ثقہ دائی یا دو دائیوں کو دکھلائی جائے کہ وہ اس کی کوکھ ٹٹول کر دریافت کریں پس اگر دائیوں کو علامات حمل سے کچھ ظاہر نہ ہوا تو قاضی میراث کو تقسیم کر دے گا اور اگر علامات حمل سے کچھ حاضر ہوا پس اگر وارثوں نے اُس کے وضع حمل تک انتظار کیا تو قاضی تقسیم نہ کرے گا۔ اسی طرح اگر ایک شخص اپنی حاملہ جورو و ایک بیٹا چھوڑ کر مرا تو قاضی میراث کو اس عورت کے وضع حمل تک تقسیم نہ کرے گا اور اگر وارث ایک سے زیادہ ہوں اور انہوں نے وضع حمل تک انتظار نہ کیا پس اگر ولادت کے دن دور ہوں تو قاضی ترکہ تقسیم کر دے گا اور اگر نزدیک ہوں تو تقسیم نہ کرے گا اور دونوں کی نزدیکی و دوری کی مقدار قاضی کی رائے پر ہے اور اگر ترکہ تقسیم کیا گیا تو حمل کا حصہ رکھ چھوڑا جائے گا اور مشائخ نے اختلاف کیا ہے کہ کتنے عدد کا حصہ رکھا جائے گا اور خصافؒ نے امام ابو یوسفؒ سے مروی ذکر کیا ہے کہ ایک پسر کا حصہ رکھا جائے گا اور اسی پر فتویٰ ہے اور یہ حکم ایسی صورت میں ہے کہ وارث ایسے ہوں کہ بر تقدیر بیٹا پیدا ہونے کے بیٹے کے ساتھ وارث ہو سکتے ہوں اور اگر ایسے ہوں کہ بیٹے کے ساتھ وارث نہ ہوتے ہوں مثلاً چند بھائی اور ایک حاملہ عورت چھوڑ مرا ہو تو پورا ترکہ موقوف رکھا جائے گا ان لوگوں کو تقسیم نہ کیا جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر مالک دار مر گیا اور اس نے چند بالغ وارث اور ایک حاملہ جورو چھوڑی تو دار مذکور ان وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا اور حمل کا حصہ نہ رکھا جائے گا پھر جب اس کے بچہ پیدا ہوگا تو تقسیم مذکور دھرائی جائے گی یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک شخص اپنی حاملہ جورو اور دو پسر و دو دختر چھوڑ مرا اور اولاد نے تقسیم میراث کی درخواست کی تو فقیہ ابو جعفرؒ نے فرمایا کہ عورت کو میراث کا آٹھواں حصہ یعنی چالیس سہم میں سے پانچ ملیں گے اور دونوں بیٹوں کو سات سہم اور دونوں

---

[1] قولہ ہر دو حصہ یعنی زوج کا چوتھائی اور زوجہ کا آٹھواں حصہ ہے اور عنقریب کتاب الفرائض میں بالتفصیل بیان آتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

بیٹوں کو چودہ سہم ملیں گے اور حمل کے واسطے چودہ سہم رکھ چھوڑے جائیں گے مگر مشائخ نے جو حکم فتویٰ کے واسطے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ حمل کے واسطے ایک پسر کا حصہ رکھ چھوڑا جائے گا اور مسئلہ کی تخریج چونسٹھ سے ہوگی جس میں سے آٹھ سہام اس کی جورو کو اور چودہ سہام دونوں بیٹیوں کو اور اٹھائیس دونوں بیٹوں کو دیے جائیں گے اور چودہ سہام ایک پسر کا حصہ حمل کے واسطے رکھ چھوڑا جائے گا ایک حاملہ عورت مر گئی اور اس میں پیٹ میں ایک بچہ ایک رات دن پھڑکتا تھا پھر بعض لوگوں نے کہا کہ بچہ مر گیا اور بعضوں نے کہا کہ نہیں مرا پھر وہ عورت اسی طرح دفن کر دے گی پھر لوگوں نے اس کو کھودا تو دیکھا کہ اس کے ساتھ ایک مردہ لڑکی پڑی ہے اور عورت مذکور اپنا خاوند اور ماں و باپ چھوڑ مری تھی پس آیا اس لڑکی کو جو اُس کے ساتھ پائی گئی ہے مال سے کچھ ملے گا یا نہیں؟ سو مشائخ بلخ نے فرمایا کہ اگر وارثوں نے اقرار کیا کہ یہ لڑکی اسی عورت کی میت ہے کہ اس کی وفات کے بعد زندہ پیدا ہوئی تھی تو یہ لڑکی اپنی ماں کی وارث ہوگی پھر اس کا حصہ اس کے وارث لیں گے اور اگر دونوں وارثوں نے ایسا اقرار نہ کیا تو اس کے واسطے میراث کا حکم ہوگا اور ان عادل گواہوں کو ایسی گواہی دینے کے واسطے شرعاً بھی گنجائش ہوگی کہ جب یہ لوگ عورت مذکور کی قبر کے پاس سے دفن ہونے کے وقت سے اُکھاڑے جانے کے وقت تک جدا نہ ہوئے ہوں گے اور قبر کے اندر سے انہوں نے بچہ کی آواز سنی ہو تا کہ ان کو ایسا علم حاصل ہوا ہو اور اگر اس صورت میں گواہ نہ ہوں اور وارثوں سے ان کے علم پر قسم کی گئی پس اگر انہوں نے قسم کھالی تو اس مردہ لڑکی کے واسطے میراث کا حکم نہ ہوگا اور اگر کسی حاملہ سے بچہ کا فقط سر باہر نکلا اور وہ بچہ باآواز روتا تھا پھر باقی بچہ مذکور خارج ہونے سے پہلے مر گیا تو اس کو میراث نہ ملے گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

ایک زمین مشترک شریکوں میں تقسیم کی گئی اور ان میں ایک شریک غائب ہے پھر جب وہ اس تقسیم سے واقف ہوا تو کہا کہ غبن کی وجہ سے میں اس تقسیم پر راضی نہ ہوا پھر اپنے کاشتکاروں کو اپنے حصہ کی زراعت کے واسطے اجازت دی تو تقسیم مذکور کو رد کر دینے کے بعد یہ امر اس تقسیم پر رضامندی نہیں ہے۔ایک زمین تقسیم کی گئی پھر ایک شریک اپنے حصہ سے راضی نہ ہوا پھر اس کے بعد اس میں زراعت کی تو اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے کیونکہ تقسیم رد کرنے سے رد ہوگئی یہ قنیہ میں ہے اگر ایک دار میں سے ایک بیت ایک شخص کے قبضہ میں ہو اور دو بیت دوسرے کے قبضہ میں ہوں اور ایک بڑی حویلی تیسرے کے قبضہ میں ہو اور ان لوگوں میں سے ہر ایک پورا دار اپنی ملک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔تو ان میں سے ہر ایک کو اس کا مقبوضہ ملے گا اور صحن وارثیتوں میں تین تہائی ہوگا اور اگر ان میں سے کوئی شخص اپنے وارث چھوڑ کر مر گیا تو اس کے وارثوں کو تہائی صحن ملے گا اور اگر شریکوں نے ایک دار تقسیم کیا اور راستہ چھوٹا یا بڑا یا پانی کی نالی اپنے درمیان ویسے ہی مشترک چھوڑ دی تو یہ جائز ہے کذا فی المبسوط۔

کتاب المزارعة

اس میں چودہ ابواب ہیں

باب اوّل ☆

مزارعت کے مشروع ہونے اور اس کی تفسیر' رکن' شرائط جواز و حکم کے بیان میں

مزارعت کی تفسیر ☆

مزارعت کے شروع ہونے میں اختلاف ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد مزارعت فاسد ہے اور صاحبین ؒ کے نزدیک جائز ہے اور لوگوں کی حاجت[1] کی وجہ سے فتویٰ صاحبین ؒ کے قول پر ہے۔ مزارعت کی تفسیر شرعی یہ ہے کہ کسی قدر حاصلات دینے پر عقد زراعت قرار دینے کو مزارعت کہتے ہیں اور یہ عقد بعض حاصلات پر زمین گویا کاشتکار کو اجارہ لینا ہے کذا فی محیط السرخسی اور رکن مزارعت ایجاب و قبول ہے یعنی زمیندار کاشتکار سے یوں کہے کہ میں نے یہ زمین اس قدر حاصلات پر تجھے کاشت کے واسطے دی اور کاشتکار کہے کہ میں نے قبول کی یا میں راضی ہوا یا ایسی کوئی بات جو اُس کے قبول کرنے اور رضامندی پر دلالت کرے پائی جائے پس جب ایجاب و قبول پایا گیا تو دونوں کے درمیان عقد مزارعت پورا ہو جائے گا اور شرائط مزارعت دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ شرائط جو مزارعت جائز کہنے والے امام کے قول کے موافق مصحح عقد مزارعت ہیں اور دوسرے وہ شرائط جو مفسد عقد مزارعت ہیں پھر شرائط مصحہ کی چند قسمیں ہیں کہ بعض شرائط مصحہ مزارع کی جانب راجع ہوتے ہیں اور بعض آلات مزارعت کی طرف اور بعض مزارع کی طرف اور بعض کھیتی کی حاصلات کی طرف اور بعض مزروع فیہ کی طرف اور بعض مدت مزارعت کی طرف راجع ہوتے ہیں پس جو شرائط مصحہ لہ مزارع کی طرف راجع ہیں وہ دو ہیں اوّل یہ کہ مزارع شخص عاقل ہو پس مجنون یا ایسے نابالغ کے ساتھ جو مزارعت کو سمجھتا نہیں ہے مزارعت صحیح نہیں اور بالغ ہونا جواز مزارعت کے واسطے شرط نہیں ہے حتیٰ کہ طفل ماذون کے ساتھ دفعۃً واحدۃً مزارعت جائز ہے اسی طرح حریت بھی صحت مزارعت کے واسطے شرط نہیں ہے پس غلام ماذون کے ساتھ دفعۃً واحدۃً مزارعت صحیح جائز ہے دوم یہ کہ مزارعت جائز کہنے والے کے قول پر[(1)] بقیاس قول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ یہ شرط ہے کہ مزارع مرتد نہ ہوئے اور صاحبین ؒ کے نزدیک جواز مزارعت کے واسطے یہ شرط نہیں ہے اور مرتد کی مزارعت فی الحال نافذ ہوتی ہے اور جو شرط مزروع کی طرف راجع ہے وہ یہ ہے کہ بیج معلوم ہو یعنی جو بونا ہو بیان کر دیا جائے لیکن اگر کاشتکار سے زمیندار نے کہہ دیا کہ زمین میں جو تیرا جی چاہے کاشت کرنا تو جائز ہے اور کاشتکار کو

---

[1] مترجم کہتا ہے کہ امامؒ نے عدم جواز مزارعت میں احتیاط سے کام لیا چنانچہ عین الہدایہ کے دلائل جانبین سے یہ بات ظاہر ہے کہ اسی واسطے مشائخ نے صاحبین کا قول بالنص نہیں کہا بلکہ بوجہ حاجت کے لیا اگرچہ حاجت کی وجہ سے نص میں تغیر نہیں ہو سکتا پس حاصل یہ کہ نصوص سے دونوں طرف احتمال ہے جیسا کہ حال میں ہوتا ہے لیکن حاجت کی وجہ سے ہم نے صاحبین کا قول مرائح ٹھہرایا۔

(1) جائز کہنے والے نے اگر اصلی امام اعظم اختیار کی تو الخ۔

اختیار ہوگا کہ جو چاہے بووے مگر اُس کو درخت لگانے کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ عقد مزارعت کے تحت میں کھیتی داخل ہے درخت لگانا داخل نہیں ہے یہ بدائع میں ہے۔

بیج کی مقدار بیان کرنا شرط نہیں ہے کیونکہ زمین [1] سے آگاہ کرنے سے بیجوں کی مقدار معلوم ہو جاتی ہے اور اگر دونوں نے بیج کی جنس بیان نہ کی پس اگر زمیندار کی طرف سے بیج ٹھہرے ہوں تو جائز ہے کیونکہ تخم ریزی سے پہلے اُس کے حق میں مزارعت متاکد نہ ہوگی اور تخم ریزی کے وقت تو یہ امر معلوم ہو جائے گا اور تاکد عقد کے وقت اعلام پایا جانا ایسا ہے جیسے وقت عقد کے اعلام پایا گیا۔ اور اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں اور دونوں نے بیج کی جنس بیان نہ کی تو مزارعت فاسد ہوگی۔ کیونکہ زمیندار کے حق میں یہ مزارعت قبل تخم ریزی کے لازم ہوگی پس نامعلوم ہونا جائز نہیں ہے لیکن اگر بطور عموم کاشتکار کی رائے پر سونپا ہو مثلاً مالک زمین نے اس سے کہا ہو کہ مزارعت پر اس قرارداد پر دی کہ اس میں جو تیری رائے میں آئے یا جو میری رائے میں آئے زراعت کر تو یہ جائز ہے کیونکہ جب اس نے کاشتکار کی رائے پر یہ کام چھوڑا تو ضرر پر راضی ہوا اور اگر اس نے بطور عموم اس کی رائے پر نہ چھوڑا ہو اور بیج کاشتکار کی طرف سے ٹھہرے ہوں اور دونوں نے جنس تخم بیان نہ کی ہو تو مزارعت فاسد ہو جائے گی مگر جب اس نے کوئی بیج بو دیا تو منقلب ہو کر جائز ہو جائے گی کیونکہ جب زمیندار نے زمین اور کاشتکار کے درمیان تخلیہ کر دیا اور یہاں تک اس کے قبضہ میں چھوڑ دی کہ اس نے بیج زمین میں ڈال دیا تو اس نے ضرر برداشت کر لیا پس امر مفسد زائل ہو کر جائز ہو جائے گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور جو شرط غلہ پیداوار زراعت کی طرف راجع ہے وہ چند طرح کی شرطیں ہیں از انجملہ یہ کہ عقد میں اس کا ذکر ہو حتیٰ کہ اگر عقد میں اس کے ذکر سے سکوت کیا ہو تو عقد فاسد ہوگا اور از انجملہ دونوں کے واسطے ہونے کی شرط ہو حتیٰ کہ اگر یہ شرط کی کہ تمام حاصلات پیداوار دونوں میں سے ایک کسی کے واسطے ہو تو عقد مزارعت صحیح نہ ہوگا اور از انجملہ یہ کہ ہر دو زمیندار و کاشتکار میں ایک کے واسطے حاصلات میں سے بعض حصہ کی شرط ہو حتیٰ کہ اگر سوائے اس پیداوار کے دوسری چیز سے ہونے کی شرط لگائی تو عقد صحیح نہ ہوگا اس واسطے کہ اس عقد کے واسطے شرکت لازم ہے پس جو شرط ایسی ہوگی کہ شرکت کو قطع کرتی ہے وہ عقد مفسد ہوگی۔ از انجملہ یہ کہ حاصلات غلہ میں سے جو بعض ٹھہرا ہے اس کی مقدار نصف یا ثلث یا چوتھائی وغیرہ بیان سے معلوم ہو۔ از انجملہ یہ کہ یہ حصہ معلوم تمام پیداوار میں سے جزو شائع [2] ہو حتیٰ کہ اگر دونوں میں سے کسی کے واسطے کسی قدر قفیز معلومہ کی شرط لگائی ہو تو عقد صحیح نہ ہوگا اسی طرح اگر جزو شائع تو ذکر کیا مگر اس جزء پر کچھ قفیز معلومہ زیادہ کرنے کی شرط لگائی تو مزارعت صحیح نہ ہوگی علیٰ ہذا اگر ایک کے واسطے یہ شرط لگائی کہ جس قدر بیج خرچ ہوئے ہیں وہ اس کو دیکر باقی دونوں میں مشترک ہو تو مزارعت صحیح نہ ہوگی کیونکہ جائز ہے کہ زمین میں سوائے اس مقدار تخم کے زیادہ پیدا نہ ہو اور جو شرط مزروع فیہ یعنی زمین کی طرف راجع ہے وہ چند طرح کی ہے از انجملہ یہ کہ یہ زمین قابل زراعت ہو حتیٰ کہ اگر یہ زمین شور یا نمناک ہوگی تو عقد جائز نہ ہوگا اور اگر زمین مذکور مدت مزارعت میں قابل زراعت ہو لیکن وقت عقد کے کسی عارض بیجہ سے زراعت نہ ہو سکتی ہوئے مثلاً پانی منقطع ہو یا برف گرتا ہو یا اس کے مثل کوئی امر مانع ہو حالانکہ یہ مانع ایسا ہو کہ مدت مزارعت کے اندر ہی دور ہونے والا ہو تو مزارعت جائز ہوگی از انجملہ یہ ہے کہ زمین معلومہ ہو اور اگر مجہول ہوگی تو مزارعت صحیح نہ ہوگی کیونکہ اس جہالت سے جھگڑا پیدا ہو سکتا ہے اور اگر زمین مزارعت پر اس قرارداد سے دی کہ جس میں گیہوں بووے اس میں یہ بٹائی اور جس میں جو بووے اس میں یہ بٹائی ہے تو عقد فاسد ہوگا کیونکہ مزروع فیہ مجہول ہے اسی طرح اگر یوں کہا کہ اس قرارداد سے کہ بعض میں گیہوں بووے اور بعض میں جو بووے تو بھی فاسد ہے

---

[1] زمین از قسم مثلاً زمین چار بیگہہ ہے تو فی بیگہہ جو معمول ہے مثلاً ایک من تو ظاہر ہوا کہ چار من بیج ہوئے۔

[2] جزو شائع یعنی مثلاً تمام پیداوار سے تہائی اور چوتھائی وغیرہ بخلاف اس کے کہ اگر کہا کہ جانب مشرق کے ٹکڑے میں یا جو کچھ تالیون پر پیدا ہو تو یہ نہیں جائز ہے اور بخلاف اس کے مثلاً چالیس من ٹھہرا دے تو بھی نہیں جائز ہے۔

کیونکہ صریحاً بعض بعض کرنا قطعی تجہیل[1] ہے اور اگر یوں کہا کہ اس قرار داد[2] سے کہ جس میں تو گیہوں بووے تو یہ بٹائی یا جو بووے تو یہ بٹائی ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ اس نے پوری زمین گیہوں یا جو بونے کے واسطے قرار دی ہے پس تجہیل نہ رہی اور از انجملہ یہ ہے کہ زمین مذکور فارغ کاشتکار کے سپرد کی گئی ہو یعنی مالک زمین کی طرف سے موانع دور کر کے زمین اور کاشتکار کے درمیان تخلیہ کیا گیا ہو حتیٰ کہ اگر مالک زمین کے ذمہ کھیتی کے کام میں سے کچھ کام شرط کیا گیا ہو تو مزارعت صحیح نہ ہوگی کیونکہ تخلیہ نہ پایا گیا اسی طرح اگر زمیندار کاشتکار دونوں کے ذمہ کام کرنا مشروط ہو تو بھی یہی حکم ہے یہ بدائع میں ہے۔

مدتِ معلومہ یا غیر معلومہ میں مزارعت ☆

تخلیہ کے یہ معنی ہیں کہ مالک زمین کاشتکار سے یوں کہے کہ یہ زمین میں نے تیرے سپرد کی اور یہ بات بھی تخلیہ کے ہے کہ زمین مذکور عقد کے وقت فارغ ہو اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ اس میں زراعت موجود ہو جو اگی ہو تو عقد جائز ہوگا مگر یہ عقد معاملت (کھیتی بچانے وغیرہ) ہوگا عقد مزارعت نہ ہوگا اور اگر اس کی کھیتی پوری ہو کر پختگی پر آ گئی ہو تو یہ بھی جائز نہ ہوگا کیونکہ کھیتی کو تیار ہو جانے کے بعد کسی کام کی حاجت نہیں ہے پس اس عقد کو عقد معاملہ تجویز کرنا متعذر ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور جو شرط کہ آلات مزارعت کی طرف راجع ہے وہ یہ ہے کہ بیل اس عقد میں تابع عقد قرار دیا جائے اور اگر بیل بھی عقد میں مقصود ہو تو مزارعت فاسد ہو جائے گی اور جو شرط مدت کی طرف راجع ہے وہ یہ کہ مدت معلومہ ہو پس مزارعت بدوں بیان مدت کے صحیح نہ ہوگی کیونکہ ابتدائے زراعت کا وقت مختلف ہوتا ہے حتیٰ کہ جس موضع میں اس امر میں تفاوت نہ ہو وہاں بغیر بیان مدت کے مزارعت جائز ہوگی اور اس کا وقت وہ ہوگا جس وقت کوئی کھیتی پہلے پھوٹے یہ بدائع میں ہے اور اگر وقت ایسا بیان کیا کہ اس وقت کاشتکار کو زراعت کی مجال نہیں[(1)] ہے تو مزارعت فاسد ہوگی اور مدت کا ذکر کرنا اور نہ ذکر کرنا یکساں ہوگا اس طرح اگر ایسی مدت بیان کی کہ دونوں میں سے ایک اس وقت تک غالباً زندہ نہ رہے گا تو بھی مزارعت جائز نہ ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے۔ منجملہ شرائط مصححہ کے یہ ہے کہ بٹائی کا حصہ اس طور سے بیان کیا جائے کہ پیداوار غلہ سے شرکت منقطع نہ ہونے پائے کذافی محیط السرخسی میں ہے پس اگر دونوں نے ایک کا حصہ بیان کر دیا تو دیکھا جائے گا کہ اگر اس کا حصہ بیان کیا ہے جس کی طرف سے بیج ٹھہرے ہیں تو قیاساً و استحساناً مزارعت جائز ہوگی اور اگر اس کا حصہ بیان کیا کہ جس کی طرف بیج نہ ٹھہرے ہیں تو استحساناً مزارعت جائز ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور منجملہ اس کے یہ ہے کہ یہ بیان کرنا چاہیے کہ بیج کس کی طرف سے قرار پائے اس وجہ سے کہ اگر مالک زمین کی طرف سے بیج ٹھہرے تو یہ عقد مزارعت کاشتکار کو اجارہ لینا ہوگا اور اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ٹھہرے تو یہ عقد زمین کو اجارہ[(2)] لینا ہے اور معقود علیہ مجہول ہوگا اور اس کے احکام بھی مختلف ہیں چنانچہ جس کی طرف سے بیج نہیں ٹھہرے ہیں اس کے حق میں یہ عقد فی الحال لازم ہوگا اور جس کی طرف سے بیج ٹھہرے ہیں اس کے حق میں تخم ریزی سے پہلے یہ عقد لازم نہ ہوگا لہٰذا اگر کسی شخص نے اپنی زمین و بیج دوسرے کو بطور مزارعت جائزہ دی پھر مالک زمین نے بیج و زمین لے کر خود زراعت کی تو یہ اعانت[3] کار نہیں ہے بلکہ عقد مزارعت کو توڑنا ہے اور فقیہ ابوبکر بلخیؒ نے فرمایا کہ اس حکم کا مدار عرف پر ہے چنانچہ اگر ایسے موضع میں یہ عقد واقع ہوا جہاں عرف یہ ہے کہ بیج دینا ہوگی زمین دار کی طرف سے ہوتے ہیں یا کاشتکار کی طرف سے ہوتے ہیں تو ان کے عرف کا اعتبار کیا جائے گا اور ان کے عرف میں جس پر بیج واجب ہوتا ہے اسی کے ذمہ بیج قرار دیے جائیں گے بشرطیکہ یہ عرف ان کا مستمر ہو یعنی برابر یہی معمول ہو اور اگر عرف مشترک ہو یعنی کبھی مالک زمین دیتا ہو اور کبھی

---

[1] تجہیل شناخت گم کرنا یعنی بعض کہنے سے پہچان نہ ہوئی کہ وہ کس قدر و کمان ہے۔ [2] اقوال واضح ہو کہ اس عنوان بیان سے واضح ہے کہ عبارت مذکورہ بالا جس میں لفظ داد تھا محکوم عدم جواز ہے اور اگر بجائے دار کے لفظ یا ہوئے تو عقد جائز ہے اس واسطے ادائے مضمون کے واسطے بعینہ وہی عبارت اختیار کی ورنہ صحیح ہے کہ یوں کہے کہ اگر اس زمین میں اتنے گیہوں بوئے تو یہ بٹائی ہے یا جو بوئے تو یہ بٹائی ہے فافہم۔ [3] کام میں امانت قرار نہیں دی جائے گی بلکہ فسخ عقد ہے۔ (۱) سیاہ برف گرنے کے دنوں میں۔ (۲) کاشتکار نے اس زمین کو اجارہ لیا۔

کا شتکار دیتا ہو کسی کی خصوصیت نہ ہو تو مزارعت صحیح نہ ہوگی اور یہ حکم اس وقت ہے کہ عقد میں جب کوئی ایسا لفظ ذکر نہ کیا ہو کہ جس سے معلوم ہو جائے کہ بیج کس کی طرف سے ہیں اور اگر ایسا صحیح لفظ ذکر کیا ہو کہ جس سے یہ معلوم ہو جائے مثلاً مالک زمین نے کہا کہ میں نے تجھے یہ زمین اس واسطے دی کہ تو میرے واسطے اس میں کھیتی بوئے یا کہا کہ میں نے تجھے اجارہ پر اس غرض سے لیا کہ تو آدھی پیداوار کی بٹائی پر اس میں کاشتکاری کرے تو یہ اس بات کا بیان ہوگا کہ بیج مالک زمین کے ذمہ ہیں اور اگر یوں کہا کہ تا کہ تو اپنے واسطے اس میں زراعت کرے تو یہ اس امر کا بیان ہے کہ بیج کاشتکار کے ذمہ ہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

ابن رستمؒ نے اپنی نوادر میں امام محمدؒ سے روایت کیا کہ اگر کسی نے دوسرے سے کہا کہ میں نے اپنی یہ زمین ایک سال کے واسطے تجھے آدھے کی بٹائی پر اجارہ دی یا کہا کہ تہائی کی بٹائی پر اجارہ دی تو یہ مزارعت جائز ہے اور بیج کاشتکار کے ذمہ ہوں گے اور اگر یوں کہا کہ میں نے اپنی زمین تجھے مزارعت پر دی یا کہا کہ تہائی کی بٹائی پر تجھے مزارعت پر عطا کی تو جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں اس کا بیان نہیں ہے کہ بیج کس کے ذمہ ہیں حالانکہ یہ امر شرط ہے اور اگر کہا کہ میں نے تجھے اس واسطے اجارہ پر لیا کہ تہائی کی بٹائی پر تو میری زمین میں زراعت کرے تو یہ جائز ہے اور بیج مالک زمین کے ذمہ ہوں گے یہ ذخیرہ میں ہے۔ مزارعت کی فاسد کرنے والی شرطیں چند انواع ہیں از انجملہ یہ کہ تمام پیداوار غلہ دونوں میں سے کسی ایک کے واسطے شرط کیا تو یہ شرط مفسد ہے کیونکہ شرکت کو قطع کرتی ہے از انجملہ یہ کہ مالک زمین پر کام کرنے کی شرط لگائی تو مفسد ہے کیونکہ یہ شرط مزروعہ سپرد کرنے سے مانع ہے از انجملہ یہ کہ مالک زمین کے ذمہ بیل دینا شرط کیا از انجملہ یہ کھیتی کاٹ کر کھلیان میں ڈالنے اور روانڈی اور دانہ صاف کرانے کی شرط کاشتکار کے ذمہ لگائی تو مفسد ہے اور اصل یہ ہے کہ کھیتی تیار ہو کر خشک ہونے سے پہلے کھیتی کی اصلاح کے واسطے جن باتوں کی ضرورت ہوتی ہے جیسے سینچنا و حفاظت کرنا و نکانا و نالیان وبڑ ہے وغیرہ تیار کرنا اور ایسی باتیں یہ سب کاشتکار کے ذمہ ہیں اور جن امور کی ضرورت کھیتی پوری تیار ہو کر خشک ہونے کے بعد تقسیم غلہ سے پہلے ہوتی ہے جیسے پھٹک کر دانہ صاف کرنا وغیرہ وہ ان دونوں کے ذمہ اسی حساب سے جو پیداوار غلہ میں مشروط ہے ہوتا ہے اور تقسیم غلہ کے بعد حصہ رسدی کے احراز[1] کے واسطے جن امور کی ضرورت ہوتی ہے جیسے اٹھا کر گھر پہنچانا وغیرہ تو یہ کام دونوں میں سے ہر ایک پر اپنے اپنے حصہ کے واسطے لازم ہے اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے کھیتی کاٹنے اور کھلیان میں ڈالنے اور روندنے و دانہ پاک کرنے کی شرط کاشتکار کے ذمہ جائز رکھی ہے اس وجہ سے کہ لوگوں کا تعامل پایا جاتا ہے اور ہمارے بعض مشائخ اور النہر نے بھی اسی پر فتویٰ دیا ہے اور اسی کو مشائخ خراساں میں سے نصر بن یحییٰ و محمد بن سلمہ نے اختیار کیا ہے کذا فی البدائع۔ ظاہر الروایت کے موافق کاشتکار کے ذمہ کھیتی کاٹنے و روندنے اور دانہ پاک کرنے کی شرط لگائی مفسد ہے کذا فی فتاویٰ قاضی خان اور اسی پر فتویٰ ہے کذا فی الکبریٰ اور نصر بن یحییٰ و محمد بن سلمہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ یہ سب باتیں کاشتکار کے ذمہ ہوتی ہیں خواہ شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو اس وجہ سے کہ عرف یہی ہے اور شیخ الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ ہمارے دیار میں یہی صحیح ہے اور شیخ ابو بکر محمد بن الفضلؒ سے مروی ہے کہ ان سے جب اس مسئلہ پر فتویٰ طلب کیا جاتا تو فرماتے تھے کہ اس میں عرف ظاہر ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

از انجملہ یہ ہے کہ جس کی طرف سے بیج نہ تھا اس کے واسطے بھوسے کی شرط کرنا۔ از انجملہ یہ ہے کہ مالک زمین کاشتکار کے ذمہ ایسے کام کی شرط لگائے جس کا اثر و منفعت مدت مزارعت کے بعد باقی رہے جیسے چہار دیواری بنانا و کنگرہ درست کر دینا اور نہر کھود کر تیار کر دینا اور کاریز بنانا اور اس کے مثل کام جن کا اثر و منفعت مدت مزارعت گذرنے کے بعد باقی رہتا ہے اور رباز میں گوڑنا (ہل چلانا) پس اگر عقد میں دونوں نے بغیر صفت تثنیہ یعنی دوبارہ گوڑنے کی مطلقاً شرط کیا تو عامہ مشائخ نے فرمایا کہ مزارعت فاسد نہ ہوگی

---

[1] احراز: اپنے مکان میں جمع کر کے محفوظ کر لینا۔

اور یہی صحیح ہے اور اگر دوبارہ گوڑنا شرط کیا تو مزارعت فاسد ہوگی کیونکہ دوبارہ گوڑنے کے یا تو یہ معنی ہیں کہ ایک دفعہ زراعت کے واسطے گوڑے اور دوسری دفعہ کھیتی کٹنے کے بعد گوڑ دے تاکہ گوڑی ہوئی زمین اپنے مالک کے پاس واپس پہنچے تو ایسی شرط بلاشک مفسد ہے کیونکہ بعد کھیتی کٹنے کے گوڑنا اس سال کے کاموں میں سے نہیں ہے اور یا یہ معنی ہیں کہ قبل زراعت کے دوبارہ گوڑ کر زراعت کرے اور یہ کام ایسا ہے کہ اس کا اثر و نفع مدت مزارعت کے بعد بھی باقی رہتا ہے تو یہ شرط مفسد ہوگی حتیٰ کہ جہاں کہیں اس کا اثر و نفع باقی نہیں رہتا ہے وہاں یہ شرط مفسد نہ ہوگی اور رہے احکام مزارعت سو از انجملہ یہ ہے کہ اصلاح زراعت کے واسطے جن کاموں کی ضرورت پڑتی ہے وہ کاشتکار پر واجب ہیں اور جو کام زراعت کی ضرورت کے ایسے ہیں کہ ان میں خرچ پڑتا ہے جیسے کھاد ڈالنا اور نکائی وغیرہ تو یہ خرچ دونوں پر ہر ایک کے حصہ کے موافق پڑے گا اور یہی حال کھیتی کاٹنے اور کھلیان میں لی جانے اور روندنے کا ہے[1] اور از انجملہ یہ ہے کہ پیداوار غلہ دونوں میں موافق شرط عقد کے مشترک ہوگا اور از انجملہ یہ ہے کہ اگر زمین میں کچھ نہ پیدا ہوا تو دونوں میں سے کسی کو کچھ نہ ملے گا یعنی نہ کاشتکار کو اپنے کام کی اجرت ملے گی اور نہ زمین دار کو زمین کا پوتہ ملے گا خواہ بیج کاشتکار کی طرف سے ٹھہرے ہوں یا زمین دار کی طرف سے ٹھہرے ہوں یہ بدائع میں ہے اور اگر تیار و پختہ ہونے سے پہلے کھیتی پر کوئی آفت پڑ گئی تو دونوں میں سے کسی کا دوسرے پر کچھ حق واجب نہ ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ بیج دینے والی کی طرف سے یہ عقد لازم نہیں ہوتا ہے اور دوسرے عاقد کی طرف لازم ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر بیج والے نے بعد عقد مزارعت قرار دینے کے اس سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں اس زمین کی زراعت نہیں چاہتا ہوں تو اس کو اختیار ہے خواہ اس نے کسی عذر سے انکار کیا یا بلا عذر انکار کیا ہو اور اگر دوسرے عاقد نے انکار کیا تو اس کو بدوں عذر کے ایسا اختیار نہیں ہے یہ بدائع میں ہے اور اگر زمین میں تخم ریزی کر دی تو عقد مزارعت دونوں جانب لازم ہو جائے گا حتیٰ کہ بدوں عذر کے دونوں میں سے کوئی اس کے بعد فسخ عقد نہیں کر سکتا ہے یہ محیط میں ہے اور منتقی میں امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ٹھہرے ہوں اور اس نے کاشتکار کو سپرد کیے تو دونوں میں سے کسی کو مزارعت باطل کرنے کا اختیار نہ ہوگا اور اگر اس نے بیج کاشتکار کو نہ دیے ہوں تو مالک زمین کو عقد مزارعت باطل کرنے کا اختیار ہوگا اور کاشتکار کو نہ ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔

از انجملہ یہ کہ کاشتکار کو زمین میں جوتنے پر مجبور کرنے کی ولایت حاصل ہونا یا حاصل نہ ہونا ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ دونوں نے عقد میں زمین جوتنے کی شرط کر لی ہو یا اس شرط سے سکوت کیا ہو پس اگر جوتنے کی شرط کر لی ہو تو کاشتکار اس پر مجبور کیا جائے گا اور اگر اس سے سکوت کیا ہو تو دیکھا جائے گا کہ اگر زمین ایسی ہو کہ اس میں بدوں جوتنے کے زراعت معتاد کہ جیسے عرف میں لوگوں کا مقصود ہوتا ہے پیدا ہوتی ہو تو کاشتکار پر جوتنے کے واسطے جبر نہ کیا جائے گا اور اگر ایسی ہو کہ بدوں جوتنے کے اس میں بالکل پیدا وار نہ ہوتی ہو یا ہوتی ہو مگر ایسی قلیل کہ اس کے مثل کاشتکاری سے مقصود نہیں ہوتی ہے تو کاشتکار پر جوتنے کے واسطے جبر کیا جائے گا اور علیٰ ہذا اگر کاشتکار نے سینچنے سے انکار کیا پس اگر زمین ایسی ہو کہ بارش کا پانی اس کو کافی ہوتا ہو اور بدوں سینچنے کے اس میں زراعت معتاد پیدا ہوتی ہو تو کاشتکار پر سینچنے کے واسطے جبر نہ کیا جائے گا اور اگر ایسی زمین ہو کہ اس کو فقط بارش کا پانی کافی نہ ہوتا ہو تو کاشتکار پر جبر کیا جائے گا از انجملہ یہ ہے کہ پیداوار غلہ میں جو باہم شرط قرار پائی ہے اس پر زیادہ کرنا یا گھٹانا جائز ہے اور اصل یہ ہے کہ جو مقدار ایسی ہے کہ ابتدائے عقد اس پر قرار پا سکتا ہے وہ محتمل زیادت بھی ہے (یعنی حصہ شائع مثلاً چھٹا حصہ و تہائی و چوتھائی وغیرہ) اور جو مقدار ایسی ہے کہ عقد اس پر قرار نہیں پا سکتا ہے وہ محتمل زیادت بھی نہیں ہے (جیسے دو من و چار من وغیرہ) اور گھٹانا دونوں صورتوں میں جائز ہے اور مزارعت میں گھٹانا و

---

[1] ان کا خرچ دونوں پر بقدر حصہ پڑے گا اور واضح ہو کہ یہ اس صورت میں ہے کہ یہ کام کاشتکار پر لازم نہ ہوں چنانچہ یہ اختلاف سابق میں ذکر کیا گیا ہے۔

بڑھانا دو طرح پر ہوتا ہے یا تو کاشتکار کی طرف سے ہوگا یا مالک زمین کی طرف سے ہوگا اور ضرور ہے کہ بیج یا تو کاشتکار کی طرف سے ٹھہرے ہوں گے یا مالک زمین کی طرف سے ٹھہرے ہوں گے اور اگر کھیتی کاٹنے کے بعد در صورتیکہ بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں اور مزارعت مثلاً آدھے کی بٹائی پر ہو اور کاشتکار نے اپنے حصہ میں سے ایک چھٹا[1] حصہ مالک زمین کے واسطے بڑھا دیا اور مالک زمین کے واسطے دو تہائی کر دیا اور مالک زمین اس پر راضی ہو گیا تو ایسی زیادتی جائز نہیں ہے اور حاصلات غلہ دونوں میں موافق شرط کے مشترک رہے گی اور اگر مالک زمین نے کاشتکار کو اپنے حصہ میں سے چھٹا حصہ بڑھا دیا اور دونوں راضی ہو گئے تو بڑھانا جائز ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صورت اوّل میں کاشتکار نے جو چیز اجارہ پر لی تھی اس سے معقود علیہ یعنی منفعت پوری حاصل کر کے اپنا کام تمام کرنے کے بعد پوتہ پر بڑھایا ہے اور ایسا بڑھانا (بوجہ معقود علیہ قائم نہ ہونے کے) جائز نہیں ہے اور دوسری صورت میں جو پوتہ کاشتکار پر واجب ہوا تھا اس میں سے کمی کر دی اور ایسی کمی کرنا معقود علیہ کے قائم ہونے کو نہیں چاہتا ہے (پس) معقود علیہ قائم نہ ہونے کی حالت میں بھی جائز ہے اور اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہوئے اور مالک زمین نے زیادتی کر دی تو جائز نہیں ہے اور اگر کاشتکار نے بڑھایا تو جائز ہے یہ سب اس صورت میں ہے کہ کھیتی کاٹنے کے بعد دونوں میں سے کسی نے زیادتی کر دی ہو اور اگر کھیتی کاٹنے سے پہلے دونوں میں سے کسی نے زیادہ کیا تو چاہے کوئی زیادہ کرے جائز ہے کذافی البدائع۔

باب دوم:

انواع مزارعت کے بیان میں

اصل یہ ہے کہ زمین کی بعضی پیداوار غلہ کے عوض زمین کو اجارہ لینا جائز ہے اسی طرح زمین کی بعض پیداوار غلہ کے عوض کاشتکار کو اجارہ پر لینا جائز ہے اور دونوں کے سوائے دوسری چیز کو زمین کی بعض پیداوار غلہ کے عوض اجارہ پر لینا جائز نہیں ہے یہ محیط میں ہے پھر جو شخص مزارعت کو جائز رکھتا ہے اس کے قول پر مزارعت کی دو قسمیں ہیں اوّل یہ کہ زمین دونوں میں سے کسی ایک کی ہو اور دوم یہ کہ زمین دونوں کی ہو پس اگر زمین ایک ہی کی ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ بیج ایک ہی کی طرف سے ہو اور دوسری یہ کہ بیج دونوں کی طرف سے ہو پس اگر زمین ایک ہی کی ہو اور بیج ایک ہی طرف سے ہو تو اس میں چھ صورتیں ہیں جن میں سے تین صورتیں جائز ہیں اور تین صورتیں فاسد ہیں پس تینوں جائز صورتوں میں سے ایک یہ ہے کہ زمین ایک کی ہو اور بیج اور بیل اور کار زراعت دوسرے کی طرف سے ہوں اور دونوں نے مالک زمین کے واسطے پیداوار غلہ سے کوئی حصہ معلوم شرط کیا تو جائز ہے کیونکہ اس صورت میں جس کی طرف سے بیج ٹھہرے ہوں بعض معلوم حاصلات زمین کے عوض زمین کا اجارہ پر لینے والا اقرار پائے گا اور دوسرے یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک کی طرف سے کار زراعت ہو اور باقی سب دوسرے کی طرف سے ہو تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ جس کی طرف سے بیج ٹھہرے ہیں وہ اپنی زمین میں اپنے بیل اور بیج سے کار زراعت کرنے کے واسطے بعض پیداوار معلوم کے عوض دوسرے کا اجارہ پر لینے والا اقرار پائے گا اور تیسری یہ صورت ہے کہ زمین اور بیج دونوں میں سے ایک کی طرف سے ہو اور بیل اور کار زراعت دوسرے کی طرف سے ہو تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ مالک زمین اس غرض سے دوسرے کا اجارہ پر لینے والا ٹھہرے گا تا کہ دوسرا اپنے بیل اور اپنے کام سے مالک زمین کی زمین میں اسی کے بیج بوئے اور تینوں فاسد صورتوں میں سے ایک یہ ہے کہ زمین اور بیل ایک کی طرف سے ہو اور باقی دوسرے کی طرف سے ہو تو یہ فاسد ہے اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ جائز ہے بسبب اس کے کہ عرف پایا جاتا ہے۔

مگر فتویٰ ظاہر الروایۃ کے موافق ہے اس واسطے کہ زمین کی منفعت ہم جنس منفعت گاؤ نہیں ہے کیونکہ زمین کی منفعت یہ ہے

[1] قال المترجم مراد یہ ہے کہ کل کا چھٹا حصہ بڑھا دیا اور مراد نہیں ہے کہ نصف میں نصف کا چھٹا حصہ بڑھایا جیسا کہ ظاہر میں متبادر ہوتا ہے۔

کہ اپنی طبعی قوت سے بیج اگائے اور بیل کی منفعت یہ ہے کہ زراعت کے کام میں آئے پس جب بیل کی منفعت ہم جنس منفعت زمین نہ ہوئی تو بیل عقد میں زمین کے تابع نہ ہوگا پس بیل کا اجارہ مقصوداً بعض حاصلات زمین کے عوض قرار پایا اور یہ فاسد ہے چنانچہ اگر ایک کی طرف سے فقط بیل ہی ہو تو فاسد ہوتا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ بیج ایک کی طرف سے ہو اور باقی دوسرے کی طرف سے ہو تو یہ فاسد ہے اس واسطے کہ اس صورت میں جس کی طرف سے بیج ٹھہرے ہیں وہ زمین کو اجارہ پر لینے والا قرار پائے گا پس اس کے اور زمین کے درمیان تخلیہ ہونا ضرور ہے حالانکہ اس کے قبضہ میں نہ آئے گی بلکہ جو شخص تخم ریزی وغیرہ کا کارِ زراعت انجام دے گا اس کے پاس رہے گی اور علیٰ ہذا اگر تین یا چار آدمی نے شرکت کی اور ایک طرف سے فقط بیل ہو یا فقط بیج ہوئے تو عقد فاسد ہوگا اور تیسری صورت یہ ہے کہ بیج اور بیل ایک کی طرف سے ہو اور زمین اور کارِ زراعت دوسرے کی طرف سے ٹھہرے تو یہ بھی[1] فاسد ہے یہ سب اس صورت میں ہے کہ دونوں میں سے ایک کی طرف سے زمین ہو اور بیج دوسرے کی طرف سے ہوں اور اگر زمین ایک کی ہو اور یہ شرط ٹھہری کہ بیج دونوں کی طرف سے ہوں پس اگر زراعت کا کام کرنا مالک زمین کے سوائے دوسرے کے ذمہ دونوں نے شرط کی اور دونوں نے یہ بھی شرط کی کہ پیداوار غلہ دونوں میں برابر تقسیم ہو تو عقد فاسد ہوگا اس لیے کہ اس صورت میں مالک زمین نے عامل سے گویا یہ کہا کہ تو میری زمین میں میرے بیجوں سے اس شرط سے زراعت کر کہ تمام پیداوار غلہ میرا ہوگا اور اپنے بیجوں سے زراعت کر اس شرط سے کہ تمام پیداوار غلہ تیرا ہوگا تو یہ فاسد ہے اس واسطے کہ یہ مزارعت بعوض پوری حاصلات کے بدین شرط ہے کہ عامل کو آدھی زمین عاریت دے اسی طرح اگر دونوں نے یہ شرط لگائی کہ پیداوار غلہ دونوں میں تہائی مشترک ہو جس میں سے ایک تہائی عامل کی ہو اور دو تہائی مالک زمین کی ہو یا اس کے برعکس شرط کی تو بھی فاسد ہے کیونکہ اس میں بھی زمین میں کچھ عاریت دینا ہے اور جب مزارعت فاسد ہوئی تو جو کچھ پیداوار ہو وہ دونوں میں ہر ایک کے بیجوں کی مقدار کے حساب سے مشترک ہوگا پھر مالک زمین نے پیداوار زمین سے جو کچھ لیا ہے وہ اس کے پاس مسلم رہے گا کیونکہ اس کی زمین میں اس کی ملک سے پیدا ہوا اور دوسرے پر اس کی آدھی زمین کا اجر المثل واجب ہوگا کیونکہ دوسرے نے اس کی زمین سے بطور عقد فاسد کے پوری منفعت حاصل کی ہے اور جو کچھ اس نے پیداوار میں سے لیا ہے اس میں سے بقدر بیجوں کے اس کو حلال ہوگا اور باقی میں سے آدھی زمین کا کرایہ اور جو کچھ اس کا خرچ پڑا ہے وہ بھی نکال کر باقی کو صدقہ کر دے گا اس واسطے کہ یہ زیادتی اس کو دوسرے کی زمین سے بطور عقد فاسد حاصل ہوتی ہے۔

اگر زمین و بیج دونوں کی طرف سے ہوں اور کارِ زراعت کی دونوں نے دونوں پر شرط لگائی اس قرارداد پر کہ جو کچھ پیداوار ہو وہ دونوں میں نصفا نصف مشترک ہو تو جائز ہے اس واسطے کہ ہر ایک عاقد نصف زمین میں اپنے بیجوں سے زراعت کرنے والا ہو گیا پس اس عقد میں نصف زمین کا عاریت دینا پایا گیا مگر اس شرط سے نہیں کہ مستعیر اس کے واسطے زراعت کا کام کر دے اور اگر زمین دونوں میں مشترک ہو اور دونوں نے یہ شرط کی کہ بیج اور کارِ زراعت ایک کی طرف سے ہو اس قرارداد پر کہ جو کچھ پیداوار ہو وہ دونوں میں نصفا نصف مشترک ہو تو یہ نہیں جائز ہے کیونکہ جس کی طرف سے بیج نہیں ٹھہرے ہیں وہ دوسرے سے گویا یہ کہنے والا ہو گیا کہ تو اپنی زمین میں اپنے بیجوں سے اس شرط سے زراعت کر کہ تمام پیداوار تیری ہوگی اور میری زمین میں اپنے بیجوں سے زراعت کر بدیں شرط کہ جو کچھ پیداوار ہوگی وہ میری ہوگی پس اس کے حق میں یہ مزارعت بشرط پوری حاصلات لے لینے کے ہوئی پس جائز نہ ہوگی اور اگر بیج ایک نے دے اور عمل دوسرے کے ذمہ شرط کیا اور شرط لگائی کہ تمام پیداوار دونوں میں نصفا نصف مشترک ہو تو بھی نہیں جائز ہے کیونکہ بیج

[1] وجہ وہی ہے جو دوسری صورت میں مذکور ہوئی۔

دینے والے نے اپنے واسطے نصف زمین میں دوسرے کی طرف سے کارزراعت انجام دینے کے مقابلہ میں آدھے بیج کا ہبہ کرنا یا قرض دینا شرط کیا اور یہ باطل ہے اس طرح اگر دو تہائی حاصلات عامل کے واسطے اور ایک تہائی بیج دینے والے کے واسطے شرط کیا یا بیج دینے والے کے واسطے دو تہائی اور عامل کے واسطے ایک تہائی شرط کیا تو بھی نہیں جائز ہے اس واسطے کہ بیج دینے والے نے محض بیجوں کی وجہ سے اپنے واسطے حاصلات میں سے زیادہ حصہ کی شرط لگائی ہے اور اگر بیج عامل کی طرف سے ہوں اور دونوں نے دو تہائی پیداوار عامل کے واسطے شرط لگائی تو جائز ہے اس واسطے کہ جس کی طرف سے بیج نہیں ہیں وہ اپنی زمین اس شرط سے مزارعت پر دینے والا ہوا کہ کاشتکار اس کو اپنے بیجوں سے بوئے بدیں شرط کو دو تہائی پیداوار کاشتکار کی ہوگی اور یہ جائز ہے اور اگر زمین اور بیج دونوں کی طرف سے ہوں اور دونوں نے ایک شخص کے ذمہ کارزراعت انجام دینے کی شرط لگائی اور آدھے کی بٹائی کی شرط لگائی تو جائز ہے پس جس نے کام نہیں کیا ہے اس نے گویا اپنے حصہ کے واسطے کارزراعت میں دوسرے سے استعانت چاہی ہے اور اگر زمین دونوں میں برابر مشترک ہو اور بیج برابر دونوں کی طرف سے ہوں اور دونوں نے یہ شرط کی کہ کاشتکار[1] کو دو تہائی پیداوار اور دوسرے کو ایک تہائی ملے گی تو دو روایتوں میں سے اصح روایت کے موافق یہ جائز نہیں ہے اس واسطے کہ تمام پیداوار دونوں کے بیجوں سے پیدا ہوئی ہے اور بیج برابر دونوں کے مشترک ہیں تو پیداوار بھی دونوں میں برابر مشترک ہوگی پس دو تہائی والے نے جو زیادہ لیا ہے وہ اپنے کام ہی کے مقابلہ میں لیا ہے حالانکہ جو شخص محل مشترک میں کام انجام دیتا ہے وہ مستحق اجرت نہیں ہوتا ہے۔

اگر اس صورت میں جس کے بیج نہیں ہیں اس کے واسطے دو تہائی پیداوار کی شرط لگائی ہو تو بھی نہیں جائز ہے اس واسطے کہ اس شخص نے کاشتکار کے حصہ میں سے جس قدر زیادتی اپنے واسطے شرط کی وہ بغیر زمین و بغیر تخم و بغیر کام کے شرط کی ہے (پس جائز نہ ہوگی) اور اگر زمین دونوں میں مشترک ہو اور دونوں نے سوائے کاشتکار کے دوسرے کے ذمہ دو تہائی بیج دینے شرط کیے بدیں شرط کہ جو کچھ پیداوار ہو وہ دونوں میں برابر مشترک ہوگی تو جائز نہیں ہے اس واسطے کہ اس نے کاشتکار کے کام کے مقابلہ میں چھٹا حصہ بیج قرض دینے کی شرط کی ہے اور اگر دونوں نے کاشتکار کے ذمہ دو تہائی بیج دینے اس شرط سے شرط کیے کہ جو کچھ پیداوار ہو وہ دونوں میں برابر مشترک ہوگی تو بھی جائز نہیں ہے کیونکہ غیر کاشتکار نے گویا در واقع کاشتکار سے یوں کہا کہ اپنی زمین میں اپنے بیجوں سے اس شرط سے زراعت کر کہ تمام پیداوار تیری ہوگی اور میری زمین میں اپنے اور میرے بیجوں سے اس شرط سے زراعت کر کہ تمام پیداوار میری ہوگی پس یہ مزارعت بشرط تمام حاصلات لے لینے کے ہے اور یہ جائز نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک شخص کے پاس زمین ہے اس نے چاہا کہ دوسرے شخص سے بیج لے کر زراعت کرے اور جو پیداوار ہو وہ دونوں میں نصفا نصف مشترک رہے تو اس بات میں اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ اس شخص سے آدھے بیج خریدے پھر بائع اس کو ان نصف بیجوں کے ثمن سے بری کر دے پھر اس سے کہے کہ اپنی زمین میں ان تمام بیجوں سے اس شرط سے زراعت کر کہ جو پیداوار ہو وہ ہم دونوں میں نصفا نصف مشترک ہوگی یہ خزانۃ المفتیین میں ہے اور مزارعت فاسد کے احکام چند طرح کے ہیں از انجملہ یہ کہ کاشتکار پر کارزراعت میں سے کوئی کام واجب نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس کا واجب ہونا تو عقد کی وجہ سے ہوتا ہے اور عقد صحیح نہیں ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ جو کچھ پیداوار ہو وہ سب اس کی ہوتی ہے جس کی طرف سے بیج تھے خواہ مالک زمین کے بیج ہوں یا کاشتکار کے بیج ہوں اور اس پر کچھ صدقہ کرنا واجب نہیں ہوتا ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ اگر بیج زمین دار کے ہوں تو اس پر کاشتکار کے واسطے اجر المثل واجب[2] ہوگا اور اگر بیج کاشتکار کے ہوں تو کاشتکار پر واجب ہوگا کہ زمین دار کو اس کی

---

[1] یعنی جو شخص کارزراعت انجام دے گا (۲) ایسے کام کی جو اجرت ہوتی ہو۔

زمین کا اجر المثل ادا کرے اور از انجملہ یہ کہ جب بیج زمین دار کی طرف سے ہوں اور تمام پیداوار کا مستحق ہوا اور اس نے کاشتکار کو اس کا اجر المثل (۱) ضمان دیا تو تمام پیداوار اس کے واسطے حلال ہوگی اور اگر بیج کاشتکار کے ہوں اور تمام پیداوار کا مستحق ہوا اور زمین دار کو اس کی زمین کا اجر المثل ادا کر دیا تو تمام پیداوار اس کے حق میں حلال نہ ہوگی بلکہ پیداوار میں سے بقدر اپنے بیجوں کے اور بقدر زمین کے اجر المثل کے لیے لے گا اور یہ اس کو حلال ہوگی اور زیادتی[۱] کو صدقہ کر دے گا اور از انجملہ یہ ہے کہ مزارعت فاسدہ میں اجر المثل واجب نہیں ہوتا ہے تاوقتیکہ زمین کو استعمال میں لانا نہ پایا جائے اور از انجملہ یہ ہے کہ مزارعت فاسدہ میں زمین کو استعمال میں لانے سے اجر المثل واجب ہو جاتا ہے اگر چہ زمین مذکور میں کچھ پیداوار[۲] نہ ہوئی اور از انجملہ یہ ہے کہ مزارعت فاسدہ میں جو اجر المثل واجب ہوتا ہے اس کے ساتھ یہ شرط ہے کہ مقدار مسمیٰ[۳] سے زیادہ نہ ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک پورا اجر المثل واجب ہوگا اور یہ اختلاف ایسی صورت میں ہے کہ عقد میں اجرت یعنی دونوں میں سے ہر ایک کا حصہ بیان کر دیا گیا ہو اور اگر بیان نہ کیا گیا ہو تو بالا جماع پورا اجر المثل واجب ہوگا یہ بدائع میں ہے۔

جس صورت میں صاحبینؒ کے نزدیک مزارعت فاسد ہوگی یا جس صورت میں صاحبینؒ کے نزدیک مزارعت صحیح ہوتی ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک فاسد ہوگی اور کاشتکار یا زمین دار نے چاہا کہ ہم کو زراعت حلال ہو جائے تو اس کے واسطے حیلہ وہ ہے جس شیخ اسمٰعیل الزاہدؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ زمین دار کاشتکار دونوں کا حصہ الگ کیا جائے پھر زمین دار کاشتکار سے یوں کہے کہ میرا تجھ پر زمین کا اجر المثل یا نقصان زمین واجب ہوا ہے اور تیرا مجھ پر تیرے کام اور تیرے بیلوں کے کام کا اجر المثل و تیرے بیجوں کا مثل واجب ہوا ہے پس آیا تو اس قدر گیہوں پر اس طرح حق سے جو تیرا مجھ پر واجب ہوا ہے اس سے جو تجھ پر واجب ہوا ہے باہمی صلح کرتا ہے پس کاشتکار کہے کہ میں نے صلح کر لی یا کاشتکار زمین دار سے کہے کہ میرا تجھ پر میرے اور میرے بیلوں کے کام کا اجر المثل واجب ہوا ہے اور تیرا مجھ پر تیری زمین کا اجر المثل یا نقصان زمین واجب ہوا ہے پس آیا تو نے اس حق سے جو تیرا مجھ پر واجب ہے اس سے جو میرا تجھ پر واجب ہوا ہے اس قدر گیہوؤں پر صلح کی پس مالک زمین کہے کہ میں نے صلح کر لی پھر جب دونوں اس بات پر راضی ہو گئے تو صلح جائز ہے اور جو حصہ جس کو پہنچا وہ اس کو حلال ہوگا اس واسطے کہ حق انہیں دونوں میں دائر ہے ان دونوں (۲) سے باہر کسی کا حق نہیں ہے پس جب دونوں باہم راضی ہو گئے تو حرمت کا سبب دور ہو گیا یہ نہایہ میں ہے پھر جس صورت میں مزارعت فاسد نہ ہوا گر ایسی صورت میں بیل ایک کے ذمہ شرط کیے تو باوجود اس کے کہ ایک کے ذمہ بیل کرایہ پر لینا شرط کیا ہے مزارعت فاسد نہ ہوگی اگر چہ عقد مزارعت میں ایک دوسرا عقد شرط کیا یعنی بیل کرایہ پر لینا پس مشروط صفقہ در صفقہ ہوا جاتا ہے مگر مزارعت فاسد نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ بیل کرایہ پر لینے سے مراد فقط اس بات کا اظہار ہے کہ کس کے ذمہ بیل واجب ہیں اور در حقیقت بیلوں کو کرایہ پر لینا مقصود نہیں ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ جس پر بیل کرایہ لینے کی شرط کی جاتی ہے اور اس نے بیل کرایہ پر نہ لیے بلکہ خود ہی زمین کو گوڑ دیا یا ایسے بیل سے جو اس کو ہبہ میں ملا ہے یا میراث میں ملا ہے زمین کو جوتا یا کوئی بیل خرید کر اس سے زمین جوتی تو یہ جائز ہے اگر چہ اس نے بیل کرایہ پر نہیں لیے پس معلوم ہوا کہ بیل کرایہ

---

[۱] قال المترجم اس میں اشارہ ہے کہ اپنا خرچہ بھی نکال لے۔

[۲] قال المترجم از راہ حکم باوجود عدم پیداوار کے اجراء المثل واجب ہوتا ہے مگر از راہ تقویٰ ایسی صورت میں اس کو لینا نہ چاہیے کہ اخذ مال المسلم بغیر شے ہے۔

[۳] قال المترجم اس کا بیان یہ ہے کہ مثلاً حصہ مسمےٰ نصف ہے اور فرض کرو کہ پیداوار چالیس من ہوئی تو بیس من ہوا اور اجر المثل ایسے کاشتکار کے کام کا فرض کرو کہ تیس من ہوتا ہے تو دس من ساقط ہوں گے بیس من سے زیادہ نہ ملے گا ہاں امام محمدؒ کے نزدیک پورے تیس من ملیں گے اور اگر فرض کرو کہ اجر المثل پندرہ من ہے تو یہ معنی ہیں پندرہ من دیا جائے گا بیس من نہ دیا جائے گا اور یہ بالاتفاق ہے۔

(۱) ایسی زمین کا جو پوتہ پڑتا ہو۔ (۲) اُس کا حق اس پر ہے اور اُس کا حق اس پر ہے۔

پر لینے کے ذکر سے مقصود فقط یہ ہے کہ ہل جوتنے کے بیل دونوں میں سے ایک کے ذمہ شرط کر دیے اور حقیقۃً بیل کرایہ پر لینا مقصود نہیں ہے (تاکہ صفقہ در صفقہ لازم آئے اور مزارعت فاسد ہو جائے) کذا فی المحیط۔

باب نمبر ۱:

مزارعت میں شرطیں پائی جانے کے بیان میں

زید[1] نے عمرو کو زمین اور بیج اس شرط سے دیے کہ خود آپ اور اپنے بیل اور اپنے نوکروں سے زراعت کرے پس اگر دونوں نے یہ شرط کی کہ تمام پیداوار زید کی ہوگی تو یہ جائز ہے ایسا ہی امام محمدؒ نے کتاب الاصل میں ذکر فرمایا ہے اور امام محمدؒ نے جائز کہنے سے یہ مراد نہیں رکھی ہے کہ مزارعت جائز ہے کیونکہ یہ عقد مزارعت نہیں ہو سکتا ہے اس واسطے کہ مزارعت میں جو کچھ پیداوار ہو وہ دونوں میں مشترک ہوتی ہے حالانکہ اس صورت میں پیداوار مشترک نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ پوری پیداوار زید کے واسطے شرط کرنا جائز ہے اور اگر دونوں نے یہ شرط کی کہ پوری پیداوار کاشتکار یعنی عمرو کے واسطے ہے تو یہ بھی جائز ہے اور مراد امام محمدؒ کی یہ ہے کہ عمرو کے واسطے پوری پیداوار کی شرط لگانا جائز ہے اور اگر بیج کاشتکار یعنی عمرو کی طرف سے ہوں تو اس کی چند صورتیں ہیں ایک یہ کہ مالک زمین نے مثلاً عمرو سے یہ کہا کہ میری زمین میں اپنے ایک کر گیہوؤں سے اس شرط سے زراعت کر کہ تمام پیداوار میری ہوگی تو یہ فاسد ہے اس واسطے کہ اس صورت میں عمرو پورے پیداوار کے بدلے زمین کا اجارہ پر لینے والا ہو گیا اور شرع نے زمین کو بعوض بعض پیداوار کے اجارہ لینا خلاف قیاس جائز فرمایا ہے پس پوری پیداوار کی عوض زمین اجارہ پر لینا اصل قیاس پر رہا (اور قیاس اس کو جائز نہیں رکھتا ہے) اور جب یہ عقد فاسد ہوا تو پوری پیداوار عمرو کی ہوگی اور عمرو پر مالک زمین کے واسطے زمین کا اجر المثل واجب ہوگا پھر عمرو کے حق میں اس پیداوار میں سے بقدر اپنے بیجوں کے اور جو کچھ اس نے اجر المثل دیا ہے حلال ہوگا اور باقی زیادتی کو صدقہ کر دے گا اور اگر مالک زمین نے کاشتکار سے کہا کہ میرے واسطے میری زمین میں اپنے بیجوں سے زراعت کر دے بشرطیکہ تمام پیداوار میری ہوگی تو یہ شرط جائز ہے اور کاشتکار مالک زمین کو بیج قرض دینے والا ہو جائے گا اور پوری پیداوار مالک زمین کی ہوگی اور کاشتکار اس کام میں از راہ احسان مالک زمین کا معین قرار دیا جائے گا اور اگر کاشتکار سے یوں کہا کہ میرے واسطے میری زمین میں اپنے بیجوں سے بدیں شرط زراعت کر دے کہ تمام پیداوار تیری ہوگی تو یہ فاسد ہے اور تمام پیداوار مالک[2] زمین کی ہوگی اور کاشتکار کے واسطے مالک زمین پر اس کے بیجوں کے مثل بیج واجب ہوں گے اور اس کے کام کے مثل کام کی جو اجرت ہو وہ واجب ہوگی اور اگر کاشتکار سے مالک زمین نے یہ کہا کہ میری زمین میں اپنے بیجوں سے زراعت کر بدیں شرط کہ تمام پیداوار تیری ہوگی تو یہ جائز ہے اور تمام پیداوار کاشتکار کی ہوگی اور مالک زمین اپنی زمین اس کو عاریت دینے والا قرار دیا جائے گا یہ ذخیرہ میں ہے۔

اگر کاشتکار سے مالک زمین نے یوں کہا کہ میرے واسطے میری زمین میں اپنے بیجوں سے اس شرط سے زراعت کر کہ تمام پیداوار ہم دونوں میں نصفا نصف مشترک ہوگی تو یہ مزارعت جائز ہے اور تمام پیداوار دونوں میں آدھوں آدھ مشترک ہوگی اور مزارع اپنے بیج مالک زمین کو قرض دینے والا قرار دیا جائے گا بمقتضائے حکم مالک زمین کے کہ اس کو حکم دیا کہ میرے واسطے زراعت کر پس

---

[1] اسامی مسئلہ مقرر وضع مترجم ہیں۔ [2] مترجم کہتا ہے کہ وجہ اس کی یہ ہے کہ جب مالک زمین نے اپنے واسطے زراعت کرائی تو کھیتی اس کی ہوگی اور اس شرط کا کہ کھیتی تیری ہوگی کچھ اختیار نہیں ہے اور چاہیے تھا کہ کاشتکار کے واسطے سوائے بیجوں کے اجر المثل واجب نہ ہو مگر اس وجہ سے واجب ہوا کہ مالک نے اس کو اجرت دینے کا وعدہ کیا تھا اگرچہ بطور فاسد یعنی تمام کھیتی تیری ہوگی اس وجہ سے اجر المثل واجب ہوگا مگر تمام پیداوار سے زیادہ نہ ہوگا خلافاً لمحمدؒ۔

مالک زمین حکماً ان بیجوں کا قابض ہو گیا اس وجہ سے کہ اس کی ملک سے یہ بیج متصل ہو گئے آیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ اگر مالک زمین نے کاشتکار سے کہا کہ مجھے سو درہم قرض دے پھر ان کے عوض میرے واسطے ایک کر گیہوں خرید کر میری زمین میں اس شرط سے بوئے کہ تمام پیداوار ہم دونوں میں آدھوں آدھ مشترک ہو گی تو یہ جائز ہے پس ایسے ہی اس صورت میں بھی جائز ہے اور اگر کاشتکار نے مالک زمین کو مزارعت پر بیج دیے مثلاً مالک زمین کو ایک کر گیہوں اس شرط سے دیے کہ اس سال زراعت کر کے ان کو اپنی زمین میں بوئے بدیں شرط اللہ تعالیٰ جو کچھ پیداوار کرے وہ ہم دونوں میں نصفا نصف مشترک ہو گی تو یہ فاسد ہے اور تمام پیداوار بیجوں کے مالک کی ہو گی ایسا ہے مزارعۃ الاصل میں مذکور ہے اور کتاب الماذون کے اوائل میں یوں ذکر فرمایا کہ تمام پیداوار مزارع یعنی مالک زمین کی ہو گی اور شیخ الاسلام نے شرح کتاب المزارعۃ میں فرمایا کہ دونوں مسئلوں میں فرق نہیں ہے لیکن جو ہم نے کتاب الماذون سے نقل کیا ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ بیجوں کے مالک نے مالک زمین سے یوں کہا کہ اس کو اپنے واسطے بوئے اور پیداوار ہم دونوں میں نصفا نصف مشترک ہو اور اس صورت میں تمام پیداوار مالک زمین کی ہو گی کیونکہ بیجوں کا مالک اس صورت میں مالک زمین کو بیج قرض دینے والا ہو گیا اور یہ امر اس کے اس کہنے سے معلوم ہوا کہ ان کے اپنے واسطے بوئے پھر جب مزارعت فاسد ہوئی تو یہ کھیتی مالک زمین کے واسطے رہے گی اور ہشامؒ نے بھی مسئلہ ماذون کو اپنے نوادر میں ایسا ہی ذکر کیا ہے جیسا ہم نے بیان کیا اور کتاب المزارعۃ میں یہ ذکر نہ کیا کہ بیجوں کے مالک نے مالک زمین سے کہا کہ اپنے واسطے ان کی زراعت کر لے بلکہ یہ ذکر کیا ہے کہ بیجوں کے مالک نے مالک زمین سے یوں کہا کہ ان کو بوئے تاکہ پیداوار ہم دونوں میں مشترک ہو اور اس صورت میں مالک زمین بیجوں کا قرض لینے والا نہ ہو گا بلکہ بیج اپنے مالک کی ملک میں رہیں گے پس فساد مزارعت کی صورت میں بیجوں کا منافع ان کے مالک کا ہو گا اور اگر یوں کہتا کہ ان بیجوں کو تو اپنی زمین میں اپنے واسطے زراعت کر لے بدیں شرط کہ تمام پیداوار ہم دونوں میں مشترک ہو گی اور باقی مسئلہ بحالہا رہتا تو تمام پیداوار مالک زمین کی ہوتی جیسا کہ کتاب الماذون کے مسئلہ میں مذکور ہوا ہے یہ محیط میں ہے۔

مالک زمین کن صورتوں میں بیجوں والے کو اُس کی جنس کے مطابق ادائیگی کرے گا؟ ☆

ایک شخص نے دوسرے کو اپنے بیج دے کر کہا کہ ان کو اپنی زمین میں بوئے تاکہ تمام پیداوار تجھے حاصل ہو یا کہا کہ اپنی زمین میں میرے بیجوں سے زراعت کرتا کہ تمام پیداوار تجھے حاصل ہو تو یہ جائز ہے اور بیجوں والا مالک زمین کو یہ بیج قرض دینے والا ہو جائے گا تاکہ وہ اپنی زمین میں ایسی زراعت کرے اور مالک زمین کا اس پر قبضہ حقیقۃً ہاتھ سے پایا گیا ہے اور اگر بیجوں کے مالک نے اس سے کہا ہو کہ میرے واسطے اپنی زمین میں میرے بیجوں سے زراعت کر اور تمام حاصلات پیداوار تیری ہو گی تو یہ فاسد ہے اور تمام پیداوار بیجوں والے کو ملے گی اور اگر بیجوں کے مالک نے اپنے بیج مالک زمین کو دیے کہ اپنی زمین میں بوئے بدین شرط کہ تمام پیداوار بیجوں کے مالک کی ہو گی یہ شرط جائز ہے اور بیجوں کا مالک زمین کے مالک سے اس کی زمین عاریت لینے والا ہو جائے گا اور اس سے بونے کے کام میں استعانت چاہنے والا ہو جائے گا کہ اس کے بیج اس مستعار زمین میں بوئے اور یہ سب جائز ہے اور اگر یوں کہا کہ ان بیجوں کو اپنے واسطے اپنی زمین میں بوئے بدین شرط کہ جو کچھ پیداوار اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہو وہ سب میری ہو گی تو تمام پیداوار مالک زمین کی ہو گی اور مالک زمین پر واجب ہو گا کہ بیجوں والے کو اس کے بیجوں کے مثل ادا کرے یہ ذخیرہ میں ہے اگر کسی شخص نے اپنی زمین زراعت کے واسطے دوسرے کو اس شرط سے دی کہ جو کچھ پیداوار اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس زمین میں ہو وہ ہم دونوں میں آدھی آدھی مشترک ہو گی اور دونوں نے بیل کاشتکار کے ذمہ شرط کرنے سے سکوت کیا یا کاشتکار کے ذمہ شرط کیے تو بہر حال بیل کاشتکار کے ذمہ ہوں گے خواہ بیج کا

کا شتکار کی طرف سے ہوں یا مالک زمین کی طرف سے ہوں اس واسطے کہ بیل آلات زراعت میں سے ہے پس اسی کے ذمہ چاہیے جس کے ذمہ زراعت کا کام ہے یہ خزانۃ المفتیین میں ہے اگر عقد مزارعت میں کسی قدر پیداوار سوائے مالک زمین و کاشتکار کے کسی غیر شخص کے واسطے شرط کی گئی تو دیکھا جائے کہ اگر اس غیر کے ذمہ کار زراعت کرنا مشروط نہیں ہے تو اس سے عقد مزارعت میں فسادت آئے گا اور جس قدر اس غیر کے واسطے شرط کیا گیا ہے وہ اس کو ملے گا جس کی طرف سے بیج ہیں اور اگر مزارعت کا کام اس غیر کے ذمہ مشروط ہو پس اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں مثلاً ایک شخص نے اپنی زمین دوسرے کو اس واسطے دی کہ اپنے بیجوں اور بیل سے اس میں زراعت کرے اور اس میں یہ شخص غیر بھی کام کرے بدین شرط کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل سے پیداوار ہو اس میں سے ایک تہائی مالک زمین کی اور ایک تہائی کاشتکار کی جس کی طرف سے بیج ہیں اور تہائی اس کارگزار کی جس کی طرف سے بیج نہیں ہیں تو ایسی مزارعت فاسد ہے اور مراد یہ ہے کہ مزارعت اس دوسرے شخص کارگزار کے حق میں فاسد ہے اور یہ نہیں مراد ہے کہ شخص اوّل کے حق میں فاسد ہے اس واسطے کہ دوسری مزارعت پہلی مزارعت میں شرط نہیں ہے حتیٰ کہ اگر دوسری مزارعت پہلی مزارعت میں مشروط ہو مثلاً یوں کہا کہ بدیں شرط کہ یہ شخص کارگزار اس کے ساتھ مزارعت کا کام کرے تو بعض مشائخ کے نزدیک مزارعت اولیٰ بھی فاسد ہو جائے گی اور شمس الائمہ سرخسیؒ اسی پر فتویٰ دیتے تھے اور اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں اور باقی مسئلہ بحالہا رہے تو یہ مزارعت جائز ہوگی اس لیے کہ بیج جب زمین دار کی طرف سے ہوئے تو زمین دار ان دونوں کام کرنے والوں کو بعض پیداوار کی عوض اجارہ لینے والا ہو گیا اور یہ جائز ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔

اگر عقد مزارعت میں بعض پیداوار دونوں میں سے کسی کے غلام کے واسطے شرط کی گئی تو اس کی دو صورتیں ہیں اوّل یہ کہ بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں اور تہائی مالک زمین کے واسطے اور تہائی پیداوار کاشتکار کے واسطے اور تہائی مالک زمین کے غلام کے واسطے شرط کی گئی تو یہ مزارعت جائز ہے خواہ غلام پر قرضہ ہو یا نہ ہو خواہ غلام پر بھی مزارعت کا کام کرنا شرط کیا ہو یا نہ کیا ہو یہ حکم اس وقت ہے کہ بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں اور مالک زمین یا غلام کے واسطے تہائی پیداوار کی شرط کی گئی ہو اور اگر کاشتکار کے غلام کے واسطے تہائی پیداوار کی شرط کی گئی ہو تو بھی مزارعت جائز ہوگی خواہ غلام پر قرضہ ہو یا نہ ہو خواہ کاشتکار کے ساتھ اس کے غلام کا کار زراعت انجام دینا مشروط ہو یا نہ ہو یہ اس وقت ہے کہ جب بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں اور اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں پس اگر مالک زمین کے غلام کے واسطے تہائی پیداوار کی شرط کی گئی تو مزارعت جائز ہے بشرطیکہ غلام مذکور پر قبضہ نہ ہو اور نہ اس کے ذمہ کار زراعت شرط کیا گیا ہو اور جس قدر غلام کے واسطے شرط کیا گیا ہے وہ ابتداء سے مولیٰ کے واسطے مشروط ہونا اعتبار کیا جائے گا اور اگر غلام مذکور کے واسطے کار زراعت مشروط ہو اور اس پر قرضہ نہ ہو تو ظاہر الروایہ کے موافق مزارعت فاسد ہوگی اور اگر غلام مذکور پر قرضہ ہوئے پس اگر غلام مذکور کے ذمہ کار زراعت مشروط نہ ہو تو مزارعت جائز ہے اور جس قدر غلام کے واسطے مشروط ہے وہ ابتدا سے اس کے مولیٰ کے واسطے مشروط ہونا اعتبار کیا جائے گا گویا دونوں نے ابتداء سے یہ شرط کر لی تھی کہ پیداوار میں سے دو تہائی مالک زمین کو اور ایک تہائی کاشتکار کو ملے گی اور اگر باوجود اس کے غلام مذکور کے ذمہ کار زراعت مشروط ہو تو ظاہر الراویہ کے موافق مزارعت فاسد ہے۔

اگر اس صورت میں کاشتکار کے غلام کے واسطے تہائی پیداوار مشروط ہو پس اگر غلام پر قرضہ نہ ہو اور اس کے ذمہ کار زراعت شرط کیا گیا ہو تو یہ جائز ہے اور دو تہائی پیداوار کاشتکار کی اور ایک تہائی مالک زمین کی ہوگی اور اگر اس کے ساتھ غلام کا کار زراعت انجام دینا بھی دونوں نے شرط کیا ہو پس اگر عقد مزارعت میں غلام کا کار زراعت انجام دینا شرط کیا ہو تو مزارعت دونوں کے حق میں فاسد ہوگی اور اگر غلام کے ذمہ کار زراعت انجام دینا منفصل عقد میں مشروط نہ ہو بلکہ گفتگوئے مزارعت سے یہ بات بھی بطور عطف ملا دی ہو تو مالک

زمین وکاشتکار کے درمیان مزارعت جائز ہوگی اور غلام کے حق میں فاسد ہوگی اور اگر غلام مذکور پر قرضہ ہو پس اگر غلام کا کارزراعت شرط نہ کیا گیا ہو تو مزارعت جائز ہوگی اور جس قدر غلام کے واسطے مشروط ہے وہ کاشتکار کے واسطے ابتداء سے مشروط ہونا اعتبار کیا جائے گا اور اگر اس کے ذمہ کارزراعت شرط کیا گیا ہو تو اس صورت میں وہی حکم ہے جو حکم اور صورت غلام پر قرضہ نہ ہونے اور اس کے ذمہ کارزراعت مشروط ہونے کے مذکور ہوا ہے اور اگر دونوں میں سے ایک کے بیل کے واسطے بعض پیداوار شرط کی گئی تو اس کا وہی حکم ہے جو حکم درصورت کسی کے غلام کے واسطے درصورت غلام پر قرضہ نہ ہونے کے بعض پیداوار کرنے میں مذکور ہوا ہے اور اگر امساکین کے واسطے تہائی پیداوار شرط کی گئی تو مزارعت جائز ہے اور جس قدر مساکین کے واسطے شرط کیا ہے وہ اس شخص کے واسطے ابتدا مشروط ہونا اعتبار کیا جائے گا جس کی طرف سے بیج ہوں پس بیج والے کو ملے گا مگر بیج والے پر فیما بینہ وبین اللہ تعالیٰ واجب ہوگا کہ یہ اناج مساکین پر صدقہ کر دے لیکن قاضی ایسا کرنے کے واسطے اس پر جبر نہیں کر سکتا ہے اور نہ موجب فساد مزارعت ہوگا اور جو حکم ہم نے دونوں میں سے کسی کے غلام کے واسطے بعض پیداوار شرط کیے جانے کی صورت میں بیان کیا ہے وہی حکم دونوں میں سے کسی کے مدبر یا ایسے مملوک کے واسطے جس کی کمائی کا مولیٰ مالک ہوتا ہے بعض پیداوار شرط کیے جانے کی صورت میں ہے یہ محیط میں ہے۔

اگر دونوں میں سے ایک کے مکاتب یا اس کے قریب کے واسطے یا کسی اجنبی کے واسطے تہائی پیداوار کی شرط کی پس اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں اور دونوں کے اس شخص کے کارزراعت انجام دے کی شرط کی تو جائز ہے اور یہ شخص اس عقد مزارعت میں کاشتکار کے ساتھ ہوگا اور اس کو تہائی پیداوار ملے گی اور اگر دونوں نے اس کے کارزراعت انجام دینے کی شرط نہ کی تو مزارعت جائز ہے اور یہ مشروط باطل ہے اور تہائی پیداوار مالک زمین کو ملے گی اور اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں پس اگر شخص ثالث کے کارزراعت انجام دینے کی شرط نہ کی ہو تو مزارعت جائز ہے اور جس قدر اس ثالث کے واسطے شرط کیا گیا ہے وہ کاشتکار کا ہوگا اور شخص ثالث کو کچھ نہ ملے گا اور اگر شخص ثالث کے کارزراعت انجام دینے کی شرط کی ہو اور اس نے کام کیا تو اس کا اجرالمثل کاشتکار پر واجب ہوگا اور جس قدر حصہ پیداوار اس کے واسطے شرط کیا گیا تھا وہ کاشتکار کو ملے گا کیونکہ مالک زمین وکاشتکار کے درمیان مزارعت جائز ہے اور کاشتکار اور اس شخص ثالث کے درمیان جس کی نسبت کارزراعت انجام دینا شرط کیا گیا ہے مزارعت باطل ہے اور یہ صورت ایسی ہوگی کہ جیسے ایک شخص نے اپنی زمین دو شخصوں کو زراعت کے واسطے اس شرط سے دی کہ دونوں میں سے ایک اپنے بیجوں سے زراعت کرے اور دوسرا فقط[1] زراعت کا کام کرے یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر اپنی زمین دوسرے کو اس شرط سے دی کہ اس میں اپنے بیجوں اور اپنے عمل سے تہائی بٹائی پر زراعت کرے اور تہائی مالک زمین کی ہوگی بدین قرارداد کہ اس کو فلاں شخص کے بیل سے جوتے دوسرا دے بدین شرط کہ تہائی پیداوار فلاں شخص کی ہوگی اور فلاں شخص اس امر پر راضی ہوگیا تو کاشتکار پر فلاں شخص کے واسطے اس کے بیل کا اجرالمثل واجب ہوگا کیونکہ اس نے بیل والے سے تہائی پیداوار پر بیل کرایہ لیا حالانکہ بیل عقد مزارعت میں بالمقصود داخل نہیں کیا جاتا ہے پس ان دونوں میں عقد فاسد ہوگا مگر اس نے بیل والے کے بیل سے منفعت پوری حاصل کر لی ہے پس اس کے واسطے اجرالمثل واجب ہوگا اور پیداوار میں سے ایک تہائی مالک زمین کو ملے گی اور دو تہائی کاشتکار کو ملے گی اور اس کے حق میں حلال ہوگی کیونکہ اس کے اور مالک زمین کے درمیان عقد فاسد نہیں ہوا ہے اور اگر اس صورت میں بیج ملک زمین کی طرف سے ہوں تو دو تہائی پیداوار اس کو ملے گی اور بیل کا اجرالمثل اسی پر واجب ہوگا کیونکہ اس نے عمل کو تہائی پیداوار پر اجارہ لیا اور یہ جائز ہے مگر بیل کو تہائی پیداوار پر بالمقصود اجارہ لینا فاسد ہے یہ مبسوط میں ہے اور اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہو تو مالک زمین اور کاشتکار کے درمیان مزارعت جائز ہے اور بیل والے کے ساتھ فاسد ہے

[1] فقط الخ یعنی اس کی طرف سے بیج نہیں بلکہ فقط کام ہے۔

اور مالک زمین پر بیل والے کے بیل کا اجر المثل واجب ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔

اگر دونوں نے باہم یوں شرط لگائی کہ جو کچھ اس گوشہ میں پیدا ہو وہ ایک کا ہے اور باقی پیداوار دوسرے کی ہے تو یہ نہیں جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر زمین خراجی ہو اور دونوں نے یہ شرط لگائی کہ خراج دے کر باقی کو نصفا نصف بانٹ لیں گے تو یہ فاسد ہے مگر یہ حکم اس وقت ہے کہ خراج مؤظف[1] ہو اور فاسد اس وجہ سے ہے کہ شاید زمین میں فقط اس قدر پیدا ہو جس سے خراج مؤظف ادا ہو سکے اور اگر خراج مقاسمہ ہو جیسے تہائی پیداوار یا چوتھائی پیداوار وغیرہ تو جائز ہے یہ کافی میں ہے اور اگر دونوں میں سے جس کی بیج ہیں اس کے واسطے یہ شرط لگائی کہ پیداوار میں سے دسواں حصہ جس کے بیج ہیں اس کو دے کر یا باہم تقسیم کر لیں گے تو مزارعت صحیح ہے اس واسطے کہ اس شرط سے پیداوار میں شرکت منقطع نہیں ہوتی ہے کیونکہ پیداوار اگرچہ کیسی ہی قلیل ہو اسکا دسواں حصہ نکل سکتا ہے اور جس کی طرف سے بیج ہیں اگر اس نے چاہا کہ اپنے بیجوں کے قدر مجھے پہنچ جائے پھر باقی میں بٹائی ہو تو اس کے واسطے بھی حیلہ ہے کہ اپنے واسطے دسواں یا تہائی وغیرہ کوئی حصہ بقدر بیجوں کے شرط کر لے اور باقی دونوں میں بٹائی پر مشروط رکھے کذافی النہایہ اور اگر ایسے شخص کے واسطے جس کی طرف سے بیج نہیں دیے گئے ہیں دسواں حصہ شرط کیا اور باقی باہم دونوں میں بٹائی پر مشروط رکھا تو یہ جائز ہے اور اگر یہ زمین عشری ہو اور دونوں نے شرط لگائی کہ عشر نکال کر باقی بٹائی پر رہے پس اگر یوں کہا کہ اگر یہ زمین کسی کھودی ہوئی نہر سے سینچی گئی تو عشر نکال کر اور اگر چرس سے سینچی گئی تو آدھا عشر نکال کر باقی غلہ ہم دونوں میں برابر مشترک ہوگا تو یہ جائز ہے پس اگر پیداوار ہوئی تو سلطان وقت عشر یا نصف عشر اپنا حق لے لے گا اور باقی دونوں میں موافق تقسیم ہوگا پس اگر سلطان نے ان دونوں سے کچھ نہ لیا یا اہل کار سلطان نے ان لوگوں سے تھوڑا سا اناج سلطان سے پوشیدہ لے لیا اور سلطان کو اطلاع بھی نہ ہوئی تو عشر جو سلطان کو دینا شرط کیا گیا تھا وہ امام اعظم ؒ کے قول میں بقیاس جائز وانندۂ مزارعت کے مالک زمین کو ملے گا اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک وہ بھی دونوں میں موافق شرط بٹائی کے تقسیم ہوگا اور اگر مالک زمین نے کاشتکار سے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ سلطان ہم سے پورا عشر لے گا یا نصف عشر لے گا بہر حال میں تجھ سے اس طرح معاملہ کرتا ہوں کہ جو کچھ سلطان لے لے اس کے لینے کے بعد زمین کی پیداوار میں سے آدھا میرا اور آدھا تیرا ہے تو امام اعظم ؒ کے قول کے قیاس پر یہ فاسد ہے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک جس طرح دونوں نے کہا اس طرح جائز ہوگا اور اس مسئلہ کے معنی یہ ہیں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب بارش زیادہ ہوتی ہے تو زمین کو فقط بارش کا پانی کافی ہوتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بارش کم ہونے کی صورت میں چرس سے سینچنے کی ضرورت پڑتی ہے پس سلطان ایسی صورت میں اپنا عشر لینے یا نصف لینے کے واسطے اغلب کا اعتبار کرتا ہے پس دونوں نے گویا یہ کہا کہ ہم کو نہیں معلوم کہ اس سال بارش کیسی ہوگی اور سلطان ہم سے پیداوار زمین سے کیا لے گا پس دونوں نے اس طریقہ سے باہم معاملہ کیا پھر امام اعظم ؒ کے نزدیک عشر یا نصف عشر مالک زمین پر واجب تھا ہی پس اس شرط سے دونوں نے پیداوار میں سے مالک زمین کے واسطے ایک جزو مجہول یعنی عشر یا نصف عشر شرط کیا اور ایسی جہالت مفسد عقد ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک عشر یا نصف عشر پیداوار میں سے واجب ہوتا ہے اور پیداوار دونوں میں برابر مشترک ہے پس ایسی شرط لگائیں[2] کہ معنی گویا یہ ہوئے کہ پوری پیداوار ہم دونوں میں نصفا نصف مشترک ہے اور یہ مفسد عقد نہیں ہے یہ مبسوط میں ہے۔

---

[1] موظف وہ خراج جو مقاسمہ نہ ہو یعنی پیداوار کی بٹائی پر نہیں ہے بلکہ سو روپیہ یا دو سو روپیہ مثلاً وظیفہ بندھا ہوا ہے۔ [2] اقوال شاید خلجان ہو کہ عشر یا نصف عشر نکالنے کے بعد باقی میں اشتراک ہے اور نکالنا دو چیزوں میں متردد ہے کہ نصف ہے یا عشر ہے تو باقی مجہول ہوا جواب یہ کہ متردد خاص پیداوار سے متعلق ہے اور کسی شریک کے ساتھ خاص نہیں ہے تو وہ بھی کل میں شامل ہے گویا کل دونوں میں مشترک ہے۔

خراج مؤظف وخراج مقاسمہ☆

اگر مزارعت میں دونوں نے باہم اس طرح شرط کی کہ جس قدر گیہوں پیدا ہوں وہ دونوں میں برابر مشترک ہوں اور جس قدر جو پیدا ہوں وہ ہم دونوں میں سے خاص[1] اس کے ہوں یا یوں شرط لگائی کہ گیہوں خاص ایک کے اور جو خاص دوسرے کے ہوں اور حالانکہ بیج چاہے جس کی طرف سے ہوں تو یہ جائز نہیں ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے اور اگر زمین خراجی ہو اور مالک زمین نے کاشتکار سے کہا کہ ہم کو نہیں معلوم کہ سلطان اس سال ہم سے خراج مؤظف لے گا یا خراج مقاسمہ لے گا اور اس کے معنی یہ ہیں کہ بعض اراضی پر خراج مؤظف مقرر ہوتا ہے مگر بعض سال یہ اراضی خراج مؤظف کو برداشت نہیں کر سکتی ہے پس ایسی حالت میں سلطان کو روا نہیں ہے خواہ مخواہ خراج مؤظف وصول کرے بلکہ خراج مقاسمہ لے سکتا ہے اور خراج مقاسمہ آدھی پیداوار تک ہوتا ہے سو مالک یہی کہتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ اس سال اراضی کو خراج مؤظف برداشت کرنے کی طاقت ہوگی کہ سلطان خراج مؤظف لے لے بنابریں کاشتکار سے کہتا ہے کہ میں تیرے ہاتھ اس طور پر معاملہ کرتا ہوں کہ اس میں سے حصہ سلطان خواہ خراج مؤظف ہو یا خراج مقاسمہ ہو دے کر باقی ہم دونوں میں نصفا نصف مشترک ہوگا تو ایسی مزارعت فاسد ہے اور اگر اپنی زمین دو شخصوں کو اس شرط سے دے کہ دونوں اپنے بیج سے اس میں زراعت کریں بدیں شرط کہ دونوں میں سے ایک کو تہائی پیداوار ملے گی اور دوسرے کو نوے قفیز پیداوار لیں گے تو امامؒ کے قیاس کے موافق پوری مزارعت فاسد ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک تہائی والے کے حق میں جائز ہے اور جس کے واسطے نوے قفیز پیداوار مشروط ہے اس کے حق میں فاسد ہے یہ کافی میں ہے اگر عقد مزارعت میں زمین جوتنا مالک زمین کے ذمہ شرط کیا گیا پس اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں تو مزارعت فاسد ہے اور اگر بیج مالک کی طرف سے ہوں تو جائز ہے یہ خلاصہ میں ہے۔

اگر کاشتکار کے ذمہ نہر اگارنا اور کاریز میں درست کرنا شرط کیا یہاں تک کہ عقد فاسد ہو گیا پس اگر زراعت کے بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں تو پوری پیداوار کاشتکار کی ہوگی کیونکہ اس کے بیجوں سے پیدا ہوئی ہے اور مالک زمین کا اس پر اپنی زمین کا کرایہ[ل] واجب ہوگا اور کاشتکار کا نہر و کاریز کے درستی کے کام کا اجر المثل مالک زمین پر واجب ہوگا پس دونوں باہم مقاسمہ کر لیں اور جس کا بڑھتی نکلے وہ لے لے اور اگر نہر اگارنا عقد مزارعت میں کاشتکار کے ذمہ شرط نہ کیا گیا ہو مگر کاشتکار نے خود ہی نہر اگاری تو مزارعت جائز ہوگی اور کاشتکار کے واسطے نہر اگارنے کی کچھ اجرت واجب نہ ہوگی اور اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں اور عقد مزارعت میں کاشتکار کے ذمہ نہر اگارنا و مسناۃ درست کرنا شرط کیا گیا تو عقد فاسد ہوگا اور تمام پیداوار مالک زمین کی ہوگی اور عامل کے واسطے مالک زمین پر کار زراعت کا و اصلاح کاریز و نہر دونوں کا اجر المثل واجب ہوگا اور اگر دونوں نے مالک زمین کے ذمہ نہر اگارنا و کاریز درست کر دینا شرط کیا تا کہ زمین میں پانی آئے تو مزارعت دونوں کی شرط کے موافق[2] جائز ہوگی خواہ بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں یا مالک زمین کی طرف سے ہوں یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر عقد مزارعت میں دونوں میں سے کسی کے ذمہ کھاد ڈالنا شرط کیا گیا پس اگر کاشتکار کے ذمہ شرط کیا گیا تو مزارعت فاسد ہوگی چاہے بیج دونوں میں سے کسی کی طرف سے ہوں پس اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں تو تمام پیداوار اسی کی ہوگی اور اس پر زمین کا اجر المثل واجب ہوگا اور کاشتکار نے جو کھاد زمین میں ڈالی ہے اس کی قیمت کی بابت مالک زمین پر کاشتکار کو کچھ دینا واجب نہ ہوگا اور اگر بیج مالک کی طرف سے ہوں تو تمام پیداوار اسی کی ہوگی اور اس پر کارکاشتکار کا اجر المثل و جو کھاد ڈالی ہے اس کی قیمت واجب ہوگی اور اگر کھاد ڈالنا مالک زمین کے ذمہ شرط کیا گیا پس اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں تو مزارعت

ل قال المترجم کرایہ سے اجر المثل یعنی جو ایسی زمین کا پوتہ پڑتا ہو وہ مراد ہے۔

(۱) ایک کسی کے واسطے کہا۔ (۲) مالک زمین پر واجب ہوگا کہ نہر و کاریز کو درست کرے تا کہ پانی آئے۔

فاسد ہے اور تمام پیداوار کی ہوگی اور کاشتکار پر زمین کا اجرالمثل اور کھاد کی قیمت واجب ہوگی اور اگر بیج زمین دار کی طرف سے ہوں تو مزارعت جائز ہوگی اور اگر عقد مزارعت سے علیحدہ[1] کھاد ڈالنا شرط کیا گیا تو اس کا حکم کتاب میں مذکور نہیں ہے اور قاضی امام عبدالواحد شیبانیؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر عقد سے خارج کھاد ڈالنا کاشتکار کے ذمہ شرط کیا گیا تو مزارعت جائز ہوگی چاہے بیج دونوں میں سے کسی کی طرف سے ہوں اور اگر مالک زمین کے ذمہ شرط کیا گیا پس اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں تو جائز نہیں ہے جیسا کہ بیج کاشتکار کی طرف سے ہونے کی صورت میں مالک زمین کے ذمہ زمین جوتنے کی شرط نہیں جائز ہے اور اگر بیج بھی مالک زمین کی طرف سے ہوں تو جائز ہے یہ خلاصہ میں ہے۔

اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہونے کی صورت میں مالک زمین نے یہ شرط کی کہ زمین میں کھاد ڈالے تو بعض نے فرمایا کہ متقدمین کے نزدیک مزارعت فاسد ہے اور متاخرین کے نزدیک مزارعت فاسد نہیں ہوتی ہے اور فتویٰ متاخرین کے قول پر ہے یہ شیخ خجندی اور عزیز ابن ابی سعید نے فرمایا ہے کذافی جواہر الاخلاطی۔ ایک شخص نے اپنا باغ انگور یا زمین معاملہ یا مزارعت پر کسی شخص کو دیا اور یہ شخص کھاد ڈالنے اور کاریز درست کرنے اور تہراگار نے اور گڈھے وغیرہ پاٹنے کا التزام کرتا ہے پس اگر یہ امور اس کے ذمہ شرط کیے تو عقد فاسد ہوگا اور اگر سکوت کیا تو یہ امور اس کے ذمہ لازم نہ ہوں گے اور اگر اس نے وعدہ کر لیا تو شاید نہ وفا کرے تو اس کی صورت یہ نکلتی ہے کہ عامل کو تھوڑی سی اجرت پر آگاہ کر کے بدوں عقد میں مشروط کرنے کے ان کاموں کے واسطے اجارہ پر لے لے پس یہ صحیح اور اس کے ذمہ لازم ہوگا اور عقد بھی فاسد نہ ہوگا یہ جواہر الفتاویٰ میں ہے اور اگر چرخ و چرس دونوں میں سے ایک کے ذمہ شرط کیا گیا تو مثل بیل[2] کے شرط کرنے کے ہے اس واسطے کہ چرخ و چرس سینچنے کے آلات میں سے ہے اور سینچنا کاشتکار پر واجب ہے پس اگر چرخ و چرس کاشتکار کے ذمہ مشروط ہو تو یہ جائز ہے خواہ بیج دونوں میں سے کسی کی طرف سے ہوں اور اگر مالک کے ذمہ مشروط ہوں حالانکہ بیج کاشتکار کی طرف سے ہیں تو فاسد ہے اور اگر بیج مالک کی طرف سے ہوں تو جائز ہے جیسا کہ بیل کی شرط لگانے کی صورت میں مذکور ہوا ہے اور اگر سینچنے کا چوپایہ مع چارا کے ایک کے ذمہ شرط کیا گیا پس اگر چوپایہ مع چارا کے کاشتکار کے ذمہ شرط کیا گیا تو جائز ہے بیج دونوں میں سے چاہیے جس کی طرف سے ہوں جیسا کہ بیلؒ کے شرط لگانے کی صورت میں مذکور ہوا ہے اور اگر مالک زمین کے ذمہ اس کی شرط لگائی پس اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں تو فاسد ہے اور اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں تو جائز ہے جیسا کہ بیل شرط کیے جانے کی صورت میں مذکور ہوا ہے اور اگر چوپایہ مع چارا کے مالک کے سوائے کسی شخص غیر کے ذمہ شرط کیا گیا تو یہ فاسد ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر مالک زمین نے یوں شرط لگائی کہ اگر کاشتکار نے زمین جوت کر زراعت کی تو اس کو تہائی ملے گا اور اگر بغیر جوتے زراعت کی تو چوتھائی ملے گا تو مزارعت جائز ہے اور پھر جو اصل میں مذکور ہے اس کو جس طرح ابوحفصؒ نے روایت کیا ہے اس کے بہ نسبت ابوسلیمانؒ کی روایت میں کچھ زیادتی یہ ہے کہ مالک نے کہا کہ اور اگر کاشتکار نے زراعت کی اور دوبار زمین کو جوتا تو اس کو آدھا ملے گا اور ذکر کیا کہ اگر کاشتکار نے دوبار جوتا اور زراعت کی تو موافق شرط کے پیداوار دونوں میں نصفا نصف ہوگی اور شیخ عیسیٰ بن ابان نے اس پر طعن کیا اور کہا کہ یہ جو ذکر کیا ہے کہ اگر اس نے دوبار جوت کر زراعت کی تو پیداوار موافق شرط کے دونوں میں برابر تقسیم ہوگی

---

[1] قولہ علیحدہ الخ اصل میں یہ قید مذکور نہیں ہے لیکن مترجم نے اس واسطے بڑھائی کہ اصل مسئلہ میں یہ قید قطعی ضروری ہے کیونکہ بدوں اس کے احکام بدل جائیں گے اور اصل کی عبارت میں یا تو تسامح ہے کیونکہ علماء اکثر ایسا کرتے ہیں تا کہ ناسمجھ کو اجرت نہ ہو یا اصلی نسخہ میں مذکور ہو اور مکاتب کی غلط نویسی سے ساقط ہوگئی واللہ تعالیٰ اعلم۔ [2] جیسے بیل ایک کے ذمہ شرط کیا گیا۔

اس کے صحت کی صورت نظر نہیں آتی ہے کیونکہ مالک زمین نے اس کو تین عقدوں میں خیار دیا ہے اور جب وہ ان تینوں میں سے کسی عقد کی جانب میل کرے گا تو ایسا ہو جائے گا کہ گویا ابتدائے سوائے اس کے اور کوئی عقد نہ تھا اور ظاہر ہے کہ ابتدا سے دونوں نے یہ شرط لگائی ہوتی کہ دوبارہ گوڑ کر زراعت کرے اور اس کو نصف پیداوار ملے گی تو مزارعت فاسد تھی (پس ایسا ہی اس صورت میں بھی فاسد ہونی چاہیے) اور اسی طرف شیخ ابو القاسم الصفار بلخیؒ نے میل کیا ہے مگر فقیہ ابو بکر بلخیؒ نے فرمایا کہ امام محمدؒ نے جو بروایت ابو سلیمان ذکر کیا ہے وہ صحیح ہے اور فقیہ ابو بکر ان دونوں صورتوں میں فرق کرتے تھے کہ اگر ابتدا سے فقط دو بار جوتنے پر عقد مزارعت قرار دیا تو مزارعت جائز نہیں ہے اور اگر دو بار جوت کر زراعت کرنے کی ساتھ اور عقود بھی ہوں تو دو بار جوتنے کی شرط سے مزارعت جائز ہے یہ محیط میں ہے اور اگر دونوں نے یہ شرط کی کہ دانہ و بھوسا دونوں میں نصفا نصف ہو تو جائز ہے اور دانہ و بھوسہ دونوں میں موافق شرط کے تقسیم ہوگا۔ اس طرح اگر دونوں نے یہ شرط کی کہ ریع[1] یا زرع یا خارج ہم دونوں میں برابر مشترک ہو تو جائز ہے اور موافق شرط کے سب دونوں مشترک ہوگی اور اگر دونوں نے اس طرح شرط کی کہ دانہ فقط ایک کا ہو اور بھوسہ دوسرے کا ہو تو اس میں آٹھ صورتیں ہیں جس میں چھ فاسد ہیں اور دو جائز ہیں پس فاسدہ صورتوں میں ایک یہ ہے کہ دونوں نے شرط کی کہ دانہ مالک زمین کا اور بھوسہ کاشتکار کا ہو دوسری یہ کہ بھوسہ مالک زمین کا اور دانہ کاشتکار کا ہو اور تیسری یہ کہ دونوں نے شرط کی کہ دانہ مالک زمین کا ہو اور بھوسہ دونوں میں مشترک ہو اور چوتھی یہ کہ دونوں نے شرط لگائی کہ دانہ کاشتکار اور بھوسہ دونوں میں مشترک ہو پانچویں یہ صورت ہے کہ دونوں نے یوں شرط لگائی کہ دانہ دونوں میں مشترک ہو اور بھوسہ مالک زمین کا اور اس صورت میں اگر بھوسہ ایسے شخص واسطے شرط کیا جس کی طرف سے بیج ہیں تو جائز ہے اور اگر اس کے واسطے شرط کیا ہے جس کی طرف سے بیج نہیں ہیں تو جائز نہیں ہے۔

امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ یہ بالکل نہیں جائز ہے اور بعض مشائخ سے مروی ہے کہ اگر دونوں نے اس طرح سے شرط لگائی کہ دانہ دونوں میں مشترک ہو اور بھوسے کے بیان سے سکوت کیا تو عرف و رواج کے موافق بھوسہ بھی دونوں میں مشترک ہوگا اور چھٹی صورت یہ ہے کہ دونوں نے یہ شرط کی کہ بھوسہ دونوں میں مشترک اور غلہ کے بیان سے سکوت کیا تو جائز نہیں ہے پس اس صورتوں میں مزارعت صحیح نہیں ہے اس واسطے کہ یہ ایسی شرط ہے کہ اصل مقصود کی شرکت کو قطع کرتی ہے بوجہ اس کے کہ احتمال ہے کہ دونوں میں سے ایک چیز حاصل ہو دوسری حاصل نہ ہو اور اگر اپنی زمین زراعت کے واسطے دی اور اس کی کھیتی ساگا ہو گئی تھی اور دونوں نے یہ شرط لگائی کہ غلہ دونوں میں برابر مشترک ہو اور بھوسہ مالک زمین کو ملے تو نہیں جائز ہے اور اگر دونوں نے یہ شرط کی ہو کہ غلہ دونوں میں برابر مشترک ہو اور بھوسے کے بیان سے سکوت کیا ہو تو عقد جائز ہوگا اور بھوسہ مالک زمین کو ملے گا اور اگر دونوں نے بھوسہ کاشتکار کے واسطے شرط کیا ہو تو فاسد ہے کیونکہ ایسی کھیتی جو ساگا ہو چکی ہے مزارعت پر دینا زمین و بیج مزارعت پر دینے کے مانند ہے اور اس صورت میں اگر بیج والے کے واسطے بھوسہ شرط کیا جائے تو جائز ہو سکتا ہے اور اگر دوسرے کے واسطے شرط کیا جائے تو نہیں جائز ہوتا ہے (پس ایسا ہی صورت مذکورہ میں بھی ہے) یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر کاشتکار کے ذمہ شرط لگائی کہ کسم بوئے اور دونوں نے کسم اور کڑ اور ڈنڈیوں میں شرکت شرط کر لی تو جائز ہے اور اگر کسم و کڑ دونوں نے مشترک ہونے کی شرط کر لی اور ڈنڈیاں کسی ایک کے واسطے ہونے کی شرط کی پس اگر ڈنڈیاں اس کے واسطے مشروط کیں جس کی طرف سے بیج ہیں تو جائز ہیں اور اگر اس کے واسطے شرط کیں جس کی طرف سے بیج نہیں ہیں تو نہیں جائز ہے اور اگر یوں شرط کی کہ کسم و کڑ ایک کی ہو اور ڈنڈیاں دوسرے کی ہوں تو نہیں جائز ہے اور اگر یوں شرط کی

---

[1] یہ سب الفاظ بمعنی حاصلات پیداوار۔

کہ کسم ایک کا اور کڑ دوسرے کی ہو تو بھی نہیں جائز ہے اس طرح اگر اپنی زمین دوسرے کو کٹ بونے کے واسطے دی اور دونوں نے شرط کی کہ کٹ ایک کی اور بیج دوسرے کے ہوں تو بھی یہی حکم ہے کہ عقد جائز نہیں ہے یہ محیط میں ہے۔

اگر اپنی زمین زراعت کے واسطے دی کہ اس میں گیہوں وجو بوئے بدیں شرط کہ گیہوں خاص ایک کے اور جو خاصۃً دوسرے کے ہوں تو فاسد ہے اسی طرح ہر شے جس کی حاصلات میں دونوں حاصل ہوں جس میں سے ہر ایک مقصود ہو سکتی ہے اس میں یہی حکم ہے جیسے بذر کتان و کتان کہ اگر ایک کے واسطے ایک خاصۃً کتان شرط کی اور دوسرے کے واسطے خاصۃً بذر کتان شرط کی تو نہیں جائز ہے اور خربزہ و ککڑی کے بیج خاصۃً ایک کے واسطے شرط کرنا بمنزلۂ بھوسے کے شرط کرنے کے ہی بخلاف رطبہ و تخم رطبہ یا کسم و کرا کہ[1] ان میں ایسا نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اصل یہ ہے کہ مالک زمین کاشتکار دونوں نے اگر عقد مزارعت میں شرط فاسد لگائی تو اس شرط کو دیکھنا چاہیے پس اگر ایسی شرط ہو کہ ہر دو متعاقدین میں سے کسی کو اس شرط سے کچھ فائدہ نہیں ہے مثلاً دونوں نے ایک کے ذمہ یہ شرط لگائی کہ اپنا حصہ پیداوار فروخت نہ کرے یا نہ کھائے تو مزارعت[2] جائز ہے اور اگر ہر دو متعاقدین میں سے کسی کے واسطے اس شرط میں کوئی فائدہ ہو تو اسکی دو صورتیں ہیں یعنی اگر یہ شرط صلب عقد میں داخل ہو بدین طور کہ اس کے واسطے کچھ بدل مقرر ہو کیونکہ ل عقود معاوضات میں صلب عقد کے مقابلہ میں جب تک بدل نہ ہو تب تک عقد جائز نہیں ہوتا ہے پس اگر شرط اس طرح داخل ہو تو ایسی مزارعت مشروط فاسد ہوگی اور کبھی عود کر کے جائز نہ ہو جائے گی اگر چہ وہ شخص جس کے واسطے مفاد شرط تھا شرط کو باطل کر دے مثلاً عقد مزارعت میں دونوں نے ایک کے واسطے نصف پیداوار کے ساتھ بیس درہم شرط کیے پھر جس کے واسطے بیس درہم شرط کیے گئے تھے اس نے قبل عمل کے شرط باطل کر دی یا مثلاً دونوں نے کھیتی کاٹنا اور روندنا دونوں میں سے ایک کے ذمہ شرط کیا حتیٰ کہ حکم مذکورہ کتاب کے موافق فاسد ہوا پھر[3] جس کے واسطے یہ شرط تھی اس نے یہ شرط باطل کر دی تو عقد مذکور جائز نہ ہو جائے گا اور اگر ایسی شرط صلب عقد میں داخل نہ ہو بلکہ عقد سے مستفاد ہو یعنی اس طور سے کہ اس کے واسطے بدل میں سے کچھ حصہ نہ ہو مثلاً مزارعت میں دونوں میں سے ایک کے واسطے خیار مجہول ۲ یا میعاد مجہول کی شرط کی پھر جس کے واسطے شرط تھی اس نے مفسد مقرر ہونے سے پہلے شرط مذکور کو ساقط کر دیا تو ہمارے علمائے ثلاثہ کے نزدیک عقد مزارعت منقلب ہو کر جائز ہو جائے گا اور اگر ایسی شرط دونوں کے واسطے مشروط ہو تو تقرر مفسد سے پہلے جب تک دونوں اس کے ابطال پر متفق نہ ہوں تب تک عقد منقلب ہو کر جائز نہ ہو جائے گا اور فقط ایک کے باطل کرنے سے یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ منقلب ہو کر جائز ہو جائے اس لیے کہ شرط مفسد دوسرے کے واسطے باقی رہے گی اور اس قدر فساد عقد کے واسطے کافی ہے اور اگر دونوں نے یہ شرط لگائی کہ ایک شخص اپنا حصہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دے تو مزارعت فاسد ہوگی پھر اگر بائع نے یا مشتری نے اس شرط کو باطل کیا تو عقد جائز نہ ہو جائے گا ہاں اگر دونوں نے متفق ہو کر باطل کر دی تو عقد منقلب ہو کر جائز ہو جائے گا اور اگر ایک نے دوسرے پر یہ شرط لگائی کہ پیداوار میں سے اپنا حصہ مجھے ہبہ کر دے تو مزارعت فاسد ہوگی پھر اگر موہوب لہ نے قبل عمل کے یہ شرط باطل کر دی تو عقد جائز ہو جائے گا اور ہمارے بعضے مشائخ نے فرمایا ہے کہ فقط موہوب لہ کے باطل کرنے سے واجب ہے کہ عقد مزارعت جائز نہ ہو جائے لیکن اصح وہی ہے جو کتاب میں مذکور ہے۔

ل واضح ہو کہ عبارت الاصل یہ ہے۔ فان البدل من صلب العقد فی المعاوضات الایجوز لعقد بدونہ یہ عبارت محرف ہے واللہ اعلم اور میرے نزدیک تحقیق وہ ہے جو ترجمہ ہوا اور حاصل یہ کہ جو عقد ایسا ہو کہ طرفین سے مبادلہ ہے تو جب تک صلب عقد اور لباب معاملہ کے مقابلہ میں عوض نہ ہو تو یہ عقد معاوضہ نفس ذات میں نہ رہا پس باطل ہو جائے گا جیسے بیع بغیر ثمن کے بیع نہیں ہے پھر جب یہ شرط مذکور داخل صلب عقد ہے تو ضرور اس کے مقابلہ میں عوض ہوگا اسی طرح جس شرط کے مقابلہ میں عوض ہو اور وہ عقد میں مشروط ہو تو وہ داخل صلب عقد ہوگی فافہم۔ ۲ خیار مجہول یعنی یہ نہیں بتلایا کہ کس کے واسطے خیار ہے۔

(۱) یہ ہر ایک دبالغات مقصود ہوئی ہے۔ (۲) اور شرط باطل ہے۔ ۳ جس کے نفع کے واسطے۔

پیداوار کا جید ہونا ☆

اگر کسی شخص نے اپنی زمین دوسرے کو آدھے کی بٹائی پر دی اور بعض کام کاشتکار پر یا اپنے اوپر شرط کیے تو اس میں دو صورتیں ہیں اوّل یہ کہ بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں پس اس میں تین صورتیں ہیں یا تو اس نے کاشتکاری کے بعض کام کاشتکار کے ذمہ شرط کیے اور باقی سے سکوت کیا یا ایسے بعض کام اپنے اوپر شرط کیے اور باقی سکوت کیا یا بعض کار مزارعت اپنے اوپر شرط کیے اور بعض کاشتکار کے ذمہ شرط کیے پس اگر بعض کاشتکار کے ذمہ شرط کر کے باقی سے سکوت کیا ہو مثلاً زمین جوتنا و زراعت کرنا اس کے ذمہ شرط کر کے سینچنے کے ذکر سے سکوت کیا تو اس میں چھ صورتیں ہیں یا تو زمین ایسی ہو گی کہ بدوں سینچے اس میں کچھ پیدا نہ ہو یا کچھ پیدا نہ ہو یا کچھ پیدا ہو مگر ایسا نہ ہو جیسا ایسی زمین سے پیداوار ہونے کی امید ہے اور ان دونوں صورتوں میں مزارعت فاسد ہو گی اس طرح اگر اس زمین سے بدوں سینچنے کے ایسی کھیتی اگے جیسی اس زمین سے امید ہے لیکن بدوں سینچنے کے خشک ہو جاتی ہے تو بھی مزارعت فاسد ہو گی اور اگر اس زمین سے جیسی امید ہے ویسے کھیتی اگے اور بدوں سینچنے کے خشک نہ ہو مثلاً یہ زمین ایسے شہر میں واقع ہو جہاں بارش کثرت سے ہوتی ہے تو مزارعت جائز ہو گی اس طرح اگر سینچنے سے اتنا فائدہ ہو کہ پیداوار جید ہو جائے تو بھی مزارعت جائز[1] ہو گی اس طرح اگر یہ معلوم نہ ہو کہ آیا سینچنے سے پیداوار جید ہو گی یا یونہی ہو گی بایں طور کہ یہ معلوم نہ ہو کہ بارش زیادہ ہو گی یا کم ہو گی تو بھی یہی حکم ہے۔ دوسری صورت میں یہ ہے کہ جب مالک زمین نے بعض کام مثلاً سینچنا اپنے ذمہ شرط کیا اور باقی کے ذکر سے سکوت کیا تو اس کا حکم اسی بنا پر ہے جیسا ہم نے ذکر کیا[2] ہے کہ اگر یقیناً معلوم ہو کہ پیداوار میں سے اس سینچنے کی کچھ تاثیر نہیں ہے تو مزارعت جائز ہو گی اگرچہ اس مزارعت میں مالک زمین کے ذمہ کار زراعت مشروط ہے اور اس کے ماسوائے سب صورتوں میں مزارعت فاسد ہے اور اگر مالک زمین نے سینچنا اپنے ذمہ شرط کیا اور باقی کاشتکار پر رکھا تو یہ صورت اور جب کہ سینچنا اپنے ذمہ شرط کیا اور باقی کے ذکر سے سکوت کیا ہے دونوں یکساں ہیں تیسری صورت یہ کہ بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں اور مالک زمین نے بعض کام کاشتکار کے ذمہ شرط کیے مثلاً تخم ریزی اس کے ذمہ شرط کی اور مثلاً سینچنے کے ذکر سے سکوت کیا تو مزارعت جائز ہے۔

اگر بعض کام مالک زمین نے اپنے اوپر شرط کیے اور بعض کاشتکار کے ذمہ شرط کیے تو اس کا حکم ویسا ہی ہے جیسا حکم کہ مالک زمین کی طرف بیج ہونے کی صورت میں جب مالک زمین نے بعض کام اپنے اوپر شرط کیے ہیں یا بعض اپنے اوپر اور بعض کاشتکار پر شرط کیے ہیں مذکور ہوا ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنی زمین اور بیج دوسرے کو دیے اور مزارعت اس شرط سے قرار دی کہ جو بیج تو نے زمین جوت کر بو لے اس میں یہ بٹائی اور جو بغیر جوتے بو دیے اس میں یہ بٹائی اور اگر جوت کر اور پھر دوبارہ جوت کر بوئے اس میں یہ حساب بٹائی کا ہو گا تو یہ جائز ہے اس طرح اگر یوں کہا کہ اس زمین میں سے جو زمین تو نے جوت کر زراعت کی اس میں یہ بٹائی اور اس میں سے جو زمین بغیر جوتی ہوئی زراعت کی اس میں یہ بٹائی ہو گی تو بھی جائز ہے اور جو کام کاشتکار نے اس میں سے اختیار کیا اس کو بٹائی میں وہی ملے گا جو اس کے مقابلہ میں شرط کیا گیا ہے اور مشائخ نے فرمایا[3] کہ مسئلہ ثانیہ میں جو حکم مذکور ہے وہ خطا ہے اس کے صحیح ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے اور ہر گاہ اس نے (اس زمین میں سے) کہا تو مزارعت کا فاسد ہونا واجب ہے کیونکہ جب اس نے (اس زمین میں سے) یہ لفظ کہا تو یہ لفظ تبعیض پر بولا جاتا ہے پس اس نے یہ شرط لگائی کہ بعض زمین جوت کر بوئے اور بعض بغیر جوتی بوئے اور یہ بعض ٹکڑا مجہول ہے اس کی مقدار معلوم نہیں پس یہ مزارعت کے فاسد ہونے کا موجب ہوا اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ اس کی صحت کی دلیل چند مسائل ہیں۔ جو امام محمدؒ نے کتاب الاصل میں ذکر فرمائے ہیں از انجملہ یہ ہے کہ اگر مالک زمین نے کہا کہ اس زمین میں سے جس میں تو نے گیہوں کی زراعت کی تو تجھے یہ حصہ بٹائی ملے گا اور اس

---

(۱) باوجود عدم شرط کے۔ (۲) سابق میں جابجا صریحاً اشارۃً مذکور ہو چکی ہے۔ (۳) قولہ اس طرح اگر یوں کہا۔

اس زمین میں سے جس میں تو نے جو بوئے تو تجھے یہ بٹائی ملے گی اور اس زمین میں سے جس میں تل بوئے تو تجھے یہ بٹائی ملے گی تو ان صورتوں میں مزارعت فاسد ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ اگر مالک زمین نے کہا کہ اس زمین میں سے جتنی تو نے جمادی الاولی[1] میں بوئی تو تجھے یہ بٹائی ملے گی اور اس میں جتنی تو نے جمادی الآخر میں بوئی تو تجھے یہ بٹائی ملے گی تو یہ مزارعت فاسد ہے اور از انجملہ یہ مسئلہ ہے کہ اگر مالک زمین نے کہا کہ اس زمین میں سے جتنی تو نے بارش کے پانی سے بو کر تیار کی تو تجھے یہ بٹائی ملے گی اور اس میں سے جتنی تو نے چرس و ڈول سے سینچکر تیار کی اس میں تجھے یہ بٹائی ملے گی تو مزارعت فاسد ہے اور شیخ امام جلیل ابوبکر محمد بن الفضلؒ فرماتے تھے کہ جو حکم مسئلہ سابقہ یعنی جوتنے کے مسئلہ میں مذکور ہوا ہے وہ صاحبینؒ کا قول ہے اور ان مسائل میں جو حکم امام محمدؒ نے ذکر فرمایا ہے یہ بنا بر قول امام ابوحنیفہؒ کے ہے یعنی اگر امام اعظمؒ کے نزدیک مزارعت جائز ہوتی تو ایسے مسائل میں یہ حکم دیتے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ کلمہ منہا من میں جس کا ترجمہ اس میں سے ہے امام اعظمؒ کے نزدیک تبعیض کے واسطے ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک صلہ کے واسطے بولا گیا ہے پس صاحبینؒ کے موافق حاصل جواب ان سب مسائل میں یہ نکلا کہ مزارعت جائز ہے جیسا کہ جوتنے کے مسئلہ میں مذکور ہے۔

لفظ من کو شیخ موصوف نے سب مسائل میں صلہ کے واسطے قرار دیا ہے اور سوائے شیخ موصوف کے اور مشائخ نے فرمایا کہ ان مسائل میں جو حکم مذکور ہے وہ بھی صاحبینؒ کا قول ہے اور جوتنے کے مسئلہ میں جو حکم مذکور ہے وہ بھی صاحبینؒ کا قول ہے اور یہ مشائخ لفظ من کو سب مسائل میں تبعیض کے واسطے قرار دیتے ہیں اس وجہ سے کہ حقیقۃً از روئے لغت یہ کلمہ تبعیض کے واسطے ہے ہاں صلہ کے واسطے آتا ہے مگر مجازاً آتا ہے اور ہمارا کلام اس کے معنی حقیقی میں ہے اور بریں تقدیر مسئلہ میں جہالت ضرور ثابت ہوگی لیکن جوتنے کے مسئلہ میں یہ جہالت یعنی مقدار زمین کا مجہول ہونا موجب فساد مزارعت اس وجہ سے نہ ہوگا کہ تاکہ مزارعت[a] کے وقت یہ جہالت زائل ہوگئی اور جب یہ جہالت وقت تاکد مزارعت کے زائل ہوئی تو بمنزلہ اس کے ہوا کہ گویا باوقت عقد مزارعت کے زائل تھی مگر جو گیہوں کے مسئلہ میں وقت تاکد عقد مزارعت کے بھی یہ جہالت قائم رہے گی کیونکہ گیہوں بویا ہوا ٹکڑا اور جو بویا ہوا ٹکڑا جب معلوم ہوگا کہ جب وہ تخم ریزی کر چکے مگر تخم ریزی کرنے کے وقت جو تاکد عقد کا وقت ہے یہ معلوم نہ ہوگا پس تاکد عقد کے وقت جہالت قائم ہوگی اور یہی صورت جمادی الاولیٰ و جمادی الآخری کے مسئلہ میں ہے اور یہی بات سینچنے کے مسئلہ میں بھی ہے کیونکہ سینچنے سے اس کی مراد وہ سینچنا ہے جو ان لوگوں میں متعاد تھا یعنی تخم ریزی کے بعد پانی دینا پس تاکد عقد کی وقت جہالت باقی رہے گی حتیٰ کہ اگر اس سینچنے سے زراعت سے پہلے سینچنا مراد ہو تو مثل جوتنے کے مسئلہ کے اس میں بھی مزارعت صحیح ہوگی کیونکہ تاکد کے وقت جہالت زائل ہوگئی اور اگر عقد میں بعض کے لفظ سے تصریح کر دی ہو مثلاً یوں کہا کہ اگر اس زمین میں سے بعض ٹکڑا تو نے جوت کر بویا اس میں تجھے یہ بٹائی ملے گی اور جو بعض ٹکڑا تو نے بغیر جوتے اس زمین میں سے بویا اس میں تجھے یہ بٹائی ملے گی پس آیا عقد فاسد ہوگا سو اس کو امام محمدؒ نے کتاب میں نہیں ذکر فرمایا اور بقیاس قول امام ابوبکر محمد بن الفضلؒ کے مزارعت فاسد ہونا چاہیے یہ ذخیرہ میں ہے۔

اگر کسی شخص کو اپنی زمین اس واسطے دی کہ امسال اس میں اپنے بیجوں سے اور اپنی کاشت سے زراعت کرے بدیں شرط کہ اگر اس نے جمادی الاول کی پہلی تاریخ کھیتی بوئی تو تمام پیداوار دونوں میں نصفا نصف تقسیم ہوگی اور اگر جمادی الثانی کی پہلی تاریخ کھیتی بوئی تو دو تہائی پیداوار مالک زمین کی اور ایک تہائی کاشتکار کی ہوگی تو جس عالم نے مزارعت کو جائز رکھا اس کے نزدیک بنا بر قیاس قول

[a] تاکہ یعنی جس وقت عقد مزارعت جم کر مضبوط ہوتا ہے اس وقت مجہول نہیں رہا۔

(۱) یہ ان کے موسم زراعت کے موافق ہے۔

امام اعظمؒ کے شرط اوّل جائز ہے اور شرط دوم فاسد ہے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے قول میں دونوں شرطیں جائز ہیں پس بنا بر قیاس قول امام اعظمؒ کے اگر اس نے جمادی الاوّل میں زراعت کی تو پیداوار دونوں میں نصفا نصف مشترک ہو گی اور اگر اسنے جمادی الثانی میں زراعت کی تو پوری پیداوار اس کی ہو گی جس کی طرف سے بیج ہوں پس اگر عامل کی طرف سے ہوں تو اس پر زمین کا اجر المثل واجب ہو گا اور اگر مالک زمین کی طرف سے ہوں تو اس پر کاشتکار کا اجر المثل واجب ہو گا اور صاحبینؒ کے نزدیک چونکہ دونوں شرطیں جائز ہیں لہٰذا اگر اس نے جمادی الثانی میں زراعت کی تو تمام پیداوار دونوں میں تین تہائی ہو گی اور اگر یوں کہا کہ بدیں شرط کہ جو کچھ اس زمین میں فلاں روز بوئے اس کی پیداوار ہم دونوں میں نصفا نصف ہو گی اور جو کچھ اس زمین میں سے فلاں روز بوئے اس کی پیداوار ہم دونوں میں اس طرح ہو گی کہ دو تہائی مالک کی اور ایک تہائی کاشتکار کی ہو گی تو یہ سب فاسد ہے اور اگر مسئلہ اولیٰ میں کاشتکار نے نصف زمین اوّل تاریخ جمادی الاوّل میں بوئی اور نصف زمین اوّل تاریخ جمادی الثانی میں بوئی تو جس قدر اس نے وقت اوّل میں بوئی ہے اس کی پیداوار دونوں میں موافق شرط کے نصفا نصف ہو گی اور جس قدر وقت دوم میں بوئی ہے وہ بقیاس قول امام اعظمؒ بیجوں والے کی ہو گی اور موافق قول صاحبینؒ کے دونوں میں موافق شرط کے مشترک ہو گی بخلاف اس کے جس طرح اس نے مسئلہ ثانیہ میں کہا ہے کہ جو کچھ اس زمین میں سے تو نے الآخرۃ کہ اس صورت میں ایسا حکم نہیں ہے اور اگر یوں کہا کہ بدیں[1] شرط کہ اگر کاشتکار نے کھیتی کو چرس یا دولاب سے سینچا تو کاشتکار کی دو تہائی اور مالک زمین کی ایک تہائی ہو گی اور اگر اس کو نہر کے پانی یا بارش کے پانی سے سینچا تو پیداوار دونوں میں نصفا نصف ہو گی تو یہ مزارعت موافق شرط کے جائز ہے اور یہ حکم امام اعظمؒ کے دوسرے قول کے قیاس پر ہے اور امام اعظمؒ کے اوّل قول کے قیاس پر دونوں شرطیں فاسد[1] ہوں گی اور اگر یوں کہا کہ جس قدر اس زمین میں سے چرس سے سینچکر تیار کی اس کی پیداوار میں سے ایک تہائی مالک کی اور دو تہائی کاشتکار کی ہو گی اور اگر اس کو نہر کے پانی سے سینچا تو پیداوار دونوں میں نصفا نصف ہو گی تو یہ مزارعت فاسد ہے۔ (یعنی بالاتفاق فاسد ہے علیٰ قول جمہور المشائخ اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے علیٰ قول الامام ابی بکر محمد بن الفضلؒ) کذافی المبسوط۔

اگر ایک شخص نے اپنی زمین دوسرے شخص کو اس شرط پر دی کہ اگر اس نے گیہوں بوئے تو پیداوار دونوں میں برابر مشترک ہو گی اور اگر اس نے جو بوئے تو تمام پیداوار کاشتکار کی ہو گی تو یہ جائز ہے کیونکہ مالک نے اس کو مزارعت و اجارہ میں مختار کر دیا ہے پس اگر اس نے گیہوں بوئے تو پیداوار دونوں میں نصفا نصف مشترک ہو گی اور اگر جو بوئے تو پوری پیداوار کاشتکار کی ہو گی اور اگر زمین اس شرط سے دی کہ اگر کاشتکار نے گیہوں بوئے تو دونوں میں نصفا نصف ہوں گے اور اگر جو بوئے تو تمام پیداوار مالک کی ہو گی تو یہ عقد گیہوں کے حق میں جائز ہے یعنی اگر گیہوں بوئے تو دونوں میں برابر مشترک ہوں گے اور اگر جو بوئے تو تمام پیداوار کاشتکار[2] کی ہو گی اور کاشتکار پر واجب ہو گا کہ مالک زمین کو زمین اجر المثل دے دے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کو اپنی زمین اور ایک کر گیہوں اور ایک کر جو اس شرط سے دیے کہ اگر اس نے گیہوں بوئے تو پیداوار دونوں میں برابر مشترک ہو گی اور سب مالک کو واپس کرنے واجب ہوں گے اور اگر اس نے جو بوئے تو تمام پیداوار مالک زمین کی ہو گی اور کاشتکار اس کے سب گیہوں اس کو واپس کر دے گا تو یہ سب

---

[1] صاحبینؒ کے نزدیک دونوں جائز ہیں۔ [2] قال المترجم یہ اس صورت میں ہے کہ بیج کاشتکار کے ہوں جیسا کہ سیاق سے واضح ہے ورنہ اگر مالک کے بیج ہوں گے پیداوار مالک کی ہو گی اور مالک پر واجب ہو گا کہ کاشتکار کو اجر المثل ادا کرے۔

(۱) چنانچہ مذکور ہوا کہ سب فاسد ہے۔

موافق دونوں کے شرط کرنے کے جائز ہے اور اگر جو کی تمام پیداوار کاشتکار کے واسطے مشروط کی ہو تو بھی (۱) جائز ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنی زمین دوسرے کو اس شرط سے دی کہ اس میں اپنے بیجوں سے بدیں شرط زراعت کرے کہ اگر اس نے گیہوں بوئے تو پیداوار دونوں میں برابر مشترک ہوگی اور اگر جو بوئے تو پوری پیداوار کاشتکار کی ہوگی اور اگر تل بوئے تو پوری پیداوار مالک زمین کی ہوگی تو یہ عقد گیہوں اور جو کے حق میں جائز ہے اور تلوں کے حق میں فاسد ہے اور اگر اس صورت میں بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو یہ جائز ہے کیونکہ مالک نے اس کو تین باتوں میں مختار کیا کہ چاہے مزارعت کرے یا استعانت کرے یا زمین عاریت قبول کرے اور بیج قرض قبول کرے اور ایسا کرنا اجارہ[۱] محضہ میں جائز ہے یہ محیط میں ہے ایک شخص نے دوسرے کو اپنی زمین دی کہ اس سال اس میں اپنے بیجوں سے اس شرط سے زراعت کرے کہ اگر اس نے گیہوں بوئے تو پیداوار دونوں میں برابر مشترک ہوگی اور اگر اس میں جو بوئے تو مالک زمین کے واسطے تہائی ہوگی اور گر تل بوئے تو چوتھائی مالک زمین کی ہوگی تو یہ عقد موافق دونوں کے اشتراط کے جائز ہے اس لیے کہ مالک زمین کے حق میں بیج چھڑکانے کے وقت عقد کا تاکد ہوگا اور اس حالت میں معلوم ہو جائے گا کہ کون بیج بوئے ہیں اور اگر بعض ٹکڑے میں جو بوئے اور بعض تل بوئے تو بھی موافق اشتراط کے جائز ہے جس قسم کے بیج میں جو شرط ٹھہرائی ہے اسی کے موافق رکھا جائے گا یہ ظہیریہ میں ہے۔

اگر تیس برس کے واسطے اپنی زمین دوسرے کو اس شرط سے دی کہ اس میں گیہوں یا جو یا غلہ ربیع وخریف کا بوی اوہ دونوں میں نصفا نصف تقسیم ہوگا اور اس زمین میں سے جہاں درخت لگایا یا انگور لگائے یا خرما کے درخت جمائے وہ دونوں میں تین تہائی ہوں گے کہ مالک زمین کی ایک تہائی اور عامل کی دو تہائی ہوگی تو یہ عقد موافق اشتراط باہمی کے جائز ہے خواہ اس نے کل زمین میں دونوں قسم میں سے ایک ہی قسم کا اگایا یا بعضی زمین میں زراعت کی اور بعض میں تاک انگور وغیرہ لگائی سب ظاہر الروایہ کے موافق جائز ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے ایک شخص نے اپنی زمین دوسرے شخص کو بشرط اس کے بیجوں اور اس کے بیل سے اس شرط پر زراعت کرنے کے واسطے دی کہ بعض ٹکڑے میں گیہوں بوئے اور بعض ٹکڑے میں جو بوئے اور بعض میں تل بوئے پس زمین سے جس قدر ٹکڑے میں سے گیہوں بوئے گا اس میں آدھے کی بٹائی اور جس قدر ٹکڑے میں جو بوئے گا اس میں مالک کی ایک تہائی اور جس قدر ٹکڑے میں تل بوئے گا اس میں مالک زمین کی دو تہائی ہوگی تو یہ سب فاسد ہے اور جب عقد فاسد ٹھہرا تو پوری پیداوار بیج والے کی ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر اپنی زمین ایک شخص کو اس سال اپنے بیجوں و بیل واپنے کام سے بدیں قرارداد کہ کار زراعت کے واسطے اپنے مال سے مزدور مقرر کرے مزارعت پر دی تو یہ جائز ہے اور اگر دونوں نے یہ شرط لگائی کہ مالک زمین کے مال سے مزدور مقرر کرے تو یہ مزارعت فاسد ہے کیونکہ مالک زمین کے مزدور کے ساتھ کام کرنا شرط کرنا مثل مالک زمین کے ساتھ کام کرنے کے ہے حالانکہ یہ مفسد مزارعت ہے اس طرح اگر دونوں نے یہ شرط کی کہ کاشتکار اپنے مال سے بدیں شرط مزدور مقرر کرلے کہ کاشتکار پیداوار میں سے پہلے یہ مال مزدوری واپس نکال لے پھر جو باقی رہے اس کی دونوں میں بٹائی ہو تو یہ بھی فاسد ہے کیونکہ پیداوار میں سے جس قدر کاشتکار کے واسطے واپس نکال لینا شرط کیا وہ ایسا ہے کہ گویا کاشتکار کے واسطے ابتداء مشروط کیا اور چونکہ یہ مقدار (۱) معلوم ہے اس واسطے ایسا ہو گیا کہ گویا کاشتکار کے واسطے پیداوار میں سے کچھ قفیزیں معلوم مشروط کر دیں حالانکہ یہ ناجائز ہے اور اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں اور دونوں نے یہ شرط کی

---

[۱] اجارہ محضہ یعنی جن کا بیان کتاب الاجارت میں گذرا سوائے خاص اجارہ کے جو مزارعت ہے۔

(۱) مقدار شائع نہیں ہے۔

کہ کاشتکار اپنے مال سے مزدوروں کی مزدوری دے تو جائز ہے اور اگر مالک زمین کے مال سے مزدوروں کی مزدوری شرط کی تو نہیں جائز ہے کیونکہ یہ بمنزلہ اس کے ہے کہ مالک بیج و زمین کاشتکار کے ساتھ کام کرنا شرط کیا اسی طرح اگر دونوں نے یہ مزدوری کاشتکار کے ذمہ مشروط کی مگر بدین شرط کہ کاشتکار اس مال مزدوری کو پیداوار میں سے واپس لے تو بھی فاسد ہے جیسا کہ کاشتکار کے واسطے پیداوار میں سے اتنی مقدار معلوم شرط کرنا فاسد ہے پس ایسے واقعہ میں عقد مزارعت[1] فاسد ہوگا اور پوری پیداوار بیجوں کے مالک کی ہوگی اور کاشتکار کے واسطے اس کے کام اور اس کے مزدوروں کے کام کا اجر المثل واجب ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔

باب چہارم:

مزارعت و معاملت میں مالک زمین و باغ کے خود متولی کار ہو جانے کے بیان میں

امام محمدؒ نے کتاب الاصل میں فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اپنی زمین دوسرے کو آدھے کی بٹائی پر دی پھر مالک زمین نے کارزراعت خود انجام دیا تو اس کی دو صورتیں ہیں اوّل یہ کہ بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں اور اس کی بھی دو صورتیں ہیں اوّل یہ کہ کاشتکار کے حکم سے اس نے کارزراعت انجام دیا اور اس میں تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ کاشتکار نے مالک زمین سے اپنے کام میں مدد لی اور ایسی صورت میں تمام پیداوار دونوں میں موافق شرط کے نصفا نصف ہوگی اور مشائخ نے فرمایا کہ یہ حکم جو امام محمدؒ نے ذکر فرمایا ہے اسی صورت میں ہے کہ زراعت کے وقت مالک زمین نے یہ نہ کہا ہو کہ میں اپنے واسطے اس زمین میں زراعت کرتا ہوں اور اگر یہ لفظ کہہ دیا ہو تو پوری پیداوار مالک زمین کی ہوگی اور مزارعت ٹوٹ جائے گی لیکن امام محمدؒ نے حکم کو مطلقاً بیان فرمایا ہے اور شیخ الاسلام نے فرمایا کہ جیسا کہ حکم مطلقاً امام محمدؒ نے بیان فرمایا ہے وہی صحیح ہے دوسری صورت یہ کہ کاشتکار نے کچھ درہم معلومہ پر مالک زمین کو مزدور کیا کہ کارزراعت انجام دے پس ایسی صورت میں اجارہ باطل ہوگا اور مزارعت اپنے حال پر رہے گی اور تیسری صورت یہ ہے کہ کاشتکار نے مالک زمین کو یہ زمین اپنے حصہ میں سے کچھ بٹائی دینے کی شرط پر مزارعت کے واسطے دی تو ایسی صورت میں یہ دوسرا عقد مزارعت فاسد ہوگا اور پہلی مزارعت اپنے حال پر رہے گی یہ سب اس صورت میں کہ مالک زمین نے بحکم مزارع کارزراعت خود انجام دیا ہو اور اگر بیج مالک کی طرف سے ہوں اور مالک نے بدوں حکم کاشتکار خود کارزراعت انجام دیا ہو تو وہ مزارعت کا توڑ دینے والا ہو جائے گا اور اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں تو ایسی صورت میں کاشتکار کے حکم سے زراعت کرنے اور بلا حکم زراعت کرنے میں ویسا ہی حکم ہے جیسا کہ پہلی صورت میں مذکور ہوا مگر ایک بات سے فرق ہے وہ یہ ہے کہ اس صورت[2] میں اگر مالک زمین نے کاشتکار کے حکم سے یا بلا حکم زراعت کی تو کاشتکار کے واسطے اس کے بیجوں کے مثل بیجوں کا ضامن ہوگا کیونکہ اس نے کاشتکار کے بیج اس کے پاس سے برباد کیے ہیں اور اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں یا کاشتکار کی طرف سے ہوں اور کاشتکار نے مالک زمین کو حکم دیا کہ اس کام کے واسطے ایک مزدور مقرر کر لے تو تمام پیداوار مالک زمین و کاشتکار کے درمیان باہمی شرط کے موافق ہوگی اور مزدور کی مزدوری مالک زمین کاشتکار سے واپس لے گا بخلاف اس کے اگر کاشتکار نے مالک زمین سے استعانت لی اور اس کو کسی مزدور مقرر کرنے کے واسطے حکم نہ دیا کہ ایسی صورت میں مالک زمین مزدوری کاشتکار سے واپس نہیں لے سکتا ہے اور جیسا حکم مزارعت میں مذکور ہوا ہے ویسا ہی معاملت یعنی درختوں کو بٹائی دینے کی صورت میں ہے۔

---

(۱) قولہ اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں۔ (۲) بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں۔

چنانچہ اگر ایک شخص نے دوسرے کو اپنا درخت خرما آدھے کی بٹائی پر اس شرط سے دیا کہ اس کی نرمادی لگائے اور اس کی حفاظت کرے اور اس کو سینچے پھر عامل نے مالک درخت سے اس کام میں استعانت لی اور مالک درخت نے یہ کام کر دیا تو پھلوں کی حاصلات دونوں کی شرط کے موافق دونوں میں مشترک ہوگی اور اگر مالک درخت نے بغیر حکم عامل کے درخت پر قبضہ کر لیا اور یہ کام اپنے آپ انجام دیے تو تمام حاصلات مالک درخت کی ہوگی اور عقد معاملہ ٹوٹ جائے گا اگرچہ مالک درخت بلا عذر عقد معاملہ توڑنے کا اختیار نہیں رکھتا ہے اور گر مالک درخت خرمانے شگوفہ خرما برآمد ہونے کے بعد اپنے عامل کی بلا اجازت خود اس کی پرداخت کی تو پھلوں کی حاصلات دونوں میں مساوی مشترک ہوگی اور اگر مالک نے شگوفہ برآمد ہونے سے پہلے درخت مذکور کو لے لیا اور اس کی پرداخت کی پھر مالک سے عامل نے لے کر اس کی پرداخت کی یہاں تک کہ پھل پورے چھوہارے ہو گئے تو یہ سب پھل مالک درخت کے ہوں گے اور اگر کسی نے اپنی زمین اور بیج کسی دوسرے کو آدھے کی بٹائی پر دیے پھر کاشتکار نے زمین پر قبضہ کرنے کے بعد مالک زمین کو مزارعت پر اس شرط سے دی کہ پیداوار میں سے ایک تہائی کاشتکار کی اور دو تہائی مالک زمین کی ہوگی تو دوسری مزارعت فاسد ہے اور جو کچھ پیداوار ہوگی وہ دونوں میں نصفا نصف[1] ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اگر کسی شخص کو اپنی زمین آدھے کی بٹائی پر دی اور بیج کاشتکار کے ذمہ شرط کیے پھر جب کاشتکار نے اس میں کھیتی بوئی اور سینچی اور وہ اگی تو اس کے بعد کاشتکار کی بلا اجازت مالک زمین آپ خود اور اپنے مزدوروں کو لے کر اس کی پرداخت کرنے لگا اور اس کو سینچا یہاں تک کہ کھیتی تیار ہو کر کاٹی گئی تو تمام پیداوار مالک و کاشتکار کے درمیان موافق باہمی شرط کے مشترک ہوگی اور اگر کاشتکار نے تخم ریزی کر دی مگر ہنوز اس نے پانی نہ دیا اور نہ کھیتی اگی تھی کہ مالک زمین نے کاشتکار کی بلا اجازت اگنے سے پہلے اس کو سینچا تو بدلیل قیاس تمام پیداوار مالک زمین کو ہونی چاہیے کیونکہ بیج اگنے سے پہلے درحقیقت زمین کے اندر رکھا ہوتا ہے آیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ بے تکلیف اس کو مٹی سے صاف کر سکتے ہیں پس اس کا زمین کے اندر ہونا مانند زمین کے اوپر ہونے کے ہوا اور زمین کے اوپر سے اگر مالک زمین بیج لے کر بوئے اور سینچے یہاں تک کہ بیج جم آئے تو مزارعت کا توڑنے والا ٹھہرایا جاتا ہے پس ایسا ہی زمین کے اندر بیج ہونے کی صورت میں بھی حکم ہونا چاہیے لیکن بدلیل استحسان یہ حکم ہے کہ تمام پیداوار دونوں میں موافق شرط مزارعت کے مشترک ہوگی کیونکہ ایسی حالت میں مالک زمین کا سینچنا دلالۃً کاشتکار کی اجازت سے ہوا ہے۔

مذکورہ بالا سلسلہ میں فتویٰ حکم استحسان کے موافق ہے ☆

یہ (مندرجہ بالا) حکم اس صورت میں ہے کہ کاشتکار نے تخم ریزی کی اور مالک نے بدوں اس کی اجازت کے پانی دیا اور اگر کاشتکار کی بلا اجازت مالک نے تخم ریزی کر دی اور ہنوز اگی نہ تھی کہ پھر کاشتکار نے اس کو سینچا اور تمام اس کی پرداخت کی یہاں تک کہ کھیتی تیار ہو کر کاٹی گئی تو ذکر فرمایا کہ تمام پیداوار دونوں میں موافق شرط کے مشترک ہوگی اور اس صورت میں قیاس و استحسان کو ذکر نہ فرمایا اور اگر بیج زمین کے اوپر رکھے ہوں اور مالک نے آکر یہ بیج لے کر خود زراعت کر دی اور کاشتکار سے اجازت نہیں لی تو مزارعت کا توڑنے والا ہوگا اور اگر کاشتکار نے آکر مالک کی بلا اجازت تخم ریزی کی اور سینچا تو پیداوار دونوں میں موافق شرط باہمی کے قیاساً و استحساناً مشترک ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر کسی شخص نے اپنی زمین اور بیج دوسرے شخص کو امسال مزارعت کے واسطے بدیں شرط دی کہ جو کچھ پیداوار ہو وہ ہم دونوں میں نصفا نصف ہوگی اور کاشتکار نے اس میں تخم ریزی کر کے پانی دیا یہاں تک کہ کھیتی اگی پھر بغیر اجازت کاشتکار کے مالک زمین نے خود مع اپنے مزدوروں کے اس کی پرداخت کی اور اس کو سینچا یہاں تک کہ کھیتی تیار[ل] ہو کر کاٹی گئی تو تمام پیداوار دونوں میں نصفا نصف

ل واضح ہو کہ اختصار لائق ور دشدن کشت پر کمیل سانحہ ترجمہ آن چنین گفتہ اصمت و مفاد آن ظاہر است۔

(۱) پہلی بٹائی کے موافق۔

ہوگی اور مالک زمین اپنے کام میں متطوع قرار دیا جائے گا اور اگر مالک زمین نے جو کام خود کر دیا ہے اس کے واسطے کوئی مزدور مقرر کر کے اس سے یہ کام کروایا ہو تو اس کے مزدور کا کام کرنا مثل اس کے کام کرنے کے ہے اور مزدور کی مزدوری مالک کے ذمہ ہوگی کیونکہ اس نے خود ہی مزدور مقرر کیا ہے اور اگر کاشتکار نے تخم ریزی کی اور ہنوز کھیتی اگی نہیں اور نہ کاشتکار نے اس میں پانی دیا تھا کہ اگنے سے پہلے اس کے مالک نے سینچا اور اگی اور برابر اس کی پرداخت کرتا رہا یہاں تک کہ تیار ہو کر کاٹی گئی تو استحسانا تمام پیداوار دونوں میں موافق شرط کے مشترک ہوگی اور مالک زمین اس کام میں متبرع قرار دیا جائے گا اور قیاساً یوں ہونا چاہیے کہ تمام پیداوار مالک زمین کی ہوگی کیونکہ اگنے سے پہلے جو بیج گیہوں زمین کے اندر ہیں وہ ایسے ہیں کہ گویا زمین کے باہر بوروں میں بھرے ہیں مگر فتویٰ اس مسئلہ میں حکم استحسان کے موافق ہے کیونکہ زمین میں بیج ڈالنا اگنے کا سبب ہوتا ہے اور اس وجہ سے قصداً مزارعت فسخ کرنے کا اختیار نہیں رکھتا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر مالک زمین نے تخم ریزی کی اور پانی نہ دیا اور ہنوز کھیتی اگی نہ تھی کہ کاشتکار نے اس کو پانی دیا اور برابر اس کی پرداخت کرتا رہا یہاں تک کہ تیار ہو کر کاٹی گئی تو موافق شرط کے تمام پیداوار دونوں میں مشترک ہوگی اور اگر مالک زمین نے اس کو لے کر زمین میں تخم ریزی کر دی اور سینچا اور کھیتی اگی پھر کاشتکار اس کو پانی دیتا رہا اور پرداخت کرتا رہا یہاں تک کہ کھیتی تیار ہو کر کاٹی گئی تو تمام پیداوار مالک کی ہوگی اور کاشتکار اپنے کام میں متطوع قرار دیا جائے گا اور اس کے واسطے کچھ اجرت نہ ہوگی کذا فی المبسوط۔

باب پنجم:

کاشتکار کا کسی غیر کو مزارعت پر دینے کے بیان میں

اگر کاشتکار نے چاہا کہ زمین کسی دوسرے شخص کو مزارعت پر دے دے پس اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں تو کاشتکار کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ زمین دوسرے شخص کو مزارعت پر دے دے لیکن اگر مالک زمین نے اس کو صریحاً اس بات کی اجازت دی ہو یا دلالۃً اجازت دی ہو مثلاً یوں کہا کہ اس کام میں تو اپنی رائے پر عمل کر تو ایسا کر سکتا ہے اور کاشتکار کو اختیار ہوگا کہ کار زراعت انجام دینے کے واسطے اپنے مال سے مزدور مقرر کر لے بشرطیکہ مالک زمین نے یہ شرط نہ کی ہو کہ کاشتکار خود ہی کار زراعت کرے اور اگر کاشتکار نے کسی غیر کو آدھے کی بٹائی پر زمین مزارعت کے واسطے دے دی حالانکہ مالک زمین نے اس کو صریحاً دلالۃً کسی طرح اس کو اس کام کی اجازت نہ دی تھی تو مذکور ہے کہ کاشتکار اول و کاشتکار ثانی کے درمیان مزارعت جائز ہوگی اور مالک زمین کو کچھ نہ ملے گا اور مالک زمین و بیج کو اختیار نہ ہوگا کہ اپنے بیج دونوں میں سے جس سے چاہے تاوان لے پس اگر اس نے کاشتکار اوّل سے تاوان لیا تو وہ دوسرے کاشتکار سے واپس نہیں لے سکتا ہے اور اگر اس نے دوسرے سے تاوان لیا تو وہ پہلے کاشتکار سے واپس لے گا اور اگر زمین مذکور میں نقصان آ گیا ہو تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اور آخر قول پر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کا نقصان دوسرے کاشتکار پر ہوگا اور کاشتکار اوّل پر نہ ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔

پھر دیکھنا چاہیے کہ جس قدر کاشتکار اوّل کے حصہ میں آیا ہے یعنی نصف پیداوار اس میں سے کاشتکار اوّل کو صرف اسی قدر حلال ہوگا جس قدر اس نے مالک زمین کو تاوان دیا ہے اور زیادتی کو صدقہ کر دے کیونکہ اس نے یہ زیادتی زمین مغصوبہ سے حاصل کی ہے اور جس قدر دوسرے کاشتکار کے حصہ میں آیا اس کی بابت مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہ سب اس کو حلال ہے اور اگر مالک زمین و بیج نے کاشتکار کو صریحاً یا دلالۃً اس بات کی اجازت دے دی ہو مثلاً کہہ دیا ہو کہ اس میں اپنی رائے سے کام کر اور مالک زمین نے اس کے ساتھ

آدھی بٹائی کی شرط کی تھی پھر کاشتکار اوّل نے دوسرے کاشتکار کو آدھے کی بٹائی پر دے دی تو دوسری مزارعت جائز ہوگی اور زمین میں جو کچھ پیداوار ہوگی اس میں سے نصف مالک زمین کی اور نصف دوسرے کاشتکار کی ہوگی اور پہلا کاشتکار درمیان سے نکل جائے گا اور اگر کاشتکار اول نے دوسرے سے یہ شرط کی ہو کہ آدھی پیداوار تو مالک زمین کی ہوگی اور آدھی ہم دونوں میں تین تہائی یا آدھوں آدھ ہوگی تو یہ بھی جائز ہے اور تمام پیداوار ان سب میں موافق شرط کے تقسیم ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اگر کسی شخص کو اپنی زمین اور بیج اس شرط سے دیے کہ اس سال اس میں آدھے کی بٹائی پر زراعت کرے اور یہ نہ کہا کہ اس میں اپنی رائے سے کام کرے پھر کاشتکار نے دوسرے کاشتکار کو یہ زمین اس شرط سے دی کہ اس سال انہیں بیجوں سے اس میں بدیں شرط زراعت کرے کہ دوسرے کی پیداوار میں سے ایک تہائی ہوگی اور اوّل کی دو تہائی ہوگی پس دوسرے نے اس شرط سے زراعت کی تو تمام پیداوار دونوں میں اس شرط کے موافق جو ان دونوں کے باہمی عقد میں ٹھہری ہے تقسیم ہوگی اور پہلا کاشتکار بغیر رضامندی مالک زمین کے دوسرے کاشتکار کو پیداوار میں شریک کرنے کی وجہ سے خلاف کرنے والا ہو گیا پس مالک زمین کو اختیار ہوگا کہ دونوں میں سے جس سے چاہے اپنے بیجوں کا تاوان لے اور اس طرح قول امام محمدؒ اور اوّل قول امام ابو یوسفؒ کے موافق نقصان زمین کا تاوان بھی دونوں میں سے جس سے چاہے لے پس اگر اس نے دوسرے سے تاوان لیا تو یہ سب تاوان کاشتکار اوّل سے واپس لے گا اور اگر اس نے اوّل سے تاوان لیا تو وہ دوسرے سے کچھ نہیں لے سکتا ہے۔

قول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور آخر قول امام ابو یوسفؒ کے موافق نقصان زمین کا تاوان فقط دوسرے کاشتکار سے لے سکتا ہے پھر دوسرا اس کو اوّل سے واپس لے گا پھر کاشتکار اوّل اپنے حصہ پیداوار میں سے جس قدر اس نے بیجوں کی ضمان دی اور تاوان دیا ہے نکال لے گا اور باقی کو صدقہ کر دے گا اور دوسرا کاشتکار اپنے حصہ میں سے کچھ صدقہ نہ کرے گا اور اگر مالک زمین نے کاشتکار اوّل سے یہ کہا ہو کہ اس میں اپنی رائے سے عمل کر اور باقی مسئلہ بحالہ ہو تو دوسرے کاشتکار کو تہائی پیداوار ملے گی اس وجہ سے کہ کاشتکار اوّل نے عقد صحیح کے ساتھ اس کے واسطے تہائی پیداوار شرط کر دی پس یہ پیداوار خاصۃً اسی کے حصہ میں سے رکھی جائے گی پس یہ پیداوار کا شتکار اوّل کے حصہ کی دو تہائی ہوئی اور مالک زمین نصف پیداوار کا مستحق ہوگا جیسا کہ اس نے اپنے واسطے شرط کر لی تھی اور کاشتکار اوّل کے حصہ میں سے باقی ایک تہائی حصہ یعنی تمام پیداوار کا چھٹا حصہ وہ اس کاشتکار اوّل کو ملے گا کہ اس نے کار زراعت کے انجام دہی کی ضمانت کر لی تھی اور اگر اس طرح واقع ہوا کہ مالک زمین نے بیج اور زمین اس شرط پر کاشتکار کو دیے کہ اس سال اس میں زراعت کرے سو جو کچھ اس میں اللہ تعالیٰ روزی کرے وہ ہم دونوں میں نصفا نصف ہوگا اور اگر کہہ دیا کہ اس بات میں اپنی رائے پر عمل کرے پھر کاشتکار نے اس کو کسی دوسرے[1] کاشتکار کو آدھے کی بٹائی پر دے دیا تو جائز ہے اور تمام پیداوار میں سے نصف اس دوسرے کو ملے گی اور باقی نصف پیداوار مالک زمین اور کاشتکار اوّل کے درمیان نصفا نصف ہوگی اس واسطے کہ اس صورت میں مالک نے اپنے واسطے تمام پیداوار کا نصف شرط نہیں کیا بلکہ فقط یہ شرط کی ہے کہ کاشتکار اوّل کو جو کچھ خدا تعالیٰ روزی کرے اس کا نصف میرا ہوگا پس یہ پیداوار کاشتکار دوم کا حصہ نکال کر جو باقی رہے وہ ہے پس وہ دونوں میں نصفا نصف ہوگی اور صورت سابقہ میں یہ تھا کہ مالک زمین نے اپنے واسطے تمام پیداوار کا نصف شرط کر لیا تھا پس کاشتکار اوّل کا دوسرے کے ساتھ عقد مزارعت کرنے سے مالک کا حق کم نہ ہوگا اسی طرح اگر مالک زمین نے کاشتکار سے یوں شرط کیا ہو کہ اس میں جو کچھ پیداوار تجھے اللہ تعالیٰ دے وہ ہم دونوں میں نصفا نصف ہوگی یا جو کچھ اس کی پیداوار میں سے تیرے ہاتھ آئے وہ ہم دونوں میں نصفا نصف ہوگی تو یہ قول اور قول مذکور کو جو کچھ اس میں اللہ تعالیٰ روزی کرے دونوں یکساں ہیں اور اگر مالک نے اس سے یہ نہ کہا ہو کہ اس میں اپنی رائے پر عمل کر اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو دوسرے کاشتکار کے زراعت کرنے کے وقت کاشتکار اوّل

---

[1] دوسرے الخ کیونکہ رائے پر عمل کرنے میں یہ اجازت بھی شامل ہے فافہم۔

خلاف کرنے والا اور ضامن ہو جائے گا اور تمام پیداوار دونوں کاشتکاروں میں نصفا نصف ہو گی اور مالک زمین کو اس میں سے کچھ نہ ملے گا اور مالک زمین اپنا بیج دونوں میں سے جس سے چاہے تاوان لے اور نقصان زمین کے تاوان لینے میں اختلاف ہے جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا ہے۔

اگر دوسرے نے ہنوز زراعت نہ کی ہو کہ اس کے پاس بیج تلف ہو گئے یا زمین غرق ہو گئی اور فاسد ہو گئی اور اس میں ایسا عیب پیدا ہو گیا کہ جس سے زمین میں نقصان آ گیا تو اس سے ان دونوں میں سے کسی پر تاوان لازم نہ ہوگا اس لیے کہ پہلا کاشتکار زمین و بیج دوسرے کاشتکار کو فقط دے دینے سے ضامن نہیں ہو جاتا ہے آیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ اگر اس نے زمین و بیج کسی دوسرے شخص کو دے کر اس سے کار زراعت میں استعانت چاہی یا اس کو کار زراعت کے واسطے اجیر مقرر کیا تو مخالف نہیں ہوتا ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر کاشتکار اوّل نے دوسرے کاشتکار سے استعانت لی ہو تو تمام پیداوار کاشتکار اوّل اور مالک زمین کے درمیان مشترک ہو گی اور اگر کاشتکار اوّل نے دوسرے کو یہ زمین عاریت دے دی تا کہ اپنے واسطے اس میں زراعت کر لے تو عاریت دینا جائز ہے اور جب مستعیر اس میں زراعت کرے گا تو تمام پیداوار اس کی دی جائے گی اور پہلا کاشتکار تمام زمین کا اجر المثل اس کے مالک کو تاوان دے گا کیونکہ اس نے آدھی[1] پیداوار دینے پر مالک زمین سے زمین اجارہ پر لی تھی حالانکہ مالک زمین کو پیداوار میں سے کچھ نہ دیا اور اس صورت میں اور اس دوسری صورت میں کہ کاشتکار نے زمین کسی کو عاریت نہ دی اور نہ خود زراعت کی یا عاریت دی مگر مستعیر نے اس میں زراعت نہ کی ان دونوں میں فرق ہے کہ اس صورت ثانیہ میں کاشتکار پر مالک زمین کے واسطے زمین کے اجر المثل میں سے کچھ واجب نہ ہوگا یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر کسی نے دوسرے کو زمین دی کہ اس سال اس میں اپنے بیجوں سے بدیں شرط زراعت کرے کہ تمام پیداوار ہم دونوں میں نصفا نصف ہو گی اور کہہ دیا کہ اس میں اپنی رائے سے کام کرے یا یہ نہ کہا پھر کاشتکار نے یہ زمین اور اس کے ساتھ بیج بھی کسی دوسرے کاشتکار کو آدھے کی بٹائی پر دے دے تو یہ جائز ہے پھر جب پیداوار حاصل ہوئی تو اس میں سے آدھی دوسرے کاشتکار کی اس کے کام کے مقابلہ میں ہو گی جیسے کہ کاشتکار اوّل یعنی بیجوں کے مالک نے شرط کر دی تھی اور آدھی مالک زمین کے منافع میں ہو گی جیسے کہ بیجوں کے مالک یعنی کاشتکار اوّل نے یہ شرط کر دی تھی اور کاشتکار اوّل کو کچھ نہ ملے گا اور اگر دوسرے کاشتکار کے واسطے دونوں مسئلوں میں تہائی پیداوار کی شرط کی ہو تو جائز ہے اور دوسرے کو ایک تہائی اور مالک زمین کو آدھی ملے گی اور چھٹا حصہ کاشتکار اوّل کا ہوگا اور اس کا حلال ہوگا اور اگر کاشتکار اوّل کو اس شرط سے زمین دی کہ اس میں اپنے بیجوں سے آدھے کی بٹائی پر زراعت کرے پھر کاشتکار اوّل نے دوسرے کو اس شرط سے کہ اس میں اپنے بیجوں سے اس شرط سے زراعت کرے کہ دو تہائی پیداوار دوسرے کاشتکار کی ہو گی اور ایک تہائی کاشتکار اوّل کی ہو گی اور اس نے اسی شرط سے زراعت کی تو پیداوار میں سے دو تہائی دوسرے کاشتکار کی ہو گی اس واسطے کہ جو کچھ پیدا ہوا ہے وہ اس کے بیجوں سے پیدا ہوا ہے پس اس کے بیجوں کی پیداوار میں سے کوئی غیر کچھ نہیں لے سکتا ہے الاشرط کے ساتھ اور شرط میں اس نے فقط تہائی پیداوار کاشتکار اوّل کے واسطے مشروط کی ہے پھر یہ تہائی پیداوار مالک زمین کی ہو گی اور مالک زمین کا کاشتکار اوّل پر تہائی زمین کا اجر المثل واجب ہوگا۔

اگر بیج کاشتکار اوّل کی طرف سے ہوں تو دو تہائی پیداوار دوسرے کاشتکار کی ہو گی جیسے کہ کاشتکار اوّل نے شرط کی ہے اور تہائی پیداوار مالک زمین کی ہو گی اور مالک زمین کا کاشتکار اوّل پر اپنی تہائی زمین کا اجر المثل واجب ہوگا کذا فی المبسوط باب تولیۃ المزارع و مشارکۃ والبذر من قبلہ اور اگر کسی شخص کو اپنی زمین اور بیج بدین شرط مزارعت پر دی کہ پیداوار میں سے بیس قفیز کاشتکار کی اور باقی پیداوار مالک زمین کی ہو گی اور کاشتکار سے یہ کہہ دیا کہ اس میں اپنی رائے سے کام کرے یا یہ لفظ نہ کہا پھر کاشتکار نے یہ زمین اور بیج کسی دوسرے

---

[1] اقول یا اس صورت میں ہے کہ بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں

کاشتکار کو آدھے کی بٹائی پر دے دے اور اس نے زراعت کی تو تمام پیداوار مالک زمین کی ہوگی اور دوسرے کاشتکار کا اپنے کام کا اجر المثل پہلے کاشتکار پر اور پہلے کاشتکار کا اپنے اس کام کا اجر المثل مالک زمین پر واجب ہوگا اس طرح اگر اس زمین میں کچھ نہ پیدا ہوا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر کسی کاشتکار کو اپنی زمین اور بیج آدھے کی بٹائی پر دیے اور کہا کہ اس میں اپنی رائے سے کام کرے یا یہ لفظ نہ کہا پھر کاشتکار نے دوسرے کاشتکار کو اس شرط سے کہ اس کو پیداوار میں سے بیس قفیز ملیں گے مزارعت پر دی تو اوّل وثانی کے درمیان مزارعت فاسد ہے اور دوسرے کا اوّل پر اپنے کام کا اجر المثل واجب ہوگا اور تمام پیداوار کاشتکار اوّل اور مالک زمین کے درمیان نصفا نصف ہوگی اور کاشتکار کو زمین اس شرط سے دی کہ اپنے کام اور اپنے بیجوں سے بدیں شرط مزارعت کرے کہ بیس قفیز پیداوار مالک زمین کی ہوگی اور باقی کاشتکار کی ہوگی یا بیس قفیز کاشتکار کی اور باقی مالک زمین کی ہوگی پھر کاشتکار نے یہ زمین دوسرے کاشتکار کو آدھے کی بٹائی پر دے دی اور بیج کاشتکار اوّل کی طرف سے ٹھہرے یا کاشتکار دوم کی طرف سے ٹھہرے پس دوسرے کاشتکار نے زراعت کی تو تمام پیداوار دونوں کاشتکاروں میں نصفا نصف ہوگی اور مالک زمین کے واسطے اس کی زمین کا اجر المثل کاشتکار اوّل پر واجب ہوگا اور اگر دونوں کاشتکاروں کی عقد مزارعت واقع ہو جانے کے بعد قبل اس کے کہ کاشتکار دوم بیج کی زراعت شروع کرے مالک زمین نے چاہا کہ اپنی زمین لے لے اور جو عقد مزارعت دونوں میں ہوا ہے اس کو توڑ دے تو اس کو ایسا اختیار ہے پس اگر عقد دوہم میں بیج کاشتکار دوہم کی طرف سے ہو تو اس کے اور کاشتکار دوم کے درمیان نقض عقد ہوگا کیونکہ عقد اوّل بسبب فاسد ہونے کے مستحق نقض تھا اور اگر بیج کاشتکار اوّل کی طرف سے ہو تو کاشتکار اوّل کا دوسرے کاشتکار کو کار زراعت کے واسطے اجارہ لینا توڑا جائے گا یہ بھی بسبب اس کے کہ عقد اوّل فاسد تھا اور اگر دوسرے کاشتکار نے کار زراعت شروع کر دیا ہو یعنی بیج بو دیا ہو تو مالک زمین کو زمین لینے کا اختیار نہ ہوگا یہاں تک کہ کھیتی کاٹی جائے اور اگر مالک زمین نے کاشتکار اوّل کو آدھے کی بٹائی پر زمین دے دی اور کہا کہ اس میں اپنی رائے سے کام کرے یا یہ لفظ نہ کہا ہو پھر کاشتکار اوّل نے کاشتکار دوم کو زمین اور اس کے ساتھ بیج بھی بیس قفیز پیداوار پر مزارعت کے واسطے دی تو دوسرا عقد فاسد ہوگا اور دوسرے کاشتکار کا اجر المثل کاشتکار اوّل پر واجب ہوگا اور تمام پیداوار کاشتکار اوّل و مالک زمین کے درمیان نصفا نصف ہوگی اور اگر اس صورت میں بیج دوسرے کاشتکار کی طرف سے ہو تو تمام پیداوار اسی کی ہوگی اور اس پر واجب ہوگا کہ اوّل کاشتکار کو زمین کا اجر المثل دے اور کاشتکار اوّل پر واجب ہوگا کہ مالک زمین کو اس کی زمین کا اجر المثل دے کذا فی المبسوط فی باب مشارکة العامل مع الآخر۔

کچھ ایسی شرائط کی بابت جس میں نصفا نصف طے کرنے کے باوجود اُلجھن رہ جائے ☆

مالک زمین مثلاً زید نے اپنی زمین کاشتکار مثلاً عمرو نامے کو اس کو واسطے دی کہ ہم دونوں کے بیجوں سے زراعت کرے اور بیل عمرو کی طرف سے ٹھہرے بدین شرط کہ جو کچھ پیدا ہو وہ ہم دونوں میں نصفا نصف ہوگا پھر عمرو نے اپنے حصہ میں ایک شخص خالد کو شریک کر لیا جس نے اس کے ساتھ کار زراعت انجام دیا تو مزارعت اور شرکت دونوں فاسد ہیں اور تمام کھیتی زید و عمرو کے درمیان دونوں کے بیجوں کی مقدار کے حساب سے مشترک ہوگی اور زید کا آدھی زمین کا اجر المثل عمرو پر واجب ہوگا اور خالد کا اپنے کام کا اجر المثل بھی عمرو پر واجب ہوگا کیونکہ اس نے بطور[1] اجارہ فاسدہ کے کام کیا ہے اور عمرو کا اپنے کام کا اجر المثل زید پر واجب نہ ہوگا کیونکہ اس نے ایسی چیز میں کام کر دیا ہے جس میں وہ شریک تھا پس شرکت کی وجہ سے مستحق اجرات نہ ہوگا اور عمرو پر لازم ہوگا کہ اپنے خرچہ اور بیجوں کی مقدار اور تاوان کی مقدار حاصلات میں سے نکال کر جو کچھ بڑھے اس کو صدقہ کر دے کیونکہ یہ زیادتی اس کو غیر شخص کی زمین سے اجارہ فاسدہ کے ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔ ایک شخص نے اپنی زمین ایک کاشتکار کو اس شرط سے دی کہ اپنے بیجوں اور بیل سے

---

[1] یہ اجر المثل واجب ہونے کی دلیل ہے۔

اس دوسرے شخص کے ساتھ زراعت کرے بدیں شرط کہ جو کچھ اس میں پیداوار ہو گی وہ تین تہائی اس طرح ہو گی کہ ایک تہائی مالک زمین کی اور ایک تہائی بیجوں اور بیل والے کی اور ایک تہائی دوسرے شخص کارگزار کی ہو گی پس یہ مزارعت مالک زمین اور پہلے کاشتکار کے حق میں صحیح ہے اور عامل کارگزار کے حق میں فاسد ہے پس پیداوار میں سے ایک تہائی مالک زمین کی ہو گی اور دو تہائی کاشتکار اوّل کی ہو گی اور دوسرے[1] کاشتکار کا اجر المثل واجب ہو گا حالانکہ اس صورت میں یہ واجب تھا کہ مزارعت سب کے حق میں فاسد ہو جائے کیونکہ بیجوں کے مالک یعنی کاشتکار اوّل نے زمین کا اجارہ لینا اور عامل یعنی کارزراعت انجام دینے والے کا اجارہ لینا ایک میں جمع کر لیا ہے اور اس مسئلہ میں اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں تو مزارعت سب کے حق میں صحیح ہو گی اور تمام پیداوار ان سب میں موافق شرط کے مشترک ہو گی کذا فی البدائع۔

باب نہم:

ایسی مزارعت کے بیان میں

جس میں معاملہ[2] مشروط ہو۔ اگر مزارعت میں معاملہ مشروط ہو تو دیکھا جائے گا کہ اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں تو مزارعت اور معاملت دونوں فاسد ہوں گی اور اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں اور اگر مزارعت اور معاملت دونوں جائز ہوں گی اور اگر مزارعت میں معاملہ مشروط نہ ہو بلکہ بطور عطف بیان کیا گیا ہو تو مزارعت جائز ہے خواہ بیج دونوں میں سے کسی کی طرف سے ہوں اور اگر ایک شخص نے اپنی زمین مزروعہ جس میں درختان خرما ہیں دوسرے شخص کو اس شرط سے دی کہ اس کو اپنے بیجوں سے زراعت اور درختوں میں کام کرے بدیں شرط کہ جو کچھ اس میں حاصلات ہو گی وہ ہم دونوں میں نصفا نصف ہو گی اور چند سال معلومہ کے واسطے یہ عقد مشروط قرار دیا تو یہ عقد فاسد ہے اس واسطے کہ زمین کے حق میں کاشتکار اس زمین کو نصف پیداوار پر اس شرط سے اجارہ لینے والا ہے کہ اپنے بیجوں اور اپنے کام سے زراعت کرے اور درختوں کے حق میں درختوں کا مالک کاشتکار کو آدھی حاصلات پر اجارہ لینے والا ہے پس یہ دونوں عقد بوجہ اس کے کہ ہر ایک میں معقود علیہ[3] مختلف ہے باہم مختلف ہوئے حالانکہ ایک عقد دوسرے میں مشروط ہے اور یہ امر مفسد عقد ہے کذا فی المحیط۔ پھر جو کچھ حاصلات ہو گی اس میں زمین کی تمام پیداوار بیجوں کے مالک کی ہو گی اور اس پر واجب ہو گا کہ مالک زمین کو اس کی زمین کا اجر المثل دے اور بیجوں کی مقدار اور تاوان کو پیداوار میں سے نکال کر جس قدر بڑھے اس کو صدقہ کر دے کیونکہ یہ زیادتی اس نے غیر شخص کی زمین سے بذریعہ عقد فاسد حاصل کی ہے اور درختوں کی پوری حاصلات درختوں کے مالک کی ہو گی اور سب حاصلات اس کے واسطے پاک و حلال ہو گی اور اس پر واجب ہو گا کہ عامل کو اس کے کام (۱) جر المثل دے اور اگر درختوں کی حاصلات کی بابت دونوں میں تہائی دو تہائی کی شرط ٹھہری ہو یا کھیتی کی بابت تہائی دو تہائی کی شرط ٹھہری ہو تو بھی حکم یہی (۲) ہو گا اور اگر زراعت کے حق میں بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو عقد مذکور جائز ہو گا کیونکہ اس صورت میں مالک زمین نے کاشتکار کو اس غرض سے اجارہ لیا کہ میری زمین و درختوں کا کام انجام دے پس عقد دونوں میں واحد ہو گا بدیں وجہ کہ معقود[3] علیہ واحد ہے یعنی کاشتکار کی ذات سے منفعت حاصل کرنا۔

اسی طرح اگر مالک نے کاشتکار سے شرط کر لی درختوں کے پھلوں میں سے نو دسویں[4] حصے پر اور زراعت میں سے نصف پر

[1] یعنی کاشتکار اوّل کے ذمے واجب ہو گا۔ [2] معاملہ یعنی درختوں کا بٹائی پر دینا۔ [3] معقود علیہ جس پر عقد ٹھہرا وہ فقط کاشتکار کی ذاتی منفعت یعنی محنت و مشقت ہے۔ [4] مثلاً یعنی دس حصہ میں سے نو حصے لوں گا۔ (۱) یعنی درختوں میں جو اس نے محنت کی ہے۔ (۲) وہ مذکور ہوا ہے۔

بٹائی ہوگی تو بھی جائز ہے اس واسطے کہ تخم مشروط کی مقدار مختلف ہونے سے عقد مختلف نہیں ہوتا ہے بلکہ معقود علیہ مختلف ہونے سے مختلف ہوتا ہے اور اگر اپنی زمین و باغ انگور اسی طرح سے شرط کر کے دوسرے شخص کو دیا تو اس کا حکم بھی ویسا ہی ہوگا جیسا کہ درختاں خرما کی صورت میں مذکور ہوا ہے اور اگر ایک شخص نے اپنی زمین مزروعہ جس میں درختاں خرما ہیں دوسرے شخص کو دی اور کہا کہ میں تجھے یہ زمین دیتا ہوں کہ تو اپنے بیجوں اور اپنے کام سے اس میں زراعت کر بدیں شرط کہ جو کچھ اس میں پیداوار ہوگی وہ ہم دونوں میں نصفا نصف ہوگی اور میں تجھے یہ درخت معاملت پر اس شرط سے دیتا ہوں کہ تو ان درختوں کو سینچا کر اور نر مادی لگا اور جو کچھ اس میں سے حاصلات ہوگی وہ ہم دونوں میں نصفا نصف ہوگی یا تجھے تہائی ملے گی اور مجھے دو تہائی اور اس عقد کے واسطے چند سال معلومہ کا پٹہ دے دیا تو یہ جائز ہے کیونکہ اس صورت میں اس نے ایک عقد کو دوسرے میں مشروط نہیں کیا ہے بلکہ معطوف کیا ہے اسی طرح اپنی زمین اور باغ انگور دوسرے شخص کو دیا اور کہا کہ تو اس زمین میں اپنے بیجوں سے زراعت کر اور اس باغ انگور کا جو کام ہے اس کو انجام دے کہ اس کو پیراستہ کر اور پانی دیا کر تو یہ عقد صحیح ہے کیونکہ اس نے ایک عقد کو دوسرے میں مشروط نہیں کیا ہے کذا فی المبسوط۔

باب بفتم:

مزارعت میں خلافِ شرط عمل کرنے کے بیان میں

اگر ایک شخص نے دوسرے کو اپنی زمین اس شرط سے دی کہ اس میں گیہوں کی زراعت کرے تو کاشتکار کو سوائے گیہوں کے دوسری چیز کا اختیار نہیں ہے اگرچہ دوسری قسم کا اناج زمین کے لحاظ سے اُگنا آسان ہو اور بہ نسبت گیہوں کے زمین کے حق میں کم مضر ہو اسی طرح اگر یوں کہا خذ ھذہ الارض تزرعھا حنطتہ او لتزرعھا حنطتہ او قال فازرعھا حنطتہ بالفاء یعنی یہ زمین لے کہ تو اس میں گیہوں کی زراعت کرے یا تاکہ اس میں گیہوں کی زراعت کرے یا لے کر اس میں گیہوں کی زراعت کر تو یہ سب شرط ہیں حتیٰ کہ اگر اس نے سوائے گیہوں کے دوسرے چیز بوئی تو مخالف ہو[1] جائے گا کذا فی خزانۃ المفتیین اور اگر یوں کہا کہ وازرعھا حنطتہ بالواو یعنی یہ زمین لے اور اس میں گیہوں کی زراعت کرنا پس آیا یہ شرط ہے یا مشورہ[2] ہے تو اس مسئلہ کو کتاب المزارعۃ میں ذکر نہیں فرمایا اور کتاب المضاربۃ میں یوں ذکر فرمایا کہ اگر ایک شخص کے ہزار درہم دوسرے شخص کو مضاربت پر دے اور کہا کہ تو یہ درہم آدھے کی مضاربت پر لے اور ان سے کوفہ میں کام کرنا یہ مشورہ ہے حتیٰ کہ اگر اس نے سوائے کوفہ کے دوسری جگہ کام کیا تو خلاف کرنے والا ہوگا۔ پس ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا کہ واجب ہے کہ مزارعت میں بھی یہی حکم ہوئے اور شیخ امام ابوبکر محمد بن الفضلؒ فرماتے تھے کہ مزارعت میں یہ لفظ شرط قرار دیا جائے گا اس واسطے کہ اس کی شرط قرار دینے کی صورت میں یہ کلام تخم کی قسم کا بیان ہو جائے گا پس مزارعت قیاساً و استحساناً دونوں طرح جائز ہو جائے گی اور اگر ہم اس لفظ کو مشورہ قرار دیں تو تخم کی قسم کا بیان نہ ہوا پس مزارعت قیاساً جائز نہ ہوئی بخلاف مضاربت[3] کے یہ محیط میں ہے۔

ایک سال کے معیادی کاشتکار نے زمین میں زراعت کی پھر سب کھیتی ٹیڑیاں کھا گئیں یا اکثر کھیتی کھا گئیں اور کچھ تھوڑی سی بچ رہی پس کاشتکار نے چاہا کہ باقی مدت میں اس میں کوئی دوسری چیز بوئے مگر مالک زمین نے اس کو منع کیا تو مشائخ نے فرمایا کہ اگر

---

(۱) یعنی بخلاف شرط عمل کرنے والا۔ (۲) یعنی بطور مشورہ ذکر کیا ہے۔ (۳) مضاربت میں مشورہ قرار دینے سے بھی مضاربت قیاساً استحساناً جائز رہتی ہے۔

دونوں میں کسی قسم معین کے بیج بونے کی شرط پر مزارعت ٹھہری ہو تو کاشتکار کو اس کے سوائے دوسرے قسم کے بیج بونے کا اختیار نہ ہوگا اور اگر عقد مزارعت عام ہو کہ جو چاہے بوئے یا مزارعت مطلقہ[1] ہو تو کاشتکار کو اختیار ہوگا کہ باقی مدت میں جو چاہے بوئے اور مؤلفؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک اگر دونوں میں کسی خاص قسم کے بیج بونے کی شرط پر مزارعت ٹھہری ہو تو بھی چاہیے کہ اس کو اختیار ہو کہ جو تخم زمین کے حق میں تخم مشروطہ کے مثل ہو یا اس کی بہ نسبت ضرر میں کم ہو وہ بوئے کذا فی فتاوی قاضی خان میں ہے۔

باب ہفتم:

مالک زمین و درخت کی طرف سے یا کاشتکار و عامل کی طرف سے کمی و بیشی کرنے کے بیان میں

اصل یہ ہے کہ اگر معقود علیہ ایسی حالت میں ہو کہ ابتدائے مزارعت اس پر جائز ہو تو اس پر بڑھانا بھی جائز ہوگا اور اگر ایسی حالت میں ہو کہ ابتدائے عقد مزارعت اس پر جائز نہ ہو تو اس پر زیادہ کرنا بھی جائز نہ ہوگا کیونکہ بدل بڑھانے کا اعتبار اصل پر ہے اور اصل کسی معقود علیہ کی مقتضی ہے تاکہ اس کے مقابلہ میں ہو پس اس طرح زیادت بھی کسی معقود علیہ کی مقتضی ہوگی تاکہ اس کے مقابلہ میں ہو اور کمی کرنا دونوں حالتوں میں جائز ہے کیونکہ کمی کرنا بعض بدل کا ساقط کرنا ہے پس قیام بدل کو چاہتا ہے قیام معقود علیہ کو نہیں چاہتا ہے اور اگر دونوں میں سے ایک نے حصہ پیداوار میں کچھ بڑھایا پس اگر کھیتی پوری تیار ہو جانے اور خرما کی کیریوں کی باڑھ پوری ہو جانے سے پہلے بڑھایا تو جائز ہے کیونکہ پیداوار غلہ پر عقد مزارعت ابتدا سے جائز ہے جس تک کہ یہ پیداوار ابھرتی اور بڑھتی جاتی ہو پس عقد میں اس کی زیادتی بھی جائز ہے جیسا کہ بیع و اجارہ میں ہوتا ہے اور اگر کھیتی پوری تیار ہو جانے اور خرما کی کیریاں پوری بڑھ جانے کے بعد بڑھایا تو جس کی طرف سے بیج اور جس کے درخت ہیں اس کی طرف سے نہیں جائز ہے اور جس کی طرف سے بیج نہیں ہیں اس کی طرف سے جائز ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بیجوں کے مالک کی طرف سے زیادہ کرنا ایسی حالت میں ہے کہ ابتدائے مزارعت ایسی پیداوار پر نہیں[2] جائز ہے پس بدل میں زیادہ کرنے کی تصحیح نہیں ممکن ہے اس واسطے کہ معقود علیہ یعنی منافع[3] ہو چکے ہیں اور یہ بھی تجویز کرنا کہ یہ حط ہے۔ نہیں ممکن ہے کیونکہ جس کی طرف سے بیج ہیں وہ مستاجر ہے اور مستاجر گویا منافع کا مشتری ہے اور مشتری کی طرف سے زیادتی کو گھٹانا تجویز نہیں کیا جا سکتا ہے اس واسطے کہ ثمن اس پر ہوتا ہے اس کا نہیں ہوتا ہے پس ثمن کے مانند اس صورت میں پیداوار ہے پس اس کا حط تجویز کرنا ممکن نہ ہوگا اور رہا وہ شخص جس کی طرف سے بیج نہیں ہیں وہ مواجر ہے اور مواجر کی طرف سے اجرت کا گھٹانا متصور ہے پس اس کی طرف سے بیجوں والے کو پیداوار میں سے کچھ بڑھانا یوں تجویز کیا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنی اجرت میں سے کچھ گھٹا دیا حالانکہ گھٹا دینا معقود علیہ کے فوت ہو جانے کی حالت میں بھی جائز ہے اور ہر چند کہ کھیتی گھٹانے کے وقت[4] مال عین تھی اور عین مال میں گھٹانا نہیں صحیح ہوتا ہے لیکن عقد کے وقت یہ کھیتی[5] عین نہ تھی پس بہ لحاظ عقد کے گھٹانا صحیح ہوا اور جس قدر اپنے حصہ میں سے گھٹا کر دوسرے کے واسطے بڑھایا ہے وہ دوسرے کی ملک ہو گیا جیسا کہ بائع نے اگر ثمن پر قبضہ کر لیا پھر مشتری کے واسطے بعض ثمن گھٹا دیا تو صحیح ہے اگرچہ گھٹانے کے وقت ثمن مال عین ہو گیا تھا یہ محیط سرخسیؒ میں لکھا ہے۔

---

(۱) اس واسطے کہ پوری ہو چکی اب کسی کو اجارہ لینے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ (۲) یعنی منافع بدنی محنت و مشقت۔ (۳) اپنا حق گھٹانا۔
(۴) یعنی اس میں موافق غرض کے کچھ نمود زیادتی نہ تھی بلکہ پوری تیار ہو کر عین ہو گئی تھی۔ (۵) اور گھٹانا بڑھانا اصل عقد کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے۔

اگر دو آدمیوں نے آدھے کی بٹائی پر مزارعت یا معاملت کی اور عامل نے اپنا کام انجام دیا یہاں تک کہ جو کچھ پیدا ہوا تھا وہ حاصل ہوا پھر دونوں میں سے ایک نے دوسرے کے واسطے اپنے حصہ میں سے چھٹا حصہ بڑھایا کہ دوسرے کی دو تہائی ہوگئی اور دوسرا اس بات پر راضی ہوگیا پس اگر یہ امر کھیتی پوری تیار ہونے اور پھلوں کی باڑھ پوری ہونے سے پہلے واقع ہوا تو جائز ہے اور اگر کھیتی پوری تیار ہونے اور پھلوں کی باڑھ پوری تیار ہونے کے بعد واقع ہوا پس اگر بڑھانے والا مالک زمین ہو یا مالک درختان نے معاملہ میں بڑھایا ہو تو باطل ہے اور اگر دوسرے نے یعنی عامل نے ایسا کیا تو جائز ہے اور اسی طرح اگر مالک زمین نے جس[1] کی طرف سے بیج نہ ہوں اس نے عامل کے واسطے جس کی طرف سے بیج ٹھہرے ہیں بڑھایا تو بھی جائز ہے اور اگر معاملہ یا مزارعۃ میں آدھے کی بٹائی کی شرط کی اور دونوں نے ایک کے بیس درہم شرط کیے تو مزارعت و معاملت فاسد ہوگی بیج چاہے جس کی طرف سے ٹھہرے ہوں یا کسی نے شرط کر دی ہو۔ پھر مزارعت کی صورت میں تمام پیداوار بیج والے کی ہوگی اور معاملت میں تمام حاصلات مالک درختان کی ہوگی اس طرح اگر ایک نے دوسرے کے واسطے بیس قفیز[2] بڑھا دینے کی شرط کی تو بھی یہی حکم ہے یہ مبسوط میں ہے۔

باب نہم:

کھیتی پوری تیار ہونے سے پہلے یا درختوں کے پھل کیری ہونے کی حالت میں مالک زمین کے مرجانے یا مدت گذر جانے کے بیان میں

جو اس کے متصلات ہیں کہ کاشتکار یا عامل کے مرجانے یا مدت عقد کے اندر مر جانے کے بیان میں اور اس باب میں کھیتی کے خرچہ کے بعض مسائل داخل ہیں۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کو اپنی زمین مزارعت پر دی اور بیج کاشتکار کی طرف سے ٹھہرے ہیں پھر کھیتی تیار ہو کر کاٹنے کے لائق ہونے سے پہلے اس کے اگنے کے بعد مالک زمین مر گیا تو بدلیل قیاس یہ حکم ہے کہ عقد مزارعت ٹوٹ جائے اور وارثان[3] مالک کو یہ اختیار ہو کہ اپنی زمین لے لیں اور استحساناً یہ حکم ہے کہ کھیتی کاٹنے کے وقت تک عقد مزارعت باقی رہے گا اور یہ نہ ہوگا کہ از سر نو اجارہ ثابت ہو جائے اور وارثان مالک زمین کو تین طرح کا اختیار حاصل ہو جائے چاہیں تو کھیتی کو اکھاڑیں اور اُکھاڑی ہوئی کھیتی ان لوگوں میں مشترک ہوگی یا چاہیں تو قاضی کے حکم سے زراعت کا خرچہ اُٹھائیں حتیٰ کہ تمام خرچہ حصہ رسد کاشتکار سے واپس لیں گے یا چاہیئے تو کاشتکار کو اس کا حصہ زراعت تاوان دے دیں پس کھیتی وارثوں کی ہو جائے گی یہ سب اس صورت میں ہے کہ کھیتی کرنے کے بعد مالک زمین مر گیا اور اگر کھیتی بونے سے پہلے مر گیا مگر کاشتکار نے زمین میں کچھ درستی کر دی تھی مثلاً زمین کو گوڑ دیا تھا اور اس کی نہریں کھودی تھیں اور مسناۃ[4] درست کر دی تھیں پھر مالک مر گیا تو مزارعت ٹوٹ جائے گی اور کاشتکار کے ان کاموں کی نگہداشت کے واسطے یہ نہ ہوگا کہ عقد باقی رہے اور مالک زمین کھیتی بونے کے بعد اگنے سے پہلے مر گیا پس آیا مزارعت باقی رہے گی یا نہیں سو اس میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے اور اگر اس صورت میں مالک زمین نے انتقال نہ کیا یہ صورت ہوئی کہ کاشتکار نے بونے میں تاخیر کی یہاں تک کہ سال کے آخر میں اس نے کھیتی بوئی اور سال گذر احالانکہ کھیتی ہنوز سا گا تھی قابل کاٹنے کے نہ تھی پھر مالک زمین نے چاہا کہ کھیتی کو اکھاڑ ڈالے اور کاشتکار نے روکا تو مالک زمین کو اکھاڑ ڈالنے کا اختیار نہ ہوگا اور کھیتی میں کاشتکار کے حق کی نگہداشت

---

[1] یعنی زمین دار کی طرف سے اس عقد میں بیج نہیں ٹھہرے ہیں۔ [2] قفیز خلاصہ یہ کہ جب معین چیز بڑھا دے گا تو باطل ہے اور جب پیداوار میں سے حصہ شائع مانند دسواں بیسواں وغیرہ بڑھا دے تو جائز ہے۔ [3] یعنی وارثوں و کاشتکار میں۔ [4] مسناۃ اندرونی نالیاں و بر او غیرہ۔

کے واسطے ان دونوں کے درمیان آدھی کھیتی میں کھیتی کاٹے جانے کے وقت تک حکماً اجارہ ثابت ہو جائے گا حتیٰ کہ کاشتکار مالک زمین کو اس زمین کا آدھا اجر المثل دے گا۔

درصورتیکہ مالک زمین نے پٹہ کی میعاد کے درمیان میں انتقال کیا اور کاشتکار نے کہا کہ میں کھیتی نہیں اکھاڑوں گا تو ازسرنو اجارہ ثابت نہ ہو جائے گا بلکہ عقد مزارعت باقی رہے گا حتیٰ کہ کاشتکار وارثان ملک زمین کو اجر المثل کچھ نہ دے گا اور کھیتی کاٹنے کے قابل ہونے کے وقت تک دونوں پر اس کا کام آدھا آدھا لازم ہوگا اور یہ حکم بخلاف اس صورت کے حکم کے ہے کہ مالک زمین نے سال کے بیچ میں انتقال کیا حالانکہ اس وقت تک کھیتی ساگا تھی تو پورا کام کاشتکار پر واجب ہوگا حتیٰ کہ اس پر کھیتی اکھاڑ لینا لازم نہیں ہے بلکہ زمین کا نصف اجر المثل لازم ہوگا اور یہ حکم اس صورت میں ہے کہ کاشتکار نے کھیتی اکھاڑ لینے کا ارادہ نہ کیا[1] اور اگر کاشتکار نے کھیتی اکھاڑ لینے کا ارادہ کیا تو مالک زمین کو وہی تین اختیارات حاصل ہوں گے جو ہم نے صورت اوّل میں وارثان مالک زمین کے حق میں بیان[2] کیے ہیں اور واضح ہو کہ درصورتیکہ کھیتی ساگا ہونے کی حالت میں مالک زمین نے درمیان میعاد میں انتقال کیا اور درصورتیکہ کھیتی ساگا ہونے کی حالت میں مدت مزارعت گذر گئی ان دونوں صورتوں میں فرق ہے چنانچہ موت کی صورت میں فرمایا ہے کہ اگر وارثوں نے بحکم قاضی کھیتی کا خرچہ اٹھایا تو حصہ رسد تمام خرچہ کاشتکار سے واپس لیں گے اور مدت گذر جانے کی صورت میں حکم فرمایا ہے کہ اگر مالک زمین نے بحکم قاضی کھیتی کا خرچہ اٹھایا تو کاشتکار سے بقدر حصہ رسد نصف قیمت واپس لے گا اور اگر عقد معاملہ کی صورت میں پھل کچے ہونے کی حالت میں پٹہ کی میعاد گذر گئی اور عامل نے کچے پھل توڑنے سے انکار کیا تو بغیر اجارہ کے یہ درخت اس کے پاس چھوڑے جائیں گے بخلاف اس کے اگر عقد مزارعت کی صورت میں کھیتی ساگا ہونے کی حالت میں پٹہ کی میعاد گذر گئی تو یہ زمین کاشتکار کے پاس باجرت چھوڑی جائے گی یہ محیط میں ہے۔

اگر مزارعت میں بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں اور کاشتکار نے زراعت کی پھر کھیتی کے تیار ہو کر کاٹنے کے لائق ہونے سے پہلے کاشتکار مر گیا اور اس کے وارثوں نے کہا کہ ہم لوگ سابق دستور کار زراعت انجام دیں گے تو ان کو یہ اختیار ہے اس واسطے کہ وہ لوگ اپنے مورث کے قائم مقام ہیں اور ان کے واسطے کچھ اجرت نہ ہوگی اور نہ[(1)] ان پر کچھ اجرت واجب ہوگی اور اگر انہوں نے کہا کہ ہم کام نہیں کرتے ہیں تو ان پر جبر نہ کیا جائے گا اور مالک زمین سے کہا جائے گا کہ تو کھیتی اکھاڑ لے وہ تیرے اور وارثوں کے درمیان نصفا نصف[3] ہوگی یا ان لوگوں کو ان کے حصہ زراعت کی قیمت دے دے یا کھیتی میں ان کے حصہ کا خرچہ اٹھا اور تیرا خرچہ ان لوگوں کے حصہ پیداوار میں سے وصول ہوگا اور اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں اور جب کھیتی ساگا ہوئی تب ہی مزارعت کی میعاد گزر گئی تو دونوں میں سے جو شخص دوسرے کے غائب ہونے کی حالت میں کھیتی کی بابت کچھ خرچ کرے گا وہ اس خرچہ میں متطوع[(2)] قرار دیا جائے گا اور مالک زمین کاشتکار کے ذمہ کچھ پوتہ واجب نہ ہوگا اور اگر مالک زمین کے غائب ہونے کی حالت میں کاشتکار نے یہ امر قاضی کے سامنے پیش کیا تو قاضی اس کو حکم دے گا کہ اپنے دعویٰ کے گواہ پیش کرے۔ پھر اگر گواہ پیش کرنے میں تاخیر ہوئی اور کھیتی خراب ہو جانے کا خوف ہوا تو قاضی اس سے فرما دے گا کہ اگر تو سچا ہے تو میں نے تجھے کھیتی کی درستی میں خرچ کرنے کا حکم دیا پس اس طرح حکم دینے سے نظر اصلاح حاصل ہو جائے گی اس واسطے کہ اگر کاشتکار مذکور سچا ہوگا تو حکم مذکور اپنے موقع پر ہوا اور اگر جھوٹا ہوگا تو قاضی کی طرف سے کوئی حکم ثابت نہ ہوا اور قاضی کاشتکار پر نصف زمین کا اجر المثل لازم کرے گا یہ ظہیریہ میں ہے۔

---

[1] بلکہ اکھاڑنے سے کاشتکار نے روکا۔ [2] قولہ چاہیں تو کھیتی کو اکھاڑیں الخ شروع باب دیکھو۔ [3] جبکہ عقد مزارعت میں آدھے کی بٹائی ٹھہری تھی۔

(1) زمین کا پوتہ۔ (2) دوسرے سے اس کے حصہ کے موافق واپس نہیں لے سکتا ہے۔

کھیتی پوری تیار ہونے سے پہلے مزارعت کی میعاد گذر جائے تو ☆

اگر کسی شخص نے اپنی زمین اور اپنے بیج کسی کاشتکار کو دیے کہ اس سال اس میں بدیں شرط زراعت کرے کہ پیداوار دونوں میں نصفا نصف ہوگی پس کاشتکار نے زراعت کی اور ہنوز کھیتی کاٹنے کے لائق نہ ہوئی تھی کہ کاشتکار چھوڑ کر بھاگ گیا پھر مالک زمین نے بحکم قاضی کھیتی کے کام میں خرچ کیا یہاں تک کہ کھیتی تیار ہوئی پھر کاشتکار آیا تو جب تک مالک زمین کو اس کا پورا خرچہ نہ دے تب تک کاشتکار کو کھیتی[1] میں سے لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی اور واضح ہو کہ قاضی مالک زمین کو خرچہ کا حکم نہ دے گا جب تک کہ مالک زمین اپنے قول کے گواہ پیش نہ کرے کیونکہ مالک زمین ایسا دعویٰ کرتا ہے کہ قاضی کو لازم آتا ہے کہ اس کھیتی کی بابت بنظر اصلاح خرچ کرنے کا حکم فرمائے حالانکہ قاضی اس کا باعث نہیں جانتا ہے پس اس کو اس بات کے واسطے گواہ پیش کرنے کا حکم دے گا اور حال کھلنے کے واسطے ایسے گواہ مدعی کی طرف سے بغیر خصم کے قبول کرے گا یا خود قاضی اس میں خصم ہوگا جیسا کہ ودیعت اور لقطہ کی صورت میں خرچہ نفقہ کے دعویٰ میں ہوتا ہے پھر جب اس نے گواہ قائم کیے تو قاضی کا اس کو خرچہ کا حکم دینا مثل مستودع کو خرچہ اور نفقہ کا حکم دینے کے ہوگا پس اس کو اختیار ہوگا کہ جو کچھ اس نے خرچ کیا ہے وہ واپس لے کذا فی المبسوط اور اگر دونوں نے مقدار خرچہ میں اختلاف کیا تو مزارع کا قول قبول ہوگا مگر مزارع سے اس کے علم پر قسم لی جائے گی کذا فی المحیط اور کاشتکار بھاگ نہ گیا بلکہ یہ صورت ہوئی کہ کھیتی پوری تیار ہونے سے پہلے مزارعت کی میعاد گذر گئی حالانکہ کاشتکار غائب ہے تو قاضی مالک زمین سے فرمائے گا کہ اگر تیرا جی چاہے تو اپنے خرچہ سے کھیتی کو تیار کر پھر جب کھیتی کاٹنے کے لائق ہو جائے گی تو کاشتکار جب تک تیرا خرچہ نہ دے گا تب تک کھیتی کو ہاتھ نہیں لگا سکے گا اور اگر اس نے تیرا خرچہ دینے سے انکار کیا تو میں اس کا حصہ زراعت فروخت کر کے اس کے ثمن میں سے تیرا خرچہ دے دوں گا اور اگر اس کا حصہ زراعت تیرا خرچہ ادا ہونے کے واسطے کافی نہ ہوگا تو تیرا اس سے زیادہ اس پر کچھ نہ ہوگا پھر اگر کاشتکار نے مالک زمین کو اس کا خرچہ دینے سے انکار کیا تو قاضی اس کا حصہ فروخت کرے گا بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہ حکم بنا بر قول صاحبینؒ کے ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قاضی اس کا حصہ زراعت فروخت نہ کرے گا اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ بالا اجماع سب کے نزدیک ہے اور ان مسائل میں دونوں میں سے کوئی شخص جو کچھ کھیتی اس کے حصہ میں آئی ہے اس میں سے کچھ صدقہ نہ کرے گا کیونکہ جس سبب سے ہر ایک کو اپنا حصہ ملا ہے اس میں کوئی خبث و فساد متمکن نہیں ہوا ہے یہ مبسوط میں لکھا ہے۔

اگر مزارعت کی میعاد گذر گئی حالانکہ ہنوز کھیتی ساگا ہے اور کاشتکار یا مالک دونوں میں سے کوئی غائب ہے پس اگر مالک زمین غائب ہوا اور کاشتکار نے قاضی کے سامنے مرافعہ کیا تا کہ قاضی اس کو حکم دے کہ کھیتی کی درستی میں اپنے پاس سے خرچ کرے تو قاضی اس کو حکم نہ دے گا جب تک کہ اس دعویٰ کے گواہ نہ لائے کہ یہ کھیتی میرے اور فلاں غائب کے درمیان مشترک ہے پس جب اس نے اس دعویٰ کے گواہ قائم کیے تب اس کو خرچ کرنے کا حکم دے گا اور ان گواہوں کی سماعت کرنا اس واسطے نہیں ہے کہ غائب[2] پر حکم فرمائے چنانچہ اگر مالک زمین نے حاضر ہو کر شرکت سے انکار کیا اور کہا کہ یہ زمین اور کھیتی سب میری ہے تو نے مجھ سے غصب کر لی ہے تو کاشتکار کو اس سے اپنا خرچہ واپس لینے کا حق حاصل نہ ہوگا جب تک کہ دوبارہ اس بات کی گواہ پیش نہ کرے کہ یہ کھیتی ہم دونوں میں مشترک ہے بلکہ اس گواہی کی سماعت فقط اس وجہ سے ہے کہ حفاظت قاضی کے ذمہ واجب ہے کیونکہ مدعی نے جو دعویٰ کیا اس سے مراد

---

[1] کھیتی یعنی پیداوار میں سے کچھ نہیں لے سکتا جب تک خرچہ مالک کو نہ دے۔ [2] خرچہ یعنی مثلاً زید آیا اور کہا کہ یہ بکری میرے پاس ودیعت ہے یا یہ میرے پاس لقطہ ہے آپ اس پر خرچہ کا حکم دیجیے تا کہ مجھے مالک سے خرچہ واپس ملے۔ [3] غائب الخ یعنی غائب پر حکم دینا جائز نہیں ہے تو یہاں گواہوں کی سماعت کچھ اس غرض سے نہیں ہے بلکہ خرچہ کا حکم دینے کے واسطے ہے۔

یہ ہے کہ قاضی پر حفاظت واجب ہے اس وجہ سے کہ غائب کے مال کی حفاظت کرنا قاضی پر واجب ہے پس قاضی کو اختیار رہا کہ مدعی کے محض دعویٰ پر یہ بات اپنے ذمہ لازم نہ کرے تاوقتیکہ مدعی اپنے دعویٰ کے گواہ قائم نہ کرے پھر گواہ قائم کرنے سے پہلے قاضی کو اختیار ہے چاہے اس کو اس طرح حکم دے دے کہ اگر یہ واقعہ ایسا ہی ہے جیسا تو بیان کرتا ہے تو میں نے تجھے خرچ کرنے کا حکم دیا اور گواہ قائم کرنے کے بعد اس کو مطلقاً(۱) حتماً خرچ(۲) کرنے کا حکم دے گا اور فرمائے گا کہ تو خرچ کر اور اگر گواہ قائم کرنے سے پہلے قاضی کو کھیتی خراب ہو جانے کا خوف ہوا تو قاضی اس کو شرطیہ خرچ کرنے کا حکم دے گا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے (یعنی اگر بات یوں ہے جیسی تو بیان کرتا ہے تو میں نے تجھے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے) اور واضح ہو کہ قاضی نے جو فرمایا کہ اگر یہ واقعہ ایسا ہی ہے جیسا تو بیان کرتا ہے اس کی مراد یہ ہے کہ اگر یہ کھیتی فلاں شخص اور تیرے درمیان مشترک ہے تو میں نے تجھے خرچ کرنے کا حکم کیا ہے یہ ذخیرہ میں ہے اور فتاویٰ عتابیہ میں لکھا ہے۔

اگر اس نے بغیر حکم قاضی کے خرچ کیا تو متبرع(۳) قرار دیا جائے گا اور کاشتکار پر آدمی زمین کا اجرالمثل واجب نہ ہوگا اسی طرح اگر غائب نے حاضر ہو کر اس کے خرچ کرنے سے انکار کیا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر مدت مزارعت گزرنے سے پہلے کاشتکار غائب ہو گیا تو قاضی کے حکم سے جو شخص حاضر ہے یعنی مالک زمین خرچ کرے گا اور جو کچھ خرچ کیا ہے وہ سب کاشتکار سے واپس لے گا خواہ کھیتی رہے یا تلف ہو جائے اس طرح اگر کاشتکار تنگدست ہو اس کے پاس خرچ کرنے کو نہ ہو تو بھی یہی حکم ہے جو ہم نے بیان کیا ہے اور اگر اس نے بغیر حکم قاضی خرچ کیا تو متبرع قرار دیا جائے گا اور اگر کاشتکار خوشحال ہو تو خرچ کرنے پر مجبور کیا جائے گا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر مزارعت کی مدت گذر گئی حالانکہ کھیتی ساگا ہے اور مالک زمین نے کھیتی اکھاڑنی چاہی اور کاشتکار نے انکار کیا تو جو اختیارات کہ مالک زمین کو حاصل ہوئے ہیں وہ کاشتکا کو حاصل نہ ہوں گے چنانچہ اگر کاشتکار نے کہا کہ میں مالک زمین کے حصہ زراعت کی قیمت اس کو دیے دیتا ہوں تو بدوں رضامندی مالک زمین کے ایسا اختیار نہیں رکھتا ہے اور اگر کاشتکار نے اکھاڑنی چاہی اور مالک زمین نے ا س کو اس کے حصہ کی قیمت دینی چاہی تو بدوں رضامندی کاشتکار کے اس کو یہ اختیار ہے اور فرق یہ ہے کہ مالک زمین صاحب اصل ہے اور کاشتکار صاحب تبع ہے اور مالک اصل بدوں رضامندی صاحب تبع کے تابع کا مالک ہو جا سکتا ہے اور صاحب تبع بدوں رضامندی صاحب اصل کے اصل کا مالک نہیں ہو سکتا ہے کذا فی المحیط۔

باب دوم:

دو[1] شریکوں میں سے ایک کی زمین مشترک میں مزارعت کرنے اور غاصب کی زراعت کرنے کے بیان میں

اگر اراضی چند لوگوں میں مشترک ہو اور بعض نے بعض زمین بقصد خود اپنے بیجوں سے زراعت کی اور بعض نے سب کے مشترک پانی میں سے سینچنے کے واسطے لیا اور اسی طرح چند سال تک زمین مشترک رہی اور یہ سب باتیں شریکوں کے بغیر اجازت واقع ہوئی پس اگر یہ زمین جو اس نے اپنی کھیتی میں لگائی ہے اتنی ہو کہ اگر بالفرض مہایاۃ واقع ہوتی تو اتنی ہی زمین اس کے حصہ میں آتی یا اس

[1] واضح ہو کہ دو عدد کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ یہ کم سے کم تعداد ہے۔

(۱) بلاشرط۔ (۲) قاضی پر واجب ہو جائے گا۔ (۳) واپس نہیں لے سکتا ہے۔

سے پہلے مہایاۃ کرتے ہوں اور اس کے شریکوں نے تقسیم کی درخواست نہ کی ہو تو جس قدر زمین اس نے اپنے کام میں لگائی ہے اس کی بابت اس پر ضمان واجب نہ ہوگی اور جو کچھ اس نے اس زمین شرکت میں حاصل کیا ہے اس میں اس کے شریک لوگ شرکت نہیں کر سکتے ہیں یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اگر کسی مسلمان کاشتکار کو اپنی زمین دی[1] اور اجازت دے دی کہ اس میں کھیتی کرے پس اس نے زراعت کی پھر مالک زمین نے چاہا کہ کاشتکار کو نکال دے تو جائز نہیں ہے اس واسطے کہ مسلمان کو تغریر دینا حرام ہے اور اگر اس سے مالک زمین نے کہا کہ اپنا بیج اور خرچہ لے لے اور کھیتی میری ہو جائے گی اور کاشتکار اس پر راضی ہو گیا پس اگر کھیتی اگنے سے پہلے ایسا ہوا تو جائز نہیں ہے اس واسطے کہ اگنے سے پہلے کھیتی کی بیع نہیں جائز ہے خواہ بیج زمین میں موجود ہو یا تلف ہو گئے ہوں، دونوں صورتوں میں کچھ فرق نہیں ہے۔ یہ وجیز کردری میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کو زمین میں زراعت کی اور مالک زمین کو پہلے معلوم نہ ہوا وہ اس وقت معلوم ہوا کہ کھیتی کاٹنے کے لائق تھی پھر جس وقت معلوم ہوا وہ اس وقت راضی ہو گیا یا ایک مرتبہ یہ کہا کہ میں نہیں راضی ہوتا ہوں پھر کہہ دیا کہ میں راضی ہو گیا ہو کاشتکار کے واسطے کھیتی حلال ہوگی اس کو خانیہ میں صریح بیان فرمایا ہے اور فقیہ ابو اللیثؒ نے فرمایا کہ یہ حکم بدلیل استحسان ہے اور ہم اسی کو لیتے ہیں یہ جواہر اخلاطی میں ہے۔

اگر تین آدمیوں نے ایک زمین آدھے کی بٹائی پر زراعت کے واسطے بشرکت لی اور ان میں سے ایک غائب ہو گیا پھر باقی دونوں نے تھوڑی زمین میں گیہوں کی زراعت کی پھر تیسرا حاضر ہوا اور اس نے باقی زمین میں جو بوئے[1] پس اگر ان لوگوں نے ہر ایک کی اجازت سے ایسا کیا تو گیہوں ان سب میں مشترک ہوں گے مگر مالک زمین کا حصہ نکالنے کے بعد جن دونوں نے گیہوں بوئے ہیں وہ تیسرے سے مقدار بیج میں سے بقدر تہائی کے اس کے حصہ پیداوار میں سے لے لیں گے اسی طرح جو بھی ان سب میں مشترک ہوں گے اور مالک زمین کا حصہ نکالنے کے بعد تیسرا شخص دونوں کے حصہ پیداوار میں سے بیجوں کا حصہ بقدر دو تہائی کے لے لے گا اور اگر ان لوگوں نے اس طرح زراعت باہمی اجازت سے نہ کی ہو تو گیہوں میں سے ایک تہائی مالک زمین کی ہوگی اور دو تہائی دونوں کاشتکاروں کی اور دونوں کاشتکار تہائی زمین کا نقصان مالک زمین کو تاوان دیں گے اور تہائی پیداوار دونوں کے واسطے حلال ہوگی اور باقی تہائی میں سے اپنا خرچہ نکال کر باقی صدقہ کر دیں گے اس واسطے کہ اس میں سے بقدر دو تہائی کے ان کا حصہ تھا جس کو انہوں نے بویا ہے پس وہ تو موافق شرط کے حلال رہا اور باقی ایک تہائی میں دونوں غاصب ہوئے پس اس مغصوب کی پوری پیداوار انہیں دونوں کی ہوگی اور رہا تیسرا کاشتکار پس اس کو جو کی پیداوار میں سے پانچ[2] چھٹے حصے ملیں گے اور چھٹا حصہ مالک زمین کو ملے گا کیونکہ اس نے اس میں سے دو تہائی بطور غصب کے بوئی ہے پس اس کی پیداوار اسی کی ہوگی اور ایک تہائی اس نے حق طور سے بوئی ہے پس اس میں سے بھی آدھا موافق شرط کے اس کا ہوگا اور جتنی زمین اس نے بوئی ہے اس میں سے دو تہائی زمین کا نقصان مالک زمین کو تاوان دے گا پس اس کی پیداوار میں سے بقدر تاوان و خرچہ کے نکال کر باقی کو صدقہ کر دے گا یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔ اگر غاصب کے زراعت کرنے سے زمین مغصوبہ میں نقصان آ گیا پھر مالک زمین کے فعل سے یہ نقصان زائل ہو گیا تو غاصب بالکل بری نہ ہوگا اور اگر بدوں مالک کے فعل کے زائل ہو گیا ہو تو اس میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے بعضوں نے فرمایا کہ اگر مالک زمین کو واپس دینے سے پہلے زائل ہو گیا ہو تو غاصب بری ہو گا اور اگر واپس دینے کے بعد زائل ہوا ہو تو بری نہ ہوگا اور بعضوں نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں بری ہو جائے گا اور اسی پر فتویٰ ہے

---

[1] قال یہ اس صورت میں ہے کہ عقد مزارعت عام ہو یا مطلق ہو۔ [2] پانچ چھٹے یعنی مجملہ چھ حصوں کے پانچ حصے ملیں گے اس وجہ سے دو تہائی غصب کے بعد ایک تہائی میں دونوں میں شریک ہیں تو نصف بٹائی یعنی ایک چھٹا حصہ بھی اس کو ملے گا تو کل پانچ چھٹے پاؤں گا۔ (۱) عاریت دی۔

جیسا کہ مبیع کے عیب زائل ہو جانے کی صورت میں حکم ہے یہ غیاثیہ میں ہے۔

اگر بیج زمین دینے والے کی طرف سے ہوں تو صاحب استحقاق کی جانب کچھ کارآمد نہ ہو گی ☆

اگر ایک شخص نے ایک زمین دوسرے کو مزارعت پر دی اور بیج کاشتکار کے ذمہ شرط کیے پس مزارع نے اس میں زراعت کی پھر ایک شخص نے آ کر استحقاق ثابت کر کے زمین لے لی تو زمین کو بدوں زراعت کے لے گا اور اس کو اختیار ہو گا کہ کھیتی اکھاڑنے کے واسطے حکم کرے اگرچہ زراعت مذکور ہنوز سا گا ہو اور یہ نہ ہو گا کہ کھیتی کاٹنے کے لائق ہونے تک زمین مذکور کاشتکار کے پاس اجارہ پر چھوڑ دی جائے اور اکھڑی ہوئی آدھی کھیتی اس دینے والے اور کاشتکار کے درمیان نصفا نصف ہو گی پھر کاشتکار کو اختیار ہے چاہے اکھڑی ہوئی آدھی کھیتی لینے پر راضی ہو جائے اور اس سے اپنے حصہ کی قیمت اس حساب سے کہ اس قدر زراعت اسی کی زمین میں ثابت ہے۔ نہ غیر کی زمین میں ہے لے لے اور اس قول(۱) کے یہ معنی ہیں کہ ایسی کھیتی میں سے جس کو زمین میں برقرار رہنے کا حق ثابت ہے اپنے حصہ کی قیمت لے لے کذا فی الحیا۔ پھر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق جس نے استحقاق ثابت کیا ہے وہ اس زمین کا نقصان فقط کاشتکار سے لے گا اور کاشتکار یہ تاوان اس شخص سے جس نے اس کو یہ زمین دی ہے واپس لے گا اور یہی امام ابو یوسفؒ کا دوسرا قول ہے اور اوّل قول امام ابو یوسفؒ کے موافق اور امام محمدؒ کے قول کے موافق صاحب استحقاق کو اختیار ہے چاہے زمین دینے والے سے نقصان لے یا کاشتکار سے لے پس اگر اس نے کاشتکار سے لیا تو کاشتکار اس کو زمین دینے والے سے واپس لے گا اور یہ غصب العقار[ا] کے مسئلہ پر متفرع ہے کذا فی المبسوط۔ یہ حکم اس وقت ہے کہ بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں اور اگر زمین دینے والے کی طرف سے بیج ٹھہرے ہوں اور صاحب استحقاق نے زمین لے لی اور ان دونوں کو اس نے کھیتی اکھاڑنے کا حکم کیا اور دونوں نے کھیتی اکھاڑی تو کاشتکار کو اختیار ہو گا چاہے اکھڑی ہوئی آدھی کھیتی لینے پر راضی ہو جائے اور اس کے سوائے اس کو کچھ نہ ملے گا یا چاہے تو اکھڑی ہوئی کھیتی دینے(۲) والے کو دے دے اور فقیہ ابو بکر بلخیؒ کے قول پر اس سے اپنا اجر المثل لے لے اور فقیہ ابو جعفرؒ کے قول پر اس سے اپنے حصہ زراعت کی قیمت لے لے اور اگر صاحب استحقاق نے مزارعت کی اجازت دے دی تو اس صورت کو امام محمدؒ نے کتاب اصل میں ذکر نہیں فرمایا ہے اور شیخ الاسلام نے شرح کتاب الاصل میں ذکر فرمایا کہ اس کا حکم تفصیل کے ساتھ ہے یعنی اگر بیج زمین دینے والی کی طرف سے ہوں تو صاحب استحقاق کی جانب کچھ کارآمد نہ ہو گی اور اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں تو مزارعت کے پہلے اس کی اجازت صحیح ہو گی اور بعد مزارعت کے اس کی اجازت صحیح نہ ہو گی اور یہ صورت ایسی ہو گئی کہ ایک شخص نے دوسرے کا دار کرایہ پر دے دیا پھر مالک دار نے اجارہ کی اجازت دے دی پس اگر مدت اجارہ گذرنے سے پہلے اجازت دی تو جائز ہے اور اگر مدت گذرنے کے بعد اجازت دی تو نہیں جائز ہے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔

منتقیٰ میں مذکور ہے کہ ابو سلیمان نے امام محمدؒ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کی زمین غصب کر کے ایک شخص کو ایک سال کے واسطے مزارعت پر دی پس اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں اور کاشتکار نے اس میں مزارعت کی اور ہنوز کھیتی اگی نہ تھی کہ مالک زمین نے مزارعت کی اجازت دے دی تو اس کی اجازت جائز ہے اور جو کچھ زمین میں پیدا ہو وہ مالک زمین اور کاشتکار کے درمیان اسی شرط سے جو غاصب نے ٹھہرائی ہے مشترک ہو گا اور اس پر کچھ ضمان واجب نہ ہو گی لیکن اگر مالک زمین کی اجازت سے پہلے کچھ نقصان آیا ہو تو بقیاس قول امام اعظمؒ کے کاشتکار یہ نقصان مالک زمین کو تاوان دے گا اور بقول امام محمدؒ کے مالک زمین کو اختیار

[ا] قولہ غصب العقار یعنی مسئلہ یہ کہ عقار مانند میں وغیرہ کے غصب ہو سکتا ہے یا نہیں چنانچہ کتاب الغصب میں یہ اختلاف بیان ہوا ہے۔

(۱) قولہ اپنے حصہ کی قیمت اس حساب سے الی آخرہ۔ (۲) غاصب زمین۔

ہے چاہے کاشتکار سے یہ نقصان تاوان لے یا غاصب سے اور اگر کھیتی اگی حتیٰ کہ ایسی ہوگئی کہ اس کی کچھ قیمت ہے پھر مالک زمین نے اجازت دی تو مزارعت جائز ہو جائے گی اور پھر مالک کو بعد اجازت دینے کے مزارعت توڑنے کا اختیار نہ ہوگا زمین کو کچھ نہ ملے گا اور جو کچھ اس میں غلہ پیدا ہوگا وہ سب کاشتکار و غاصب کے درمیان مشترک ہوگا اور پھر مالک زمین نے اجازت دی تو مزارعت جائز ہو جائے گی اس کے یہ معنی ہیں کہ اجازت دینے کے بعد مالک زمین کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ کاشتکار سے کھیتی اکھاڑ لینے اور زمین خالی کر دینے کا مطالبہ کرے اور قبل اجازت دینے کے اس کو ایسا اختیار تھا اور یہ معنی نہیں ہیں کہ کھیتی مالک زمین کی ہو جائے گی اور نیز منتقی میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کی زمین غصب کر کے کسی کو آدھے کی بٹائی پر دی اور بیج غاصب کی طرف سے ٹھہرے پھر مالک زمین نے مزارعت کی اجازت دے دی اور یہ اجازت قبل زراعت کے یا بعد زراعت کے واقع ہوئی تو اجازت باطل[۱] ہے حتیٰ کہ مالک زمین کو زراعت میں سے کچھ نہ ملے گا اور موافق اشارہ شیخ الاسلام کے اس کے معنی یہ ہیں کہ جب بیج غاصب کی طرف سے ہوئے تو عقد مزارعت بحق مستحق واقع نہ ہوا اور منتقی میں فرمایا کہ زمین مذکور بعد اجازت کے غاصب و کاشتکار کے پاس بمنزلہ عاریت کے ہوگی اور اگر اجازت دینے کے بعد مالک نے چاہا کہ اپنی اجازت دے پھر جائے اور زمین لے لے پس اگر کاشتکار نے ہنوز زراعت نہ کی ہو تو اس کو ایسا اختیار ہے اور اگر کاشتکار قبل اجازت کے زراعت کر چکا ہو اور بعد اجازت کے اُگی ہو یا اس نے بعد اجازت کے زراعت کی اور وہ اگی ہو یا بعد اجازت کے زراعت کی اور ہنوز نہ اگی ہو تو ان صورتوں میں مالک کو ایسا اختیار نہ ہوگا کیونکہ اس کے رجوع کر جانے میں مسلمان کے حق میں تغریر[۲] ہے اور یہ حرام ہے۔

اسی طرح اگر کھیتی میں بالیاں آ جانے کے بعد مالک نے مزارعت کی اجازت دی ہو حالانکہ ہنوز کھیتی قابل کاٹنے کے نہ ہوئی تھی پھر مالک نے اپنی اجازت سے رجوع کرنا چاہا تو اس کو ایسا اختیار نہ ہوگا لیکن غاصب سے کہا جائے گا کہ کھیتی جب تک کاٹنے کے قابل ہو تب تک تو اس کی زمین کے اجر المثل کا ضامن ہو اور غاصب و کاشتکار میں جس طرح عقد مزارعت تھا اسی طرح رہے گا اور اگر غاصب نے کہا کہ میں فقط اپنے حصہ زراعت کے حساب سے اجر المثل تاوان دینے کا ضامن ہوں گا تو اس سے زیادہ کے واسطے مجبور نہ کیا جائے گا اور کاشتکار سے کہا جائے گا کہ تو بقدر اپنے حصہ زراعت کے اجر المثل کا ضامن ہو پس اگر دونوں نے تاوان اجر المثل قبول کیا اور دونوں راضی ہو گئے تو کھیتی کاٹنے کے قابل ہونے تک کار زراعت غاصب و کاشتکار دونوں کے ذمہ ہوگا اس واسطے کہ جس وقت غاصب نے پوری اجرت دینے سے انکار کیا تو ایسا ہو گیا کہ گویا دونوں نے کسی غیر کی زمین میں یہ زراعت کی ہے اور اگر غاصب نے کہا کہ میں اجر المثل کچھ نہ دوں گا اور میں اپنی کھیتی اکھاڑے لیتا ہوں تو کاشتکار کو اختیار ہوگا چاہے اس کے ساتھ اپنا حصہ بھی اکھاڑ لے یا زمین[۳] کا اجر المثل اپنے مال سے ادا کر کے خود مع اپنے مزدوروں کے زراعت کا کام کرے پھر جب کھیتی کاٹی جائے تو غاصب کا حصہ نکال کر اس میں سے جس قدر کاشتکار نے غاصب کے حصہ کا اجر المثل اور مزدوروں کی مزدوری دی ہے وہ کاشتکار لے لے گا اور جو بڑھ جائے گا وہ غاصب کا ہوگا اور اس میں سے عاملوں کی اجرات نہ لے گا اور اگر کاشتکار نے کہا کہ میں کچھ تاوان اجر المثل نہیں اٹھاتا ہوں اور نہ اس میں کوئی کام کروں گا بلکہ میں کھیتی اکھاڑ لے لیتا ہوں پس اگر غاصب نے بھی اس کے ساتھ اتفاق کیا تو یہ دونوں کھیتی اکھاڑ کر خالی زمین اس کے مالک کو سپرد کر دیں اور اگر غاصب نے اس سے انکار[۴] کیا تو غاصب کو اختیار ہوگا کہ زمین کا اجر المثل اپنے مال سے ادا کرے اور اس سے کہا جائے گا کہ تو خود اپنے مزدوروں کے ساتھ کار زراعت انجام دے یہاں تک کہ کھیتی کاٹی جائے پھر تو حصہ کاشتکار

---

[۱] باطل ہے یعنی مالک کو کچھ فائدہ نہیں ہے۔ [۲] تغریر یعنی تکلیف و ایذاء بیجا ہے۔ [۳] زمین یعنی کل زمین۔ [۴] انکار کیا یعنی کہا کہ میں کھیتی نہیں اکھاڑوں گا بلکہ کل اجر المثل کا ضامن ہوں۔

میں سے جس قدر تو نے اس کی طرف سے تاوان زمین اور مزدوروں کی مزدوری دی ہے لے لینا اور تیرے حق میں سب وہی باتیں ہوں گی جو پہلی صورت میں کاشتکار کے واسطے مذکور ہوئی ہیں اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ یہ قضاء قاضی ہو اور اگر دونوں میں سے کسی نے بغیر حکم قاضی اور بغیر اجازت دوسرے کے ایسا کیا تو وہ متطوع [1] قرار دیا جائے گا اور دوسرے کو اس کا حصہ زراعت پورا دیا جائے گا اور دونوں میں سے کسی پر یہ واجب نہ ہوگا کہ جس قدر اس کو زراعت میں سے حصہ ملا ہے اس میں سے حصہ صدقہ کر دے لیکن غاصب کے واسطے مالک کی اجازت سے پہلے جو کچھ حصہ زراعت واجب ہوا ہے وہ حاصلات غصب ہے اس کا یہ حکم (۱) نہیں ہے۔

اگر تخم ریزی سے پہلے مالک زمین نے مزارعت کی اجازت دے دی پھر کاشتکار نے تخم ریزی کی پس بیج نہ اگے اور اسی حال میں مالک زمین نے اپنی زمین لینی چاہی پس کاشتکار نے کہا کہ میں مزارعت چھوڑے دیتا ہوں اور مجھے کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس واسطے کہ بیج نہیں اگے اور غاصب نے کہا کہ میں مزارعت باقی رکھوں گا اس واسطے کہ بیج زمین میں ڈالا گیا تو فاسد ہو گیا ہے تو غاصب سے کہا جائے گا کہ کھیتی کاٹنے تک تجھ پر زمین کا اجر المثل واجب ہوگا پس اگر وہ اس پر راضی ہو گیا تو کاشتکار پر واجب ہوگا کہ مزارعت کو موافق اشتراط غاصب کے پورا کرے اور تمام اجرت غاصب پر واجب ہوگی اور حصہ کاشتکار (۲) میں سے کچھ اجرت واپس نہیں لے سکتا ہے اور اگر غاصب نے کہا کہ میں زمین کا اجر المثل نہ دوں گا اور اپنا بیج لے لوں گا یعنی مالک زمین سے لے لوں گا۔ تو کاشتکار سے کہا جائے گا کہ تجھے اختیار ہے چاہے مزارعت باطل کر کے غاصب کو اس کا بیج دے دے اور مالک زمین کو اس کا اجر المثل دے دے اور اگر [2] چاہے تو تجھ پر زمین کا اجر المثل کھیتی کاٹنے کے وقت تک واجب ہوگا پس اگر وہ اس پر راضی ہو گیا تو مزارعت جائز ہوگی اور بیجوں والے کو اپنے بیج لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی اور کاشتکار نے جو کچھ زمین کا اجر المثل تاوان دیا ہے اس میں متطوع قرار دیا جائے گا اور مزارعت یعنی حاصلات زراعت دونوں میں موافق شرط کے مشترک ہوگی اور جس قدر اناج دونوں میں سے ہر ایک کے حصہ میں آئے گا اس میں سے کوئی کچھ صدقہ [3] نہ کرے گا یہ محیط میں ہے۔ اگر کسی شخص نے بیج غصب کر کے اپنی زمین میں بوئے تو ان بیجوں کے اگنے سے پہلے بیجوں کے مالک کو اختیار ہے کہ غاصب کے فعل کی اجازت دے دے اس واسطے کہ بیج اگنے سے پہلے زمین میں قائم ہے پس اس کا اعتبار اسی طرح ہوگا کہ گویا زمین کے اوپر رکھا ہے اور بیج اگنے کے بعد اگر اس نے اجازت دی تو اس کی اجازت کارآمد نہ ہوگی یہ محیط میں ہے ایک زمین غصب کر کے اس میں زراعت کی پھر اس کی زراعت پر کسی دوسرے شخص نے کھیتی بوئی تو کھیتی دوسرے کاشتکار کی ہوگی اور پہلے کو اس کے بیجوں کے مثل بیج تاوان دے گا اور اگر زمین میں نقصان آیا تو نقصان کا تاوان غاصب اوّل پر واجب ہوگا یہ خزانۃ المفتین میں ہے عیون میں لکھا ہے۔

مسئلہ مذکورہ میں موافق حکم فقیہ ابو اللیثؒ کے فتویٰ واجب ہے ☆

اگر ایک شخص نے دوسرے کی زمین غصب کر کے اس میں گیہوں بوئے پھر دونوں نے خصومت کی حالانکہ ہنوز بیج ویسے ہی تھے اگے نہ تھے تو مالک زمین کو اختیار ہوگا چاہے اُگنے تک چھوڑ دے پھر اُگنے کے بعد اس سے کہے کہ اپنی کھیتی اکھاڑ لے یا بیجوں کی وجہ سے جو کچھ زیادتی ہوگئی ہے وہ غاصب کو دے دے اور امام محمدؒ سے اس کی تفسیر یوں مروی ہے کہ ایک مرتبہ زمین بغیر تخم ریختہ اندازہ کی جائے

[1] متطوع یعنی دوسرے کے حصہ میں سے کچھ تاوان نہیں لے سکتا ہے۔ [2] اگر چاہے یعنی مزارعت باطل مت کر اور پوری زمین کا پوتہ اپنے ذمہ لے۔ [3] صدقہ نہ کرے گا کیونکہ مالک زمین نے اجازت ایسے وقت دی کہ بیج بحالہ موجود اور قیمت ہے۔

(۱) بلکہ صدقہ کرے۔ (۲) اگر پیدا ہو۔

اور ایک بار زمین مذکور تخم ریختہ اندازہ کی جائے پس جو تفاوت ہو وہی زیادتی ہے اور مختار یہ ہے کہ مالک اس کو اس کے بیجوں کی قیمت تاوان دے گا مگر یہ بیج اس حساب سے اندازہ کیے جائیں گے کہ غیر کی زمین میں ریختہ ہیں یہ خلاصہ میں ہے اگر ایک شخص نے اپنی زمین میں تخم ریزی کی اور وہ نہ اُگی اور اس کو ایک اجنبی نے سینچا پس اُگی تو قیاس چاہتا ہے کہ کھیتی سینچنے والے کی ہو مگر استحساناً یہ حکم ہے کہ کھیتی مالک زمین کی ہوگی اس واسطے کہ مالک زمین از روئے دلالت ایسے سینچنے پر راضی ہے بخلاف تخم ریزی سے پہلے سینچنے کے کہ اس میں ایسا نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور خلاصہ میں بنا بر حکم قیاس کے ذکر فرمایا کہ کھیتی سینچنے والے کی ہوگی اور اس پر بیجوں کی نیت اس حساب سے کہ ایسی زمین میں ریختہ ہیں جس میں ان کو برقرار رہنے کا حق حاصل ہے واجب ہوگی بشرطیکہ بیج مذکور کے زمین میں خراب ہو جانے سے پہلے اس نے سینچا ہو اور اگر خراب ہو جانے کے بعد اس طرح اگنے سے پہلے کہ اس کی کچھ قیمت ہو اس نے پانی دیا اور اس کے سینچنے سے بیج اگے تو بحکم قیاس اس پر نقصان زمین واجب ہوگا یعنی ایک بار زمین اس طرح اندازہ کی جائے گی کہ اس میں تخم ریزی ہوئی اور بیج خراب ہو گئے ہیں اور ایک بار اس طرح اندازہ کی جائے کہ اس میں زمین میں تخم ریزی نہیں ہوئی ہے پس جو کچھ تفاوت ہو وہ نقصان تاوان دے اور یہ کھیتی اسی سینچنے والے کی ہوگی اور اگر کھیتی اُگ کر کچھ قیمت دار ہو جانے کے بعد سینچنے والے نے اس میں پانی دیا تو جس دن اس نے پانی دیا ہے اس دن جو کھیتی کی قیمت تھی وہ سینچنے والے پر واجب ہوگی اور کھیتی سینچنے والے کی ہوگی اور اگر کھیتی کو ایسے وقت میں سینچا کہ اس وقت سینچنے کی حاجت کامل نہ تھی لیکن سینچنے سے کھیتی عمدہ جید ہو گئی تو یہ کھیتی مالک زمین کی ہوگی اور سینچنے والے کو کچھ نہ ملے گا اور یہ جواب فقیہ ابوجعفرؒ کا ہے اور فقیہ ابواللیثؒ نے یوں جواب فرمایا ہے کہ بہر حال اجنبی سینچنے والا متطوع ہے اور کچھ نہ ملے گا کذا فی الخلاصہ مترجم کہتا ہے کہ اس دیار میں بھی موافق حکم فقیہ ابواللیثؒ کے فتویٰ واجب ہے فافہم۔

اگر ایک شخص نے دوسرے کی زمین میں تخم ریزی کی پھر مالک زمین نے اس کو سینچا یہاں تک کہ کھیتی تیار ہوئی تو اس صورت میں حکم قیاس لیا گیا ہے یعنی پوری کھیتی مالک زمین کی ہوگی پھر اگر مالک زمین نے کھیتی کو ایسی حالت میں پانی دیا کہ دانہ زمین میں ویسا ہی تھا تو اس پر واجب ہوگا کہ بیج والے کو اس کے بیجوں کی قیمت اس حساب سے کہ دوسرے کی زمین میں بغیر حق[1] القرار ریختہ ہیں تاوان دے اور اگر بیج زمین میں خراب ہو جانے کے بعد اس نے پانی دیا اور کھیتی جمی حالانکہ اگر پانی نہ دیتا تو نہ جمتی یا جمتی مگر اس کی کچھ قیمت نہ ہوتی تو پوری کھیتی مالک زمین کی ہوگی اور اس پر بیجوں والے کے واسطے کچھ ضمان واجب نہ ہوگی اور اگر بیج مالک زمین کے سوائے کسی دوسرے شخص کی طرف سے ہوں اور پانی بھی مالک زمین کے سوائے کسی دوسرے شخص نے دیا تو اس مسئلہ میں پانی دینے والے کے واسطے وہی حکم ہوگا جو مالک زمین کی طرف سے بیج ہونے کی صورت میں پانی دینے والے کے حق میں مذکور ہوتا ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔

اگر ایک شخص نے اپنی زمین میں بیج بوئے پھر دوسرے شخص نے آ کر اس میں[(1)] اپنے بیج ڈالے پھر کھیتی اگی پس اگر یہ کھیتی بدوں پانی دینے کے اگی تو پوری کھیتی دوسرے شخص یعنی غیر مالک زمین کی ہوگی اور بقیاس قول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس پر واجب ہوگا کہ مالک زمین کو اسکے بیجوں کی قیمت بدیں حساب کہ یہ بیج زمین میں ریختہ ہیں جس میں ان کو برقرار رہنے کا استحقاق حاصل ہے ادا کرے اور اگر مالک زمین کے بیج زمین میں خراب ہو جانے کے بعد اس نے اپنے بیج ڈالے ہوں پھر یہ سب بیج اُگے تو اس دوسرے شخص پر واجب ہوگا کہ مالک زمین کو نقصان زمین اس حساب سے کہ یہ زمین ایسے تخم سے مزروعہ ہے جن کو اس زمین میں برقرار رہنے کا استحقاق ہے ادا کرے

---

[1] قولہ بغیر حق القرار یعنی وہاں ان بیجوں کو باقی رکھنے کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ غیر کی زمین ہے اور اگر مالک نے ایسا کیا تو حق القرار حاصل ہے۔

(1) اسی زمین میں۔

اور پوری کھیتی دوسرے شخص کی ہوگی اور اگر مالک زمین کی کھیتی اگنے اور قیمت دار ہو جانے کے بعد دوسرے شخص نے اپنے بیج اس زمین میں ڈالے پھر یہ سب کھیتی ملی ہوئی جم کر تیار ہوئی تو دوسرے شخص پر واجب ہوگا کہ جس روز اس کی کھیتی کا مالک زمین کی کھیتی کے ساتھ ملنا ظاہر ہوا ہے اس دن ملک زمین کی کھیتی کی جو کچھ قیمت تھی وہ اس حساب سے قیمت لگا کر کہ اس کھیتی کو اس زمین میں برقرار رہنے کا استحقاق ہی مالک زمین کو ادا کرے اور یہ سب امام اعظمؒ کا قول[1] ہے۔

امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ ان سب صورتوں میں یہ سب کھیتی ان دونوں میں مشترک ہوگی یہ سب حکم اس صورت میں ہے کہ جب یہ کھیتی بدوں سینچنے کے تیار ہوئی ہو یا دوسرے[(1)] شخص کے سینچنے سے تیار ہوئی ہو اور اگر مالک زمین کے سینچنے سے تیار ہوئی ہو تو پوری کھیتی مالک زمین کی ہوگی۔ پھر اگر دوسرے شخص کے بیج خراب ہونے سے پہلے مالک زمین نے پانی دیا ہو تو مالک زمین پر لازم ہوگا کہ دوسرے شخص کو اس کے بیجوں کی قیمت دے اور اگر دوسرے شخص کے بیج خراب ہو جانے کے بعد اس نے پانی دیا ہو تو اس پر ضمان واجب نہ ہوگی کذا فی المحیط۔ اس جنس کے مسائل ہم نے کتاب الغصب کے گیارھویں باب میں ذکر کر دیے ہیں۔ قال المترجم یعنی اختلاط بمال غیر نہ مسائل زراعت فافہم۔

باب گیارہ:

جو زمین مزارعت پر دی ہو اس کے فروخت کرنے کے بیان میں

اگر ایک شخص نے دوسرے کو اپنی زمین ایک سال مزارعت کے واسطے بدیں شرط دی کہ اس میں اپنے بیجوں و آلات سے زراعت کرے اور جب کاشتکار نے اس میں کھیتی بوئی تو مالک زمین نے زمین مذکور کو فروخت کر دیا تو اس میں دو صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ بیع کے وقت کھیتی ساگا ہوا ور اس صورت میں یہ بیع کاشتکار کی اجازت پر موقوف ہوگی خواہ مالک زمین نے کھیتی کے ساتھ زمین فروخت کی ہو یا بدوں کھیتی کے فقط زمین فروخت کی ہو پس اگر کاشتکار نے زمین و کھیتی دونوں کی بیع کی اجازت دے دی تو بیع نافذ ہو جائے گی اور اس کا ثمن زمین پر اور کھیتی کی بیع کے روز کی قیمت پر تقسیم ہوگا پس جس قدر زمین کے پڑتے میں آئے گا وہ مالک زمین کا ہوگا۔ جس قدر کھیتی کے پڑتے میں آئے گا وہ مالک زمین و کاشتکار کے درمیان نصفا نصف[2] تقسیم ہوگا۔ یہ اس صورت میں کہ کاشتکار نے بیع کی اجازت دے دی اور اگر کاشتکار نے بیع کی اجازت نہ دی تو مشترک کو اختیار ہوگا چاہے کھیتی تیار ہونے تک انتظار کرے یا چاہے بیع کو فسخ کر دے یہ اس صورت میں کہ مالک نے زمین اور کھیتی ایک ساتھ فروخت کر دی ہو اور اگر مالک زمین نے فقط زمین فروخت کی کھیتی فروخت نہ کی اور کاشتکار نے بیع کی اجازت دے دی تو زمین مشترک کی ہوگی اور کھیتی بائع اور کاشتکار کے درمیان موافق شرط بٹائی کے آدھی آدھی ہوگی اور اگر کاشتکار نے بیع کی اجازت نہ دی تو جس طرح ہم نے بیان کیا ہے کہ مشتری کو خیار حاصل ہوگا اور اگر مالک نے زمین اور اپنا حصہ زراعت فروخت کیا اور کاشتکار نے بیع کی اجازت دی تو مشتری پورے ثمن میں زمین کو اور مالک زمین کے حصہ زراعت کو لے لے گا اور اگر کاشتکار نے اجازت نہ دی تو اس کو مثل مذکورہ بالا خیار حاصل ہوگا اور اگر اس صورت میں کاشتکار نے چاہا کہ بیع فسخ کر دے تو صحیح[3] یہ ہے کہ اسکو یہ اختیار نہ ہوگا۔ صورت دوم یہ ہے کہ مالک زمین نے زمین ایسے وقت

---

[1] مراد یہ ہے کہ امام اعظمؒ کے قیاس پر حکم فرضی ہے ورنہ امام رحمہ اللہ مزارعت کے قائل نہیں ہیں فافہم اور بعض علما نے تصریح کی کہ امام رحمۃ اللہ نے باوجود تجویز مزارعت کے بھی مسائل مزارعت کی تفریعات فرمائی ہیں یہ جان کر کہ میرا قول لوگ اختیار نہ کریں گے۔ یہ ان کے کرامت ہے و فیہ نظر۔

[2] جبکہ مزارعت آدھے کی بٹائی پر ہوگا۔ [3] وہی اختلاف ہے جو اجارہ میں ہے اور کتاب البیوع میں گزر چکا ہے۔ (1) جس کی زمین نہیں ہے۔

فروخت کی کہ جب کھیتی کاٹنے کے لائق ہو گئی تھی پس اگر زمین بدوں کھیتی کے فروخت کی تو بلا توقف بیع جائز ہو گی اور اگر زمین کو تمام کھیتی کے ساتھ فروخت کیا تو یہ بیع زمین اور مالک کے حصہ زراعت کے حق میں نافذ ہو گی اور کاشتکار کے حصہ زراعت کے حق میں موقوف رہے گی پس اگر کاشتکار نے بیع کی اجازت دے دی تو کاشتکار کو ثمن میں سے اس کے حصہ زراعت کے حساب سے حصہ ملے گا اور باقی سب ثمن مالک زمین کا ہو گا اور اگر کاشتکار نے اجازت نہ دی پس اگر مشتری کو خریدنے کے وقت مزارعت سے آگاہی نہ تھی تو چونکہ مشتری کے حق میں صفقہ متفرق ہوتا ہے مشتری کو اختیار ہو گا چاہے لے یا نہ لے اور اگر کھیتی ساگا ہونے کی حالت میں مالک نے زمین اور کھیتی فروخت کر دی اور کاشتکار نے بیع کی اجازت نہ دی اور مشتری کو فسخ بیع کا اختیار حاصل ہوا مگر اس نے بیع فسخ نہ کی یہاں تک کہ کھیتی کاٹنے کے لائق ہو گئی تو بیع مذکور زمین اور مالک زمین کے حصہ زراعت کے حق میں نافذ ہو جائے گی لیکن مشتری کو اختیار ہو گا۔

چاہے زمین و مالک کا حصہ زراعت بعوض ان دونوں کے حصہ ثمن کے لے یا ترک کر دے اور اگر مالک نے زمین مع اپنے حصہ زراعت کے فروخت کی ہو اور کاشتکار نے بیع کی اجازت نہ دی اور مشتری نے بیع فسخ نہ کی یہاں تک کہ کھیتی کاٹنے کے لائق ہو گئی تو بیع مذکور نافذ ہو جائے گی اور مشتری زمین اور مالک کے حصہ زراعت کو پورے ثمن میں لے لے گا اور مشتری کو نہ لینے کا اختیار نہ ہو گا اسی طرح اگر مالک نے زمین کو بدوں زراعت کے فروخت کیا اور کاشتکار نے بیع کی اجازت نہ دی اور مشتری نے بیع فسخ نہ کی یہاں تک کہ کھیتی کاٹنے کے لائق ہو گئی تو زمین کی بیع نافذ ہو جائے گی اور مشتری کو خیار حاصل نہ ہو گا یہ محیط میں ہے فتاویٰ فضلی میں لکھا ہے۔ اگر اپنی زمین مزارعت پر دی پھر کاشتکار کے زراعت کرنے سے پہلے اس کو فروخت کیا تو اس میں دو صورتیں ہیں اوّل یہ کہ بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں پس اس صورت میں مشتری کو اختیار ہو گا چاہے کاشتکار کو زراعت سے منع کرے پھر اگر کاشتکار نے کام شروع نہ کیا ہو اور کار کاشتکاری میں سے کوئی کام نہ کیا ہو تو کاشتکار کے واسطے حکماً و دیانۃً کچھ لازم نہ ہو گا اور اگر اس نے بعض کار ہائے زراعت جیسے نہر اگار ناو کاریزیں درست کرنا انجام دیے ہوں تو بھی قضاءً یہی حکم ہے لیکن دیانۃً مالک زمین پر فیما بینہ اللہ تعالیٰ لازم ہو گا کہ جو کام اس نے کیا ہے اس کی بابت اس کو راضی کر لے اگرچہ شرعاً قضاءً یہ حکم نہیں ہے دوم یہ کہ بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں پس اس صورت میں مشتری کو اختیار نہ ہو گا کہ کاشتکار کو زراعت سے منع کرے یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک شخص نے اپنا باغ انگور دوسرے شخص کو بٹائی پر دیا اور عامل نے باغ مذکور میں تھوڑا کام انجام دیا پھر عامل مذکور کی رضامندی سے مالک نے باغ مذکور فروخت کیا پس اگر باغ انگور یا درختاں خرما میں سے کچھ پھل وغیرہ حاصلات نہ ہوئے ہوں تو عامل کو ثمن میں سے کچھ نہ ملے گا اس واسطے کہ عامل کی طرف سے فقط عمل پایا جاتا ہے اور خالی عمل کی کچھ قیمت نہیں ہے اور اگر مالک نے باغ انگور میں پھل آنے کے بعد زمین کو مع اپنے حصہ کے فروخت کیا پس اگر عامل نے اجازت دے دی تو بیع جائز ہے اور پھلوں میں سے بائع کا حصہ مشتری کا ہو گا اور عامل کا حصہ عامل کا ہو گا اور اگر پھل برآمد ہونے سے پہلے ایسی بیع واقع ہوئی تو حکم قضا کی راہ سے عامل کو کچھ نہ ملے گا اس واسطے کہ پھل آنے سے پہلے وہ کسی چیز کا مالک نہیں وہ تو پھل آنے کے بعد البتہ مالک ہوتا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

ایک زمین جس میں تخم ریزی ہو چکی ہے مگر ہنوز اگی نہیں ہے فروخت کی پس اگر تخم مذکور زمین میں خراب ہو گیا ہو تو وہ مشتری کا ورنہ بائع کا ہو گا اور اگر مشتری نے زمین میں پانی دیا یہاں تک کہ کھیتی اگی اور بیع کے وقت بیج زمین میں بگڑا نہ تھا تو بھی کھیتی بائع کی ہو گی اور مشتری نے جو کام کر دیا اس میں متطوع قرار دیا جائے گا اسی طرح اگر بیج جم آیا ہو مگر ہنوز اس کی کچھ قیمت نہ ہوئی ہو تو بھی یہی حکم ہے اور فقیہ ابواللیثؒ نے اختیار کیا ہے کہ سب صورت میں کھیتی بائع کی ہو گی لیکن اگر اس نے زمین کے ساتھ اس تخم کو صریحاً یا دلالۃً

فروخت کیا ہو تو ایسا نہیں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کذا فی الکبریٰ۔

باب بارہ:

مزارعت و معاملت میں عذر واقع ہونے کے بیان میں

جو امور مزارعت کی فسخ کے واسطے عذر ہوتے ہیں وہ چند انواع ہیں بعض مالک زمین کی طرف راجع ہیں اور بعض کاشتکار کی طرف سے پس اوّل یعنی جو مالک زمین کی طرف سے راجع ہیں وہ دین فادح ہے کہ جو بدوں اس زمین کے ثمن کے ادا نہیں ہو سکتا ہے یعنی یہ زمین اس دین میں فروخت کی جائے پس ایسے عذر سے عقد مزارعت فسخ ہو گا بشرطیکہ فسخ ممکن ہو بایطور کہ یہ امر قبل زراعت کے ہو یا بعد زراعت کے کھیتی تیار ہو کر قابل درو ہو جانے کے بعد ہو اس وجہ سے عقد کو باقی رکھنا اور پورا کرنا اس سے بدوں ضرر برداشت کرنے کے ممکن نہیں ہے۔ پس اس پر ضرر برداشت کرنا لازم نہیں ہے پس قاضی پہلے زمین کو اس کے قرضہ میں فروخت کر دے گا پھر مزارعت فسخ کر دے گا اور فقط عذر پیش آنے سے مزارعت خود فسخ نہ ہو جائے گی اور اگر فسخ ممکن نہ ہو بایں وجہ کہ کھیتی تیار ہو کر قابل درو نہ ہوئی ہو تو قرضہ میں فروخت نہ کی جائے گی اور عقد فسخ نہ کیا جائے گا یہاں تک کہ کھیتی کاٹنے کے قابل ہو جائے اور مالک زمین مذکور قید سے رہا کیا جائے گا کہ اگر قرض خواہ نے اس کو قید کرایا ہو یہاں تک کہ کھیتی پک کر تیار ہو جائے اس واسطے کہ قید سزائے نادہندی ہے اور یہ شخص کھیتی کاٹنے کے لائق ہونے سے پہلے نادہند نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ زمین فروخت کرنے سے یہ شخص شرعاً ممنوع ہے اور شخص ممنوع معذور ہے۔ پھر جب کھیتی کاٹنے کے لائق ہو جائے تو دوبارہ[1] بدیں غرض قید کیا جائے گا کہ اپنی زمین فروخت کر کے خود ہی قرضہ ادا کرے ورنہ قاضی اس کی طرف سے فروخت کرے گا اور دوم جو کاشتکار کی طرف سے راجع ہیں وہ عذر مثل مرض کے کہ کاشتکار کام کرنے سے معذور ہو اور مثل[2] سفر کے کیونکہ وہ محتاج الیہ ہے اور جیسے ایک حرفہ چھوڑ کر دوسرا اختیار کرنا اس وجہ سے کہ بعض پیشہ ایسا ہوتا ہے جس سے اس کا پیٹ نہ بھرے اور جیسے کوئی ایسا مانع پیش آئے جو اس کو کام کرنے سے باز رکھے کذا فی البدائع۔

معاملہ میں بعض درختوں کی بٹائی میں اگر دونوں میں سے کسی نے موافق مقتضائے عقد کے کاروائی کرنے سے انکار کیا تو بدوں کسی عذر کے اس کو یہ اختیار نہ ہو گا پس معاملہ دونوں طرف سے لازم ہوتا ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ امام محمدؒ نے اصل میں فرمایا کہ اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں اور اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس سال مزارعت کو چھوڑ دوں یا کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس سال اس زمین کے سوائے دوسری زمین میں زراعت کروں تو اس کو اختیار ہے اور مزارعت کو فسخ کر سکتا ہے یہ محیط میں ہے اور اجارہ میں لکھا ہے کہ مرض کی صورت میں بھی سفر کے قیاس پر تفصیل ہونا واجب ہے کہ اگر اس نے درختوں کی بٹائی اس شرط سے لی کہ خود اور اپنے مزدوروں سے کام کرے تو اس کا بیمار ہونا عذر نہ ہو گا اور اگر عقد معاملہ اس شرط سے کیا کہ خود ہی کام کرے تو اس کا بیمار ہونا عذر ہو گا یہ تاتارخانیہ میں ہے اور مالک درختان و مالک زمین کی طرف سے منجملہ عذر کے یہ ہے کہ اس کے ذمہ ایسا قرضہ لاحق ہو جائے جو سوائے ثمن درختاں و ثمن زمین کے کسی طرح ادا نہیں ہو سکتا ہے اور ایسی حالت میں فسخ عقد صحیح ہونے کے واسطے موافق روایت کتاب الزیادات کے حکم قاضی یا طرفین کی باہمی رضامندی ضرور ہے اور موافق روایت کتاب المزارعۃ و اجارات اور جامع صغیر کے حکم قضاء و کاشتکار یا عامل کی رضامندی کی احتیاج نہیں ہے پس ہمارے بعض مشائخ متاخرین نے روایت زیادات کو لیا ہے اور بعضوں نے کتاب الاصل و جامع صغیر کی

---

[1] دوبارہ اقوال یہ لازم نہیں ہے بلکہ اگر وہ خود فروخت کرنے سے انکار کرے تب البتہ قید کیا جائے کیونکہ یہی علت ہے اور اسی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔

[2] مثل سفر یعنی مرض کی طرح سفر و دیگر امور جو آئندہ بیان ہوئے جیسے حرفہ چھوڑ کر دوسرا حرفہ شروع کرنا وغیرہ۔

روایت کو لیا ہے اور اگر اس نے قبل فروخت کرنے کے قاضی سے عقد مزارعت یا عقد معاملت فسخ کرنے کی درخواست کی تو قاضی اس درخواست کو منظور نہ کرے گا پس اس کو چاہیے کہ خود فروخت کرے اور قاضی کے سامنے قرضہ ہونا ثابت کر دے تاکہ قاضی اس بیع کو تمام کر دے اور عقد مذکور حکماً ٹوٹ جائے گا یہ ذخیرہ میں ہے اور جب چیزوں سے عقد مزارعت بعد واقع ہونے کے فسخ ہو جاتا ہے اس کے چند انواع ہیں۔ از انجملہ فسخ ہے اور وہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک فسخ صریح اور وہ اس طرح ہوتا ہے کہ بلفظ فسخ یا اقالہ ہو اور دوسرا بدلالت اور وہ دو طرح کا ہے اور دل یہ کہ جس کی طرف سے بیج ٹھہرے ہوں وہ مقتضائے عقد کے موافق کارروائی کرنے سے انکار کرے پس اگر اس نے کہا کہ میں اس زمین کی مزارعت نہیں چاہتا ہوں تو عقد فسخ ہو جائے گا اس واسطے کہ عقد مذکور اس کے حق میں لازمی نہیں ہے پس اس کو بمقتضائے عقد کارروائی کرنے سے بلا عذر انکار کرنے کا اختیار باقی ہے دوم یہ کہ ماذون نے اپنی زمین و بیج کسی شخص کو مزارعت پر دیے پھر اس کو اس کے مولی نے مجور کر دیا تو عقد فسخ ہو جائے گا از انجملہ یہ کہ مدت مزارعت منقضی ہو جائے از انجملہ یہ کہ مالک زمین مر جائے خواہ زراعت سے پہلے مر جائے یا بعد زراعت کے مرے خواہ اس وقت کھیتی تیار ہو گئی ہو یا ہنوز ساگا ہو۔ از انجملہ یہ کہ کاشتکار مر جائے خواہ زراعت سے پہلے مر جائے یا بعد زراعت کے خواہ اس وقت کھیتی تیار ہو کر کاٹنے کے لائق ہو گئی ہو یا نہ ہوئی ہو کذا فی البدائع۔

باب نہم:

ان صورتوں کے بیان میں

کاشتکار یا عامل مر گیا اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے کھیتی یا پھل کیا کیے ہیں۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر کاشتکار مر گیا اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے کھیتی کے ساتھ کیا کیا تو زراعت میں سے مالک زمین کا حصہ کاشتکار کے مال میں دین قرار دیا جائے گا اور اگر وارثوں نے دعویٰ کیا کہ کھیتی چوری ہو گئی ہے تو ان کے قول پر التفات نہ کیا جائے گا اور یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ مالک زمین کا حصہ کاشتکار کے پاس بدیں دلیل امانت تھا کہ اگر تمام کھیتی کاشتکار کے پاس تلف ہو جاتی تو مالک زمین کے واسطے کچھ ضامن نہ ہوتا۔ پس جب ثابت ہوا کہ اس کے پاس امانت تھا حالانکہ وہ بدوں امانت کا حال بیان کیے ہوئے مر گیا تو یہ شخص ایسا امین ہو گیا جو امانت کو مجہول یعنی بلا بیان چھوڑ کر مر[1] جاتا ہے پس ضامن ہو جائے گا اور اگر وارثان کاشتکار و مالک زمین نے اس امر میں اختلاف کیا کہ کاشتکار کی موت کے قبل زراعت کی قیمت کس قدر تھی تو وارثان کاشتکار کا قول قبول ہوگا۔ اس طرح اگر درختوں کا عامل مر گیا اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے پھلوں کے ساتھ کیا کیا ہے تو بھی اس طرح حکم ہے اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ کھیتی کا جمنا اور پھلوں کا نکلنا معلوم ہو جائے اور اگر یہ امر معلوم نہ ہو تو کاشتکار یا عامل مذکور ضامن نہ ہوگا اور اگر عامل نے اپنے ترکہ میں درم و دینار چھوڑے حالانکہ اس پر حالت صحت کے قرضے موجود ہیں تو ایسی صورت میں مالک زمین و درخت باقی قرض خواہوں کے ساتھ شریک کر دیا جائے گا اور اس قول سے امام محمدؒ کی مراد یہ ہے کہ یہ معلوم ہو کہ عقد مزارعت و عقد معاملت حالت صحت میں واقع ہوا ہے اور عقد مزارعت و معاملت کا واقع ہونا فقط باقرار مریض یعنی عامل و کاشتکار کی حالت مرض کے اقرار سے معلوم ہو تو یہ قرضہ بمنزلہ ایسے قرضہ کے ہوگا جو حالت مرض میں مریض کے اقرار سے واجب ہوتا ہے پس دیون[1] الصحتہ سے مؤخر ہوگا کذا فی الذخیرہ۔

---

1 مر جاتا ہے چنانچہ کتاب الودیعتہ میں مستودع کا ودیعت کو مجہول چھوڑ کر مرنا مفصل بیان ہوا اور وہ ضامن ہوتا ہے۔

(۱) صحت کے قرضے۔

باب رجو ۹:

مریض کے مزارعت و معاملت کرنے کے بیان میں

اس باب کے مسائل ایک قاعدہ پر مبنی ہیں وہ یہ ہے کہ جو شخص مریض مرض الموت ہے اس کا تصرف اس لیے مور ہیں جن سے قرض خواہوں یا وارثوں کا حق متعلق نہیں ہے مثل صحیح تندرست کے تصرف کے ہے اور جن امور سے قرض خواہوں یا وارثوں کا حق متعلق ہے اس میں تصرف دو طرح پر ہے ایک یہ کہ اس تصرف سے قرض خواہوں و وارثون کا حق باطل نہ ہو جائے بلکہ ان کا حق ایک محل سے منتقل ہو کر دوسرے ایسے محل میں جائے جو مالیت میں مثل محل اوّل کے ہے جیسے بیع[1] و اس کے اشباہ پس ایسا تصرف مریض کا اور تندرست صحیح کا یکساں ہے اور دوسرے یہ کہ تصرف سے قرض خواہوں وارثوں کا حق باطل ہوتا ہوئے اور اس قسم کا تصرف مریض سے مجور ہے جیسے (۱) تبرعات کے طور پر تصرف کرنا پھر واضح ہو کہ قرض خواہوں و وارثوں کا حق اسی مال سے متعلق ہوتا ہے جس میں میراث جاری ہو جیسے اعیان ترکہ اور جس میں میراث نہیں جاری ہوتی ہے جیسے منافع اس سے اس لوگوں کا حق متعلق نہیں ہوتا ہے اس طرح جس میں میراث جاری ہوتی ہے مگر وہ مال (۲) نہیں ہے اور نہ وہ مال کے حکم میں ہے اس سے بھی ان لوگوں کا حق متعلق نہیں ہوتا ہے۔

امام محمدؒ نے کتاب الاصل میں فرمایا کہ اگر کسی مریض مرض الموت نے اپنی زمین بشرائط مزارعت کسی کو کاشتکاری کے واسطے دی تو اس میں دو صورتیں ہیں اوّل یہ کہ بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں اور اس صورت میں مزارعت جائز ہے خواہ کاشتکار اجنبی ہو یا وارث ہو اور خواہ مریض پر اس قدر قرضہ ہو جو اس کے تمام ترکہ کو محیط ہے یا نہ ہو اور خواہ مریض کے واسطے پیداوار میں سے اس قدر مشروط ہو جو زمین کے اجرالمثل کے برابر ہے یا اس سے کم مشروط ہو اور خواہ مریض کا سوائے اس زمین کے کچھ مال ہو یا نہ ہو دوم یہ کہ بیج بھی مریض کی طرف سے ہوں اور مریض کے پاس سوائے اس زمین و بیج کے کچھ مال نہ ہو اور اس صوت میں دو صورتیں ہیں اوّل یہ کہ کاشتکار شخص اجنبی ہو اور میت پر قرضہ نہ ہو پس اس صورت میں زراعت میں سے زراعت کے جم کر قیمت دار ہو جانے کے روز حصہ کاشتکار کی قیمت کو اور کاشتکار کے اجرالمثل کو دیکھا جائے گا پس اگر زراعت میں سے زراعت جم کر قیمت دار ہو جانے کے روز حصہ کاشتکار کی قیمت اور اس کا اجرالمثل برابر ہو یا حصہ کاشتکار کی قیمت بہ نسبت اجرالمثل کے کم ہو تو کاشتکار کو اس کا حصہ زراعت دیا جائے گا اور اگر زراعت جم کر قیمت دار ہو جانے کے روز زراعت میں سے حصہ کاشتکار کی قیمت بہ نسبت اس کے اجرالمثل کے زیادہ ہو تو دیکھا جائے گا کہ اگر حصہ کاشتکار میت کی تہائی مال سے برآمد ہوتا ہو تو کاشتکار کو اس کا پورا حصہ دیا جائے گا بعض بطور وصیت کے اور بعض بطریق معاوضہ کے اور اگر زراعت سے حصہ کاشتکار میت کے تہائی مال سے نہ نکل سکتا ہو پس اگر وارثوں نے اجازت دے دی تو بھی یہی حکم ہے کہ کاشتکار کو اس کا پورا حصہ زراعت دیا جائے گا اور اگر وارثوں نے اجازت نہ دی تو کاشتکار کو اس میں سے بقدر اس کے اجرالمثل کے بطور معاوضہ دیا جائے گا پھر سب جس قدر اس کے واسطے مشروط تھا اس کے ماقی میں سے ایک تہائی اس کو بطور وصیت دے دیا جائے گا اور باقی دو تہائی وارثوں کا ہو گا اور جس قدر اجرالمثل سے بڑھا ہے اس میں وصیت کا اعتبار یوم حصاد پر ہو گا یعنی جس قدر اجرالمثل سے بڑھا ہے اس کی قیمت کھیتی کاٹنے کے روز کی معتبر ہو گی۔

---

[1] بیع مثلاً مریض نے کوئی مال فروخت کیا خواہ نقد تو وارثوں وغیرہ کا حق مال سے بدل کر نقد سے متعلق ہوا یا بعوض مال کے تو ایک مال سے بدل کر دوسرے مال سے متعلق ہوا لیکن ضرور ہے کہ اوّل سے دوم میں قیمت کی برابری ہو۔

(۱) مثلاً تمام مال کسی شخص کو بخش دینا۔ (۲) یہ جیسے حق الرد بالعیب۔

یہ اس صورت میں ہے کہ کاشتکار اجنبی ہو اور میت پر قرضہ نہ ہو اور اگر اس پر اس قدر قرضہ ہو جو اس کے تمام مال کو محیط ہو خواہ قرضہ صحت یا قرضہ مرض تو ایسی صورت میں زراعت میں سے جس روز اگنے کے بعد قیمت دار ہو گئی ہے قیمت حصہ کاشتکار اور اس کے کام کے اجر المثل کی طرف دیکھا جائے گا پس اگر زراعت اگنے اور قیمت دار ہونے کے روز زراعت سے حصہ کاشتکار کی قیمت اس کے اجر المثل کے برابر ہو یا کم ہو تو جس قدر کاشتکار کے واسطے مشروط ہے وہ کاشتکار کو دیا نہ جائے گا بلکہ جس قدر اس کے قبضہ میں ہے اس میں مریض کے قرض خواہ لوگ شریک ہوں گے اور یہ مقبوضہ ان سب میں موافق ہر ایک حصہ کے تقسیم ہوگا بشرطیکہ سوائے اس کے مریض کا کچھ مال نہ ہو پس کاشتکار کے حصہ میں وہ قیمت لگائی جائے گی جو اس حصہ زراعت کے لائق دور ہونے کے وقت تک بڑھ کر ہو گئی ہے اور قرض خواہ لوگ اپنے اپنے قرضہ کی مقدار پر شریک کیے جائیں گے اور اگر زراعت میں سے اس کے اگنے اور قیمت دار ہونے کے وقت حصہ کاشتکار کی قیمت کاشتکار کے اجر المثل سے زائد ہو تو کاشتکار فقط اپنے اجر المثل کی مقدار پر شریک کیا جائے گا اور جس قدر زیادہ ہے وہ نہ لگایا جائے گا اور قرض خواہ لوگ اپنے اپنے حقوق کے ساتھ شریک کیے جائیں گے اور کاشتکار کے اجر المثل سے جس قدر اس کا حصہ زائد ہے اس زیادتی میں سے اس کو کچھ نہ دیا جائے گا لیکن یہ ہوگا کہ جس قدر اس تقسیم میں کاشتکار کے حصہ میں پڑے گا وہ اس کو زراعت میں سے لے گا اور جو قرض خواہوں کے حصہ میں پڑے گا وہ فروخت کر کے ان کے قرضے[1] ادا کیے جائیں گے یہ سب جو ہم نے ذکر کیا ہے اس صورت میں ہے کہ کاشتکار کوئی اجنبی ہو اور اگر کاشتکار وارث ہو پس اگر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جواز مزارعت کے قائل ہوتے تو ان کے قیاس پر یہ حکم ہے کہ مزارعت فاسد ہے حتیٰ کہ وارث کاشتکار پیداوار میں سے کچھ مستحق نہیں ہے بلکہ فقط اس کو اس کے اجر المثل میں درم ملیں گے اور کچھ نہ ملے گا خواہ مریض پر قرضہ ہو یا نہ ہو اور خواہ زراعت میں سے حصہ وارث کی قیمت اس کے کام کی اجرت مثل کے برابر ہو یا زائد ہو اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے قول پر یہ حکم ہے کہ اگر مریض پر قرضہ نہ ہو تو زراعت کے جم کر قیمت دار ہونے کے روز زراعت میں سے حصہ وارث کی قیمت اور اس کے اجر المثل کو دیکھا جائے گا پس اگر زراعت میں سے اگنے اور قیمت دار ہونے کے روز حصہ وارث کی قیمت اس کے کام کی اجرت مثل کے برابر ہو یا کم ہو تو اس کو اپنا حصہ مشروط ملے گا اور اس دن کے بعد کھیتی تیار ہونے اور کاٹنے کے روز تک جس قدر زیادہ ہو جائے اس میں وہی حکم ہے جو اجنبی کی صورت میں مذکور ہوا ہے اور اگر زراعت جم کر قیمت دار ہونے کے روز زراعت میں سے حصہ وارث کی قیمت اس کے اجر المثل سے زائد ہو تو اس کو پیداوار میں سے بقدر اپنے اجر المثل کے ملے گا اور حصہ مشروط جس قدر اس اجر المثل سے زائد ہو اس میں سے وارث[(1)] کو بالکل کچھ نہ ملے گا کیونکہ اگر اس میں سے اس کو کچھ ملنے کا استحقاق ہو تو یہ استحقاق بطریق وصیت ہو سکتا ہے حالانکہ وارث کے واسطے وصیت نہیں ہے اور اگر مریض پر اس قدر قرضہ ہو کہ جو اس کے تمام و کمال کو محیط ہو تو اس صورت میں وہی حکم ہے جو اجنبی کی صورت میں مذکور ہوا ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔

ایک صحیح[(2)] نے اپنی زمین آدھے کی بٹائی پر کسی مریض کاشتکار کو دی اور بیج کاشتکار کی طرف سے ٹھہرے حالانکہ کاشتکار کا اس کے سوائے کچھ مال نہیں ہے پھر زمین مذکور میں کھیتی پیدا ہوئی پھر مریض کاشتکار مر گیا تو اس کا حکم وہی ہے جو اس صورت میں مذکور ہوا ہے کہ ایک مریض نے اپنی زمین دوسرے کو مزارعت پر دی اور بیج مالک زمین یعنی مریض کی طرف سے ٹھہرے ہیں اس واسطے کہ اس صورت میں مریض مذکور کاشتکار کا بعوض پیداوار کے اجارہ پر لینے والا قرار پایا ہے اور جو صورت ہم نے یہاں بیان کی ہے اس میں

---

[1] قال المترجم یہ اس وقت ہے کہ جب ان کے قرضے برخلاف اس جنس اناج کے ہوں جو پیدا ہوئے ورنہ شاید اسی جنس کا اناج قرض ہو برخلاف اس کے جو اناج کا قرض جائز نہیں کہتا ہے فافہم۔

(۱) بخلاف اجنبی کے کہ اس کو ایک تہائی ملے گی۔ (۲) خلاف مریض۔

کاشتکار مریض بعوض پیداوار کے زمین اجارہ پر لینے والا اقرار پایا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر کسی مریض نے اپنی زمین جس میں کھیتی ہے مگر ہنوز ساگا ہے قابل درو نہیں ہوئی ہے یا درختاں خرما جس میں کفرائے (۱) ہیں یا اور درخت جس میں کچی ہری کیریاں ہیں ایسی نہیں ہیں کہ ان کی کچھ قیمت اندازہ کی جائے کسی شخص کو اس شرط سے دی کہ اس میں سے جو کچھ اللہ تعالیٰ نصیب کرے وہ ہم دونوں میں نصفا نصف ہوگا تو اس کا حکم وہی ہے جو ہم نے مزارعت کی صورت میں جب کہ بیج مریض مالک زمین کی طرف سے ہوں بیان کیا ہے اور اگر کسی مریض نے اپنا باغ درخت خرما بٹائی پر اس سال کے واسطے اس شرط سے دیا کہ اس کی پرداخت کرے اور پانی دے اور نرمادی لگائے اور جو کچھ اس میں اللہ تعالیٰ روزی کرے گا وہ ہم دونوں میں نصفا نصف ہوگا پھر درخت خرما میں کفرے نکلیں کہ اس میں آدمی کفر کے عامل کے اجرالمثل کے برابر یا اس سے کم قیمت تھیں پھر عامل اس کی برابر پرداخت کرتا رہا اور پانی دیتا رہا یہاں تک کہ یہ کفرے گدر ہوئیں کہ ان کی قیمت مال کثیر ہے پھر یہ گدر خرما خراب ہو کر حشف ۱ ہو گئے کہ ان کی قیمت کفرے جب نکلی تھیں ان کی قیمت سے بھی کم ہو گئی پھر درخت کا مالک مر گیا حالانکہ اس پر بہت قرضہ ہے کہ اس کے تمام مال کو محیط ہے تو جو کچھ میت نے چھوڑا ہے وہ عامل اور قرض خواہوں میں اس طرح تقسیم کیا جائے گا کہ قرض خواہ لوگ اپنے اپنے قرضہ کی مقدار سے شریک کیے جائیں گے اور عامل آدھے ۲ حشف (۲) کی قیمت کے حساب سے شریک کیا جائے گا اور خرما کی بربادی کا عامل ضامن نہ ہوگا اور اگر میت پر قرضہ نہ ہو اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو عامل کو آدھے خرمائے تباہ شدہ ملیں گے اور آدھے وارثوں کو ملیں گے کذا فی المحیط۔

اس باب کے متصل فصل دربیان اقرار مریض درمعاملہ ومزارعہ

امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر ایک کاشتکار بیمار ہوا اور اس کے پاس کسی شخص کی زمین ہے جس میں وہ زراعت کرتا ہے اور اس پر حالت صحت کا قرضہ ہے پس مریض مذکور نے اقرار کیا کہ بیج اس کی طرف سے تھا اور اس نے مالک زمین کے واسطے دو تہائی پیداوار شرط کی تھی پھر مر گیا اور قرض خواہوں نے اس سے انکار کیا تو دیکھا جائے گا کہ اگر مریض نے کھیتی کاٹنے کے لائق ہو جانے کے بعد ایسا اقرار کیا تو اس کے اقرار کی تصدیق نہ کی جائے گی اور پہلے قرض خواہان صحت کا قرضہ ادا کیا جائے گا پھر جب قرض خواہان صحت کا قرضہ ادا ہو گیا تو دیکھا جائے گا کہ اگر دو تہائی پیداوار میں سے کچھ بچا تو مالک زمین کو اس میں سے بقدر اس کی زمین کی اجرالمثل کے دیا جائے گا اور اس سے زیادہ پوری دو تہائی پیداوار تک جو رہا وہ بطور وصیت کے مالک زمین کو دیا جائے گا بشرطیکہ مال میت (۳) کا تہائی ہوتا ہو اور اگر مریض نے ایسا اقرار ایسی حالت میں کیا کہ اس وقت کھیتی ساگا تھی تو قرض خواہان صحت کے حق میں بھی اس کے قول کی تصدیق کی جائے گی اور اگر قرضہ ادا کر دیا گیا اور مال میں سے کچھ باقی رہا تو باقی مال وصیت کی تہائی میں سے مالک زمین کو اس کا حق مشروط پورا کر دیا جائے گا یہ اس وقت ہے کہ مریض مذکور پر قرضہ صحت ہو اور اگر مریض پر ایسا قرضہ مرض ہو کہ حالت مرض میں اس کے اقرار ہی سے ثابت ہوا ہو پھر مریض نے جس طرح ہم نے بیان کیا ہے مزارعت میں اقرار کیا پس اگر اس نے کھیتی ساگا ہونے کی حالت میں ایسا اقرار کیا تو پہلے مالک زمین کا حق ادا کرنا شروع کیا جائے گا پس دو تہائی پیداوار میں سے اس کی زمین کا اجرالمثل اس کو دیا جائے گا اگر دو تہائی پیداوار اس کی اجرالمثل سے زیادہ ہو اور اگر مریض نے یہ اقرار ایسی حالت میں کیا کہ کھیتی کاٹنے کے لائق ہو گئی تھی تو دیکھا جائے گا کہ اگر اقرار مزارعت بہ نسبت اقرار قرضہ کے پہلے واقع ہوا ہو تو پہلے مالک زمین کو اس کی زمین کا اجرالمثل دیا جائے گا پھر مریض کا حالت مرض کا اقراری قرضہ ادا کیا جائے گا اور اگر اقرار قرضہ اقرار مزارعت سے پہلے ہو تو مالک زمین اس شخص کے ساتھ جس کے واسطے قرضہ کا اقرار کیا ہے بقدر زمین کے اجرالمثل کے حصہ دار کر دیا جائے گا۔ یہ سب اس وقت میں ہے کہ جب

۱ حشف آدھ خرما خراب شدہ ناکارہ۔ ۲ آدھے یہ اس وقت کہ معاملہ آدھے پیداوار پھل کی بٹائی پر ہو۔

(۱) خرما کی کیریاں۔ (۲) خرمائے ناکارہ۔ (۳) یعنی یہ مقدار تہائی مال میت ہو۔

کاشتکار کی طرف سے بیج ہونے کی صورت میں کاشتکار نے ایسا اقرار کیا ہو اور اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہونے کی صورت میں کاشتکار مریض نے ایسا اقرار کیا تو اس کے اقرار کی تصدیق کی جائے گی خواہ اس نے کھیتی قابل ورود ہونے کے پہلے ایسا اقرار کیا ہو یا قابل ورود ہونے کے بعد ایسا اقرار کیا ہو اور اگر مسئلہ مذکورہ میں مالک زمین مریض ہو اور اس نے ایسا اقرار کیا تو اس کا حکم سب صورتوں میں وہی ہے جو کاشتکار کے اقرار کرنے کی صورتیں میں بیان کیا گیا ہے۔

اگر کسی شخص نے اپنا باغ خرما دوسرے کو بٹائی پر دیا پھر جب باغ کے پھل پورے ثمر یعنی خرما ہو گئے تو عامل بیمار[1] ہو گیا اور کہا کہ مالک باغ نے میرے واسطے چھٹا حصہ شرط کیا ہے اور مالک باغ نے اس کے اس اقرار کی تصدیق کی مگر قرض خواہوں وارثوں نے تکذیب کی تو عامل کا قول قبول ہوگا پھر اگر اس کے وارثوں یا قرض خواہوں نے کہا کہ ہم اس امر کے گواہ پیش کرتے ہیں کہ مالک باغ نے اسکے واسطے نصف حاصلات کی شرط کی ہے تو انکے گواہوں کی سماعت نہ ہوگی اور اگر انہوں نے اپنے دعویٰ پر مالک باغ سے قسم طلب کی تو قاضی انکے دعویٰ پر کہ مالک مذکور سے قسم نہ لے گا اور مشائخ نے فرمایا کہ یہ جو کتاب میں مذکور ہے کہ انکے اس دعویٰ پر کہ مالک باغ نے عامل کے واسطے نصف حاصلات شرط کی ہے مالک باغ سے قسم نہ لی جائے گی یہ امام محمدؒ کا قول ہے اور امام ابو یوسفؒ کے قول پر قسم لی جائے گی۔ اس طرح اگر عامل زندہ رہا اور وہ اقرار کر چکا تھا کہ میرے واسطے مالک باغ نے چھٹا حصہ شرط کیا تھا پھر دعویٰ کیا کہ مالک نے میرے واسطے نصف شرط کیا ہے اور میں نے چھٹا حصہ شرط کرنے کا جھوٹا اقرار کیا تھا اور درخواست کی کہ مالک باغ سے قسم لی جائے تو مالک باغ سے قسم لینا چاہیے یہ اس وقت ہے کہ عامل کوئی اجنبی ہو اور اگر عامل مالک باغ کا وارث ہو اور عامل نے اقرار کیا کہ مالک باغ نے میرے واسطے چھٹا حصہ شرط کیا اور یہ اقرار خرما کی جانے کے بعد واقع ہوا تو اس کے اقرار کی تصدیق کی جائے گی اور اگر وارثان عامل اور اس کے قرض خواہوں نے کہا کہ ہم اس امر کے گواہ پیش کرتے ہیں کہ مالک باغ نے عامل کے واسطے نصف شرط کیا ہے تو ان کے گواہوں کی سماعت ہوگی اور اگر انہوں نے مالک باغ سے اس دعویٰ پر قسم یعنی چاہی تو مالک باغ سے قسم لی جائے گی اور اگر ایک مریض نے اقرار کیا کہ میں نے اپنا باغ خرما اپنے فلاں وارث کو بٹائی پر دیا ہے حالانکہ ہنوز اس کے پھل پختہ نہ ہوئے تھے پھر مریض مذکور نے حالت مرض میں قرضہ کا اقرار کیا پھر مر گیا تو پہلے عامل کا قرضہ ادا کیا جائے گا پس اس کے کام کا اجر المثل[2] اس کو دیا جائے گا پھر وہ قرضہ ادا کیا جائے گا جس کا اس نے مرض میں اقرار کیا ہے ایسا ہی شیخ الاسلام نے اپنی شرح میں ذکر فرمایا ہے اور شاید یہ قول صاحبینؒ کا ہے اور امام اعظمؒ کے قول پر یہ مسئلہ صحیح نہ ہونا چاہیے۔ پھر اگر وارث عامل نے کہا کہ میرا پورا حق مجھے نہیں ملا ہے کچھ باقی رہ گیا ہے اور باقی وارثوں نے کہا کہ تیرا کچھ حق باقی نہیں رہا اس واسطے کہ تیرا حق اجر المثل تھا اور وہ سب تجھے پہنچ گیا پس عامل نے چاہا کہ باقی وارثوں سے قسم لے پس آیا قسم لے سکتا ہے تو اس میں دو صورتیں ہیں کہ اگر وارث عامل نے اقرار کیا ہو کہ عقد حالت صحت میں واقع ہو اور اقرار حالت مرض میں تو اس کو قسم لینے کا اختیار ہوگا اور اگر اس نے کہا کہ عقد حالت مرض میں واقع ہوا ہے تو قسم نہیں لے سکتا ہے کذا فی المحیط۔

<u>باب پندرہ:</u>

رہن میں مزارعت و معاملہ کرنے کے بیان میں

ایک شخص نے اپنی زمین و باغ خرما رہن کیا اور مرتہن کو سپرد کرنے کے بعد مرتہن سے کہا کہ اس کو پانی دے اور نر مادی لگا اور

---

[1] یعنی مرض الموت کا بیمار ہوا۔ [2] اجر المثل اس واسطے کہ عامل یہاں وارث ہے اور وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے تو حق مستحق بقدر اجر المثل کے ترکہ پر قرضہ ہے اور وہ اس پیداوار میں حق دار ہے پس پہلے ان کو دیا جائے۔

اس کی حفاظت کر بدیں شرط کہ جو کچھ حاصلات ہو وہ نصفا نصف ہوگی اور مرتہن نے اس کو قبول کیا تو عقد معاملہ فاسد ہے اور مرتہن کو نرما دی لگانے اور سینچنے کا اجر المثل ملے گا اور حفاظت کرنے کا کچھ نہیں ملے گا اور جو کچھ پیدا ہوگا وہ رہن رہے گا اس طرح اگر کھیتی بوئی ہوئی زمین رہن کی مگر ہنوز سا کا تھی تو بھی یہی حکم ہے اور اگر کوئی زمین قابل زراعت یعنی خالی کھیت رہن ہوا اور راہن نے اس کو مزارعت پر دیا اور مرتہن نے قبول کیا اور بیج کیا اور بیج مرتہن کی طرف سے ہیں تو مزارعت جائز ہے اور جو حاصلات ہو وہ موافق شرط کے تقسیم ہوگی اور زمین مذکور رہن سے نکل جائے گی اور بدوں تجدید رہن کے رہن کی طرف سے عود کرے گی اور اگر بیج راہن کی طرف سے ہوں تو مرتہن کو اختیار ہوگا کہ بعد زراعت کے اس کو رہن میں کر لے اور اگر کسی شخص نے خالی کھیت جس میں درخت خرما ہیں رہن کیا پھر مرتہن کو حکم دیا کہ اس سال اس میں اپنے بیجوں سے آدھے کی بٹائی پر کار زراعت کرے اور درختوں کی پرداخت کرے اور سینچنے اور حفاظت کرے اور آدھے کی بٹائی شرط کر دی تو مزارعت جائز ہے اور معاملہ فاسد ہے کیونکہ اگر تنہا مزارعت زمین کا عقد قرار دیتا تو جائز تھا اور یہ زمین رہن سے باہر ہو جائے گی اور اگر تنہا عقد معاملہ قرار دیتا تو جائز نہ تھا پس اس طرح جب کہ دونوں کو جمع کیا تو جو تنہا جائز تھا وہ جائز ہوا اور جو تنہا جائز نہ تھا وہ ناجائز ہوا اور معاملہ کا فاسد ہونا موجب فساد مزارعت اس وجہ سے نہیں ہوا کہ مزارعت پر معاملہ معطوف ہے مشروط نہیں ہے کذا فی محیط السرخسی۔

باب سولہ:

ایسے عتق و کتابت کے بیان میں جس میں مزارعت و معاملت ہو

اگر کسی شخص نے اپنے غلام کو اس شرط سے آزاد کیا کہ میری زمین میں بدیں شرط زراعت کرے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اس میں پیدا کرے وہ ہم دونوں میں نصفا نصف ہوگا پس غلام اس پر راضی ہو گیا تو اس میں دو صورتیں ہیں اوّل یہ کہ زمین مولیٰ کی طرف سے ہو اور بیج کام غلام کی طرف سے ہو تو ایسی صورت میں مزارعت فاسد ہے اور عتق جائز ہے اس واسطے کہ یہ ایسی مزارعت فاسد ہے جس میں عتق مشروط ہے اور ایسا عتق ہے جس میں مزارعت مشروط ہے لیکن مزارعت ایسا عقد ہے جس میں دوسرا عقد شرط کرنے سے باطل ہو جاتا ہے اور عتق باطل نہیں ہوتا ہے اور اگر ایسے عقد پر غلام مذکور نے زراعت کی اور کھیتی پیدا ہوئی تو پوری کھیتی غلام کی ہوگی اور غلام پر مولیٰ کے واسطے اس کی زمین کا اجر المثل واجب ہوگا جس طرح تمام مزارعات فاسدہ میں ہوا کرتا ہے اور غلام پر یہ بھی لازم ہوگا کہ اپنی قیمت جس قدر ہو ادا کرے دوم یہ کہ زمین و بیج مولیٰ کی طرف سے ہو اور غلام کی طرف سے خالی کام ہو اور ایسی صورت میں بھی مزارعت فاسد ہے اور عتق جائز ہے اور اس صورت میں تمام پیداوار مولیٰ کی ہوگی اور مولیٰ پر غلام کے کار زراعت کا اجر المثل جس قدر ہو غلام کے واسطے واجب ہوگا اور مولیٰ کے واسطے غلام پر غلام کی قیمت جس قدر ہو واجب ہوگی اور اگر کسی شخص نے اپنا غلام اس شرط سے مکاتب کیا کہ اس سال مکاتب اپنے مولیٰ کی زمین میں اس شرط سے زراعت کرے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اس میں پیدا کرے وہ دونوں[1] میں مشترک ہو تو اس مسئلہ کی بھی دو صورتیں ہیں اوّل یہ کہ زمین و بیج مولیٰ کی طرف سے ہو اور مکاتب کی طرف سے فقط کار زراعت ہو تو اس صورت میں مزارعت فاسد ہے اور کتابت بھی فاسد ہے اور جب کتابت فاسد ہوئی تو مولیٰ کو اس کے توڑ دینے کا اختیار ہوگا جیسا کہ غلام مذکور کو بعوض شراب و سور کے مکاتب کرنے کی صورت میں ہے پس اگر مولیٰ نے کتابت کو نہ توڑا حتیٰ کہ مکاتب نے زمین مذکور میں زراعت کی

[1] دونوں میں مشترک ہو یہ محاورہ ہے جس سے مراد یہ کہ نصفا نصف شرکت، اس واسطے کہ اصل اس میں مساوی شرکت ہے اور وہ دونوں میں بلاضرور نصفا نصف ہوئی۔

اور زمین میں کھیتی پیدا ہوئی تو پوری کھیتی مولیٰ کی ہوگی اور مولیٰ پر مکاتب کے واسطے اس کے کام کا اجر المثل واجب ہوگا اور مکاتب آزاد ہو جائے گا اس واسطے کہ مکاتب نے وہ شرط پوری کی جس پر عقد کتابت مشروط تھا یعنی اس سال اس زمین کی زراعت کرنا اور اس سال زراعت زمین وقت تعلیق عقد کے معلوم[1] تھی اور جس امر کے ساتھ کتابت فاسدہ کی تعلیق ہے جب وہ وقت عقد کے معلوم ہو اور مکاتب اس کو پورا کر دے تو عتق ہو جاتا ہے جیسے کہ اس کو شراب یا سور پر مکاتب کیا اور مکاتب نے اس کو ادا کر دیا تو یہی حکم ہے پس مولیٰ کے واسطے مکاتب پر مکاتب کی قیمت واجب ہوئی اور مولیٰ پر مکاتب کے واسطے مکاتب کے کام کا اجر المثل واجب ہوا پس اگر دونوں برابر ہوں تو مقاصد واقع ہو جائے گا اور اگر مکاتب کی قیمت اس کے کام کے اجر المثل سے زیادہ ہو تو بقدر زیادت کے مولیٰ اس سے لے لے گا اور اگر اس کے کام کا اجر المثل اس کی قیمت سے زیادہ ہو تو وہ مولیٰ سے کچھ نہیں لے سکتا ہے دوم یہ کہ زمین مولیٰ کی طرف سے اور بیج اور کام مکاتب کی طرف سے ہو اور اس صورت میں بھی کتابت اور مزارعت دونوں فاسد ہیں اور مولیٰ کو اختیار ہوگا کہ کتابت کو توڑ دے اور اگر اس نے کتابت نہ توڑی اور مکاتب کے کام سے زمین میں کثیر زراعت پیدا ہوئی یا کچھ بھی نہ پیدا ہوئی تو مکاتب آزاد نہ ہوگا اور جو حکم مزارعت میں مذکور ہوا ہے جبکہ بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں ویسا ہی عقد[2] معاملت صورت میں حکم ہے کذا فی المحیط ۔

باب سترہ:

عقد مزارعت و معاملہ میں تزویج وخلع وعمداً خون سے صلح واقع ہونے کے بیان میں

اگر کسی عورت سے اپنی زمین اس سال زراعت کرنے پر بدیں شرط نکاح کیا کہ یہ عورت اس سال اپنے بیجوں اور کام سے اس میں اس سال زراعت کرے اور جو کچھ اس میں پیداوار ہو وہ ہم دونوں میں نصفا نصف ہوگی تو نکاح جائز ہے اور مزارعت فاسد ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صورت مذکور کا مہر اس زمین کی اجرت کے نصف کے مثل ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کا مہر اس کے مثل عورتوں کے مہر اور زمین کے اجر المثل دونوں میں سے کم مقدار ہوگی پس اگر عورت مذکور نے زمین میں زراعت کی پیداوار ہوئی یا نہ ہوئی اور مالک زمین نے اس کو طلاق نہ دی تو تمام پیداوار عورت کی ہوگی اور اس پر زمین کا نصف اجر المثل لازم ہوگا اور شوہر پر اس کا مہر کچھ واجب نہ ہوگا یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک اس پر پوری زمین کا اجر المثل واجب ہوگا اور شوہر پر اس کا مہر اس کے مہر المثل و زمین کی اجرت دونوں میں سے کم مقدار واجب ہوگی پس اگر اس کا مہر المثل زمین کی اجرت کے برابر ہو یا زیادہ ہو تو اس نے اپنا حق جو کچھ شوہر پر واجب ہوا تھا بھر پایا پس مقاصد واپس ہو جائے گا اور اگر مہر المثل کم ہو تو پوری اجرت زمین سے جس قدر کم ہے اس قدر شوہر کو واپس دے کذا فی المحیط السرخسی اور اگر اس کے بعد شوہر نے اس کو طلاق دے دی پس اگر عورت کو قبل دخول کے طلاق دی پس اگر یہ طلاق قبل زراعت کے واقع ہوئی تو بنا بر قول امام ابو یوسفؒ کے عورت کے واسطے شوہر پر زمین کے اجر المثل کا چوتھائی واجب ہوگا اور شوہر کا بسبب مزارعت کے اس پر کچھ واجب نہ ہوگا اور بنا بر قول امام محمدؒ کے عورت کے واسطے متعہ واجب ہوگا اور اگر بعد زراعت کے واقع ہوئی تو امام ابو یوسفؒ کے قول پر عورت کے واسطے زمین کے اجر المثل کا چوتھائی مہر واجب ہوگا اور شوہر کا اس پر بسبب مزارعت کے فاسد ہونے کے تمام زمین کا پورا اجر المثل واجب ہوگا پس بقدر چوتھائی کے مقاصد ہو جائے گا اور باقی تین چوتھائی

---

[1] معلوم یعنی مجہول چیز نہیں بلکہ معلوم بات ہے کہ امسال اس زمین کی زراعت کرے۔ [2] عقد معاملت یعنی اگر درختوں کی بٹائی پر مکاتب کیا یا آزاد کیا تو اس کا حکم وہ ہے کہ جو مزارعت پر کتابت میں گذرا بشرطیکہ بیج مالک کی طرف سے ٹھہرے ہوں۔

اجر المثل زمین کا عورت اس کو واپس دے گی اور بنابر قول امام محمدؒ کے چونکہ شوہر نے قبل دخول کے اس کو طلاق دی ہے۔
اس واسطے شوہر پر متعہ واجب ہوگا اور شوہر کا اس پر زمین کا پورا اجر المثل واجب ہوگا اور باہم مقاصد نہ ہوگا۔ یہ سب اس صورت میں ہے کہ شوہر نے عورت کے ساتھ دخول سے پہلے اس کو طلاق دے دی اور اگر بعد دخول کے اس کو طلاق دی پس اگر قبل زراعت کے طلاق دی تو بنابر قول امام ابو یوسفؒ کے عورت کے واسطے شوہر پر نصف زمین کا اجر المثل واجب ہوگا اور شوہر کا بسبب مزارعت کے عورت مذکورہ پر کچھ واجب نہ ہوگا اور بنابر قول امام محمدؒ کے عورت کا بوجہ نکاح کے شوہر پر مہر مثل اور تمام زمین کے اجر المثل سے جو کم مقدار ہو واجب ہوگی اور شوہر کا عورت پر بسبب مزارعت کے کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر بعد زراعت کے طلاق دی تو بنابر قول امام ابو یوسفؒ کے شوہر کا عورت مذکورہ پر بسبب فساد مزارعت کے پوری زمین کا اجر المثل واجب ہوا اور عورت کا بسبب نکاح کے شوہر پر نصف زمین کا اجر المثل واجب ہوا پس بقدر نصف کے مقاصد واقع ہو جائے گا اور باقی نصف زمین کا اجر المثل عورت پر شوہر کو واپس دینا واجب ہوگا اور بنابر قول امام محمدؒ کے عورت کا بسبب نکاح کے شوہر پر مہر المثل و زمین کے اجر المثل سے جو کم مقدار ہو وہ بطور مہر واجب ہوئی اور شوہر کی عورت پر زمین کی پوری اجرت مثل واجب ہوئی پس اگر اس کا مہر مثل پوری زمین کی اجرت کے برابر یا زیادہ ہو تو وہ شوہر کو کچھ واپس نہ دے گی اور مقاصد واقع ہو جائے گا یہ سب اس صورت میں ہے کہ بیج و کار زراعت عورت کی طرف سے ہو اور مرد کی طرف سے فقط زمین ہو اور اگر اس کا الٹا ہو کہ عورت کی طرف سے زمین اور مرد کی طرف سے بیج و کار زراعت ہو اور باقی [1] مسئلہ بحالہا رہے تو نکاح جائز ہے اور مزارعت فاسد ہے اور اگر اس کے بعد شوہر نے زراعت کی تو پوری پیداوار شوہر کی ہوگی اور شوہر پر بسبب مزارعت کے عورت کے واسطے زمین کا اجر المثل واجب ہوگا اور عورت کے واسطے شوہر پر بسبب نکاح کا بالا جماع مہر المثل چاہیے جس قدر ہو واجب ہوگا اس واسطے کہ شوہر نے اس کے بضع کے مقابلہ میں نصف پیداوار بدل ٹھہرائی ہے حالانکہ یہ مجہول ہے اور بالا جماع جب مقابلہ بضع میں تسمیہ [2] مجہول ہو تو مہر المثل واجب ہوتا ہے بخلاف اس کے اگر بیج عورت کی طرف سے ہوں تو امام ابو یوسفؒ کے قول پر جہالت اس وجہ سے نہیں ہے کہ شوہر نے اس صورت میں عورت کے بضع کے مقابلے میں منفعت زمین قرار دی اور یہ معلوم ہے پس وجوب مہر المثل سے مانع ہوئی پھر اگر شوہر نے قبل دخول کے عورت کو طلاق دی پس اگر قبل زراعت کے ہو تو عورت کے واسطے شوہر پر بسبب نکاح کے متعہ واجب ہوگا اور شوہر کا بسبب مزارعت کے عورت پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر بعد زراعت کے طلاق دی تو عورت کا شوہر پر بسبب نکاح کے متعہ واجب ہوگا اور بسبب مزارعت کے زمین کا اجر المثل واجب ہوگا اور اگر شوہر نے عورت مذکور سے دخول کے بعد اس کو طلاق دی پس اگر قبل زراعت کے طلاق دی تو عورت کا شوہر پر بسبب نکاح کے مہر المثل واجب ہوگا اور بسبب زراعت کے شوہر پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر زراعت کے بعد طلاق دی تو عورت کا شوہر پر بسبب نکاح کے مہر المثل اور بسبب مزارعت کے زمین کا اجر المثل واجب ہوگا۔

باب ہو خلع میں عورت اور باب نکاح میں مرد ایک دوسرے کی نظیر ہے ☆

اگر بیج و زمین شوہر کے طرف سے ہو اور عورت کی طرف سے فقط کار زراعت ہو تو یہ صورت اور جس صورت میں کہ بیج و کار زراعت دونوں شوہر کی طرف سے مذکور ہوئے ہیں دونوں کا حکم یکساں ہیں اور اگر زمین [3] و بیج عورت کی طرف سے ہو اور شوہر کی

[1] یعنی ایک عورت نے ایک مرد سے اس شرط پر نکاح کیا کہ مرد اس کی زمین میں امسال اپنے بیجوں سے زراعت کرے اس شرط پر کہ جو کچھ پیدا ہو وہ دونوں میں مساوی مشترک ہو۔ [2] یعنی جب نفع بضع کے مقابلہ میں جو مہر ٹھہرایا وہ مجہول ہو۔ [3] زمین بیج یعنی نکاح میں عورت کی طرف سے زمین و بیج ہے اور مرد کی طرف سے فقط کار زراعت ہے تو بھی نکاح جائز ہے اور حکم وہ ہے جو بیج و کام عورت کی طرف سے ہونے میں مذکور ہو۔

طرف سے فقط کارِ زراعت ہو تو یہ صورت اور جس صورت میں کہ بیج و کام عورت کی طرف سے ہے دونوں یکساں ہیں کذا فی المحیط اور اگر ایک عورت سے اس شرط سے نکاح کیا کہ اس کو اپنا باغ خرما آدھے کی بٹائی پر دے تو عورت کے واسطے مہر المثل واجب ہوگا کیونکہ شوہر نے اس کے بضع اور اس کے عمل کے مقابلہ میں نصف حاصلات قرار دی ہے اور اگر عورت سے اس شرط سے نکاح کیا کہ عورت اس کو ایک باغ خرما آدھے کی بٹائی پر دے تو اس مسئلہ میں اختلاف ہے اس واسطے کہ شوہر نے اس کے بضع اور آدھی حاصلات کے مقابلہ میں اپنے کام انجام دینے کا التزام کیا ہے یہ تفہیر یہ میں ہی رہے مسائل خلع سو واضح ہو کہ باب خلع میں عورت اور باب نکاح میں مرد ایک دوسرے کی نظیر ہے کیونکہ باب بضع میں جس سے بدل کی توقع ہے وہ عورت ہے چنانچہ باب نکاح میں جس سے بدل کی توقع ہوتی ہے وہ مرد ہوتا ہے پس اگر عورت نے اپنی منفعت بضع کے مقابلہ میں منفعت زمین قرار دی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شوہر کا عورت پر بسبب خلع کے زمین کا نصف اجر المثل واجب ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک شوہر نے جس قدر مہر عورت کا قرار دیا ہے اس سے اور زمین کے اجر المثل سے جو مقدار کم ہو وہ مرد کے واسطے واجب ہوگی اور اگر عورت نے منفعت بضع کے مقابلے میں نصف پیداوار قرار دی تو بالاجماع سب کے نزدیک شوہر کے واسطے وہ مہر واجب ہوگا جو اس نے نکاح کی وقت عورت کے واسطے مقرر کیا تھا اور عمداً خون سے صلح واقع ہونے کا حکم نظیر اس حکم کا ہے جو خلع میں مذکور ہوا ہے کہ جس سے بدل کی توقع ہے یعنی قاتل نے اگر اپنی زمین یا اپنے نفس کے منفعت کو بدل قرار دیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ولی قتیل کو زمین کے اجر المثل کا نصف اور قاتل کے کام کا نصف اجر المثل ملے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک مقتول کے وارث کو مقتول کی دیت اور تمام زمین کے اجر المثل سے جو کم مقدار ہو وہ ملے گی اور اگر قاتل نے اندریں (۱) صورت کہ بیج اس کی طرف سے ہوں نصف پیداوار کو بدل قرار دیا تو سب کے نزدیک بالاتفاق ولی قتیل کے واسطے قاتل پر مقتول کی پوری دیت واجب ہوگی اور عفو ہر حال میں مثل نکاح کے صحیح ہے کیونکہ عفو [1] ایسی چیز ہے۔ جو شروط فاسدہ سے مثل خلع و نکاح کے باطل نہیں ہوتا ہے۔ یہ سب اس صورت میں ہے کہ عمداً خون سے صلح واقع ہوئی ہو اور اگر قتل خطا سے یا ایسے قتل عمد سے جس میں قصاص نہیں لیا جا سکتا ہے صلح واقع ہوئی حتیٰ کہ مال ہے واجب ٹھہرا تو مزارعت و صلح دونوں فاسد ہوں گی اور ولی مقتول کا حق ارش [2] جنایت یعنی میں قاتل کی طرف سے ویسا ہی باقی رہے گا جیسا کہ صلح سے پہلے تھا اور جب صلح فاسد ہوئی تو اس کا وجود و عدم یکساں ہوا پس ولی مقتول کا حق ارش جنایت لینے میں یوں ہی رہا جیسا ہم نے بیان کیا ہے کذا فی المحیط۔

باب اٹھارہ:

مزارعت اور معاملت میں وکیل کرنے کے بیان میں

اگر ایک شخص کو حکم دیا کہ میری زمین مزارعت پر یا میرا باغ خرما معاملت پر دے دے اور اس سے زیادہ نہ کہا تو جائز ہے بشرطیکہ زمین و باغ خرما کو توکیل میں معین کر دیا ہو اور اگر مدت بیان نہ کی تو اس سال کی اوّل زراعت کی طرف متصرف ہوگا اور اگر پیداوار کا حصہ بیان نہ کیا تو صاحبینؒ کے نزدیک عرف کے ساتھ متقید (۲) کیا جائے گا اور ایسا ہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قیاس پر ہے اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں اور ایسا ہی حکم باغ خرما کی بٹائی میں ہے اور اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک

[1] عفو یعنی صلح خون سے متضمن ہے کہ قصاص عفو کر کے مال منظور کیا تو عفو ہر صورت میں صحیح ہے۔ جیسے نکاح ہر صورت میں صحیح رہتا ہے اگرچہ عقد مزارعت؛ معاملہ فاسد ہو۔ [2] یعنی ارش جنایت جرم کا جرمانہ جو شرع میں موافق نوعیت زخم کے علیحدہ علیحدہ مقرر ہے دیکھو کتاب الجنایات۔

(۱) اس صورت میں۔ (۲) یعنی رواج یہ ہے آدھے یا نہ تہائی وغیرہ کی بٹائی پر۔

بقلیل وکثیر دینا جائز ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک مقید بعرف ہوگا اور اگر وکیل نے موکل کے حکم سے مخالفت کی تو غاصب ہو جائے گا اور اگر اس کے حکم کے موافق کاربند رہا تو پیداوار پر قبضہ کرنے کا حق موکل کو حاصل ہوگا بشرطیکہ بیج اسی کی طرف سے ہوں اور یہی حکم درختوں کی بٹائی میں ہے اور اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں تو پیداوار پر قبضہ کرنے کا حق وکیل کو حاصل ہوگا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

اگر کسی شخص نے اپنی زمین معین مزارعت پر دینے کے واسطے وکیل کیا اور وکیل نے وہ زمین کسی شخص کو مزارعت پر دی اور اس سے شرط کرلی کہ اس میں گیہوں بوئے یا جو بوئے یا تل بوئے یا جوار بوئے تو یہ جائز ہے۔ اس طرح اگر ایک شخص کو وکیل کیا کہ میرے واسطے یہ زمین اور اس کے ساتھ بیج مزارعت پر لے پس وکیل نے زمین کو گیہوں کے بیج یا جو وغیرہ اقسام حبوب میں سے کسی کے ساتھ لیا تو موکل کے حق میں جائز ہے اور اگر کسی کو وکیل کیا کہ میرے واسطے یہ زمین مزارعت پر لے پس اس نے مالک زمین سے اپنے موکل کے واسطے اس شرط سے لی کہ اس میں گیہوں کی زراعت کرے یا جو کی زراعت کرے یا اس کے سوائے اور کسی قسم کے اناج کی شرط کی۔ تو موکل اس زمین میں سوائے اس بیج کے جس کی مالک زمین نے شرط کی ہے کوئی بیج نہیں بو سکتا ہے اور اگر اس واسطے وکیل کیا کہ میری زمین اس سال مزارعت پر دے دے پس وکیل نے گیہوں یا جو بونے کے واسطے بعوض ایک کر درمیانی گیہوں یا ایک کر کھرے جو یا تل دیا چاتول وغیرہ کے جو زمین میں پیدا ہوتے ہیں زمین مذکور دے دی تو یہ استحساناً جائز ہے اور قیاساً وکیل مخالف ہی اس واسطے کہ موکل تو اسی امر پر راضی ہوا تھا کہ میری زمین مزارعت پر دے دے تاکہ موکل اس کی پیداوار میں شریک ہو اور وکیل نے اس کے برخلاف فعل کیا کہ اس نے اجرت معینہ پر اجارہ پر دے دی لیکن امامؒ نے استحسان کیا اور فرمایا کہ وکیل کے فعل سے موکل کا مقصود بطور نفع[1] کے حاصل ہوا کیونکہ اگر وکیل مزارعت پر دیتا پھر کاشتکار اس میں زراعت نہ کرتا یا کھیتی پر کوئی آفت آجاتی تو مالک زمین کو کچھ نہ ملتا اور جو فعل وکیل نے کیا ہے اس میں موکل کا حق بطور دین کے مستاجر کے ذمہ ثابت ہو گیا جب کہ مستاجر کو زراعت کرنے کا قابو ملا اگرچہ مستاجر زراعت نہ کرے یا کھیتی پر آفت آجائے اور جب وکیل ایسا فعل کرے جو اسی جنس سے ہو جس کا موکل نے حکم کیا ہے اور جس خاص فعل کا موکل نے نام لیا ہے اس کی بہ نسبت موکل کے حق میں زیادہ نافع ہو تو وکیل مخالف نہ ہوگا اور جب وکیل مخالف نہ ٹھہرا تو اس کا عقد کرنا ایسا ہے گویا موکل نے خود ہی عقد کیا ہے مستاجر کو اختیار ہوگا کہ جو اس کی رائے میں آئے زراعت کرے کیونکہ گیہوں یا جو وغیرہ کی تقیید اس صورت میں مالک زمین کے حق میں کچھ مفید نہیں ہے کیونکہ پیداوار میں اس کی شرکت نہیں ہے بخلاف مزارعت پر دینے کے کہ اس میں شرکت ہوتی ہے۔

اگر وکیل نے زمین مذکورہ کو بعوض درہموں و کپڑوں وغیرہ مالوں کے ساتھ جن کی زراعت نہیں ہوتی ہے اجارہ پر دیا ہو تو یہ عقد اجارہ موکل کے واسطے جائز[2] نہ ہوگا کیونکہ اس نے جنس میں اختلاف کیا کہ رب الارض نے صریح حکم دیا کہ مزارعت پر دے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ زمین کا ایسی چیز کے عوض اجارہ دینا جو زمین میں پیدا ہوتی ہے پس جب وکیل نے ایسی چیز کے عوض اجارہ پر دی جو زمین میں نہیں پیدا ہوتی ہے تو اس نے اس چیز کی جنس میں خلاف کیا جس کا موکل نے صریح حکم دیا تھا پس یہ وکیل بمنزلہ ایسے وکیل کے ہے جو ہزار درہم کے عوض فروخت کرنے کا وکیل کیا گیا اور اس کو سو دینار کے عوض فروخت کی کہ یہ بیع موکل کے حق میں نافذ نہ ہوگی بخلاف اس کے اگر اس نے دو ہزار درہم کے عوض فروخت کی تو استحساناً نافذ ہے یہ مبسوط میں ہے اور اگر اس واسطے وکیل کیا کہ میرے

---

[1] قولہ نفع تو یہ اس وقت ہے کہ جو اجرت ٹھہرائی اسی قدر موکل کو پیداوار میں سے ملنے کی امید ہو پس یہ لحاظ رکھنا چاہیے۔ [2] جائز نہ ہوگا بلکہ وکیل اس صورت میں غاصب ہو گیا جو نقصان کا ضامن ہے۔

واسطے یہ زمین مزارعت پر لے اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہا پس وکیل نے ایک کر گیہوں وغیرہ اناج کے عوض اجارہ پر لے تو جائز نہیں[1] ہے لیکن اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں اور وکیل نے زمین مذکور اس شرط سے لی کہ تمام پیداوار مالک زمین کی ہو گی اور مالک زمین پر واجب ہو گا کہ کاشتکار کو ایک کر گیہوں دے یا جو زمین میں پیدا ہوتا ہے شرط کیا تو جائز ہے اور اگر وکیل نے مالک زمین کے ذمہ درہم یا کپڑے شرط کیے تو جائز نہیں ہے لیکن اگر مؤکل اس سے راضی ہو جائے تو ہو سکتا ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ لووكله بان ياخذ بالہ مزارعۃ بالثلث۔ اگر وکیل کو اس واسطے وکیل کیا کہ یہ زمین میرے واسطے تہائی کے ساتھ بٹائی دینے پر لے پس وکیل نے اس کو اس شرط سے لیا کہ کاشتکار اس میں زراعت کرے اور تہائی پیداوار کاشتکار کی اور دو تہائی مالک زمین کی ہو تو یہ عقد کاشتکار کے حق میں جائز نہ ہو گا اس واسطے کہ جو کلام کاشتکار نے کہا ہے اس کا موقع یہ ہے کہ مالک زمین کے واسطے تہائی ہو کیونکہ ہم نے بیان کر دیا کہ مالک زمین ہی اپنی زمین کی منفعت کے عوض پیداوار کا مستحق ہے پس جس لفظ پر حرف جار داخل ہے وہ پیداوار میں سے اسی کا حصہ ہو گا حالانکہ وکیل نے اس کے ضد و برخلاف کیا اور اگر مؤکل نے اس کو یوں حکم کیا کہ یاخذ الارض والثلث کہ زمین اور تہائی لے اور باقی مسئلہ بحالہ ہو تو یہ عقد کاشتکار کے حق میں جائز ہو گا کیونکہ اس میں معقود علیہ کاشتکار کا عمل ہے اور وہ بمقابلہ اپنے کام کے پیداوار کا مستحق ہے جب وکیل نے اس کے واسطے تہائی کی شرط کی تو اس کے حکم کا فرمانبردار ہو گا یہ مبسوط میں ہے اور اگر ایک شخص کو وکیل کیا کہ میری زمین اس سال ایک کر درمیانی گیہوں کے عوض اجارہ پر دے دے اور وکیل نے اس کو آدھے کی بٹائی پر دے دیا یا بدیں شرط کہ کاشتکار اس میں گیہوں کی زراعت کرے اور کاشتکار نے زراعت کی تو وکیل مخالف ہو گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر اس واسطے وکیل کیا کہ میری زمین تہائی کی بٹائی کے ساتھ مزارعت پر دے دے اور وکیل نے اس شرط سے دے دی کہ تہائی مالک زمین کو ہو تو یہ جائز ہے اور اگر مالک زمین نے کہا کہ میری مراد یہ تھی کہ کاشتکار کے واسطے تہائی ہو تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی لیکن اگر بیج اسی کی طرف سے ہوں تو ایسی صورت میں قول اس کا قبول ہو گا یہ مبسوط میں ہے۔

باب اُنیس:

کاشتکار پر ضمان واجب ہونے کے بیان میں

اگر کاشتکار نے باوجود قدرت پانے کے زمین کا سینچنا ترک کیا یہاں تک کہ کھیتی خشک ہو گئی تو اگی ہوئی کھیتی کا ضامن ہو گا اور قیمت اندازہ کرنے میں وہ وقت معتبر ہے کہ جب کھیتی ایسی حالت میں تھی کہ اس کو پانی نہ دینا معتبر تھا پس اگر ایسی حالت میں کھیتی کی کچھ قیمت نہ ہو تو زمین مزروعہ(1) اور غیر مزروعہ کی قیمت لگائی جائے پس جس قدر دونوں اندازوں میں فرق ہو اس کے نصف[2] کا ضامن ہو گا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ کاشتکار نے پانی دینے میں تاخیر کی پس اگر یہ تاخیر معتاد ہو کہ ایسا لوگ کرتے ہوں تو ضامن نہ ہو گا ورنہ ضامن ہو گا یہ وجیز کردری میں ہے۔ اگر کاشتکار نے کھیتی کی حفاظت چھوڑ دی حتیٰ کہ اس کو کوئی آفت جیسے جانوروں کا چر جانا وغیرہ پہنچی تو ضامن ہو گا اور اگر اس نے ٹیڑیوں کو نہ ہانکا حتیٰ کہ ٹیڑیوں نے کھیتی چاٹ لی تو دیکھا جائے گا کہ اگر ٹیڑیاں اس کثرت سے تھیں کہ ان کا ہانکنا اور دفع کرنا اس سے ممکن نہ تھا تو اس پر ضمان واجب نہ ہو گی اور حاصل یہ ہے کہ جن صورت میں کاشتکار نے حفاظت باوجود قادر

---

[1] یعنی مؤکل کے حق میں۔ [2] یہ اس وقت ہے کہ مزارعت آدھے کی بٹائی پر ہو۔

(1) بوئی ہوئی۔

ہونے کے چھوڑ دی ہے اس پر ضمان واجب ہوگی ورنہ واجب نہ ہوگی۔ یہ اس وقت ہے کہ کھیتی پختہ نہ ہوئی ہو اور اگر پختہ ہوگئی ہو تو کاشتکار پر حفاظت چھوڑ دینے سے ضمان واجب نہ ہوگی کذا فی الذخیرہ قال[1] المترجم وامانی بلادنا فینبغی ان یجب فلا فرق نے ذلک فیما اذا کان الزرع بقلا او مدرکا للعرف۔ ذاری[2] نے اگر کدس کی حفاظت رات میں چھوڑ دی تو ضامن ہوگا بشرطیکہ رات میں اس کے ذمہ حفاظت کرنے کا رواج ہو یہ قنیہ میں ہے فتاویٰ ابواللیثؒ میں ہے کہ اگر کاشتکار نے بدوں اجازت اس شخص کے جس نے زمین مزارعت پر دی ہے یعنی زمین دہندہ کی کھیتی کو کاٹا اور کھلیان کی اور روندا اور یہ امر دہندہ نے اس کے ذمہ شرط نہ کیا تھا تو دہندہ کا حصہ کاشتکار مذکور کے ذمہ مضمون ہوگا اور اگر دہندہ نے یہ امر اس کے ذمہ شرط کیا ہو پھر کاشتکار نے اس فعل میں غفلت کی یہاں تک کہ کھیتی تلف ہوگئی تو فقیہ ابوبکر بلخی نے فرمایا کہ وہ ضامن ہوگا۔

فقیہ ابواللیثؒ نے ذکر کیا کہ اگر کاشتکار مذکور نے اس قدر تاخیر کی کہ اس کے مثل لوگ تاخیر نہیں کرتے ہیں تو ضامن ہوگا اور اگر ایسی تاخیر کی کہ اس کے مثل لوگ تاخیر کرنے میں تو ضامن نہ ہوگا اور یہ بنا بر مختار ائمہ بلخ کے ہے کہ ان کاموں کا کاشتکار کے ذمہ شرط کرنا صحیح ہے کذا فی المحیط۔ اس طرح کپاس کی روئی جب پھول جائے تو اس کے چن لینے میں بھی یہی حکم ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ کاشتکار نے جز روتر گیہوں میدان صحرا میں نہ ڈالے حالانکہ عقد میں یہ فعل اس کے ذمہ مشروط تھا تو ضامن ہوگا یہ وجیز کردری میں ہے۔ مجموع نوازل میں امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ ایک کھیتی دو آدمیوں میں مشترک ہے ان میں سے ایک نے اس کو پانی دینے سے انکار کیا تو اس پر جبر کیا جائے گا اور اگر حاکم کے پاس اس امر کے مرافعہ کرنے سے پہلے کھیتی خراب ہوگئی تو اس پر ضمان واجب نہ ہوگی اور اگر قاضی کے پاس مرافعہ کر کے اور قاضی کے سینچنے کا حکم دینے کے بعد اس نے سینچنے سے انکار کیا اور کھیتی خراب ہوگئی تو ضامن ہوگا کذا فی الذخیرہ الخلاصہ۔ فتاویٰ نسفی میں ہے کہ مالک زمین کا بیل کاشتکار کے پاس ہے کاشتکار نے اس کو چرواہے کے پاس چراگاہ بھیجا تو کاشتکار ضامن نہ ہوگا اور نہ چرواہا ضامن ہوگا اور جو بیل مستعار ہو یا کرایہ پر لیا گیا ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ شیخؒ[(1)] نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں مشائخ سے روایات مضطرب آئی ہیں اور فتویٰ اس روایت مذکورہ پر ہے کیونکہ مستودع مال ودیعت کو مثل اپنے مال کے حفاظت کرتا ہے اور وہ اپنے بیل کو چراگاہ میں محفوظ جانتا ہے پس ایسی ہی ودیعت کے بیل کے ساتھ ہے اور اگر اس نے بیل کو چرتا چھوڑ دیا تو مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے اور مولفؒ نے فرمایا کہ فتویٰ اس پر ہے کہ وہ ضامن نہ ہوگا یہ خلاصہ میں ہے۔ امام محمدؒ نے اصل میں فرمایا کہ اگر ایک شخص نے دوسرے کو اپنی زمین اس شرط سے دی کہ اس سال اس میں زراعت کرے اور معاوضہ میں ایک کر گیہوں جو کاشتکار کے پاس موجود ہیں قرار دیے تو جائز ہے پس اگر پورے امسال کاشتکار مذکور نے زراعت کی پھر جب سال گذر گیا اور کھیتی کاٹنے کے لائق ہوگئی تو کاشتکار نے کر جس کے عوض زمین اجارہ پر لی تھی تلف کر دیا تو کاشتکار کے ذمہ زمین کا اجر المثل واجب ہوگا چاہے جس قدر ہو اور اس اناج کے مثل اناج اس پر واجب نہ ہوگا کہ جب اجارہ فاسد ہوا تو کاشتکار پر لازم آیا کہ منفعت زمین جو اس نے پوری حاصل کی ہے واپس کرے مگر چونکہ منفعت بعینہ واپس کرنا متعذر ہے اس واسطے کہ اس کے ذمہ قیمت منفعت یعنی اجر المثل واپس کرنا واجب ہو یہ محیط میں ہے۔

ایک شخص نے کاشرب[3] تلف کر دیا یعنی غیر شخص کے شرب یعنی پانی سے اپنی زمین سینچی تو بعض مشائخ نے فرمایا کہ ضامن

---

1. مترجم کہتا ہے کہ ہمارے دیار میں خواہ کھیتی ہو یا نہ ہو ہر صورت میں ضامن ہونا چاہیے کیونکہ عرف رائج ہوگیا ہے۔
2. ذاری روند کروانہ نکالنے والا کہ اس سے مراد کھلیان ہے۔
3. شرب وہ حصہ پانی کا جو نہر میں سے اسکی زمین کے واسطے معین ہے اور قولہ غیر شخص یعنی جسکا شرب تلف کیا ہے قولہ ارج جس پر انگور کے بیلوں کا بوجھ ہوتا ہے۔

(1) یعنی مولف۔

ہوگا اور بعض نے فرمایا کہ ضامن نہ ہوگا اور اسی پر فتویٰ ہے یہ جواہر اخلاطی میں ہے۔ بذریعہ فتویٰ دریافت کیا گیا کہ رواج یہ ہے کہ باغبان[1] گرمیوں میں رہتے ہیں اگر کوئی باغبان گرمیوں میں باغ میں نہ رہا اور باغ کو ضائع چھوڑ دیا حتیٰ کہ کسی نے درخت کاٹ لیا یا چوب وارنج لے گئے تو بالاتفاق جواب استحسان مشائخ نے یہی دیا کہ باغبان پر ضمان واجب ہوگی اور اسی جنس کا یہ مسئلہ ہے کہ اہل سمرقند کا رواج یہ ہے کہ جاڑوں میں باغبان محلوں میں رہتے ہیں باغوں میں نہیں رہتے ہیں لیکن گرمیوں میں باغوں میں جاتے ہیں اور اس کو دیکھ بھال آتے ہیں اور اس دیکھ بھال کو منجملہ حفاظت کے سمجھتے ہیں اور اگر جاڑوں میں کوئی شخص باغ میں آیا اور چوب وارنج لے گیا یا درخت کاٹ لیا تو یہ حکم ہے کہ اگر باغبان نے معمولی دیکھ بھال کر لی ہو تو ضامن نہ ہوگا اور اگر معمولی دیکھ بھال نہ کی ہو تو ضامن ہوگا کذا فی المحیط۔

<u>باب بیس:</u>

مزارعت و معاملت میں کفالت کے بیان میں

اگر مزارعت[ل] و معاملت میں کفالت بالزراعة شرط کی اور بیج کاشتکار کی طرف سے ہے تو دونوں فاسد ہو جائیں گے اور اگر مزارعت میں کفالت مشروط نہ ہو تو کفالت باطل ہوگی اور مزارعت صحیح ہوگی اور یہ وجہ یہ ہے کہ ہرگاہ بیج کاشتکار کی طرف سے ہے تو کام کرنا اس کے ذمہ مضمون نہیں ہے چاہیے کام زراعت انجام دے یا مزارعت ترک کر دے اور غیر مضمون کی کفالت فاسد ہوتی ہے پس جب مزارعت میں ایسی کفالت شرط کی تو ایسی شرط کی جس کو عقد مقتضی نہیں ہے پس مثل بیع و اجارہ کے عقد فاسد ہوگا اور اگر عقد میں ایسی کفالت مشروط نہ ہو تو عقد شرط مفسد سے خالی ہوگا پس عقد صحیح رہے گا اور اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہو پس دو حال سے خالی نہیں یا تو مزارعت میں کاشتکار کا اپنے ہاتھوں کام انجام دینا مشروط ہے یا ایسی شرط نہیں ہے پس اگر مشروط نہیں ہے تو کفالت و مزارعت دونوں صحیح ہوں گی خواہ یہ امر عقد میں مشروط کیا ہو یا بعد عقد کے شرط کر لیا ہو کیونکہ کفیل نے ایسے مضمون کی کفالت کی جس کا استیفاء[ع] کفیل سے ممکن ہے کیونکہ یہ کام کاشتکار کے ذمہ مضمون ہے کہ اس کے ایفاء[۲] پر مجبور کیا جا سکتا ہے اور بحکم مزارعت اس کے ذمہ لازم ہو گیا اس کا استیفاء کفیل سے ممکن ہے اور اگر مکفول لہ نے کفیل کو کام کے واسطے پکڑا اور کفیل نے یہ کام انجام دیا تو کاشتکار پر کفیل کے واسطے اس کے کام کا اجر المثل واجب ہوگا اور اگر کاشتکار پر بذات خود کام انجام دینا مشروط ہو پس اگر کفالت عقد مزارعت میں مشروط ہو تو دونوں فاسد ہو جائیں گے اور اگر عقد میں مشروط نہ ہو تو مزارعت صحیح ہوگی اور کفالت باطل ہوگی اور وجہ یہ ہے کہ کفیل نے ایسے فعل کی کفالت کی جس کا استیفاء کفیل سے ممکن نہیں ہے کیونکہ جس طرح کاشتکار کے ہاتھوں سے کام ہوگا وہ غیر سے ممکن نہیں ہے پس یہ کفالت باطل ہوگی جیسا کہ اجارہ میں ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔

عقد معاملہ میں اگر مالک باغ نے عامل سے اس کے کام کا کفیل لیا تو اس کا حکم نظیر حکم مزارعت میں مالک زمین کی طرف سے بیج ہوں اور اگر ایک شخص نے دوسرے کو اپنی زمین آدھے کی بٹائی پر دی اور مالک زمین نے کاشتکار سے اپنے حصہ کا کفیل لیا یا کاشتکار نے مالک زمین سے اپنے حصہ کا کفیل لیا تو یہ کفالت فاسد ہے پس اگر عقد مزارعت میں مشروط ہوگی تو مزارعت فاسد ہوگی اور اگر مشروط نہ ہوگی تو مزارعت فاسد نہ ہوگی اور اگر دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے سے اپنے حصہ کی بابت اس امر کا کفیل لیا کہ دوسرا میرا حصہ

ل زراعت اس شرط پر کہ زراعت کرنے کا فلاں کفیل دے۔ ع شرائط یعنی صحت کے شرائط میں کچھ خلل نہیں ہے۔

(۱) کاشتکار بھی شامل ہے۔ (۲) ایفاء پورا کرنا کاشتکار پر کام کرنا لازم ہے تو وہ کفیل سے پورا کرا لیا۔

تلف نہ کرے تو ضامن ہو پس اگر ایسی کفالت عقد مزارعت میں مشروط ہو تو مزارعت فاسد اور کفالت جائز ہوگی اور اگر مزارعت میں مشروط نہ ہو تو مزارعت وکفالت دونوں جائز ہوں گی اور اگر مزارعت فاسد ہو اور ہر ایک نے دوسرے سے اپنے حصہ زراعت کی بابت کفیل لیا تو کفالت باطل ہوگی کذا فی المحیط۔

باب اکیس:

نابالغ وماذون کی مزارعت کے بیان میں

غلام ماذون نے اگر اپنی زمین شرائط کے ساتھ مزارعت پر دی تو مزارعت جائز ہے بنابر قول اس مجتہد کے جو جواز مزارعت کا قائل ہے خواہ بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں یا ماذون کی طرف سے۔ اسی طرح اگر اس نے مزارعت پر کوئی زمین بشرائط مزارعت لی تو بھی جائز ہے اور اسی طرح جس نابالغ لڑکے کو اپنے باپ یا وصی کی طرف سے تجارت کی اجازت حاصل ہو وہ زمین کو مزارعت پر لینے دینے کا اختیار رکھتا ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر ماذون نے ایک زمین مزارعت پر دی پھر اس کے مولی نے اس کو مجور کر دیا تو دو حال سے خالی نہیں یا تو بیج غلام کی طرف سے ہوں گے یا کاشتکار کی طرف سے ہوں گے پس اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں تو مزارعت باقی رہے گی خواہ مولی نے اس کو قبل زراعت کے مجور کر دیا تو بعد زراعت کے اور اگر بیج ماذون کی طرف سے ہوں پس اگر بعد زراعت کے مجور کیا ہو تو مزارعت باقی رہے گی اور اگر قبل زراعت کے مجور کیا تو مزارعت ٹوٹ جائے گی اور اگر ماذون نے کوئی زمین مزارعت پر لی پھر مولی نے اس کو مجور کر دیا پس اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں تو مزارعت باقی رہے گی اس واسطے کہ غلام کی طرف مزارعت لازم ہوگی پس اس کے حق میں مجور کرنا کارآمد نہ ہوگا اور اگر بیج ماذون کی جانب سے ہوں تو بعد زراعت کے مجور کرنے کی صورت میں یہی حکم ہے کیونکہ مزارعت لازم ہوگئی اور قبل زراعت کے مزارعت باطل ہو جائے گی کیونکہ مولی کو اختیار ہے کہ اس کو کار زراعت سے منع کرے کیونکہ زراعت اس پر لازم نہیں ہے پس حجر کارآمد ہوا اور باوجود حجر کے کار زراعت انجام دینا متعذر رہا پس معقود علیہ فوت ہوگیا پس عقد فسخ ہو جائے گا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر غلام ماذون نے اپنی زمین و بیج کسی شخص کو امسال آدھے کی بٹائی پر مزارعت کے واسطے دی پھر مولی نے زراعت سے منع کر دیا اور مزارعت فسخ کر دی لیکن اس نے اپنے غلام کو مجور نہیں کیا تو مزارعت بر حال خود باقی رہے گی اور مولی کی ممانعت کارآمد نہ ہوگی اور کاشتکار کو زراعت کرنے کا اختیار رہو گا کیونکہ یہ حجر خاص اذن عام پر واقع ہوا ہے پس صحیح نہ ہوگا اسی طرح اگر غلام ماذون نے کوئی زمین مزارعت پر لی اور بیج ماذون کی طرف سے ہیں پس مولی نے اس کو منع کیا اور مجور نہ کیا تو اس کی ممانعت کارآمد نہ ہوگی اور ماذون زراعت کر سکتا ہے اور وجہ[1] وہی ہے جو ہم نے بیان کر دی ہے یہ محیط میں ہے۔

نابالغ یا غلام مجور نے اپنی زمین آدھے کی بٹائی پر کسی کاشتکار کو دی تو یہ باطل ہے پس اگر کاشتکار نے کام کیا اور کھیتی پیدا ہوئی اور مزارعت سے نقصان نہ ہوا تو استحسانا پیداوار دونوں میں نصفا نصف ہوگی اور اگر زراعت سے زمین میں نقصان آیا تو کاشتکار نقصان کا ضامن ہوگا اور پیداوار پوری اسی کی ہوگی اور جب غلام آزاد ہو جائے گا تو کاشتکار نے جو مال نقصان اس کے مولی کو دیا ہے وہ غلام مذکور سے واپس لے گا اور نابالغ سے بعد بالغ ہونے کے یہ مال نہیں لے سکتا ہے پھر غلام اس کاشتکار سے نصف پیداوار لے لے گا اس میں سے غلام کو اس قدر ملے گا جس قدر اس نے کاشتکار کو تاوان دیا ہے اور اگر کچھ باقی رہا تو وہ زیادتی مولی کی ہوگی اور اگر مولی نے کہا کہ میں نقصان زمین نہیں دیکھتا ہوں اور آدھی پیداوار لینے پر راضی ہوں تو غلام کی آزادی سے پہلے اور بعد اس کو یہ اختیار ہے یہ محیط سرخسی میں

[1] وجہ یعنی عام اجازت کے بعد کسی خاص کام سے منع کرنا باطل ہے قولہ مفاد عقد کو ارح یعنی اس معاملہ سے جو کچھ فائدہ ہوتا ہے۔

ہے۔ اگر بیج ماذون کی طرف سے ہوں تو مزارعت صحیح نہیں ہے خواہ مزارعت سے زمین میں نقصان آیا ہو یا نہ آیا ہو اور اگر شخص آزاد نے اپنی زمین بشرائط مزارعت کسی غلام مجور کو یا طفل مجور کو جو مفاد عقد کو جانتا ہے مزارعت پر دی پس اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں اور غلام کاشتکار عمل سے زندہ بچ رہا تو قیاس سے یہ حکم ہے کہ مزارعت باطل ہے اور پوری پیداوار مالک زمین کی ہوگی اور استحساناً مزارعت صحیح ہے اور تمام پیداوار دونوں میں موافق شرط کے مشترک ہوگی اور اگر کھیتی کاٹنے کے لائق ہو جانے کے بعد غلام یا طفل مر گیا تو اس میں دو صورتیں ہیں یا تو اپنی موت سے مراد لینے مشقت کار زراعت سے نہیں مرا تو مالک زمین غلام کی صورت میں غلام کی قیمت تاوان دے گا اور لڑکے کی صورت میں کچھ ضامن نہ ہوگا اور جب اس نے غلام کی قیمت تاوان دے دی تو پوری پیداوار مالک زمین و بیج کی ہوگی اور طفل کی صورت میں پیداوار مالک زمین و طفل کے درمیان موافق شرط کے مشترک ہوگی وجہ دوم یہ کہ دونوں مشقت کار زراعت سے مر گئے تو غلام کی صورت میں مالک زمین اس کی قیمت کا ضامن ہوگا خواہ ایسے کام سے مرا ہو جو اس نے زمین میں کھیتی کاٹنے کے لائق ہونے سے پہلے کیا ہے یا ایسے فعل سے جو اس نے کھیتی کاٹنے کے لائق ہونے سے بعد کیا ہے اور پوری پیداوار مالک زمین کی ہوگی غلام کے مولیٰ کو اس میں سے کچھ نہ ملے گا اور طفل کاشتکار ہونے کی صوت میں اگر طفل مذکور ایسے کام سے مرا جو اس نے زمین میں کھیتی کاٹنے کے لائق ہونے سے پہلے کیا ہے تو مالک زمین کی مددگار برادری پر طفل مذکور کی دیت واجب ہوگی اور اگر ایسے کام سے مرا جو اس نے زمین میں کھیتی کاٹنے کے لائق ہو جانے کے بعد کیا ہے تو ضمان واجب نہ ہوگی اور اگر مسئلہ مذکورہ میں بیج غلام یا طفل کی طرف سے ہوں تو پوری پیداوار طفل و غلام کی ہوگی اور مالک زمین کو اس میں سے کچھ نہ ملے گا اور ان دونوں پر کچھ اجرت زمین واجب نہ ہوگی اور نہ تاوان نقصان زمین لازم ہوگا پس تاوان نقصان اس وجہ سے لازم نہ ہوگا کہ دونوں نے زراعت مالک زمین کی اجازت سے کی ہے اور اجرت زمین واجب نہ ہونا جو فرمایا اس سے یہ مراد ہے کہ غلام پر فی الحال اجرت واجب نہ ہوگی مگر بعد آزاد ہونے کے واجب ہوگی اور لڑکے کی صورت میں لڑکے پر فی الحال و بعد بلوغ کے دونوں وقتوں میں اجرت واجب ہوگی پس غلام مجور تو اپنے اقوال کی ضمانت میں بعد آزاد ہونے کے پکڑا جاتا ہے اور قبل آزاد ہونے کے نہیں ماخوذ ہوتا ہے اور طفل مجور کبھی ماخوذ نہیں ہوتا ہے یہ محیط میں ہے۔

اگر وصی نے یتیم کے بیج لے کر اسی کی زمین میں بوئے اور مزارعت پر گواہ کر لیے ☆

ایک وصی جس یتیم کا وصی تھا اس کی زمین خود مزارعت پر لیا کرتا تھا پس مشائخ میں سے بعض نے فرمایا کہ مطلقاً جائز ہے جیسے کسی دوسرے کو مزارعت پر دینے کا حکم ہے اور بعض نے فرمایا کہ اگر بیج یتیم کی طرف سے ہوں تو نہیں جائز ہے کیونکہ اس میں فی الحال اس کے بیجوں کا اتلاف[1] ہے اور اگر بیج وصی کی طرف سے ہوں تو جائز ہے کیونکہ وصی اس کی زمین کا اجارہ لینے والا ہو جائے گا پس یہ امر بمنزلہ اس کے ہوا کہ وصی نے خود یتیم کو اجارہ پر مقرر کیا اور یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے کہ یہ یتیم کے حق میں بہتر ہے اور مختار یہ ہے کہ اگر اجر المثل یا ضمان المثل یا ضمان نقصان حجم یتیم کے حق میں بہ نسبت اس حصہ پیداوار کے جو اس کو ملتا ہے بہتر ہو تو مزارعت جائز نہ رہے گی (یعنی اس کو یہ تاوان دلایا جائے گا اور تمام پیداوار وصی کی ہوگی) اور اگر حصہ پیداوار یتیم کے حق میں بہتر ہو تو مزارعت جائز ہوگی اس واسطے کہ پوری نظر شفقت یتیم کے حق میں یوں ہی ہے اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اگر وصی نے یتیم کے بیج لے کر اسی کی زمین میں بوئے اور مزارعت پر گواہ کر لیے تو اس نے یہ بیج قرض لیے اور زمین اجارہ پر لی پس اگر پیداوار یتیم کے حق میں بہتر ہوگی تو اس کو پیداوار ملے گی اور اگر اجرت زمین اس کے حق میں بہتر ہوگی تو اس کو اجرت ملے گی یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔

---

[1] اتلاف خاک میں ملانا یعنی کھلا ہوا نفع نہیں بلکہ ضرر کا احتمال ہے اور احکام وصی ملاحظہ کرو۔

باب بائیس:

مالک زمین و کاشتکار کے درمیان اختلاف واقع ہونے کے بیان میں

جاننا چاہیے کہ جو اختلاف مالک زمین و کاشتکار کے درمیان واقع ہوتا ہے وہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ایک یہ کہ دونوں جواز مزارعت وفساد مزارعت میں اختلاف کریں یعنی ایک شخص اس طرح مدعی جواز ہو کہ مزارعت آدھی یا تہائی یا چوتھائی وغیرہ حصے کی شرط سے جو پیداوار میں موجب قطع شرکت نہیں ہے واقع ہوئی ہے اور دوسرا شخص ایسی شرط کا دعویٰ کرے جو پیداوار میں شرکت کو قطع کرتی ہے اوراس کی چند صورتیں میں ایک یہ کہ چند قفیز معلومہ پر مزارعت واقع ہونے کا دعویٰ کرے۔دوم یہ کہ نصف پیداوار پر دس قفیز زیادتی کا دعویٰ کرے۔سوم یہ کہ نصف پیداوار سے دس قفیز کمی کا دعویٰ کرے پس اگر ایک نے نصف یا تہائی یا چوتھائی وغیرہ حصہ پیداوار پر مزارعت مشروط ہونے کا دعویٰ[1] کیا اور دوسرے نے چند قفیز معلومہ پر مزارعت مشروط ہونے کا دعویٰ[2] کیا تو اس میں دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں پس اگر قبل زراعت کے ایسا اختلاف ہوا تو مدعی[ل] فساد کا قول قبول ہوگا خواہ مدعی فساد مالک زمین ہو یا کاشتکار ہو اور دونوں نے اپنے گواہ قائم کیے تو گواہ اس کے مقبول ہوں گے جو جواز زراعت کے ایسا اختلاف کر کے دونوں نے اپنے گواہ قائم کیے تو گواہ اس کے مقبول ہوں گے جو جواز مزارعت کا دعویٰ کرتا ہے اور اگر ایسا اختلاف زراعت کے بعد پڑا تو جس کے بیج ہیں اس کا قول قبول ہوگا خواہ وہ جواز کا مدعی ہو یا فساد کا مدعی ہو خواہ زمین میں کچھ کھیتی اُگی ہو یا نہ اُگی ہو اور اگر دونوں نے گواہ قائم کیے تو مدعی جواز کے گواہ قبول ہوں گے۔

دوم یہ کہ بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں اور اس صورت میں مالک زمین ویسا ہی جیسا صورت اوّل میں کاشتکار تھا پس صورت اوّل میں جو احکام کاشتکار کے واسطے مذکور ہوئے ہیں وہ سب اس صورت میں مالک زمین کے واسطے ثابت ہوں گے یہ بیان اس صورت کا ہے کہ ایک نے نصف وثلث وغیرہ حصہ کا دعویٰ کیا ہے اور دوسرے نے چند قفیز معلومہ کا دعویٰ کیا ہے اور اگر ایک نے نصف پیداوار مشروط ہونے کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے نصف پیداوار کے ساتھ زیادہ دس قفیز مشروط ہونے کا دعویٰ کیا تو اس میں دو صورتیں ہیں اوّل یہ کہ بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں اور اس صورت میں اگر دس قفیز کے زیادہ ہونے کا دعویٰ مدعی بیجوں کا مالک ہو یعنی مالک زمین تو کاشتکار کا قول جو فقط نصف پیداوار مشروط ہونے کا دعویٰ کرتا ہے مقبول ہوگا خواہ ایسا اختلاف قبل زراعت کے ہو یا بعد زراعت کے واقع ہو۔اگر دونوں نے اپنے اپنے گواہ قائم کیے تو جو شخص دس قفیز زیادہ مشروط ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کے گواہ مقبول ہوں گے اور اگر دس قفیز زیادہ مشروط ہونے کا مدعی وہ شخص ہو جس کی طرف سے بیج نہیں ہیں یعنی کاشتکار پس اگر دونوں نے قبل زراعت کے ایسا اختلاف[3] کیا تو مدعی جواز کا قول قبول ہوگا یعنی جس کی طرف سے بیج ہیں اور اگر بعد زراعت کے ایسا اختلاف کیا تو جس کی طرف سے بیج نہیں ہیں یعنی کاشتکار کا قول قبول ہوگا اور اگر دونوں نے اپنے گواہ قائم کیے تو جو شخص دس قفیز زیادہ مشروط ہونے کو ثابت کرتا ہے اس کے گواہ قبول ہوں گے یہ اس وقت ہے کہ بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں اور اگر کاشتکار کی طرف سے ہوں تو اس صورت میں کاشتکار ویسا ہی ہوگا جیسا صورت اوّل میں مالک زمین ہے پس جو احکام مالک زمین کے واسطے اس صورت میں مذکور ہوئے ہیں وہ سب اس صورت میں کاشتکار کے واسطے ہوں گے۔

ل مدعی فساد یعنی جو شخص مزارعت فاسد ہونے کا مدعی ہے۔

(۱) جواز کا دعویٰ کیا۔ (۲) یعنی فساد کا دعویٰ کیا۔ (۳) یعنی مالک

یہ اس وقت ہے کہ ایک نے نصف حصہ مشروط ہونے کا اور دوسرے نے نصف کے ساتھ دس قفیز زیادہ مشروط ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔ اگر دوسرے نے نصف سے دس قفیز کم مشروط ہونے کا دعویٰ کیا ہو تو اس میں دو صورتیں ہیں اوّل یہ کہ بیج مالک زمین کی طرف سے ہو اور اس میں بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اختلاف بعد زراعت کے ہو پس اگر زمین میں کچھ کھیتی اُگی ہو اور نصف مشروط ہونے کا مدعی وہ ہو جس کی طرف سے بیج نہیں ہیں یعنی کاشتکار تو قول مالک زمین کا قبول ہوگا اور اگر دونوں کے گواہ قائم کیے تو گواہ کاشتکار کے قبول ہوں گے اور اگر زمین میں کچھ کھیتی اُگی نہ ہو تو قول مالک زمین کا قبول ہوگا اور اگر دونوں نے گواہ قائم کیے تو گواہ بھی اسی کے جس کی طرف سے بیج ہیں یعنی مالک زمین کے قبول ہوں گے۔ یہ اس وقت ہے کہ بعد زراعت کے دونوں نے اختلاف کیا اور دوم یہ کہ دونوں نے قبل زراعت اختلاف کیا تو اس میں بھی دو صورتیں ہیں کہ مدعی صحت وہ شخص ہو۔ جس کی طرف سے بیج ہیں پس قول اسی کا قبول ہوگا اور اگر دونوں نے گواہ قائم کیے تو گواہ بھی اسی کے قبول ہوں گے اور اگر مدعی صحت کاشتکار ہو تو قول مالک زمین کا اور گواہ کاشتکار کے قبول ہوں گے کذافی الذخیرہ۔ یہ سب جو مذکور ہوا ہے اس صورت میں ہے کہ دونوں نے عقد مزارعت کے جائز ہونے و فاسد ہونے میں اختلاف کیا اور اگر دونوں نے عقد جائز ہونے پر اتفاق کیا مگر مقدار مشروط میں اختلاف کیا مثلاً جس کی طرف سے بیج ہیں اس نے دوسرے سے کہا کہ میں تیرے واسطے تہائی پیداوار شرط کی ہے اور دوسرے نے کہا کہ نہیں بلکہ تو نے میرے واسطے نصف پیداوار شرط کی ہے تو اس میں دو صورتیں ہیں اوّل یہ کہ بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں اور اس صورت میں اگر قبل زراعت کے اختلاف واقع ہوا اور دونوں میں سے کسی ایک کے پاس یا دونوں کے پاس گواہ نہیں ہیں تو دونوں سے ہر ایک کے دعویٰ پر قسم لے جائے گی اور پہلے کاشتکار سے قسم لینی شروع کی جائے گی۔

ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ امام ابو یوسفؒ کا پہلا قول ہے اور دوسرا قول امام ابو یوسفؒ کا یہ ہے کہ پہلے مالک زمین سے قسم لینی شروع کی جائے گی اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ امام ابو یوسفؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ پہلے کاشتکار سے قسم لی جائے گی اور یہی امام محمدؒ کا قول ہے پھر اگر دونوں نے قسم کھالی تو قاضی دونوں کے درمیان عقد فسخ کر دے گا بشرطیکہ دونوں میں سے کوئی فسخ کی درخواست کرے اور اگر دونوں کے قسم کھالینے کے بعد کسی ایک نے گواہ قائم کیے پس اگر قاضی دونوں کے درمیان سے عقد کو فسخ کر چکا ہو تو اس کے گواہوں کی طرف التفات نہ کرے گا اور اگر ہنوز قاضی نے عقد فسخ نہ کیا ہو تو اس کے گواہ مقبول ہوں گے اور باہمی قسم واقع ہونے سے پہلے دونوں میں سے جس نے اپنے دعویٰ پر گواہ قائم کیے اس کے گواہ قبول ہوں گے اور اگر دونوں نے گواہ قائم کیے تو کاشتکار کے گواہ قبول ہوں گے یہ اس وقت ہے کہ قبل زراعت کے دونوں نے اختلاف کیا اور اگر زراعت کے بعد دونوں نے اختلاف کیا پس اگر دونوں میں سے کسی نے گواہ قائم کیے تو اس کے گواہ قبول ہوں گے اور اگر دونوں نے گواہ قائم کیے تو کاشتکار کے گواہ قبول ہوں گے۔ اگر دونوں کے پاس گواہ نہیں تو دونوں سے باہم قسم نہ لی جائے گی یہ سب اس صورت میں ہے کہ بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں اور اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں تو اس صورت میں کاشتکار ویسا ہی ہے جیسا کہ صورت اوّل میں مالک زمین ہے پس اگر دونوں نے گواہ قائم کیے تو گواہ مالک زمین کے مقبول ہوں گے اور اگر دونوں کے پاس گواہ نہ ہوں پس اگر بعد زراعت کے اختلاف ہو تو دونوں سے باہمی قسم نہ لی جائے گی اور اگر قبل زراعت کے اختلاف ہو تو دونوں سے باہمی قسم لی جائے گی اور پہلے مالک زمین سے قسم شروع کی جائے گی۔

مشائخ نے فرمایا کہ یہ جو کتاب میں مذکور ہے کہ اس مسئلہ میں دونوں سے باہمی قسم لی جائے گی یہ محمول ایسی صورت پر ہے کہ بیجوں کے مالک نے یہ کہا ہو کہ میں مزارعت کو نہیں توڑتا ہوں اور اگر اس نے کہا کہ میں مزارعت کو توڑتا ہوں تو باہمی قسم کے کچھ معنی نہیں

ہیں۔ یہ سب جو ہم نے ذکر کیا اس صورت میں ہے کہ دونوں نے اس امر پر اتفاق کیا کہ بیج اس شخص[1] کی طرف سے ہیں کذا فی المحیط۔ اگر دونوں میں سے ایک یا دونوں مر گئے اور دونوں کے وارثوں نے حصص کی شرط میں اختلاف کیا تو مالک زمین کے وارثوں کا قول اور کاشتکار کے وارثوں کے گواہ قبول ہوں گے۔ اگر دونوں نے اس طرح اختلاف کیا کہ بیج کس کی طرف سے ہیں تو قول کاشتکار اور اس کے وارثوں (۱) کا قبول ہوگا اور گواہ مالک زمین یا اس کے وارثوں کے قبول ہوں گے۔ اگر دونوں نے بیجوں و شرط میں اختلاف کیا اور دونوں نے گواہ قائم کیے تو گواہ مالک زمین کے قبول نہ ہوں گے کیونکہ وہی خارج ہے اور کاشتکار صاحب الید یعنی فی الحال قابض ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کی زمین میں زراعت کی پھر جب کھیتی کاٹی تو مالک زمین نے کہا کہ تو میرا اجیر تھا تو نے میرے بیجوں سے زراعت کی تھی اور کاشتکار نے کہا کہ میں کاشتکار تھا۔ میں نے اپنے بیجوں سے زراعت کی ہے تو قول کاشتکار کا قبول ہوگا کیونکہ دونوں نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ بیج کاشتکار کے قبضہ میں تھے پس اس صورت میں قول قابض کا قبول ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنی زمین و بیج دو شخصوں کو اس شرط سے دیے کہ دونوں اس میں اس سال زراعت کریں اور جو کچھ اس میں اللہ تعالیٰ پیدا کرے اس میں سے اس شخص کا تہائی ہوگا اور مالک زمین کا دو تہائی ہوگا اور دوسرے کاشتکار کے واسطے مالک زمین پر سو درہم ہوں گے تو یہ مزارعت موافق شرط کے جائز ہے کیونکہ مالک زمین نے دونوں میں سے ایک کو بعوض بدل معلوم یعنی سو درہم کے کسی قدر مدت معلومہ کے واسطے اجارہ پر مقرر کیا اور دوسرے کو حصہ پیداوار کے عوض مدت معلومہ تک کام کرنے کے واسطے اجارہ پر مقرر کیا اور ان دونوں عقدوں میں سے ہر ایک تنہا جائز ہے پس دونوں کو جمع کر دینے کی صورت میں بھی جائز ہے پھر اگر زمین میں بہت پیداوار ہوئی اور دونوں عاملوں نے باہم اختلاف کیا اور ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ مالک نے جس کے واسطے تہائی پیداوار شرط کی ہے وہ میں ہوں تو مالک زمین کا قول قبول ہوگا۔

اگر دونوں میں سے ہر ایک نے گواہ قائم کیے کہ میرے واسطے تہائی مشروط تھی تو جس کے واسطے مالک زمین نے تہائی کا اقرار کیا ہے وہ مالک زمین کے اقرار سے تہائی پیداوار لے لے گا اور دوسرا اپنے گواہوں سے تہائی پیداوار لے لے گا مگر اس کو اجرت میں سے کچھ نہ ملے گا اس واسطے کہ تہائی پیداوار کے استحقاق کے ساتھ ضرور ہے کہ اجرت منتفی[2] ہو جس کا مالک زمین نے اقرار کیا ہے اور اگر زمین میں کچھ نہ پیدا ہوا اور دونوں میں سے ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ جس کے واسطے مالک نے اجرت قرار دی ہے وہ میں ہوں تو قول مالک زمین کا قبول ہوگا اور اگر دونوں نے گواہ قائم کیے تو مالک زمین پر ہر ایک کے واسطے سو درہم اجرت واجب ہوگی پس ایک کے واسطے اس وجہ سے کہ مالک نے اس کے واسطے اقرار کیا ہے اور دوسرے کے واسطے اس وجہ سے کہ اس نے اپنے گواہوں سے ثابت کی ہے اور اس صورت میں اور نیز صورت اوّل میں ان دونوں کے گواہوں کے مقابلہ میں مالک زمین کے گواہوں کی طرف التفات نہ کیا جائے گا اور اگر مالک زمین نے اپنی زمین دو کاشتکاروں کو اس شرط سے دی کہ دونوں اپنے بیجوں سے اس میں زراعت کریں اور جو کچھ اس میں پیدا ہوگا اس میں سے خاص[3] اس ایک کے واسطے نصف پیداوار ہوگی اور مالک زمین کے واسطے اس پر سو درہم اجرت واجب ہوگی اور دوسرے کے واسطے تہائی پیداوار مالک زمین کے واسطے چھٹا حصہ ہوگا تو یہ جائز ہے اس واسطے کہ اس نے اپنی زمین دونوں کو اجارہ پر دی یعنی نصف زمین خاص ایک کاشتکار کو بعوض سو درہم اجرت کے دی اور نصف زمین دوسرے کو اس نصف کی پیداوار میں سے

---

[1] اس شخص یعنی کسی کو دونوں نے معین کیا خواہ زمیندار یا کاشتکار ہو قولہ حصص کی شرط یعنی مثلاً مالک کے ورثا نے کہا کہ کاشتکار کے لیے چہارم شرط تھی اور انھوں نے کہا کہ نہیں بلکہ پیداوار میں زمیندار کے لیے شرط تھی۔ [2] منتفی یعنی نہ دارد ہو مراد یہ کہ جس کے لئے پیداوار ہے اس کے لیے سو درہم نہیں تھے۔

[3] خاص یعنی ایک کو معین کیا۔ (۱) جب کاشتکار مر گیا۔

تمام زمین کی پیداوار کی تہائی کے حساب سے دینے پر دی[1] اوران دونوں عقدوں میں سے ہر ایک تنہا صحیح ہے پس باجتماع بھی صحیح ہے۔ پھر اگر دونوں نے زمین مذکور میں زراعت کی اور زمین میں کچھ پیدا نہ ہو پس دونوں میں سے ہر ایک نے مالک زمین سے کہا کہ میں نے تیرے واسطے چھٹا حصہ زراعت شرط کیا ہے پس دونوں میں سے ہر ایک اپنے زعم میں جس قدر شرط کرنے کا زعم کرتا ہے اس میں اسی کا قول قبول ہوگا اور اگر دونوں نے اپنے اپنے گواہ قائم کیے تو مالک زمین کے گواہ قبول ہوں گے اور اگر زمین میں زراعت کثیر پیدا ہوئی اور دونوں میں سے ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ جس نے اجرت زمین دینے کی شرط کی تھی وہ میں ہوں اور مالک زمین نے دونوں میں سے ایک پر اجرت کا دعویٰ کیا اور دوسرے پر چھٹے حصہ پیداوار کا دعویٰ کیا تو مالک زمین نے جس پر اجرت کا دعویٰ کیا ہے اس سے اجرت لے لے گا کیونکہ دونوں نے اس پر اجرت مشروط ہونے پر اتفاق کیا ہے اور دوسرے پر مالک نے بعض پیداوار کا دعویٰ کیا حالانکہ وہ منکر ہے تو قول منکر کا قبول ہوگا اور مالک زمین سے کہا جائے گا کہ تو نے اس پر چھٹے حصہ پیداوار کا دعویٰ کیا ہے اس کے گواہ پیش کر اور اگر دونوں نے گواہ قائم کیے تو مالک زمین کے گواہ قبول ہوں گے اور اگر دو شخصوں نے اپنی زمین ایک کاشتکار کو اس شرط سے دی کہ اس میں اپنی بیجوں و کام سے زراعت کرے اور جو کچھ اس میں پیدا ہوگا اس میں سے دو تہائی کاشتکار کا اور ایک تہائی خاص اس مالک زمین کا ہوگا اور دوسرے مالک کے واسطے اس کے حصہ کی بابت کاشتکار پر سو درہم واجب ہوں گے تو یہ جائز ہے پھر اگر زمین مذکور میں بہت پیداوار ہوئی اور دونوں مالکوں میں سے ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ جس کے واسطے تہائی پیداوار مشروط ہے وہ میں ہوں تو کاشتکار کا قول قبول ہوگا اور اگر دونوں مالکوں میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے دعویٰ کے گواہ قائم کیے تو ہر ایک کو تہائی پیداوار ملے گی اور ان دونوں کے گواہوں کے مقابلہ میں کاشتکار کے گواہ مقبول نہ ہوں گے۔

ایک شخص نے دو کاشتکاروں کو اپنی زمین و بیج اس شرط سے دی کہ خاص اس کاشتکار کو تہائی پیداوار ملے گی اور دوسرے کو پیداوار میں سے بیس قفیز ملیں گے۔ باقی مالک زمین کی ہوگی پس دونوں نے زراعت کی اور زمین میں پیداوار بہت ہوئی تو جس کاشتکار کے واسطے تہائی شرط کی تھی اس کو تہائی ملے گی اور باقی دو تہائی مالک زمین کی ہوگی اور دوسرے کاشتکار کے واسطے اس کے کام کا اجرالمثل واجب ہوگا خواہ زمین میں کچھ پیدا ہو یا نہ ہو اس واسطے کہ عقد مزارعت مالک اور اس کاشتکار کے درمیان جس کے واسطے تہائی مشروط تھی صحیح ہے اور مالک اور دوسرے کاشتکار کے درمیان فاسد ہے لیکن ایک کے ساتھ جو عقد ہے وہ بحرف عطف دوسرے عقد پر معطوف ہے اس میں مشروط نہیں ہے۔ اگر دونوں کاشتکاروں میں سے ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ میرے واسطے تہائی مشروط ہے تو مالک زمین کا قول قبول ہوگا اور اگر دونوں نے گواہ قائم کیے تو ہر ایک کاشتکار کو تہائی پیداوار ملے گی پس ایک کاشتکار کو اس وجہ سے کہ مالک زمین نے اس کے واسطے اقرار کیا ہے اور دوسرے کو اس وجہ سے کہ اس نے اپنے گواہوں سے ثابت کیا ہے اور اگر زمین میں کچھ پیداوار نہ ہوئی اور دونوں کاشتکاروں میں سے ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ جس کے واسطے اجرالمثل ہونا چاہیے وہ میں ہوں تو مالک زمین کا قول قبول ہوگا کہ یہ شخص ہے جس کے واسطے اجرالمثل چاہیے ہے اور اگر دونوں نے اپنے اپنے دعویٰ پر گواہ قائم کیے تو مالک زمین کے گواہ قبول ہوں گے کیونکہ مالک زمین اپنے گواہوں سے اپنے اور دوسرے کاشتکار کے درمیان عقد صحیح ہونا ثابت کرتا ہے اور دوسرا کاشتکار اپنے گواہوں سے اس کی نفی کرتا ہے پس جس کے گواہوں سے شرط صحت عقد ثابت ہوتی ہے اس کو ترجیح ہے۔ اگر دو مالکوں نے اسی شرط سے اپنی زمین ایک کاشتکار کو دی اور بیج کاشتکار کی طرف سے ہیں تو ان سب صورتوں میں جو ہم نے بیان کر دی ہیں کاشتکار کے واسطے وہی احکام ثابت ہوں گے جو مسئلہ مذکورۂ بالا میں مالک زمین کے حق میں جس کی طرف سے بیج ہیں مذکور ہوئے ہیں کیونکہ یہ دونوں فی المعنی یکساں ہیں کذا فی المبسوط۔

---

[1] دینے پر دی یعنی تمام زمین کی پیداوار سے تہائی دیکھی جب مثلاً سو من ہوئی تو یہ کاشتکار اپنے نصف کی پیداوار میں سے سو من دے جو تمام زمین کی تہائی پیداوار ہے ۱۲

باب تئیس:

بغیر عقد کے اراضی کی زراعت کے بیان میں

ایک شخص نے اپنی زمین ایک کاشتکار کو ایک سال مزارعت کے واسطے اس شرط سے دی کہ اپنے بیجوں سے اس میں زراعت کرے پس کاشتکار نے اس میں زراعت کی پھر سال گذرنے کے بعد بدوں اجازت مالک زمین کے اس میں زراعت کی پھر مالک زمین کو یہ بات معلوم ہوئی خواہ کھیتی اگنے سے پہلے یا اس کے بعد مگر اس نے اجازت نہ دی تو مشائخ نے فرمایا کہ اگر اس گاؤں کے لوگوں میں یہ عادت جاری ہے کہ ایک بار کے بعد مکرر بدوں تجدید عقد کے زراعت کرتے ہیں تو یہ جائز ہے اور جو پیداوار ہوئی ہے وہ سال گذشتہ کے عقد کی شرط کے موافق دونوں میں مشترک ہوگی اور شیخ امام اسمٰعیل زاہدؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ کتاب میں یہ مسئلہ ذکر کر کے فرمایا کہ یہ جائز نہیں ہے اور کاشتکار پر لازم ہے کہ مثل صورت غصب کے پیداوار میں سے بقدر اجرت اپنے کام اور اپنے بیلوں کے اور اپنے بیجوں کے لے کر باقی صدقہ کر دے اور ہمارے مشائخ اسی حکم کے موافق جو کتاب میں مذکور ہے فتویٰ دیتے تھے مگر میں نے بعض کتب میں دیکھا کہ یہ جائز ہے اور ایسا ہے کہ جیسے ایک شخص نے اپنی زمین دوسرے کو دی اور کہا کہ میں نے یہ زمین تجھے اسی طور پر دی جس طرح فلاں کاشتکار کے پاس پہلے سال تھی تو یہ جائز ہے پس صورت مسئلہ بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہیے اور مؤلف نے فرمایا کہ میرے نزدیک حکم یوں ہے کہ اگر زمین مزارعت پر دینے کے واسطے رکھی گئی ہو اور پیداوار میں سے کاشتکار کا حصہ اس گاؤں کے لوگوں کے عرف سے معلوم ہو اور کبھی مختلف نہ ہوتا ہو پھر کسی شخص نے ایسی زمین میں زراعت کر لی تو استحساناً جائز ہے اور اگر یہ زمین مزارعت پر دینے کے واسطے نہ رکھی گئی ہو یا پیداوار میں سے کاشتکار کا حصہ اس موضع میں یکساں نہ ہو بلکہ ہر ایک کے قرارداد کے موافق مختلف ہوتا ہو تو جائز نہیں ہے اور کاشتکار غاصب قرار دیا جائے گا اور واضح ہو کہ عادت کی طرف اس وقت لحاظ کیا جائے گا جب یہ معلوم نہ ہو کہ کاشتکار نے براہ غصب اس میں کھیتی کی ہے۔

اگر یہ معلوم ہو کہ اس شخص نے براہ غصب زراعت کی ہے مثلاً وقت زراعت کے کاشتکار نے یوں قرار کیا کہ میں اس زمین میں اپنے واسطے زراعت کرتا ہوں مزارعت پر زراعت نہیں کرتا ہوں یا یہ شخص ایسا ہو جو زمین کو مزارعت پر نہیں لیتا ہے اس کو جانتا ہے تو یہ شخص غاصب ہوگا اور پیداوار اسی کی ہوگی اور اس پر نقصان زمین کا تاوان واجب ہوگا اس طرح اگر اس نے بعد زراعت کے اقرار کیا کہ میں نے اس زمین میں براہ غصب زراعت کی ہے تو قول اسی کا قبول ہوگا اس واسطے کہ وہ پیداوار میں غیر کا کچھ استحقاق ہونے سے انکار کرتا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ میں نے بعض فتاویٰ میں لکھا دیکھا کہ زمینیں جو دیہات میں ہیں یا وقف یا ملک اور اس مواضع کی عادت یہ ہے کہ جس کا جی چاہتا ہے ان زمینوں میں زراعت کرتا ہے اور متولی وقف سے اجازت نہیں مانگتا ہے اور نہ مالک زمین سے اور متولی و مالک لوگ ان کو منع نہیں کرتے ہیں اور کاشتکار لوگ غلہ تیار ہونے پر بٹائی دو ہقانی[1] کا حصہ دے دیتے ہیں اور یہ لوگ انکار نہیں کرتے ہیں اگر ایسی زمینوں میں کوئی شخص کھیتی کرے بدوں اس کے کہ متولی یا مالک سے مزارعت پر لے تو یہ زراعت بطور مزارعت کے ہوگی اور اگر کوئی ایسا موضع ہو کہ جس میں زراعت کے واسطے مالک کی اجازت ضروری ہوتی ہے اور اگر کوئی مالک کی بلا اجازت زراعت کرے تو مالک اس کو منع کرتا ہے یا مالک زمین خود کاشت کرتا ہے اور کبھی کاشتکار کو دے دیتا ہے پس ایسے موضع میں اگر کسی نے بلا اجازت مالک کے یا بے اجازت متولی وقف کے زمین ملکی یا وقفی میں زراعت کی تو زمین وقفی میں مزارعت پر حمل[2] کریں گے اور

---

[1] وہقانی زمینداری کیونکہ اصل وہ قاآن یعنی سردار قریہ ہے۔ [2] یعنی حمل قرار دیں گے کہ اس نے بطور مزارعت کے زراعت کر لی ہے۔

زمین ملکی میں نہیں کذافی المحیط۔

کاشتکار نے زمین سے پیداوار غلہ اٹھالیا مگر زمین مذکور میں گیہوں کے دانہ چھلکے رہ گئے اور وہ اگے اور کھیتی تیار ہوگئی تو یہ کاشتکار و مالک زمین کے درمیان بحساب ہر ایک کے حصہ پیداوار کے تقسیم ہوگی اس واسطے کہ دونوں کے مشترک بیج سے اُگی ہے مگر کاشتکار کو چاہیے کہ اپنے حصہ سے زائد کو صدقہ کر دے اور اگر مالک زمین نے اس کو سینچا ہو اور پرداخت کی ہو حتیٰ کہ وہ اُگی تو یہ اس کی ہو گی کیونکہ جب اس نے پانی دیا تو اس کا مالک ہو گیا پس اگر ان دانوں کی قیمت ہو تو مالک زمین اس کا ضامن(1) ہوگا ورنہ نہیں اور اگر اس کو کسی اجنبی نے پانی دیا مگر بطور تطوع تو یہ اُگی ہوئی کھیتی کاشتکار و مالک زمین کے درمیان مشترک ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر ایک شخص کی زمین بغیر کسی کے بوئے ہوئے کوئی درخت یا کھیتی اُگی تو وہ مالک زمین کی ہوگی کیونکہ اس کی زمین سے پیدا ہوئی ہے پس زمین کا جزو ہوگی پس مالک زمین کی ہوگی کذافی المحیط۔

باب بیسویں:

متفرقات میں

اگر اپنی زمین و بیج کسی کو اس شرط سے دی کہ امسال اس میں زراعت کرے اور جو کچھ اس میں سے اللہ تعالیٰ روزی کرے گا وہ ہم دونوں میں نصفا نصف ہوگا پس کھیتی قصیل[1] ہوگئی پھر دونوں نے چاہا کہ اس کو کاٹ کر فروخت کر دیں تو اس کا کاٹنا و فروخت کرنا دونوں کے ذمہ ہوگا خواہ بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں یا مالک زمین کی طرف سے۔ اگر کھیتی قابل درو ہوگئی مگر سلطان نے ان کو اس کے کاٹنے سے منع کیا خواہ براہ ظلم منع کیا یا کوئی مصلحت دیکھ کر منع کیا یا اس غرض سے منع کیا کہ اپنا خراج وصول کرے تو اس کی حفاظت ان دونوں پر لازم ہوگی یہ مبسوط باب ما لفسد المزارعۃ میں ہے۔ اگر کوئی زمین کسی کے پاس رہن ہو اور کسی غیر شخص نے چاہا کہ یہ زمین راہن سے مزارعت پر لے تو اس کو چاہیے کہ مرتہن کی اجازت سے راہن سے مزارعت پر لے۔ اگر کسی شخص نے اپنی زمین ایک سال یا دو سال کے واسطے مزارعت پر دی اور بیج مالک زمین کی طرف سے ہیں پھر مالک زمین نے چاہا کہ اپنی زمین کاشتکار کے ہاتھ سے نکال لے پس اس نے کاشتکار سے کہا کہ تیرا جی چاہے اس میں اپنے بیجوں سے زراعت کر یا میرے پاس چھوڑ دے پس کاشتکار نے کہا کہ مجھے میرے کام کا اجر المثل دے دے پس مالک زمین نے کہا کہ تجھے دے دوں گا پھر مالک زمین نے چاہا کہ خود اس میں زراعت کرے پھر جب کاشتکار کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے جا کر زمین میں زراعت کی پھر کھیتی پختہ ہو کر تیار ہوئی پس اگر مالک زمین نے اس کے اس فعل کی اجازت دے دی ہو تو پیداوار دونوں میں مشترک ہوگی اور یہ مسئلہ واقعۃ الفتویٰ ہے یعنی ایسا واقعہ ہوا تھا اور اس پر یوں فتویٰ دیا گیا ہے۔

اگر ایک کاشتکار مر گیا اور مستاجر نے وارثان کاشتکار کو بیج دے کر کہا کہ ان سے اس زمین میں زراعت کرو پس انہوں نے زراعت کی تو پیداوار کس کی ہوگی اور یہ مسئلہ واقعۃ الفتویٰ ہے۔ پس تمام مفتیوں کے جواب میں اس امر پر اتفاق تھا کہ پیداوار وارثان کاشتکار کی ہوگی اس واسطے کہ عقد مزارعت کاشتکار کے مرنے سے فسخ ہو گیا پس یہ فعل مستاجر کی طرف سے وارثان کاشتکار کو بیج قرض دینے میں شمار ہے اس واسطے کہ مستاجر کے قول میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ اس نے پیداوار میں سے اپنے واسطے کچھ شرط کر لیا ہے مثلاً یوں کہا ہو کہ ان بیجوں سے اس زمین میں میرے واسطے زراعت کر دو یا یوں کہا ہو کہ تا کہ کھیتی ہمارے و تمہارے درمیان مشترک ہو اور مستاجر کے واسطے وارثان کاشتکار پر ان بیجوں کے مثل واجب ہوں گے یہ محیط میں ہے۔

---

[1] قصیل: یعنی اس میں بالیاں نہ آئیں جس کو چری کہتے ہیں۔ (1) یعنی حصہ کاشتکار۔

قاضی بدیع الدینؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک عورت نے اپنے بالغ پسر کی زمین معاملہ پر دے دی اور بیٹا آتا جاتا تھا تو فرمایا کہ یہ رضا مندی نہیں ہے اور بھی قاضی بدیع الدینؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک مستاجر نے کاشتکار کو اپنا باغ انگور ایک سال کے واسطے ہزار من انگور فلانسی پر بعقد معاملہ دی تو فرمایا کہ نہیں جائز ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک شخص سے ایک سال یا دو سال کے واسطے اجرت معلومہ پر ایک زمین اجارہ لی پھر یہ زمین کسی کاشتکار کو مزارعت پر دی پس اگر بیج مستاجر کی طرف سے ہوں تو جائز ہے اور اگر کاشتکار کی طرف سے ہوں تو نہیں جائز ہے ایسا ہی حاکم احمد سمرقندی نے اپنے مشروط میں ذکر فرمایا ہے اور ابن رستم نے اپنے نوادر میں یہ مسئلہ ذکر کیا اور اس کو امام محمدؒ کا اوّل قول قرار دیا اور بنا بر دوم قول امام محمدؒ کے یہ حکم ہے کہ کاشتکار کو یہ زمین مزارعت پر دینا نہیں جائز ہے خواہ بیج کاشتکار اوّل کی طرف سے ہوں یا اجارہ لینے والے کی طرف سے ہوں یہ ذخیرہ میں ہے۔ فتاویٰ عتابیہ میں ہے۔

اگر کسی نے اپنا باغ انگور یا زمین حرام یا نجس پانی سے سینچا تو جو کچھ پیدا ہو وہ حلال ہے جیسے کہ کسی نے اپنی گدہی کو غیر کی گھاس چرائی پھر جو کر[¹] لے آئے وہ اس کو حلال ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ زید نے عمرو سے ایک زمین اجارہ لی پھر وہ زمین عمرو کی جورو یا بیٹے کو مزارعت پر دی اور بیج کاشتکار کی طرف سے ہیں اور یہ بیٹا اپنے باپ کی عیال میں ہے پس باپ یعنی عمرو نے اس میں زراعت کی پس اگر بیٹے کی امانت کے طور پر زراعت کر دی بایں طور پر کہ بیج اپنے بیٹے کو قرض دے دیے تو پیداوار غلہ اس بیٹے اور زید کے درمیان موافق شرط کے مشترک ہوگا اور اگر عمرو نے اپنے واسطے زراعت کر لی بایں طور پر کہ بیٹے کو بیج قرض نہ دیے تو پوری پیداوار عمرو کی ہوگی جس نے کاشت کی ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر ایک شخص نے ایک عورت سے ایک زمین اجارہ پر لے کر قبضہ کرنے کے بعد یہ زمین عورت مذکور کے شوہر کو مزارعت یا معاملت یا مقاطعت[(۱)] پر دے دی تو جائز ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر ایک شخص مر گیا اور اس نے اولاد[(۲)] صغار و کبار[(۳)] و زوجہ چھوڑی اور یہ اولاد بالغ اسی عورت سے ہے یا میت کی کسی دوسری زوجہ سے ہے پس اولاد بالغ نے کھیتی کا کام شروع کیا اور اپنے درمیان مشترک زمین میں یا غیر کی زمین میں بطریق کاشتکاروں کے جیسا لوگ کیا کرتے ہیں زراعت کی اور یہ سب اولاد زوجہ زندہ کی عیال ہیں یہی عورت ان کے احوال کی نگران ہے اور یہ اولاد کبار زراعت کرتے ہیں اور ایک ہی بیت میں سب غلہ جمع کرتے ہیں اور سب اس میں خرچ کرتے ہیں پس یہ تمام غلہ عورت اور اولاد کے درمیان مشترک ہوگا یا فقط زراعت کرنے والوں کا ہوگا یہ مسئلہ واقعة الفتویٰ تھا یعنی ایسا واقعہ ہوا تھا جس پر فتویٰ طلب کیا گیا تھا پس علمائے متقین کے جواب اس باب پر متفق ہوئے یہ اگر زراعت کرنے والوں نے اپنے سب لوگوں کے باہمی مشترک بیجوں سے باقیوں کی خود اجازت سے اگر وہ لوگ بالغ ہیں یا ان کے وصی کی اجازت سے اگر نابالغ ہیں زراعت کی ہے تو یہ سب غلہ سب میں مشترک ہوگا اور اگر زراعت کرنے والوں نے اپنے ذاتی بیجوں سے زراعت کی ہے تو یہ سب غلہ فقط زراعت کرنے والوں کا ہوگا اور اگر زراعت کرنے والوں نے باہمی مشترک بیجوں سے باقیوں کی بلا اجازت یا ان کے وصی کی بلا اجازت کی ہے تو یہ سب غلہ زراعت کرنے والوں کا ہوگا کیونکہ زراعت کرنے والے بیج کے غاصب ہو گئے اور جو شخص غصب کے بیج سے زراعت کرے تو غلہ غاصب کا ہوتا ہے یہ محیط میں ہے۔

ایک شخص نے اپنی زمین دوسرے کو مزارعت پر دی حالانکہ زمین مذکور میں کپاس کے ٹھونٹھ ہیں تو شیخ امام ابوبکر محمد بن الفضل نے فرمایا کہ اگر یہ ٹھونٹھ زراعت سے مانع نہ ہوں تو مزارعت جائز ہے اور اگر مانع ہوں تو مزارعت فاسد ہوگی لیکن اگر عقد مزارعت ایسے وقت کی طرف مضاف کیا جس وقت زمین مذکور بالکل خالی ہو جائے تو عقد جائز رہے گا اور اگر اس سے سکوت کیا تو جائز نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ زید نے عمرو کو ایک زمین بشرائط مزارعت پر دی اور عمرو نے اس میں زراعت کی اور غلہ پیدا ہوا پھر خالد آیا اور کہا کہ میں نے یہ زمین بکر سے خریدی ہے اور یہ زمین اسی کی ملک تھی پس نصف غلہ بٹائی کا مجھے چاہیے ہے پھر اس نے نصف غلہ لے لیا پھر زید

[¹] مقیس علیہ سے پورا انطباق اس کی علت میں جب ہو سکتا ہے کہ اس کا دودھ حلال ہو فتامل۔

(۱) بالقطع۔ (۲) چھوٹے بچے۔ (۳) بالغ اولاد۔

آیا پس اگر اس نے خالد کے قول کی تصدیق کی اور عمرو سے مخاصمہ نہ کیا تو اس کو کچھ نہ ملے گا اور اگر اس نے خالد کی تکذیب کی اور عمرو سے مخاصمہ کیا پس اگر خالد نے نصف غلہ براہ تغلب لے لیا ہو تو زید کو اختیار ہوگا کہ باقی نصف میں عمرو کے ساتھ شرکت کرے کیونکہ جس قدر مال مشترک میں سے تلف ہوا وہ شرکت میں گیا اور جو باقی رہا وہ شرکت میں رہا پھر دونوں نے مل کر مدعی یعنی خالد سے جو اس نے لیا ہے واپس لیں گے اگر اس کو پائیں۔ اگر خالد نے تغلب کی راہ سے نہ لیا ہو بلکہ عمرو نے باختیار خود اس کو دیا ہو تو زید کو اختیار ہوگا کہ عمرو سے باقی نصف لے لے اور اگر خالد نے جس وقت نصف غلہ لیا ہے عمرو سے کہا ہو کہ یہ زمین میری طرف سے مزارعت پر لے اور اس نے لے لی پس آیا یہ مزارعت صحیح ہوگی اور مزارعت اولیٰ فسخ ہو جائے گی تو یہ حکم ہے کہ اگر بیج عمرو کی طرف سے نہ ہوں تو یہ مزارعت صحیح نہ ہوگی اور نہ مزارعت اولیٰ فسخ ہوگی اور اگر بیج عمرو کی طرف سے ہوں حتیٰ کہ اس کو فسخ کا اختیار ہو تو باوجود اس کے بھی اس مقام پر چاہیے کہ مزارعت فسخ نہ ہوگا بخلاف اس کے اگر اس نے ابتداً فسخ کی تو فسخ ہو سکتی ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔

اگر ایک شخص نے اپنا باغ انگور دوسرے کو معاملہ پر دیا اور عامل باغ مذکور میں کچھ کام نہ کیا تو باغ کے پھلوں میں اس کا کچھ استحقاق نہ ہوگا اس طرح اگر اس نے کام تو کیا مگر درختوں و پھلوں کی حفاظت نہ کی حتیٰ کہ پھل ضائع ہو گئے تو کچھ مستحق نہ ہوگا اس واسطے کہ حفاظت کرنا بھی عامل کے حق میں منجملہ عمل کے ہے مگر کاشتکار نے اگر زراعت میں مثل تسدیب[1] وغیرہ کے نہ کیا یہاں تک کہ زراعت میں نقصان آیا پس آیا پیداوار میں کچھ استحقاق رکھتا ہے تو بعض مشائخ نے فرمایا کہ حکم بتفصیل ہے یعنی اگر بیج اس کی طرف سے ہوں تو مستحق ہوگا بخلاف[ا] عامل کے کہ اگر اس نے باغ انگور میں کچھ کام نہ کیا اور پھل کسی شخص نے توڑ لیے یا خراب ہو گئے تو کچھ مستحق نہ ہوگا اور اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں تو چاہیے کہ کچھ مستحق نہ ہو اس واسطے کہ پیداوار اس کی ملک سے نہیں اُگی ہے یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے ایک سال کی مزارعت پر ایک زمین دی پھر کھیتی سال کے تمام ہونے سے پہلے تیار ہو کر کاٹ لی گئی تو مزارعت ٹوٹ جائے گی بشرطیکہ جب باقی سال کسی دوسری چیز کی زراعت کے واسطے کافی نہ ہو یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر ایک شخص کو اپنی زمین دی کہ اس میں خرما کی گٹھلیاں بوئے اس شرط سے کہ ان کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کرے اور حاصلات دونوں میں مشترک ہوگی تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ موضع تحویل معین کر دیا مثلاً یوں کہا کہ یہاں سے اس دوسری زمین میں منتقل کر دے یا کہا کہ اسی زمین کے اس جانب سے دوسری جانب منتقل کر دے تو اس صورت میں عقد فاسد ہوگا خواہ بیج کاشتکار کی طرف سے ہو یا مالک زمین کی طرف سے اور اگر اس نے موقع تحویل معین نہ کیا تو قیاس یہ چاہتا ہے کہ جائز نہ ہو اور استحساناً عقد جائز ہے اور جو چیز ایسی ہو کہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر تحویل کی جاتی ہو اس کا یہی حکم ہے اور بعض فتاویٰ میں ہے مثلاً بیان کیا کہ جیسے بادنجان وغیرہ کے درخت۔ قال المترجم یہ وہاں کا عرف ہے اور دیار ہند میں امید ہے۔

یہ حکم نہ دو۔ واللہ اعلم ایک شخص نے دوسرے کو اپنی زمین کھنڈل اس شرط سے دی کہ کاشتکار اس کی تعمیر[۲] کرے اور کاشتکار مع مالک زمین کے دونوں کو بیجوں سے تین برس تک زراعت کرے تو مزارعت فاسد ہے اور اس واسطے کہ کاشتکار کے ذمہ تعمیر کی شرط مفسد عقد ہے پس اگر مالک و عامل نے دونوں کے بیجوں[2] سے ایک سال بویا تو مالک زمین کو اختیار ہوگا کہ زمین کو لے لے اور تمام کھیتی دونوں

[ا] قال المترجم: والحق ان المزارعة والمعاملة فی ہذا علی نہج واحد فان المعاملة بالاشجار اذا کانت فی الثمار کانت کمزارعة کانت فیہا البذر علی رب الارض وفی ہذه المزارعة اذالم لعمل المزارع ماذکرہ فی الکتاب لم یستحق شئیا نقولہ بخلاف العامل ینبغی ان یتصل بالشق الثانی دھنالک لاحاجة الی ذکر ہذا الخلاف فافہم۔ [۲] تعمیر زمین کو آراستہ کر کے زراعت کے قابل کرنا۔

(۱) کھیتی پیراستہ کرنا۔ (۲) یعنی بیجوں سے۔

میں بقدر ہر ایک کے بیج کے مشترک ہوگی اور کاشتکار کے واسطے مالک زمین پر اپنے کام یعنی تغییر زمین کا اجر المثل واجب ہوگا اور مالک زمین کے واسطے کاشتکار پر اپنی اس قدر زمین کا جتنی کاشتکار کے بیجوں کی زراعت میں گھری تھی اجر المثل واجب ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ شیخ ابوالقاسمؒ سے دریافت کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے جیحون[1] کے کنارے کی زمین میں زراعت کی اور کھیتی تیار ہوگی پھر ایک قوم نے آکر دعویٰ کیا کہ زمین ہماری ہے تو شیخؒ نے فرمایا کہ کھیتی تو بیجوں والے کی ہوگی اور رقبہ میں مزروعہ کا یہ حکم ہے کہ اگر قوم مذکور نے اس پر اپنا استحقاق ثابت کیا تو ان کا ہوگا ورنہ اس کا ہوگا جس نے اس کو حیاء[2] کیا ہے کذافی الحاوی۔ ایک بند آب دو زمینوں کے درمیان ہے ایک زمین بہ نسبت دوسری زمین کے اونچی ہے اور کاریز مذکور پر درخت لگے ہیں کہ ان کا لگانے والا معلوم نہیں ہوتا ہے تو شیخ الاسلام ابوبکر محمد بن الفضلؒ نے فرمایا کہ اگر نیچی زمین میں بدوں کاریز کے پانی ٹھہرا رہتا ہے اور امساک آب میں کاریز کی احتیاج نہیں ہے تو کاریز کے مقدمہ میں قسم کے ساتھ اونچی زمین والے کا قول قبول ہوگا اور جب کاریز کے مقدمہ میں اس کا قول قبول ہوا تو اس پر جو درخت ہیں وہ بھی اسی کے ہوں گے تاوقتیکہ دوسرا اپنے گواہ قائم نہ کرے۔ اگر نیچی زمین امساک آب میں کاریز کی محتاج ہے تو کاریز اور جو درخت اس پر ہیں۔ سب دونوں میں مشترک ہوں گے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر دونوں میں سے کسی نے دعویٰ کیا کہ خاصہ میری ہے تو بدوں گواہوں کے اس کے قول کی تصدیق نہ کی جائے گی مگر دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے سے قسم لینے کا اختیار ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر دو شخصوں نے مزارعت پر ایک زمین اس شرط سے لی کہ دونوں اس زمین میں مالک زمین کے بیجوں سے زراعت کریں بشرطیکہ جو کچھ پیداوار ہو وہ تین تہائی ہوگی ایک تہائی مالک زمین کی اور ایک ایک تہائی ہر ایک کاشتکار کی پھر دونوں نے اس میں زراعت کی مگر کوئی ایسی آفت کھیتی کو پہنچی کہ کچھ پیدا نہ ہوا پھر دونوں میں سے ایک کاشتکار نے کہا کہ اس میں فصل خریف کی زراعت نہ کروں گا۔ پھر ایک نے بدوں علم دوسرے کے اس میں فصل خریف بوئی اور پیداوار حاصل ہوئی پس آیا دوسرے کاشتکار کو اس فصل خریف کی پیداوار میں سے بسبب اس کام کے جو اس نے اس زمین میں گذشتہ فصل میں کیا ہے کچھ ملے گا تو فرمایا کہ ملے گا لیکن اگر کچھ دے کر اس کی رضامندی حاصل کرے تو یہ افضل ہے اور ایسے مسائل میں اصل یہ ہے کہ بدوں عقد کے عمل کی کچھ قیمت نہیں ہوتی ہے پس بدوں عقد کے محض عمل کی وجہ سے کچھ مستحق نہ ہوگا لیکن امام محمدؒ نے کتاب المزارعۃ میں اسی کے مثل مسئلہ میں ذکر فرمایا ہے کہ وہ عامل کو رضامند کر لے یہ ذخیرہ میں ہے۔ شیخؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک زمین محدود پر بیع الوفاء واقع ہوئی اور ہر دو متعاقدین نے ہر دو عوض میں قبضہ کر لیا اور مشتری نے اس زمین میں چند سال تک زراعت کی اور غلہ لے لیا تو خراج کس پر واجب ہوگا فرمایا کہ بائع پر اگر زمین مذکور میں ہے بوجہ زراعت کے نقصان آیا ہو پھر دریافت کیا گیا کہ اگر بائع نے اس سے ضمان نقصان کا مطالبہ نہ کیا تو بھی اس پر خراج لازم ہوگا فرمایا کہ ہاں۔ آدھے بھوسے کی شرط پر خرمن کوبی نہیں جائز ہے کیونکہ یہ قفیز الطحان کے معنی میں ہے۔

اگر کاشتکار مرتد ہو اور بیج اسی کی طرف سے ہوں ☆

تہائی یا چوتھائی پر کپڑا بننے کے مسئلہ میں ذکر کیا کہ مشائخ بلخؒ نے لوگوں کے تعامل کی وجہ سے حکم جواز اختیار کیا ہے اور مشائخ بخارا نے حکم کتاب کے موافق کہ یہ قفیز الطحان کے معنی میں ہے جائز نہیں ہے اختیار کیا ہے علیٰ ہذا پنبہ[1] چیدن وارزن کوفتن وگندم

[1] پنبہ چیدن روئی چننا ارزن کوفتن دھان کوٹنا گندم درودن گیہوں کاٹنا یعنی ان چیزوں میں انہیں میں سے کچھ دینا شرط کیا ہے۔

(۱) نام دریا۔ (۲) بنجر زمین کو قابل زراعت کرنا۔

درودون میں بھی یہی اختلاف ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر کسی مرتد نے اپنی زمین و بیج کسی کاشتکار کو آدھے کی بٹائی پر دی اور اس نے شرط پر زراعت کی اور کھیتی پیدا ہوئی پس اگر مرتد مذکور مسلمان ہو گیا تو یہ زراعت دونوں میں موافق شرط کے مشترک ہوگی اور اگر حالت ردت میں قتل کیا گیا تو پیداوار کاشتکار کی ہوگی اور دینے والے کو بیجوں اور نقصان زمین کا تاوان دے گا یہ اس کا قول ہے جس نے بقیاس قول امام اعظمؒ مزارعت کی اجازت دے کر اختیار کیا ہے اور یہ تاوان ہر حال میں کاشتکار پر واجب ہوگا خواہ زمین میں کچھ پیدا ہو یا نہ ہو اور بنا بر قول صاحبینؒ کے یہ مزارعت صحیح ہے اور پیداوار دونوں میں موافق شرط کے مشترک ہوگی اور اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں اور مرتد حالت ردت میں قتل کیا گیا پس اگر زمین میں نقصان آیا ہو تو کاشتکار نقصان زمین کا تاوان دے گا اور پوری زراعت اسی کی ہوگی۔ اگر زمین میں نقصان نہ آیا ہو تو قیاس چاہتا ہے کہ پوری پیداوار اسی کی ہو مگر استحساناً تمام پیداوار کاشتکار و وارثان مرتد کے درمیان مشترک ہوگی اور قیاس و استحسان بقیاس قول امام اعظمؒ ہے اور صاحبین کے نزدیک یہ مزارعت صحیح ہے۔ اگر کاشتکار مرتد ہو اور بیج اسی کی طرف سے ہوں پس اگر مرتد مذکور اپنی حالت ردت پر قتل کیا گیا تو امام اعظمؒ کے قول پر تمام پیداوار اسی کی ہوگی اور مالک زمین کو کچھ نہ ملے گا۔ اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں تو بالاجماع سب کے نزدیک تمام پیداوار دونوں میں موافق شرط کے مشترک ہوگی اور اگر دونوں مرتد ہوں اور بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں تو پیداوار کاشتکار کی ہوگی اور اس پر واجب ہوگا کہ بیج اور نقصان زمین تاوان دے اس واسطے کہ کاشتکار کے واسطے مالک زمین کا حکم بالمزارعۃ صحیح نہ ہوا تو کاشتکار مثل غاصب کے ہو گیا کہ اس نے زمین و بیج غصب کیے ہیں اور اگر دونوں مسلمان ہو گئے یا بیجوں کا مالک مسلمان ہو گیا تو تمام پیداوار دونوں میں موافق شرط کے مشترک ہوگی جیسا کہ اگر وقت عقد کے مسلمان ہوتا تو یہ حکم تھا۔

اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں حالانکہ وہ حالت ردت میں قتل کیا گیا تو پیداوار اسی کی ہوگی اور اس پر نقصان زمین کا تاوان لازم ہوگا اس واسطے کہ مالک زمین کا حکم بالمزارعۃ وارثوں کے حق میں صحیح نہیں ہے۔ اگر زمین میں کچھ نقصان آیا ہو تو مثل غصب[1] کے وارثان مالک زمین کو کچھ نہ ملے گا اسی طرح اگر مالک زمین مسلمان ہو گیا تو یہ ایسا ہے کہ جیسے وقت عقد کے مسلمان تھا یعنی حکم یہی ہے۔ اگر دونوں مسلمان ہو گئے یا کاشتکار مسلمان ہوا اور مالک زمین حالت ردت میں قتل کیا گیا تو کاشتکار وارثان مقتول مذکور کو نقصان زمین تاوان دے گا اس واسطے کہ مالک مذکور کا کاشتکار کو زراعت کے واسطے حکم دینا وارثوں کے حق میں صحیح نہیں ہے اور اگر زمین میں کچھ نقصان نہ آیا ہو تو قیاس یہ ہے کہ پیداوار کاشتکار کی ہوگی اور وارثان مالک زمین کو کچھ نہ ملے گا مگر استحساناً پیداوار دونوں میں موافق شرط کے مشترک ہوگی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر دونوں قتل کیے گئے یا دونوں مسلمان ہو گئے یا دونوں دارالحرب میں جا ملے یا دونوں[2] مر گئے تو پیداوار دونوں میں موافق شرط کے مشترک ہوگی اور وہ مرتدہ عورت کی مزارعت و معاملت میں بھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول[3] ہے یہ مبسوط میں ہے۔ مسلمان و حربی کے درمیان دارالاسلام یا دارالحرب میں عقد مزارعت صحیح ہے اس طرح دو حربیوں یا دو مسلمانوں کے درمیان دارالحرب میں عقد مزارعت جائز ہے خواہ یہ دونوں مسلمان ایمان لے کر دارالحرب میں گئے ہوں یا وہیں مسلمان ہوئے ہوں اور اگر دارالحرب پر مسلمان غالب ہو گئے اور انہوں نے فتح کر لیا تو یہ سب اراضی فئی[4] و مال غنیمت ہوگی پس جو حصہ زراعت حربی کا ہے وہ بھی فئی ہوگا مگر جو حصہ مسلمان کا ہے وہ فئی نہ ہوگا اور اگر امام نے ان حربیوں کی اراضی ان کے پاس چھوڑ دی اور ان پر منت و احسان کیا یا یہ لوگ مسلمان ہو گئے تو جو معاملات ان کے درمیان جس طرح تھے بحالہ باقی رہیں گے لیکن جو معاملہ وہ مسلمانوں

---

[1] مثل غصب یعنی جیسے غصب کچھ نہیں ملتا تھا کیونکہ زراعت باجازت ہے۔ [2] قولہ مر گئے تو دونوں کے وارثوں میں مشترک ہوگی۔

[3] یعنی جو مرد مرتد کی صورت میں بیان ہوا۔ [4] فئی مال غنیمت جو جہاد میں حاصل ہوا ہو۔

میں فاسد ہوتا ہے وہ فاسد ہو جائے گا۔ اگر مسلمان نے حربی کے واسطے عقد مزارعت میں دس قفیز پیداوار شرط کی تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک صحیح ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نہیں صحیح ہے۔ اگر ایسا عقد مزارعت ایسے دو مسلمانوں میں جو دارالحرب میں مسلمان ہوئے ہیں واقع ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک صحیح ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہے تاتارخانیہ میں ہے۔

اگر ایک شخص نے اپنی زمین و بیج بطور مزارعت فاسدہ دی اور مزارع نے زمین جوتی اور نہریں اگاریں پھر بیجوں کے مالک نے مزارعت باقی رکھنے سے انکار[1] کیا تو اس پر کاشتکار کے کام و اجر المثل واجب ہوگا یہ سراجیہ میں ہے۔ مجموع النوازل میں مذکور ہے کہ ایک کاشتکار نے ایک زمیندار سے درخواست کی کہ اپنی زمین مجھے چوتھائی[1] کی بٹائی پر دے دے پس زمین دار نے کہا کہ اگر تیرا جی چاہے تو اس شرط سے زراعت کر کہ تہائی میری ہوگی ورنہ نہیں پھر جب اس نے بعد زراعت کے کھیتی کاٹی تو دونوں نے اختلاف کیا تو مذکور ہے کہ تہائی زمین دار کی ہوگی اور باقی پیداوار کاشتکار کی ہوگی اور نیز مجموع النوازل میں ہے جب کہ ایک کھیتی دو آدمیوں میں مشترک ہے ان میں سے ایک غائب ہو گیا اور دوسرے نے کھیتی کو کاٹا تو یہ متبرع قرار دیا جائے گا کذا فی المحیط۔

---

[1] یعنی چوتھائی تیری ہوگی باقی پیداوار میری ہوگی۔

(۱) یعنی توڑ دیا۔

کتاب المعاملة

اس میں دو ابواب ہیں

باب اوّل ☆

معاملہ کی تفسیر و شرائط واحکام کے بیان میں

معاملہ کی تفسیر ☆

معاملہ کی تفسیر یہ ہے کہ معاملہ[1] عبارت ہے کام کے اوپر بعوض بعض حاصلات کے عقد قرار دینے سے مع تمام شرائط جواز معاملہ کے۔

معاملہ کی شرائط ☆

معاملہ کے واسطے چند شرطیں ہیں از انجملہ یہ ہے کہ عاقدین معاملہ دونوں عاقل ہوں پس جو شخص عقد معاملہ کو نہ سمجھتا ہو اس کا عقد جائز نہ ہوگا اور بالغ ہونا شرط نہیں ہے اور ایسی ہی حریت یعنی آزاد ہونا بھی شرط نہیں ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ جس نے معاملہ کو جائز رکھا ہے اس کے نزدیک بقیاس قول امام اعظمؒ یہ چاہیے کہ دونوں عقد کرنے والے مرتد نہ ہوں حتیٰ کہ اگر دونوں میں سے کوئی مرتد ہوا اور عقد معاملہ واقع ہوا پس اگر مالک درخت مرتد ہو پھر وہ اسلام لایا تو حاصلات دونوں میں موافق شرط کے مشترک ہوگی اور اگر حالت ردت میں قتل کیا گیا یا مر گیا یا دارالحرب میں جاملا تو پوری حاصلات مالک کی ہوگی کیونکہ اسی کی ملک سے پیدا ہوئی ہے اور عامل کو اگر اس نے کام کا اجر المثل ملے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں تمام حاصلات عامل مسلمان اور وارثان مالک مرتد کے درمیان مشترک ہوگی جیسا کہ اگر دونوں مسلمان مرے تو یہی حکم ہے۔ اگر عامل مرتد ہو پس اگر وہ مسلمان ہو گیا تو بالا جماع جو حاصلات ہو وہ دونوں میں موافق شرط کے مشترک ہوگی یہ سب اس صورت میں کہ عقد معاملہ ایک مسلمان اور ایک مرتد کے درمیان واقع ہو اور اگر دو مسلمانوں میں واقع ہوا پھر دونوں مرتد ہو گئے یا ایک مرتد ہو گیا تو حاصلات دونوں میں موافق شرط کے مشترک ہوگی اور عقد معاملہ عورت مرتدہ کا بالا اجماع بلا خلاف جائز ہے۔ از انجملہ یہ شرط ہے کہ اگر درخت جس میں پھل موجود ہیں معاملہ پر دیا تو پھل ایسی حالت میں ہوں کہ ان میں عامل کے کام سے زیادتی ہو۔ پس اگر ایک خرما کا درخت جس میں طلع[2] یا بسر ہیں کہ سرخ یا سبز ہو گئے ہیں مگر ان کا بڑھنا پورا نہیں ہو گیا ہے تو معاملہ جائز ہوگا۔ اگر ان کا بڑھنا پورا ہو گیا مگر ہنوز وہ رطب نہ ہوئے ہوں تو معاملہ فاسد ہوگا اور پوری حاصلات مالک درخت خرما کی ہوگی۔

از انجملہ یہ ہے کہ حاصلات دونوں کے واسطے مشروط ہو پس اگر دونوں نے ایک کے واسطے حاصلات مشروط کی تو معاملہ فاسد

[1] یعنی بعض حاصلات کے عوض کام پر مزدور قرار دینے کو معاملہ کہتے ہیں مگر اس میں سب شرائط جواز موجود ہوں۔ [2] طلع جیسے آم کا بور اور بسر جیسے آم کی کچی کیریاں۔

ہوگا۔ از انجملہ یہ ہے کہ بعض حاصلات جو ہر ایک کے واسطے مشروط ہے وہ مشترک[1] ومعلوم القدر ہو یعنی تہائی و چوتھائی وغیرہ مقدار حصہ مشترک معلوم ہو اور از انجملہ یہ ہے کہ جس میں عقد معاملہ قرار پایا ہے وہ عامل کے سپرد کرے یعنی اس کے اور عامل کے درمیان تخلیہ کر دے کوئی مانع اور کچھ لگاؤ نہ رکھے حتیٰ کہ اگر دونوں کے ذمہ اس میں کام کرنا عقد میں مشروط ہو تو معاملہ فاسد ہوگا اور واضح ہو کہ مدت کا بیان کرنا جواز معاملہ کے واسطے استحساناً شرط نہیں ہے کیونکہ بدوں بیان مدت کے لوگوں میں اس کا تعامل جاری ہے پس پہلا پھل جو سال کے اول میں اترتا ہے اس پر عقد معاملہ کا وقوع ہوگا یعنی اسی پر مدت قرار دی جائے گی اور اگر کوئی زمین دی کہ اس میں رطاب کی کاشت کرے یا ایسی زمین دی جس میں اصول رطبہ باقی تھیں اور مدت بیان نہ کی پس اگر ایسی شے ہو کہ اس کے جمنے و کاٹنے کی ابتدا و انتہا کا وقت معلوم نہ ہو تو معاملہ فاسد ہوگا اور اگر اس کے کاٹنے کا وقت معلوم ہو تو معاملہ جائز ہے اور پہلی کٹائی جو واقع ہو اسی پر مدت کی انتہا قرار دی جائے گی جیسا پھل دار درختوں میں ہوتا ہے۔ شرائط مفسدہ کے چند انواع ہیں از انجملہ یہ کہ تمام حاصلات دونوں میں سے ایک کے واسطے مشروط ہو پس یہ شرط مفسد عقد ہے۔ از انجملہ یہ کہ دونوں میں سے ایک کے واسطے کسی قدر قفیز معلومہ مشروط ہوں۔ از انجملہ یہ کہ مالک زمین کے ذمہ کام مشروط ہو۔ از انجملہ یہ کہ حاصلات تقسیم ہونے کے بعد اس کا اٹھا لانا[2] اور حفاظت کرنا شرط کیا گیا ہو از انجملہ یہ کہ اگر خرما کے پھل توڑنا یا انگور کے پھل توڑنا عامل کے ذمہ شرط کیے تو بلا خلاف یہ شرط مفسد ہے۔ از انجملہ کاشتکار کے ذمے ایسے کام کی شرط کرنا جس کی منفعت مدت معاملہ گزرنے کے بعد باقی رہے۔ جیسے کھاد ڈالنا و انگوروں کی ٹیٹیاں کھڑی کرنا یا درخت جمانا و زمین گوڑنا اور جو اس کے مانند کام ہوں کیونکہ یہ امور بر مقتضائے عقد نہیں ہیں اور نہ ایسے ہیں کہ ضرورات معقود علیہ اور اس کے مقاصد میں سے ہوں۔

از انجملہ یہ ہے کہ جس میں عامل کا کام بعقد معاملہ قرار دیا گیا ہے اس میں معاملہ پر دینے والا شرکت رکھتا ہو تو معاملہ فاسد ہے چنانچہ اگر ایک باغ خرما دو شخصوں میں مشترک ہو پھر ایک شریک نے دوسرے شریک کو مدت معلومہ کے واسطے معاملہ پر دے دیا بدیں شرط کہ جو حاصلات ہو وہ دونوں میں تین تہائی ہو اس طرح کہ دو تہائی اس شریک کی جس نے کام کیا ہے اور ایک تہائی اس شریک کی جس نے کام نہیں کیا ہے تو ایسا معاملہ فاسد ہے اور تمام حاصلات دونوں میں بحساب ہر ایک کی ملک کے تقسیم ہوگی مگر جس شریک نے کام کیا ہے اس کے واسطے دوسرے شریک پر کام کا اجر المثل واجب ہوگا اور اگر دونوں یوں شرط کرتے کہ تمام حاصلات دونوں میں بحساب ہر ایک کی ملک کی تقسیم ہوگی۔ تو معاملہ جائز ہوتا اور اگر شریک ساکت نے شریک عامل کو حکم دیا کہ جس سے درخت خرما کی نر مادی لگائی جاتی ہے وہ خرید کرے اور اس نے خرید کی تو جس قدر دام اس نے دیے ہیں اس کے آدھے دام اس سے واپس لے گا اور معاملہ جائز ہے خواہ عامل ایک شخص ہو یا زیادہ ہوں چنانچہ اگر ایک شخص نے اپنا باغ خرما دو شخصوں کو بٹائی پر دیا تو جائز ہے خواہ اس نے دونوں عاملوں کا حصہ برابر رکھا ہو یا کم زیادہ رکھا ہو پھر واضح ہو کہ معاملہ صحیح کے احکام چند انواع ہیں از انجملہ یہ ہے کہ عقد معاملہ میں جن کاموں کی ضرورت درختوں و باغ انگور و رطبہ و اصول بادنجان وغیرہ کو اس قسم کی ہے جیسے سینچنا و نہر درست کرنا و حفاظت کرنا و درختان خرما کی نر مادی لگانا تو ایسے کام سب عامل کے ذمہ ہیں اور جو کام ایسے ہیں کہ ان میں درختوں و باغ انگور و زمین میں خرچ پڑتا ہے جیسے زمین میں کھاد دینا اور

---

[1] قال المترجم اگر باغ انگور دیا اور عامل کے واسطے دس من انگور شرط کیے تو معاملہ فاسد ہے اس واسطے کہ حاصلات مشترک نہ رہی اور اگر یوں کہا کہ میں نے یہ باغ انگور تجھے معاملہ پر بدین شرط دیا کہ اسی حاصلات میں سے بعض حاصلات میری اور بعض تیری ہوگی تو فاسد ہے اس واسطے کہ حصہ مشترک چیز معلوم القدر ہے۔

[2] مثلاً عامل کے ذمہ شرط کیا کہ مالک کا حصہ بعد تقسیم کے اٹھا کر اس کے گھر پہنچائے یا جب تک نہ اٹھایا جائے تب تک اس کی حفاظت کرے یا دونوں شرط کیے۔

ایسی زمین گوڑنا جس میں انگور وغیرہ کے درخت و رطبہ ہے اور انگور کی ٹٹیاں کھڑی کرنا اور اس کے مثل کام جن میں خرچہ ہے وہ دونوں پر بقدر ہر ایک کے حق کے واجب ہوگا اور خرما کے پھل توڑنا اور انگور کے خوشہ چننا بھی اس میں داخل ہے۔ ازانجملہ یہ ہے کہ جو حاصلات ہو وہ دونوں میں موافق شرط کے مشترک ہوگی ازانجملہ یہ ہے کہ اگر درختوں میں کچھ نہ آئے تو دونوں میں سے کسی کو کچھ نہ ملے گا۔ ازانجملہ یہ ہے کہ عقد معاملہ طرفین سے لازم ہوتا ہے حتیٰ کہ دونوں میں سے کسی کو انکار کا یا فسخ عقد کا بدوں دوسرے کی رضامندی کے اختیار نہیں ہے لیکن اگر کوئی عذر پیش آئے جس کا شرع میں اعتبار ہے تو فسخ کر سکتا ہے۔ ازانجملہ یہ کہ عامل پر کام کے واسطے جبر کر سکتا ہے لیکن اگر عامل معذور ہو تو ایسا نہیں کر سکتا ہے۔ ازانجملہ یہ کہ جو حصہ شرط کیا گیا ہے اس پر بڑھانا یا اس سے گھٹانا جائز ہے مگر اصل یہ ہے کہ بڑھانے میں بڑھانا اسی صورت میں جائز ہوگا جب ابتدائے عقد قرار دینا ہو سکے[1] ورنہ نہیں ہاں گھٹانا دونوں صورتوں میں جائز ہے چنانچہ اگر ایک شخص نے اپنا باغ خرما آدھے کی بٹائی پر دیا اور پھل نکلے پس اگر انکار بڑھنا پورا نہ ہوگیا ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کی طرف سے دوسرے کے حق میں حصہ مشروط پر کچھ بڑھا دینا جائز ہے۔

اگر کیریوں کا بڑھنا پورا ہوگیا تو عامل کی طرف سے مالک باغ کے واسطے بڑھانا جائز ہے اور مالک کی طرف عامل کے واسطے کچھ بڑھانا نہیں جائز ہے اور ازانجملہ یہ ہے کہ عامل کو یہ اختیار نہیں ہے کہ دوسرے عامل کو معاملہ پر دے دے لیکن اگر دوسرے نے عامل سے یہ کہہ دیا ہو کہ اپنی رائے پر عمل کر تو دے سکتا ہے۔ واضح ہو کہ حکم معاملہ فاسدہ کے چند انواع ہیں۔ ازانجملہ یہ کہ عامل پر کام کرنے کے واسطے جبر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ازانجملہ یہ کہ پوری حاصلات مالک کو ملے گی اور مالک اس میں سے کچھ صدقہ نہ کرے گا ازانجملہ یہ کہ عامل کے کام کا اجر المثل پھلوں کے پیدا ہونے پر نہیں ہے بلکہ اجر المثل واجب ہوگا خواہ پھل پیدا ہوں یا کچھ نہ پیدا ہو ازانجملہ یہ ہے کہ اجر المثل[2] مقدار مسمے پر مقدر ہوگا اس سے زیادہ نہیں دیا جائے گا یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک پورا واجب ہوگا یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ عقد معاملہ میں دونوں میں سے ہر ایک کا حصہ بیان کیا گیا ہو اور اگر بیان نہ کیا گیا ہو تو بلاخلاف پورا اجر المثل واجب ہوگا اور واضح ہو کہ جو امور فسخ معاملہ میں عذر ہوتے ہیں ازانجملہ یہ کہ عامل چور ہو چوری میں مشہور ہو کہ اس کی ذات پھلوں کی نسبت جوف کیا جائے اور جن امور سے عقد معاملہ خود فسخ ہو جاتا ہے وہ اقالہ کرنا ہے اور مدت معاملہ گذر جانا اور متعاقدین کا مر جانا کذا فی البدائع اور عقد معاملہ عامل کے بیمار ہونے سے فسخ ہو جاتا ہے بشرطیکہ کام کرنا اس کو اس طرح مضر ہو کہ وہ کام سے ضعیف ہوتا ہو اور اگر عامل نے چاہا کہ میں کام نہ کروں تو صحیح قول کے موافق اس کو یہ قابو نہ دیا جائے گا یہ تبیین میں ہے۔

باب دوم:

متفرقات میں

اگر درختوں و باغہائے انگور میں بعض پھلوں کے عوض معاملہ اقرار دیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک فاسد ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ مدت معلومہ اور جزو مشاع یعنی مثل تہائی و چوتھائی وغیرہ کے بیان کر دیا ہو اور فتویٰ اس امر پر ہے کہ معاملہ جائز ہے اگرچہ مدت بھی بیان نہ کی ہو یہ سراجیہ میں ہے اور رطبات واصول بادنجان میں مساقات جائز ہے یہ سراج الوہاج میں ہے۔ اگر باغ خرما اور درخت خرما یا باغ انگور کسی شخص کو چند ماہ معلوم کے واسطے پر دیا حالانکہ یقیناً یہ بات معلوم ہے کہ نخل یا شجر یا انگور میں اتنی مدت میں

---

[1] ہو سکے یعنی معقود علیہ اس قابل باقی ہو کہ اس پر ابتدائے عقد ہو سکتا ہو۔ [2] قال المترجم اس کے معنی یہ ہیں کہ اجر المثل اگر مثلاً دس ہو اور مسمے بارہ تو دس ملے گا اور اگر اجر المثل اس صورت میں پندرہ ہو تو بارہ ملے گا نہ زیادہ یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک بہر صورت پورے پندرہ ملیں گے۔

پھل نہ آئے گا تو معاملہ فاسد ہے اور اگر اتنی مدت ہو کہ جس میں کبھی پھل آجاتا ہے اور کبھی نہیں آتا ہے تو عقد معاملہ موقوف رہے گا پس اگر اس مدت مقررہ میں پھل آگیا تو معاملہ صحیح ہو جائے گا اور اگر نہ آیا تو فاسد ہو جائے گا اور یہ اس وقت ہے کہ اس مدت میں ایسا پھل آگیا ہو جیسا اس معاملہ میں امید ہے اور اگر ایسا پھل آیا کہ جیسا ایسے معاملہ میں مرغوب[1] نہیں ہوتا ہے تو معاملہ جائز نہ ہوگا کیونکہ جو مرغوب نہیں ہے اس کا وجود و عدم یکساں ہے اور اگر اس مدت مقررہ میں درخت خرما میں پھل نہ آئے تو دیکھنا چاہیے کہ اگر اس مدت کے بعد اس سال بھر میں ان درختاں میں کچھ پھل پیدا نہ ہوئے یا کسی علت سے نہ آئے تو معاملہ جائز ہے اور اگر اس مدت گذرنے کے بعد اسی سال میں اس میں پھل آگئے تو معاملہ فاسد ہے یہ خلاصہ[2] میں ہے۔ اگر کوئی زمین پانچ سو برس کے واسطے معاملہ پر دی تو نہیں جائز ہے اور اگر سو برس کے واسطے دی حالانکہ دینے والے کی عمر بیس برس کی ہے تو جائز ہے اور اگر بیس برس سے زیادہ[3] ہو تو نہیں جائز ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

اگر باغ خرما کسی شخص کو بعقد معاملہ اس شرط سے دیا کہ درخت و پھل دونوں میں نصفا نصف ہوں پس اگر یہ درخت حد نمود زیادتی کی حالت میں ہوں تو عقد معاملہ درختوں و پھلوں دونوں کے حق میں جائز ہوگا اور اگر یہ درخت حد نمود زیادت سے خارج ہو گئے ہوں تو معاملہ فاسد ہے اور درختوں کا حد نمود زیادت سے خارج ہونا یوں پہچانا جاتا ہے کہ جب پورے ہو جائیں اور پھل آجائیں یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کو ایک باغ انگور معاملہ پر دیا حالانکہ اس میں جو درخت ہیں وہ سوائے حفاظت کے کسی کام کے محتاج نہیں ہیں تو مشائخ نے فرمایا کہ اگر ایسی حالت ہو کہ اگر اس کی حفاظت نہ کی جائے تو اس کے پھل پکنے سے پہلے ہاتھ سے جاتے رہیں تو معاملہ جائز ہوگا اور اس صورت میں یہ حفاظت نمو زیادت کے واسطے کار معاملہ شمار ہوگی اور اگر ایسی حالت ہو کہ پکنے سے پہلے اگر حفاظت نہ کیا جائے تو کچے پھل ہاتھ سے جائیں گے تو معاملہ جائز نہ ہوگا اور عامل کو ان پھلوں میں سے کچھ نہ ملے گا اور اگر درختاں جو کسی شخص کو معاملہ پر دیئے تو شیخ امام ابوبکر محمد بن الفضلؒ نے فرمایا کہ ان کا معاملہ جائز ہے اور عامل کو اس میں سے حصہ ملے گا کیونکہ یہ سینچنے یا حفاظت کے محتاج ہوتے ہیں حتیٰ کہ اگر ان دونوں باتوں میں سے کسی کے محتاج نہ ہوں تو معاملہ جائز ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ مختصر شیخ الاسلام خواہرزادہؒ میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے باغ خرما دو شخصوں کو بدیں شرط معاملہ پر دیا کہ ایک عامل[4] کے واسطے چھٹا حصہ اور دوسرے کے واسطے نصف اور مالک کے واسطے تہائی ہوگی تو یہ جائز ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

اگر کسی شخص نے اپنا درخت خرما دو عاملوں کو بدین شرط پر دیا کہ دونوں[(1)] اپنے پاس سے اس کی تلقیح[(2)] کریں اس شرط سے کہ پیداوار ہم سب میں تین تہائی ہوگی تو یہ جائز ہے اور اگر یوں شرط لگائی کہ مالک درخت کے واسطے ایک تہائی اور خاص اس عامل کے واسطے دو تہائی ہوگی اور دوسرے عامل کے واسطے اس عامل پر جس کے واسطے دو تہائی حاصلات مشروط ہے سو درہم واجب ہوں گے تو یہ فاسد ہے اور جب معاملہ فاسد ہوا تو پوری حاصلات مالک درخت کی ہوگی اور دوسرے عامل کے واسطے اس عامل پر جس کے واسطے دو تہائی حاصلات مشروط تھی اجر المثل واجب ہوگا مگر مقدار سے یعنی سو درہم سے زائد نہ کیا جائے گا پھر یہ عامل جس کے واسطے دو تہائی

---

[1] مرغوب نہیں مثلاً درخت میں دس ہزار آم کی اُمید تھی حالانکہ دو سو آم آئے تو فاسد ہے۔ [2] قولہ خلاصہ اس طرح اصل میں مذکور ہے اور بظاہر یہ کہ حکم برعکس ہونا چاہیے واللہ تعالیٰ اعلم۔ [3] قولہ زیادہ اقول بنا برین محتمل مدت اس زمانے میں اس سے بہت کم ہونی چاہیے کہ بر قیاس مفقود وغیرہ چنانچہ فتویٰ بضرورت مفقود میں یہ کہ چار برس کے بعد اس کی زوجہ اپنا نکاح کرے کما نے انشامی اور یہ مدت دراز امام مجتہد کے وقت کے لحاظ سے مذکور ہے یعنی ایک سو بیس برس۔ [4] قولہ ایک عامل یعنی معین کے واسطے اور اگر غیر معین کے واسطے ایسا کیا ہو فاسد ہے۔

(۱) یعنی اپنے خرچ سے۔ (۲) نر دینی لگانا۔

مشروط تھی مالک زمین سے اپنے کام کا اجر المثل پورا چاہے جس قدر ہو لے لے گا اور اگر مالک باغ نے عامل کے ذمہ بعضے کارہائے معاملہ کی شرط لگائی اور باقی کاموں سے سکوت کیا مثلاً سینچنے کے کام سے سکوت کیا پس وہ کام جس سے سکوت کیا ہے اگر ایسا کام ہو کہ پھلوں کے حاصل ہونے کے واسطے یہ کام ضروری ہے یعنی بدوں اس کام کے مثلاً بدوں سینچنے کے بالکل پھل نہ آئیں یا کچھ پھل آئیں مگر ایسے نہ آئیں کہ جیسی اس باغ سے امید تھی یا ایسے ہی پھل آئیں جیسی اس باغ سے امید ہے لیکن بدوں سینچنے کے خشک ہو جائیں تو ان سب صورتوں میں معاملہ فاسد ہوگا۔ اگر وہ کام جس سے سکوت کیا ہے ایسا کام ہو کہ پھلوں کی پیدائش میں بالکل مؤثر نہ ہو یا پھلوں کے جید ہونے میں مؤثر ہو اور یہ بات فی الحال معلوم ہو یا فی الحال یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کام پھلوں کے جید ہونے میں مؤثر ہوگا یا نہ ہوگا تو معاملہ جائز ہوگا۔ اگر مالک باغ نے سینچنا اپنے ذمہ شرط کیا پس اگر یہ معلوم ہو کہ سینچنا پھلوں کی پیدائش میں مؤثر نہیں ہے تو معاملہ جائز ہوگا اگرچہ اس میں مالک باغ کے ذمہ کام مشروط ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ سینچنا پھلوں کی پیدائش میں مؤثر ہے خواہ اس طرح کہ بدوں سینچنے کے بالکل پھل پیدا نہ ہوں گے یا پیدا ہوں گے مگر سینچنے سے جید ہو جائیں گے تو معاملہ فاسد ہے اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ سینچنا پھلوں کی پیدائش میں کچھ مؤثر ہوگا یا نہ ہوگا تو بھی معاملہ فاسد ہے۔ اگر مالک باغ نے سینچنا اپنے ذمہ شرط کیا اور باقی کام عامل کے ذمہ شرط کیے تو اس طرح کا معاملہ اور وہ معاملہ کہ جس میں سینچنا اپنے ذمہ شرط کیا اور باقی کام سے سکوت کیا ہو دونوں یکساں ہیں۔ اگر مالک باغ کے ذمہ حفاظت کرنا شرط کیا گیا پس اگر درختان باغ ایسی جگہ میں واقع ہوں کہ وہاں حفاظت کی ضرورت نہیں ہے مثلاً باغ کے گرد چار دیواری ہو اور یہ چار دیواری ایسی ہو کہ اس سے پوری حفاظت ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو مالک زمین کے ذمہ سینچنے کی شرط میں جب کہ سینچنا پھلوں کی پیدائش میں بالکل مؤثر نہ تھا مذکور رہوا ہے یہ محیط میں ہے۔

دو اشخاص میں مشترکہ خرما کے باغ کا مسئلہ ☆

اگر ایک شخص کو اپنا باغ خرما معاملہ پر اس شرط سے دیا کہ حاصلات دونوں میں نصفا نصف ہوگی اور اس شرط سے کہ عامل سو درہم کے عوض فلاں شخص کو کام کے واسطے مزدور کرے تو یہ فاسد ہے بخلاف اس کے اگر یہ شرط لگائی کہ عامل سو درہم پر کسی شخص کو اجیر مقرر کرے اور اجیر کو خود معین نہ کیا جائز ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک باغ خرما دو شخصوں میں مشترک ہے دونوں نے باغ مذکور ایک عامل کو دیا کہ اس سال اس کی پرداخت کرے اور جو کچھ پیدا ہوگا اس کا نصف عامل کا ہوگا اس نصف میں سے دو تہائی ایک کے حصہ میں سے اور ایک تہائی دوسرے کے حصہ میں سے ہوگی اور باقی حاصلات دونوں مالکوں کے درمیان اس طرح ہوگی کہ دو تہائی اس مالک کی ہوگی جس کے حصہ میں سے عامل کے واسطے تہائی مشروط ہے اور ایک تہائی باقی دوسرے مالک کے واسطے ہوگی تو یہ جائز ہے اور اگر دونوں نے یوں شرط لگائی کہ باقی کی دو تہائی اس مالک کی جس کے حصہ میں سے عامل کے واسطے دو[1] تہائی مشروط ہے تو معاملہ فاسد ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ ایک باغ خرما دو شخصوں میں مشترک ہے دونوں نے اس کو مدت معلومہ کے واسطے ایک شخص کو اس شرط سے معاملہ پر دیا کہ آدھی

---

[1] قال المترجم فی نسخۃ الاصل بشرط الثلثین میں نصیبہ آہ اقول یہ تو بعینہ صورت اول ہے پھر حکم مختلف بوجہ باطل ہے پس صحیح میرے نزدیک یہ کہ جس کے واسطے چھٹا حصہ مشروط ہے پس کاتب سے غلطی واقع ہوئی اور جو میں نے صحیح کہا اس کی وجہ یہ کہ دونوں مالکوں میں سے ایک نے اپنے نصف حصہ میں سے عامل کے لیے تہائی شرط کی اور یہ مقدار کل کی تہائی ہوئی اور جس نے تہائی شرط کی اس سے مراد یہ کہ کل کی تہائی شرط کی اور یہی باقی کی دو تہائی کا بہ نسبت دوسرے کے مقدار ہے تا کہ دونوں برابر ہو جائیں کیونکہ یہاں شرکت مساوی ہے بدلیل قولہ نخیل میں خلطین اور جب سہم دوسرے سے جو نوب بمعنی مساوی ہے چنانچہ سابق میں اپنی جگہ بیان ہوا ہے فافہم۔

پیداوار عامل کی ہو گی اور آدھی دونوں مالکوں کے درمیان نصفا نصف ہو گی یہ جائز ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اگر دونوں نے یوں شرط لگائی کہ نصف حاصلات دونوں میں سے خاص اس مالک کی ہو گی اس میں کچھ کمی نہ ہوئے اور باقی آدھے میں عامل دوسرا مالک نصفا نصف کے شریک ہوں گے یا شرط کی کہ تین تہائی کے شریک ہوں گے تو یہ فاسد ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر باہم یوں شرط ٹھہرائی کہ عامل کی نصف حاصلات ہو گی جس میں سے ایک تہائی ایک مالک کے حصہ میں سے اور دو تہائی دوسرے کے حصہ میں سے ہو گی اور باقی نصف دونوں مالکوں میں نصفا نصف ہو گی تو یہ فاسد ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنا باغ خرما دو شخصوں کو دیا کہ دونوں اس کی پرداخت کریں۔ بدیں شرط کہ خاص اس عامل کے واسطے نصف پیداوار ہو گی اور دوسرے کے واسطے چھٹا حصہ ہو گی اور مالک کے واسطے تہائی ہو گی تو یہ جائز ہے کیونکہ اس نے دو عاملوں کو اس طرح اجیر کیا کہ ایک کو نصف پر اور دوسرے کو چھٹے حصے پر مقرر کیا اسی طرح اگر مالک نے اپنے عامل کے واسطے تہائی حاصلات شرط کی اور اپنے واسطے دو تہائی اور دوسرے عامل کے واسطے اپنے اوپر سو درہم مزدوری شرط کی تو بھی جائز ہے کیونکہ اس نے دو مزدوروں کو مختلف مزدوری پر مزدور مقرر کیا ہے اور یہ طور علیحدہ علیحدہ جائز ہے بس بحالت اجتماع بھی جائز ہے اور اگر سب نے باہم یوں شرط لگائی کہ مالک باغ کے واسطے تہائی حاصلات ہو اور خاص اس عامل کے واسطے دو تہائی ہو اور دوسرے عامل کے واسطے اس عامل پر جس کے واسطے دو تہائی مشروط ہے۔ سو درہم اجرت ہو تو عقد فاسد ہو گا کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جس کو عقد معاملہ مقتضی نہیں ہے کیونکہ معاملہ اس امر کو مقتضی ہوتا ہے کہ عاملوں کی اجرت مالک باغ پر واجب ہو یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر نصف باغ خرما معاملہ پر دیا تو نہیں جائز ہے اور اگر ایک شخص نے معاملہ پر باغ خرما اس شرط سے دیا کہ عامل اس میں کام کرے پھر درختاں باغ وان کی حاصلات دونوں میں نصفا نصف ہو گی تو یہ معاملہ فاسد ہے اور واضح ہو کہ اس صورت میں اور کھیتی کی صورت میں فرق ہے یعنی اگر دوسرے کو ایسی زمین دی جس میں کھیتی ہے جو ہنوز ساگا ہے اس شرط سے کہ اس کی پرداخت کرے اور سینچے یہاں تک کہ کاٹنے کے لائق ہو جائے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل سے پیداوار ہو وہ ہم دونوں میں نصفا نصف ہو گی تو جائز ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر کسی نے دوسرے کو درخت لگانے کے لائق زمین پودے بٹھلانے کو اس شرط سے دی کہ درخت اور ان کے پھل دونوں میں مشترک[1] ہوں گے تو یہ جائز ہے اور اگر یہ شرط لگائی کہ درخت ایک کے ہوں گے اور پھل دوسرے کے ہوں گے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس شرط سے قطع شرکت ہوتی ہے کہ شاید اس مدت میں ان درختوں میں پھل نہ آئیں پس عامل کو کچھ حاصل نہ ہو گا اور اگر دونوں نے یوں شرط لگائی کہ پھل دونوں میں نصفا نصف ہوں اور درخت خاصۃً ایک کے ہوں پس اگر پودے اس شخص کے واسطے شرط کیے[(1)] جس کے پورے تھے تو یہ جائز ہے اور اگر اس شخص کے واسطے شرط کیے جس نے اپنے مال سے نہیں خریدے ہیں تو یہ فاسد ہے حالانکہ بدلیل قیاس یہ حکم ہے کہ دونوں صورتوں میں جائز نہ ہو اور امام ابو یوسفؒ سے بھی نوادر میں یہ روایت مروی ہے اور اگر دونوں نے یہ شرط لگائی کہ پھل دونوں میں مشترک ہوں اور درختوں کے ذکر سے سکوت کیا تو درخت اس کے ہوں گے جس نے اپنے پاس سے دیے ہیں یہ ذخیرہ میں ہے۔

اگر کسی شخص نے اپنی زمین جو درخت جمانے کے لائق ہے دوسرے شخص کو چند سال معلومہ کے واسطے بدین شرط دی کہ اس میں درخت یا انگور کے درخت یا خرما کے درخت لگا دے اس شرط سے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے درخت یا درختاں خرما یا درختاں انگور جو

---

[1] قال یہ بنظر تقسیم ہے ورنہ مراد وہی ہے جو فقرہ اول سے مفہوم ہے یعنی پودے اس کے ہوں یا کسی طور سے اس کی ملک ہوں۔

(1) یعنی مثلاً جس نے اپنے مال سے خریدے ہیں۔

تیار ہوں گے وہ دونوں میں نصفا نصف ہوں گے اور اس شرط سے کہ زمین بھی دونوں میں نصفا نصف ہوگی تو یہ فاسد ہے اور جب ایسا معاملہ فاسد ہوا حالانکہ عامل نے اسی معاملہ پر زمین اپنے قبضہ میں لے کر اس میں نخل یا شجر یا درختاں انگور لگائے اور اس میں پھلوں کی بہت حاصلات ہوئی تو سب درخت و شجر و درختاں انگور مالک زمین کے ہوں گے اور مالک زمین پر واجب ہوگا کہ عامل کو جس نے یہ پودے لگائے ہیں ان پودوں کی قیمت اور اس کے کام کا اجر المثل ادا کرے۔ اسی طرح اگر مالک زمین نے عامل کے واسطے زمین میں سے کچھ دینا شرط نہ کیا مگر یہ کہا کہ تو اس زمین میں شجر یا درختاں خرما یا انگور لگا دیں شرط کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اس میں سے پیدا کرے گا وہ ہم دونوں میں نصفا نصف ہوگی اور بدیں شرط کہ تیرے واسطے مجھ پر سو درہم واجب ہوں گے یا ایک کر گیہوں ہوں گے یا اس زمین کے سوائے جس میں پودے لگائے ہیں دوسری زمین میں سے نصف زمین دینی واجب ہوگی تو یہ سب فاسد ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر پودے مالک زمین کی طرف سے ہوں اور اس نے اور مالک زمین نے باہم یہ شرط کی کہ جو کچھ اس میں سے پیدا ہو وہ ہم دونوں میں نصفا نصف ہوگی اور یہ شرط کی کہ عامل کے واسطے مالک زمین پر سو درہم واجب ہوں گے تو یہ فاسد ہے اور اگر اس نے اسی قرارداد پر کام کیا تو حاصلات دونوں میں نصفا نصف ہوگی اور اگر پودے عامل کی طرف سے ہوں اور دونوں نے یوں شرط کی کہ حاصلات دونوں میں نصفا نصف ہوگی اور یہ شرط کی کہ مالک زمین کے واسطے کاشتکار پر سو درہم واجب ہوں گے تو یہ فاسد ہے پس سب حاصلات عامل کی ہوگی اور مالک زمین کے واسطے اپنی زمین کا اجر المثل واجب ہوگا اور اگر پودے اور بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں اور باقی مسئلہ بحالہا ہو تو بھی فاسد ہے اور سب حاصلات عامل کی ہوگی اور مالک زمین کے واسطے کاشتکار پر اس کی زمین کا اجر المثل اور پودوں کی قیمت واجب ہوگی اور اس کے بیجوں کے مثل بیج واجب ہوں گے۔ اسی طرح اگر عامل نے بجائے سو درہم کے گیہوں یا حیوان میں سے کوئی جانور معین یا غیر معین مالک کے واسطے شرط کیا ہو تو یہ مشروط بھی مفسد عقد کے معنی میں ہے۔ یہ مبسوط میں ہے۔

کیریاں (ڈھنل) نکل آنے کے بعد اپنے خرما کا باغ دوسرے کو کا باغ معاملہ پر دیا ☆

فتاویٰ عتابیہ میں ہے کہ اگر کسی شخص نے کیریاں نکل آنے کے بعد اپنا باغ خرما دوسرے کو معاملہ پر دیا پس اگر عامل کے کام سے ان پھلوں میں زیادتی ہو حتیٰ کہ عامل ان میں شریک ہو جائے تو جائز ہے اور اگر یہ استحقاق میں لے لیے گئے تو عامل مذکور اس شخص سے جس نے اس کو دیا ہے اپنا اجر المثل لے لے گا ورنہ نہیں یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کو اپنی زمین اس غرض سے[1] دی کہ اس میں اپنی طرف سے اشجار لے کر شاخہائے کرم لے کر انگور لگائے اور اس کے واسطے کوئی مدت مقرر نہ کی پس شخص مذکور نے پودے جمائے پھر درختاں انگور تیار ہوئے اور اشجار بڑے ہو گئے اور مالک زمین نے زمین سالانہ کسی قدر اجرت معلومہ کے عوض کرایہ پر لی پھر مالک زمین نے شخص مذکور سے ایام ربیع میں نوروز سے پہلے کہا کہ اس زمین سے اپنے درخت دور کر دے تو مشائخ نے فرمایا کہ اگر اس نے پھل نکلنے کے وقت ایسا کہا تو اس کو اختیار ہے اس واسطے کہ ایسے وقت میں بونے والے کو اپنے درخت اکھاڑنے میں زیادہ ضرر نہ ہوگا مؤلفؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ ہے کہ اگر سال پورا ہونے سے پہلے ایسا کہا حالانکہ شخص مذکور نے مالک زمین سے یہ زمین سالانہ اجارہ پر لی ہے تو مستاجر پر درخت اکھاڑنے کے واسطے جبر نہیں کیا جا سکتا ہے اگر وہ انکار کرے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ زید نے اپنے ایک فرزند عمرو نامے کو ایک زمین دی تا کہ اس میں اپنی طرف سے درخت لگائے بدیں شرط کہ درختوں سے جو کچھ حاصلات ہوگی وہ دونوں میں نصفا نصف ہوگی اور کوئی مدت مقرر نہ کی پس عمرو نے اس میں درخت لگائے پھر زید مر گیا اور عمرو کے ساتھ

(۱) یعنی عاریت دی۔

اور بھی وارث چھوڑے پھر باقی وارثوں نے چاہا کہ زمین تقسیم کرنے کے واسطے عمرو سے یہ زمین خالی کرا دیں اور اس سے کہیں کہ اپنے درخت اس میں سے دور کر دے تا کہ زمین تقسیم کی جائے تو شیخ نے فرمایا کہ اگر یہ زمین محتمل قسمت ہو تو ان سب میں موافق حصہ کے تقسیم کی جائے گی پس جس قدر عمرو کے حصہ میں پڑے وہ زمین مع اس کے درختوں کے اس کی ہو گی اور جس قدر غیروں کے حصہ میں آئے اس کی بابت عمرو کو حکم دیا جائے گا کہ اپنے درخت اکھاڑ کر زمین برابر کر دے بشرطیکہ ان لوگوں میں باہم صلح نہ ہو جائے اور اگر یہ زمین محتمل[۱] تقسیم نہ ہو تو عمرو کو حکم دیا جائے گا کہ سب درخت اکھاڑ لے لیکن اگر ان میں باہم کسی طور سے صلح ہو جائے تو ایسا نہیں ہے ایک شخص نے اپنی زمین دوسرے کو اس شرط سے دی کہ اس میں درخت لگا دے بدیں شرط کہ جو پیدا ہو وہ دونوں میں نصفا نصف ہو گا پھر مدت مقرر گذر گئی تو مالک زمین کو اختیار ہو گا چاہے درختوں کی نصف قیمت اس کے بونے والے کو دے کر سب درخت اپنی ملک میں لے لے یا انگور اکھاڑ لے یہ محیط میں ہے۔

ایک شخص نے اپنی زمین کسی عامل کو دی اس نے مالک کے حکم سے اس میں درخت لگائے پس اگر پودے مالک کے ہوں تو درخت مالک کے ہوں گے اور اگر مالک نے عامل مذکور سے کہا کہ میرے واسطے پودے لگائے تو بھی یہی حکم ہے اور عامل کے واسطے مالک پر اس کے پردوں کی قیمت لازم ہو گی اور اگر یہ کیا ہو کہ اس میں پودے لگائے اور یہ نہ کہا اور میرے واسطے پودے لگائے ہیں عامل نے اپنے پاس سے اس میں پودے لگائے تو یہ سب پودے عامل کے ہوں گے اور مالک اس سے کہہ سکتا ہے کہ ان کو اکھاڑ لے اور اگر یوں کہا ہو کہ اس میں اس شرط سے پودے لگا دے کہ سب درخت نصفا نصف مشترک ہوں گے تو جائز ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کو اپنی زمین اس واسطے دی کہ اس میں درخت لگا دے اور پودے اس کو دے دے پھر مالک زمین نے کہا کہ پودے میں نے دیے ہیں پس درخت میرے ہیں اور بونے والے نے کہا کہ وہ پودے تو میرے پاس سے چوری ہو گئے اور میں نے اپنے پاس سے پودے جمائے ہیں پس درخت میرے ہیں تو مشائخ نے فرمایا کہ درختوں کے باب میں مالک زمین کا قول قبول ہو گا کیونکہ یہ درخت اس کی زمین سے متصل ہیں اور جو پودے اس نے جمانے والے کو دیے تھے ان کی بابت عامل کا قول قبول ہو گا کہ چوری گئے یہاں تک کہ عامل ضامن نہ ہو گا اس واسطے کہ وہ امین تھا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک شخص نے اپنی زمین دوسرے کو دی تا کہ وہ باغ انگور لگا دے تو یہ سب مالک زمین کا ہو گا اور لگانے والے کو جو اس نے پودے وغیرہ[۲] لیے ہیں ان کی قیمت اور اس کے کام کا اجر المثل ملے گا یہ جواہر الفتاویٰ میں ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنا باغ انگور دوسرے کو معاملہ پر دیا اور ایک مدت تک عامل نے اس کے کاموں کی انجام دہی میں کوشش کی پھر اس کو چھوڑ کر چلا گیا پھر پھل پختہ ہونے کے وقت آیا اور حصہ شرکت طلب کیا پس اگر اس نے مالک کو یہ باغ انگور پھل برآمد ہونے کے بعد ایسی حالت میں واپس کیا کہ اگر یہ پھل اندازہ کیے جاتے تو کچھ قیمت ہوتی تو اس کی شرکت باطل نہ ہو گی اور شرط سابق کے موافق وہ شریک ہو گا اور اگر پھل نکلنے سے پہلے اس نے واپس کیا یا بعد پھل نکلنے کے ایسے وقت واپس کیا کہ اگر اس وقت قیمت اندازہ کی جاتی تو کچھ قیمت نہ ہوتی تو عامل مذکور ان پھلوں میں شریک نہ ہو گا یہ ذخیرہ میں ہے۔

قابل برداشت ہو جانے پر بیجوں کو اللہ کی مشیت کا کہہ کر معاملہ پر دینا ☆

اگر ایک شخص نے اپنا رطبہ جو اپنے کاٹنے کی معیاد پر پہنچ گیا ہے دوسرے کو اس شرط سے دیا کہ یہ شخص اس کی پرداخت کرے اور اس کو سینچے یہاں تک کہ اس کے بیج برآمد ہوں بدین شرط کہ اللہ تعالیٰ اس کے بیجوں میں سے جس قدر نصیب کرے گا وہ ہم دونوں میں مشترک ہوں گے تو استحساناً یہ جائز ہے اگرچہ دونوں نے اس کا وقت نہیں بیان کیا ہے اس واسطے کہ بیج پک جانے کا وقت معلوم ہے پس

---

[۱] محتمل یعنی اس قابل ہو کہ بعد بٹوارہ کرنے کے جو نفع پہلے حاصل تھا وہ حاصل ہو سکے۔ [۲] قولہ لیے ہیں یعنی خرید کیے ہیں ان کی قیمت یعنی جو خرچ ہوا ہو۔

اس کے بیج دونوں میں مشترک ہوں گے اور رطبہ فقط اس کے مالک کا ہوگا اور اگر دونوں نے یہ شرط لگائی ہو کہ رطبہ دونوں میں مساوی مشترک ہو تو معاملہ فاسد ہوگا کذا فی الظہیر یہ۔ اگر شجر[1] یا نخل کے پودے بوئے ہوئے جو زمین میں جم گئے ہیں۔ مگر ہنوز ان میں پھل نہیں آئے ہیں کسی دوسرے کو اس شرط سے دیے کہ ان کی پرداخت کرے اور پانی دے اور اس کے نخل کی تلقیح[2] کرے اور جو کچھ اس میں حاصلات ہوگی وہ دونوں میں نصفا نصف ہوگی تو ایسا معاملہ فاسد ہے لیکن اگر چند سال معلوم بیان کر دیے تو ہو سکتا ہے کیونکہ یہ نہیں معلوم کہ کتنے دنوں میں نخل یا شجر یا کرم باردار ہوں گے کیونکہ ایک ہی قسم کے درختوں میں زمین کی قوت و ضعف کی وجہ سے تفاوت ہو جاتا ہے یعنی کسی درخت کی زمین قوی ہوتی ہے اور کسی کی ضعیف پس اگر دونوں نے مدت معلومہ بیان کر دی تو مقدار معقود علیہ یعنی عامل کے عمل کی مقدار معلوم ہو جائے گی پس معاملہ جائز ہوگا اور اگر انھوں نے اس کو بیان نہ کیا تو جائز نہیں ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر کسی نے اپنے درخت خرما کی بٹائی پر دیا اور عامل نے چاہا کہ درختوں میں پیوند کرے تو شاخ پیوند مالک کے ذمہ ہوگی پھر پیوند کا کام یعنی درخت میں آلہ سے شگاف کرنا جس میں شاخ پیوند کرے اور جو اس کے مانند کام جس سے پیوند تمام ہو سب عامل کے ذمہ ہیں اور علیٰ ہذا انگور کا باغ لگانے میں وہ شاخ جس سے دبہ لگایا جائے مالک کے ذمہ ہے اور وہ کام جس سے دبہ لگ جائے یعنی دبہ لگا دینا عامل کے ذمہ ہے اس طرح ستون[(1)] مالک کے ذمہ اور ان کا نصب کرنا باغ انگور میں عامل کے ذمہ ہے ایسے ہی ہمارے دیار میں عرف و عادت جاری ہے اور اس پر فتویٰ ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔

ایک کاشتکار نے ایک زمین میں بدوں حکم مالک زمین کے درختوں کے پودے بو دیے پھر جب بڑے درخت ہو گئے تو دونوں نے ان درختوں کی بابت جھگڑا کیا پس اگر مالک زمین اس امر کا مقر ہو کہ کاشتکار نے یہ درخت میری زمین میں لگا دیے ہیں تو وہ کاشتکار کے ہوں گے لیکن کاشتکار کے حق میں ازراہ دیانت فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ حلال نہ ہوں گے اگر اس نے مالک کی بلا اجازت لگائے ہوں اور اگر اس نے مالک کی اجازت سے بدوں شرط شرکت کے لگائے ہیں تو اس کے حق میں حلال ہوں گے یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کو ایک پودا[3] دیا تا کہ اس کو ایک گاؤں والوں کے نہر کے کنارے لگائے اور اس نے لگا دیا۔ پھر جب وہ پودا درخت ہو گیا تو دینے والے نے لگانے والے سے کہا کہ تو میرا خادم تھا اور میرے عیال میں تھا میں نے تجھے یہ پودا دیا تھا کہ تو اس کو میرے واسطے جما دے پس درخت میرا ہے تو مشائخ نے فرمایا کہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ پودا اس جمانے والے کا تھا تو درخت اسی کا ہوگا اور اگر پودا جس نے دیا ہے اس کا ہو پس اگر جمانے والا اس دینے والے کے عیال میں ہو کہ اس کے واسطے ایسے کام کرتا ہو تو درخت اس دینے والے کا ہوگا کیونکہ ظاہر حال اسی کے واسطے شاہد ہے اور اگر اس کے واسطے ایسے کام نہ کرتا ہو اور نہ اس کی اجازت و حکم سے یہ پودا جمایا ہو تو درخت اس جمانے والے کا ہوگا اور اس پر واجب ہوگا کہ دینے والے کو پودے کی قیمت ادا کرے اسی طرح اگر کسی پودا لگانے والے نے کسی شخص کی زمین سے کوئی پودا اکھاڑ لیا پھر اس کو زمین میں جما دیا تو یہ جمانے والے کا ہوگا اور اس پر واجب ہوگا کہ مالک زمین کو اس کے پودے کی وہ قیمت جو اس کے اکھاڑ لینے کے روز تھی ادا کرے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

ایک شخص نے اپنا باغ انگور کسی شخص کو معاملہ پر دیا پھر اس میں پھل آئے اور دینے والا و اس کے گھر کے لوگ ہر روز اس باغ میں جاتے اور پھل کھاتے اور اپنے ساتھ لاتے تھے اور عامل باغ مذکور میں فقط کبھی کبھی جاتا تھا پس اگر دینے والے کے گھر کے لوگوں

---

[1] شجر بمعنی درخت اور کرم بمعنی درختاں انگور اور نخل بمعنی درختاں خرما۔ [2] تلقیح نر مادی لگانا بارور پھلدار ہونا۔ [3] ایک پودا یا کئی پودے۔

(1) یعنی انگور کے پھیلانے کے واسطے۔

نے بلا اجازت اس دینے والے کے پھل کھائے یا باندھ لائے ہیں تو تاوان انہیں لوگوں پر لازم ہوگا دینے والے پر واجب نہ ہو گا۔ جیسے اجنبی کی صورت میں حکم ہے یعنی اگر اجنبی نے بلا اجازت مالک ایسا کیا تو یہی حکم ہے اور اگر ان لوگوں نے دینے والے کی اجازت سے ایسا کیا ہے حالانکہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کا نفقہ اس دینے والے پر واجب ہے تو دینے والا حصہ عامل کا ضامن ہوگا جیسا کہ اگر وہ خود لے کر ان لوگوں کو دیتا تو یہی حکم تھا اور اگر یہ لوگ ایسے نہ ہوں کہ جن کا نفقہ اس دینے والے پر واجب ہے تو دینے والے پر ضمان واجب نہ ہوگی کیونکہ وہ اس صورت میں سبب ہوا[1] تو یہ لازم آئے گا کہ دینے والے نے لوگوں کو مال غیر تلف کرنے کی راہ بتائی حالانکہ ایسی صورت میں ضمان لازم نہیں آتی ہے پس اس صورت میں بھی ضمان لازم نہ آئے گی لیکن یہ لوگ ضامن ہوں گے یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔ اگر ایک شخص کو اپنا باغ خرما بٹائی پر اس شرط سے دیا کہ اس کی پرداخت کرے اور پانی دے اور اس میں نرمادی لگائے پس جو کچھ اس میں اللہ تعالیٰ پیدا کرے گا وہ ہم دونوں میں نصفا نصف ہوگا پس عامل نے اس کی پرداخت کی اور اس میں نرمادی لگائی حتیٰ کہ پھل آئے اور کیریاں سبز ہو گئیں پھر مالک زمین مر گیا تو قیاساً یہ حکم ہے کہ عقد معاملہ ٹوٹ جائے گا اور پھل جس حالت سے موجود ہیں اور وارثان مالک اور عامل کے درمیان نصفا نصف ہوں گے کیونکہ مالک نے عامل کو بعوض بعض حاصلات کے اجارہ پر لیا ہے حالانکہ بعوض کسی قدر دراہم معلومہ کے اجارہ پر لیتا تو دونوں میں سے کسی کی رضا سے اجارہ ٹوٹ جاتا پس ایسی ہی اس صورت میں بھی کہ بعض حاصلات کے عوض اجارہ پر لیا ہے اجارہ ٹوٹ جائے گا پھر یہ ٹوٹ جانا بوجہ کسی ایک عاقد کے مرنے کے ایسا ہے کہ گویا دونوں نے اپنی زندگی میں باہمی رضامندی سے توڑ لیا حالانکہ اگر زندگی میں باہمی رضامندی سے ایسی حالت میں کہ کیریاں کچی ہیں دونوں اجارہ توڑتے تو یہ حاصلات دونوں میں نصفا نصف ہوتی پس ایسا ہی اس صورت میں ہے لیکن امامؒ نے استحساناً فرمایا کہ عامل کو اختیار ہوگا چاہے اس باغ کی پرداخت کرے جیسے پہلے کرتا تھا کیے جائیں یہاں تک کہ پھل پک جائیں اگرچہ وارث لوگ اس بات کو مکروہ جانیں(1) اس واسطے کہ مالک زمین کے مرنے سے عقد معاملہ ٹوٹ جانے میں عامل کے حق میں ضرر رسانی اور اس کے اس حق کا ابطال ہے جس کا بذریعہ عقد معاملہ کے وہ مستحق ہوا تھا یعنی پھل درختوں پر پکنے کے وقت تک چھوڑ دینا حالانکہ اگر معاملہ ٹوٹ جائے تو فی الحال اس کو توڑ لینے لازم ہوں گے اور اس میں عامل کے واسطے ضرر ہے اور جس طرح نقض اجارہ ضرر دفع کرنے کی غرض سے جائز ہے اجارہ باقی رکھنا بھی دفع ضرر کی غرض سے جائز ہے۔

جیسے دفع ضرر کی غرض سے ابتداءً انعقاد عقد ہو جانا جائز ہے تو اس عقد کا باقی رکھنا تا کہ ضرر دور ہو بدرجہ اولیٰ جائز ہے اور اگر عامل نے کہا کہ میں آدھی کیریاں لیے لیتا ہوں تو اس کو اختیار ہے اس واسطے کہ عقد کا باقی رکھنا اس کی ذات سے ضرر دور کرنے کے واسطے تھا پھر جب اس نے اپنے اوپر ضرر کا التزام کر لیا تو مالک زمین کے مرنے سے عقد ٹوٹ جائے گا لیکن عامل کو یہ اختیار نہیں ہے کہ مالک زمین کے وارثوں کو ضرر لاحق کرے پس وارثوں کو اختیار حاصل ہوگا چاہیں ان کیریوں کو توڑ کر عامل کے ساتھ نصفا نصف بٹوارہ کر لیں اور اگر چاہیں تو عامل کو کیریاں کی نصف قیمت دے دیں اور تمام کیریاں ان کی ہو جائے گی اور اگر چاہیں تو کیریاں پختہ ہونے تک جو کچھ خرچ پڑے وہ اٹھا دیں پھر عامل کے حصہ کے ثمن[2] سے اپنا نصف خرچہ واپس لیں اور اگر عامل مر گیا تو اس کے وارثوں کو اختیار ہے کہ معاملہ کے باغ وغیرہ پر سابق دستور درستی سے کام کریں اگرچہ مالک زمین اس پر راضی نہ ہو کیونکہ یہ لوگ عامل کے قائم مقام ہیں اور اگر

---

[1] سبب ہوا یعنی تلف ہونے کا سبب یہ شخص ہوا ہے اور جو کوئی سبب ہو وہ ضامن نہیں ہوتا بلکہ جو مرتکب ہو۔ [2] اس کے حصہ میں خرما نہیں پا سکتے ہیں بلکہ فروخت کرنے سے جو ثمن آدھے اس میں سے لے لیں۔ (1) راضی نہ ہوں۔

عامل کے وارثوں نے کہا کہ ہم ان کیریوں کو توڑ کر تقسیم کیے لیتے ہیں تو مالک زمین کو وہی اختیارات حاصل ہوں گے جو پہلی (۱) صورت میں ہم نے مالک کے وارثوں کے واسطے بیان کیے ہیں۔ اگر دونوں مر گئے تو درختوں کی پرداخت کرنے یا نہ کرنے میں عامل کے وارثوں کا اختیار ہے کیونکہ عامل کو اپنی زندگی میں مالک زمین کے مرجانے کی صورت میں ایسا اختیار تھا اور وارث لوگ اس کے قائم مقام ہیں پس ان کو بھی یہی اختیار ہوگا اور یہ امراز باب توریث [1] الخیار نہیں ہے بلکہ از باب خلافت ہے کہ جو حق مورث کو باستحقاق حاصل تھا یعنی پھل پختہ ہونے تک پھلوں کو درخت پر لگا رکھنا وہ وارثوں کو بطور خلافت حاصل ہوگا اور اگر ان لوگوں نے درختوں کی پرداخت کرنے سے انکار کیا تو وارثان مالک زمین کو ویسے ہی اختیارات حاصل ہوں گے جیسے ہم نے صورت اول (۲) میں بیان کیے ہیں اور اگر دونوں میں سے کوئی نہ مرا لیکن معاملہ کی مدت گزر گئی حالانکہ اس وقت تک کیریاں بھی سبز تھیں تو یہ صورت اور موت کی صورت دونوں یکساں ہیں یعنی خیار عامل کو حاصل ہوگا اگر چاہے تو یہ بدستور سابق کام کرتا رہے یہاں تک کہ پھل پختہ ہو جائیں اور پھر دونوں میں نصفا نصف تقسیم ہوں گے لیکن اس صورت میں یہ بات ہے کہ اگر عامل نے پھلوں کا درخت پر لگا رکھنا اختیار کیا تو اس وقت سے پختہ ہونے تک اس پر زمین کا نصف اجر المثل واجب ہوگا یہ مبسوط میں ہے۔

اگر ایک شخص نے اپنا باغ انگور بٹائی پر دیا پھر عامل سال کے اندر مر گیا اور مالک نے بدوں حکم قاضی پھلوں کے پختہ ہونے تک خرچہ اٹھایا تو متبرع نہ ہوگا بلکہ پھلوں سے وصول کرے گا اور عامل کو پھلوں میں سے اپنے حصہ لینے کی کوئی راہ نہ ہوگی جب تک مالک کا خرچہ نہ دے اور یہی حکم مزارعت میں ہے۔ اگر عامل غائب ہو گیا اور باقی مسئلہ بحالہ ہے تو مالک زمین اپنا خرچہ واپس نہیں لے سکتا ہے یہ سراجیہ میں ہے۔ اگر مرد آزاد نے اپنا باغ خرما کسی غلام مجور یا طفل مجور کو بٹائی پر دس سال کے واسطے دیا بدیں شرط کہ اس کے کاموں کی پرداخت کرے اور اس کو سینچے اور نر مادی لگائے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ اس میں پیدا کرے گا وہ ہم دونوں میں نصفا نصف ہو گا پس عامل مذکور نے اسی معاملہ پر کام کیا تو استحساناً اگر غلام و طفل مذکور کام کرنے سے صحیح سالم بچ رہا تو سب حاصلات اس کے و مالک کے درمیان نصفا نصف ہوگی اور اگر باغ مذکور میں کام سے غلام مذکور یا طفل مذکور مر گیا پس غلام کی صورت میں تمام حاصلات مالک باغ کی ہوگی اور اس پر واجب ہوگا کہ غلام کے مالک کو غلام کی قیمت ادا کرے اور اگر طفل مجور عامل ہو تو حاصلات مالک اور طفل کے وارثوں کے درمیان نصفا نصف ہوگی اور مالک باغ کی مددگار برادری پر اس کی دیت واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔ غلام ماذون یا طفل ماذون نے اپنا باغ خرما کسی کو بٹائی پر دیا اور ہنوز عامل نے کام نہ کیا تھا کہ دینے والا مجور کیا گیا تو معاملہ نہ ٹوٹے گا اس واسطے کہ معاملہ طرفین سے لازم ہوتا ہے حتیٰ کہ غلام کو قبل عامل کے کام کرنے کے معاملہ توڑنے کا اختیار نہیں ہے پس معاملہ ٹوٹنے کے حق میں اس کا مجور ہونا کارآمد نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر غلام مجور اور طفل مجور نے جس کے قبضہ میں ایک باغ خرما ہے دوسرے کو آدھے کی بٹائی پر دیا اور عامل نے کام کیا تو پوری حاصلات مالک باغ کی ہوگی پھر اگر دینے والا طفل مجور ہو تو عامل کو بھی کچھ اجرت نہ ملے گی نہ فی الحال اور نہ طفل مذکور کے بالغ ہونے کے بعد اور اگر غلام مجور ہو تو فی الحال نہیں مل سکتی ہے مگر غلام آزاد ہو جانے کے بعد اس سے اپنی اجرت کا مواخذہ کر سکتا ہے یہ محیط میں ہے۔ ایک کاشتکار نے زمین دار کی زمین میں درخت جمائے پھر مدت معاملہ منقضی ہو گئی پس اگر اس نے زمین دار کے واسطے جمائے ہوں تو کاشتکار متبرع [2] ہوگا اور اگر زمین دار نے اس کو حکم دیا ہو کہ ان کو میرے لیے خرید کر

---

[1] قولہ توریث الخیار اقول یہ اعتراض ہوتا تھا کہ تم حنفیہ لوگ اختیارات کو میراث ہونا نہیں کہتے ہو جیسے خیار الشرط وغیرہ میں کتاب البیوع میں مذکور پھر یہاں کیوں قائل ہوئے جواب دیا کہ یہاں خیار کی میراث ہم نہیں کہتے ہیں بلکہ نیابت کہتے ہیں یعنی یہ لوگ اپنے مورث کے قائم مقام ہیں پس جو اختیار مورث کو تھا وہی ان کو حاصل ہے وقال المترجم اگر کہو کہ میراث خود قائم مقامی ہے تو جواب یہ کہ اس میں یہ معنی حاصل ہیں نہ آنکہ وارث صرف یہی ہے حتیٰ کہ سب وارث برابر ہو جائیں تو علمائے حنفیہ نے وارث کو قائم مقامی کے معنی میں کب ہے فتامل فیہ۔ [2] متبرع مفت احسان کرنے والا۔

(۱) جبکہ مالک مرا۔ (۲) جبکہ مالک مرا۔

میرے واسطے جمائے تو بھی یہ درخت زمین دار کے ہوں گے مگر زمین دار پر واجب ہوگا کہ کاشتکار نے جتنے داموں کو یہ درخت خریدے ہیں وہ کاشتکار کو دے دے اور اگر کاشتکار نے اپنے واسطے زمین دار کی اجازت سے لگائے ہیں تو کاشتکار کے ہوں گے اور زمین دار کو اختیار ہوگا کہ اس سے کہے کہ یہاں سے اکھاڑ لے اور زمین برابر کردے ایک گاؤں کے لوگوں نے متفق ہو کر ہر ایک نے تھوڑا تھوڑا بیج لاکر ایک معلم کے واسطے بویا تو جو کچھ پیداوار ہو وہ بیج والوں کی ہوگی اس واسطے کہ ان لوگوں نے بیج معلم کو نہیں سپرد کیا ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔

دو مالکوں میں منقسم نہر کا مسئلہ ☆

ایک نہر دو آدمیوں میں مشترک ہے اس کے کنارے درخت لگے ہوئے ہیں پس دونوں میں سے ہر ایک نے ان درختوں کا دعویٰ کیا کہ خاصۃً میرے ہیں تو مشائخ نے فرمایا کہ اگر ان کا لگانے والا معلوم ہو جائے تو اس کے ہوں گے اور اگر نہ معلوم ہو تو جس قدر درخت دونوں میں سے کسی کی خاص ملک ہوں وہ اس کے ہوں گے دونوں کی مشترک جگہ میں ہوں وہ دونوں میں مشترک ہوں گے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ باغ انگور کو ایک شخص نے باجارہ طویلہ اجارہ پر لیا پھر اس نے درختوں و زراجین کو خریدا پھر درختوں و زراجین (۱) کو بعقد معاملہ دوسرے شخص کو دیا تو جائز ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک کاشتکار نے بٹائی پر زمین کو بویا اور تھوڑا اکھاڑا اور تھوڑا ویسا ہی بغیر اکھاڑا چھوڑ دیا پھر مدت معاملہ گذر جانے کے بعد کاشتکار کے پانی دینے اور اُگانے سے وہ اُگا تو جس قدر ایسا اُگا ہے جو زمین میں تھا اکھاڑا نہیں گیا تھا وہ کاشتکار و مالک زمین کے درمیان اس شرط کے موافق جو ان میں قرار پائی تھی مشترک ہوگا اور جو ایسا اُگا ہے جو اکھاڑا گیا تھا اور زمین سے بھی اکھڑ گیا تھا تو وہ اس کاشتکار کا ہوگا جس نے اس کو سینچ کر اگایا ہے اور اس پر ضمان استہلاک واجب ہوگی اور اگر بدوں سینچنے کے اگا ہو تو چاہیے کہ دونوں کے درمیان اس حساب سے تقسیم ہو کہ جس قدر ہر ایک کا بیجوں میں حق تھا اسی حساب سے پیداوار ہر ایک کو ملے یہ محیط میں ہے۔ ایک شخص نے گاؤں کے حوض کے کنارے ایک درخت جما دیا پھر اس کے بعد اس کو کاٹ لیا پھر اس کی جڑ پھوٹی اور درخت ہوا تو یہ بھی اسی کا ہوگا جس نے پودا جما دیا تھا کیونکہ اسی کی ملک کی شاخ ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔ نوازل میں ہے کہ خربزوں کے ایک فالیز میں کچھ بقیہ رہ گیا تھا اس کو لوگوں نے لوٹ کھایا پس اگر بقیہ وہ اس واسطے چھوڑ اگیا تھا کہ جس کا جی چاہے لے لے تو اس میں کچھ خوف نہیں ہے جیسا کہ اگر کھیتی کاٹ لی اور کھیت میں کچھ بالیاں رہ گئیں تو ان کے چن لینے میں ڈر نہیں ہے یہ خلاصہ میں ہے۔

عامل پر واجب ہے کہ اپنے آپ کو حرام سے بچائے اور اس کے حق میں جائز نہیں ہے کہ ہانڈی پکانے میں درختوں و خشک شاخوں میں سے کچھ جلادے اور نہ دعائم (۲) وعریش میں سے نکال کر جلانا جائز ہے اور جب وقت ربیع کے خشک شاخیں دور کی گئیں اور باغ انگور سے باہر نکالی گئیں تو اس کے حق میں ان خشک شاخوں میں سے لے لینا حلال نہیں ہے۔ بدوں اجازت مالک باغ کے اپنے مہمان وغیرہ کے واسطے باغ میں سے انگور یا اور پھل (۳) باہر لانا جائز نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک مریض نے اپنا باغ خرما آدھے کی بٹائی پر دیا اور عامل نے اس کی پرداخت کیا اور نر مادی دی اور سینچا یہاں تک کہ پھل آئے پھر مالک باغ مر گیا اور سوائے اس باغ واس کے پھلوں کے کچھ مال نہ چھوڑا تو ان پھلوں کو دیکھا جائے گا کہ شگوفہ برآمد ہو کر کفرے [۱] ہو جانے کے روز ان کی کیا قیمت تھی پس اگر ان کی نصف قیمت عامل کے اجر المثل کے برابر یا کم ہو تو عامل کو آدھے پھل ملیں گے اور اگر اس کے اجر المثل سے زیادہ ہو تو

---

[۱] کفرے برآمد شدہ وہ مقصود وہ وہ کیریاں جو نکی ہیں حریم گرداگرد نہر و کنواں دیکھو باب احیاء موات۔ (۱) زراجین جمع زرجون تاک انگور۔

(۲) دعائم کھمبے جن پر لکڑیاں ہیں عریش وہ مچان جس پر انگور کی بیل پھیلتی ہے۔ (۳) یعنی ان میں مطلق تصرف کرنا روا نہیں ہے۔

جس روز تقسیم واقع ہوئی ہے اس روز عامل کے اجرالمثل کی طرف لحاظ کر کے بقدر اس کے اجرالمثل کے دیا جائے گا پھر جس قدر اس کے پورے حصہ تک رہ گیا ہے وہ میت کی تہائی میں سے عامل کو بطور وصیت دیا جائے گا لیکن اگر عامل مذکور وارث ہو تو اس کو وصیت میں کچھ نہ ملے گا اور اگر مریض پر اس قدر قرضہ ہو کہ اس کے تمام مال کو محیط ہو پس اگر نصف کفرے کی قیمت وقت طلوع کے اس کے اجرالمثل کے برابر ہو تو قرض خواہوں کے ساتھ عامل تمام پھلوں کے نصف کے ساتھ شریک کیا جائے گا اور اگر نصف کفری کی قیمت اس کے اجرالمثل سے زائد ہو تو قرض خواہوں کے ساتھ بقدر اپنے اجرالمثل کے شریک کیا جائے گا اور اگر صحیح آدمی نے مریض کو اپنا باغ خرما اس شرط سے بٹائی پر دیا کہ عامل کو پیداوار کے سو حصوں میں سے ایک حصہ ملے گا پس مریض نے اپنے مزدوروں و مددگاروں سے باغ مذکور میں کام کیا اور سینچا اور ترمادی دی یہاں تک کہ پھل پیدا ہوئے پھر عامل مریض مر گیا اور سوائے اس حاصلات کے کچھ مال نہ چھوڑا حالانکہ اس پر قرضہ ہے۔ مالک باغ اس کے وارثوں میں سے ہے اور عامل مذکور کے کام کا اجرالمثل اس کے حق سے زائد ہے تو اس کو فقط اسی قدر مل سکتا ہے جس قدر اس کے واسطے مشروط ہے کیونکہ مریض کا تصرف اس صورت میں ایسی چیز میں ہے جس سے وارثوں کا اور قرض خواہوں کا کچھ حق متعلق نہیں ہے یعنی منافع بدن یہ مبسوط میں ہے۔

ایک قوم کی مشترک نہر کے کنارے کچھ درخت لگے ہیں اور یہ نہر ایک کوچہ غیر نافذہ میں جاری ہے اور بعض درخت اس محلہ کے درمیانی میدان میں لگے ہیں پھر اس کوچے کے آدمیوں میں سے بعض نے دعویٰ کیا کہ ان درختوں کا لگانے والا فلاں شخص ہے اور میں اس کا وارث موجود ہیں اور اہل محلہ مذکور نے اس سے انکار کیا تو مدعی سے اس کے دعویٰ کے گواہ طلب کیے جائیں گے پس اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو جس قدر درخت اس نہر کے حریم سے باہر لگے ہوں وہ سب اہل کوچہ کے درمیان مشترک ہوں گے اور جس قدر حریم نہر پر واقع ہوں تو وہ سب نہر والوں میں مشترک ہوں گے کیونکہ جب درخت لگانے والا معلوم نہ ہوا اور نہ پودوں کا مالک معلوم ہوا تو یہ زمین حکم قرار دیا جائے گی یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے فتاویٰ ابوالیثؒ میں ہے کہ ایک درخت ایک شخص کی زمین میں ہے اس کی بعض جڑیں جا کر دوسرے کی زمین میں اگیں پس اگر دوسری زمین والے نے پانی دے کر اگایا ہو تو اگایا ہوا اسی کا ہوگا اور اگر خود اگایا ہو تو درخت کے مالک کا ہوگا بشرطیکہ دوسرا زمین والا اس امر کی تصدیق کرے کہ یہ اس کے درخت کی جڑ پھوٹی ہے اور اگر اس نے تکذیب کی تو قول اسی کا قبول ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک شخص کی گٹھلیکو ہوا دوسرے کے باغ انگور میں اُڑا لے گئی اور وہاں اس سے درخت اُگا تو مالک باغ کا ہوگا اس واسطے کہ گٹھلی کی کچھ قیمت نہیں ہے اس طرح اگر کسی کا اخروٹ دوسرے کے باغ انگور میں جا پڑا اور وہاں اگا تو یہ درخت مالک باغ کا ہوگا اس[1] واسطے کہ گو وہ ضائع ہو جانے کے بعد گٹھلی سے یہ درخت اگا ہے پس یہ صورت اور صورت اوّل دونوں یکساں ہیں یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔ اگر باغ خرما میں پھل برآمد ہونے کے بعد زمین و درخت سب استحقاق میں لے لیے گئے تو یہ سب صاحب استحقاق کے ہوں گے اور عامل اس شخص سے جس نے اس کو معاملہ پر باغ مذکور دیا تھا اپنا اجرالمثل لے لے گا اور اگر کچھ پھل برآمد نہ ہوئے ہوں تو عامل کو کچھ نہ ملے گا یہ تاتارخانیہ میں عتابیہ سے منقول ہے۔

ایک شخص کے درخت کی دوسرے کی ملک میں جا کر جڑیں پھوٹیں اور پودے پیدا ہوئے پھر مالک درخت نے یہ پودے کسی شخص غیر کے سوائے اس زمین کے مالک کے ہبہ کر دیے پس اگر یہ پودے ایسے ہوں کہ درخت اصل قطع کیے جانے پر خشک ہو جائیں تو ہبہ جائز نہ ہوگا اور اگر خشک نہ ہوں تو ہبہ جائز ہوگا یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔ اگر عامل[2] نے مدت معاملہ کے اندر زمین دار کے باغ انگور میں پودے لگائے پھر مدت معاملہ گذر گئی تو دیکھا جائے گا کہ اگر اس نے زمین دار کے واسطے لگائے ہیں تو درخت زمین دار کے ہوں

---

[1] اس واسطے اقوال اس لیے کہ کوئی مقدار نہیں ہے۔ قولہ ہبہ جائز نہ ہوگا یہ امامؒ کا قول ہونا چاہیے اور صاحبینؒ کے نزدیک جواز ہوگا۔ [2] یہ مسئلہ سابق میں بنام کاشتکار گزرا اور مراد وہاں بھی عامل ہے فاحفظ۔

گے اور عامل متبرع ہوگا اور اگر زمین دار نے اس کو حکم دیا ہو کہ پودے میرے واسطے خرید کر میرے باغ میں لگا دے تو بھی یہ درخت زمین دار کے ہوں گے مگر زمین دار پر واجب ہوگا کہ جتنے درہموں کو اس نے خریدے ہیں وہ عامل کو دے دے اور اگر اس نے زمین دار کی اجازت سے اپنے واسطے لگائے ہوں تو درخت اس کے ہوں گے مگر زمین دار اس کو اکھاڑ لینے کے واسطے حکم دے سکتا ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایسے شخص نے جس کے پاس باغ انگور بٹائی پر تھا شہتوت کے پتے کسی کے ہاتھ فروخت کر دیے حالانکہ مالک باغ سے اجازت نہ لی تو دیکھا جائے گا کہ اگر پتے باقی موجود ہونے کی حالت میں مالک باغ نے بیع کی اجازت دے دی تو ثمن اس کو ملے گا اور اگر مشتری نے یہ پتے تلف کر دیے پھر مالک نے اجازت دی یا نہ دی تو اس کو ثمن میں کچھ نہ ملے گا ہاں اس کو اختیار ہوگا چاہے عامل سے تاوان لے یا مشتری سے یہ ذخیرہ میں ہے۔ ایک شخص نے درخت بٹائی پر دیے مگر درختوں میں بالکل پھل نہ آیا پھر مالک نے یہ درخت فروخت کر دیے تو بیع نافذ ہو جائے گی اور معاملہ فاسد ہو جائے گا کیونکہ عامل نے ان کو بعوض پیداوار کے اجارہ پر لیا تھا اور جب اس میں کچھ پیدا نہ ہوا تو عامل کا حق اس سے متعلق نہ ہوا پس بیع صحیح ہوگی اور اگر اس نے درختوں کی حفاظت کی اور سینچا ہے تو اس کو کچھ نہ ملے گا اس واسطے کہ اس نے اپنے واسطے ایسا کیا تھا اور اس کا حق پھلوں سے متعلق تھا اور پھل پیدا نہ ہوئے یہ دجیز کردری میں ہے۔

اگر ایک شخص کو وکیل کیا کہ میرے واسطے فلاں باغ خرما معاملہ پر لے پس وکیل نے ایسی شرط سے لیا کہ جس کے اندازہ[1] میں لوگ خسارہ برداشت کرتے ہیں تو یہ معاملہ موافق شرط کے مؤکل کے حق میں جائز ہوگا اور مالک درخت ہی اپنے حصہ کے وصول کرنے کا متولی ہوگا اور اگر وکیل نے عامل کے حق میں اس قدر کم حصہ شرط کیا کہ جس قدر لوگ انداز قیمت میں خسارہ برداشت نہیں کرتے ہیں تو عامل کے ذمہ لازم نہ ہوگا لیکن اگر چاہے تو قبول کرے پھر اگر اس نے کام کیا خواہ اپنا حصہ جانتا ہو یا نہ جانتا ہو تو اس کو وہی حصہ ملے گا جو اس کے واسطے شرط کیا گیا ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ایک شخص نے اپنا باغ خرما دوسرے کو دے کر وکیل کیا کہ اس کو اس سال کے واسطے بٹائی پر دے دے پس وکیل نے اس قدر خسارہ پر دیا کہ لوگ انداز قیمت میں اتنا خسارہ نہیں اٹھاتے ہیں اور عامل نے اس میں کام کیا تو پوری حاصلات درختوں کے مالک کی ہوگی اور عامل کے واسطے وکیل پر اپنے کام کا اجر المثل واجب ہوگا۔ مزارعت میں اگر ایسا واقع ہو تو پوری پیداوار کاشتکار و وکیل کے درمیان موافق شرط کے مشترک ہوگی یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک شخص نے اپنے درخت دوسرے کو اس شرط سے دیے کہ ان کی پرداخت کرے اور جن میں باندھنے کی ضرورت ہو ان کو باندھے اور جن میں تشذیب[2] کی ضرورت ہو ان کی تشذیب کرے پھر عامل نے درختوں کے باندھنے میں تاخیر کی یہاں تک کہ ان کو پالا مار گیا حالانکہ یہ درخت ایسے تھے کہ اگر باندھے نہ جائیں تو ان کو پالا مار جائے تو پالے سے جس قدر نقصان ہوا ہے اس کا عامل مذکور ضامن ہوگا یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔ اگر کسی شخص نے دوسرے کو باغ خرما یا درختاں کے معاملہ میں وکیل کیا پس اگر عامل کی طرف سے وکیل ہو تو باتفاق روایات حصہ عامل وصول کرنے کا وہی متولی ہوگا اور اگر درختوں کے مالک کی طرف سے وکیل ہو تو کتاب المعاملہ کی روایت کے موافق وکیل کو مالک باغ کے حصہ وصول کرنے کا اختیار نہیں ہے اور کتاب الوکالۃ کی روایات کے موافق اختیار ہے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔

امام محمدؒ سے کتاب الاصل میں مذکور ایک مسئلہ ☆

اگر عامل نے زمین میں زمین دینے والے کی اجازت سے درخت خرما یا انگور یا اور قسم کے درخت لگائے پھر جب وہ بڑے ہو

---

[1] اس قدر خسارہ پر لیا کہ قیمت اندازہ کرنے میں کوئی آنکنے والا اتنے کو اندازہ کرتا ہے اور کوئی اس سے خلاف پس بقدر تفاوت خسارہ ہے مگر ایسا ہی کہ پہلا اندازہ والا اس کو اٹھا گیا تھا۔ [2] تشذیب چھانٹ کر آراستہ کرنا۔

کر پھل لائے تو کسی دوسرے شخص نے اپنا استحقاق ثابت کیا تو وہ اپنی زمین لے لے گا اور درختاں خرما و انگور وغیرہ جو درخت اس میں لگائے گئے ہیں اکھڑا دے گا اور جب دونوں ان درختوں کو اکھاڑیں تو دونوں سے بالاتفاق وہ نقصان جو اکھاڑنے سے زمین میں پیدا ہو گیا ہے تاوان لے گا اور درخت جمانے والا اس کو نقصان غرس[1] بھی دے گا یہ امام اعظمؒ کا اور آخر قول امام ابو یوسف کا ہے اور عامل نے اکھاڑنے اور درخت جمانے کا جو کچھ نقصان تاوان دیا ہے وہ اس شخص سے جس نے زمین اس کو دی تھی واپس لے گا اور اوّل قول امام ابو یوسفؒ کے موافق اور یہی قول امام محمدؒ کا ہے استحقاق ثابت کرنے والے کو اختیار ہے کہ یہ سب نقصان اس شخص سے لے جس نے عامل کو زمین دے دی تھی امام محمدؒ کے نزدیک غصب کرنے والا مثل تلف کرنے والے کے ضامن ہے اور امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ[2] کے نزدیک استحقاق ثابت کرنے والا یہ ضمان تلف کرنے والے سے لے سکتا ہے نہ غصب کرنے والے سے پھر جس نے درخت لگائے ہیں یعنی تلف کرنے والا وہ اس مال تاوان کو اس شخص سے جس نے اس کو زمین دی ہے یعنی غاصب سے واپس لے گا کیونکہ اس نے درخت جمانے والے کو باہمی عقد معاوضہ میں دھوکا دیا ہے یہ مبسوط میں ہے۔ اگر ایک شخص کو اپنا باغ خرما آدھے کی بٹائی پر دیا اور یہ نہ کہا کہ اپنی رائے پر عمل کرے پھر عامل نے دوسرے عامل کو بٹائی پر دے دیا اور اس نے کام کو انجام دیا تو جو کچھ پیداوار حاصل ہو وہ مالک باغ کی ہو گی اور دوسرے عامل کے واسطے پہلے عامل پر اپنے کام کا اجر المثل چاہے جس قدر ہو واجب ہو گا اور پہلے عامل کو کچھ اجرت نہ ملے گی اور واضح ہو کہ یہ جو فرمایا کہ اجر المثل چاہے جس قدر ہو یہ امام محمدؒ کا قول ہے اور امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے قول میں یہ ہے کہ اجر المثل مقدار مسمیٰ[3] سے زیادہ نہ کیا جائے گا کذافی الحیلہ۔

اگر دوسرے عامل کے پاس تمام پھل جو درختوں پر لگے تھے درختوں پر خراب ہو گئے بدوں اس کے کہ دوسرے عامل کے فعل کا اس میں کچھ دخل ہو تو دونوں میں سے کسی پر تاوان لازم نہ ہو گا اور اگر عامل ثانی کے فعل سے جس میں اس نے عامل اوّل کے حکم کے برخلاف کیا ہے خراب ہو گئے تو مالک کے واسطے اس کا تاوان دوسرے عامل پر واجب ہو گا نہ عامل اوّل پر اور اگر عامل ثانی کے فعل سے جس میں اس نے عامل اوّل کے حکم کے برخلاف نہیں کیا ہے خراب ہو گئے تو باغ کے مالک کو اختیار ہے کہ دونوں میں سے جس سے چاہے تاوان لے پس اگر اس نے عامل اوّل سے تاوان لینا پسند کیا تو اول یہ مال تاوان دوسرے عامل سے واپس نہیں لے سکتا ہے اور اگر اس نے دوسرے سے تاوان لیا تو وہ مال تاوان عامل اول سے واپس لے گا۔ یہ سب اس صورت میں ہے کہ مالک نے عامل اوّل سے یہ نہ کہا ہو کہ اس میں اپنی رائے سے عمل کرے اور اگر یہ کہا ہو کہ اس کے واسطے آدھی حاصلات شرط کر دی ہو اور اس نے دوسرے کو تہائی پیداوار پر دے دیا تو یہ جائز ہے اور جو کچھ پھل پیدا ہوں اس میں سے آدھے مالک باغ کے اور چھٹا حصہ عامل[4] اوّل کا ہو گا اور امام محمدؒ نے کتاب الاصل میں ذکر فرمایا کہ اگر مالک نے عامل سے یہ نہ کہا کہ اس میں اپنی رائے سے عمل کرے اور اس کے واسطے کچھ شے معلوم شرط[5] کر دی اور عامل اوّل نے دوسرے کے واسطے بھی یوں ہی شرط کی تو دونوں فاسد ہیں اور عامل اول پر تاوان لازم[ا] نہ ہو گا کذافی البدائع۔

[ا] یہ مخالف سابق ہے کیونکہ غاصب ہے حالانکہ یہاں اس کو ضامن نہیں کیا فافہم اور اگر قولہ کچھ شے معلوم سے مراد جز معلومہ ہیں تو پہلے ہی سے فاسد ہے ہاں اگر کہا کہ اپنی رائے سے عمل کرے تو البتہ ضامن نہ ہو گا۔

(۱) درخت جمانا۔ (۲) یعنی بنا بر قول آخر۔ (۳) جو شرط ٹھہری ہے۔

(۴) اور تہائی دوسرے کی۔ (۵) یعنی تہائی و چوتھائی وغیرہ معلومہ۔

کتاب الذّبائح

اس میں تین ابواب ہیں

باب اوّل:

ذکوۃ(۱) کے رکن وشرائط وحکم وانواع کے بیان میں

قال المترجم ☆

ذکوۃ بذال معجمہ دراصل لغت بمعنے گردن کاٹنا و مراد شرعی طور سے جس سے شرع میں جانور حلال ہو جائے گردن کاٹنا ہے قال ذکوۃ دو قسم کی ہوتی ہے ایک اختیاری دوسری اضطراری پس جو جانور ذبح کیے جاتے ہیں ان میں ذکوۃ اختیاری کا رکن ذبح کرنا ہے جیسے بکری و گائے وغیرہ اور جو جانور نحر کیے جاتے ہیں ان میں نحر کرنا ذکوۃ اختیاری کا رکن ہے جیسے اونٹ مگر ذبح یا نحر کا رکن ہونا اس وقت ہے کہ جب ذبح و نحر پر قادر[1] ہو پس بدوں ذبح و نحر کے یہ جانور حلال نہ ہوں گے اور ذبح یعنی بریدن رگہائے گلوائے گردن کی رگیں کاٹنا مگر اس کا محل اوپر کی گردن کے کنارہ اور دونوں جبڑوں کے بیچ میں ہے اور نحر یعنی بریدن رگہائے گلوائے گردن کی رگیں کاٹنا مگر اس کا محل آخر حلق ہے اگر کسی نے جو جانور ذبح کیا جاتا ہے اس کو نحر کیا یا جو نحر کیا کیا جاتا ہے اس کو ذبح کیا تو حلال ہو گیا کیونکہ گردن کی رگیں کٹ گئیں۔ مگر یہ مکروہ[2] ہے (۲) اس واسطے اونٹ کے حق میں سنت یہ ہے کہ نحر کیا جائے اور سوائے اونٹ کے دوسرے جانوروں میں ذبح کرنا مسنون ہے یہ بدائع میں ہے اور جامع صغیر میں لکھا ہے کہ ذبح کرنے میں اوپر کی گردن یا بیچ کی گردن یا نیچے کی گردن میں جہاں فر بح کرے کچھ ڈر نہیں ہے اور فتاویٰ اہل سمرقند میں لکھا ہے کہ ایک بز قصاب نے اندھیری رات میں ایک بکری ذبح کی اس طرح کہ حلقوم سے اوپر یا حلقوم سے نیچے کاٹ دیا تو اس کا کھانا حرام ہے کیونکہ اس نے مذبح یعنی حلقوم کے سوائے دوسری جگہ ذبح کی اور اگر اس صورت میں قصاب مذکور بعض مقام کاٹنے (۳) پایا تھا کہ اس کو معلوم ہو گیا پس اس نے دوبارہ گردن کاٹی قبل اس کے پہلے کاٹنے سے بکری مر جائے تو اس میں دو صورتیں ہیں کہ اگر اس نے پہلی دفعہ پورا کاٹ دیا تھا تو ایسی صورت میں وہ بکری حلال نہ ہوگی کیونکہ پہلے زخم سے بہ نسبت دوسرے کے وہ بکری جلد مر جائے گی اور اگر اس نے پہلی دفعہ تھوڑا کاٹا تھا تو اس صورت میں دوبارہ گردن کاٹنے سے حلال ہو جائے گی یہ ذخیرہ و محیط میں ہے اور ذکوۃ اضطراری کا رکن یہ ہے کہ عقر[3] یعنی جرح پایا جائے خواہ کسی جگہ ہو اور یہ بات صید (۴) میں ہوتی ہے اس طرح اونٹ یا گائے یا دنبہ بکری میں سے جو اس طرح بدک جائے کہ اس کا مالک اس پر قدرت نہ پائے اس میں بھی ذکوۃ اضطراری ہوتی ہے کیونکہ وہ صید کے معنی میں ہے۔

اگرچہ پہلے مستانس (۵) تھی اور اونٹ و گائے و بیل خواہ جنگل میں اس طرح بدک جائے یا شہر میں بہر حال اس کی ذکوۃ بھی عقر ہے ایسا ہی امام محمدؒ سے مروی ہے اور بکری اگر جنگل میں اس طرح بدک جائے تو اس کا حلال کرنا عقر سے ہوگا اور اگر شہر میں بدک

---

[1] قادر ہو مثلاً قابو میں ہو اور اگر اضطرار ہو تو یہ رکن نہیں چنانچہ آتا ہے اور اس کو حفظ رکھنا چاہیے۔ [2] قال کردہ سے مکروہ تیز بھی مراد ہے لفظ عنایہ بحضیم۔ [3] جرح دھار سے پھاڑ دینا۔

(۱) حلال کرنا۔ (۲) کیونکہ اس نے خلاف سنت عمل کیا۔ (۳) یعنی بے جگہ۔ (۴) یعنی شکار۔ (۵) ملی ہوئی جگہ۔

جائے تو عقر سے اس کا حلال کرنا روانہیں ہے اس طرح جو جانوران میں سے کنویں دیکھتے ہیں گر پڑے اور اس کا مالک اس کے نکالنے پر یا اس کے ذبح کرنے کی جگہ یا نحر کرنے کی جگہ پر چھری چلانے پر قابو نہ پائے تو عقر سے وہ بھی ذبح ہو جائے یہ منتقی میں مذکور ہے کہ اگر اونٹ نے کسی شخص پر حملہ کیا اور اس شخص نے حلال کرنے کی نیت سے اس کو قتل کر ڈالا تو اس کا کھانا حلال ہے کیونکہ جب وہ شخص اس کے پکڑنے پر قادر نہ ہوا تو وہ بمنزلۂ صید کے ہو گیا۔ شرائط ذکوۃ چند انواع ہیں بعض تو ذکوۃ اختیاری و ذکوۃ اضطراری دونوں کو شامل ہیں اور بعض خاص ایک کے ساتھ مخصوص ہیں نہ دوسرے کے ساتھ پس جو شرائط دونوں کو شامل ہیں ازانجملہ یہ ہے کہ ذبح کرنے والا عاقل ہو پس مجنون کا یا جو لڑکا ذبح کو نہیں سمجھتا ہے اس کا ذبیحہ نہ کھایا جائے گا اور اگر لڑکا ذبح کو سمجھتا ہو اور ذبح کرنے پر قادر ہو اس کا ذبیحہ کھایا کھایا جائے گا اور سکران یعنی جو شخص نشہ میں ہو اس کا بھی یہی حکم ہے ازانجملہ یہ ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا کتابی ہو پس مشرکوں کا ذبیحہ اور مرتدوں کا ذبیحہ نہ کھایا جائے گا کیونکہ مرتد جس دین کی طرف منتقل ہو گیا ہے اس کا مقر نہیں ہے اور اگر مرتد ایک طفل مراہق یعنی قریب بہ بلوغ ہو تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اس کا ذبیحہ نہ کھایا جائے گا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کھایا جائے گا بنا بریں کی طرفین کے نزدیک اس کی ردت صحیح ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نہیں صحیح ہے اور اہل کتاب کا ذبیحہ کھایا جائے گا خواہ اہل حرب ہوں یا غیر ہوں خواہ نصارائے بنی تغلب ہوں یا غیر ہوں کیونکہ نصارائے بنی تغلب نصارائے عرب کے دین پر ہیں۔

اگر کوئی کتابی اپنا دین چھوڑ کر کسی غیر کتابی کافروں کے دین پر ہو گیا تو اس کا ذبیحہ نہ کھایا جائے گا اور اگر کوئی غیر کتابی کافر اپنا کفر چھوڑ کر کسی اہل کتاب کے دین میں آ گیا تو اس کا ذبیحہ کھایا جائے گا اور اصل یہ ہے کہ ذبح کرنے والا کا حال و دین اس کے ذبح کرنے کے وقت کا دیکھا جائے گا اس کے ماسوا کا کچھ اعتبار نہیں ہے اور ہمارے اصحاب کے اصول میں سے ہے کہ جو شخص کفر کی ملتوں میں سے کسی ملت کو چھوڑ کر دوسری ملت کفر میں جو اس کے قریب قریب ہی داخل ہو گیا تو ایسا قرار دیا جائے گا کہ گویا در اصل وہ اسی ملت کے لوگوں میں سے ہے اور جو شخص[1] کتابی وغیرہ کتابی سے پیدا ہوا ہے اس کا ذبیحہ کھایا جائے گا خواہ باپ کتابی ہو یا ماں کتابی ہو یہ حکم ہمارے نزدیک ہے اور صابیہ فرقہ کا ذبیحہ امام اعظمؒ کے نزدیک کھایا جائے گا اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک نہیں کھایا جائے گا پھر واضح ہو کہ اہل کتاب کا ذبیحہ جبھی کھایا جائے گا کہ جب اس کے ذبح کرنے کے وقت وہاں حاضر نہ ہو اور نہ اس سے کچھ سنا ہو یا حاضر ہو اور اس سے فقط اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہے۔ جیسا مسلمان کے ساتھ حسن ظن کیا جاتا ہے اور اگر اس کی زبان سے اللہ تعالیٰ کا نام سنا ہو کیونکہ جب اس سے کوئی لفظ نہیں سنا تو حسن ظن اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ اس نے فقط اللہ تعالیٰ کا نام سنا گیا مگر اس نے اللہ تعالیٰ کے لفظ سے مسیح علیہ السلام کو مراد لیا ہے تو مشائخ نے فرمایا کہ اس کا ذبیحہ کھایا جائے گا لیکن اگر اس نے صریح اس طرح بیان کیا کہ بسم اللہ الذی ہو ثالث یعنی ایسے اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہوں جو تین میں سے ایک ہے تو اس کا ذبیحہ حرام ہے اور اگر اس کی زبان سے فقط مسیح علیہ السلام کا نام سنا گیا یا اس نے اللہ سبحانہ تعالیٰ کا نام اور مسیح علیہ السلام کا نام لیا تو اس کا ذبیحہ نہ کھایا جائے گا ازانجملہ ہمارے نزدیک شرط ہے کہ ذکوۃ کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا نام لے خواہ کوئی نام ہو خواہ نام کے ساتھ کوئی صفت ملائے جیسے اللہ اکبر اللہ اعظم۔ اللہ اجل اللہ الرحمن اللہ الرحیم وغیرہ یا نہ ملائے جیسے فقط اللہ یا رحمٰن یا رحیم وغیرہ کہے اور یہی حکم تہلیل و تسبیح و تحمید کا ہے اور خواہ تسمیہ معہودہ یعنی بسم اللہ یا رحمٰن الرحیم کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو اور خواہ تسمیہ زبان عربی میں ہو یا فارسی وغیرہ کسی زبان میں ہو اور خواہ وہ عربی الفاظ اچھی طرح ادا کر سکتا ہو یا نہ ادا کر سکتا ہو ایسا ہی بشرؒ نے امام ابو یوسفؒ سے روایت کیا ہے۔

---

[1] شخص یعنی ہنوز طفل عاقل ہو۔

ماسوا عربی تسمیہ پکارنا☆

اگر کسی شخص نے ذبیحہ پر زبان رومی یا فارسی تسمیہ کہا خواہ وہ عربی اچھی طرح ادا کر سکتا ہے یا نہیں تو یہ تسمیہ کافی ہے اور تسمیہ کی شرائط میں سے یہ ہے کہ ذبح کرنے والا تسمیہ کہے حتیٰ کہ اگر غیر نے تسمیہ کہا اور ذبح کرنے والا خاموش رہا حالانکہ بھولا نہیں ہے یاد ہے تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا اور از انجملہ یہ ہے کہ تسمیہ سے یہ قصد کرے کہ ذبیحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے اور اگر اس نے تسمیہ سے شروع کام پر اللہ تعالیٰ کا نام لینا مراد لیا ہے تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا اور علیٰ ہذا اگر الحمد للہ کہا اور اس سے تسمیہ کی نیت نہ کی بلکہ اس نے بطریق شکر کے اللہ تعالیٰ کے حمد کرنے کی نیت کی تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا اس طرح اس نے تسبیح یا تہلیل یا تکبیر کہی اور اس سے ذبیحہ پر تسمیہ کہنے کی نیت نہ تھی بلکہ فقط یہ نیت تھی کہ صفات مخلوقات سے اللہ تعالیٰ کے پاک ہونے اور اس کی وحدانیت کے وصف کو بیان کرے تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا کذا فی البدائع اور اگر اس کو چھینک آئی پس اس نے الحمد للہ کہا یعنی چھینک پر تحمید کی نیت کی پھر ذبح کر دیا تو یہ جانور حلال نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ از انجملہ یہ ہے کہ غیر کے ناموں سے اللہ تعالیٰ کے نام کی تجرید کرے یعنی فقط اللہ تعالیٰ کا نام زبان سے کہے کسی غیر کا نام نہ ملائے اگرچہ نبی علیہ السلام کا نام کیوں نہ ہو۔ از انجملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام ذکر کرنے سے خالص اس کی تعظیم کا قصد کرے اس میں معنی دعا کا شائبہ نہ ہو حتیٰ کہ اگر اس نے کہا کہ اللھم اغفرلی تو یہ تسمیہ نہ ہوگا کیونکہ یہ دعا ہے اور دعا میں محض تعظیم ہے مقصود نہیں ہوتی ہے (وقت بیان تسمیہ کا) پس ذکوۃ اختیاری میں وقت ذبح کے بیان کرے اس سے مقدم کرنا جائز نہیں ہے مگر یوں ہی کچھ پہلے نہایت تھوڑی سی دیر کہ جس سے بچاؤ نہیں ہو سکتا ہے اور ذکوۃ اضطراری میں تیر پھینکنے اور سیکھا ہوا کتا وغیرہ چھوڑنے کے وقت تسمیہ کہدے اور جو شرط مذکی کی طرف یعنی جس کی ذکوۃ مطلوب ہی راجع ہے وہ یہ ہے کہ یہ جانور حلال ہوا اور یہ ذکوۃ اضطرار یہ میں ہے۔ نہ اختیار یہ میں۔

جو قسم شرط کی محل ذکوۃ کی طرف راجع ہے از انجملہ یہ ہے کہ ذکوۃ اختیاری کے ساتھ وقت تسمیہ کا محل معین کرے اور اسی سے اس صورت کا حکم نکلتا ہے کہ اگر تسمیہ کہہ کر ایک جانور ذبح کیا پھر دوسرا ذبح کیا اور گمان کیا کہ پہلا تسمیہ اس کے حق میں بھی کافی ہو گیا ہے تو یہ جانور نہ کھایا جائے گا اور ضرور ہے کہ ہر جانور کے واسطے علیحدہ تسمیہ کہے از انجملہ یہ ہے کہ جانور شکار نہ ہوا اس میں وقت ذبح کے اصل حیات باقی ہو خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اصل حیوۃ کافی نہیں ہے بلکہ حیوۃ مستقرہ ہونا چاہیے کذافی البدائع اور متردیہ و منخنقہ و موقوذۃ اور بکری مریضہ و مشقوقہ البطن اگر ذبح کی گئی تو دیکھا جائے گا کہ اگر اس میں حیوۃ مستقرہ باقی ہے تو ذبح سے بالا اجماع حلال ہو جائے گی اور اگر اس میں حیوۃ مستقرہ نہ ہو تو بھی ذبح سے حلال ہو جائے گی خواہ زندہ رہ سکتی ہو یا نہ رہ سکتی ہو یہ امام اعظمؒ کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور جو جانور بدوں ذبح کے حلال نہیں ہوتے ہیں اس میں بعد ذبح کے خون کا نکلنا آیا حلال ہونے کی شرائط میں سے ہے یا نہیں تو اس میں کوئی روایت ہمارے اصحاب سے نہیں آئی اور بعض فتاویٰ میں مذکور ہے کہ دو باتوں میں سے ایک بات ہونا چاہیے یا تو ذبیحہ حرکت کرے یا خون نکلے اور اگر کوئی بات نہ پائی گئی تو حلال نہ ہوگا یہ بدائع میں ہے اگر کوئی گائے یا بکری ذبح کی گئی اور اس سے خون نکلا مگر اس نے حرکت نہ کی اور خون ایسا نکلا جیسا زندہ سے نکلا کرتا ہے تو امام اعظمؒ کے نزدیک یہ مذبوحہ کھائی جائے گی اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔

ایک شخص نے ایک بیمار بکری ذبح کی اور اس کے منہ کے سوائے کسی جزو بدن نے حرکت نہ کی پس اگر اس نے منہ کھول دیا تو نہ کھائی جائے گی اور اگر بند کر لیا تو کھائی جائے گی اور اگر آنکھ کھول دی تو نہ کھائی جائے گی اور اگر آنکھ بند کر لی تو کھائی جائے گی اور اگر اس نے پاؤں پھیلا دیے تو نہ کھائی جائے گی اور اگر کھینچ لیے تو کھائی جائے گی اور اگر اس کے بال نہ کھڑے ہوئے تو نہ کھائی جائے گی اور اگر

کھڑے ہو گئے تو کھائی جائے گی اور یہ سب ایسی بکری میں ہے جس کا ذبح کے وقت زندہ ہونا معلوم نہ ہوتا کہ ان علامات سے اس کا زندہ ہونا پہنچانا جائے اور اگر وقت ذبح کے یقیناً اس کا زندہ ہونا معلوم ہو تو ہر حال میں کھائی جائے گی یہ سراج الوہاج میں ہے اور ذکوۃ کا حکم یہ ہے کہ جو جانور ذبح کیا گیا ہے وہ طاہر ہو جاتا ہے پس اگر حلال جانوروں میں سے ہو تو اس کا کھانا بھی حلال ہو جاتا ہے اور اگر حلال جانوروں میں سے نہ ہو تو سوائے کھانے کے اس سے اور طور پر نفع اٹھانا جائز ہو جاتا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر خنثے اور مخنث کا ذبیحہ جائز ہے یہ جوہرہ نیرہ میں ہے ابرص کا ذبح کرنا و روٹی و ہانڈی پکانا مکروہ نہیں ہے مگر اس کے سوائے اگر دوسرا ایسا کام کرلے تو اولیٰ ہے یہ غرائب میں ہے عورت مسلمہ و کتابیہ ذبح کرنے میں مثل مرد کے ہیں۔ گونگے کا ذبیحہ خواہ مسلمان ہو یا کتابی ہو کھایا جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ محرم نے جو صید ذبح کیا خواہ حل میں ذبح کیا ہو یا حرم میں وہ حلال نہیں ہے اور جو جانور حرم میں ذبح کیا گیا وہ حلال نہیں ہے اس طرح حرم میں جو صید ذبح کیا گیا خواہ حلال [1] نے ذبح کیا یا محرم نے وہ حلال نہیں ہے بخلاف اس کے اگر محرم نے سوائے صید کی ذبح کیا تو اس کا یہ حکم نہیں ہے کیونکہ یہ فعل مشروع ہے یہ کافی میں ہے۔ ایک نصرانی نے حرم میں ایک صید ذبح کیا تو حلال نہیں ہے یہ سراجیہ میں ہے۔ ایک مسلمان نے ایک مجوسی کی بکری ان کے آتش کدہ [2] کے واسطے ذبح کی یا کافر کی بکری ان کے آلہہ (۱) کے واسطے ذبح کی تو اس کا کھانا جائز ہے کیونکہ مسلمان نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہے مگر مسلمان کے حق میں ایسا فعل کرنا مکروہ ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ جامع الفتاویٰ سے منقول ہے مشکل میں لکھا ہے کہ اگر کسی نے مہمان کے پیش نظر اس کی تعظیم کے واسطے کوئی جانور ذبح کیا تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے اس طرح اگر کسی امیر وغیرہ کی آمد میں اس کی تعظیم [3] کے واسطے ذبح کیا تو بھی اس کا کھانا حلال نہیں ہے ہاں اگر مہمان کی غنیمت میں اس کی ضیافت کے واسطے ذبح کیا تو کچھ ڈر نہیں ہے یہ جوہرہ نیرہ میں ہے۔ تجرید میں ہے کہ اگر مسلمان نے جانور ذبح کیا پھر بعد ذبح کے مجوسی نے اس کے گلے پر چھری پھیر دی تو حرام نہ ہو جائے گا اور اگر مجوسی نے ذبح کیا بعد اس کے ذبح کے مسلمان نے اس کے گلے پر چھری پھیر دی تو حلال نہ ہو جائے گا یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ واضح ہو کہ ذکوۃ میں جو رگیں کاٹی جاتی ہیں وہ چار ہیں ایک حلقوم یعنی سانس کی آمد و رفت کا راستہ دوسری مری یعنی کھانے پانی کا راستہ تیسرے و چوتھے دو داجین یعنی گردن کے منکے کی دونوں طرف دو رگیں ہیں جن میں خون کی آمد و رفت ہے پس اگر یہ چاروں کٹ گئیں تو ذبیحہ حلال ہو گیا اور اگر اکثر کٹ گئیں تو بھی امام اعظمؒ کے نزدیک یہی حکم ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ حلقوم و مری و دونوں دواجین میں سے ایک (۲) کا کٹ جانا ضرور ہے مگر صحیح قول امام اعظمؒ کا ہے کیونکہ حکم کل کا ہوتا ہے وہی اکثر کا ہوتا ہے یہ مضمرات میں ہے۔

جامع صغیر میں لکھا ہے کہ اگر نصف حلقوم و نصف مری و نصف دواج کٹ گئی تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا کیونکہ حلت کل یا اکثر کے قطع ہونے پر ہے اور موضع احتیاط میں نصف کو کل کا حکم نہیں دیا گیا ہے کذا فی الکافی اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اگر حلقوم و مری و اکثر دونوں دواجین میں سے کٹ گئیں تو جانور حلال ہو جائے گا ورنہ حلال نہ ہوگا اور ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ سب جوابات میں سے یہ جواب اصح ہیں۔ اگر گدی کی طرف سے بکری ذبح کی گئی پس اگر اس کے مرنے سے پہلے ان رگوں میں سے اکثر کٹ گئیں تو حلال ہو جائے گی

---

[1] حلال وہ شخص جو احرام میں نہ ہو۔ [2] کے واسطے مراد یہ کہ بظاہر صورت ان کے وہاں ذبح کی مگر حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے واسطے ذبح کی کیونکہ آگے خود مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لیا اور اگر وہ آگ و بت وغیرہ کے لیے ذبح کرتا تو مرتد ہو جاتا چنانچہ لجنات اردو میں صریح مسئلہ مذکور ہے اور یہاں اس کو مسلمان رکھا تو معنی یہ ہوئے کہ اس نے در حقیقت اللہ تعالیٰ کے نام پر تعظیم اللہ تعالیٰ کے لیے ذبح کی فافہم۔ [3] التعظیم اقوال پس مدار یہی تعظیم ہے جب سوائے خدائے تعالیٰ کے کسی کے واسطے ہو تو ذبیحہ حرام ہے پھر قول مضمرات میں مترجم کہتا ہے کہ اکثر یہاں تین کے قریب ہے چنانچہ کافی سے ظاہر ہوتا ہے پس فرق نہ ہو ۱۲۔

(۱) معبودوں و بتوں۔ (۲) حلقوم و مری و ایک دواج ۱۲۔

اور اگر اکثر یہ رگیں کٹ جانے سے پہلے وہ مرگئی تو حلال نہ ہوگی اور یہ فعل مکروہ ہے اس وجہ سے کہ ایک تو خلاف سنت ہے اور دوسرے اس میں زیادہ تکلیف دی ہے یہ محیط میں ہے۔ایک گائے یا بکری بچہ جنتے پر آگئی تو مشائخ نے فرمایا کہ اس کا ذبح کرنا مکروہ ہے کہ اس میں بچہ کی تضییع ہے اور یہ امام[1] اعظمؒ کا قول ہے اس واسطے کہ ان کے نزدیک ماں کے حلال کرنے سے بچہ پیٹ کا حلال نہیں ہوتا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔اگر کسی شخص نے اونٹنی یا گائے حلال کی پھر اس کے پیٹ میں سے مردہ بچہ نکلا تو وہ کھایا نہ جائے گا خواہ اس کو اس بات کا شعور ہوا ہو یا نہ ہو اور یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر اس کی خلقت پوری ہوگئی ہو تو کھایا جائے گا کذا فی الہدایہ۔

اگر جنین یعنی پیٹ کا بچہ زندہ نکلا اور اتنی مہلت (۱) نہ تھی کہ اس کو ذبح کیا جا سکے پس وہ مرگیا تو کھایا جائے گا اور یہ تفریع بنا پر قول امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے ہے نہ بنا پر قول ابی حنیفہؒ کے کذا فی النہایہ ایک شخص نے بکری کا پیٹ پھاڑ کر زندہ بچہ نکال کر اس کو ذبح کیا پھر بکری کو ذبح کیا تو مشائخؒ نے فرمایا[2] کہ اگر بکری اس زخم سے زندہ نہ رہ سکے تو حلال نہ ہوگی اس واسطے کہ اس کی موت پہلے زخم سے ہوگی اور یہ زخم ذکوۃ نہیں ہے اور اگر اس سے زندہ رہ سکے تو ذبح سے حلال ہو جائے گی کیونکہ ذکوۃ یہ دوسرا یعنی ذبح ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ایک شخص کی گائے پر بچہ پیدا ہونے میں بہت تکلیف پیش آئی اور پیدا ہونا مشکل ہو گیا پس اس نے گائے کی فرج میں ہاتھ ڈال کر پیٹ ہی میں اس کا بچہ ذبح کر دیا خواہ مذبح سے اس کو ذبح کر دیا یا ذبح کرنے کی جگہ کے سوائے دوسری جگہ سے ذبح کر دیا پس اگر ذبح کی جگہ سے ذبح کیا تو حلال ہے اور اگر غیر جگہ سے ذبح کیا پس اگر وہ شخص ذبح کرنے کی جگہ سے ذبح نہیں کر سکتا تھا تو حلال ہوگا اور اگر ذبح کی جگہ سے ذبح کر سکتا تھا مگر اس نے غیر جگہ سے ذبح کیا تو حلال نہ ہوگا یہ جیز کردری میں ہے۔ایک بلی نے مرغی کی گردن کاٹ دی تو وہ ذبح کرنے سے حلال نہ ہوگی اگر پھڑکتی رہے یہ ملتقط میں ہے۔اور آلہ دو طرح کا ہوتا ہے قاطعہ وفاسخہ (۲) پھر قاطعہ دو طرح کا ہوتا ہے دھار دار اور کند۔پس دھار دار سے بلا کراہت ذبح کرنا جائز ہے خواہ لوہے کا ہو یا نہ ہو جیسے کسی نے نرکل کے پوست سے یا سنگ مرمر سے یا عصا کی کھپاچ سے یا ہڈی کی کھپاچ سے ذبح کیا تو جائز ہے اور کند آلہ سے ذبح کرنا جائز ہے مگر مکروہ ہے اور اگر اکھڑے ہوئے دانت یا ناخن سے ذبح کیا تو حلال ہے مگر یہ فعل مکروہ ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور جو آلہ فاسخہ سے ہوتا ہے وہ ناخن قائم و دندان قائم ہے کہ اس سے بالا اجماع ذبح کرنا جائز نہیں ہے اور اگر ذبح کیا تو جانور مردار ہو جائے گا یہ بدائع میں ہے۔

ذبیحہ اُونٹ کا نبوی (ﷺ) طریقہ ☆

اونٹ کے ذبح کرنے میں سنت طریقہ یہ ہے کہ اس کا بایاں بازو وساق باندھ کر کھڑا کر کے نحر کرے یعنی آخر حلق سے ذبح کرے پس اگر اونٹ کو کروٹ سے لٹا کر نحر کیا تو جائز ہے مگر طریقہ اوّل افضل ہے اور بکری گائے میں سنت یہ ہے کہ اس کو کروٹ سے لٹا کر ذبح کرے کیونکہ اس طریقہ سے رگوں کا کاٹنا اچھی طرح ممکن ہے اور سب صورتوں میں اپنے ساتھ جانور کو قبلہ رخ رکھے یہ جوہرہ نیرہ میں ہے مستحب یہ ہے کہ دن میں ذبح کرے اور ذبح اختیاری میں یہ مستحب ہے کہ لوہے کے تیز آلہ سے جیسے چھری و تلوار وغیرہ سے ذبح کرے اور غیر حدید (۳) سے اور رات میں (۴) حدید[3] سے مکروہ ہے اور مستحبات میں سے ہے کہ رگوں کو اچھی طرح کاٹنے اور تکیہ

---

[1] مترجم کہتا ہے کہ ان دونوں کے نزدیک ماں کا ذبح وہی بچہ کا ذبح ہے بدلیل حدیث اور یہی مختار اور اسی پر فتویٰ ہے۔ [2] قال المترجم یہ مسئلہ بقول صاحبین متفرع ہے فافہم۔ [3] حدید سے مراد تیز دھار ہے خواہ لوہا ہو یا دوسری چیز ہو۔

(۱) یعنی اتنی دیر زندہ نہ رہا کہ اس کو ذبح کیا جا سکے۔ (۲) کاٹنے والا شکستہ کرنے والا۔ (۳) اگر چہ دن میں ہو۔ (۴) اگر چہ حدید سے ہو۔

لگانا اس حال میں مکروہ ہے اور حلقوم کی طرف سے ذبح کرنا مستحب ہے اور گدی کی طرف سے مکروہ ہے اور منجملہ مستحبات کے یہ ہے کہ رگیں سب کاٹے اور بعض نہ کاٹنا مکروہ ہے اور یہ مستحب ہے کہ فقط رگیں کاٹنے پر التفات کرے اور سر کو جدا نہ کردے اور اگر ایسا کیا تو مکروہ اور ذبح کے وقت یہ کہنا اللھم تقبل عن فلاں مکروہ ہے ہاں یہ لفظ ذبح سے فارغ ہونے کے بعد کہے یا اس سے پہلے کہہ لے لیکن اگر اس نے ذبح کے وقت کہا تو ذبیحہ حرام نہ ہوگا اور ذبح کے بعد ٹھنڈا ہونے سے پہلے ذبیحہ کی کھال کھینچنا مکروہ ہے اور اگر ذبیحہ ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کی نخاع تک چھری بھونکی یا کھال کھینچی تو اس کے کھانے میں ڈر نہیں ہے اور مذبح کی طرف جانور کے پاؤں پکڑ کے کھینچ لے جانا مکروہ ہے اور اس کو لٹا کر اس کے سامنے چھری تیز کرنا مکروہ ہے مگر یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ ان سے ذبیحہ حرام نہیں ہو جاتا ہے یہ بدائع میں ہے اور جس جانور کو نحر کرنا چاہیے اگر اس کو ذبح کیا یا جس کو ذبح کرنا چاہیے اس کو نحر کیا تو جائز ہے مگر مکروہ ہے کہ اس نے سنت کو ترک کیا یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔ اگر کسی نے اونٹ یا گائے یا بکری کی گردن ماری اور سر جدا کر دیا مگر تسمیہ کہا پس اگر حلقوم کی طرف سے گردن ماری ہے تو وہ کھائی جائے گی مگر اس شخص نے بہت برا کیا اور اگر اس نے ورنگی وتوقف کے ساتھ گردن ماری ہے تو نہ کھائی جائے گی کیونکہ وہ ذکوۃ سے پہلے مرگئی پس مردار ہوگئی اور اگر اس کے مر جانے سے پہلے اس کی رگیں کاٹ دیں تو کھائی جائیں گی کیونکہ ذکوۃ میں جو فعل چاہیے ہے وہ اس کی زندگی میں پایا گیا لیکن یہ فعل مکروہ ہے کیونکہ اس نے بلا حاجت اس کی تکلیف بڑھا دی اور اگر اس نے اپنا فعل بلا توقف پورا کر دیا تو کھایا جائے گی کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ ذکوۃ سے مری ہے یہ بدائع میں ہے۔ اگر جانور کو بدوں قبلہ کی طرف توجہ کے ذبح کیا تو حلال ہوگا مگر مکروہ ہے یہ جواہر اخلاطی میں ہے۔

ایک شخص کا بیل مرنے لگا اور مالک کے پاس کوئی آلہ نہیں ہے سوائے ایسی چیز کے جس سے اس کے مذبح میں جرح کر سکے اور اگر وہ ذبح کرنے کا آلہ تلاش کرتا ہے تو اتنی دیر میں وہ مر جائے گا اس کو حلال کرنا نہ ملے گا پس اس نے بیل مذکور کے مذبح کو مجروح کر دیا تو حلال نہ ہوگا لیکن اگر رگیں کاٹ دیں تو حلال ہو جائے گا یہ قنیہ میں ہے۔ نخع (۲) مکروہ [۱] ہے یعنی اس کے نخاع تک چھری بھونکنا مگر ذبیحہ کھایا جائے گا اور نخاع رقبہ کی ہڈی میں ایک سپید رگ ہے (جس کو حرام مغز کہتے ہیں) اور بعض نے فرمایا کہ نخع کے یہ معنی ہیں کہ اس کا سر پکڑ کر کھینچنا تا کہ اس کا مذبح پھیل جائے اور بعض [۲] نے فرمایا کہ نخع اس کو کہتے ہیں کہ تڑپنے سے ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کی گردن توڑ دے بہر حال یہ سب مکروہ ہے اس واسطے کہ یہ بلا ضرورت حیوان کی تعذیب ہے اور حاصل یہ ہے کہ جو بات ذکوۃ میں محتاج الیہ نہیں ہے مگر اس میں جانور کے حق میں زیادہ تکلیف ہے وہ مکروہ ہے وہ کافی میں ہے۔ بقالی نے فرمایا کہ مستحب یہ ہے کہ یوں کہے کہ بسم اللہ اللہ اکبر بدوں واد کے اور واد کے ساتھ مکروہ ہے کہ واد سے فی الفور تسمیہ ہونا مقطوع ہو جاتا ہے کذا فی المحیط۔ ایک ذبح کرنے والے نے اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ملا ہوا بغیر واد کے رسول مقبول ﷺ کا نام مبارک ذکر کیا تو اس میں تین صورتیں ہیں یا لفظ محمد کو نصب کے ساتھ ذکر کیا یا جر کے ساتھ یا رفع کے ساتھ اور ان سب صورتوں میں ذبیحہ حلال رہا اس واسطے کہ آنحضرت ﷺ کا نام بطریق عطف کے نہیں مذکور ہے پس مبتدا ہوگا لیکن مکروہ ہے اس واسطے کہ صورت میں وصل پایا جاتا ہے اور اگر اس نے واد کے ساتھ ذکر کیا پس اگر جر کے ساتھ ذکر کیا تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا کیونکہ یہ شخص ان دونوں ناموں کے ساتھ ذبح کرنے والا ہو گیا اور اگر اس نے رفع سے ذکر کیا تو ذبیحہ حلال ہو

---

[۱] قال شاید جان نکلنے کے واسطے ایسا کرتے ہیں۔ [۲] قال یہ دونوں قول اقرب ہیں بلکہ فی الواقع دونوں کے ایک معنی ہیں فقط اختلاف عبارت ہے۔

(۱) اللہ اس کو فلاں کی طرف سے قبول فرما۔ (۲) یعنی ہنوز ٹھنڈا نہ ہوا ہو۔

گا کیونکہ لفظ محمدؐ مبتدا ہوگا اور اگر لفظ محمدؐ نصب کے ساتھ ذکر کیا تو مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے اور علیٰ ہذا القیاس اگر اللہ تعالیٰ کے نام پاک کے ساتھ کوئی نام دوسرا ذکر کیا تو اس میں یہی حکم ہے یہ نہایہ میں ہے۔

وقال المترجم اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ دوسرا نام ذکر کرنے میں دو صورتیں ہیں یا بلا واؤ ذکر کیا یا بواؤ ذکر کیا پس صورت اولیٰ میں یعنی جب بلا واؤ ذکر کیا پس یا تو بزبان عربی تسمیہ کہا سو اس کا حکم وہی ہے جو کتاب میں مذکور ہے اور اگر بزبان اردو بیان کیا تو شاید وہی حکم ہو جو عربی زبان میں ہے مگر اردو والے کبھی حرف عطف دور کر دیتے ہیں جیسے ہم تم مل کر یہ کام کر لیں حالانکہ عطف مقصود ہے مگر بظاہر بناء حکم شرعی ملفوظ پر ہوگی اور اگر بواؤ ذکر کیا تو میرے نزدیک بہرحال ذبیحہ حرام ہے کیونکہ اس میں نصف و جرو غیرہ شقوق کا احتمال نہیں ہے فان حلۃ اراقۃ الدم انما یکون بذکر اسم اللہ تعالیٰ وحدہ فلا یحل اوخال اسم مع اسمہ تعالیٰ وان کان من اسماء الانبیاء لاولیاء ولاعبرۃ بمایفعلہ الجھلتہ وان کانوافی صورۃ المشائخ والعلماء واللہ تعالیٰ اعلم با الصواب اور اگر کسی نے بسم اللہ بغیر ہاں کہا پس اگر اس سے تسمیہ کا ارادہ کیا تو ذبیحہ حلال ہوگا ورنہ نہیں کیونکہ عرب کے لوگ کبھی ترخیم کر کے حذف کر دیتے ہیں اسی طرح اگر یوں کہا کہ اللھم تقبل من فلان تو ذبیحہ حلال ہوگا مگر فعل مکروہ ہے اور اگر ذبح کرنے سے پہلے یا بعد یوں کہا کہ اللھم تقبل من فلان تو کچھ ڈر نہیں ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اگر ذبح کے وقت کہا کہ لاالٰہ الااللہ اور دونوں وداجین و حلق و مری میں سے نصف قطع کیا پھر کہا محمد رسول اللہ پھر باقی قطع کیا تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا کہ تسمیہ کو مجرد اللہ تعالیٰ کے نام سے کہنا فرض ہے یہ قنیہ میں ہے اور اگر کہا بسم اللہ وصلی اللہ علی محمد یا کہا صلی اللہ علی بدوں وار کے تو ذبیحہ حلال ہوگا لیکن یہ فعل مکروہ ہے اور بقالی میں لکھا ہے محمد کہ ذبیحہ حلال ہوگا اگر موافقت تسمیہ ہو اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ اگر اس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر سے اشتراک فی التسمیہ مراد لیا ہے تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا اور اگر اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ذکر سے تبرک فعل ذبح قصد کیا تو ذبیحہ طلال ہوگا لیکن یہ فعل مکروہ ہے یہ محیط میں ہے اور جس شخص نے عمداً تسمیہ چھوڑ دیا ہے اس کا ذبیحہ حلال نہ ہوگا اور اگر اس نے بھولے سے چھوڑ دیا ہے تو حلال ہوگا اور مسلمان و کتابی دونوں تسمیہ چھوڑنے کے حکم میں یکساں ہیں کذا فی الکافی اور فتاویٰ عتابیہ میں ہے کہ لڑکا اور بالغ [1] بھولنے کے حکم میں یکساں ہیں یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر کسی قصاب سے اپنا جانور ذبح کرایا اس نے کہا کہ میں نے عمداً تسمیہ چھوڑ دیا ہے تو جانور حلال نہ ہوگا اور قصاب اس جانور کی قیمت تاوان دے گا یہ خزانۃ المفتیین میں ہے اور اگر اس نے بسم اللہ کہا مگر اس کے دل میں نیت نہ آئی تو عامہ مشائخ کے نزدیک یہ ذبیحہ کھایا جائے گا اور یہی صحیح ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اگر ایک شخص نے بکری کو لٹایا اور چھری ہاتھ میں لی اور تسمیہ کہا پھر اس کو چھوڑ کر دوسری بکری کو ذبح کیا اور عمداً اس پر تسمیہ نہ کہا تو وہ حلال نہ ہوگی یہ خلاصہ میں ہے اور اگر ایک بکری کو لٹایا تا کہ ذبح کرے اور چھری ہاتھ میں لی۔ اور تسمیہ کہا پھر یہ چھری چھوڑ کر دوسری چھری لے کر اس سے بکری ذبح کر دی تو وہ حلال ہوگی اور اگر شکار میں ایک تیر لیا اور تسمیہ کہا پھر یہ تیر رکھ دیا اور دوسرا تیر لے کر مارا تو شکار اسی تسمیہ کی وجہ سے حلال نہ ہوگا یہ جواہر اخلاطی میں ہے۔ اگر ذبح کرنے کے واسطے ایک بکری کو لٹایا اور تسمیہ کہا پھر کسی شخص نے کچھ کلام کیا یا پانی پیا یا چھری تیز کی یا ایک لقمہ کھالیا یا اور اس کے مثل کوئی کام جو عمل کثیر نہیں ہے کیا تو ذبیحہ اس تسمیہ سے حلال ہو جائے گا اور اگر بہت کلام کیا یا بہت عمل کیا تو اس ذبیحہ کا کھانا مکروہ ہوگا اور عمل کثیر کے واسطے اس مقام پر کوئی تقدیر نہیں بلکہ جہاں واقعہ ہو وہاں کے لوگوں کی عادت کو دیکھا جائے گا پس اگر لوگ اپنی عادت میں اس کام کو کثیر سمجھتے ہوں تو کثیر ہوگا اور اگر قلیل گنتے ہوں تو قلیل ہوگا پھر واضح ہو کہ اس صورت میں مکروہ کا لفظ ذکر فرمایا ہے اور مشائخ نے اس کراہت میں اختلاف [2] کیا ہے اور اضاحی زعفرانی میں ہے کہ اگر اپنی چھری تیز کی تو تسمیہ منقطع ہو جائے گا کچھ تفصیل نہیں ہے کہ عمل کثیر

---

(۱) بھولے سے تسمیہ چھوڑ دیا۔ (۲) یعنی کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی۔

ہو یا قلیل ہو یہ محیط ہے اگر ایک شخص تسمیہ کہہ چکا تھا پھر بکری ہاتھ سے چھوٹ گئی اور لیٹنے سے اٹھ کھڑی ہوئی پھر اس نے اس کو لٹا دیا تو تسمیہ منقطع ہو گیا یہ بدائع میں ہے۔ ایک شخص نے حماد وحشی کا ایک گلہ دیکھ کر تسمیہ کہا کر اور اپنا کتا چھوڑا اور اس نے کوئی گدھا پکڑا تو وہ حلال ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔ ایک شخص نے اپنی بکریوں کو دیکھا پس کہا کہ بسم اللہ پھر ایک کو پکڑ کر لٹایا اور ذبح کر دیا اور عمداً تسمیہ اس گمان پر چھوڑ دیا کہ وہی تسمیہ کافی ہوگا تو یہ بکری نہ کھائی جائے گی یہ بدائع میں ہے۔ اگر ایک بکری کو دوسری بکری پر لٹایا[1] پس اگر دونوں میں ایک بار چھری چلانے میں ذبح کر ڈالا تو ایک ہی تسمیہ کافی ہے۔ چند گرگریان ایک شخص کے ہاتھ میں ہیں پس اس نے تسمیہ کہہ کر ایک کو ذبح کیا پھر اسی کو پیچھے ہی دوسرے کو ذبح کیا مگر تسمیہ نہ کہا تو دوسری حلال نہ ہوگی اور اگر اس نے سب پر ایک بارگی چھری چلائی تو ایک ہی تسمیہ کافی ہے کذا فی خزانۃ المفتیین۔

باب دوسرا:

ان حیوانوں کے بیان میں

جن کا کھانا جائز ہے اور جن کا کھانا نہیں جائز ہے حیوان دراصل دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو پانی میں جیتے ہیں اور دوسرے وہ جو خشکی میں جیتے ہیں پس جو پانی میں جیتے ہیں ان سب حیوانوں کا کھانا حرام ہے سوائے مچھلی کے کہ خاصۃً مچھلی کا کھانا حلال ہے لیکن مچھلیوں میں سے بھی جو مچھلی مرکر اوپر تیر آئے وہ حرام ہے اور جو حیوانات خشکی میں جیتے ہیں وہ تین طرح کے ہیں ایک وہ جن میں بالکل خون نہیں ہے دوم وہ کہ جن میں خون سائل نہیں ہے سوم وہ کہ جن میں خون سائل ہے پس جن جانوروں میں بالکل خون نہیں ہے جیسے ٹیڑی اور شہد کی مکھی و بھڑ اور مکھیاں و مکڑی و جز دور بچھو وغیرہ یہ سب حلال نہیں ہے سوائے ٹیڑی کے کہ فقط ٹیڑی حلال ہے اس طرح وہ جانور جن میں خون سائل نہیں ہے جیسے سانپ دوزغ و سام ابرص و تمام حشرات و ہوام الارض جیسے چوہا و جز دو قنافذ و ضب اور پر[2] نوع و بن[3] عرس وغیرہ سب حلال نہیں ہیں اور ان جانوروں کی حرمت میں کسی نے خلاف نہیں کیا ہے مگر فقط گوہ[4] میں کہ وہ امام شافعیؒ کے نزدیک حلال ہے اور جن جانوروں میں خون سائل ہے وہ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک مستانس اور دوسرے متوحش پس بہائم یعنی چوپایہ میں سے جو مستانس ہیں وہ مثل اونٹ و گائے و بکری کے بالا جماع حلال ہیں اور جو متوحش ہیں جیسے ہرن و نیل گائے و حمار وحشی و اونٹ وحشی پس بالا جماع مسلمین حلال ہیں اور درندوں میں سے جو مستانس ہیں یعنی کتا و چیتا و پالتو بلی پس یہ حلال نہیں اس طرح سباع میں جو متوحش ہیں جن کو سباع وحشی کہتے ہیں اور سباع الطیر اور سباع میں سے ہر ذی[5] ناب اور طیر میں سے ہر ذی مخلب[6] حلال نہیں ہے پس سباع[ا] وحشی میں سے ذی ناب مثل شیر و بھیڑیا و کفتار و پلنگ و چیتا و لومڑی و ستور بری و سنجاب و سمور و دق و دب و قرد و فیل و اس کے امثال پس ان سب کی حرمت میں کسی کا خلاف نہیں ہے سوائے کفتار کے کہ وہ امام شافعیؒ کے نزدیک حلال ہے اور طیور میں سے جو ذی مخلب ہیں جیسے باز و باشہ و چرغ و شاہین و چیل و بعاث و نسر طائر و عقاب و اس کے امثال یہ سب حرام ہیں اور طیور میں سے جن کی مخلب نہیں ہوتی ہے اور وہ مستانس ہیں جیسے مرغی و بطخ یا متوحش ہوتے ہیں جیسے کبوتر و فاختہ و گرگر یا د کبک و کلنگ و زاغ زراعت یعنی جو کوا دانہ و کھیتی وغیرہ اور ایسی چیزیں کھاتا ہے یہ سب بالا جماع حلال ہیں یہ بدائع میں ہے۔ قمری و سودانیہ و زرزر کے

[ا] ذی مخلب درندہ پنجے دار مانند شکرہ وغیرہ کے اور واضح ہو کہ جانوروں میں عموماً حلت و حرمت قیاسی ہے اور مجتہدوں نے بنظر قیاس حکم دیا ہے کس طرح قطعی نہیں ہے۔ لیکن عمل اپنے اعتقاد پر واجب ہے۔ جیسے اجتہادی مسائل میں حکم ہے۔

(۱) جمع قنفذ بمعنی ساہی۔ (۲) جنگلی چوہا۔ (۳) نیولا و فارسی راسو۔ (۴) یعنی ضب۔ دانتوں والا (۵) جس کی پونچ شکرہ وغیرہ کے مثل ہوتی ہے۔ (۶) درندہ۔

کھانے میں کچھ ڈر نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اہل جلالہ کا گوشت مکروہ ہے اور جلالہ وہ اہلی (۱) ہے جس کی بیشتر غذا نجاست ہو اس واسطے کہ وہ اکثر نجاست کھائے گا تو اس کا گوشت متغیر ہو کر بدبودار ہو جائے گا پس اس کا کھانا مثل طعام بدبودار کے مکروہ ہے اور قاضی نے شرح مختصر الطحاوی میں ذکر کیا ہے کہ اس سے کام وغیرہ کا انتفاع حلال نہیں ہے مگر جب کہ چند روز قید رکھا جائے اور اس کو چارہ کھلایا جائے تو پھر اس سے انتفاع حلال ہے اور جو قدوریؒ نے ذکر کیا ہے وہ اجود ہے پھر واضح ہو کہ اس کے قید رکھنے کے واسطے ظاہر روایت میں کوئی مدت مقرر نہیں ہے اور ایسا ہی امام محمدؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ اس کے قید رکھنے کی کوئی میعاد نہیں مقرر فرماتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ یہاں تک کہ قید رکھی جائے کہ نظیف ہو جائے اور امام ابویوسفؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کی کہ وہ تین روز تک قید رکھی جائے اور ابن رستم نے امام محمدؒ سے روایت کی کہ اونٹنی اور بکری و بیل جب جلالہ ہو گی کہ جب اس سے بدبو آنے لگے اور متغیر ہو جائے اور اس سے بدبو پھوٹے تو اس وقت وہ جلالہ ہو گی کہ اس کا دودھ نہ پیایا جائے گا اور اس کا گوشت نہ کھایا جائے گا مگر اس کا بیع کرنا اور ہبہ کرنا جائز ہے اور یہ حکم اس وقت ہے کہ جب وہ نجاست میں کچھ اور نہ ملاتی ہو بلکہ اکثر خالی نجاست کھاتی ہو اور اگر اس نے مخلوط کر کے نجاست کھائی تو جلالہ نہ ہو گی پس کھانا مکروہ نہ ہو گا کیونکہ اس میں بدبو نہ آئے گی اور جو مرغی چھوٹی پھرتی ہو اس کا گوشت وغیرہ مکروہ نہیں ہے اگرچہ وہ نجاست کھاتی ہو کیونکہ نجاست اس کی غذا میں غالب نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ نجاست کو دوسری چیز سے ملا دیتی ہے یعنی دانہ بھی کھاتی ہے مگر افضل یہ ہے کہ مرغی قید رکھی جائے تاکہ اس کے پیٹ سے جو کچھ نجاست ہے وہ جاتی رہے پھر اس کو کھائے یہ بدائع میں ہے۔

ابابیل و صلصل (۲) و ہدہد کے کھانے میں کچھ ڈر نہیں ہے کیونکہ یہ پرندے ذی مخلب نہیں ہوتے ہیں یہ ظہیریہ میں ہے۔

امام ابویوسفؒ سے روایت ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا عقعق (۳) کا کھانا کیسا ہے تو فرمایا کہ کچھ ڈر نہیں ہے پھر میں نے کہا کہ وہ نجاسات کھاتا ہے تو فرمایا کہ وہ نجاست کو دوسری چیز سے ملا لیتا ہے پھر کھاتا ہے پھر اصل امام اعظمؒ کے نزدیک یہ ہے کہ جو جانور نجاست کو دوسری چیز سے ملا لے جیسے مرغی اس کے کھانے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ عقعق مکروہ ہے جیسے مرغی مکروہ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ دودز بنور[1] میں جب تک جان نہ ڈالی جائے تب تک اس کے کھانے میں کچھ ڈر نہیں ہے کذا فی الظہیریہ اور شیخ خلفؒ سے مروی ہے کہ زنبوروں کا چھتہ کھانا مکروہ ہے یہ ملتقط کے باب الکراہت میں ہے۔ وبکی کھایا جائے گا یعنی اس کا کھانا روا ہے اور چمگادڑ کے حق میں بعض جگہ مذکور ہے کہ اس کا کھانا روا ہے اور بعض جگہ مذکور ہے کہ نہیں روا ہے کیونکہ اس کے دانت ہوتے ہیں یعنی ذی ناب ہے اور بعض مشائخؒ نے فرمایا کہ شقراق کا کھانا روا نہیں ہے اور بوم[2] کا کھانا روا ہے قال المؤلف کہ یہ میں نے اپنے والدؒ کے خط میں لکھا ہوا دیکھا ہے اور شقراق ایک سبز پرندہ ہوتا ہے جس میں قلیل سرخی کا میل ہوتا ہے کہ ہر چیز پر حملہ کرتا ہے یہ الظہیریہ میں ہے ابراہیم سے مروی ہے کہ ائمہؒ پرندوں میں سے ہر ذی مخلب کو اور جو نجس و مردار خوار ہیں مکروہ جانتے تھے اور ہم اس کو اختیار کرتے ہیں کیونکہ جو پرند نجس و مردار خوار ہے جیسے دیسی کالا کوا اور جنگلی کوا اس کو طبیعت پاکیزہ پلید و خبیث جانتی تھی ہاں جو کوا کہ جنگل میں کھیتی اور دانہ چن چن کر کھاتا ہے اور مباح و پاک ہے اور اگر کوا کھانے کو مخلوط کرتا ہو کہ کبھی نجاست کھاتا ہو اور کبھی دانہ چنتا ہو تو امام ابویوسفؒ سے مروی ہے کہ وہ مکروہ ہے اور امام اعظمؒ سے مروی ہے کہ اس کے کھانے میں کچھ ڈر نہیں ہے اور مرغی کے قیاس پر

---

[1] بھڑ کے چھتہ میں سپید سپید اس کے بچے ہوتے ہیں وہ دودز بنور ہیں۔ [2] اقول ظاہرا بوم سے مراد بھی اُلو ہے کہ جانور پرند معروف ہے اور شاید کوئی اور معنی مراد ہوں واللہ اعلم اسی واسطے مترجم نے بعینہ لفظ چھوڑ دیا۔

(۱) خواہ نر ہو یا مادہ۔ (۲) پرندو ایست بعض گفتہ کہ فاختہ است و ہمیں معروف است۔ (۳) ایک قسم کوا۔

یہی صحیح ہے یہ مبسوط میں ہے پالتو گدھے کا گوشت حرام ہے اور اسی طرح اس کا دودھ اور اس کی چربی بھی حرام ہے اور سوائے کھانے کے اور طور پر اس کی چربی استعمال کرنے میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے پس بعض نے اس کو کھانے پر قیاس کر کے حرام ہے اور بعضوں نے اس کو مباح کہا ہے اور یہی صحیح ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔

حمار وحشی اگر اہل ہو جائے یعنی اس کو پالو کر لیں اور اس پر اکاف ڈالنا شروع کریں یعنی مثل پالو کے ہو جائے تو وہ کھایا جائے گا اور اگر پالو گدھا وحشی ہو جائے تو بھی نہیں کھایا جائے گا یہ شرح طحاوی میں ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک گھوڑوں کا گوشت مکروہ ہے مگر صاحبینؒ نے اس میں خلاف کیا ہے اور مشائخ نے کراہت کے معنی میں اختلاف کیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ امام اعظمؒ نے مکروہ سے مکروہ تحریمی مراد لیا ہے اور گھوڑے کے دودھ کا حکم اس کے گوشت (۱) کے مثل ہے کذا فی فتاویٰ قاضی خان اور شیخ امام سرخسی نے فرمایا کہ امام اعظمؒ نے جو حکم دیا ہے وہ احوط (۲) ہے اور صاحبینؒ نے جو حکم دیا ہے اوسع (۳) ہے کذا فی السراجیہ اور بغل یعنی خچر سوا امام اعظمؒ کے نزدیک ہر حال میں اس کا گوشت مکروہ ہے اور صاحبین کے نزدیک بھی یہی حکم ہے درصورتیکہ اسپ نر و مادہ خر سے پیدا ہوا ہو اور اگر نر گدھے اور مادہ گھوڑی سے پیدا ہوا ہو تو بعض نے فرمایا کہ صاحبینؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے یہ ذخیرہ میں ہے۔ اگر بکری کا بچہ گدھی یا سوری کا دودھ پلا پلا کر پالا گیا پس اگر چند روز تک اس کو گھاس کھلائی گئی ہو تو اس کے کھانے میں کچھ ڈر نہیں ہے کیونکہ وہ بمنزلہ (۴) جلالہ کے ہو گا اور جلالہ میں یہ حکم ہے کہ اگر چند روز تک اس کو خالی گھاس کھلائی جائے تو اس کے کھانے میں کچھ ڈر نہیں ہے پس ایسا ہی اس صورت میں بھی حکم ہے یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔

باب سوئم:

متفرقات

ایک بکری نے کتے کی صورت کا بچہ دیا پس اس کی حالت میں اشکال پیش آیا پس اگر کتے کی طرح آواز کرتا ہو تو نہ کھایا جائے گا اور اگر بکری کی طرح آواز کرتا ہو تو کھایا جائے گا اور اگر دونوں کی طرح آواز کرتا ہو تو اس کے سامنے پانی رکھا جائے پس اگر زبان سے پیے تو نہ کھایا جائے کیونکہ وہ کتا ہے اور اگر منہ سے پیے تو کھایا جائے کہ وہ بکری ہے اور اگر دونوں طرح سے پیے تو بھوسہ اور گوشت اس کے سامنے رکھا جائے پس اگر اس نے بھوسا کھایا تو بکری ہے کھائی جائے گی اور اگر گوشت کھایا تو کتا ہے نہ کھایا جائے اور اگر اس نے دونوں کو کھایا تو ذبح کیا جائے پس اگر امعاء یا آنتیں نکلیں تو نہ کھایا جائے اور اگر کرش یعنی اوجھ نکلا تو کھایا جائے یہ جواہر اخلاطی میں ہے۔ اجزاء (۵) حیوان میں سے جن کا کھانا حرام ہے وہ سات ہیں اوّل دم مسفوح یعنی خون (۶) جو تیزی کے ساتھ رگوں سے آئے اور دوم ذکر یعنی نر کا خایہ، سوم دونوں خصیہ، چہارم قبل یعنی مادہ کی پیشاب گاہ، پنجم غدہ، ششم مثانہ، ہفتم مرارہ یعنی پتا یہ بدائع میں ہے۔

قال المترجم ☆

مال و کھر و سینگ و ہڈی کو بسبب طہور کے بیان نہ کیا حالانکہ ان میں حرمت یا کراہت بنفسہ نہیں ہے اگر کسی نے کوئی بکری ذبح کی اور وہ تڑپ کر پانی میں گر کر مری یا اونچے سے نیچے گر پڑی تو اس کی ذکوۃ میں کچھ ضرر نہیں ہے کیونکہ فعل ذکوۃ اس میں مستقر ہوا پس اس کا ازہاق روح اسی فعل سے ہوا اور بعد استقرار فعل ذکوۃ کے اس کے اضطراب کا کچھ اعتبار نہیں ہے پس یہ گوشت ہے کہ پانی میں گر پڑا یا اونچے سے نیچے گر پڑا ہے یہ مبسوط میں ہے۔ ایک شخص کی مرغی کسی درخت میں اڑ کر لٹک گئی حالانکہ اس کا مالک اس

(۱) یعنی مکروہ ہے۔ (۲) یعنی مکروہ میں زیادہ احتیاط ہے۔ (۳) یعنی لوگوں پر آسانی ہے۔ (۴) جو حلال جانور نجاست کھانے لگے۔
(۵) یعنی حلال جانور میں سے۔ (۶) یعنی جگر وغیرہ کھانا جائز ہے۔

تک نہیں پہنچ سکتا ہے پس اگر مالک کو اس کے ساتھ سے جاتے رہنے یا مر جانے کا خوف نہیں ہے اور باوجود اس کے اس نے اس کو تیر وغیرہ مارا تو وہ نہ کھائی جائے گی اور اگر اس کو اس کے جاتے رہنے کا خوف ہو پس اس نے تیر پھینک مارا تو کھائی جائے گی اور کبوتر اگر مالک کے پاس سے اڑ گیا اور اس کو مالک نے یا غیر نے تیر پھینک مارا تو مشائخ نے فرمایا کہ اگر وہ گھر آنا نہ جانتا ہو تو اس کا کھانا حلال ہے خواہ یہ تیر اس کے مذبح پر لگا ہو یا اور جگہ لگا ہو کیونکہ یہ شخص ذکوۃ اختیاری سے عاجز ہے اور اگر گھر آنا جانتا ہو پس اگر یہ تیر اس کے مذبح پر لگا تو حلال ہے اور اگر دوسری جگہ لگا تو مشائخ نے اختلاف کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ حلال نہ ہوگا یہ امام اعظمؒ سے مروی ہے کیونکہ جب وہ کبوتر اپنے گھر آنا جانتا ہے تو یہ شخص ذکوۃ [1] اختیاری پر قادر ہے اور اگر ہرنی گھر میں مل گئی ہو پھر وہ جنگل میں نکل گئی پھر اسکو کسی شخص نے تسمیہ کہہ کر تیر مارا پس اگر اسکی مذبح پر پہنچا تو حلال ہے ورنہ نہیں حلال ہے لیکن اگر وہ وحشی ہو گئی ہو کہ بدوں شکار کے ہاتھ نہ آئے تو حلال ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک شخص نے ایک بکری ذبح کی اور حلقوم ورگیں کاٹ ڈالیں مگر ہنوز اس میں جان باقی تھی کہ کسی شخص نے اسکے جسم سے ایک ٹکڑا کاٹ لیا تو یہ کٹا ہوا ٹکڑا کھانا حلال ہے یہ جوہرہ نیرہ میں ہے۔

ایک شخص نے زید کو حکم دیا کہ میری بکری ذبح کر دے اور اس نے ذبح نہ کی یہاں تک کہ مالک نے وہ بکری عمرو کے ہاتھ فروخت کر دی پھر زید نے اس کو ذبح کر ڈالا تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اپنے حکم دینے والے سے یہ مال تاوان واپس نہیں لے سکتا ہے خواہ اس کو بیع کا علم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔ اگر بھیڑیے نے بکری کی چکتی کاٹ لی تو یہ کٹی ہوئی چکتی کھانا روا نہیں ہے اور زمانہ جاہلیت کے عرب لوگ اس کو کھا لیتے تھے پس آنحضرتؐ نے فرمایا کہ زندہ جانور میں سے جو ٹکڑا جدا کر لیا جائے وہ مردار ہے اور شکار میں دیکھا جائے گا کہ اگر صید مذکور بدوں اس جدا کیے ٹکڑے کے زندہ رہ سکے تو اس کا کھانا روا نہیں ہے اور اگر بدوں اس کے زندہ نہ رہ سکے جیسے سر تو جدا کیا ہو اور باقی دونوں کا کھانا روا ہے۔ اگر بھیڑیے نے کسی بکری کی کھوپڑی اتار لی تو جب تک وہ زندہ ہے تب تک اس کے لبہ یعنی اوپر کے کنارہ گردن اور جبڑے کے درمیان چھری چلا کر ذبح کر لینے سے حلال ہو جائے گی یہ وجیز کردری میں ہے۔ منتقی میں ہے کہ ایک اونٹ ایک کنوئیں میں گر پڑا جانتا ہے کہ اس سے نہ مرے گا حالانکہ وہ مر گیا تو نہ کھایا جائے گا اور اگر مشکل [2] ہو تو کھایا جائے گا یہ محیط کی کتاب الصید میں ہے۔ ایک شخص نے اپنی بکریاں ایک چرواہے کے سپرد کیں اس نے ان بکریوں میں سے ایک بکری ذبح کی اور کہا کہ میں نے اس کو ایسی حالت میں ذبح کیا ہے کہ جب یہ مردہ تھی اور مالک نے کہا کہ نہیں بلکہ تو نے اس کے زندہ ہونے کی حالت میں ذبح کیا ہے تو قسم سے چرواہے کا قول قبول [ا] ہوگا اور اس کا کھانا حلال نہ ہوگا یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔ ایک بھیڑیے نے ایک بکری کی رگہائے گردن کاٹ ڈالیں اور ہنوز وہ زندہ موجود تھی تو اس کی ذکوۃ یعنی ذبح کر کے حلال کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ محل ذبح جاتا رہا ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔

ابن سماعہ نے اپنی نوادر میں امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر ایک شخص نے ایک بکری کے دو ٹکڑے کر دیے پھر دوسرے نے اس کی رگہائے گردن کاٹ دیں درحالیکہ اس کا سر حرکت کرتا تھا یا ایک شخص نے اس کا پیٹ پھاڑ کر جو کچھ اس کے پیٹ میں تھا باہر نکال دیا پھر دوسرے نے اس کی رگہائے گردن کاٹ دیں تو یہ بکری نہ کھائی جائے گی کیونکہ پہلے شخص کا فعل قاتل ہے اور امام قدوریؒ نے ذکر کیا کہ اس میں دو صورتیں ہیں کہ اگر پہلے شخص کی ضرب اس کے پیٹھ کے متصل واقع ہوئی تو یہ بکری نہ کھائی جائے گی اور اگر سر کے متصل واقع ہوئی تو کھائی جائے گی کذا فی البدائع۔

[ا] اس واسطے قول قبول ہوا کہ وہ امانت دار ہے۔

(۱) پس ذکوۃ اضطراری معتبر نہ ہوگی۔ (۲) حالت مشتبہ ہو۔

کتاب الاضحیه

اس میں نو ابواب ہیں

باب اوّل:

اضحیہ کی تفسیر، رکن، صفت، شرائط و حکم کے بیان میں

جس شخص پر یہ واجب ہوتا ہے اور جس پر نہیں ہوتا ہے اس کے بیان میں شرع میں حیوان[1] مخصوص بس مخصوص کو جو یوم مخصوص میں بہ نیت قربت وقت وجود شرائط و سبب اس نیت کے ذبح کیا جائے اضحیہ کہتے ہیں یہ تبیین میں ہے اور جس جانور کا قربانی کرنا جائز ہے اس کو قربانی کی نیت سے قربانی کے دنوں میں ذبح کرنا اضحیہ کا رکن ہے کیونکہ رکن انشے وہ ہے جس سے اس شے کا تقوم ہو اور اضحیہ کا تقوم اس فعل سے ہے پس یہ رکن ہوا کذافی النہایہ رہا صفت تضحیہ کا بیان سو تضحیہ دو طرح کا ہوتا ہے واجب و تطوع [(1)] پھر واجب کے چند انواع ہیں از انجملہ یہ کہ غنی و فقیر دونوں پر واجب ہو از انجملہ یہ کہ فقیر پر واجب ہو نہ غنی پر۔ از انجملہ یہ کہ غنی پر واجب ہو نہ فقیر پر پس جو غنی و فقیر دونوں پر واجب ہوتا ہے وہ منذور بہ ہے یعنی نذر کی ہو مثلاً کہا کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے مجھ پر واجب ہے کہ میں ایک بکری یا ایک بدنہ یا یہ بکری یا یہ بدنہ قربانی کروں اس طرح اگر اس نے ایسا کلام اپنی تنگدستی کی حالت میں کہا پھر وہ ایام [(۲)] نحر میں فراخ حال ہو گیا تو اس پر دو بکریاں قربانی کرنی واجب [(۳)] ہوں گے کیونکہ نذر کے وقت اس پر کوئی قربانی واجب نہ تھی پس یہ کلام محتمل اخبار نہیں ہو سکتا ہے تو حقیقت شرعیہ پر محمول کیا جائے گا پس ایک اضحیہ اس پر اپنی نذر کی وجہ سے واجب ہوگا اور دوسرا بایجاب شرع واجب ہوگا اور اضحیہ تطوع وہ ہے جو مسافر یا فقیر کرے جس کی طرف سے قربانی کرنے کی نذر نہیں پائی گئی اور نہ اضحیہ کی خرید ثابت ہوئی ہے اور تطوع اس وجہ سے ہوگا کہ سبب و شرط وجوب معدوم ہے اور جو اضحیہ کہ فقیر پر واجب ہوتا ہے نہ غنی پر وہ ایسا اضحیہ ہے جس کو فقیر نے اضحیہ کے واسطے خرید کیا مثلاً ایک فقیر نے ایک بکری بدین نیت خریدی کہ میں اس کی قربانی کروں گا اور اگر غنی ہو تو اس پر خریدنے سے واجب نہ ہوگی اور اگر کسی شخص کی ملک میں ایک بکری ہو پس اس نے نیت کی کہ میں اس کی قربانی کروں گا یا کسی نے ایک بکری خریدی مگر خریدنے کے وقت اس کی قربانی کرنے کی نیت نہ کی کہ اس کی قربانی کروں تو قربانی اس پر واجب نہ ہو جائے گی خواہ یہ شخص فقیر ہو یا غنی ہو اور جو اضحیہ کہ فقط غنی پر واجب ہوتا ہے نہ فقیر پر وہ ہے کہ بدوں نذر و بدون نیت اضحیہ خرید کرنے کے واجب ہو یعنی شکر نعمت حیات اور طریقہ موروثی حضرت خلیل اللہ علی نبینا و علیہ السلام زندہ کرنے کی غرض سے واجب ہو کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان ایام میں ایک مینڈھا[2] ذبح کرنے کا حکم فرمایا تھا یہ بدائع میں ہے۔

---

[1] قال المترجم قولہ حیوان مخصوص یعنی وہ جانور جو قربانی ہوتے ہیں۔ جیسے بکری گائے و اونٹ قولہ سن مخصوص مثلاً بکرا علی الاصح سال بھر سے کم نہ ہو قولہ یوم مخصوص یعنی ذی الحجہ کی دسویں سے تا آخر ایام قربانی۔ [2] قال المترجم علماء مختلف ہیں کہ ذبیحہ فدیہ اسحاق تھا یا فدیہ اسمٰعیل اور طحاوی و شامی و بحر العلوم وغیرہ کے قول اول لیا ہے اور اصح یہ کہ فدیہ اسمٰعیل تھا بلکہ یہی صحیح ہے اور مترجم نے تفسیر اردو میں جس کا نام مواہب الرحمٰن ہے خوب محقق بیان کیا ہے۔

(۱) نفل یعنی واجب نہیں مگر بنظر ثواب ہے۔ (۲) ایام قربانی۔ (۳) یعنی جس جانور کے قربانی کی نذر کی ہے وہ دو واجب ہوں گی۔

قربانی واجب ہونے کے شرائط از انجملہ یہ ہے کہ فراخ دستی ہو اور فراخ دستی وہ مراد ہے جس سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے ایسی فراخ دستی نہیں مراد ہے جس سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور بلوغ وعقل شرط نہیں ہے حتیٰ کہ اگر نابالغ کا مال ہو تو اس کی طرف سے اس کا باپ یا باپ کا وصی اس کے مال سے خرید کر قربانی کر دے گا مگر گوشت صدقہ نہ کرے گا اور امام اعظمؒ وامام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان دونوں میں سے کوئی ضامن نہ ہوگا اور اگر گوشت صدقہ کر دیا تو ضامن ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے اور از انجملہ یہ کہ اسلام شرط ہے پس کافر پر واجب نہ ہوگی اور واضح ہو کہ تمام وقت میں اوّل سے آخر تک اسلام شرط نہیں ہے حتیٰ کہ اگر اوّل وقت میں کافر ہو پھر آخر وقت میں اسلام لایا تو اس پر قربانی واجب ہوگی از انجملہ حریت ہے پس غلام پر قربانی نہ ہوگی اگرچہ غلام ماذون التجارۃ یا مکاتب ہو اور یہ شرط نہیں ہے کہ اوّل وقت سے آزاد ہو بلکہ اگر آخر جزء وقت میں آزاد ہو گیا تو کافی ہی چنانچہ اگر آخر وقت میں آزاد ہوا۔ نصاب کا مالک ہوا تو اس پر اضحیہ واجب ہوگا از انجملہ یہ شرط ہے کہ مقیم ہو پس مسافر پر واجب نہیں ہے اور پورے وقت میں مقیم ہونا شرط نہیں ہے حتیٰ کہ اگر اوّل وقت میں مسافر ہو پھر آخر وقت میں مقیم ہو گیا تو اس پر قربانی واجب ہوگی اور اگر اوّل وقت میں مقیم تھا مگر سفر کیا پھر آخر وقت میں مقیم ہوا تو اس پر قربانی واجب ہوگی یہ اس وقت ہے کہ اس نے قربانی کا جانور خریدنے سے پہلے سفر کیا ہو اور اگر قربانی کے واسطے بکری خریدی پھر سفر کیا تو منتقی میں مذکور ہے کہ اس کو اختیار ہے کہ یہ بکری فروخت کر دے قربانی نہ کرے اور ایسا ہی امام محمدؒ سے مروی ہے کہ وہ اس کو فروخت کر دے اور بعض مشائخ نے تنگدست وفراخ دست میں فرق کیا ہے یعنی فرمایا کہ اگر فراخ دست ہے تو یہی حکم ہے اور اگر تنگدست ہے تو چاہیے کہ اس پر واجب ہو اور سفر کی وجہ سے اس سے ساقط نہ ہو۔ اگر اس نے وقت آنے کے بعد سفر کیا تو مشائخ نے فرمایا کہ ایسا ہی حکم ہونا چاہیے ہے اور سب شرطیں جو ہم نے ذکر کر دی ہیں ان میں مرد وعورت یکساں ہیں یہ بدائع میں ہے۔

کن صورتوں میں باوجودیکہ مہر معجّل کے عورت تو انگر نہیں کہی جا سکتی ☆

قربانی کا حکم یہ ہے کہ دُنیا میں جو اَمر اُس کے ذمہ واجب ہوا تھا اُس سے ادا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے عقبیٰ میں اس کو ثواب ملے گا یہ عتابیہ میں ہے۔ موسر یعنی فراخ دست ظاہر الروایۃ کے موافق وہ شخص ہے جو اپنے مسکن ومتاع خانہ وسواری وخادم وغیرہ سے جن کی اس کو حاجت ہے کہ ان سے بے پروہ نہیں ہو سکتا ہے ان کے سوائے دوسو درہم یا بیس دینار یا اتنی قیمت کی کوئی چیز رکھتا ہو اور ضروری چیزیں جو مذکور ہوئیں ان کے سوائے اگر اس کے پاس سوائم یا رقیق یا گھوڑے یا متاع تجارت وغیرہ ہوں تو وہ سب اس کی فراخ دستی میں شمار ہوں گے اگر اس کے پاس عقار [1] وکرایہ پر چلانے کی ملک ہو تو مشائخ متاخرین نے اختلاف کیا ہے پس شیخ زعفرانی وشیخ علی رازی نے اس کی قیمت کا اعتبار کیا ہے اور شیخ ابو علی وقاقؒ وغیرہ نے آمدنی کا اعتبار کیا ہے پھر باہم اختلاف کیا کہ شیخ ابو علی وقاق نے فرمایا کہ اگر اس سے اس شخص کو ایک سال کھانے کی آمدنی حاصل ہوتی ہو تو اس پر قربانی واجب ہوگی اور انہیں مشائخ میں سے بعض نے کہا کہ ایک مہینہ کھانے کی آمدنی حاصل ہوتی ہو اور ہرگاہ کہ اس میں سے دوسو درہم یا زیادہ بچے تو اس پر قربانی واجب [2] ہوگی اور اگر کوئی عقار اس پر وقف ہو تو دیکھا جائے گا کہ اگر قربانی کے ایام میں اس کے واسطے دوسو درہم یا زیادہ واجب ہوئے ہیں تو اس پر قربانی واجب ہوگی ورنہ نہیں یہ ظہیریہ میں ہے۔ اگر اس پر اس قدر قرضہ ہو کہ اگر مال موجود قرضہ میں صرف کیا جائے تو نصاب پورا نہ رہے کم ہو جائے تو اس پر قربانی واجب نہ ہوگی اسی طرح اگر اس کا مال ہو مگر اس کے پاس نہ ہو غائب ہو کہ ایام قربانی میں اس کو نہ ملے تو اس پر قربانی واجب نہ ہوگی اور یہ شرط نہیں ہے کہ یہ شخص ہر وقت میں غنی ہو حتیٰ کہ اگر اوّل وقت قربانی میں فقیر ہو پھر آخر وقت میں غنی ہو گیا تو اس پر واجب ہوگی اور اگر اس کے پاس دوسو درہم ہوں پھر اس پر سال گذر گیا اور اس نے پانچ درہم زکوٰۃ میں دے دیئے پھر قربانی کے ایام آئے اور اس کا مال ایک سو پچانوے درہم ہیں تو اس میں ہمارے اصحاب سے کوئی روایت نہیں ہے اور شیخ زعفرانی نے ذکر کیا کہ

(۱) گھر وغیرہ۔ (۲) ادا کرنی۔

اس پر اضحیہ واجب ہوگا کیونکہ مال میں کمی ایسے طریق سے آئی کہ وہ خود قربت ہے پس یہ مال تقدیراً موجود قرار دیا جائے گا حتیٰ کہ اگر اس نے اس میں سے پانچ درہم نفقہ میں خرچ کر دیے ہوں تو اس پر قربانی واجب نہ ہوگی اور اگر فراخ دست آدمی نے قربانی کے واسطے ایک بکری خریدی وہ ضائع ہوگئی پھر اس کے نصاب میں کمی آگئی اور وہ فقیر ہوگیا پھر ایام نحر آگئے تو اس پر یہ واجب نہ ہو گا کہ دوسری بکری خریدے اور اگر اس نے قربانی کے دنوں میں وہی بکری جو ضائع ہوگئی تھی پائی حالانکہ وہ تنگدست ہے تو اس پر اس کی قربانی کرنی واجب نہ ہوگی اور اگر پہلی بکری ضائع ہوگئی پھر اس نے فراخ دستی کی حالت میں دوسری بکری خرید کر قربانی کی پھر تنگدست ہوگیا اور تنگدستی کی حالت میں اس نے پہلی بکری پائی تو اس پر کچھ صدقہ کر دینا واجب نہ ہوگا یہ بدائع میں ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک مہر کی وجہ سے عورت کی تونگری کا اعتبار جبھی ہوگا کہ جب اس کا خاوند تونگر ہو امام اعظمؒ کے نزدیک دوسرے قول کے موافق اس سے عورت تونگر نہیں شمار ہوتی ہے اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ ائمہ میں یہ اختلاف مہر موجل ہی میں ہے جس کو فارسی میں وست پیمان کہتے ہیں اور اگر مہر معجل ہو جس کو فارسی میں کابین کہتے ہیں تو ایسے مہر کی وجہ سے عورت بالا اجماع تونگر نہیں شمار ہوگی اور اجناس میں لکھا ہے کہ اگر کسی باورچی کے پاس دوسو درہم قیمت کے گیہوں ہوں جس سے تجارت کرتا ہو یا دوسو درہم قیمت کا نمک ہو یا کندی گر کے پاس دوسو درہم قیمت کا صابون یا اشنان ہو تو اس پر قربانی واجب ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اگر کسی کے پاس دوسو درہم کا مصحف مجید ہو اور یہ شخص ایسا ہو کہ اس کو اچھی طرح پڑھ سکتا ہو تو اس پر قربانی واجب نہ ہوگی خواہ وہ شخص اس مصحف سے پڑھتا ہو یا سستی کرتا ہو نہ پڑھتا ہو اور اگر وہ شخص اس مصحف سے نہ پڑھ سکتا ہو تو اس پر قربانی واجب ہوگی اور اگر اس کا چھوٹا لڑکا ہو اس کے واسطے اس نے قرآن شریف کی جلد رکھ چھوڑی ہو کہ ذرا بڑا ہوئے تو اس کو دے کر استاد کے سپرد کرے تو اس پر قربانی واجب ہوگی اور کتب علم و حدیث اس حکم میں مثل مصحف مجید کے ہیں کذا فی الظہیریہ اور فتاویٰ صغریٰ میں ہے کہ کتابوں کی وجہ سے غنی نہیں شمار ہوتا ہے الا اس صورت میں کہ اس کے پاس ہر قسم کی دو کتابیں ایک ہی شیخ سے ایک ہی روایت سے ہوں اور اگر ایک ہی شیخ سے دو روایتوں سے ہوں جیسے شیخ ابوحفص نے اور شیخ ابوسلیمان نے امام محمد سے روایت ہے کہ تو ایسے مکرر نسخہ[1] ہونے سے اس پر قربانی واجب نہ ہوگی اور وہ غنی شمار نہ ہوگا اگر اس کے پاس احادیث وادب کی کئی کتابیں و تفسیر کی کتابیں ہوں اگرچہ اس کے پاس ہر قسم کی دو کتابیں ہوں اور جس کے پاس طب و نجوم وادب کی کتابیں ہوں پس اگر ان کی قیمت نصاب کو پہنچے تو وہ غنی شمار ہوگا یہ وجیز کردری میں ہے۔

اجناس میں لکھا ہے کہ ایک شخص لنگ کرتا ہے اس نے دوسو درہم قیمت کا ایک گدھا خریدا اس کے ذریعہ سے سوار ہو کر اپنی حاجتوں میں آتا جاتا ہے تو اس پر قربانی واجب نہ ہوگی حالانکہ ہنوز اس کی وہی قیمت ہے اور اگر ایک شخص کے پاس ایک دار ہو جس میں دو بیت ہوں ایک جاڑے کا اور ایک گرمی کا یا فرش جاڑے و گرمی کا ہو تو اس کی وجہ سے غنی نہ ہوگا اور اگر اس دار میں تین بیت ہوں اور تیسرے بیت کی قیمت دوسو درہم ہوں تو اس پر قربانی واجب ہوگی اس طرح اگر تیسرا فرش ہو تو بھی یہی حکم ہے اور غازی یعنی جہاد کرنے والا دو گھوڑوں سے غنی نہیں ہوتا ہے تیسرے سے ہوسکتا ہے اور غازی ہتھیاروں سے غنی نہیں ہوتا ہے الا اس صورت میں کہ اس کے پاس ہر قسم کے دو ہتھیار ہوں کہ ایک جوڑ کی قیمت دوسو درہم ہوں تو غنی شمار ہوگا اور فتاویٰ میں ہے کہ زمین دار ایک گھوڑے یا ایک گدھے سے غنی نہیں ہوتا ہے اور اگر اس کے پاس دو گھوڑے یا دو گدھے ہوں کہ ایک کی قیمت دوسو درہم ہوں تو وہ غنی صاحب نصاب قرار دیا جائے گا اور کاشتکار دو بیلوں اور آلات کاشتکاری سے غنی نہیں ہوتا ہے اور ایک گائے[(1)] سے غنی ہوتا ہے اور اگر تین بیل ہوں کہ ایک بیل کی قیمت یا

---

[1] اس میں سے روایتوں کا اختلاف ہوتا ہے۔

(1) جب کہ اس کی قیمت دوسو درہم ہو۔

گائے کی قیمت دو سو درہم ہو تو وہ صاحب نصاب ہے اور کپڑوں والا اگر تین دستہ کپڑے سے ایک ہر وقت کے پہننے کے دوسرے درمیانی کپڑے تیسرے ذرا اونچے عیدوں میں پہننے کے کپڑے سے غنی نہیں ہوتا ہے ہاں اگر چوتھا دستہ ہو تو غنی[1] ہو سکتا ہے اور جس کے پاس باغ انگور ہے وہ غنی ہے اگر اس کی قیمت دو سو درہم ہو یہ خلاصہ میں ہے اور کسی شخص پر یہ لازم نہیں ہے کہ اپنی بالغ اولاد کی طرف سے یا اپنی بیوی کی طرف سے قربانی کرے لیکن اگر ان میں سے کسی نے اس کو اذن[2] دیا ہو تو قربانی کر دے اور نابالغ فرزند کی طرف سے قربانی کرنے میں امام اعظمؒ سے دو روایتیں ہیں ظاہر الروایۃ میں مستحب ہے واجب نہیں ہے بخلاف صدقہ فطر کے کہ وہ واجب ہے اور حسن بن زیاد نے امام اعظمؒ سے روایت کی ہے کہ اس پر واجب ہے کہ اپنے نابالغ فرزند کی طرف سے اور اپنے بیٹے کے بیٹے کی طرف سے جس کا باپ مر گیا ہے قربانی کرے مگر فتویٰ ظاہر الروایۃ کے موافق ہے اور اگر نابالغ کا مال ہو تو ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا کہ باپ پر اس کی طرف[3] سے قربانی کرنی واجب ہے کذا فی فتاویٰ قاضی خان اور یہی اصح ہے یہ ہدایہ میں ہے۔

امام اعظمؒ کے نزدیک وصی کو اختیار ہے کہ مال صغیر سے اس کی طرف سے قربانی کرے بقیاس صدقہ فطر کے کے مگر وصی اس کا گوشت صدقہ نہ کرے گا بلکہ صغیر اس کو کھائے گا پھر اگر اس قدر بچ رہا کہ اس کا رکھ چھوڑنا ممکن نہیں ہے تو اس کے عوض ایسی چیز خریدے جس سے عین[4] سے وہ نفع اٹھائے کذا فی فتاویٰ قاضی خان اور اصح یہ ہے کہ یہ واجب نہیں ہے اور وصی اس کے مال سے ایسا کرنے کا اختیار نہیں رکھتا ہے کذا فی المحیط اور بنا بر اس روایت کے جس میں مذکور ہے کہ مال صغیر میں قربانی واجب نہیں ہوتی ہے باپ و وصی کو اس کے مال سے اس کی طرف سے قربانی کرنے کا اختیار نہیں ہے اور اگر باپ نے ایسا کیا تو امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کچھ ضامن نہ ہوگا اور اسی پر فتویٰ ہے اور اگر وصی نے ایسا کیا تو امام محمدؒ کے قول کے موافق ضامن ہوگا اور امام اعظمؒ کے قول کے موافق مشائخ نے اختلاف کیا ہے بعضوں نے فرمایا کہ جیسے باپ ضامن نہیں ہوتا ہے وصی بھی ضامن نہ ہوگا اور بعض نے فرمایا کہ اگر صغیر کھاتا ہو تو ضامن نہ ہوگا ورنہ ضامن ہوگا اور معتوہ و مجنون اس حکم میں مثل نابالغ کے ہیں مگر جو مجنون ایسا ہو کہ کبھی اس کو جنون رہتا ہو اور کبھی افاقہ ہو جاتا ہو وہ مثل صحیح کے ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور کسی شخص پر واجب نہیں ہے کہ اپنے رقیق یعنی بحکم لونڈی و غلام کی طرف سے قربانی کرے اور نہ یہ واجب ہے کہ اپنی ام ولد کی طرف سے قربانی کرے یہ ملتقط میں ہے مگر مستحب ہے کہ اپنے مملوکوں کی طرف سے قربانی کرے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ جو نابالغ کہ ایام قربانی میں بالغ ہو گیا حالانکہ وہ تو انگر ہے تو ہمارے اصحاب کے نزدیک بالاجماع اس پر قربانی واجب ہوگی یہ بدائع میں ہے۔ اور مسافروں پر قربانی واجب نہیں ہوتی ہے اور نہ حاجیوں پر جب کہ وہ احرام میں ہوں اگرچہ اہل مکہ میں سے ہوں یہ شرح طحاوی میں ہے اور رہا بیان کیفیت وجوب سو از انجملہ یہ ہے کہ قربانی اپنے ایام میں بطور موسع[ا] واجب ہوتی ہے یعنی تمام وقت میں کس وقت قربانی کرے کوئی وقت معین نہیں ہے پس جس پر قربانی واجب ہوئی اگر اس نے ایام قربانی میں سے کس وقت قربانی کر دی تو واجب ادا ہو جائے گا خواہ اس نے اوّل وقت قربانی کی ہو یا درمیان میں یا آخر وقت میں اور اسی سے نکلتا ہے کہ اگر اوّل وقت میں قربانی واجب ہونے کی اہلیت نہ رکھتا ہو پھر آخر وقت اس کا اہل ہو گیا مثلاً اوّل وقت میں کافر یا غلام یا فقیر یا مسافر تھا پھر آخر وقت میں اہل ہو گیا یعنی مسلمان آزاد تو انگر و مقیم ہو گیا تو اس پر قربانی واجب ہو جائے گی اور اگر اوّل وقت میں اہلیت رکھتا تھا[5] پھر آخر وقت میں نااہل ہو گیا مثلاً مرتد ہو گیا یا فقیر ہو گیا یا مسافر ہو گیا تو اس پر واجب نہ ہوگی اور

ا موسع وہ وقت جو ادائے فعل سے زائد ہو جیسے فرض ظہر کا وقت ہے اور مضیق وہ وقت کہ بقدر فرض ہو جیسے روزہ پورے دن میں ادا ہوتا ہے۔

(۱) جب دو سو درہم قیمت ہو۔ (۲) کہا کہ میری طرف سے قربانی کر دے۔ (۳) اس کے مال سے وقد مرت الروایۃ فیما تقدم اشغ من ہذہ فیہ۔ (۴) کھانے پینے کی کوئی چیز نہ خریدے۔ (۵) مگر قربانی نہ کی۔

اگر کسی نے اوّل وقت میں قربانی کر دی حالانکہ وہ فقیر تھا پھر آخر میں تو انگر ہو گیا تو اس پر واجب ہوگا کہ دوبارہ قربانی کرے اور یہی صحیح ہے۔

اگر تمام وقت میں تو انگر رہا کہ قربانی نہ کی پھر فقیر ہو گیا تو قربانی کے لائق ایک بکری کی قیمت اس کے ذمہ قرضہ ہو جائے گی کہ جب اس کو یہ قیمت ہاتھ آ جائے تو اس کو صدقہ کر دے اور اگر قربانی کے ایام میں تو انگر مر گیا اور ہنوز اس نے قربانی ادا نہ کی تھی تو اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی از انجملہ یہ ہے کہ قربانی کے ایام میں جب تک وقت باقی ہے تب تک قربانی کرنے کے قائم مقام دوسری چیز نہیں ہو سکتی ہے حتیٰ کہ اگر اس نے بعینہٖ بکری یا بکری کی قیمت ایام قربانی میں صدقہ کر دی اس کی قربانی ادا نہ ہوگی از انجملہ یہ ہے کہ قربانی کرنے میں نیابت جاری ہوتی ہے پس جائز ہے کہ آدمی خود ذبح کرے یا اس کی اجازت سے دوسرا اس کی طرف سے ذبح کر دے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ قربت مال سے متعلق ہے پس اس میں نیابت ہو سکتی ہے خواہ وہ شخص جس کو اجازت دی ہے مسلمان ہو یا کتابی ہو از انجملہ یہ ہے کہ اگر قربانی اپنے وقت پر ادا نہ ہوئی تو اس کی قضا ہوتی ہے پھر اس کی قضا کبھی اس طرح ہوتی ہے کہ بکری کی قیمت صدقہ کر دے اور اگر اس نے کسی خاص بکری کا قربانی کرنا اپنے اوپر واجب کر لیا تھا مگر قربانی کے ایام گذر گئے اور اس نے قربانی نہ کی تو اس کی بکری کو بعینہٖ زندہ صدقہ کر دے خواہ یہ شخص تو انگر ہو یا تنگدست ہو اس طرح اگر اس نے کوئی بکری اس واسطے خریدی کہ اس کی قربانی کرے مگر اس کی قربانی نہ کی یہاں تک کہ قربانی کے ایام گذر گئے تو بھی یہی حکم ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ اس کے وجوب نے ہر ذبح کو جو اس سے پہلے تھا جیسے عقیقہ و رجبیہ و عتیرہ وغیرہ سب کو منسوخ کر دیا ہے کذا فی البدائع۔

باب دوسرا:

بوجہ نذر کے یا جو اس کے معنی میں ہے قربانی واجب ہونے کے بیان میں

ایک شخص نے قربانی کے واسطے ایک بکری خریدی اور اپنی زبان سے اس کی قربانی واپس کر لی پھر دوسری خریدی تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اس کو پہلی بکری فروخت کرنے کا اختیار ہے اور اگر دوسری بکری بہ نسبت پہلی بکری کے خراب یعنی کم قیمت ہو اور اس نے دوسری بکری ذبح کی تو جس قدر دونوں بکریوں کی قیمت میں تفاوت ہے وہ صدقہ کر دے کیونکہ جب اس نے پہلی بکری کو اپنی زبان سے واجب کر لیا تو پہلی بکری کی مالیت کی قدر اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے واسطے واجب کر لیا پس اس کو روا ہوگا کہ اپنے واسطے کچھ بچا رکھے اس واسطے دوسری کی قیمت سے جس قدر پہلی کی قیمت زائد ہے وہ صدقہ کرنا واجب ہے اور ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہ اس وقت ہے کہ یہ شخص خریدنے والا فقیر ہو اور اگر تو انگر ہو تو اس پر یہ واجب نہیں ہے کہ بڑھتی قیمت صدقہ کرے اور شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ غنی و فقیر دونوں کا حکم یکساں ہے یعنی اس پر واجب ہے کہ بڑھتی قیمت صدقہ کر دے خواہ تو انگر ہو یا فقیر ہو اس واسطے کہ غنی پر قربانی کا وجوب اگر بر ذمہ ہوتا ہے مگر تعیین اس کے معین کرنے سے ہو جاتا ہے پس یہ بکری جو اس نے معین کی بقدر اس کی مالیت کے متعین ہو گئی اس واسطے کہ تعیین میں اسی[1] کا اعتبار کیا جائے گا اگر کسی تو انگر نے قربانی کا جانور خریدا یعنی بکری پھر وہ گم ہو گئی پھر اس نے دوسری خریدی پھر پہلی گم شدہ کو ایام قربانی میں پایا تو اس کو اختیار ہے کہ دونوں میں سے جس کو چاہے قربانی کرے اور اگر تنگدست ہو اور اس نے ایک بکری خرید کر اس کی قربانی واجب کر لی پھر گم ہو جانے سے دوسری خریدی پھر پہلی کو پایا تو مشائخ نے فرمایا کہ اس پر دونوں کا قربانی کرنا لازم ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اگر کسی نے دس جانور کی قربانی اپنے اوپر واجب کی تو مشائخ نے فرمایا کہ اس پر سوائے دو کے کوئی واجب نہ

[1] اسی کا اعتبار ہے ورنہ معین وغیرہ معین یکساں ہیں۔

ہوگی اس واسطے کہ اثر میں وہ ہی کا بیان آیا ہے ایسا ہی کتاب میں مذکور ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس پر واجب ہوں گی یہ ظہیریہ میں ہے۔

اگر کسی نے قربانی کے واسطے ایک بکری خریدی پھر اس کو فروخت کیا اور ایام قربانی میں دوسری خریدی تو اس میں تین صورتیں ہیں اوّل آنکہ قربانی کی نیت سے ایک بکری خریدی دوم یہ کہ بغیر نیت قربانی کے بکری خریدی پھر قربانی کی نیت کی۔ سوم یہ کہ بغیر نیت قربانی کے خریدی پھر اپنی زبان سے اس کی قربانی واجب کر لی یعنی یہ کہا اللہ تعالیٰ کے واسطے مجھ پر واجب ہے کہ اس سال میں اس کی قربانی کروں۔ پس اوّل صورت میں موافق ظاہر الروایۃ کے وہ بکری اضحیہ نہ ہو جائے گی تاوقتیکہ اپنی زبان سے اس کی قربانی واجب نہ کرے اور امام ابو یوسفؒ نے امام اعظمؒ سے روایت کی کہ وہ بکری مجرد نیت سے اضحیہ ہو جائے گی جیسا کہ زبان سے اس کی قربانی واجب کرنے میں ہو جاتی ہے اور اسی کو امام ابو یوسفؒ نے اور بعض متاخرین نے لیا ہے اور امام محمدؒ سے منتقی میں مروی ہے کہ ایک شخص نے قربانی کے واسطے ایک بکری خریدی اور خرید کے وقت قربانی کی نیت دلیں رکھی تو وہ نیت کے موافق اضحیہ ہو جائے گی پھر اگر ایام قربانی سے پہلے اس نے سفر کیا تو اس کو فروخت کر سکتا ہے اور بوجہ مسافرت کے قربانی اس سے ساقط ہو جائے گی اور صورت دوم یعنی بغیر نیت قربانی کے خرید کر پھر قربانی کی نیت کی یہ ظاہر الروایۃ میں مذکور نہیں ہے اور حسنؒ نے امام اعظمؒ سے روایت کی ہے کہ وہ اضحیہ نہ ہو جائے گی حتیٰ کہ اگر اس نے یہ بکری فروخت کر دی تو اس کی بیع جائز ہوگی اور ہم اسی کو لیتے ہیں اور تیسری صورت میں یعنی خرید لے کے بعد اپنی زبان سے اس کی قربانی واجب کی تو بالاتفاق سب کے نزدیک اضحیہ ہو جائے گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ایک شخص نے ایسی بکری جس کو اس نے بہ نیت قربانی خریدا تھا بلا نیت قربانی ذبح کیا تو جائز[1] ہے کہ خریدنے کے وقت کی نیت کافی ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔

ایک شخص نے قربانی کی نیت سے ایک بکری خرید کر فروخت کر دی پھر دوسری خرید کر قربانی کی اور پہلی بکری اس نے بیس درہم کو فروخت کی اور مشتری کے پاس اس میں زیادتی ہو گئی یعنی وہ تیس درہم کی ہو گئی تو امام اعظمؒ و امام محمدؒ کے نزدیک پہلی بکری کی بیع جائز ہے اور اس پر واجب ہوگا کہ دوسری سے پہلی میں جس قدر مشتری کے پاس زیادتی ہوگی یہ زیادتی کی مقدار صدقہ کر دے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پہلی بکری کی بیع باطل ہے پس پہلی بکری مشتری سے لے لی جائے گی یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک شخص نے تجارت کے واسطے ایک بکری خریدی پھر اپنی زبان سے اس کی قربانی واجب کر لی تو اس پر واجب ہے کہ ایسا ہی کرے اور اگر نہ کیا یہاں تک کہ ایام قربانی گذر گئے تو اس کو بعینہٖ صدقہ کر دے یہ حاوی میں ہے اور اگر دو بکریاں قربانی کیں تو اصح یہ ہے کہ دونوں سے قربانی ہوگی کیونکہ حسن نے امام اعظمؒ سے روایت کی ہے کہ کچھ ڈر نہیں ہے کہ ایک بکری سے قربانی کرے یا دو بکریوں سے قربانی کرے یہ محیط سرخسی میں ہے کہ ایک شخص نے اضحیہ تیس درہم کو خریدا تو دو بکریاں بہ نسبت ایک کے افضل ہیں بخلاف اس کے اگر بیس درہم کو خریدے تو ایک بکری بہ نسبت دو بکریوں کے بہتر ہے کیونکہ تیس درہم میں قربانی کے واسطے جیسی سن کی اور جتنی بڑی چاہیے ہے اچھی پوری دو بکریاں آتی ہیں اور بیس درہم میں نہیں آتی ہیں حتیٰ کہ اگر بیس آتی ہوں تو دو بکریاں خریدنا بہتر ہوگا اور اگر تیس درہم میں دو بکریاں ایسی نہ ملیں تو ایک بکری خریدنا افضل ہوگا یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔ ایک شخص نے ایک بکری قربانی کرنے کی نیت کی اور کسی بکری کو معین نہ کیا تو اس پر ایک بکری واجب ہوگی اور اس میں سے کھا نہیں سکتا ہے اور اگر کچھ کھایا تو اس قدر کی قیمت صدقہ کرنی واجب ہوگی یہ وجیز کردری میں ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے مجھ پر واجب ہے کہ میں ایک بکری قربانی کروں پھر اس نے بدنہ یا گائے قربانی کی تو جائز ہے کذا فی السراجیہ۔

---

[1] یعنی قربانی ہو جائے گی۔

باب سوئم:

قربانی کے وقت کے بیان میں

قربانی کا وقت تین روز تک ہے یعنی ذی الحجہ کی دسویں و گیارھویں و بارھویں اور اوّل تاریخ افضل ہے اور آخر تاریخ ادون ہے اور دسویں تاریخ طلوع فجر سے لے کر بارھویں تاریخ غروب آفتاب تک ان ایام کے دن و رات میں قربانی جائز ہے لیکن رات میں ذبح کرنا مکروہ ہے اور اگر یوم اضحیٰ[1] میں شک ہوا تو مستحب یہ ہے کہ تیسرے روز تک تاخیر نہ کرے اور اگر تاخیر کر دی تو مستحب یہ ہے کہ اس میں سے کچھ نہ کھائے اور سب کو صدقہ کر دے اور جس جانور کو ذبح کیا ہے اس کی ذبح کی ہوئی حالت میں جو قیمت اندازہ کی جائے اور جس قدر اس کے زندہ ہونے کی حالت میں قیمت اندازہ کی جائے ان دونوں قیمتوں میں جس قدر فرق ہو اس قدر دام بھی صدقہ کر دے کیونکہ اگر قربانی غیر وقت میں واقع ہوئی تو یہ شخص عہدہ واجب سے اس کے خارج نہیں[ا] ہو سکتا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے ایام النحر تین دن ہیں اور ایام التشریق تین دن ہیں اور دونوں[2] چار میں پورے ہوتے ہیں کہ ان چار میں سے اوّل روز فقط یوم النحر ہے اور ان چار میں سے آخر روز فقط یوم تشریق ہے اور بیچ کے دونوں روز یوم نحر بھی ہیں اور یوم تشریق بھی ہیں اور ان ایام میں قربانی کرنا بہ نسبت قربانی کے دام صدقہ کرنے کے افضل ہے کیونکہ اگر اس نے قربانی کی تو واجب ادا ہو یا سنت ادا ہوئی اور اگر دام کیے تو محض تطوع ہے پس اس پر اس کو فضیلت ہے یہ ہدایہ میں ہے اور سواد شہر والوں کے واسطے وقت مستحب طلوع آفتاب کے بعد ہے اور اہل شہر کے حق میں خطبہ[3] کے بعد ہے یہ ظہیریہ میں ہے۔ اگر کسی نے ایسی حالت میں ذبح کیا کہ امام نماز میں تھا تو نہیں جائز ہے اسی طرح اگر ایسی حالت میں ذبح کیا کہ امام نے بقدر تشہد کے قعدہ نہیں کیا تھا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر ایسی حالت میں ذبح کیا کہ امام نے بقدر تشہد کے قعدہ کر لیا تھا مگر ہنوز سلام نہیں پھیرا تھا تو مشائخ نے فرمایا کہ بقیاس قول امام اعظمؒ کے نہیں جائز ہے جیسا کہ نماز میں ہونے کی حالت میں ایسا کرنا نہیں جائز ہے کیونکہ امامؒ کے نزدیک اپنی حرکت سے نماز سے باہر ہونا فرض ہے کذا فی البدائع اور یہ صحیح ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

اگر ایسی حالت میں ذبح کیا کہ امام نے ایک سلام پھیرا تھا تو بالاتفاق قربانی جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر امام نماز سے فارغ ہو گیا اور ہنوز خطبہ نہیں پڑھا ہے تو ذبح کرنا جائز ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور تشہد کے بعد جب تک امام نے سلام نہ پھیرا ہو تب تک قربانی معلوم ہوا کہ امام نے بلاوضو نماز پڑھی ہے تو قربانی جائز ہوگی اور اگر لوگوں کے متفرق ہونے سے پہلے امام کو یاد آ گیا کہ میں نے بلاوضو نماز پڑھی ہے تو نماز کا اعادہ کیا جائے گا اور قربانی کا اعادہ نہیں کیا جائے گا اور بعض لوگوں نے کہا کہ لوگ نماز کا اعادہ نہ کریں گے فقط امام اعادہ کرے گا اور اگر امام نے لوگوں میں منادی کرا دی کہ نماز کا اعادہ کریں تو جس شخص نے اس بات سے واقف ہونے سے پہلے ذبح کیا ہے اس کی قربانی جائز ہوگی اور جس نے بعد جاننے کے ذبح کیا اس کی قربانی جائز نہ ہوگی اور اگر قبل زوال کے ذبح کیا یا بعد زوال کے ذبح کیا تو جائز ہے یہ وجیز کردری میں ہے۔ اگر دسویں تاریخ بسبب عذر کے یا بلا عذر نماز ترک کی تو جب تک زوال آفتاب نہ ہو تب تک قربانی نہیں جائز ہے اور اس کے دوسرے روز یا تیسرے روز نماز سے پہلے قربانی جائز ہے کیونکہ پہلے زوال آفتاب سے نماز کا وقت فوت ہو گیا اور دوسرے روز جو نماز ادا کی جائے گی وہ قضا ہوگی یہ محیط سرخسی میں ہے۔

[ا] اگر غیر وقت میں واقع ہوئی تو اس پر واجب تھا کہ بکری زندہ صدقہ کر دے یا اس کی قیمت اور اس صورت میں ذبح ہوگئی تو زندہ کے حساب سے قیمت لگا کر جس قدر فرق ہو صدقہ کر دے۔ (۱) دسویں تاریخ ذی الحجہ۔ (۲) دسویں سے لے کر تیرھویں ہے۔ (۳) خطبہ نماز۔

واقعات میں ہے کہ اگر کسی شہر میں فتور واقع ہوا کہ اس میں کوئی والی نہ رہا جو لوگوں کو بقر عید کی نماز پڑھاوے پس لوگوں نے بعد طلوع فجر کے قربانی کر دی تو جائز ہے اور یہی مختار ہے کیونکہ شہر مذکور اس حکم کے حق میں مثل سواد شہر کے ہو گیا کذا فی الفتاویٰ الکبریٰ اور اسی پر فتویٰ ہے یہ سراجیہ میں ہے اگر کسی نے عرفہ کے روز یہ جان کر کہ یہ روز عرفہ ہے بعد زوال آفتاب کے اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کر دیا پھر ظاہر ہوا کہ وہ یوم النحر تھا یعنی دسویں تاریخ تھی تو اس کی قربانی جائز ہو جائے گی اور اگر کسی نے یہ جان کر کہ یہ یوم النحر ہے یعنی دسویں تاریخ ہے نماز سے پہلے قربانی کر دی پھر ظاہر ہوا کہ یہ دوسرا روز یعنی گیارھویں تاریخ تھی تو بھی اس کی قربانی ادا ہو جائے گی یہ ظہیریہ میں ہے۔

اگر امام نے ایک شخص کو خلیفہ مقرر کیا کہ ضعیف لوگوں کو جامع مسجد میں نماز پڑھاوے اور خود قوی آدمیوں کو لے کر صحرا کی طرف یعنی عید گاہ میں گیا پھر عید گاہ والوں کی نماز تمام ہونے سے پہلے جامع مسجد والوں کی نماز تمام ہو جانے کے بعد ایک شخص نے قربانی کر دی تو قیاساً یہ ہے کہ جائز نہ ہو مگر استحساناً قربانی جائز ہے اور عید گاہ والوں کے فارغ ہونے کے بعد اہل مسجد کے فارغ ہونے سے پہلے اس نے قربانی کر دی تو قیاساً و استحساناً جائز ہے اور بعض نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں قیاس و استحسان ایک ہے اور شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا کہ یہ اس صورت میں ہے کہ جس فریق نے نماز پڑھی ہے اس فریق کے آدمی نے قربانی کی ہو اور اگر اس فریق کے آدمی نے جس نے نماز نہیں پڑھی ہے قربانی کر دی تو قیاساً و استحساناً اس کی قربانی جائز نہ ہوگی اور اضاحی زعفرانی میں ہے کہ اگر بڑے شہر کے دو ٹکڑوں میں سے کسی شخص نے جو ایسی طرف کے لوگوں میں سے ہے جنھوں نے نماز پڑھ لی ہے قربانی کی یا دوسری جانب کے لوگوں میں سے ہے جنھوں نے نہیں پڑھی ہے تو اس کی قربانی جائز ہوگی یہ محیط میں ہے۔ مستحب یہ ہے کہ قربانی کو دن میں ذبح کرے نہ رات میں کیونکہ دن میں اس کی سب رگیں اچھی طرح کاٹنا ممکن ہے یہ جوہرہ نیرہ میں ہے۔ نوازل میں ہے کہ اگر امام نے عرفہ کے روز نماز عید پڑھی پھر لوگوں نے اس کے بعد قربانی کر لی تو اس میں دو صورتیں ہیں یا تو اس کے سامنے لوگوں نے ذی الحجہ کے چاند دیکھنے کی گواہی دی تھی یا نہیں دی تھی پس اوّل صورت میں نماز و قربانی دونوں جائز ہیں اور دوسری صورت میں نماز و قربانی دونوں جائز نہیں ہیں اور اس ناجائز صورت میں اگر دوسرے روز لوگوں نے قربانی کی تو اس میں دو صورتیں ہیں یا تو امام دوسرے روز نماز پڑھ لے گا یا نہ پڑھے گا پس پہلی صورت میں قربانی جائز نہ ہوگی اور دوسری صورت میں مسئلہ دو طرح پر ہے یا تو قبل زوال کے قربانی کی یا بعد زوال کے قربانی کی پس اگر قبل زوال کے قربانی کی پس اگر اس کو امید تھی کہ امام نماز پڑھے گا تو قربانی جائز نہ ہوگی اور اگر اس کے نماز پڑھنے کی امید نہ تھی تو قربانی جائز ہوگی اور اگر لوگوں نے بعد زوال کے قربانی کی ہو تو ادا ہو جائے گی۔ یہ سب اس صورت میں ہے کہ یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ روز عرفہ ہے اور اگر یہ ظاہر نہ ہوا لیکن لوگوں نے اس میں شک کیا تو صورت اوّل میں یعنی جب لوگوں نے امام کے سامنے گواہی دی ہو لوگوں کو اختیار ہوگا چاہیں دوسرے روز زوال کے بعد ذبح کریں یا زوال سے پہلے اور دوسری صورت میں کہ جب لوگوں نے اس کے سامنے گواہی نہ دی ہو تو احتیاط یہ ہے کہ دوسرے روز زوال کے بعد قربانی کریں یہ ذخیرہ میں ہے یہ فتاویٰ عتابیہ میں ہے کہ اگر لوگوں نے بعد زوال کے یوں گواہی دی کہ یہ دن یوم الاضحیٰ ہے یعنی دسویں تاریخ ذی الحجہ ہے تو لوگ قربانی کریں اور اگر لوگوں نے قبل زوال کے ایسی گواہی دی تو قربانی نہ ہوگی مگر جب کہ آفتاب ڈھل جائے اور تجنیس خواہر زادہ میں ہے کہ اگر ایک شخص نے مسافرت اختیار کی ہے اور اپنے اہل کو حکم دیا کہ میری طرف سے شہر میں قربانی کریں تو جب تک امام نماز سے فارغ نہ ہو تو تب تک اس کی طرف سے قربانی ادا نہ ہوگی کذا فی التاتارخانیہ۔

باب چہارم:

اِن صورتوں کے بیان میں

جو متعلق بزمان ومکان ہیں۔ اگر سواد شہر کے لوگوں میں سے کوئی شخص نماز بقر عید کے واسطے شہر میں آیا اور اپنے اہل سے کہ آیا کہ قربانی کر دیں تو ان لوگوں کو اختیار ہے کہ اس کی طرف سے بعد طلوع فجر کے قربانی کر دیں اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہم اس باب میں قربانی کے مقام کو دیکھتے ہیں اس کی طرف سے لحاظ نہیں کرتے ہیں جس کی طرف سے قربانی ہے۔ کذا فی الظہیریہ اور حسن بن زیاد سے بخلاف[1] اس کے مذکور ہے مگر قول[2] اول اصح ہے اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہ حاوی میں ہے اور اگر ایک شخص سواد شہر میں ہوں تو جب تک امام نماز سے فارغ نہ ہو تب تک اس کی طرف سے قربانی جائز نہ ہوگی اور ایسا ہی امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اور صاحبینؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ اگر ایک شخص ایک شہر میں ہو اور اس کے اہل دوسرے شہر میں ہوں پس اس نے اپنے اہل کو لکھا کہ میری طرف سے قربانی کریں تو جس جگہ قربانی واقع ہو وہ معتبر ہوگی یعنی اس کے اہل پر لازم ہوگا کہ جس شہر میں اس کی طرف سے قربانی کرتے ہیں وہاں کے امام کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس کی طرف سے قربانی کریں اور ابوالحسن [ا] سے مروی ہے کہ قربانی جائز نہ ہوگی جب تک دونوں شہروں میں نماز نہ ہو جائے یہ ظہیریہ میں ہے اور اگر کسی شخص نے قربانی کا جانور شہر سے باہر نکالا اور نماز عید سے پہلے اس کو ذبح کیا تو مشائخ نے فرمایا کہ اگر شہر سے اتنی دور نکل گیا ہے کہ وہاں مسافر کو نماز قصر کرنا جائز ہے تو نماز عید سے پہلے قربانی جائز ہوگی ورنہ نہیں یہ خزانۃ المفتیین میں ہے اور فقیری و توانگری و موت و ولادت میں آخر ایام [ع] النحر کا اعتبار ہے اگر کسی نے اپنی ذات سے یا اپنے فرزند سے ایک بکری خریدی پھر قربانی نہ کی یہاں تک کہ ایام قربانی گذر گئے تو اس پر واجب ہوگا کہ یہ بکری یا اس کی قیمت صدقہ کر دے اور حسن بن زیاد نے فرمایا کہ اس پر کچھ صدقہ واجب نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر کسی خاص بکری کی قربانی واجب کر لی ہو یا قربانی کی نیت سے کوئی بکری خریدی ہو پھر ایسا نہ کیا یہاں تک کہ ایام قربانی گزر گئے تو اس کو زندہ صدقہ کر دے اور اس میں سے کھانا جائز نہیں ہے اور اگر اس کو فروخت کیا تو اس کے دام صدقہ کر دے اور اگر اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت صدقہ کر دیا تو جائز ہے مگر اس بکری کے زندہ ہونے کی حالت کی قیمت اگر ذبح کی ہوئی سے زائد ہو تو جس قدر زائد ہو وہ بھی صدقہ کرے اور اگر اس میں سے کچھ کھایا ہو تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر اس نے ایسا نہ کیا یہاں تک کہ دوسرے سال میں قربانی کے ایام آ گئے اور اس کو سال گذشتہ کی قربانی میں ذبح کیا تو یہ جائز نہیں ہے پس اگر اس کو بعد ایام قربانی کے فروخت کیا تو اس کا ثمن صدقہ کر دے پس اگر اس کو اتنے داموں سے فروخت کیا کہ یہ لوگ اپنے انداز میں خسارہ اٹھا لیتے ہیں یعنی کوئی انداز نے والا اتنے کو اندازہ کرتا ہے تو خیر کافی ہے اور اگر اتنے کو فروخت کی کہ لوگوں میں سے کوئی اس قدر کم قیمت نہیں انداز کرتا ہے تو جتنی کمی ہے اس کو بھی صدقہ کرے یہ ظہیریہ میں ہے۔

اگر کسی نے وصیت کی کہ میری طرف سے قربانی کر دی جائے اور قربانی کا جانور بکری یا گائے وغیرہ کچھ نہ بتلایا اور نہ اس کا ثمن بیان کیا تو یہ جائز ہے اور یہ وصیت بکری پر واقع ہوگی بخلاف اس کے اگر کسی کو وکیل کیا کہ میری طرف سے قربانی کر دے اور کوئی جانور نہ بتلایا اور نہ اس کے دام بتلائے تو یہ نہیں[3] جائز ہے یہ بدائع میں ہے۔ اگر ایک شخص ایام نحر میں تو انگر ہو امگر اس نے قربانی نہ کی یہاں

[ا] کان المراد بہ الشیخ ابوالحسن الکرخی۔ [ع] آخر ایام النحر یعنی بارھویں ذی الحجہ مثلاً بارھویں کو فقیر ہے تو قربانی ساقط ہے اگر چہ دسویں کو تو انگر تھا اور اگر ۱۲ کو تو انگر ہے تو واجب ہے اگر چہ دسویں کو فقیر تھا اور علیٰ ہذا موت وولادت میں سمجھو۔

(۱) بخلاف قول امام محمدؒ۔ (۲) قول امام محمدؒ۔ (۳) ایسی وکالت جائز نہیں ہے۔

تک کہ قربانی کے ایام میں مر گیا قبل اس کے ایام قربانی گذر جائے تو اس کے ذمہ سے قربانی ساقط ہو جائے گی حتیٰ کہ اس پر اپنی طرف سے قربانی کرنے کی وصیت واجب نہ ہوگی اور اگر ایام قربانی گذرنے کے بعد مرا تو اس کے ذمہ سے بکری کی قیمت صدقہ کرنی ساقط نہ ہوگی حتیٰ کہ اس پر واجب ہوگا کہ اس قدر قیمت صدقہ کرنے کی وصیت کرے یہ ظہیریہ میں ہے۔ شہر کے رہنے والے نے ایک وکیل کیا کہ میری بکری قربانی کر دے اور خود سواد شہر میں چلا گیا پھر وکیل یہ جانور قربانی کا شہر سے نکال کر ایسی جگہ لے گیا جو شہر میں سے نہیں گنا جاتا اور وہاں ذبح کر دیا پس اگر موکل سواد شہر میں ہو تو وکیل کا اس کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہوگا اور اگر شہر میں لوٹ آیا ہو اور وکیل کو اس کے واپس آنے کا حال معلوم ہو تو بلا خلاف وکیل کا قربانی کرنا موکل کی طرف سے جائز نہ ہوگا اور اگر وکیل کو موکل کا شہر میں واپس آنا معلوم نہ ہو تو امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے اختلاف کیا ہے اور امام ابو یوسفؒ کا قول کہ یہ قربانی موکل کی طرف سے جائز ہوگی یہ مختار ہے کذا فی الکبریٰ۔

باب پنجم:

محل اقامتہ الواجب کے بیان میں

جس جانور کا قربانی کرنا اضحیہ واجبہ سے جائز ہے اور اس باب میں جنس واجب و اس کے نوع وسن وقدر وصفت کا بیان ہے واضح ہو کہ جنس واجب میں یہ چاہیے کہ قربانی کا جانور اونٹ و گائے و غنم تین جنس سے ہو اور ہر جنس میں اس کی نوع و نر و مادہ اور خصی (۱) و فحل (۲) سب داخل ہیں کیونکہ اسم جنس ان سب پر اطلاق کیا جاتا ہے اور معز نوع [۱] غنم [۲] ہے اور جاموش [۳] نوع بقر ہے اور قربانی کے جانوروں میں سے کوئی وحشی نہیں جائز ہے اور اگر کوئی جانور ایک وحشی اور ایک انسی (۳) سے پیدا ہو تو مادہ کا اعتبار ہے پس اگر مادہ پالو ہو تو بچہ کی قربانی جائز ہوگی ورنہ نہیں حتیٰ کہ اگر وحشی ہو اور بیل پالو ہو تو ان دونوں کا بچہ قربانی کرنا جائز نہیں ہے اور بعض نے فرمایا کہ اگر ہرن نے کسی پالو بکری سے جفتی کھائی پس اگر اس سے بکری پیدا ہوئی تو اس کی قربانی جائز ہوگی اور اگر ہرن پیدا ہوا تو جائز نہ ہوگی اور بعض نے فرمایا کہ اگر گھوڑی نے جنگلی گدھے سے گدھا جنا تو وہ نہ کھایا جائے گا اور اگر گھوڑا جنا تو اس کا حکم مثل گھوڑے کے ہے اور اگر کسی شخص نے وحشی ہرن کی جو مانوس ہوگئی ہے یا وحشی گائے کی جو مانوس ہوگئی قربانی کی تو جائز نہیں ہے اور جو جانور قربانی ہو سکتا ہے اس کے سن کا بیان یہ ہے کہ اونٹ و گائے و بکری میں سے ہر جنس کے ثنی سے کم قربانی کرنا نہیں جائز ہے مگر خاصۂ ضان [۴] میں سے جذع جائز ہے جبکہ موٹا تازہ ہو اور ان الفاظ کے معانی کا بیان امام قدوری نے یوں ذکر فرمایا کہ غنم کے چھ مہینہ کے بچہ کو جذع کہتے ہیں اور ایک سال کا بچہ ثنی ہوتا ہے اور گائے کا ایک سال کا بچہ جذع ہوتا ہے اور دو برس کا گائے کا بچہ ثنی ہوتا ہے اور اونٹ کا چار برس کا بچہ جذع ہوتا ہے اور پانچ برس کا ثنی ہوتا ہے اور ہم نے جو سن مقرر کر کے ہر یک جنس میں یہ بیان کیا ہے اس سے یہ مراد ہے کہ اس سے کم عمر کا قربانی کرنا نہیں جائز ہے اور اگر زیادہ عمر کا ہو تو قربانی ہو سکتا ہے حتیٰ کہ اگر اس عمر سے کچھ بھی کم عمر کا قربانی کیا تو نہیں جائز ہے اور اگر اس سے کچھ زیادہ عمر کا ذبح کیا تو جائز ہے بلکہ افضل ہے اور حمل [۵] وجدی و عجول و فصیل کسی کا قربانی کرنا نہیں جائز ہے اور مقدار واجب کا

---

[۱] قال المترجم قاموس و محیط سے واضح ہے کہ معز اس کو کہتے ہیں جس کے پشم ہوتی ہے اور ضان جس پر بال ہوں و قیل بالعکس۔ [۲] قولہ غنم اسم جنس ہے بز و گوسپند دونوں کو شامل ہے پس معز پشم دار بکریاں نر کو کیش مادہ اور ضان بال دار میں و معز کہلاتی ہے۔ [۳] اے گائے میش یعنی بھینس۔ [۴] قولہ ضان بمعنی میش لغت میں ہے اور عوام میں میش و زمیش بمعنی بھینسی کا دودھ مشہور ہے مگر یہ غلط کہتے ہیں میش بھیڑ کو کہتے ہیں۔ [۵] حمل بکری کا بچہ جدی بھیڑ کا بچہ عجول گائے کا بچہ فصیل اونٹ کا بچہ۔

(۱) معروف ہے متقابل وحشی یعنی پالو۔ (۲) جو جفتی کرتا ہو۔ (۳) مقابل وحشی یعنی پالو۔

بیان یہ ہے کہ بکری اور بھیڑ فقط ایک آدمی کی طرف سے جائز ہے اگرچہ وہ بڑی اور موٹی ہو کہ ایسی دو بکریوں کے برابر ہو کہ جس میں سے ہر ایک کی قربانی ہو سکتی ہے اور ایک اونٹ یا ایک گائے کی قربانی سات آدمی سے زیادہ کی طرف سے نہیں جائز ہے پس سات آدمی شریک ہوں یا کم ہوں تو ان کی طرف سے ہو سکتی ہے اور یہ عامہ علماء کا قول ہے اور صفت واجب یہ ہے کہ عیوب فاحشہ (۱) سے سالم ہو کذا فی البدائع اور جس کے سینگ نہ ہوں یا سینگ ٹوٹا ہو اس کی قربانی جائز ہے کذا فی الکافی اور اگر مشاش میں شکستگی ہو تو کافی نہیں ہے اور مشاش ہڈیوں کے سروں کو کہتے ہیں جیسے گھٹنے و کہنیاں یہ بدائع میں ہے اور مجبوب کی یعنی جو جماع کرنے سے عاجز ہے اس کی قربانی اور جس کو کھانسی آتی ہو اور جو بڑھاپے کے سبب سے بچہ جننے سے عاجز ہو اور جس کو داغ دیا گیا ہو اور جس کا دودھ بدوں کسی علت کے نہ اترتا ہو اور جس کا بچہ موجود ہے سب کی قربانی جائز ہے اور اجناس میں ہے کہ اگر اس کا البتہ چھوٹا ہو کہ پیدائشی دم گزہ کے مشابہ ہو وہ جائز ہے اور اگر اس کی پیدائشی البتہ نہ ہو تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ جائز ہے کذا فی الخلاصہ اور تاریک چشم اور عوراء [۱] جس کا ایک چشم ہونا کھلا ہوا ہو اور لنگ جس کا لنگڑا ہونا کھلا ہوا ہو یعنی قربانی کی جگہ تک اپنے پیروں سے نہ چل سکے اور مریضہ جس کا بیمار ہونا کھلا ہوا ہو اور وہ جس کی دونوں کان والتیہ دوم بالکلیہ کٹی ہوئی ہو اور وہ جس کے پیدائشی کان نہ ہوں سب کی قربانی جائز نہیں ہے اور جس کے کان چھوٹے ہوں وہ جائز ہے اور جس کا پورا ایک کان کٹا ہوا ہو یا جس کا پیدائشی ایک ہی کان ہو وہ جائز نہیں ہے اور اگر کان والتیہ دوم و آنکھ ان اعضا میں تھوڑا گیا ہو اور تھوڑا نہ گیا ہو تو جامع صغیر میں مذکور ہے کہ جس قدر جاتا رہا ہے اگر وہ بہ نسبت باقی کے زیادہ ہو تو قربانی جائز نہیں ہے اور اگر کم ہو تو جواز قربانی سے مانع نہیں ہے اور ہمارے اصحاب نے قلیل و کثیر کی تعداد میں اختلاف کیا ہے اور امام ابوحنیفہؒ سے چار روایتیں ہیں اور امام محمدؒ نے امام اعظمؒ سے اصل اور جامع میں روایت کی کہ اگر تہائی عضو یا اس سے کم جاتا رہا ہو تو قربانی جائز ہے اور اگر تہائی سے زیادہ گیا ہو تو نہیں جائز ہے اور صحیح یہی ہے کہ اگر تہائی یا کم ہو تو قلیل ہے اور اگر تہائی سے زیادہ ہو تو کثیر ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

آنکھ میں سے آدھی یا تہائی سے زیادہ کا جاتا رہنا اس طرح پہنچانا جائے کہ بکری کو ایک یا دو روز تک چارہ نہ دیا جائے پھر اس کی عیب دار آنکھ پر پٹی باندھ دی جائے اور تھوڑی تھوڑی گھاس اس کے قریب کی جائے پس جس جگہ سے وہ آنکھ سے دیکھے اس مقام پر نشان کر دیا جائے پھر یہ صحیح آنکھ باندھ دی جائے اور تھوڑی تھوڑی گھاس اس کے قریب کی جائے پس عیب دار آنکھ میں سے جس جگہ سے نظر کرے وہ نشان کر دیا جائے پھر پہلے نشان و اس نشان دونوں کے درمیان کی مسافت اندازی کی جائے پس اگر بقدر تہائی کے مسافت ہو تو تہائی آنکھ جاتی رہی اور دو تہائی باقی ہے اور اگر آدھی ہو تو آدھی گئی اور آدھی باقی رہی یہ کافی میں ہے۔ جس بکری کے دانت نہ ہوں اگر وہ چرتی اور چارہ کھا سکتی ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں کذا فی البدائع اور یہی صحیح ہے یہ محیط سرخسی میں ہے اور مجنونہ جائز ہے لیکن اگر یہ امر اس کے چرنے اور چارہ کھانے سے مانع ہو تو نہیں جائز ہے اور خارشتی جائز ہے بشرطیکہ موٹی تازی ہو اور اگر دبلی ہو تو نہیں جائز ہے اور شرقاء یعنی جس کا کان طول میں پھٹا ہوا ہو اور مقابلہ یعنی جس کا کان آگے سے کٹا ہوا لٹکتا ہو بالکل الگ نہ ہوا ہو اور مدابرہ یعنی جس کا کان پیچھے کی طرف سے کٹا ہوا لٹکتا ہو یہ سب جائز ہے اور یہ جو روایت کیا گیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شرقاء اور مقابلہ و مدابرہ و خرقاء کی قربانی کرنے سے ممانعت فرمائی ہے پس شرقاء و مقابلہ و مدابرہ کی ممانعت تو اس پر محمول ہے کہ بسبیل ندب منع فرمایا ہے اور خرقاء کی ممانعت اس پر محمول ہے کہ جس کی خرق کثیر ہو اس سے منع فرمایا ہے اور خرق کثیر کی تعریف میں اقوال مختلف [۲] ہیں یہ بدائع میں ہے اور جس کی ناک کٹی ہو وہ جائز نہیں ہے یہ

[۱] عوراء جس کی ایک آنکھ جاتی رہی ہو یا آنکھ کی بینائی جاتی رہی ہو وہ مراد معنی ثانی ہیں علی قول الفقہاء۔ [۲] ہر قول میں جس قدر خرق کثیر بیان کیا گیا ہے اسی کے موافق ممانعت بھی قرار دی جائے گی اور مختار یہ کہ تہائی یا زائد کثیر ہے۔ (۱) اس میں کوئی عیب فاحش نہ ہو اور اس کا بیان آتا ہے۔

ظہیریہ میں ہے۔ جو احوال ہو یعنی جس کی آنکھ بھینگی ہو وہ جائز ہے اسی طرح جس کی پشم اتار لی گئی ہو وہ بھی جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ جس کے تھن کٹے ہوئے ہوں وہ نہیں جائز ہے اور جو اپنے بچے کو دودھ نہ پلا سکتی ہو اور جس کے تھن خشک ہو گئے ہوں وہ نہیں جائز ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ یتیمیہ میں لکھا ہے کہ میں نے شیخ ابوالحسن علی المرغینانی کو لکھا کہ اگر بکری کی زبان کٹی ہوئی ہو تو اس کی قربانی جائز ہے تو جواب میں فرمایا کہ ہاں جائز ہے بشرطیکہ ایسی نہ ہو کہ اس کے چارہ کھانے میں خلل آتا ہو اور اگر چارہ کھانے میں خلل آتا ہو تو اس کی قربانی[1] نہیں جائز ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے اور اگر زبان کٹا ہوا بیل ہو تو قربانی نہیں ہو سکتی ہے یہ قنیہ میں ہے۔

اگر غنم میں سے کسی کی زبان نہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے اور اگر بقر میں سے ہو تو نہیں جائز ہے یہ خلاصہ میں ہے اور شیخ عمرو بن الحافظؒ سے دریافت کیا گیا کہ اگر قربانی کے جانور کے دونوں کانوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ جاتا رہا ہو پس آیا یہ جمع کیا گیا ہے حتیٰ کہ امام اعظمؒ کے قول پر تہائی ہو کر قربانی سے مانع ہو جیسا کہ بدوں پر جو نجاست سات تھوڑی تھوڑی لگی ہوں وہ جمع کی جاتی ہیں تا کہ دریافت ہو کہ قدر درہم ہیں یا زائد ہیں اس پر قیاس کر کے اس کو بھی جمع کریں گے یا جس طرح دونوں موزوں کے شگاف کو جمع نہیں کرتے ہیں بلکہ ہر ایک موزہ[2] کا علیحدہ اعتبار ہے اس طرح اس میں بھی جمع نہ کیا جائے گا پس قربانی جائز رہے گی تو فرمایا کہ جمع نہیں کیا جائے گا اور یہ بھی دریافت کیا گیا کہ اگر ایک شخص نے قربانی کے جانور کی تہائی سے زیادہ زبان کاٹ ڈالی پس آیا امام اعظمؒ کے قول کے موافق اس کی قربانی جائز ہے فرمایا کہ نہیں جائز ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے اور جلالہ نہیں جائز ہے یعنی وہ جانور جو فقط نجاست کھاتا ہے اور کچھ نہیں کھاتا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور جو جانور اس قدر دُبلا ہو کہ جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو نہیں جائز ہے یہ مبسوط میں ہے اگر دبلی ہو مگر اس میں کس قدر چربی ہو تو جائز ہے یہ امام محمدؒ سے مروی ہے اور اگر خریدنے کے وقت دُبلی تھی پھر بعد خریدنے کے موٹی ہو گئی تو جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور جس کے تھنوں کے سرے کٹے ہوئے ہوں وہ نہیں جائز ہے اور اگر ایک تھن میں سے آدھے سے کم سرا کٹا ہوا ہو تو اس میں ویسا ہی اختلاف ہے جیسا آنکھ و کان میں ہے اور اگر دنبہ و بکری کے کسی ایک تھن کی گھنڈی پیدائشی نہ ہو یا کسی آفت سے جاتی رہی ہو اور ایک باقی ہو تو نہیں جائز ہے اور اونٹ و گائے میں اگر ایک گھنڈی جاتی رہی ہو تو جائز ہے اور اگر دو جاتی رہی ہوں تو نہیں جائز ہے یہ خلاصہ میں ہے اور اگر چوپایہ کے چاروں پاؤں میں ایک کٹا ہوا ہو تو نہیں جائز ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے اور خنثیٰ[ا] بکری کی قربانی نہیں جائز ہے کیونکہ اس کا گوشت نہیں گلتا ہے قربانی کے جانور کے بال غیر وقت قربانی میں گر گئے تو وہ جائز ہے بشرطیکہ اس کی ہڈیوں میں گودا موجود ہو یہ قنیہ میں ہے اور شطور نہیں جائز ہے اور شطور بکریوں میں سے اس کو کہتے ہیں جس کے دونوں تھنوں میں سے ایک کا دودھ خشک ہو جائے اور گائے و اونٹ میں سے اس کو کہتے ہیں جس کے دو تھنوں کا دودھ خشک ہو جائے کیونکہ ان دونوں کے چار چار[ب] تھن ہوتے ہیں یہ غیاثیہ میں ہے۔

مشائخ میں سے بعض نے اس فصل عیوب میں ایک اصل[3] ذکر فرمائی اور فرمایا کہ جو عیب ایسا ہو کہ منفعت کو پورا پورا زائل کر دے یا جمال کو پورا پورا زائل کر دے وہ قربانی سے مانع ہوتا ہے اور جو ایسا نہ ہو وہ مانع نہیں ہوتا ہے پھر جو عیب کہ قربانی سے مانع ہے وہ تونگر کے حق میں بہر حال یکساں ہے خواہ وہ قربانی کے جانور کو ایسا ہی عیب دار خریدے یا خریدنے کے وقت صحیح و سالم خریدے پھر وہ اس عیب کے ساتھ عیب دار ہو جائے ہر حال میں جائز نہیں ہے اور تنگدست[ج] کے حق میں ہر حال میں جائز ہے یہ محیط میں ہے۔ اگر

ا خنثیٰ یعنی جس میں نر و مادہ دونوں کی علامت موجود ہو۔ ب اس استدلال میں ضائع ہے گویا معتبر یہ ہے کہ آدھے تھنوں کا دودھ خشک ہو پس استدلال بجائے خود ہوگا۔ ج قال واضح ہو کہ فقیر یا تنگدست جہاں مستعمل ہے اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ گداگر ہو جیسے لوگ ٹکڑے مانگتے پھرتے ہیں بلکہ جوذی نصاب نہ ہو اعلیٰ ہذا تونگر سے ذی نصاب مراد ہے۔ (۱) جائز نہیں ہے۔ (۲) بقدر تین تین انگشت کے۔ (۳) قاعدہ کلیہ۔

ایک شخص نے قربانی کی بکری خریدی حالانکہ وہ موٹی تازی تھی پھر اس کے پاس اس قدر دبلی ہوگئی کہ اگر وہ ایسی حالت پر خریدتا تو جائز نہ ہوتی پس اگر خریدنے والا تو انگر ہو تو اس کی طرف سے قربانی ادا نہ ہوگی اور اگر تنگدست ہو تو ادا ہو جائے گی اس واسطے کہ قربانی تو انگر پر اس کے ذمہ واجب ہوتی ہے پس اگر اس بکری کو قربانی کے واسطے خریدا ہو تو نیت کی وجہ سے یہ بکری متعین ہو جائے گی حتیٰ کہ اگر فقیر نے اپنے اوپر قربانی واجب کر لی ہو تو اس کی طرف سے بھی یہ بکری جائز نہ ہوگی اور اگر قربانی کا جانور خریدا اور اس وقت اس کی دونوں آنکھیں صحیح و سالم تھیں پھر مشتری کے پاس وہ اعور[(۱)] ہوگئی یا اس کا مکان پورا یا ایسے یا دم کاٹی گئی یا اس کا پاؤں ٹوٹ گیا کہ چل نہیں سکتی حالانکہ یہ مشتری تو انگر ہے تو یہ قربانی اس کی طرف سے ادا[!] سے کافی نہ ہوگی اور اس پر واجب ہوگا کہ بجائے اس کے دوسری قربانی کرے بخلاف فقیر کے کہ اس کے حق میں ایسا حکم نہیں ہے اسی طرح اگر اس کے پاس مرگئی چوری گئی تو بھی یہی حکم ہے اور اضحیہ کو قربانی کے واسطے آگے لے آیا اور اس نے اس جگہ جہاں ذبح کرنا چاہا تھا مضطربانہ حرکت کی کہ جس سے اس کا پاؤں ٹوٹ گیا پھر اس شخص نے اس کو اسی جگہ ذبح کر دیا تو قربانی ادا ہوگئی اسی طرح اگر گائے اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور اس کی آنکھ میں ایسا صدمہ پہنچا جس سے اس کی آنکھ جاتی رہی مگر اس نے پکڑ کر وہیں ذبح کر دی تو بھی یہی حکم ہے مگر قیاس کی دلیل سے یہ حکم ہے کہ جائز نہ ہوگی اور وہ قیاس یہ ہے کہ یہ ایسا عیب ہے کہ اس جانور کے ساتھ قربت متعین ہونے سے پہلے اس جانور میں پیدا ہو گیا ہے پس ایسا ہوا کہ گویا حالت ذبح سے پہلے اس میں ایسا عیب تھا اور وجہ استحسان یہ ہے کہ یہ ایسی بات ہے کہ جس سے احتراز ممکن نہیں ہے کیونکہ بکری وغیرہ کا قاعدہ ہے کہ اضطرابی حرکتیں کرتی ہیں جس سے اس میں عیوب پیدا ہو جاتے ہیں اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر اس نے اضحیہ کی ٹانگیں پکڑیں تا کہ اس کو ذبح کرے پس اس سے اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی یا وہ کانی ہوگئی پھر اس کو اسی روز یا دوسرے روز ذبح کر دیا تو قربانی ادا ہو جائے گی یہ بدائع میں ہے۔

کیسے جانور کی قربانی افضل متصور ہوگی؟

سات آدمیوں نے ایک گائے پچاس درہم کو قربانی کے واسطے خریدی اور دوسرے سات آدمیوں نے سات بکریاں سو درہم کو خریدیں تو مشائخ نے باہم گفتگو[(۲)] کی ہے کہ دونوں میں سے کون افضل ہے اور مختار یہ ہے کہ دوم افضل[(۳)] ہے یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔ دس آدمیوں نے ایک شخص سے دس بکریاں ایکبارگی خریدیں اور بائع نے کہا کہ میں نے یہ دس بکریاں تم لوگوں کے ہاتھ ہر بکری دس درہم کے حساب سے فروخت کیں اور ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے خریدیں پس یہ سب بکریاں ان لوگوں میں مشترک ہوگئیں اور ہر ایک نے ان میں سے ایک بکری لے کر اپنی طرف سے قربانی کر دی تو جائز ہے پھر اگر ان بکریوں میں سے ظاہر ہوا کہ کوئی کانی تھی اور سب شریکوں میں سے ہر ایک نے اس بات سے انکار کیا کہ یہ کانی بکری اس کی ہو تو ان سب لوگوں کی قربانی ناجائز ہوگی کیونکہ نو بکریاں دس آدمیوں کی طرف سے جائز قربانی نہیں ہو سکتی ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور خصی بہ نسبت فحل کے افضل ہوتا ہے کیونکہ اس کا گوشت عمدہ ہوتا ہے یہ محیط میں ہے اور مشائخ نے باہم اختلاف کیا ہے کہ بدنہ افضل[(۴)] ہے یا ایک بکری ہو بعض مشائخ نے فرمایا کہ اگر بکری کی قیمت بہ نسبت بدنہ کے زیادہ ہو تو بکری افضل ہے کیونکہ بکری پوری فرض ہوگی اور بدنہ کا ساتواں حصہ فرض ہوگا اور باقی نفل ہوگا

[!] مترجم کہتا ہے کہ یہ قولہ لاتجزی عنہ کا ترجمہ ہے بیضاویؒ نے منہاج میں لکھا ہے کہ یہ ادائے کافی ہے۔

(۱) بینائی جاتی رہی۔ (۲) حسن ادب ہے کہ لایعنی اختلاف نہ ہو۔ (۳) کیونکہ عبادت مالی و بلا اشتراک غیر اور تعدد قربات ہے۔

(۴) جو جماع نہیں کر سکتا۔

اور شیخ امام ابوبکر محمد بن الفضل نے فرمایا کہ بدنہ افضل ہے کیونکہ اس میں بہ نسبت بکری کے گوشت زیادہ ہوتا ہے اور یہ جو مشائخ نے کہا کہ بدنہ کا باقی حصہ نفل ہوگا سو ایسا نہیں ہے بلکہ جب ایک ہی شخص نے قربانی کیا تو پورا فرض ہوگا اور اس کو نماز کی قرأت کے ساتھ مشابہ کیا ہے کہ اگر نماز میں صرف اس قدر قرأت پر اقتصار کیا جس سے نماز جائز ہو جاتی ہے یعنی تین آیت پر تو جائز ہے لیکن اگر اس سے زیادہ پڑھی تو سب فرض ہوگی اور شیخ امام ابوحفص الکبیر نے فرمایا کہ جب بکری اور بدنہ کی قیمت برابر ہو تو بکری افضل ہے کیونکہ اس کا گوشت عمدہ ہوتا ہے کذا فی الظہیر یہ اگر بکری اور ساتواں حصہ گائے کا قیمت اور گوشت دونوں میں برابر ہوں تو بکری افضل ہی کیونکہ بکری کا گوشت عمدہ ہوتا ہے اور اگر گائے کا ساتواں حصہ مقدار گوشت میں زیادہ ہو تو ساتواں حصہ گائے کا افضل ہے اور اس میں حاصل یہ ہے کہ جب دونوں قیمت و مقدار گوشت میں برابر ہوں تو دونوں میں جس کا گوشت عمدہ ہے وہ افضل ہے اور گوشت و قیمت میں مختلف ہوں تو جو فاضل[1] ہے وہ بہتر ہے پس جو فحل[2] بیس درہم کا ہے وہ پندرہ درہم کے خصی سے افضل[3] ہے اور اگر دونوں کی قیمت برابر ہو مگر فحل میں گوشت زیادہ ہو تو فحل افضل ہے اور اگر گائے اور بیل کی قیمت اور گوشت میں برابر ہوں تو بیل کے بہ نسبت گائے افضل ہے کیونکہ گائے کا گوشت عمدہ ہوتا ہے اور ایک گائے چھ بکریوں سے اچھی ہوتی ہے اگر دونوں برابر ہوں اور سات بکریاں ایک گائے سے اچھی ہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

مینڈھا اور بھیڑی اگر دونوں قیمت و گوشت میں برابر ہوں تو مینڈھا اچھا ہے اور اگر بھیڑی قیمت یا گوشت میں زیادہ ہو تو وہی افضل ہے یہ ذخیرہ میں ہے دس درہم میں اضحیہ خرید کر قربانی کر دینا بہ نسبت ہزار درہم صدقہ کر دینے کے افضل ہے یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔ امام صفار کے اصول التوحید میں لکھا ہے کہ اگر ایام قربانی میں ایسے شخص نے جس پر بہ سبب تنگدستی کے قربانی واجب نہیں ہے کوئی مرغا یا مرغی ذبح کی تاکہ قربانی کرنے والوں کے ساتھ مشابہت ہو تو یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ مجوسیوں[4] کی رسوم میں سے ہے یہ خلاصہ میں ہے اور مستحب ہے کہ اضحیہ کا جانور خوب فربہ و خوبصورت و بڑا ہو اور افضل[5] الشاۃ مینڈھا کبودرنگ سینگوں والا ہے اور مستحب ہے کہ ذبح کرنے والا آلہ لوہے کا تیز[6] ہو اور مستحب ہے کہ بعد ذبح کے اتنا انتظار کرے کہ ذبیحہ ٹھنڈا ہو جائے اور تمام اعضا اس کے ساکن ہو جائیں اور تمام بدن سے روح نکل جائے اور یہ مکروہ ہے کہ ذبح کے بعد ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کی کھال کھینچنا شروع کرے یہ بدائع میں ہے افضل یہ ہے کہ اگر خود اچھی طرح ذبح کر سکتا ہو تو خود ہی اپنے ہاتھ سے ذبح کرے کیونکہ قربات میں خود بنفسہ متولی ہونا اولیٰ ہے اور اگر اچھی طرح ذبح نہ کر سکتا ہو تو افضل یہ ہے کہ دوسرے سے استعانت[7] لے لیکن چاہیے کہ خود بھی قربانی کے وقت حاضر رہے یہ کافی میں ہے اور فرمایا کہ اگر اس نے کسی مجوسی کو حکم دیا کہ میرا اضحیہ ذبح کر دے اس نے ذبح کیا تو جائز نہیں ہے اس وجہ سے کہ یہ افساد ہے تقرب نہیں ہے کیونکہ مجوسی کا ذبح کیا ہوا جانور نہیں کھایا جاتا ہے اور اگر اس نے کسی یہودی یا نصرانی کو ایسا حکم دیا تو اس کا ذبیحہ قربانی ہو جائے گا کیونکہ یہ دونوں ذبح کی اہلیت رکھتے ہیں لیکن یہ مکروہ ہے کیونکہ قربانی عمل قربت ہے اور یہودی و نصرانی کا فعل قربت نہیں ہے یہ مبسوط میں ہے اور مستحب ہے کہ اپنی قربانی میں سے خود کھائے اور دوسرے کو بھی کھلائے اور افضل یہ ہے کہ تہائی صدقہ کر دے اور تہائی اقارب و دوستوں کی ضیافت کے واسطے قرار دے اور تہائی اپنے واسطے رکھ لے اور غیر کو کھلانے میں غنی و فقیر کی خصوصیت نہیں ہے دونوں کو کھلائے یہ بدائع میں ہے اور اس میں سے جس قدر چاہے غنی و فقیر و مسلمان جوذمی کو ہبہ کرے یہ غیاثیہ میں ہے۔

اگر اس نے کل صدقہ کر دیا تو جائز ہے اور اگر سب اپنے واسطے رکھ لیا تو جائز ہے اور اس کو اختیار ہے کہ سب اپنے واسطے تین

---

(۱) خواہ برائے طیب و براہ گوشت۔ (۲) جو خصی نہ ہو۔ (۳) جب کہ دونوں کا گوشت برابر ہو۔ (۴) آتش پرست۔ (۵) جنس غنم میں سے بہتر۔ (۶) دھاردار۔ (۷) دوسرے سے ذبح کرادے۔

روز سے زیادہ تک رکھ چھوڑے لیکن اس کا کھلا دینا اور صدقہ کر دینا افضل ہے لیکن اگر وہ شخص ذی عیال اور فراخ حال نہ ہو اس کے حق میں افضل یہ ہے کہ اس کو اپنے عیال کے واسطے چھوڑ دے اور اس کے ذریعہ سے ان کو فراخی دے یہ بدائع میں ہے اور اگر قربانی بوجہ نذر کے واجب ہوئی ہو تو نذر کرنے والا نہ خود اس میں سے کھا سکتا ہے اور نہ کسی غنی کو کھلا سکتا ہے خواہ نذر کرنے والا غنی ہو یا فقیر ہو کیونکہ وہ تو صدقہ کرنے کے واسطے ہے اور صدقہ کرنے والے کو یہ روا نہیں ہے کہ اپنے صدقہ میں سے خود کھائے یا کسی غنی کو کھلا دے یہ تبیین میں ہے بشر بن الولید نے امام ابو یوسفؒ سے روایت کی کہ ایک شخص کے نو عیال ہیں اور دسواں آپ ہے پس اس نے دس دنبہ اپنے اور اپنے عیال کی طرف سے قربانی کیے اور کوئی دنبہ کسی کے واسطے معین نہ کیا بلکہ دسواں اپنے اور اپنے عیال کی طرف سے قربانی کی نیت کی تو استحساناً جائز ہے اور یہی امام اعظمؒ اللہ تعالیٰ کا قول ہے یہ محیط میں ہے۔

باب ششم:

اضحیہ کے حق میں

میں جو مستحب ہے اور جو اس سے انتفاع حاصل کر سکتا ہے اس کے بیان میں مستحب ہے کہ ایام النحر کے چند روز پہلے اضحیہ کو باندھ رکھے اور اس کی تقلیل و تجلیل کرے پھر اس کو قربانی کی جگہ تک خوبی کے ساتھ ہانک لے جائے اس کے ہانکنے میں سختی نہ کرے اور نہ اس کی ٹانگ پکڑے کہ وہاں تک کھینچ لے جائے یہ بدائع میں ہے اور جب اس کو ذبح کر چکے تو اس کی جھولیں اور قلادہ[1] سب صدقہ کر دے یہ سراجیہ میں ہے اور اگر قربانی کے واسطے ایک بکری خریدی تو مکروہ ہے کہ اس کا دودھ دوہ لے یا اس کی پشم نوچ لے اور اس سے نفع اٹھائے کیونکہ یہ بکری اس نے قربت کے واسطے معین کر دی ہے پس اقامت قربت سے پہلے اس کے کسی جزو کے ساتھ اس کو نفع لینا حلال نہیں ہے جیسے کہ قربانی کے وقت سے پہلے اس کو ذبح کر کے اس کے گوشت سے نفع نہیں اٹھا سکتا ہے اور مشائخ میں سے بعض نے فرمایا کہ یہ حکم ایسی بکری کا ہے جس کی قربانی کی فقیر یا غنی نے معین کر کے نذر کی ہو اور ایسی بکری کا ہے جس کو تنگدست نے قربانی کے واسطے خریدا ہو[2] اور اگر غنی نے قربانی کے واسطے خریدی ہو تو اس کے دودھ دوہ لینے اور اس کی پشم نوچ لینے میں کچھ ڈر نہیں ہے کذا فی البدائع مگر صحیح یہ ہے کہ اس کا دودھ دوہ لینے اور پشم اتار لینے میں غنی و فقیر دونوں کا حکم یکساں ہے یہ غیاثیہ میں ہے اور اگر ذبح کرنے سے پہلے اضحیہ کا دودھ دوھا یا اس کی پشم اتار لی تو اس کو صدقہ کر دے اور اس سے انتفاع نہ لے یہ ظہیریہ میں ہے اور جب اس نے ایام قربانی میں اس کو ذبح کیا تو اس کو جائز ہے کہ اس کا دودھ دوہ لے اور اس کی پشم اتار لے اور اس سے نفع اٹھائے کیونکہ ذبح کرنے سے قربت پوری ہو چکی اور قربت پوری ہونے کے بعد اس سے نفع اٹھانا مثل اس کے گوشت کھانے کے ہے یہ محیط میں ہے اور اگر اس کے تھنوں میں دودھ بھرا ہو اور اس سے خوف بیماری ہو تو اس کے تھنوں پر ٹھنڈا پانی چھڑکیں پس اگر اس سے سمٹ جائیں تو خیر ورنہ دودھ دوہ کر اس کو صدقہ کر دے اور قربانی کے جانور پر سوار ہونا یا اس کو کسی کام میں لگانا مکروہ ہے اور اگر اس نے ایسا کیا اور جانور مذکور میں نقصان آ گیا تو اس پر واجب ہو گا کہ جس قدر نقصان آیا ہے اتنے دام صدقہ کر دے اور اگر اس کو کرایہ پر دیا تو کرایہ صدقہ کر دے اور اگر دودھار گائے خریدی اور اس کی قربانی واجب کر لی پھر اسکو دودھ سے مال حاصل کر لیا تو جس قدر حاصل کیا ہے اس کے مثل[3] مال صدقہ کر دے اور اس کا گوبر صدقہ کر دے اور اگر اس کو چارہ دیتا ہو تو جو کچھ مال اس کے دودھ سے کمایا ہے یا اس کے گوبر سے نفع اٹھایا ہے وہ اس کا ہے

(۱) گردن وبند اور جو قربانی والے اونٹ کے گردن میں ڈالتے ہیں۔ (۲) نیت سے۔ (۳) اشارہ کیا کہ اگر تلف کر دیا ہو یا باقی ہو بہر حال صدقہ کرے پس باقی میں بعینہ استہلاک میں مثل۔

کچھ صدقہ نہ کرے یہ محیط سرخسی میں ہے اور اس کی کھال صدقہ کرے یا اس سے چھلنی وتھیلا وغیرہ کے مثل بنالے اور اگر اس کے عوض ایسی کوئی چیز خریدی جس کے عین سے اس طرح نفع اٹھا سکتا ہے کہ وہ چیز بعینہٖ باقی رہے جیسے چھلنی وغیرہ تو استحساناً اس میں کچھ ڈر نہیں ہے اور ایسی چیز نہیں خرید سکتا ہے جس سے بدوں استہلاک عین کے نفع حاصل نہ کر سکے جیسے گوشت واناج وغیرہ اور کھال کو بعوض درہموں کے نہیں فروخت کر سکتا ہے تاکہ ان کو اپنے اور اپنے میں لادے اور قربانی کا گوشت صحیح قول کے موافق بمنزلہٗ کھال کے ہے حتیٰ کہ اس کو ایسی چیز کے عوض جس سے بدوں استہلاک عین کے نفع نہ اٹھا سکے فروخت نہیں کر سکتا ہے اور اگر کھال وگوشت کو درہموں کے عوض اس غرض فروخت کیا کہ درہموں کو صدقہ کر دے تو جائز ہے کیونکہ یہ بھی قربت ہی جیسے اس کا صدقہ [1] کر دینا ہے یہ تبیین میں ہے اور ایسا ہی ہدایہ وکافی میں ہے۔

اگر قربانی کے گوشت کے عوض ایک چمڑے کا تھیلا خریدا تو نہیں جائز ہے اور اگر اس کے گوشت کے عوض حبوب یعنی اناج خریدا تو جائز ہے اور اگر اس کے گوشت کے عوض گوشت خریدا تو جائز ہے اور مشائخ نے فرمایا کہ اصح [2] حکم اس باب میں یہ ہے کہ کھانے کی چیز کی بیع بعوض کھانے کی چیز کے اور بے کھانے کی چیز کو بعوض لے کھانے کی چیز کے جائز ہے اور غیر ماکول کی بیع بعوض ماکول کے نہیں جائز ہے اور ماکول کی بیع بعوض غیر ماکول کے بھی نہیں جائز ہے یہ ظہیریہ وفتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر قربانی کی کھال ایک قرطالہ میں لگالی یا اس کی تھیلی بنائی پس اگر تھیلی کو اپنے گھر کے کاموں میں استعمال کیا تو جائز ہے اور اگر کرایہ پر دے دی تو جائز نہیں ہے اور اس پر واجب ہوگا کہ کرایہ صدقہ کر دے اور قرطالہ کو اگر اپنے گھر کے کاموں میں استعمال کیا یا عاریۃً دے دیا تو جائز ہے اور اگر کرایہ پر دے دیا تو مشائخ نے فرمایا کہ دیکھا جائے گا کہ اگر قرطالہ جدید ہو تو اس پر کرایہ صدقہ کرنا لازم نہیں ہے اور اگر پرانا پھٹا ہو تو اس پر فقط آدھا کرایہ صدقہ کرنا لازم ہوگا چنانچہ اگر دو دانگ کو کرایہ پر دیا تو ایک دانگ صدقہ کر دے کیونکہ جب قرطالہ جدید ہوگا تو اس سے نفع اٹھانے میں کھال کی احتیاج نہ ہوگی پس کھال اس کے تابع ہوگی اور پوری اجرت بمقابلہ قرطالہ کے ہوگی اور اگر قرطالہ کہنہ ہوگا تو اس سے نفع اٹھانے میں کھال کی ضرورت ہوگی پس نصف کرایہ بمقابلہ قرطالہ کے نصف بمقابلہ کھال کے ہوگا اور قرطالہ کو ارہ کہتے ہیں یہ ظہیریہ میں ہے اور قربانی کے جانور کی چربی کا پایا یا سری یا صوف [3] یا دبر یا بال [4] یا اس دودھ کا جو اس کے ذبح کرنے کے بعد دودھ لیا ہے کسی کو درہم یا دینار یا ماکولات ومشروبات وغیرہ کسی ایسی چیز کے عوض جس سے بدوں استہلاک عین کے نفع نہیں اٹھا سکتا ہے بیع کرنا حلال نہیں ہے اور نہ ان چیزوں کو بکری یا اونٹ وغیرہ ذبح کرنے والے کی اجرت میں دینا حلال ہے اور اگر ان چیزوں میں سے کسی کو بعوض اس کے جو ہم نے بیان کیا ہے فروخت کر دیا تو امام اعظمؒ وامام محمدؒ کے نزدیک بیع نافذ ہو جائے گی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نافذ نہ ہوگی اور اس کا ثمن صدقہ کر دے یہ بدائع میں ہے اور اگر قربانی کے جانور کے کسی طرف سے تھوڑا سا صوف ایام نحر میں پہچان کے واسطے نوچ لیا تو اس کے واسطے یہ جائز نہیں ہے کہ یہ صوف پھینک دے اور نہ یہ جائز ہے کہ کسی کو ہبہ کر دے بلکہ اس کو فقیروں پر صدقہ کر دے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اضاحی زعفرانی میں لکھا ہے کہ اگر اضحیہ کے بچہ پیدا ہو تو اس کے ساتھ اس کا بچہ بھی ذبح کرے ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا کہ یہ حکم تنگدست کے حق میں ہے جس کے واجب کر لینے سے قربانی اس پر واجب ہوگی اور غنی کے حق میں یہ حکم ہے کہ قربانی کے روز اس پر بچہ کا ذبح کرنا لازم نہیں ہے پس اگر اس نے بچہ کو قربانی کے روز اس کی ماں سے پہلے یا بعد ذبح کر دیا تو جائز ہے اور اگر نہ ذبح کیا اور ایام قربانی میں اس کو زندہ صدقہ کر دیا تو جائز ہے اور منتقی میں یوں لکھا ہے کہ اگر بچہ کو ایام قربانی میں زندہ صدقہ کر دیا تو اس پر اس کی قیمت صدقہ کرنی واجب ہوگی اور اگر اس نے ایام قربانی میں اس کا بچہ فروخت کر دیا تو اس کا ثمن [ا] صدقہ کر دے اور اگر اس نے بچہ کو ذبح نہ کیا یہاں تک کہ ایام قربانی گذر گئے تو اس پر واجب ہوگا

ا قال المترجم یہ شاید طرفین کے نزدیک ہے اور بقول امام ابو یوسفؒ یہ چاہئے کہ مشتری سے پھیر لے اور بعینہٖ صدقہ کر دے۔

(۱) خود کھال کا صدقہ کرنا۔ (۲) اصل اس باب میں یہ ہے۔ (۳) بکری کی پشم۔ (۴) اونٹ کی پشم۔

کہ بچہ کو زندہ صدقہ کر دے اور اگر اس نے بچہ کو ماں کے ساتھ ذبح کیا تو ماں و بچہ دونوں کے گوشت میں سے کھا سکتا ہے اور امام اعظمؒ سے روایت ہے کہ بچہ کے گوشت میں نہ کھائے اور اگر کھا لیا تو جس قدر کھایا ہے اس کی قیمت صدقہ کر دے اور میرے نزدیک بچہ کو زندہ صدقہ[1] کر دینا بہتر ہے یہ خلاصہ میں ہے اور اگر قربانی کے جانور کو فروخت کر دیا تو جائز ہے مگر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نہیں جائز ہے پھر اس کی قیمت سے دوسرا خریدے اور جس قدر دونوں قیمتوں میں تفاوت ہو وہ صدقہ کر دے اور قربانی کے جانور کے بچہ کے صوف و بال کاٹ لینا بھی اس کی ماں کے مانند نہیں جائز ہے کذا فی السراجیہ اور اگر یہ بچہ اس کے پاس رہا یہاں تک کہ بڑا ہو گیا اور اس نے دوسرے سال کی قربانی میں دوسرے سال کے واسطے ذبح کیا تو جائز نہیں ہے اور اس سال کے واسطے دوسرا جانور قربانی کرے اور جس کو ذبح کیا ہے اس کو ایسا ہی ذبح کیا ہوا صدقہ کر دے اور ذبح کرنے سے جس قدر اس کی قیمت میں نقصان آیا ہے وہ نقصان بھی اس کے ساتھ صدقہ کرے اور اسی پر فتویٰ ہے کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔

باب بفتم:

غیر کی طرف سے قربانی کرنے کے بیان میں اور غیر کی بکری کو اپنی طرف سے قربانی کرنے کے بیان میں

فتاویٰ ابو اللیثؒ میں ہے کہ اگر غیر کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کر دی خواہ اس غیر کے حکم سے کی یا بغیر حکم کی تو یہ نہیں جائز ہے کیونکہ غیر کی طرف سے کسی بکری کی قربانی جائز تجویز کرنا بدوں اس کے ممکن نہیں ہے کہ غیر کی ملکیت اس بکری میں ثابت کی جائے اور ملکیت غیر پر اس بکری میں بدوں اس کے ثابت نہ ہو گی کہ غیر کا قبضہ پایا جائے اور اس صورت میں غیر کا قبضہ اس بکری نہ اس کی ذات سے پایا گیا اور نہ اس کے نائب کی ذات سے پایا گیا یہ ذخیرہ میں ہے اور اگر غیر شخص کا قربانی کا جانور مالک کی طرف سے بدوں اس کے حکم صریح کے ذبح کر دیا تو قربانی مالک کی طرف سے واقع ہو گی اور استحساناً ذبح کرنے والے پر ضمان واجب نہ ہو گی اور اس مقام پر مطلقاً فرمایا کہ ضمان واجب نہ ہو گی اس طرح مقید نہ کیا کہ اگر مالک نے اس کو قربانی کے واسطے لٹایا تو ایسا کرنے سے ضمان واجب نہ ہو گی اور اجناس میں یہ قید لگائی ہے لیکن مختار وہی ہے جو اس مقام پر مذکور[(1)] ہے یہ غیاثیہ میں ہے اور اگر ایک بدنہ اپنی طرف سے اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد کی طرف سے قربانی کیا تو یہ ظاہر الروایۃ میں مذکور نہیں ہے اور حسن بن زیاد نے کتاب الاضحیہ میں ذکر کیا کہ اگر اس کی اولاد نابالغ ہوں تو امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس سے اور اس کی اولاد سب کی طرف سے جائز ہو گی اور گر بالغ ہوں پس اگر ان سب کے حکم سے ایسا کیا تو بھی امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سب کی طرف سے جائز ہو گی اور اگر ان سب کے بلا حکم یا بعض کے بلا حکم ایسا کیا تو سب کی طرف سے ناجائز ہو گی نہ اس کی طرف سے جائز ہو گی اور نہ اولاد کی طرف سے اس واسطے کہ جس نے اس کو حکم نہیں دیا تھا اس کا حصہ محض گوشت ہو گیا پس سب گوشت ہو گیا اور حسن بن زیاد کا یہ قول ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ پانچ اولاد کی طرف سے اور اپنی ام ولد کی طرف سے اس کی باجازت یا بلا اجازت ایک بدنہ قربانی کیا تو یہ اس کی طرف سے جائز ہو گی اور نہ ان لوگوں کی طرف سے جائز ہو گی اور شیخ ابو القاسمؒ نے فرمایا کہ اس کی طرف سے قربانی جائز ہو گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

---

[1] یہ اس وقت ہے کہ دوسرا کم قیمت ہو مثلاً پہلا دس درہم کا دوسرا آٹھ درہم کا تو دو درہم صدقہ کرے۔

(1) بلا قید۔

ایک شخص نے غیر کا اضحیہ[1] (جس کی قربانی کی نیت کی تھی ۱۲) بدوں اس کے حکم کے اپنی طرف سے ذبح کیا پس اگر مالک نے اس سے اس اضحیہ کی قیمت کی ضمان لی تو قربانی اس ذبح کرنے والے کی طرف سے جائز نہ ہوگی نہ مالک کی طرف سے اس وجہ سے کہ یہ ظاہر[2] (بعد ضمان کے ۱۲) ہوا کہ یہ قربانی اس کی ملک پر واقع ہوئی ہے اور اگر مالک نے اس طرح مذبوحہ لے لی تو مالک کی طرف سے قربانی جائز ہو جائے گی کیونکہ مالک نے اس کے قربانی کی نیت کی تھی پس غیر کا اس کو ذبح کر دینا کچھ معتر نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں ہے۔
اگر دو آدمیوں نے اس طرح غلطی کھائی کہ ہر ایک نے دوسرے کا اضحیہ ذبح کر دیا تو قربانی دونوں کی طرف سے صحیح ہو جائے گی اور استحساناً دونوں پر ضمان واجب نہ ہوگی اور ہر ایک دوسرے سے اپنی کھال کھینچی ہوئی بکری لے لے گا اور اس سے ضمان نہ لے گا اور اگر دونوں نے اضحیہ میں سے کھالیا ہو پھر دونوں کو یہ بات معلوم ہوئی تو چاہیے کہ دونوں میں سے ہر ایک شخص دوسرے سے تحلیل کرالے یعنی مجھے جو میں نے کھایا ہے معاف کر کے حلال کر دے اور قربانی دونوں کی طرف سے جائز ہو جائے گی اور اگر دونوں نے جھگڑا کیا تو ہر ایک دوسرے سے اپنی بکری کی قیمت تاوان لے گا پھر اگر ایام قربانی گزر گئے ہوں تو اس قیمت کو صدقہ کر دے گا کیونکہ یہ قیمت تاوان گوشت کا بدل ہے یہ کافی میں ہے۔ دو شخصوں نے اپنی اپنی بکری ایک مربط[1] میں داخل کیں پھر دونوں غلطی میں پڑے پس دونوں نے ایک ہی بکری پر اپنا اپنا دعویٰ کیا اور دوسری بکری کی نسبت دونوں نے دعویٰ نہ کیا یوں ہی چھوڑ دی تو جس بکری کی نسبت دونوں نے دعویٰ ترک کیا ہے وہ بیت المال کے واسطے ہوگی اور جس پر دونوں دعویٰ کرتے ہیں وہ دونوں[ا] میں نصفا نصف ہوگی اور دونوں کی طرف سے اس کی قربانی جائز نہ ہوگی اور اگر اونٹ یا گائے ہوتی تو دونوں کی طرف سے ادا ہو جاتی اور یہی اصح ہے۔ چار آدمی ہیں اور ہر ایک کے پاس ایک ایک بکری ہے اور چاروں نے اپنی اپنی بکریاں ایک ہی کوٹھری میں بند کر دیں پھر ان میں سے ایک بکری مرگئی اور یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ یہ کس کی بکری تھی تو یہ سب بکریاں فروخت کی جائیں اور ان کے داموں سے ان سب کے واسطے چار بکریاں ہر ایک کے واسطے ایک بکری تھی تو یہ سب بکریایاں فروخت کی جائیں اور ان کے داموں سے ان سب کے واسطے چار بکریاں ہر ایک کے واسطے ایک بکری خریدی جائے پھر ان لوگوں میں سے ہر ایک دوسرے کو ان سب بکریوں میں سے ہر ایک کے ذبح کے واسطے وکیل[ا] کر دے پھر ہر ایک شخص باقیوں میں سے تحلیل بھی کرالے پس سب کی طرف سے قربانی جائز ہو جائے گی یہ خلاصہ میں ہے۔
اگر تین آدمیوں نے تین بکریاں قربانی کی ایک ہی مربط میں باندھ دیں پھر ان میں سے ایک بکری عیب دار پائی گئی کہ جس میں ایسا عیب ہے کہ اس کی قربانی نہیں ہو سکتی ہے پس ان سب نے باہم جھگڑا کیا اور ہر ایک نے انکار کیا کہ یہ عیب دار بکری میری نہیں ہے تو عیب دار بیت المال میں داخل کی جائے گی اور باقی دونوں بکریوں کی ڈگری تینوں کے نام تین تہائی ہوگی یہ تاتارخانیہ میں ہے۔
ایک شخص نے بطور بیع فاسد ایک بکری خریدی پھر اس کی قربانی کر دی تو جائز ہے مگر بائع کو خیار حاصل ہوگا سو اگر اس نے قربانی کرنے والے سے زندہ بکری کی قیمت تاوان لی تو قربانی کرنے والے پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر بائع نے ذبح کی ہوئی واپس لے لی تو بعض نے فرمایا ہے کہ قربانی کرنے والا اس بکری کے زندہ ہونے کی حالت کی قیمت صدقہ کرے اس واسطے کہ جب بائع نے اس کو ذبح کی ہوئی لے لیا تو اس کے ذمہ سے قیمت ساقط ہو گئی پس گویا اس نے اس بکری کے ہاتھ اسی قیمت کے عوض جو اس پر واجب ہوئی تھی فروخت[3] کر دیا ہے اور بعض نے فرمایا کہ قربانی کرنے والے پر مذبوحہ کی قیمت سے زیادہ صدقہ کرنا واجب نہیں ہے اور یہی صحیح ہے اور اگر بائع نے مذبوحہ بکری نہ لی بلکہ مشتری نے اس قیمت سے جو اس پر واجب ہوئی ہے اس مذبوحہ بکری پر بائع کے ساتھ صلح کر لی یا

[ا] تاکہ اجازت تمام ہو جائے اگرچہ ایک کو ایک ہی ذبح کرے گا۔ [۲] بکریاں جہاں رہتی ہیں۔

(۱) پوری تصویر فیصلہ مقدمہ ذکر نہیں فرمائی بدین وجہ کہ مقصود بیان قربانی ہے۔ (۲) اس پر زندہ بکری کی قیمت واجب ہوئی تھی۔

اسی قیمت کے عوض اس کے ہاتھ فروخت کردی تو کچھ صدقہ نہ کرے گا یہ ظہیریہ میں ہے اور اگر ایک شخص کو ایک بکری بطور ہبہ فاسد کے ہبہ کی گئی اور اس نے اس کی قربانی کردی تو واہب کو اختیار ہے چاہے موہوب لہ سے زندہ بکری کی قیمت تاوان لے پس قربانی جائز ہو جائے گی اور موہوب لہ اس میں سے کھا سکتا ہے اور اگر چاہے تو مذبوحہ کو واپس کر لے اور نقصان کی قیمت لے لے پس اگر ایام قربانی گذر گئے ہوں تو یہ شخص یعنی موہوب لہ بقدر اس کی قیمت کے صدقہ کر دے گا اسی طرح اگر مرض الموت کے مریض نے حالت مرض میں کسی کو ایک بکری ہبہ کی حالانکہ مریض پر اس قدر قرضہ ہے کہ اس کا سب مال قرضہ میں ڈوبا ہوا ہے پھر موہوب لہ نے اس بکری کی قربانی کردی تو قرض خواہوں کو اختیار ہے چاہیں یہ مذبوحہ بعینہ واپس کر لیں پس قربانی کرنے والے پر اس کی قیمت صدقہ کرنی واجب ہوگی اور اگر چاہیں تو اس سے بکری مذکور کی قیمت تاوان لیں پس قربانی جائز ہو جائے گی اور وجہ یہ ہے کہ یہ بکری اس کے ذمہ مضمون تھی تو جب اس نے واپس دی تو اپنے ذمہ سے ضمان ساقط کردی یہ بدائع میں ہے۔

مسئلہ مذکورہ میں کپڑے کی قیمت بکری سے بڑھ جائے تو ''کیا'' صدقہ ہوگا؟

اگر ایک بکری بعوض ایک کپڑے کے خریدی پھر اس کی قربانی کردی پھر بائع نے کپڑے میں کوئی عیب پا کر واپس کر دیا تو اس کو اختیار ہوگا چاہے بکری کی قیمت تاوان لے لے پس قربانی کرنے والا کچھ صدقہ نہ کرے گا اور بکری کے گوشت میں سے کھا سکتا ہے اور اگر چاہے تو مذبوحہ بکری واپس کر لے پھر دیکھا جائے گا کہ اگر کپڑے کی قیمت زیادہ ہو تو کپڑا صدقہ کر دے گا گویا اس نے کپڑے کے عوض فروخت کی ہے اور اگر کپڑے سے بکری کی قیمت زیادہ ہو تو بکری کی قیمت صدقہ کر دے گا کیونکہ بکری اس کے ذمہ مضمون تھی پس اس کے واپس کر دینے سے اس نے اپنے ذمہ سے ضمان ساقط کی گویا اس نے جو اس کی قیمت ہے اس قدر ثمن کے عوض اس کو فروخت کیا ہے اور اگر قربانی کرنے والے نے مذبوحہ بکری میں بائع کے پاس کا کچھ عیب پایا تو بائع کو اختیار ہے چاہے بکری کو اسی طرح قبول کر لے اور ثمن واپس کر دے پھر مشتری اس ثمن کو صدقہ کر دے گا مگر اس میں سے حصہ نقصان کو صدقہ نہ کرے گا کیونکہ اس نے بقدر حصہ نقصان کے اپنے ذمہ نہیں واجب کیا ہے اور اگر بائع چاہے تو مذبوحہ بکری کو نہ قبول کرے اور حصہ عیب کے قدر ثمن واپس کر دے اور مشتری اس قدر حصہ کو صدقہ نہ کرے گا اس وجہ سے کہ اس قدر حصہ قربت میں داخل نہیں ہوا ہے قربت میں تو اس قدر داخل ہوا ہے جو اس نے ذبح کیا ہے حالانکہ اس نے ناقص بکری ذبح کی ہے لیکن جزائے[1] صید میں یہ نہیں ہے بلکہ اس صورت میں دیکھا جائے گا کہ اگر اس عیب کے ساتھ صید کے واسطے کوئی عدل و مساوی نہ پایا جائے تو اس پر یہ زیادتی صدقہ کرنی واجب ہوگی یہ شرح طحاویؒ میں ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کو ایک بکری ہبہ کی پھر موہوب لہ نے اس کو قربانی کیا یا متعۃ الحج میں جو قربانی لازم آتی ہے اس میں ذبح کیا یا جزائے صید میں ذبح کیا پھر واہب نے ہبہ سے رجوع کیا تو رجوع صحیح ہے اور قربانی ومتعہ[2] جائز ہوگا اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ ہبہ سے رجوع کرنا نہیں صحیح ہے اور موہوب لہ پر قربانی ومتعہ کی صورت میں کچھ صدقہ کرنا واجب نہ ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے۔

ایک مریض[3] نے ایک شخص کو ایک بکری ہبہ کی پھر موہوب لہ نے اس کی قربانی کردی پھر مریض اسی مرض میں مر گیا اور سوائے اس بکری کے اس کا کچھ مال نہ تھا تو وارثوں کو اختیار ہوگا کہ موہوب لہ سے اس کی دو تہائی قیمت زندہ ہونے کی حالت کی تاوان لیں یا دو تہائی مذبوحہ واپس لیں اور موہوب لہ پر لازم ہوگا کہ اس کی دو تہائی کی قیمت مذبوحہ حالت کی صدقہ کر دے اور دونوں صورتوں میں اس کی قربانی جائز ہو جائے گی کیونکہ اس نے اپنی ملک کا جانور ذبح کیا ہے یہ محیط سرخسی میں ہے فتاویٰ اہل سمرقند میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے ایام قربانی میں پانچ بکریاں خریدیں اور ان میں سے ایک بکری کی قربانی کا ارادہ کیا مگر اس نے کوئی معین نہ کی پھر قربانی کے روز کسی شخص نے ان میں سے ایک بکری بدوں حکم مالک کے مالک کی طرف سے قربانی کی نیت سے ذبح کردی تو وہ شخص ضامن ہوگا

(۱) یہ مسئلہ کتاب الحج میں مفصل مذکور ہوا ہے۔ (۲) جزائے صید میں دوسرا دم دے۔ (۳) مریض مرض الموت۔

کیونکہ جب مالک نے اس کو قربانی کے واسطے معین نہ کیا تھا تو بعینہٖ اس کے ذبح کرنے کی اجازت بطور دلالت کے بھی مالک کی طرف سے ثابت[1] نہ ہوئی یہ ذخیرہ میں ہے۔ منتقی میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کی قربانی کا جانور غصب کر کے اپنی طرف سے قربانی کر دیا اور مالک کو اس کی قیمت تاوان دے دی تو جو اس نے کیا ہے وہ ادا ہو گیا کیونکہ قیمت تاوان دینے سے وہ غصب کے وقت سے مالک ہو گیا یہ خلاصہ میں ہے اور اگر ایک شخص کی بکری غصب کر کے اس کی قربانی کر دی تو جائز نہیں ہے اور مالک کو اختیار ہوگا چاہے اس کو مذبوحہ لے لے اور تاوان نقصان لے لے اور اگر چاہے تو اس سے زندہ بکری کی قیمت تاوان لے لے پس غصب کے وقت سے یہ بکری غاصب کی ملک ہو جائے گی پس استحساناً قربانی جائز ہو جائے گی اسی طرح اگر ایک بکری خریدی اور اس کی قربانی کر دی پھر کسی شخص نے بکری پر اپنا استحقاق ثابت کیا پس اگر مستحق نے بیع کی اجازت دے دی تو قربانی جائز ہے اور اگر مذبوحہ بکری واپس لی تو جائز نہ ہوگی یہ شرح طحاوی میں ہے۔

اگر زید نے عمرو کے پاس ایک بکری ودیعت رکھی اور عمرو نے قربانی کے روز اس کی قربانی کر دی پھر زید نے اس کی قیمت تاوان لینی اختیار کی یا مذبوحہ واپس کر لی بہر حال عمرو کی قربانی ادا نہ ہوگی اور جو حکم ودیعت میں معلوم ہوا وہی عاریت و اجارہ میں ہے مثلاً ایک اونٹنی یا بیل یا گائے مستعار لیا یا اجارہ پر لیا پھر اس کی قربانی کر دی تو اس کی قربانی ادا نہ ہوگی خواہ اس کا مالک اس مذبوحہ کو لے لے یا قیمت تاوان لے لے یہ بدائع میں ہے۔ اگر کوئی بکری رہن ہو اس کی قربانی کر دی اور اس کی قیمت ضمان دے دی تو نہیں جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان و خلاصہ میں ہے۔ ایک شخص نے قصاب کو بلایا تا کہ میرے واسطے یہ جانور قربانی کر دے اور قصاب نے اپنی طرف سے قربانی کر دیا تو یہ قربانی مالک کی طرف سے ہوگی یہ سراجیہ میں ہے۔ ایک شخص نے اضحیہ خریدا اور غیر کو حکم دیا کہ اس کو ذبح کر دے پس اس نے ذبح کیا اور کہا کہ میں نے عمداً تسمیہ[2] کہنا چھوڑ دیا ہے تو ذبح کرنے والا مالک کے واسطے اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور مالک اس قیمت سے دوسری بکری خرید کر قربانی کر کے اس کا سب گوشت صدقہ کر دے گا اور کچھ نہ کھائے گا اور یہ اس وقت ہے کہ جب ایام قربانی باقی ہوں اور اگر گذر گئے ہوں تو اس کی قیمت فقیروں پر صدقہ کر دے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ابن سماعہ نے امام محمدؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو حکم دیا کہ میری یہ بکری ذبح کر دے پھر مامور نے اس کو ذبح نہ کیا یہاں تک کہ مالک نے وہ بکری فروخت کر دی پھر مامور نے اس کو ذبح کر دیا تو مامور نے اس کی قیمت مشتری کو تاوان دے گا اور جس نے اس کو ذبح کرنے کا حکم دیا تھا اس سے واپس نہیں لے سکتا ہے خواہ مامور کو بیع کا علم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ کیونکہ اگر اس کو بیع کا علم ہو گیا تھا تو یہ حکم ظاہر ہے اور اگر نہ ہوا تھا تو اس وجہ سے کہ حکم دہندہ نے اس کو دھوکا نہیں دیا ہے کیونکہ جس وقت اس نے اس شخص کو ذبح کرنے کا حکم دیا تھا اس وقت یہ بکری اس کی ملک تھی یہ واقعات ناطفی میں ہے۔ اجناس میں ہے کہ ابن سماعہ نے امام ابو یوسفؒ سے روایت کی کہ زید نے عمرو کو ایک بکری ذبح کرنے کا حکم دیا حالانکہ زید اس کو فروخت کر چکا تھا پس عمرو نے اس کو ذبح کر دیا باوجود کہ عمرو کو فروخت ہو جانے کا علم تھا تو مشتری کو اختیار ہوگا کہ اس کا ثمن بائع کو دے کر عمرو سے اس کی قیمت تاوان لے اور عمرو کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ زید سے تاوان واپس لے اور اگر عمرو کو اس کی بیع کا علم نہ ہو تو مشتری کو عمرو سے تاوان قیمت لینے کا اختیار نہیں ہے اس واسطے کہ اگر مشتری اس سے تاوان لے تو عمرو یہ مال تاوان زید سے واپس لے گا پس ایسا ہوگا کہ گویا زید نے

---

[1] قال المترجم بعض نے کہا کہ یہ قیاس ہے اور استحسان میں جواز و عدم تاوان ہے جبکہ ایک بکری ہو اور قربانی کی نیت ہو اور زیادہ بکریوں میں بھی یہی حکم ہے کیونکہ مقصود ادائے قربت ہے میں کہتا ہوں کہ نہیں بلکہ صحیح یہ کہ ضامن ہوگا کیونکہ ایک میں مالیت متعین ہو گئی تھی اور یہاں تعیین نہیں رہا تو فرق ظاہر ہو گیا۔

[2] تسمیہ بسم اللہ کہنا اور مراد اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔

خود ایسا کیا ہے تو بیع ٹوٹ جائے گی یہ ذخیرہ و محیط میں ہے۔

اگر تین آدمیوں نے تین بکریاں خریدیں پھر ذبح کرنے کے وقت سب کو شبہ پڑ گیا کہ کون بکری کس کی ہے تو شیخ امام ابوبکر محمد بن الفضل نے فرمایا کہ چاہیے کہ ہر ایک آدمی دوسروں کو ذبح کرنے کے واسطے وکیل کر دے تا کہ اگر ذبح کرنے والے نے اپنی بکری ذبح کر دی تو جائز ہو گی اور اگر دوسرے کی ذبح کی تو اس کی اجازت کی وجہ سے جائز[1] ہو گی۔ ایک شخص نے قربانی کرنی چاہی پس اس نے قصاب کے ہاتھ کے ساتھ اپنا ہاتھ بھی لگایا تا کہ دونوں کی مدد سے اچھی طرح ذبح ہو جائے تو شیخ امام ابوبکر محمد بن الفضل نے فرمایا کہ دونوں میں سے ہر ایک پر تسمیہ واجب ہو گا حتیٰ کہ اگر دونوں میں سے ایک نے تسمیہ چھوڑ دیا تو جائز نہ ہو گی یہ ظہیریہ میں لکھا ہے۔

<u>باب ہشتم:</u>

ان مسائل کے بیان میں

جو قربانی کے جانوروں میں شرکت ہونے سے متعلق ہیں جاننا چاہیے کہ بکری اگر چہ بڑی ہو مگر فقط ایک آدمی کے سوائے زیادہ کی طرف سے نہیں جائز ہے اور اونٹ و گائے سات آدمی کی طرف سے جائز ہے بشرطیکہ یہ سب لوگ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے واسطے قربانی[2] کرنے کی نیت رکھتے ہوں اور سات کی تعداد مقرر کرنے سے یہ مراد ہے کہ سات سے زیادہ آدمیوں کی طرف سے جائز نہیں ہے اور کم ہونے میں قربانی ادا ہو گی یہ خلاصہ میں ہے اور قربانی کرنے والا ایسے جانور میں جس میں شرکت ہو سکتی ہے ایسے شخص کو جو سرے سے کسی قربت (۱) کا قصد نہیں رکھتا ہے۔ شریک نہ کرے اور اگر شریک کر لیا تو اس کی قربانی ادا نہ ہو گی اور یہی حکم تمام قربات میں ہے کہ اگر قربت چاہنے والے نے ایسے شخص کو جو قربت نہیں چاہتا ہے شریک کر لیا تو قربت ادا نہ ہو گی اور اگر سب نے قربانی کا ارادہ کیا یا قربانی کے سوائے دوسری قربت کا قصد کیا تو سب کی مراد ادا ہو جائے گی خواہ یہ قربت واجبہ ہو یا نفل ہو یا بعض پر واجب اور بعض نے نفل ادا کی ہو اور خواہ جہات قربت (۲) ایک ہی ہوں یا مختلف ہوں جیسے بعض نے ہدی[3] احصار کا اور بعض نے احرام میں کسی جرم کے کفارہ کا اور بعض نے ہدی تطوع کا اور بعض نے دم متعہ یا قران کا ارادہ کیا اور یہ ہمارے اصحاب ثلثہ (۳) کا قول ہے اسی طرح اگر بعض نے اپنے فرزند کے عقیقہ کا جو پیشتر پیدا ہوا ہے قصد کیا تو بھی جائز ہے ایسا ہی امام محمدؒ نے نوادر الضحایا میں ذکر کیا اور اگر کسی نے ولیمہ کا یعنی نکاح کی ضیافت کا قصد کیا تو یہ صورت مذکور نہیں ہے مگر چاہیے کہ جائز ہوئے اور امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت ہے کہ انہوں نے جہات قربت مختلف ہونے کی صورت میں شرکت کو مکروہ (۴) فرمایا ہے اور امام اعظمؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ اگر یہ اشتراک ایک ہی نوع قربت میں ہو تو مجھے زیادہ پسند ہے اور ایسا ہی امام ابو یوسفؒ نے فرمایا ہے اور اگر ہر شریک نابالغ ہو یا ساتویں حصہ کا شریک ایسا شخص ہو جو فقط گوشت چاہتا ہے یا نصرانی وغیرہ ہو تو دوسروں کی قربانی بھی جائز (۵) نہ ہو گی یہ سراجیہ میں ہے اور اگر کوئی شریک ذمی ہو خواہ کتابی ہو یا غیر کتابی ہو اور خواہ وہ گوشت کی غرض سے شریک ہو یا اپنے دین کے موافق کسی قربت کا قصد رکھتا ہو تو سب کی قربت جو انہوں نے نیت کی ہے ادا نہ ہو گی یہ ہمارے نزدیک ہے اس واسطے کہ کافر کی طرف سے قربت متحقق نہیں ہوتی ہے تو اس کی نیت کالعدم ہو گی پس ایسا ہو گا کہ جیسے اس

---

[1] قال المترجم اور گوشت کھانے کے واسطے ہر ایک کو چاہیے کہ دوسرا ان سے تحلیل کرائے۔ [2] سب لوگ قربانی کریں کوئی ایسا نہ ہو کہ جو قربانی نہیں بلکہ گوشت کا حصہ چاہتا ہے۔ [3] ہدی احصار جب احرام باندھ کر طواف کعبہ ادا کرنے سے بوجہ بیماری و دشمن وغیرہ کے مجبور ہوا تو قربانی کر کے احرام سے نکلے ہدی تطوع نفل قربانی اگر سفر واحد میں ایک احرام سے عمرہ و حج ادا کیا تو قران کی شکر یہ قربانی دے اور اگر دو احرام سے ادا کیا تو بھی قربانی کرے۔

(۱) فقط گوشت چاہتا ہے۔ (۲) جیسے سب نے قربانی کی۔ (۳) امام اعظمؒ و ابو یوسفؒ و امام محمدؒ۔ (۴) مکروہ تنزیہی۔
(۵) قربانی یا دوسری قربت ہو۔

نے گوشت کی غرض سے شرکت کی اور مسلمان اگر گوشت کی غرض سے شرکت کرے تو ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے اسی طرح اگر کوئی شریک غلام یا مدبر ہو کہ وہ قربانی کی نیت رکھتا[1] ہو تو بھی یہی حکم ہے یہ بدائع میں ہے۔

اگر قربانی کے ارادے سے ایک گائے خریدی پھر اس میں چھ آدمیوں کو شریک کر لیا تو مکروہ ہے مگر قربانی سب کی طرف سے ادا ہو جائے گی کیونکہ حکماً یہ بمنزلہ بکریوں کی بیع کے ہے لیکن اگر اس نے خریدنے کے وقت یہ قصد کیا ہو کہ اس میں لوگوں کو شریک کر لے گا تو مکروہ نہیں ہے اور اگر ایسا کیا تو احسن ہوگا اور یہ حکم اس وقت ہے کہ جب یہ شخص غنی ہو اور اگر فقیر تنگدست ہو تو اس نے خریدنے سے اپنے اوپر قربانی واجب کر لی پس اس کے حق میں یہ جائز نہیں ہے کہ اس گائے میں دوسروں کو شریک کرے اسی طرح اگر اس نے صریح اپنے اوپر اس کی قربانی واجب کرنے کے بعد اس میں چھ آدمیوں کو شریک کر لیا تو اس کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اس نے پوری گائے اللہ تعالیٰ کے واسطے قربانی کرنی واجب کر لی ہے پھر اگر اس نے شریک ہی کر لیا تو قربانی جائز ہو جائے گی مگر گائے مذکور کے چھ ساتویں حصے کا ضامن ہوگا یعنی صدقہ کرے اور غنی کے حق میں کہا گیا ہے کہ غنی ثمن کو صدقہ کر دے تین آدمی ایک گائے میں شریک ہوئے کہ ایک کے سات حصوں میں سے تین حصے ہیں اور باقی دونوں میں سے ہر ایک کے دو دو حصے ہیں پھر جس کے تین حصے ہیں وہ مر گیا اور اس نے یہ حصے ملا کر چھ سو درہم چھوڑے اور ایک بیٹا اور ایک بیٹی دونوں نابالغ چھوڑے پھر وصی نے گائے میں سے میت کا حصہ ان دونوں کی طرف سے قربانی کر دیا تو قربانی سب شریکوں کی طرف سے ادا نہ ہوگی اس واسطے کہ لڑکی کا حصہ محض گوشت ہو گیا کیونکہ بیٹی فقیر ہے اس لیے کہ باپ کی میراث سے اس کو دو سو درہم سے کم ملا ہے اور اگر میت نے گائے کے حصے کے سوائے چھ سو درہم چھوڑے ہوں تو قربانی سب کی طرف سے جائز ہو جائے گی اس واسطے کہ لڑکی اس صورت میں غنی[2] ہو گی یہ محیط سرخسی میں ہے۔

پانچ آدمیوں نے ایک گائے میں شرکت کی پھر ایک شخص آیا اور اس نے درخواست کی کہ مجھے بھی شریک کر تو پس چار نے منظور کیا اور ایک نے انکار کیا پھر سبھوں نے اس گائے کی قربانی کی تو جائز ہے کیونکہ جس کا حصہ قربانی چار کے حصوں میں سے قرار دیا گیا ہے وہ گائے کے ساتویں حصہ سے زیادہ کا مالک ہوا پس گائے کے پچیس حصے لینے چاہییں کیونکہ ہم کو حساب کے واسطے ایسے عدد کی ضرورت ہے جس کا پانچواں حصہ نکلے اور پھر اس کے چار پانچویں حصہ کا پانچواں حصہ نکلے پس پانچواں حصہ نکالنے کی اس وجہ سے ضرورت ہے کہ پانچ شریک ہیں پس ہر واحد کا پانچواں حصہ ہوا اور چار پانچویں کا پانچواں اس وجہ سے نکالنے کی ضرورت ہے کہ چار شریکوں نے اس کی درخواست منظور کی ہے پس اس کو اپنے حصوں میں برابر شریک کر لیا ہے اور ان حصے چار پانچویں ہیں پس چار پانچویں حصوں کو پانچ آدمیوں میں برابر مشترک کر لیا پس کمتر ایسا عدد پچیس ہے پس پانچ شریکوں میں سے ہر ایک کے پانچ حصے ہوئے پھر چار نے درخواست منظور کر کے اس کو اپنے ساتھ اپنے بیس حصوں میں مشترک کیا یعنی پانچ آدمی میں مشترک کر دیا کہ جس میں سے ہر ایک کے چار حصے ہوئے اور پچیس میں سے چار حصے پچیس کے ساتویں سے زائد ہیں اور اس کی پہچان بسط و تجنیس کے ساتھ آسان ہوتی ہے کذا فی الظہیریہ۔

اگر چھ شریک ہوں پھر ساتویں کی درخواست کو پانچ نے منظور کیا اور ایک نے نامنظور کیا تو اس صورت میں قربانی جائز نہ ہوگی کیونکہ گائے کے ساتویں حصے سے اس کا حصہ کم پڑتا ہے کیونکہ اس صورت میں چھتیس حصے کرنے چاہییں کہ جس میں سے ہر ایک کے چھ حصے ہوئے پس پانچ شریکوں کے تیس حصے ہوئے کہ جن کو انہوں نے سائل کی درخواست منظور کر کے چھ آدمیوں میں مشترک کر دیا پس ہر ایک کے پانچ حصے ہوئے اور چھتیس میں سے پانچ حصے چھتیس کے ساتویں حصہ سے کم ہیں ایک گائے میں تین آدمی شریک ہیں پس

---

(۱) کیونکہ اس کی طرف سے قربانی متحقق نہیں ہو سکتی۔ (۲) کیونکہ اس کے حصہ میں دو سو درہم آتے ہیں۔

ان میں سے ایک آدمی نے ایک شخص غیر کو چوتھائی کا شریک کر لیا تو جائز ہے مگر تہائی ان دونوں میں نصفا نصف مشترک ہوگی اس وجہ سے کہ اس نے اس شخص غیر کو ہر ایک شریک کے برابر کر دیا مگر ایسا کرنا شریکوں کے حصہ میں صحیح نہ ہوا پس خاصۃً اسی کے تہائی حصہ میں صحیح ہوا یہ محیط[1] سرخسی میں ہے۔ اگر تین آدمیوں نے گائے خریدی پھر ایک نے کسی کو اپنے حصہ میں شریک کر لیا تو تہائی دونوں میں مشترک ہوگی اور قربانی جائز ہو جائے گی اور اگر اس کو ساتویں حصہ کا شریک کیا پس اگر اس کے شریکوں نے اجازت دے دی تو قربانی جائز ہو جائے گی اور اگر شریکوں نے اجازت نہ دی تو اس غیر کے لیے شریک کرنے والے کے حصہ میں سے ساتواں حصہ ہوگا پس قربانی جائز نہ ہوگی اور اگر فقط ایک شریک نے اجازت دے دی تو اس غیر کو ان دونوں کے حصوں میں سے ساتواں حصہ ملے گا تو بھی قربانی جائز[1] نہ ہوگی اگر ایک شخص نے ایک گائے خریدی اور سات آدمی شریک کر لیے تو قربانی جائز نہیں ہے پس اگر ایام قربانی گذر گئے ہوں تو ساتویں حصہ کی قیمت صدقہ کرے اور اس کے شریکوں پر کچھ صدقہ کرنا لازم نہ ہوگا اور اگر اس نے چھ آدمیوں سے کہا کہ میں نے تم کو شریک کیا پس ایک نے قبول کیا تو اس کو ساتواں حصہ ملے گا اور قربانی جائز ہو جائے گی اور اگر نصف گائے ایک کی ہو اور باقی نصف میں دو شریک ہوں پھر وہ ضائع ہوگئی پھر ان لوگوں نے دوسری گائے تین تہائی کی شرکت پر خریدی پھر پہلی گائے مل گئی پس اگر دوسری گائے بہ نسبت پہلی گائے کے تین ساتویں حصہ سے کم ہو تو جس قدر اس کے مابین ہے اس کو سب صدقہ کریں یہ تاتارخانیہ[2] میں ہے۔

اگر قربانی کے واسطے ایک گائے خریدی اور اس میں سے ایک ساتواں حصہ اس سال کی قربانی کی نیت سے اور باقی چھ ساتویں حصے سالہائے گذشتہ کی قربانی کی نیت سے ذبح کی تو اس سال کی قربانی جائز ہو جائے گی اور سالہائے گذشتہ کی ادا نہ ہوگی یہ خزانۃ المفتین میں ہے اور اگر بعض شریکوں نے نفل قربانی کی اور بعض نے سال گذشتہ کی قربانی سے جو اس کے ذمہ دین ہوگئی ہے اور بعض نے اسی سال کی قربانی واجب سے ذبح کرنے کی نیت کی تو سب جائز ہے مگر جس نے اس سال کی قربانی واجبہ سے ذبح کرنے کی نیت کی ہے اس کی اس سال کی قربانی ادا ہوگی اور جس نے قضائے سال گذشتہ کی نیت کی ہے اس کی نفل قربانی اس سال ادا[3] ہوگی اور قضاء جو اس کے ذمہ واجب ہے اور ادا نہ ہوگی اس کے واسطے درمیانی بکری کی قیمت صدقہ کر دے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور اگر اونٹ یا گائے میں آٹھ آدمی شریک ہوں تو کسی کی قربانی ادا نہ ہوگی کیونکہ ہر ایک کا حصہ ساتویں حصے سے کم پڑتا ہے اس طرح اگر شریک لوگ آٹھ سے کم ہوں لیکن کسی شریک کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہو مثلاً ایک شخص مر گیا اور اس نے ایک بیوی و بیٹا و گائے چھوڑی پس وارثوں نے گائے کی بقرعید کے روز قربانی کر دی تو جائز نہ ہوگی اس واسطے کہ عورت کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہے پس اس کے حصہ کی قربانی ناجائز ہوئی اور جب اس کے حصہ کی ناجائز ہوئی تو بیٹے کے حصے کی بھی جائز نہ ہوئی یہ ذخیرہ میں ہے۔ اضاحی زعفرانی میں ہے کہ اگر اونٹ یا گائے دو آدمیوں میں مشترک ہو اور دونوں نے اس کی قربانی کی تو مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے اور مختار یہ ہے کہ قربانی جائز ہوگی اور نصف حصہ ہفتم تابع ہوگا پس گوشت محض نہ ہوگا اور صدر الشہیدؒ نے فرمایا کہ امام والد نے یہ اختیار کیا ہے اور یہی فقیہ ابو اللیث کا مختار ہے یہ خلاصہ میں ہے اور اگر ایک شخص نے ساڑھے تین دینار دیے اور دوسرے نے اڑھائی دینار دیے اور تیسرے نے ایک دینار دیا تو قربانی ان سب کی طرف سے جائز ہوگی کیونکہ کمتر حصہ قربانی ساتواں حصہ ہے اس طرح اگر پانچ آدمیوں نے شرکت کی

---

[1] وجہ یہ ہے کہ گائے کے ۶۳ حصے کیے جائیں پس ایک تہائی یعنی ۲۱ تو اس کے نکل گئے جس نے اجازت نہ دی اور باقی ۴۲ میں ۳ شریک رہے ایک کا ساتواں حصہ یعنی ۲ اور باقی دونوں میں برابر لیکن پوری گائے کا ساتواں حصہ ۹ ہے تو چھ والے کی قربانی نہ ہوئی پس اس کا حصہ محض گوشت ہو گیا تو سب گائے قربانی نہ ہوگا۔ [2] اس بیان میں تشویش ہے فتامل۔

[3] اس طرح نسخہ میں ہے تو مقدمہ سے دونوں مسائل میں توجہ چاہیے یا نسخہ صحیحہ دیگر۔ (۱) پس تہائی میں اس کا برابر شریک ہوگا۔

اس طرح کہ ایک نے دو دینار دیے اور دوسرے نے اڑھائی دیئے اور تیسرے نے تین دینار دیے اور چوتھے نے بھی تین دینار دیے اور پانچویں نے ساڑھے تین دینار دیے تو بھی سب کی طرف سے جائز ہے کیونکہ حصہ قربانی کمتر ساتواں حصہ ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔

اگر سات آدمیوں نے ایک گائے قربانی کرنے کے واسطے خریدی پھر ساتوں میں سے ایک مر گیا اور اس کے بالغ وارثوں نے کہا کہ تم لوگ اس کو اپنی طرف سے اور میت کی طرف سے قربانی کر دو تو استحساناً جائز ہے اور اگر باقیوں نے بلا اجازت وارثوں کے ذبح کر دی تو ان کی طرف سے قربانی ادا نہ ہوگی کیونکہ حصہ میت قربت نہ ہوگا کیونکہ وارثوں کی طرف سے اجازت نہیں پائی گئی پس پوری گائے قربت میں مذبوح نہ ہوگی کیونکہ تجزی نہ تھی یہ کافی میں ہے اور اگر تین آدمیوں میں سے ہر ایک نے ایک ایک بکری قربانی کے واسطے خریدی ایک نے دس درہم کو خریدی اور دوسرے نے بیس درہم کو اور تیسرے نے تیس درہم کو خریدی اور ہر ایک بکری کی قیمت اس کے ثمن کے مثل ہے پھر یہ بکریاں باہم مختلط ہو گئیں کہ ہر ایک شخص اپنی بکری پہچان نہیں سکتا ہے پھر سبھوں نے ان کی قربانی کر دی تو سب کی طرف سے ادا ہو جائے گی مگر تیس درہم کا خریدنے والا بیس درہم صدقہ کر دے اور بیس درہم والا دس درہم صدقہ کر دے اور دس والا کچھ صدقہ نہ کرے گا اور اگر ہر ایک نے دوسرے کو اجازت دے دی کہ بکری کو اس کی طرف سے ذبح کرے تو سب کی طرف سے قربانی ادا ہو جائے گی اور ان پر کچھ صدقہ کرنا لازم[ا] نہ ہوگا یہ ینابیع میں ہے اور اگر دس آدمیوں نے دس بکریاں مشترک خریدیں پھر ہر ایک نے ایک بکری ذبح کر دی تو جائز ہے اور سب گوشت ان سب میں وزن سے تقسیم کیا جائے گا اور اگر انہوں نے ڈھیری[1] لگا لگا کر بانٹ لیا تو جائز ہے بشرطیکہ ہر ایک نے پائے اور سری اور کھال میں سے کچھ کچھ لیا ہو اسی طرح اگر ہر ایک نے علیحدہ خریدی ہو مگر سب مختلط[2] ہو گئیں پھر ہر ایک نے ایک ایک بکری ذبح کر دی اور اس پر سب نے باہم رضامندی کر لی تو بھی جائز ہے یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔

اضاحی زعفرانی میں ہے کہ سات آدمیوں نے باہم مشترک سات بکریاں خریدیں تا کہ ان بکریوں کی سب لوگ قربانی کریں اور ہر ایک کے واسطے کوئی بکری معین نہ کی پھر یوں ہی بلا تعین ذبح کر دیا تو قیاس یہ ہے کہ جائز نہ ہو مگر استحساناً جائز ہے واضح ہو کہ یہ جو فرمایا کہ باہم مشترک سات بکریاں خریدیں اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ ہے کہ اسطور سے خریدیں کہ ہر بکری ان سب میں مشترک ہو اور دوسرا یہ ہے کہ دس بکریاں اسطور سے خریدیں کہ ہر ایک کے واسطے ایک بکری ہو مگر غیر معین نہ معین پس اگر دوسرے طور سے خریدنا مراد ہے تو وہ باتفاق جائز ہے کیونکہ ہر ایک نے پوری بکری قربانی کی اور اگر اوّل مراد ہے تو جو حکم ذکر فرمایا ہے وہ دو روایتوں میں سے ایک روایت کے موافق ہے کیونکہ اگر بکری دو شخصوں میں مشترک ہو اور دونوں نے اس کی قربانی کی تو بعض مقام پر مذکور ہے کہ یہ جائز ہے یہ محیط میں ہے اگر دو بکریاں دو شخصوں میں مشترک ہوں اور دونوں نے اپنے نسک[3] سے ان کی قربانی کر دی تو دونوں کا نسک ادا ہو جائے گا بخلاف اس کے اگر دو غلام دو شخصوں میں مشترک ہوں اور دونوں نے اپنے اپنے کفارہ سے ان کو آزاد کیا تو جائز نہیں ہے۔ ایک اونٹ دو شخصوں میں مشترک ہے دونوں نے اس کی قربانی کر دی پس اگر دونوں میں سے کسی کا ساتواں حصہ یا دو ساتویں حصہ ہوں اور باقی دوسرے کا ہو تو جائز ہے اور اگر دونوں میں نصفا نصف ہو تو بھی اصح قول کے موافق جائز ہے کذا فی خزانۃ المفتین۔

باب نہم:

متفرقات کے بیان میں

اگر قربانی کی غرض سے دو بکریاں خریدیں پھر دونوں میں سے ایک ضائع ہو گئی اور اس نے دوسری کو قربانی کر دیا پھر ضائع شدہ

[ا] لازم نہ ہوگا کیونکہ اب اس نے اپنی بکری ذبح کی یا دوسرے کے حکم سے اس کی بکری ذبح کی۔

(۱) انکل سے نہ (۲) پہچان نہ ہو سکی۔ (۳) جو امر مثل قربانی وغیرہ کے اس پر واجب تھا۔

کو ایام قربانی میں یا اس کے بعد پایا تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا خواہ یہ بکری اس کی بہ نسبت جو قربانی کی ہے برتر ہو یا کمتر ہو یہ محیط میں ہے اور اگر کسی کو وکیل کیا کہ میرے واسطے کالی گائے قربانی کے واسطے خرید دے اس نے کبری گائے جس میں سیاہی وسپیدی تھی خریدی تو مؤکل کے ذمہ[1] پڑے گی اور اگر وکیل کیا کہ میرے واسطے مینڈھا سینگو ندار فراخ چشم خرید دے اس نے مینڈھا بے سینگوں والا غیر فراخ چشم خرید دیا تو مؤکل کے ذمہ نہ پڑے گا کیونکہ یہ وصف ایسا ہے کہ لوگ قربانی کے جانور را ایسی وصف مرغوب رکھتے ہیں پس وکیل نے مؤکل کے حکم کی مخالفت کی اور اگر وکیل کیا کہ میرے واسطے گائے کا دوسرے برس کا بچہ خرید دے اور اس کا کچھ ثمن بیان نہ کیا اور وکیل نے مسنہ خرید دیا تو اس میں دو صورتیں ہیں کہ اگر ثنیہ بچہ[2] بہ نسبت مسنہ کے کم داموں کو آتا ہو تو مسنہ مؤکل کے ذمہ نہ پڑے گا اور اگر ثنیہ ومسنہ دونوں ایک داموں کو آتے ہیں تو مسنہ مؤکل کے ذمہ لازم ہوگا کیونکہ وکیل نے مؤکل کا حکم چھوڑ کر اس کے حق میں بہتر چیز کی طرف خلاف کیا ہے اور اگر وکیل کیا کہ میرے واسطے ایک بکری قربانی کے لیے خرید دے پس وکیل نے خریدی اور ایک شخص کو مزدور کیا جو اس کو ایک درہم اجرت پر ہانک لایا تو یہ مؤکل کے ذمہ نہ ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے۔

اگر کہا اللہ کے واسطے مجھ پر واجب ہے کہ ایک بکری ہدی بھیجوں یا ایک بکری قربانی کروں پھر اس نے گائے یا اونٹ کی ہدی بھیجی یا گائے یا اونٹ قربانی کر دیا تو جائز ہو(۱) گا۔ ایک شخص نے نوے درہم کی بکری قربانی کی اور دوسرے نے ستر درہم کی گائے کی قربانی کی اور تیسرے نے سو درہم صدقہ کر دیے تو بکری والے کی قربانی بہ نسبت گائے والے کے بہتر ہے کیونکہ بکری کی قیمت سے زیادہ ہے اور جس نے گائے قربانی کی ہے اس کا ثواب بہ نسبت صدقہ کرنے والے کے بہت زیادہ ہے۔ ایک شخص[3] نے فقیری کی حالت میں ایام قربانی میں ایک بکری قربانی کے واسطے خرید کر اس کی قربانی کر دی پھر ایام قربانی ہی میں غنی ہو گیا تو شیخ فقیہ ابو محمد حریمیؒ نے فرمایا کہ قربانی کا اعادہ کرے اور ان کے سوائے دوسرے متاخرین نے فرمایا کہ اعادہ نہ کرے اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ ایک شخص کو وکیل کیا کہ میرے واسطے ایک شاۃ قربانی کے لیے خرید دے تو جاننا چاہیے کہ شاۃ اسم جنس ہے ضان ومعز(۲) دونوں کو شامل ہے اور اگر کسی کو وکیل کیا کہ میرے واسطے ضان خرید دے اس نے معز خریدی یا اس کے برعکس واقع ہوا تو مؤکل کے ذمہ لازم نہ ہوگی یہ محیط میں ہے۔ اگر کسی نے وصیت کی کہ میری طرف سے قربانی کر دی جائے اور کوئی جانور بیان نہ کیا تو وصیت جائز ہے اور بکری پر واقع ہوگی۔ اسی طرح (۳) اگر وصیت نہیں کی بلکہ کسی شخص کو حکم دیا کہ میری طرف سے قربانی کر دے اور کوئی جانور بیان نہیں کیا تو بھی جائز ہے اور اگر یوں وصیت کی کہ تمام میرے مال متروکہ سے ایک گائے خرید کر میری طرف سے قربانی کی جائے پھر وہ مر گیا اور وارثوں نے اجازت نہ دی تو تہائی مال سے بلاخلاف وصیت جائز ہے پس تہائی مال سے بکری خرید کر اس کی طرف سے قربانی کی جائے گی اور اگر یوں وصیت کی کہ میرے مال سے بیس درہم کو ایک گائے خرید کر میری طرف سے قربانی کر دی جائے پھر مر گیا اور اس کا تہائی مال بیس درہم سے کم ہے تو ہمارے مذہب کے موافق جس قدر پہنچے اس کی بکری خرید کر قربانی کر دی جائے گی یہ ذخیرہ میں ہے۔

اگر ایک شخص نے وصیت کی کہ اگر میں مر جاؤں تو میرے ان بیس درہموں سے ایک بکری خرید کر میری طرف سے قربانی کر دی جائے پھر مر گیا اور ان درہموں سے ایک درہم جاتا رہا تو باقی سے اس کی طرف سے قربانی کرنا امام اعظمؒ کے نزدیک نہیں جائز ہے اور صاحبینؒ نے اس مملوک(۱) پر جو آزاد کرنے کے واسطے خریدا جائے قیاس کر کے فرمایا کہ باقی انیس درہم سے اس کی طرف

---

[1] ذمہ پڑے گی کیونکہ یہ وصف بے فائدہ تھا۔ [2] ثنیہ جس کو دوسرا سال ہو اور مسنہ جس کو تیسرا سال ہو۔ [3] یہ سب اس وقت ہے کہ مذہب سے یہ افعال ایام نحر میں کیے ہیں۔

(۱) ادا ہوگا۔ (۲) بھیڑ و بکری۔ (۳) گویا یوں کہا کہ بکری کی قربانی کر دی جائے۔

سے جانور خرید کر قربانی کیا جائے گا۔ایک شخص نے ایک گائے خریدی اور دوسرے شخص سے کہا کہ اے فلاں شخص میں نے تجھے اس کی دو تہائی کا شریک کیا تو اس کی دو تہائی ہو گی اور اگر کہا کہ میں نے تجھے اس کے پورے کا شریک کیا تو نصف اس کی ہو گی کیونکہ اگر ہم اس کو پوری گائے دیں تو شرکت نہ ہو گی اور اگر کہا کہ میں نے اس کا حصہ یا ٹکڑا تیرے واسطے کر دیا تو یہ باطل ہے ہر چند کہ اس قول سے میں نے تیرے واسطے اس کا ایک سہم کر دیا امام اعظمؒ کے نزدیک چھٹا حصہ ہونا چاہیے کیونکہ امام کے نزدیک سہم کی تفسیر چھٹا حصہ ہے جیسا کہ کتاب الوصایا میں معلوم ہوا ہے کہ لیکن چونکہ سہم سے چھٹے حصے سے کم مراد ہونے کا بھی احتمال ہے اس واسطے باطل قرار دیا گیا ایک شخص نے دس دینار کو ایک گائے خرید کر قبضہ کر کے دوسرے شخص سے کہا کہ میں نے تجھے اس میں دو دینار کا شریک کیا اور اس نے قبول کر لیا تو وہ شخص پانچویں حصہ کا شریک ہو گا یہ ظہیر یہ میں ہے۔ایک شخص نے ایک بکری خرید کر اس کی قربانی کر دی پھر اس میں کوئی ایسا عیب پایا گیا کہ جس سے اس کی قیمت میں نقصان آتا ہے مگر ایسا نہیں ہے کہ اس کی قربانی نہ ہو سکے تو اس کو اختیار ہو گا کہ بائع سے نقصان عیب واپس لے اور جو کچھ واپس لیا اس کا صدقہ کر دینا اس پر واجب نہ ہو گا کیونکہ وہی معیوبہ بکری کی قربانی ادا ہو گئی ہے اور اس سے زیادہ اس پر کچھ واجب نہیں ہے اور اگر بائع نے کہا کہ میں مذبوحہ بکری واپس کیے دیتا ہوں اور ثمن واپس کر دیا تو مشتری پر واجب ہو گا کہ یہ سب ثمن سوائے حصہ نقصان عیب کے صدقہ کر دے اور اگر اس کا ثمن بائع پر ڈوب گیا تو اس پر کچھ واجب نہ ہو گا اور اگر کچھ وصول ہوا اور کچھ ڈوب گیا تو جس قدر وصول ہوا ہے اس میں سے بھی جتنا حصہ نقصان عیب کے پڑتے میں پڑتا ہو اس کو نکال کر باقی حصہ صدقہ کر دے مثلاً ثمن دس درہم تھے اور حصہ عیب ایک درہم تو ثمن وصول شدہ میں سے نو دسویں[1] حصے صدقہ کر دے یہ ذخیرہ میں ہے اور درہم کے ساتھ شعر[(۲)] مسترسل مانع میں معتبر نہیں ہے یہ قنیہ میں ہے۔

بعض سے قیمت طلب کرنا اور بعضوں کو بری کر دینے کی مختلف صورتوں کا بیان ☆

ایک کسی کا قربانی کیا ہوا جانور غصب کر لیا تو اس کی قیمت کا ضامن ہو گا کیونکہ یہ غیر کا مال مملوک بدوں اس کی اجازت کے لے لیا ہے اور جب قربانی کرنے والے کو اس کی قیمت وصول ہو جائے تو اس کو صدقہ کر دے کیونکہ غاصب اس کی قیمت تاوان دینے سے اس کا مالک ہو گیا پس ایسا ہو کہ گویا قربانی کرنے والے نے اس کے ہاتھ فروخت کر دیا اور فروخت کرنے کی صورت میں ثمن صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے ویسا ہے اس صورت میں واجب ہو گا اور یہ جائز نہیں ہے کہ اضحیہ مذبوحہ کی قیمت کو کسی غیر کو ہبہ کر دے اور اگر اس نے غاصب کو قیمت واپس کر دی تو اس پر کچھ واجب نہ ہو گا کیونکہ اضحیہ مذکور بدوں اس کے فعل کے تلف ہوا ہے اور اگر قربانی کرنے والے نے غاصب کو اس کی قیمت سے بری کر دیا حالانکہ قربانی کرنے والا غنی ہے یا فقیر ہے تو اس پر کچھ صدقہ کرنا واجب نہ ہو گا اس کے واسطے کہ ابتدا میں اس کو اختیار تھا کہ اصل کو غاصب کو ہبہ کر دے پس ایسا ہی اس کے بدل کو غاصب کی ملک کر دینے کا بھی اختیار ہے اس طرح اگر مذبوحہ اضحیہ کی قیمت سے غاصب کے ساتھ صلح کر لی تو اس پر واجب ہو گا کہ جو کچھ اس کی قیمت اس کے ہاتھ آئی ہے اس کو صدقہ کر دے اس سے زیادہ صدقہ کرنا لازم نہیں ہے کیونکہ یہ صلح ابراء[(۳)] بعض و استیفا بعض ہے اور اگر کسی کھانے کی یا متاع پر صلح کر محیط سرخسی میں ہے۔ایک تنگدست نے ایک بکری خریدی اور وہ ایام قربانی میں مر گئی اور اس کے پیٹ میں سے ایک بچہ نکلا تو لی تو اس کو اختیار ہو گا کہ یہ کھانے کی چیز کھائے یا متاع سے نفع اٹھائے اس واسطے کہ استحساناً بدل بھی برنہج و برصفت اصل ہو گا یہ استحساناً بچہ کو صدقہ کر دے یہ دجیز کردری میں ہے اور اگر اضحیہ کو سیم گداختہ[1] کے عوض جو معین تھی خرید کی اور اس کی قربانی کر دی پھر بائع نے

[1] جملہ دس حصہ کر کے اس کے نو حصہ صدقہ کر دے۔

(۱) خواہ غلام ہو یا باندی۔ (۲) بال لٹکے ہوئے۔ (۳) قیمت سے بری کرنا اور بعضے سے لینا۔

کسی عیب کی وجہ سے یہ ٹکڑا[1] چاندی کا واپس کیا اور مذبوحہ جانور کو لے لیا تو مشتری ثمن مذکور کو صدقہ کر دے اور قربت ادا ہو جائے گی اور اگر دو شخصوں نے مینڈھا و بھیڑی کے مبادلہ پر بیع کی اور دونوں نے اپنی خریدی ہوئی کو قربانی کیا پھر مینڈھا خریدنے والے نے اس میں ایسا عیب پایا جس سے اس کی قیمت میں دسویں حصہ کا نقصان آتا ہے پس اگر چاہے تو بھیڑی ہی ذبح کی ہوئی کا دسواں حصہ واپس لے لے اور اس پر کچھ صدقہ واجب نہ ہوگا مگر دوسرا اس قدر گوشت کی قیمت جتنا اس سے واپس لیا گیا ہے صدقہ کر دے اور اگر چاہے تو زندہ بھیڑی کے دسویں حصہ کی قیمت تاوان لے اور اس پر کچھ صدقہ کرنا واجب نہ ہوگا اور اگر مینڈھا بیچنے والے نے ذبح کیا ہوا مینڈھا واپس لینا پسند کیا تو اس کے مشتری کو اختیار ہے چاہے اس سے اپنی بھیڑی کی قیمت تاوان لے اور اس سب کو صدقہ کر دے سوائے حصہ عیب کے بشرطیکہ عیب ہو اور اگر چاہے تو مذبوحہ بھیڑی لے اور استحساناً اس کو صدقہ نہ کرے اسی طرح جس نے بھیڑی واپس دی ہے وہ اس مینڈھا کو بھی صدقہ نہ کرے جس کے لینے پر راضی ہو گیا ہے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔

ایک عورت[2] کا ایک دار ہے کہ اس کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہے اس میں خود مع اپنے شوہر کے رہتی ہے تو اس پر قربانی و صدقہ فطر واجب ہے اور اگر اس کا شوہر ساکن کرنے پر قادر ہے تو اس پر قربانی و صدقہ فطر واجب نہ ہوگا خواہ شوہر غنی ہو یا فقیر ہو۔ شیخ فرماتے ہیں کہ اس باب میں اختلاف ائمہ اس بات پر ہے کہ اگر عورت مذکورہ اس میں نہ رہتی ہو تو بالاتفاق واجب ہونا چاہیے اور میں نے بھی فتویٰ دیا ہے یہ قنیہ میں ہے۔ شیخ علی بن احمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص ہے جس کا ایک مقر (۱) مفلس پر قرضہ ہے پس آیا اس کے واسطے زکوٰۃ حلال ہے فرمایا کہ نہیں پھر دریافت کیا گیا کہ آیا اس پر قربانی واجب ہے فرمایا کہ نہیں جب تک کہ اس کو وصول نہ ہو جائے یہ تاتارخانیہ میں ہے۔ ایک شخص کا قرضہ خواہ ایسا ہو جو فی الحال واجب الادا ہے یا میعادی ہے کسی مرد تو انگر پر آتا ہے حالانکہ سر دست اس کے پاس اتنا نہیں ہے کہ جس سے قربانی کے واسطے جانور خرید سکے تو اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ قرض لے کر قربانی کرے اور یہ بھی لازم نہیں ہے کہ جس وقت اس کو یہ قرضہ وصول ہو تو بقدر قیمت اضحیہ کے صدقہ کرے مگر یہ واجب ہے کہ اگر اس کو گمان غالب ہو کہ قرض دار دے دے گا تو اس سے اضحیہ کے دام مانگے ایک شخص کا مال کثیر ہے مگر غائب ہے کہ اس کے شریک کے ہاتھ میں ہے یا مضارب کے قبضہ میں ہے اور خود اس کے پاس درہم و دینار یا متاع میں سے اس قدر ہے کہ اس سے اضحیہ خرید کر سکتا ہے تو اس پر قربانی کرنا واجب ہے یہ قنیہ میں ہے۔ مجموع النوازل میں ہے کہ چار آدمیوں نے چار بکریاں ہر ایک نے ایک بکری خریدی کہ جس کا رنگ[3] و مٹائی یکساں ہے پھر انھوں نے ان کو ایک جگہ بند کر دیا پھر صبح کو جو دیکھا تو ایک بکری مر گئی تھی اور یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ کس کی بکری مر گئی تو یہ بکریاں سب فروخت کر دی جائے گی اور ثمن سے چار بکریاں خریدی جائیں گی پھر ہر ایک شخص دوسرے کو ہر ایک کی ذبح کی اجازت دے اور ہر ایک دوسرے سے تحلیل بھی کرا لے تاکہ سب کی طرف سے قربانی جائز ہو جائے یہ محیط میں ہے۔

ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ میرا مہر اس قدر جو تیرے اوپر ہے اس میں سے ہر سال میری طرف سے قربانی کر دے پھر اس نے کر دی تو اس میں اختلاف ہے اور قربانی کے ایام گذر جائیں و قربانی نہ کرے تو اس کی قیمت صدقہ کرے گا لیکن اگر عورت نے یہ قیمت اپنے شوہر فقیر کو صدقہ میں دی تو نہیں جائز ہے اور اگر شوہر نے اپنی عورت فقیر کو صدقہ دی تو نہیں جائز ہے یہ خلاصۃ انھیں دونوں کے حق میں امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور اگر اپنی باندی کو صدقہ میں دی تو نہیں جائز ہے اور اگر کسی فقیر کو قربانی کا گوشت زکوٰۃ کی نیت سے دیا تو ظاہر الروایت کے موافق ادا نہ ہوگی اور اگر کسی شخص نے اپنے شہر یا گاؤں میں قربانی کا جانور پایا تو اس پر لازم ہے کہ جہاں لوگ شہر سے بکریاں خریدنے جاتے ہوں وہاں تک جائے کذا فی القنیہ۔

---

[1] گلائی ہوئی چاندی کے ٹکڑے۔ [2] ایک عورت الخ اصل میں یوں ہی مذکورہ ہے اور عنقریب مقدمہ میں تحقیق ہوگی۔ [3] قولہ رنگ اقوال یہ رنگ و موٹائی صرف اتفاق بیان ہے تاکہ شناخت نہ ہو ورنہ اگر بدوں اس کے شناخت نہ ہو تو بھی یہی حکم ہے۔ (۱) منکر نہیں ہے۔